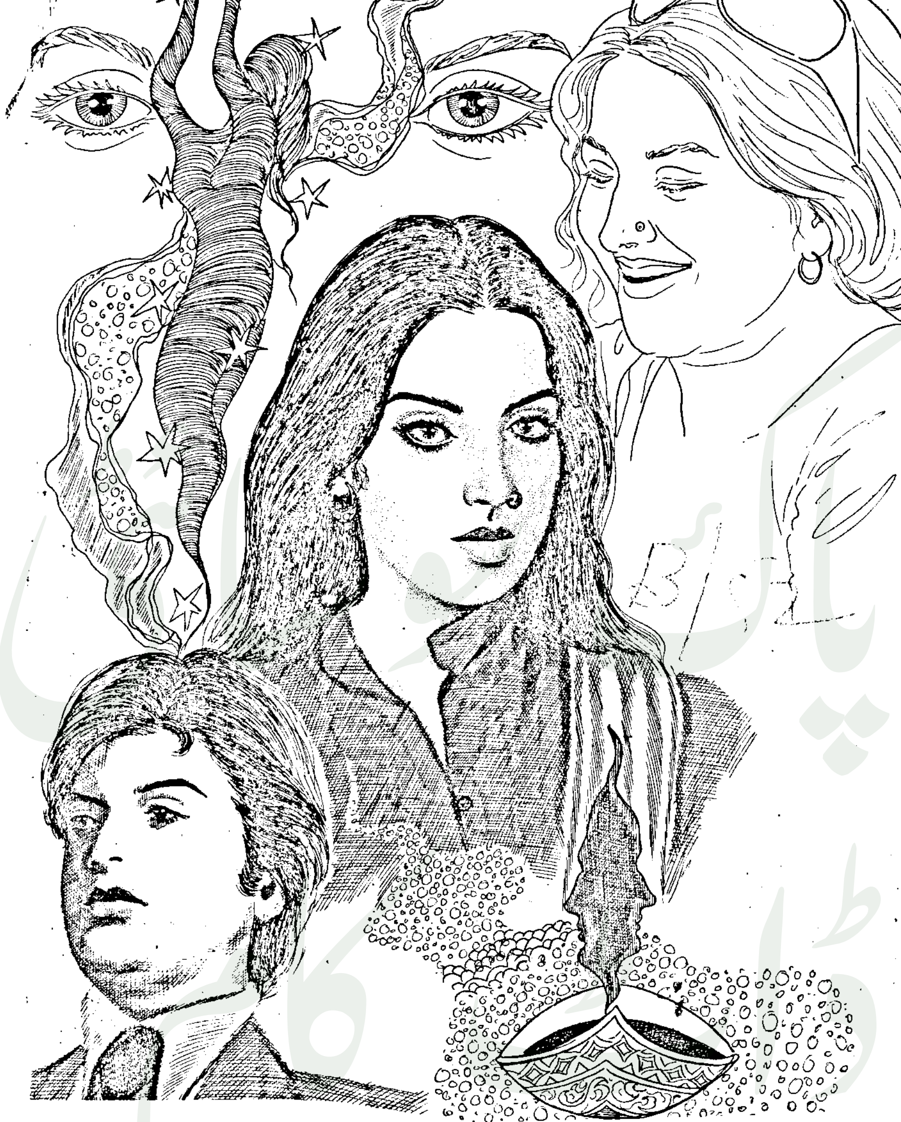
عمران ڈائجسٹ کا

ذی تیکا





کے ٹیلوں کے بنتے بگڑتے نقوش دیکھے ہیں آپ نے!
ہوائیں انھیں کیا کیا شکلیں دیتی رہتی ہیں.
یہی کیفیت انسان کی ہے۔ انسان خود
کو کیا کیا سمجھتا ہے۔ کیسی کیسی پائیدار توقعات رکھتا ہے کیسے کیسے
انوکھے دعوے کرتا ہے — کہیں وہ شداد و نمرود نظر آتا ہے. تو
کہیں ہٹلر اور مسولینی —!

کون باقی رہا — کون پائیدار ہے۔ سب داستانیں چھوڑ
جاتے ہیں۔ وقت کی ہوائیں نقوش بناتی ہیں بگاڑتی ہیں —
زندگی سلامت رہتی ہے تو یہ نقوش محفوظ رہتے ہیں. موت آتی ہے
تو صرف کہانیاں رہ جاتی ہیں۔ جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا
جس کی کہانی ہے۔

کون باقی ہے — وقت یکساں کہاں رہا ہے — !

مجھ سے ملئے — میرا نام سرفراز احمد خان ہے۔ موقع ملا ہے کہ اپنی انوکھی کہانی سے آپ کو آگاہ کروں — اپنے دل کی کتاب آپ کے سامنے کھول دوں۔ اس میں کسی بخل سے کام نہیں لوں گا — ہر واقعہ — ہر تفصیل من وعن بیان کروں گا — کوئی پہلو آپ سے پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔

اپنی کہانی سنانے سے قبل پہلے آپ سے اپنا مکمل تعارف کراؤں گا — اس تعارف کا کہانی سے گہرا تعلق ہے — ورنہ میں اپنے بارے میں بتاتے ہوئے شاید کچھ جھجک، کچھ جھینپ، کچھ شرم محسوس کرتا۔

لوگوں کا خیال ہے کہ میرا رنگ کشمیری سیب کی مانند ہے، میری بڑی بڑی آنکھوں میں ایک خاص کشش، ایک جاذبیت ہے — میرا سینہ بہت کشادہ ہے۔ میرے بازو سڈول اور توانا ہیں۔ میری کلائیوں اور سینے پر لمبے لمبے سیاہ بال ہیں — آج بھی — اس وقت بھی جب میری عمر کافی ہو چکی ہے میری کمر چیتے کی کمر کی مانند پتلی ہے — ہاں — یہ درست ہے کہ میں اس عمر میں بھی خود کو چست و توانا محسوس کرتا ہوں۔ اور بڑے بڑے جوان میرے سامنے شرماتے ہیں۔

اور پھر جدید نسل — ! اللہ اللہ۔ اس کے بارے میں تو کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا — الفاظ کا بوجھ بھی ان کے نازک کندھے کہاں برداشت کر پائیں گے۔

خیر میرا مقصد کسی پر طنز کرنا نہیں ہے — میں تو آپ کو اپنی کہانی سنا رہا ہوں سندھیر گڑھ کے نواح میں موضع سندیلا میرا آبائی وطن ہے — پرکھوں سے جاگیرداری رہی ہے۔ اور نسل در نسل منتقل ہوتی رہی ہے — یہ جاگیر کے چکر بھی خوب ہوتے ہیں دراصل دولت کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں — ہاں ایک خصوصیت ہمیشہ یکساں رہی کہ یہ ہمیشہ فساد کی جڑ رہی ہے۔ خود میرا خاندان بھی طرح طرح کے خونیں واقعات سے بھرا پڑا ہے — ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی خاندان۔ ایک ہی خون آپس میں ٹکرایا ہے اور اس کے بعد وہ کچھ ہوا ہے۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کسی اور کے بارے میں کیا کہوں۔ خود میری شخصیت کو دیکھ لیں — اپنوں نے کیا کیا نہ کیا میرے ساتھ — کسی کی شکایت مقصود نہیں ہے — کہانی کا ایک باب ہے۔ اور میں وعدہ کر چکا ہوں کہ حالات کیسے بھی ہوں ان کے بارے میں بتانے میں بخل سے کام نہیں لوں گا — !

والد صاحب — روایتی جاگیردار تھے — سخت گیر۔ اصول پرست، خدا ترس — لیکن سادہ مزاج — چکنی چپڑی، جھوٹی سچی باتوں سے جلد متاثر ہو جانے والے — !

ہمارے ہاں شادیاں بھی آپس میں ہی عموماً طے پاتی تھیں تاکہ خون خراب نہ ہو — اور یوں بھی خاندان اتنا وسیع تھا کہ نہ لڑکیوں کی کمی تھی اور نہ لڑکوں کی۔

خود میری پانچ بہنیں اور تین بھائی تھے۔ اس طرح ہم نو بہن بھائی تھے — بہنوں اور بھائیوں کے درمیان میرا نمبر چھٹا تھا — اور یہ نمبر کوئی اہمیت نہیں رکھتا — نہ چھوٹوں میں نہ بڑوں میں — بس گھر کے ایک عام فرد کی حیثیت سے پرورش پائی تھی۔ ہاں سب سے بڑے بھائی اور سب سے چھوٹی بہن کی بے حد چاہت تھی۔

سب سے بڑے بھائی صاحب کو والد صاحب یوں فوقیت دیتے تھے کہ وہ ان کا پہلا کارنامہ تھے جسے انجام دے کر انھوں نے اپنی سربلندی اور مردانگی کا ٹھوس ثبوت دیا تھا۔ اور سب سے چھوٹی بہن اس لئے لاڈلی تھی کہ اس کے بعد والد صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اور اس میدان میں آگے بڑھنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

رہ گئے ہم بیچ کے — تو بس تھے — ہاں ان کے اپنے ہی تھے۔ اس لئے پیار کی بچی کچھی کوئی نگاہ ہمارے اوپر بھی پڑ جاتی تھی — ورنہ کوئی توجہ نہیں تھی۔

بڑے آدمیوں کے بچے جس طرح تعلیم حاصل کرتے ہیں اسی طرح ہم نے بھی تعلیم حاصل کی۔ میری بدقسمتی تھی کہ شکل و صورت میں تمام بھائیوں سے اچھا تھا۔ اور ان کی مخاصمت کی ایک وجہ یہ بھی تھی — سب کے اپنے اپنے مشاغل تھے سب سے بڑے اور منجھلے بھائیوں نے زمینداری کے امور سنبھال کر والد صاحب کی نگاہوں میں خاص حیثیت حاصل کر لی تھی۔ باقی دو بھائیوں نے الٹی سیدھی شکایتیں کر کے کوئی مقام حاصل کر لیا تھا — میں شکار کا شوقین تھا فرصت کے لمحات بس شکار میں گزرتے۔ میں طبیعتاً بھی ذرا علیحدہ رہتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کے دوسرے مشاغل تھے۔

جب گھر میں میری کوئی اہمیت نہیں تھی۔ تو پھر میں کسی کو کیوں گھاس ڈالتا — بس میرا بہادر دلاور ہوتا۔ میری پیاری بندوق ہوتی اور میں — ! دلاور میرے گھوڑے کا نام تھا۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھے چاہتا تھا اور میں اسے —

بندوق بھی مجھے بہت عزیز تھی۔ کیونکہ اس نے کبھی میرا مان نہیں توڑا تھا — جس پر داغ دی اس کی زندگی محال۔ کیا مجال جو ایک بار بھی دھوکا دیا ہو — تو بس مجھے یہ دو توں چیزیں عزیز تھیں اور کچھ نہیں — !

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دراصل میرے والد صاحب کو میرے بارے میں کچھ سوچنا چاہئیے تھا نہ کہ مجھے۔ ہاں اگر وہ کوئی مناسب کام میرے سپرد کر دیتے اور میں اسے انجام نہ دے سکتا تو یقیناً نالائقوں کی فہرست میں خود اپنا نام لکھوا لیتا — لیکن والد صاحب منتظر رہے کہ میں ان سے اپنا مستقبل بنانے کی درخواست کروں۔

اور یہ میری سرشت نہ تھی — چنانچہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد میرا شکار کا مشغلہ اور زور پکڑ گیا — ممکن ہے والد صاحب زیادہ توجہ نہ دیتے میرے اوپر — لیکن ایک ایسا حادثہ ہو گیا جس نے خواہ مخواہ میرے دشمن پیدا کر دیئے — اور ان دشمنوں کی دشمنی رنگ لائی —

ہماری ایک پھوپھی زاد بہن تھیں۔ سیدہ زلیخا — ! درحقیقت زلیخا ہی کا سا حسن پایا تھا — سادہ سی۔ معصوم سی لیکن درپردہ آفت کی پرکالہ۔ میری پریشانیوں میں ان کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ بڑے بھائی جان کی منظور نظر تھیں۔ اور بھائی جان کئی ہزار جان سے ان پر عاشق تھے — !

یوں بھی شادی کے تمام حقوق بڑے بھائی جان کے نام محفوظ تھے کیونکہ بڑے جو ٹھہرے — چونکہ خاندان کی لڑکی تھی اس لئے یہ سوچنے کا سوال ہی نہیں تھا کہ انکار کی کوئی صورت ہو سکتی ہے

والد صاحب نے پھوپھی جان کو پیغام دے دیا — پھوپھی جان خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ بھلا انھیں کیا انکار ہو سکتا تھا۔ ان کی لڑکی کو تو مرتبہ مل رہا تھا۔

لیکن — آفتِ جاں۔ یعنی زلیخا خانم وہ نہ نکلیں جو نظر آتی تھیں۔

لڑکیوں سے شادی کے بارے میں نہ پوچھنے کا اصول ہمارے یہاں بھی رائج تھا — بھلا لڑکیوں سے بھی ایسی کوئی بات پوچھی جا سکتی ہے۔ لیکن وہ نہ ہوا جو بزرگ چاہتے تھے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں — کہ زلیخا کا ایک خط والد صاحب کو ملا — بند لفافہ والد صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ یہ خط کس کا ہے۔

بہرحال کھولا — تو زلیخا خانم کا خط تھا — حیرت سے کھولا۔ بڑا مدلل اور مؤثر خط تھا۔

پیارے ماموں جان!

آداب!

مجھے ناز ہے کہ میری رگوں میں بھی وہی شریف خون گردش کر رہا ہے جو آپ کی۔ اور مجھے ناز ہے کہ آپ عدل و انصاف پسند، خدا ترس اور اصول شریعت پر عامل ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ ایسے نہ ہوتے تو میں کبھی یہ جرأت نہ کرتی — !

لیکن میں ایک شرعی مسئلہ آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ ماموں جان! مذہب نے عورت کو بھی ایک حیثیت دی ہے۔ وہ بھی زندگی کے ساتھی کے انتخاب میں ایک رائے رکھتی ہے۔ نہ جانے کیوں اس کے اس معمولی سے حق کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حق ضروری ہے۔

ایک خدا ترس اور خدا پرست انسان ہونے کی حیثیت سے آپ کم از کم میرے اس حق پر ضرور غور کریں۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ میری زندگی کا فیصلہ بھائی جان کے ساتھ نہ کیا جائے۔ میں انہیں اپنے ذہن وہ جگہ نہیں دے سکتی، جس کا تعین کیا جا رہا ہے۔

ماموں جان! میں آپ سے اپنا شرعی حق طلب کر رہی ہوں۔ ہاں اگر مجھ سے میری پسند دریافت کی جائے تو، بے حیائی کے لئے معافی کی طلبگار ہوں، مجھے سرفراز احمد خان سے منسوب کر دیا جائے، میں خوش ہوں گی۔"

بیشک زلیخا کے اس حق کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور والد صاحب شرعی دباؤ کے علاوہ اور کوئی دباؤ قبول نہیں کر سکتے تھے۔

ڈرائنگ روم کانفرنس ہوئی۔ پھوپھی جان نے سر پیٹ لیا۔ جس کا جو دل چاہا اداکاری کی۔ خاندانی وقار خطرے میں پڑ گیا۔ کچھ لوگوں کو اس شادی کی اطلاع بھی مل گئی تھی۔ چنانچہ ہنگامی بنیاد پر طے کیا گیا کہ کچھ بھی ہو خاندان کی لاج تو رکھنی ہی ہے۔ سرفراز ہی سہی۔ حالانکہ اس گدھے کی شادی کا ابھی کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ بھلا وہ بھی کوئی حیثیت رکھتا ہے۔

کچھ بھی تھا، سرفراز بھی زمیندار کا بیٹا ہی تھا، کچھ آنسو پونچھے جا سکتے تھے، چنانچہ قربانی کے بکرے کا انتظار کیا جانے لگا۔

اور جب بکرا شکار سے واپس آیا تو والد صاحب کی عدالت میں طلب کر لیا گیا۔ نفرتیں چہروں سے عیاں تھیں۔ ہر آنکھ بے رحم تھی۔ خود والد صاحب بھی خوش نہ تھے۔ تاہم ان کے لہجے میں نرمی اور ٹھہراؤ تھا۔

یہ عجیب حالات دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

"سرفراز!" والد صاحب کی آواز گونجی۔

• جی۔ ابو حضور۔" میں نے گردن جھکا کر کہا۔

• کیا تمہیں احساس ہے کہ تم آج تک ہماری نظروں میں کوئی حیثیت نہیں حاصل کر سکے ہو؟"

بڑے اہانت آمیز الفاظ تھے۔ باپ کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ لیکن ایک گہرے نشتر کی حیثیت رکھتے تھے، تلملا گیا اور ذہن میں بغاوت نے سر ابھارا، زبان بھی ذہن کے ساتھ شریک ہو گئی۔

• جی ابو حضور، احساس ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

• یہ مزید کمینگی ہے، اپنی کسی کمزوری کا احساس ہونے کے باوجود اگر اسے دور نہ کیا جائے تو آدمی بے حیائی کی حدود میں سمجھا جاتا ہے۔" والد صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

• میرا خیال ہے ابو حضور میں بے حیائی اور کمینگی کی ان حدود میں داخل ہو چکا ہوں، جہاں سے پلٹنا میرے لئے ناممکن ہے۔" میں نے کہا اور تمام چہرے سراسیمہ ہو گئے۔

میرے انداز سے بغاوت پڑھ لی گئی تھی۔ خود والد صاحب بھی چونک پڑے تھے۔ بات کچھ اور تھی اور نکلی کسی اور طرف جا رہی تھی چنانچہ انہوں نے خود کو سنبھالا اور بولے:

• لیکن سرفراز، بہرحال تم میری اولاد ہو، میں تمہیں سنبھالنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

• میری خوش بختی ہے ابو حضور کہ آپ میرے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں۔" میں نے بدستور اسی انداز سے کہا۔ دراصل ابتدا ہی ایسی ہو گئی اب مجھے خود کو سنبھالنا مشکل پڑ رہا تھا۔

لیکن مجھے ابو حضور پر حیرت تھی، وہ میرے اس وار کو بھی خاموشی سے پی گئے، البتہ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ ہونٹ کاٹ رہے تھے۔ لیکن اس بار بھی ان کے منہ سے ویسی آواز نکلی:

• زلیخا کا کیا معاملہ ہے؟"

• جی ـ؟" میں نے چونک کر کہا۔

• تم اتنے نالائق اور بے باک ہو کر مجھے تم سے صاف گفتگو کرنی پڑ رہی ہے۔ وہ گفتگو جو باپ اور بیٹے کے درمیان نہیں ہوتی۔ لیکن میرا خیال ہے یہ تمہارے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوگی۔"

• جی۔" میں نے کھوتے ہوئے ذہن پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

• زلیخا کا کیا معاملہ ہے؟" اس بار انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

• کیا اس کا جواب مجھے دینا پڑے گا؟

• اور کون دے گا ذلیل۔ کمینے؟" والد صاحب کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ اور معاملہ بگڑتے دیکھ کر سب کانپ اٹھے۔

• لیکن کسی ایسی بات کا میں کیا جواب دوں، جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہے۔" میں نے سکون سے کہا۔

• کیا۔ کیا زلیخا کے اور تیرے درمیان کچھ عہد و پیمان ہوئے ہیں؟" والد صاحب بولے اور میں نے خونخوار نگاہوں سے وہاں بیٹھے ہوئے ایک ایک فرد کو دیکھا۔

• یہ بات ان میں سے کس نے کہی ہے ابو حضور؟" میں نے پوچھا۔

• مجھے اپنی بات کا جواب چاہئے۔"

• وہ میری بہن ہے۔ بہن اور بھائیوں کے درمیان عہد و پیمان ہوتے بھی ہیں تو ان کے تقدس، ان کی پاکیزگی پر میلی نگاہ نہیں ڈالی جا سکتی۔" میں نے کہا۔

• کیا بکواس کرتا ہے؟" والد صاحب اب کسی قدر حیران سے ہو گئے تھے۔

• میں نے ہمیشہ زلیخا کو اپنی سگی بہن کی مانند سمجھا ہے۔ اگر اس رشتے پر کسی نے سیاہی لگانے کی کوشش کی ہے تو مجھے اجازت دیں کہ اس کی گردن اتار دوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

• یہ۔ یہ بات خود زلیخا نے کہی ہے۔"

• تب وہ معصوم لڑکی بھی کسی کی آلۂ کار بن گئی۔ میں اسے الزام نہیں دوں گا۔ بذات خود وہ اس سازش کی اہل نہیں ہے۔"

میری ٹھوس گفتگو سے وہاں موجود لوگوں کے حواس ٹھکانے آ گئے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ والد صاحب کو بھی شاید میرے اوپر یقین ہو چلا تھا کہ میں بہرحال بے گناہ ہوں۔ اور میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یوں بھی خط کے مضمون میں اس کی نشاندہی نہیں ہوتی تھی۔

تب والد صاحب نے زلیخا کا خط میرے حوالے کر دیا۔

میں نے سکون سے خط پڑھا اور انہیں لوٹا دیا۔ حالات کسی حد تک میری سمجھ میں آ رہے تھے۔ ایک گونہ خوشی تو ہوئی کہ کسی نہ کسی طور سے ان کو شکست تو ہوئی۔

• اس خط کا کیا مقصد ہے؟" والد صاحب نے پوچھا۔

• میرا خیال ہے اس سوال کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ایک لڑکی نے اپنا شرعی حق مانگا ہے۔"

• کیا تم اس کے معاون نہیں ہو؟"

• نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

• بہرحال۔ تم ایک ناکارہ انسان ہو۔ ابھی تک تم نے عملی زندگی نہیں اپنائی۔ اس لئے مجھے تردد ہے۔ میرا خیال ہے تم زلیخا کو خوش نہ رکھ سکو گے۔"

• میرا بھی یہی خیال ہے۔

• کیا مطلب؟

• میں کسی کو خوش نہیں رکھ سکوں گا۔ میں ابھی تک کوئی حیثیت نہیں حاصل کر سکا، ان معاملات کی طرف توجہ دینا بھی حماقت ہے۔"

• لیکن زلیخا کی نسبت کا اعلان کیا جا چکا ہے۔"

• اس میں میری کیا غلطی ہے؟

• غلطی تمہاری نہیں ہے، ہماری ہی ہے، نسبت ضرور ہوگی اور تمہارے ساتھ ہوگی۔ خاندانی وقار کو سنبھالنا ہے۔ لیکن تمہیں وعدہ کرنا پڑے گا کہ تم اپنے فضول مشاغل ترک کر کے انسان بنو گے۔ زلیخا سے اسی شرط پر تمہاری شادی ہو سکتی ہے۔"

والد صاحب نے گویا میرے اوپر احسان کیا۔

• میرا خیال ہے ہر قسم کی غلط فہمیاں دور کر لی جائیں ابو حضور یہ کس نے کہہ دیا کہ میں بھی زلیخا سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوں۔ میں کسی سے شادی کے جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ رہ گئی فضول مشاغل سے اجتناب کی شرط، تو اگر میں انہیں فضول سمجھتا تو کبھی اختیار نہ کرتا۔"

• سرفراز۔ تو ہمارے ضبط کا امتحان لے رہا ہے۔" والد صاحب چیخ کر بولے۔

• نہیں ابو حضور، میں یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ خود خیال فرمایئے، میں اسے بہن سمجھتا ہوں۔ اس کے بارے میں ایسا تصور بھی ذہن میں نہیں لا سکتا۔"

• اور اگر تجھے حکم دیا جائے کہ تو زلیخا سے شادی کر لے۔"

• تب میری بہت بڑی بدقسمتی ہوگی، کیونکہ میں اس سے شادی نہیں کر سکوں گا۔"

• تو اس قدر خود سر، اس قدر ذلیل اور کمینہ صفت ثابت ہوگا، ہمیں گمان بھی نہیں تھا۔ لیکن تو کیا سمجھتا ہے، کیا ہم تیری اس خود سری کو معاف کر دیں گے؟

میں خاموش رہا۔

• ابھی کوئی فیصلہ نہ کرو، ہم اسے سمجھائیں گے۔" پھوپی جان نے کہا۔

• فیصلہ ہو جانے دیں پھوپی جان۔ میں ہر فیصلے کے لئے تیار ہوں۔ آپ لوگوں کا سمجھانا بیکار ثابت ہوگا۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

• سرفراز۔ سرفراز۔ میں تجھے عاق کرتا ہوں۔ میں تجھے عاق کرتا ہوں نالائق، بدبخت۔ فوراً میرا گھر چھوڑ دے، میری جاگیر چھوڑ دے، میں تیرا وجود برداشت نہیں کر سکتا کمینے، ذلیل۔ میں تجھے عاق کرتا ہوں۔ ابھی اسی وقت نکل جا ابھی اسی وقت نکل جا۔"

والد صاحب غصے سے کانپنے لگے۔ ان کے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ رنج مجھے بھی ہوا تھا۔ لیکن اس ماحول سے خود میں بھی اس قدر بیزار تھا کہ اس کے تسلط سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہاں میری کوئی حیثیت نہیں ہے، میں نہ ہوں گا تو کسی کے اوپر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اور پھر کیا فائدہ اس زمینداری کی چکر پٹنے سے۔ کوئی میرے بارے میں نہیں سوچے گا۔ نئے جہانوں کی سیر کی جائے۔ ایک آزاد انسان کی زندگی گذاری جائے۔ زندگی یوں بھی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کا کیا ہے۔ آج ہے، کل نہیں ہے، بیکار ہے سب، بکواس ہے۔

لوگ نہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔ رونا پیٹنا مچ گیا۔ لیکن میں نے کسی کی نہ سنی، اور لوگوں کے روکنے کے باوجود گھر سے نکل گیا۔ میں نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ روکنے والوں میں ہمدرد کوئی نہیں ہے، سب رسم پوری کر رہے تھے، صرف رسم۔

اور رسموں سے مجھے ہمیشہ سے نفرت تھی۔ زندگی میرے لئے کچھ اور راستے مرتب کر رہی تھی اور میں اسی کے اصول پر عمل کر رہا تھا چنانچہ میں نے اسی روز سندیلا چھوڑ دیا۔ سب سے پہلے میں نے ارشاد آباد کا رخ کیا، جہاں میرا ایک دوست عارف رہتا تھا۔

عارف طالب علمی کے دور میں میرے ساتھ تھا۔ مخلص دوست تھا۔ تعلیم چھوڑ کر شادی کر لی تھی۔ اب اس کے دو بچے تھے اور ایک بیوی تھی۔ اور ارشاد آباد میں اناج کا بہت بڑا آڑھتی تھا۔

مجھے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ کئی بار اپنے ہاں آنے کو کہہ چکا تھا۔ لیکن مجھ جیسے آوارہ گرد کے لئے وعدے نبھانا بے حد مشکل تھا۔ ایک روز بھی اس کے یہاں نہیں جا سکا تھا۔

• کیسے میرے نصیب کھل گئے۔ کیسے میں یاد آ گیا؟" وہ مجھ سے لپٹے لپٹے بولا۔

• بس یاد آ گئے۔" میں نے خفیف مسکراہٹ سے کہا۔

• سامان وغیرہ کہاں ہے۔ کیا جلدی بھاگ جانے کا ارادہ ہے، کان کھول کر سن لو، ایک مہینے سے پہلے نہیں جانے دوں گا۔" عارف نے کہا۔

• ایک مہینہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کہو تو یہیں رہائش اختیار کر لوں، تمہارے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جاؤں گا۔"

• ہائے ہائے، ایسی باتیں نہ کر جنہیں سن کر حیرت ہونے لگے کہ کاش ایسا ہو سکتا۔ سچ بتاؤ سرفراز، سامان وغیرہ نہیں ہے؟

• سامان کے جھگڑے کبھی پہلے پالے ہیں جو اب پالوں گا۔ بس تن

کے اس لباس میں آیا ہو۔"

• "خیر خیر، لباس کی کیا ہے، یہاں بھی تیار ہو سکتے ہیں۔ آؤ، تمہیں ندیمہ سے ملاؤں، بڑی خوش ہو گی تمہیں دیکھ کر۔ اکثر تمہارے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔"

اور وہ مجھے لیکر اندر پہنچ گیا۔ خوبصورت سی عورت بڑی پاکیزہ مسکراہٹ رکھتی تھی، انتہائی خلوص سے ملی، پڑھی لکھی تھی، آداب محفل اور گفتگو کے انداز جانتی تھی۔

ان کے ساتھ رہ کر میں نے سوچا۔ شادی شدہ زندگی اتنی بُری تو نہیں ہوتی، بشرطیکہ ندیمہ جیسی بیوی مل جائے۔ تب میرے ذہن میں زلیخا آگئی۔ اس احمق لڑکی کو کیا سوجھی تھی، کیا وہ میری حیثیت سے ناواقف تھی۔ کیا ملتا اسے مجھ جیسے ناکارہ انسان کے ساتھ رہ کر۔ بھائی جان زیادہ باعزت تھے، صاحب حیثیت تھے اور مستقبل کے بڑے زمیندار تھے۔ لیکن آخر یہ زلیخا مجھ سے شادی کرنا کیوں چاہتی تھی۔ میں نے تو کبھی اسے اس نگاہ سے نہیں دیکھا۔

عارف کے یہاں رہتے ہوئے مجھے تین دن گذر گئے، عارف اسی طرح پُرمحبت تھا، اسی طرح پُرخلوص تھا۔ لیکن میں نے اسے حقیقت نہیں بتائی تھی۔ میں کسی کو بھی اپنی الجھنوں میں شریک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنے حالات سے خود نپٹنا چاہتا تھا۔ عارف نے میرے لئے ایک جوڑا کپڑے بھی سلوائے تھے، حالانکہ میں نے اسے کافی منع کیا تھا۔

پانچویں روز میں نے عارف سے اجازت چاہی۔

• "کیا بکواس ہے، ابھی آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں، نہیں سرفراز میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ اور پھر سندیلا میں کونسی تمہاری بیوی بیٹھی ہوئی ہے۔"

• "میں سندیلا نہیں جا رہا عارف۔" میں نے کہا۔

• "پھر۔۔؟" وہ بولا۔

• "بس ایسے ہی کچھ کام ہیں۔"

• "کوئی کام نہیں ہے، بس تم نہیں جا سکتے۔"

• "ضد نہ کرو عارف۔"

• "اچھا آؤ ندیمہ سے فیصلہ کرالیں۔" اور وہ مجھے زبردستی ندیمہ کے پاس لے گیا۔

• "ندیمہ۔ یہ سرفراز جا رہا ہے۔"

• "کیوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

• "جانا ہی ہے بھابی، یہاں کب تک رہوں گا؟"

• "کوئی تکلیف ہے آپ کو بھیا؟" ندیمہ نے پوچھا۔

• "نہیں بھابی، نفسا نفسی کے اس دور میں، آپ لوگوں کا خلوص بڑا اجنبی لگتا ہے۔" میں نے گمبیر لہجے میں کہا۔

• "ارے ارے، تیرے لئے خلوص کی کیا کمی ہے، زمیندار کی اولاد ہے۔" عارف ہنستے ہوئے بولا۔

• "ایسی باتیں مت کرو عارف۔" میں نے دکھے دل سے کہا۔

• "خیر خیر۔ مگر تم ابھی جاؤ گے نہیں۔"

• "جانا ضروری ہے عارف۔ براہ کرم مجھے مت روکو۔"

• "مگر تم کہہ رہے تھے سندیلا نہیں جاؤ گے۔"

• "ہاں۔"

• "پھر کہاں جاؤ گے؟"

• "کچھ ضروری کام ہیں، دہلی جاؤں گا۔"

• "اوہ۔ اگر ایسی ہی ضروری بات ہے تو پھر مجبوری ہے، لیکن واپسی پر یہاں رُکتے جاؤ گے۔" اس نے کہا اور میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

• "بھیا کی اداسی تو بتا رہی ہے کہ کوئی یاد آ رہا ہے۔" ندیمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

• "ہاں بھابی، بہت کچھ یاد آ رہا ہے، لیکن . . . ."

بہرحال میں نے انہیں تیار کر لیا، پھر میں نے عارف سے الگ جا کر کہا:

• "عارف، مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہوگی۔"

• "ہاں ہاں لے لو، کتنے درکار ہیں؟"

• "ممکن ہے عارف، میں یہ رقم تمہیں کبھی واپس نہ کر سکوں۔"

• "لعنت ہے رقم پر، مگر یار بات کیا ہے، اس بار تو خاصا بدلا بدلا ہے۔"

• "کوئی بات نہیں ہے، ہاں تم مجھے ایک ہزار روپے دیدو۔"

• "ابے دس ہزار لے لے، مگر میری جان بات تو بتا دے۔"

• "کوئی بات نہیں ہے، کیا بتاؤں۔" میں نے کہا۔ بہرحال عارف کی ضد کے باوجود میں نے اسے کچھ نہیں بتایا اور پھر عارف نے میرے لئے دہلی کا ٹکٹ منگوا دیا۔

رات کو وہ مجھے اسٹیشن چھوڑنے آیا تھا۔ میں اس وقت عارف کا دیا ہوا لباس پہنے ہوئے تھا۔ گھر کے کپڑوں کی میں نے ایک گٹھڑی بنا لی تھی۔ جسے میں نے عارف کے حوالے اس وقت کیا، جب ٹرین چھوٹنے میں صرف چند منٹ باقی تھے۔

• "عارف میرے دوست! انسانوں کو سمجھنے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے، لیکن تم میرے بچپن کے ساتھی ہو۔ کیا تمہاری محبت میں بھی یہ بات شامل ہے کہ میں ایک زمیندار کا بیٹا ہوں۔"

• "خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے سرفراز، اس لئے مجھے تیری زمینداری سے کوئی واسطہ نہیں ہے، مجھے بس اپنا سرفراز عزیز ہے۔" عارف نے سنجیدگی سے کہا۔

• "تب میں تمہیں ایک بات بتا دوں عارف، لیکن وعدہ کرو، صرف سنو گے، اس میں مداخلت کی کوشش نہیں کرو گے۔"

• "بتا دے، وعدہ کرتا ہوں۔"

• "گٹھڑی سنبھالو عارف، اسے میرے گھر پہنچا دینا، اور میرا پیغام دے دینا کہ میں اس گھر سے صرف یہ لباس لایا تھا، جو واپس کر رہا ہوں اور میں نے کچھ نہیں لیا۔"

• "ارے، تو کیا گھر سے ناراض ہو کر کہیں جا رہے ہو؟" عارف چونک کر بولا۔

• "نکال دیا گیا ہوں عارف، کیونکہ زمیندار کی بہت سی اولادیں موجود ہیں، میری کمی کسی کو محسوس نہیں ہوگی۔ والد صاحب نے مجھے عاق کر دیا ہے۔"

• "ارے۔" عارف ششدر رہ گیا۔ "اور تم نے مجھے پہلے کچھ نہیں بتایا۔"

• "بہت سے خوف دامن گیر تھے، بہرحال جانے دو اس بات کو۔"

• "مگر۔ مگر اب دہلی جا کر کیا کرو گے؟"

• "خود کو ہنگاموں میں گم کر دینا چاہتا ہوں عارف، یہی میرے لئے بہتر ہے۔"

• "بکواس، میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔"

• "اگر تم نے مجھے روکنے کی کوشش کی، تو میں خودکشی کر لوں گا عارف۔ براہ کرم اس معاملے میں کوئی مداخلت نہ کرو۔"

• "مگر دہلی میں تمہارا واقف کار کون ہے۔"

• "اسی لئے جا رہا ہوں کہ کوئی واقف کار نہیں ہے، نئی دنیا۔ نئے ماحول میں اپنے لئے جگہ بنانے کی کوشش کروں گا۔"

• "سرفراز۔۔ سرفراز میرے دوست۔ عارف کو بھی آزمالو، ایک بار آزمالو میرے دوست، میں تمہارا دوست ہوں، میں تمہارا بھائی ہوں میری بیوی، میرے بچے تمہاری خدمت کریں گے۔"

• "آزما چکا ہوں عارف، اور یقین کرو تمہاری محبت کی روشنی ہمیشہ میرے دل کو منور رکھے گی۔ تمہاری ذات کے خلوص سے میں اس دنیا سے مایوس نہیں ہوا، میرے بہتر مستقبل کی دعا کرنا عارف۔"

ٹرین نے وسل دی اور عارف سر پٹختا رہ گیا۔ اس نے مجھے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر لی تھی۔ ٹرین رینگنے لگی، مگر عارف اب کچھ نہیں کر سکتا تھا اگر اسے پہلے سے علم ہو جاتا تو وہ یقیناً میرے ساتھ دہلی آنے کی کوشش کرتا۔ بہرصورت مجھے کوئی خاص الجھن نہیں تھی۔ گھر والوں کی طرف سے آج بدظن نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے سلوک ہی ایسا کیا تھا کہ اب کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ ہاں بس کچھ الٹے وسوسے ذہن میں، ایک عجیب سا دباؤ دل پر تھا۔ نہ جانے آئندہ زندگی کیسی گذرے، نہ جانے اجنبی ماحول کیا کیا زاویے پیش کرے۔

لیکن ہمت ضروری تھی۔ ہمت سے کام لے کر بہت سی الجھنیں دور ہو سکتی تھیں۔ اور میں خود ہی اپنی ہمت بندھا رہا تھا۔ جیب میں ایک ہزار روپے موجود ہیں، کوئی فوری فکر تو ہے نہیں۔ میں دل مضبوط کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کمپارٹمنٹ میں دوسرے مسافر بھی تھے، نئی نئی شکلیں، بھانت بھانت کے لوگ۔ میں نے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لیا، بیزار بیزار سے، فکروں میں ڈوبے ہوئے۔

ہر شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی الجھن موجود ہے۔ اونہہ، میں بھی انسان ہوں، تنہا ہوں، میری زندگی کو کیا خدشات لاحق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ میں سونے کی کوشش کرنے لگا، اور کیا سکون کی نیند آئی جیسے ذہن ہر فکر سے آزاد ہو، دوسرے دن صبح ہی آنکھ کھلی۔

وقت کا اندازہ نہیں تھا، لیکن باہر دھوپ نکل آئی تھی۔ میں اٹھا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ باتھ روم پر رش تھا، لیکن بہرحال میری باری بھی آگئی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر باہر نکلا، ناشتے کا وقت تھا۔۔ اور ڈائننگ کار کے بیرے ناشتے کے آرڈر لیتے پھر رہے تھے۔

دل پر میل آیا۔ اس وقت گھر میں سب کے ساتھ ناشتہ ہوتا تھا۔ لیکن کسی نگاہ میں کوئی استقبال نہیں ہوتا تھا۔ بس روز مرہ کا معمول، ایک ہی انداز کی زندگی۔

ہونہہ۔ کوئی تبدیلی تو ہے۔ میں نے بیرے کو بلانے کے لئے ہاتھ دکھایا۔ اسی وقت برابر سے ایک آواز سنائی دی۔

• "السلام علیکم۔"

• خیال ہوا کہ شاید مخاطب میں ہی ہوں۔ پلٹ کر دیکھا۔ شریف صورت بزرگ میری طرف ہی متوجہ تھے۔ خشخشی داڑھی۔ مناسب جسامت۔ مناسب لباس۔

• "وعلیکم السلام۔" میں نے کسی قدر جھجک کر کہا۔ ان بزرگ کو میں رات کو بھی دیکھ چکا تھا۔

• "غالباً عازم دہلی ہیں؟"

• "جی۔" میں نے مختصراً کہا۔

• "میاں چہرے شناسی میں تھوڑی سی دسترس رکھتا ہوں، اندازہ ہوتا ہے کہ شریف النفس اور نیک طبع انسان ہو۔ ابھی کئی گھنٹوں کی مسافت

باقی ہے، کیوں نہ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کر کے لطف سفر اٹھایا جائے؟

ایک لمحے کے لئے سوچا، خیال آیا۔ نئی زندگی شروع کر رہا ہوں نئے لوگوں سے واسطہ رہے گا۔ پھر ابتدا بڑے میاں سے ہی کیوں نہ کی جائے۔ چنانچہ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

• خوش بختی ہوگی۔ میں نے کہا۔

• خوب۔ تو پھر ناموں کا تبادلہ ہو جائے۔

• خادم کو سرفراز کہتے ہیں۔ میں نے اپنا نام بتایا۔

• اور خاکسار کو رشید الدین احمد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ انہوں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا۔ خوش مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا۔

• تو میاں یہ تو مرحلہ ہوا تعارف کا، اور اس کے بعد بات ناشتے تک پہنچتی ہے، اور ناشتہ میرے پاس تیار ہے۔

• کیا مجھے تکلف کرنے کی اجازت ہے؟ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

• ناشتے کے بعد کر لینا، وقت ہو چکا ہے۔ رشید الدین صاحب نے اپنے برابر سے ٹفن کیریئر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور پھر انہوں نے جگہ کر کے ٹفن کیریئر درمیان میں رکھ لیا، اس کے ڈبے کھولے، بھنا ہوا قیمہ، اور پوریاں تھیں، جو ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ بہرحال ناشتہ بُرا نہیں تھا۔ ناشتے کے دوران خاموشی رہی، صرف ایک بار رشید الدین صاحب نے بیرے کو چائے کے لئے کہا تھا۔ ناشتے کے بعد چائے پی گئی، اور پھر بڑے میاں نے ٹفن کیریئر اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔

• ہاں میاں، اب تم نے میرا نمک کھا لیا ہے، ویسے قیمے میں نمک ذرا تیز تھا، لیکن اچھا ہی ہے۔ اس کی مناسب مقدار تمہارے معدے میں پہنچ گئی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس وجہ سے تمہارے اوپر میرا کچھ حق بھی ہو گیا ہے، چنانچہ میں تمہارے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے میں حق بجانب ہوں۔

• یقیناً، یقیناً۔ میں نے کہا۔

• تو بتاؤ۔ بتاؤ نا۔ بڑے میاں عجیب انداز میں بولے، جس پر مجھے ہنسی آگئی۔

• کیا بتاؤں؟

• ایں۔ یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا؟ خیر چند لمحات کی مہلت دو، میں ذرا اپنے ذہن میں سوالات مرتب کر لوں۔ انہوں نے کہا اور تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ میں مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتا رہا۔ دلچسپ شخصیت تھی۔ اور ایسی کسی شخصیت سے متعارف ہونے پر مجھے خوشی تھی۔

• ہاں، سوال نمبر ایک، کیا نام بتایا تھا آپ نے سرفراز میاں؟

• جی۔؟ میں نے حیرت سے کہا۔

• وہ ذرا آپ کا نام میرے ذہن سے اتر گیا۔

• سرفراز۔۔۔ سرفراز احمد خان۔

• ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ، باوقار نام ہے، باپ کا نام؟

• جی۔۔ جی۔ میں نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

• ہاں ہاں۔ ان کا بھی کوئی نہ کوئی نام ضرور ہوگا۔

• جی ہاں، ہے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

• ہاں تو بتاؤ نا؟

• جی۔۔۔ توقیر احمد خان۔

• بہت خوب، بہت خوب۔ رشید الدین اچھلتے ہوئے بولے۔ میاں کہاں کے رہنے والے ہو؟

سوالات ذرا ٹیڑھے ہوتے جا رہے تھے۔ مجھے اس سلسلہ میں محتاط رہنے کی ضرورت تھی، کیا فائدہ اپنی تشہیر کرنے سے، چنانچہ یہاں میں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور خود کو ارشاد آباد کا رہنے والا بتا دیا۔

• اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتائیے قبلہ، میں نے مزید سوالات سے بچنے کے لئے ان سے سوال کر دیا۔

• ارے میاں اب اس بڑھاپے میں کیا بتائیں۔ بتانے کے قابل تو کبھی تھے۔ بہرحال آپ کا یہ خادم ملازم پیشہ ہے۔ نواب فیروز الدین کے ساتھ چوبیس سال سے ہوں۔ بڑا کاروبار ہے، میں بھی دیکھ بھال کر لیتا ہوں، حالانکہ اس قابل اب کہاں۔ لیکن نواب صاحب آخری دم تک چھوڑتے نظر نہیں آتے۔ انہیں کی کوٹھی سے ملحقہ عمارت میں رہتا ہوں۔ گھر کے سے تعلقات ہیں۔ نواب صاحب خود تو سدا کے آوارہ گرد ہیں کبھی یہاں کبھی وہاں۔ بیوی بچے مجھے سنبھالنے پڑتے ہیں اور نواب صاحب میری وجہ سے گھر سے مطمئن رہتے ہیں۔

• خوب، بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔

• تمہاری شخصیت تشنہ رہ گئی؟

• میری شخصیت ہی کیا ہے رشید صاحب۔ دوسرے بہت سے ناکارہ نوجوانوں میں سے ایک ہوں۔ کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں رکھتا۔ میں نے جواب دیا۔

• سمجھ گیا۔ رشید صاحب گردن ہلا کر بولے۔

• جی۔؟

• بالکل سمجھ گیا، بتا دوں؟ وہ بچوں کی سی شوخی سے بولے۔

• بتا دیجئے۔ میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

• بیکار ہو، ملازمت کی تلاش میں ہو، کیوں، کیسی رہی؟

• میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی، تاہم کسی حد تک بات ٹھیک ہی تھی۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی اور رشید الدین صاحب خوش ہو گئے۔

• میاں آخر جہاندیدہ ہوں، دھوپ میں بال سفید نہیں کئے، اُڑتی چڑیا کے پر گن کر بتا دیں، یہ سب کچھ تو تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ میں مسکرانے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکا۔

• مگر بات سنو میاں۔ اچانک رشید صاحب بولے۔

• جی۔ میں نے ان کی شکل دیکھی۔

• دہلی میں تمہاری کوئی عزیز داری ہے؟

• نہیں تو۔ میں نے بغور ان کی شکل دیکھی۔ کیوں، آپ کو یہ خیال کیونکر پیدا ہوا؟

• پھر قیام کہاں کرو گے؟

• اوہ۔۔۔ وہاں ہوٹل تو ہوتے ہی ہیں قبلہ۔

• ہاں ہوتے ہیں۔ مگر قابل قیام نہیں ہوتے، اور پھر ملازمت تلاش کرو گے۔ اور ہوٹل میں رہو گے، پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ اخراجات کہاں سے پورے کرو گے؟

• اس فکرمندی کا شکریہ، میرے پاس پیسے موجود ہیں۔

• ٹھیک ہے میاں، لیکن میرا خیال ہے، دیکھو بات تو عجیب ہے لیکن میرا خیال ہے، صورت سے شریف معلوم ہوتے ہو، گفتگو بھی معقول ہے۔ ہوٹل کا قیام مناسب نہ رہے گا۔ میں تمہارے قیام کا بندوبست کروا دوں گا جب تک ملازمت نہ ملے، پیسے سنبھال کر رکھو میاں، ملازمت تیار نہیں رکھی جو فوراً ہاتھ لگ جائے، میں بھی کوشش کروں گا اور تم بھی کرنا۔

• آپ کے خلوص اور محبت کے لئے شکر گزار ہوں محترم۔ لیکن آپ کے احسان کا بوجھ برداشت نہ کر سکوں گا۔ ہاں دہلی میں رہ کر آپ سے ملاقات کرتا رہوں گا۔

• میاں تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں بھی گھر گرہستی والا انسان ہوں اپنی عزت کا احساس بھی ہے۔ لیکن کچھ سوچ سمجھ کر ہی تم سے یہ کہہ رہا ہوں۔ بس تمہیں واللہ تکلف نہ کرو۔ دل کو بھا گئے ہو۔ انسانیت قبول نہ کرو گے تو دکھ ہوگا۔

اور میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا، گھر بار چھوڑ چکا ہوں، دہلی اجنبی مقام ہے۔ کوئی شناسا، کوئی ہمدرد مل جائے تو کم از کم اجنبیت کا احساس نہ رہے گا۔ بڑے میاں خلوص سے ہی کہہ رہے ہیں، کوئی مالی احسان نہ لوں گا۔

• جو حکم محترم، مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے۔

• واللہ۔ جی خوش کر دیا۔ رشید الدین نے اچھلتے ہوئے کہا۔ دہلی کے مقامات شروع ہو گئے تھے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ٹرین اسٹیشن کی حدود میں داخل ہو گئی۔ ٹرین رکنے کے بعد رشید الدین صاحب نیچے اترے ان کا سامان بھی مختصر تھا۔ اور میں تو تھا ہی بے سروسامان۔

باہر آکر ایک تانگہ کیا، اور رشید الدین صاحب نے تانگے والے سے قرول باغ چلنے کے لئے کہا۔ دہلی کی کشادہ سڑکیں میرے سامنے تھیں۔ بچپن میں ایک بار یہاں آیا تھا۔ صحیح شکل یاد بھی نہ تھی۔ دلچسپی سے ہر چیز دیکھتا ہوا چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم قرول باغ پہنچ گئے۔

نواب فیروز الدین کی کوٹھی بے حد عالی شان تھی۔ سامنے کا حصہ تو بہت ہی خوب صورت تھا لیکن تانگہ سامنے نہیں رکا تھا بلکہ وہ کوٹھی کے عقبی سمت چل پڑا تھا، عقب میں بھی ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ جو شاید کوٹھی سے ملی ہوئی تھی لیکن الگ بھی تھی۔

تانگہ اسی عمارت کے سامنے رکا تھا۔ رشید الدین صاحب نے جلدی سے پیسے نکال کر تانگے والے کو دیئے، اور پھر اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس نکالتے ہوئے بولے:

• آؤ میاں آؤ۔ چلے آؤ۔ اور میں ایک طویل سانس لے کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ ہم مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے اور رشید صاحب نے سوٹ کیس رکھتے ہوئے کہا:

• میں ابھی دروازہ کھولتا ہوں، بس ایک منٹ صبر کرو۔ اور وہ دوڑنے کے سے انداز میں اندر داخل ہو گئے، پھر انہوں نے اندر سے دروازہ کھول دیا اور میں بیرونی کمرے میں داخل ہو گیا۔

مہمان خانہ ہی تھا۔ دو بستر نفاست سے بچھے ہوئے تھے کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ درمیان میں فرشی رکھی ہوئی تھی۔ خاصا کشادہ اور ہوادار کمرہ تھا جس میں ایک دروازہ غسل خانے کی طرف بھی جاتا تھا۔

• بس اب یہاں آرام کرو، منہ ہاتھ دھو لو۔ میں ابھی کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔

• بہتر۔ میں نے کہا اور رشید صاحب اندر چلے گئے۔ میں مسکراتے ہوئے ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا لیکن ایک خوبصورت سی بچی کی آمد نے میرے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔

آٹھ نو سال کی بچی تھی۔ چہرے پر شرارت اور معصومیت کا امتزاج تھا بڑی بڑی آنکھیں دلچسپی سے مجھے دیکھ رہی تھیں لیکن ان میں شرم بھی تھی۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا، اور ایک چپل میرے پاؤں کے نزدیک رکھ دی۔

• جوتے اتار دیجئے بھائی جان۔ اس نے شیریں آواز میں کہا۔

• بہت بہتر ننھی سی بہن، مگر پہلے تعارف تو ہو جائے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• خادمہ کو افشاں کہتے ہیں۔"
• "بہت خوب۔ ہمیں سرفراز کہتے ہیں۔"
• "نہیں آپ کو صرف بھائی جان کہتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ابو میاں نے یہی بتایا ہے۔"
• "اوہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے آپ بھائی جان ہی کہیں، لیکن ایک شرط پر۔"
• "فرمادیجئے۔"
• "آپ ہماری سچ مچ کی بہن بننا پسند کریں گی؟"
• "غور کریں گے۔ پہلے آپ کو پرکھیں گے، آپ کس قسم کے بھائی ہیں۔" بچی نے کہا۔ بڑی معصوم مگر شریر لڑکی تھی، یقیناً رشید صاحب کی بیٹی تھی۔
• "تو اگر آپ اجازت دیں تو ہم منہ ہاتھ دھولیں؟"
• "ضرور۔ سفر کی تھکان بھی ہوگی۔"
• "اوہو، تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ ہم سفر سے آ رہے ہیں۔"
• "جی ہاں۔ ابو جان نے بتا دیا ہے، اور آپ کے لئے ناشتہ تیار ہو رہا ہے۔ ہاں آپ اپنی محبت کا ثبوت ہمیں ناشتے میں شامل کرکے ضرور دیجئے گا۔"
• "یقیناً، یقیناً۔ ہم آپ کے بغیر ناشتہ نہیں کریں گے۔" میں نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی بھاگ گئی۔

میں غسل خانے کی طرف چل پڑا۔

ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا، اور باہر نکل آیا۔ پھر بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے کہ رشید الدین صاحب آ گئے۔ لباس تبدیل کر چکے تھے۔ ان کے پیچھے ایک ملازم ٹرے سنبھالے ہوئے اندر آیا، اور اس نے درمیانی میز پر ناشتہ لگا دیا۔

• "ناشتہ تو ہم کر چکے ہیں محترم۔" میں نے کہا۔
• "وہ سفری ناشتہ تھا، اور پھر ابھی کھانے کے وقت میں بہت دیر ہے۔ یہ ہلکی چیزیں ہیں، اور تم ماشاءاللہ جوان آدمی ہو۔ بسم اللہ کرو۔"

میں نے بے تکلفی سے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ رشید صاحب بھی میرے شریک تھے۔ ناشتے کے دوران میں ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ خلوص ایسے بھی مل جاتا ہے۔ جس چیز کی طلب کرو وہ مشکل ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات ——— یا پھر ہم غلط جگہوں پر اسے تلاش کرتے ہیں۔ رشید الدین سے میرا کیا واسطہ۔ بس چند لمحات کے ہمسفر۔ لیکن اس شخص کے پاس بے پناہ محبت موجود ہے۔

لیکن اب میری زندگی ——— کیا ملازمت شروع کر دوں، کیا میں ملازمت کرسکوں گا۔ ایک ہزار روپے پاس موجود ہیں۔ یہ عارف کو واپس کرنے ہیں۔ ٹھیک ہے، وہ میرا دوست ہے لیکن ادھار، ادھار ہے۔ ناشتہ کر لیا تھا۔ ذہن میں بہت سے پروگرام مرتب ہو رہے تھے۔ تھوڑے عرصہ ملازمت کرنا ہی پڑے گی۔ عارف کے پیسے واپس کر دوں کچھ رقم پس انداز کروں، اور اس کے بعد ملک سے باہر نکلنے کی کوشش کروں۔ یہی بہتر ہے، یہی مناسب ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا۔

• "سرفراز میاں۔" رشید صاحب کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔
• "جناب۔"
• "بھئی کس سوچ میں ڈوب گئے؟"
• "کچھ نہیں۔"
• "بھئی فکرمند ہو گے۔ میری خواہش ہے میاں کہ فکر کو ذہن سے نکال دو، میں موجود ہوں، گھر موجود ہے۔ میں تمہارے زیادہ حالات نہیں کریدوں گا۔ بس یوں سمجھو یہ تمہارا گھر ہے۔ جب بھی ملازمت مل جائے۔ میں اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے میاں کہ ——— کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے، ماشاءاللہ پانچ بچیاں ہیں۔ ہمیشہ سے بیٹے کی آرزو ہے۔ صالح قسم کے نوجوانوں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ کاش کوئی بیٹا ہوتا۔ غیر اپنے مشکل سے بنتے ہیں، لیکن طلب کو کیا کیا جائے؟"

بڑی متاثر کن گفتگو تھی۔ میں نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا، کوئی ذمہ داری کیسے قبول کرسکتا تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے تو کوئی راستہ نہیں تھا۔

• "ارے بھئی نفیس ——— نفیس۔" انہوں نے ملازم کو آواز دی۔
• "جی اچھے میاں۔" ملازم کمرے میں داخل ہو گیا۔
• "بیگم کو بھیج دو، حالانکہ میں جانتا ہوں وہ کواڑ کے پیچھے سے انہیں دیکھ چکی ہوں گی، لیکن انہیں یہاں بھیج دو۔"

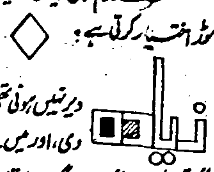
ملازم چلا گیا، اور تھوڑی دیر کے بعد ایک پاکیزہ شکل خاتون اندر آ گئیں۔

• "یہ میری چالیس سالہ مونس ہیں۔ تمہارے لئے ایک ہمدرد ماں ثابت ہوں گی۔ بیگم یہ سرفراز میاں ہیں۔ کشادہ پیشانی، اور روشن آنکھوں سے ان کی فراست کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، بس میری خواہش ہے انہیں تکلیف نہ ہو۔"
• "ایسا ہی ہوگا۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔
• "اچھا بھئی سرفراز میاں، ہمیں اجازت۔ ممکن ہے دوپہر کے کھانے میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہو سکیں، نواب صاحب کو حاضری دینی ہے۔"
• "بہتر ہے۔"
• "تم یہاں آرام کرو، سونا چاہو تو سو جاؤ، ہمیں تو رات ہی نصیب ہو گی، ملازم پیشہ آدمی ہیں۔" رشید صاحب اٹھ گئے۔

بیگم صاحبہ تھوڑی دیر تک بیٹھی رہیں، پھر وہ مجھے آرام کا مشورہ دے کر چلی گئیں۔ اور میں ایک مسہری پر لیٹ کر اپنی زندگی کے اس موڑ پر غور کرنے لگا۔

گھر سے قدم نکال دیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب زندگی کون کونسے موڑ اختیار کرتی ہے۔

◇



دیر نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی، اور میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اجنبی جگہ تھی، بڑا عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔

لیکن دروازے سے داخل ہونے والا چہرہ بڑا شگفتہ تھا میری جانی پہچانی افشاں تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور افشاں کے ننھے ننھے لب بھی مسکرا اٹھے۔

• "کیا ہمیں اس مداخلت پر معذرت کرنا پڑے گی؟" اس نے شیریں آواز میں کہا۔
• "کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے اس تکلف کی۔" میں نے جواب دیا۔
• "ہاں تکلفات ہمیں بھی پسند نہیں ہیں، ویسے ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ مسکرانا جانتے ہیں۔"
• "کیا مطلب؟"
• "مسکرانے والے ہمیں پسند ہیں۔ اللہ نہ کرے محفوظ میاں جیسے لوگوں سے واسطہ پڑے۔"
• "محفوظ میاں کون ہیں؟"
• "امی جان کی خالہ زاد بہن کی نند کے لڑکے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس میں تشریف لائے تھے، ایک ہفتہ رہے، ایک بار بھی نہیں مسکرائے، بس صورت پر جھاڑو پھری رہتی تھی۔ اللہ کی پناہ، دن گنتے تھے کہ کب جائیں۔"
• "افشاں" ——— ایک بھنچی بھنچی سی آواز ابھری۔
• "تو عرض کر رہی تھی کہ دوپہر کے کھانے میں کیا کھائیے گا؟" افشاں جلدی سے بولی۔
• "مگر وہ محفوظ میاں؟" میں نے کہا اور افشاں نے جلدی سے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔
• "جو آپ پسند کریں کھلا دیں۔" میں نے کہا۔
• "آپ کی کوئی پسندیدہ شے؟"
• "آپ کی اور ہماری پسند یکساں ہوگی۔"
• "ہمیں تو قیمہ بھرے کریلے بہت پسند ہیں، موسم کی چیز ہے، فرمائش کر دیں تو پک جائیں گے۔"
• "آپ اپنی پسند سے جو کچھ کھلا دیں گی، کھا لیں گے۔"
• "بہتر ہے، میں فرمائش نوٹ کر لیتی ہوں۔" افشاں نے کہا، اور واپسی کے لئے پلٹی، دروازے تک گئی اور پھر دوسری طرف جھانک کر دیکھا۔
• "خطرہ ٹل گیا ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

مجھے یہ بچی بہت پیاری لگ رہی تھی، کیسی اپنائیت تھی اس کی گفتگو میں اور کیسی پیاری باتیں کرتی تھی۔

• "تو خدا کا کرنا یہ ہوا کہ محفوظ میاں عرس ختم ہونے سے پہلے ہی چلے گئے، لیکن جانتے ہیں انہوں نے جا کر کیا گل کھلایا؟"
• "اوہو ——— کیا ہوا؟"
• "حنا باجی کے لئے اپنا پیغام بھجوا دیا۔"
• "یہ حنا باجی کون ہیں؟" میں نے رازداری سے پوچھا۔
• "منجھلی باجی کا نام حنا ہے۔ صورت شکل درمیانی ہے، رنگ صاف ہے، بس ذرا ناک موٹی ہے، اور جب چشمہ لگا لیتی ہیں تو رشیدہ ابوا معلوم ہوتی ہیں۔"
• "افشاں" ——— دبی دبی آواز پھر ابھری، اور افشاں نے دانتوں تلے زبان دبا لی۔
• "کہاں ہے افشاں، کہکشاں؟" یہ بیگم صاحبہ کی آواز تھی۔
• "اندر ہے امی۔ سرفراز بھائی کے کان کھا رہی ہے نہ جانے کہاں کہاں کی اڑا رہی ہے۔"
• "مارے گئے سرفراز بھائی، بچا لیجئے۔" افشاں نے کہا اور پھر جلدی جلدی بولنے لگی۔
• "بہتر ہے بھائی جان، تو میں امی سے عرض کر دوں گی کہ آپ کو قیمہ بھرے کریلے بہت پسند ہیں، اچھا اب میں چلتی ہوں، اور..." وہ مڑی لیکن دروازے میں بیگم صاحبہ کھڑی تھیں۔
• "تو تم نے سرفراز میاں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا
• "نہیں امی جان! میں تو بھائی جان سے دوپہر کے کھانے کے بارے میں پوچھنے آئی تھی، میں ذرا بوا سے کریلوں کے لئے کہہ دوں۔" افشاں نے کہا۔
• "سرفراز میاں، یہ بہت شریر ہے۔ زیادہ منہ مت لگانا ورنہ تمہارے کان کھا جائے گی۔"

• اس دنیا میں تنہا ہوں چچی جان۔ افشاں کی شخصیت میرے لئے اجنبی اور انوکھی ہے۔ اسے کچھ وقت میرے لئے دے دیں۔ بڑا سکون ملتا ہے اس کی باتوں سے۔"

• تمہاری بہن ہے بیٹے، اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ بس یہ تمہیں پریشان نہ کرے۔"

• توبہ ہے امی جان، کوئی بڑے بھائی جان کو بھی تنگ کرتا ہے۔ تو میں کہہ دوں بوا سے کریلوں کے لئے؟

• میں اچھی طرح جانتی ہوں تیرے کریلوں کو، جا کہہ دے۔" امی جان نے ہنستے ہوئے کہا، اور افشاں باہر نکل گئی۔ دروازے سے نکلتے ہوئے وہ رک کر بولی:

• کوئی ضرورت ہو تو مجھے طلب کر لیجئے گا بھائی جان۔"

• بوا سے کریلوں کے لئے کہہ کر ذرا واپس آجانا افشاں تم سے مجھے ایک ضروری کام ہے۔" میں نے کہا۔

• حاضر ہو جاؤں گی۔" افشاں نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

• بے حد شریر ہے، ویسے بیٹے، دراصل ان کا کوئی بھائی نہیں ہے، ترسی ہوئی ہیں بھائی کے لئے۔"

• کاش، آپ مجھے بیٹے کی حیثیت سے قبول کر لیں چچی جان۔"

• خدا تمہیں خوش رکھے۔ تمہارے الفاظ میں بڑی اپنائیت ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

تیسرا دن تھا مجھے رشید الدین کے یہاں قیام کو، یہ تین دن جس ماحول میں گذرے تھے، وہ جاوداں تھا۔ کیسا سکون کیسی اپنائیت تھی۔ افشاں کے علاوہ درخشاں بھی میرے سامنے آگئی تھی۔ تیرہ سال کی بچی تھی۔ شباب کی آمد آمد تھی۔ آنکھوں میں حیا تھی۔ پاکیزہ سی شکل، پاکیزہ باتیں۔ وہ افشاں کی طرح تیز و طرار نہیں تھی۔ بلکہ بالکل سیدھی سادھی تھی، البتہ افشاں بے حد ذہین اور باتونی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر افشاں مجھے باتوں میں نہ الجھائے دیتی تو میں اتنا پرسکون نہ رہتا۔ گو میرا گھر بار، میرے عزیز و اقارب میرے لئے کوئی جذبات نہیں رکھتے تھے۔ میں نے کبھی گھر کے اندر اپنی کوئی خاص اہمیت نہیں سمجھی تھی۔ لیکن بہرحال میں وہاں پیدا ہوا تھا۔ میں کسی سے بھی کہہ سکتا تھا کہ میرا مکان وہ ہے، میں وہاں رہتا ہوں۔ اور اب میں ایک بے سہارا انسان تھا۔

اپنے کسے یاد نہیں آتے، ہاں ان یادوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔

لیکن افشاں کی پرمحبت گفتگو، رشید الدین صاحب کا اخلاص، بیگم صاحبہ کی محبت۔ سب کچھ میری کیفیت بدلنے کے لئے کافی تھے۔ میں بے حد مطمئن تھا، سوائے اس اضطراب کے کہ ان پرخلوص لوگوں پر کب تک بار بنا رہوں گا۔ چوتھے دن میں نے رشید الدین صاحب سے صاف گفتگو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

• محترم، میرا خیال ہے مہمان نوازی کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب مجھے میدان عمل میں آنے کی اجازت دیں۔"

" میاں کچھ کرنے کا جذبہ بہت قابل قدر ہے۔ لیکن میری سکت ایک ماہ کی ہے، ایک ماہ تک تم بغیر کسی تردد کے میرے مہمان رہو۔ اکتیسویں دن تم اپنے بارے میں سوچنا اور اس کے بعد کوئی انتظام کر لینا۔" رشید الدین صاحب نے کہا۔

• رشید صاحب، آپ کی صاف گفتگو سے میں بہت متاثر ہوں۔ لیکن اگر اس درمیان ہی میں کچھ کر لوں تو کیا حرج ہے؟"

• دراصل بات یہ ہے سرفراز میاں کہ میں نواب صاحب کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں، میری ان سے ملاقات بہت مختصر رہی، وہ لدھیانہ جانے کے لئے تیار تھے، اس لئے میں تمہارے بارے میں گفتگو نہیں کر سکا، وہ واپس آجائیں تو تمہاری ملازمت کا بندوبست کر دوں، ویسے وقتی طور پر ایک ڈرائیور کی جگہ ہے، مگر تم ....."

رشید الدین خاموش ہو گئے، میں بھی خاموش ہو گیا۔ ایک دم ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ کیا میں صرف یہی حیثیت رکھتا ہوں۔ کیا میری صلاحیتیں اس قدر زنگ آلود ہیں کہ جاگیردار صاحب کے عاق کر دینے کے بعد کوئی معمولی سی ملازمت کروں اور کسمپرسی میں زندگی گذار دوں؟

پھر آخر کچھ تو کرنا ہے، کوئی لائحہ عمل تو بنانا ہے۔ سوچتا رہا۔ اور پھر فوری طور پر کچھ فیصلے کئے۔ بہتر حالات کی طرف چھلانگ لگانا ناممکن ہے۔ ابتدائی سیڑھی پر قدم رکھ کر ہی آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی ملازمت کر لی جائے، کچھ رقم پس انداز کی جائے پھر اس ملک سے باہر نکل جایا جائے، ایسی زندگی اپنائی جائے جو شایان شان ہو۔ بے شک اس کے علاوہ کچھ اور ناممکن ہے۔ دوسروں کے ٹکڑے ان کے لئے جو نکمے ہوں۔ میری صلاحیتیں عام انسانوں سے افضل ہیں۔

چنانچہ کافی دیر کے بعد میں نے رشید الدین صاحب کو مخاطب کیا۔

• رشید الدین صاحب!"

• جی، فرمائیے ——— میں آپ کے غور و خوض کی وجہ سے خاموش تھا۔"

• آپ نے زندگی کا طویل سفر طے کیا ہے، اور جو کچھ میرے سامنے ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت خوش اسلوبی سے آپ یہاں تک پہنچے ہیں۔"

• واللہ ——— لڑائی کا موڈ چوپٹ کر دیا، بڑی خوش کرنے والی بات کہہ دی۔ ورنہ میں تمہاری اس خاموشی پر ایک نقشہ جنگ ترتیب دے چکا تھا۔" رشید الدین صاحب ہنستے ہوئے بولے۔

• میں آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں رشید الدین صاحب!"

• کیا کہنا چاہتے ہو؟"

• آپ نیک نفس انسان ہیں رشید الدین صاحب۔ اسی لئے آپ نے نہ تو میرے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھا، نہ کچھ سوچا اور مجھے اپنے مکان میں جگہ دے دی، آخر کیوں؟"

• یہاں ایک بات کہوں، دراصل پوری زندگی خدا کے خوف میں گذار دی ہے۔ کوشش کی ہے کہ کسی کو میری ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔ اور اب خدا کی ذات پر اعتماد کی اس منزل پر ہوں کہ وہ ہر ہر لمحہ میری حفاظت کرتا ہے۔ اپنے سارے معاملات اسی پر چھوڑ دیئے ہیں۔ وہ جانے اور اس کا کام۔ اس میں مداخلت مجھ جیسے گنہگار کو کہاں روا ہے۔ تم ملے، دل کو بھائے، بلا لایا۔ میری کیا اوقات ہے جو تمہاری خدمت کروں۔ تم کیا ہو، یہ پوچھنا اللہ پر اعتماد کو ٹھیس پہنچانا تھا۔"

• آپ بے حد عظیم انسان ہیں رشید الدین صاحب، جب آپ مجھے اپنے بچوں میں جگہ دے چکے ہیں تو میرے اوپر بھی تو کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔"

• ممکن ہے۔" رشید الدین صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

• میں اپنی مکمل تفصیل آپ کو نہیں بتا سکتا، یوں سمجھ لیں زندگی کبھی تردد میں نہیں گذاری۔ اچانک احساس ہوا کہ دنیا میں بے مقام ہوں، اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ بہتر وقت کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ آپ خود سمجھتے ہیں کہ لمحات کی کیا قیمت ہے۔ جن میں جو لمحات ضائع ہوئے۔ ان کا صرف افسوس کیا جا سکتا ہے۔"

• مناسب بات ہے۔"

• تب براہ کرم ایک ماہ کی قید نہ لگائیں، آپ نے ڈرائیور کی ملازمت کی بات کی ہے۔"

• ہاں ہاں، پھر ——؟"

• میں ڈرائیونگ بھی جانتا ہوں۔"

• تت —— تو کیا ——؟"

• براہ کرم مجھے ملازمت دلوا دیں۔"

• لیکن میاں تعلیم یافتہ ہو۔"

• اس لئے پوری دیانت سے ملازمت کروں گا تاکہ میرے علم کی توہین نہ ہو۔"

• غور کر لو، میرا خیال تھا نواب صاحب کی واپسی پر تمہیں کوئی عمدہ ملازمت دلائی جائے۔"

• میری خواہش ہے آپ اس کا فوری بندوبست کر دیں۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

• دل خوش نہیں ہے، لیکن تمہاری عظمت کا سکہ دل پر بیٹھ رہا ہے۔ بہرحال اگر تمہاری خواہش ہے تو بیگم صاحبہ سے کل بات کروں گا۔"

• میں شکر گذار ہوں گا۔" میں نے جواب دیا اور رشید الدین صاحب خاموش ہو گئے۔

دوسرا دن بھی حسب معمول تھا، افشاں سے گپ شپ رہی۔ درخشاں بھی شرمائی ہوئی دو تین بار آئی۔ لیکن دوپہر کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ افشاں کی زبانی معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ پڑوس میں کسی تقریب میں شریک ہیں، اور آج پورا دن وہیں گذاریں گی۔ بیگم صاحبہ مجھ سے کچھ کہہ کر نہیں گئی تھیں۔ بہرحال میں نے بھی باہر نکلنے کا پروگرام بنایا تو افشاں کہنے لگی:

• واہ بھائی جان، آپ آج کہیں نہیں جائیں گے۔"

• کیوں ——؟"

• امی جان کہہ گئی ہیں، ہم لوگوں نے کہا کہ ہم اکیلے رہیں گے تو امی جان نے کہا کہ سرفراز بھائی جان جو موجود ہیں۔"

• اوہ —— میں خاموش ہو گیا۔ لیکن بیگم صاحبہ کے اس اعتماد نے میرے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ چنانچہ میں نے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک کتاب لیکر لیٹ گیا۔

وقت گذرتا رہا، افشاں سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ اندر سے افشاں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ بہرحال میں نے ابھی کھانے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا کہ اچانک اندرونی دروازے پر آہٹ سنائی دی۔

• افشاں — میں نے پکارا، لیکن جواب ندارد، ہاں پردے کے پیچھے کسی وجود کا احساس ضرور تھا۔

• افشاں — میں نے پھر پکارا۔

• افشاں موجود نہیں ہے سرفراز صاحب! ایک لرزتی سی اجنبی آواز ابھری، اور میں چونک کر اٹھ گیا، لیکن ابھی میں کچھ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ پردہ ہٹا اور ایک خوبصورت سی لڑکی نیچی نگاہیں کئے اندر آگئی۔ عمر بیس سال کے قریب ہوگی کھلتا ہوا شربتی رنگ، بڑی بڑی آنکھیں۔ جوانی کے سارے لوازمات سے مزین — !

• دونوں شریریں اندر کوٹھی میں چلی گئیں، کھانے کا وقت ہوگیا۔ یوں بھی امی جان نے مجھے آپ کے سامنے آنے کی اجازت دے دی ہے۔" اسی شیریں آواز نے کہا۔

• غالباً آپ کہکشاں ہیں؟

• جی ہاں — وہ کھانا رکھ کر کھڑی ہوگئی، حالانکہ اس کا کام ختم ہوگیا تھا، اسے واپس چلا جانا چاہیئے تھا، لیکن عجیب سے انداز میں وہ کھڑی تھی۔

• شکریہ کہکشاں بی بی، آپ کو زحمت کرنا پڑی۔" میں نے سادگی سے کہا۔

• شرمندہ نہ کریں، میں نے تو آپ کی کوئی خدمت نہیں کی حالانکہ یہ میری دلی خواہش تھی! لرزتی آواز بہت کچھ کہہ گئی اور مجھے اس کی امید نہ تھی۔

میں ہکا بکا رہ گیا، کیا یہ الفاظ سادگی سے کہے گئے ہیں یا ان کی تہہ میں کوئی جذبہ ہے؟ میں سوچتا رہ گیا۔

• کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔" شیریں آواز نے کہا۔

• ایں — ہاں میں کھا لوں گا؟

• ابھی کھا لیجئے نا۔ میرے سامنے۔" آواز میں ہلکی سی شوخی آگئی، اور مجھے سنبھلنا پڑا۔ رشیدالدین صاحب کی مشفق صورت میری نگاہوں میں گھوم گئی۔

ذرا سی بھی لغزش ہوگئی تو کائنات ہل جائے گی، بھرم ٹوٹ جائے گا، مجھ پر سے بھی اور خدا پر سے بھی۔ اس شخص نے سب کچھ خدا کو سونپ دیا ہے۔ سب کچھ خدا کو سونپ دیا ہے۔

• آپ نے کھا لیا کہکشاں بی بی؟

• ابھی نہیں؟

• تو جائیے، آپ بھی کھا لیجئے۔"

• میں آپ کو کھاتے دیکھنا چاہتی ہوں؟ مسکراہٹ اور بھی شوخ ہوگئی۔

• اچھا تو بیٹھ جائیے؟

• شکریہ — وہ بیٹھ گئی، میں نے سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کہکشاں خوبصورت تھی۔ لیکن زلیخا سے زیادہ نہیں، زلیخا چاند کا ٹکڑا تھی، اور میں اسے ٹھکرا چکا تھا۔

میں نے کھانا شروع کر دیا اور وہ بیٹھی مسکراتی رہی۔

پھر جب میں کھا چکا تو اس نے شکایتی انداز میں کہا:

• ہم بتا چکے تھے کہ ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ لیکن آپ نے ہمیں کھانے کے لئے پوچھا بھی نہیں؟

• چھوٹی بہنیں بھائیوں سے شکایت نہیں کرتیں کہکشاں —

میں نے طلسم توڑا اور کہکشاں دھک سے رہ گئی۔

• سرفراز صاحب! اس نے سحرزدہ سے انداز میں کہا۔

• بُری بات بیٹے۔ بڑے بھائیوں کے نام نہیں لئے جاتے۔" میں نے محبت سے کہا۔

• سرفراز صاحب! وہ احتجاجی انداز میں بولی۔

• بھائی جان — صرف بھائی جان — میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دل میں ایک عجیب سی روشنی ہوگئی تھی۔ طبیعت پر انبساط کی سی کیفیت تھی، اور یہ خدا کا شکر تھا۔ اس کے ایک گنہگار بندے نے اس کا بھرم قائم رکھا تھا۔ کہکشاں عجیب انداز سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

• عجیب حالات میں ہماری ملاقات ہوئی ہے کہکشاں۔ تم بے حد پیاری ہو۔ بہت خوبصورت۔ کوئی بھی نوجوان تمہیں دیکھ کر دل پکڑ سکتا ہے۔ لیکن میری بہن، تم صرف میری بہن ہو، تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ کیا تمہیں میں، بھائی کی حیثیت سے پسند نہیں ہوں؟

اور کہکشاں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور پھر وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی:

• میری خطا نہیں ہے بھائی جان، میری خطا نہیں ہے۔

• برتن رکھ دو کہکشاں، بیٹھو — مجھے بتاؤ، کیا بات ہے؟

• ابّو جان — ابّو جان امی سے کہہ رہے تھے کہ سرفراز اچھا لڑکا ہے۔ اگر ملازم ہو جائے تو کہکشاں کے لئے کیسا رہے گا؟ بس، اس وقت سے مجھ سے بھول ہوگئی؟

• میں رشیدالدین صاحب سے جھگڑا کروں گا۔ ان سے

کہوں گا کہ انہوں نے میری بہن کو آخر کیا سمجھا۔ میں خود اس کے لئے عمدہ سا دولہا تلاش کروں گا، واہ۔ کوئی میری بہن ایسی گئی گذری ہے کہ مجھ جیسے آدمی سے اس کی شادی کی جائے؟

• بھائی جان، ﷲ۔ ابّو جان سے کچھ نہ کہیں، آپ کو میری قسم، غلطی میری ہے۔ ابّو جان سے کچھ نہ کہیں۔"

• اچھا اچھا نہیں کہیں گے۔ بس ایک بار پیارے بھائی جان کہہ دو۔" میں نے کہا۔

• بھائی جان" — وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور میں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

• میری پیاری سی بہن، بس جاؤ شاباش، اور ان تمام باتوں کو ذہن سے نکال دو۔" میں نے اس کے آنسو پونچھے اور اس نے برتن اٹھا لئے۔

پھر وہ برتن اٹھائے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

لیکن اچانک برتنوں کا چھناکہ سنائی دیا اور میں اچھل پڑا۔

• ارے کیا ہوا؟ میں اندرونی کمرے کی طرف بھاگا۔

اور دوسرے کمرے میں پہنچ کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ منظر ہی اتنا عجیب تھا کہ میرے بھی حواس گم ہوگئے۔ کہکشاں دروازے کے قریب منہ پھاڑے کھڑی تھی اور کمرے کے بیچوں بیچ۔ عین درمیان میں، صاف ستھری زمین پر رشیدالدّین صاحب سجدہ ریز تھے۔

بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی، یہ سب کیا تھا، یہ سجدہ ریزی کیسی تھی۔ کیا رشیدالدین صاحب بے ہوش تھے، کیا ہوا تھا یہ سب؟

میں بے چینی سے ان کے قریب پہنچ کر جھکا:

• رشیدالدّین صاحب"! اور انہوں نے گردن اٹھائی۔ ان کی آنکھیں، رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔

• رشیدالدّین صاحب" میں نے پریشانی سے کہا۔

• میاں رو لینے دو، اس کے حضور آنسوؤں کے نذرانے کے علاوہ اور کیا پیش کیا جاسکتا ہے، کیا دوں اسے"؟ رشیدالدّین صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

• کیا ہوگیا آپ کو، اٹھیئے تو سہی"

• شادیٔ مرگ ہوگیا ہے۔ مجھ جیسے گنہگار کو اس نے کیا نوازا ہے، کیسا اس نے میرے خلوص کا بھرم رکھا ہے"

• رشیدالدّین صاحب!

• پیٹ کا ہلکا ہوں میاں۔ خوشی کی کوئی بات نہیں چھپا سکتا آؤ، تم دونوں میرے ساتھ آؤ"۔ انہوں نے کہا اور کہکشاں کا اور میرا ہاتھ پکڑ کر میرے کمرے میں آگئے۔

• بیٹھ جاؤ تم دونوں" انہوں نے کہا۔ حالات کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہے تھے لیکن جو کچھ میں سمجھ رہا تھا، بڑا سنسنی خیز تھا۔

بہرحال میں بیٹھ گیا۔ کہکشاں البتہ زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔

• کہکشاں بیٹے، ایک بات کا یقین کر لو، میں تمہیں اسی طرح پاک و صاف، بے گناہ سمجھتا ہوں جس طرح اس سے قبل۔ دراصل والدین پر اہم فرائض ہوتے ہیں۔ ان میں یہ فرض بھی شامل ہے کہ اولاد کے بارے میں گفتگو کرتے وقت محتاط رہیں اور ان کے ذہنوں کے لئے بوجھ نہ بنیں، ہاں ہاں، شرمانے کی بات نہیں ہے۔ میں اپنی کئی غلطیاں تسلیم کر رہا ہوں۔ لیکن غلطیوں میں اور خوشیوں میں، خوشیوں کا پلہ بھاری ہے، اس لئے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں کہنے دو۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں سرفراز میاں کو ایک خوشخبری سنانے آرہا تھا، اس لئے ناوقت آگیا۔ تمہیں تلاش کر رہا تھا۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ آواز نہیں دی، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب تم کھانا لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ بیٹی۔ اس گنہگار نے ساری باتیں سن لیں۔

اور اس کے بعد مجھ سے صبر نہ ہوا اور سجدہ ریز ہوگیا۔"

• رشیدالدین صاحب!

• ابّو جان!" میرے اور کہکشاں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

• سرفراز بیٹے، تمہاری چمکدار پیشانی سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اعلیٰ نسب کے انسان ہو، تمہاری رگوں میں شریف خون ہے۔ پشیمان اس لئے نہیں ہوں کہ خوشیوں کا پلہ بھاری ہے ورنہ شاید تم پر عیاں نہ ہوتا۔ غور کرو اس انسان پر جسے تم جیسا صالح بیٹا مل جائے!

• آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں رشیدالدین صاحب"۔

• بخدا شرمندہ مت ہو۔ بلکہ میری خوشی میں شریک ہو جاؤ۔ ہاں میں مجرم ہوں کہ میں نے تمہارے بارے میں اس انداز میں سوچا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ کہکشاں کو اچھے رشتے مل جائیں گے۔ لیکن کیا تمہارے جیسا بھائی بھی روئے زمین پر ہوگا؟

• آپ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں رشیدالدین صاحب! مجھ سے جو کچھ ہوا، وہ انسانی فرض، ضمیر کی آواز تھی۔"

• ابّو جان — ابّو جان، میں شرمندہ ہوں ابّو جان، میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔" کہکشاں روتے ہوئے باپ سے لپٹ گئی۔

• پگلی کہیں کی، غلطی میری ہے اور شرمندہ تو ہے۔ بھروسہ کر لے میری بات پر کہ میرا دل تیری طرف سے آئینے کی طرح صاف ہے، اور بھروسہ کر لے اس بات پر بھی کہ میں نے یہ کہانی سینے

میں دفن کرلی ہے۔"

"میرے پیارے ابو جان!" کہکشاں نے رشید الدین صاحب کے سینے پر سر رکھ دیا، اور وہ محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگے۔

"تو بھئی، کھانا تو ہم کھا چکے ہیں، لیکن اس وقت خوشی میں پھر بھوک لگنے لگی ہے، اس لئے کچھ کھلاؤ۔" رشید الدین صاحب نے پیار سے کہا۔

"میں لاتی ہوں۔" کہکشاں نے کہا اور باہر چلی گئی۔

رشید الدین صاحب مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہے تھے اور میں خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہا تھا۔

"بھئی تمہارے بارے میں اچانک تجسس بڑھ گیا۔"

"جی — میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔

"اب یہ جاننا ضروری ہو گیا ہے کہ تم کس خاندان کے چشم و چراغ ہو؟"

"ایک گذارش کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "صرف اس بات سے پرہیز کریں۔ میں جو کچھ ہوں اسی پر اکتفا کریں۔"

"اوہ۔ کیا یہ بہت ضروری ہے؟"

"جی۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے میاں۔ گو تجسس اور بڑھ گیا ہے لیکن خیر، دراصل سرفراز میاں، پانچ بیٹیوں کا باپ ہوں، اس لئے میں نے جو کچھ سوچا، اس پر تم مجھے مجرم نہیں قرار دے سکتے۔"

"قطعی نہیں — آپ یہ تصور بھی ذہن سے نکال دیں۔"

"تم اس قدر نفیس انسان ہو کہ آج کے بعد سے جو کچھ کہو گے اس پر ذرہ برابر شک نہیں کروں گا۔ میں نے احساسِ شرمندگی کو ذہن سے نکال دیا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد کہکشاں کھانا لے آئی، اور ایک بار مجھے پھر ان دونوں باپ بیٹیوں کے ساتھ شریک ہونا پڑا، ویسے دل میں میں نے ان سب کی عظمت کا اعتراف کیا تھا۔

دراصل مسئلے سلجھانے کے سلسلوں میں ہم بہت زیادہ جذبات سے کام لیتے ہیں، اور نتیجے میں مسئلوں کی شکل مسخ ہو جاتی ہے اور نئے نئے مسئلے پیدا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ صرف ایک خیال ذہن میں رکھا جائے تو بہت سی الجھنیں ختم ہو سکتی ہیں، وہ یہ کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ فرشتے صرف آسمان پر اپنے خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کرتے ہیں، ہر انسان سے بھلے اور غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، اسے انسان ہی سمجھا جائے، فرشتوں کا درجہ نہ دیا جائے تو انسانیت کے بہت سے اصول طے ہو سکتے ہیں۔ اگر رشید الدین صاحب اس بات پر شور و غوغا کرتے، کہکشاں کو سرزنش کرتے، مجھے برا بھلا کہتے تو بات ایک کان سے دوسرے کان میں بھی جا سکتی تھی۔ کہکشاں جیسی سادہ لڑکی شرم سے خودکشی بھی کر سکتی تھی، اور نہ جانے کیا کیا ہوتا۔

لیکن رشید الدین صاحب نے انسانی اصول سامنے رکھے تھے۔ انسان کی شخصیت کو سامنے رکھا تھا۔ اور ایک بہت بڑی الجھن چٹکیوں میں رفع ہو گئی تھی۔

کھانے کے رشید الدین صاحب نے چائے کی فرمائش کی پھر بولے:

"دراصل میں نے ایک خوشخبری کا ذکر بھی کیا تھا۔"

"جی ہاں، میں اس کے لئے بے چین ہوں۔"

"میں نے بیگم صاحبہ سے تمہارے بارے میں گفتگو کی تھی۔"

"جی —؟"

"بھئی وہ لوگ میرے اوپر بہت بھروسہ کرتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ نواب صاحب کے انتظار کی کیا ضرورت ہے تمہیں رکھ لیا جائے۔"

"واقعی خوشخبری ہے۔" میں نے مسرت سے کہا۔

"میں نے بیگم صاحبہ کو تمہارے بارے میں بتا دیا تھا، کہنے لگیں تمہاری حیثیت ڈرائیور کی نہیں ہو گی۔ اس گھر کے ایک فرد کی مانند رہو گے۔"

"میں انہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو کل سے کام شروع کر دو، ویسے تنخواہ معقول ہے۔ تمہارے خیال میں کتنی تنخواہ ہونی چاہئے تمہاری؟"

"جو آپ کے خیال میں درست ہو۔"

"بہرحال ساڑھے تین سو روپے علاوہ دوسری مراعات کے رہائش کے لئے میں نے بیگم صاحبہ سے منع کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔"

"انتہائی مناسب۔" میں نے کہا۔

"بس تو میاں کل سے بسم اللہ کرو۔" رشید الدین صاحب نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

یوں اس عجیب و غریب دن کی دوپہر کا اختتام ہوا لیکن

یہ حیرت انگیز واقعہ میرے لئے بڑی سنگین حیثیت رکھتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں بہک جاتا تو حالات کیا ہوتے، لیکن خود پر اعتماد بھی تھا، اور پھر میں پھسلنے والوں میں نہیں تھا۔ خدا کا شکر ہے ضمیر بھی رکھتا ہوں، اور اسی کی وجہ سے نقصان میں تھا، ورنہ کیا تھا، والد صاحب کی باتیں برداشت کر لیتا، زلیخا کے بارے میں خیالات بدل لیتا، اور یوں گھر بھر میں بازی مار لیتا جب کہ میرا نمبر چھٹا تھا۔

دوسرے دن مجھے رشید الدین صاحب اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ گو نواب فیروز الدین صاحب کی کوٹھی اس رہائش گاہ سے ملحق تھی، لیکن میں کبھی اس طرف بھٹکا بھی نہیں تھا۔

ادھر کی دنیا خاصی ماڈرن تھی، کوٹھی کی بناوٹ بھی جدید تھی، اور اس کے رہنے والے بھی۔ پردے کی کوئی خاص رسم نہ تھی۔

چنانچہ مجھے بیگم صاحبہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ادھیڑ عمر کی ایک شریف صورت خاتون تھیں۔

"یہ سرفراز میاں ہیں بیگم صاحبہ!"

"میں نے پہلے انہیں نہیں دیکھا؟"

"کل میں نے ان کے بارے میں عرض کیا تھا۔"

"ایں — ڈرائیور کے لئے؟" بیگم صاحبہ کے چہرے پر حیرت تھی، میری ظاہری وجاہت نے ان پر اثر کیا تھا۔

"جی ہاں۔"

"مگر یہ — یہ — میرا مطلب ہے انہیں اعتراض تو نہیں ہو گا رشید بھائی؟"

"جی نہیں بیگم صاحبہ، اعتراض کی کیا بات ہے۔"

"پتہ نہیں تمہیں کن حالات نے مجبور کیا ہے میاں، بہرحال ہمارے ہاں انسانوں کی حیثیت مقرر نہیں کی جاتی۔ تمہاری حیثیت گھر کے ایک فرد کی طرح ہو گی۔"

"میری خوش بختی ہے۔"

"البتہ۔" بیگم صاحبہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ "کوثر ذرا بدتمیز ہے، دل کی بری نہیں ہے، زبان کی بری ہے، اس کے باپ نے اس کا ناس کر دیا ہے، تم رشید بھائی سے پوچھو، خود مجھے اس کی حرکتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں، تو میاں ذرا اس کی باتیں نظر انداز کر دینا۔"

"آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ!" میں نے کہا، حالانکہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کوثر کیا بلا ہے۔

"رہو گے تم رشید بھائی کے ساتھ؟"

"جی ہاں بیگم صاحبہ، میں انہیں خود سے جدا نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میاں، ہمارے اصول کے مطابق تمہیں دو ماہ کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی جائے گی تاکہ تم دلجمعی سے کام کر سکو۔ رشید الدین صاحب انہیں گاڑی کی چابی دلوا دیں اور تنخواہ ادا کر دیں۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"جو حکم بیگم صاحبہ۔" رشید الدین صاحب نے کہا، اور پھر ہم وہاں سے چلے آئے۔

ساڑھے تین سو روپے، اس سے دگنی قیمت کی خوراک میرا گھوڑا کھا لیتا تھا۔ اتنے پیسوں کے تو ہر ماہ کارتوس خرچ ہوتے تھے۔ لیکن اس وقت میں نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ آج ساڑھے تین سو روپے کی ملازمت مل جانے سے درحقیقت مجھے بے حد خوشی ہو رہی تھی، رشید الدین صاحب بھی بہت خوش تھے۔

اس شام خاصی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ مثلاً یہ کہ رات کے کھانے پر خاص طور سے اندر بلایا گیا۔ رشید الدین صاحب نے میری ملازمت کی خوشخبری سب کو سنائی۔ ان کی ساری بچیاں میرے سامنے آئیں۔ یوں بھی بس میں ہی ان سے آشنا نہیں تھا وہ سب تو مجھے اچھی طرح جانتی تھیں۔

ان لوگوں میں کہکشاں بھی شامل تھی، محجوب محجوب سی، لیکن دوسروں کو حقیقت معلوم نہیں تھی اور میرا دل بھی صاف تھا۔

دوسرے دن سے میں نے ملازمت پر جانا شروع کر دیا۔ خوبصورت کار کی چابی میرے حوالے کر دی گئی، میں نے کپڑا نکالا، اور کار کے شیشے صاف کرنے لگا۔

درحقیقت اس دلچسپ تصور سے لطف آ رہا تھا کہ میں ایک ڈرائیور ہوں۔ حرج بھی کیا تھا۔ جاگیردار توقیر احمد اپنی جاگیر سنبھالیں مجھے اس کی کیا پرواہ ہے۔ مجھے میری ڈرائیوری مبارک۔

ہاں — دور کھڑے رشید الدین صاحب مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے دور سے ہی ان کے چہرے کے تاثرات نوٹ کئے، ان کے چہرے پر تاسف تھا۔

ٹھیک گیارہ بجے بیگم صاحبہ تیار ہو کر نکلیں۔ میں اس وقت شیشے صاف کر رہا تھا۔ انہیں دور سے دیکھ کر میں جلدی سے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور پھر جب وہ قریب پہنچیں تو میں نے جلدی سے عقبی دروازہ کھول دیا۔

بیگم صاحبہ اندر بیٹھ گئیں، اور میں نے ڈرائیونگ سیٹ

سنبھال لی۔

"پہاڑ گنج چلنا ہے میاں، کیا نام بتایا تھا تم نے؟"

"سرفراز۔" میں نے کہا۔

"ہاں سرفراز میاں، ذرا پہاڑ گنج چلو۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ "بیگم صاحبہ!" میں نے تھوڑی دور تک چلنے کے بعد کہا۔

"جی میاں، کیا بات ہے؟"

"دراصل دہلی پہلی بار آیا ہوں۔ مجھے یہاں کے راستے نہیں معلوم بس ایک بار پتہ چل جائیں، پھر نہیں بھولوں گا۔"

"میں بتاتی رہوں گی میاں اور کل سے تم شہر میں نکل جایا کرو، روزانہ دو تین گھنٹے گھوم لیا کرو۔ راستے خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔"

"نوازش بیگم صاحبہ۔" میں نے ممنونیت سے کہا۔

"داہنے ہاتھ سے چلو، چوراہا آئے تو بائیں سمت موڑ لینا۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"رشید بھائی بتا رہے تھے کہ تعلیم یافتہ ہو؟"

"جی۔ تھوڑا بہت۔"

"شکل و صورت سے تم کسی بڑے گھرانے کے لگتے ہو، کہاں کے رہنے والے ہو میاں؟"

"جی ارشاد آباد کا۔"

"ہوں، اور بہن بھائی بھی ہیں؟"

"جی۔"

"ٹھیک ہے میاں، دیکھو، ہمیں اللہ نے انسان بنایا ہے، جو کچھ اس نے دیا ہے اس کا کرم ہے۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو، کوئی تکلیف ہو تو بے تکلفی سے بتا دینا۔ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے چوراہے سے گاڑی موڑتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پہاڑ گنج پہنچ گئے۔

"بس تم یہاں انتظار کرو، مجھے آدھ گھنٹہ لگ جائے گا۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور میں نے جلدی سے اتر کر دروازہ کھول دیا۔ بیگم صاحبہ اتر گئیں، اور میں گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

قدرت کے کھیل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کون جانتا ہے کس کا مقدر اسے کہاں کہاں لے جائے گا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں انسان کو ہر حال میں حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے۔ ماحول سے عدم تعاون صرف اضطراب دیتا ہے اور مضطرب انسان زندگی کے راستے آسانی سے نہیں طے کر سکتا۔

آدھے گھنٹے کے بعد بیگم صاحبہ واپس آگئیں اور میں انہیں لے کر ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چل پڑا۔ تقریباً تین گھنٹے بعد واپسی ہوئی تھی۔

اب دوپہر کے کھانے کی چھٹی تھی۔ کھانے کا انتظام بھی نواب فیروز الدین کے ہاں تھا۔ ایک شریر سی جوان سی ملازمہ میرے پاس آگئی۔

"ڈلیور صاب، کھانا کہاں کھائیں گے؟" اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کون ہیں؟" میں نے شرارت سے پوچھا۔

"نور جہاں۔"

"ماشاء اللہ۔ تو بیگم نور جہاں مجھے نہیں معلوم میں کھانا کہاں کھاؤں گا۔"

"کوارٹر میں دوسرے لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ آپ بھی وہاں چلو۔"

"ایسا کریں۔ آج کھانا یہیں لا دیں، گھاس پر بیٹھ کر ہی کھا لوں گا۔"

"جیسا کہو۔" اس نے کہا، اور پھر وہ واپس مڑ گئی۔ راستے میں کئی کئی بار اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

"اللہ اکبر۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "یہ نور جہاں صاحبہ، شاید کسی جہانگیر کی تلاش میں ہیں۔" میں نے دل میں سوچا۔ اور پھر کار سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد نور جہاں کھانا لے آئی۔ ٹرے میں عمدگی سے کھانا لگایا گیا تھا۔ پانی کا جگ اور گلاس بھی موجود تھا اس نے کھانا میرے سامنے رکھ دیا۔ اور پھر مجھ سے تھوڑے فاصلے پر گھاس پر بیٹھ گئی۔

میں نے چونک کر اسے دیکھا، وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا تعلق باورچی خانہ سے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، کھانا پکاتی ہوں۔"

"خوب، آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"ابھی نہیں۔"

"تو آپ کو کھانے کی دعوت دوں؟"

"آپ کھاؤ۔ میں کھا لوں گی۔" اس نے کسی حد تک شرماتے ہوئے کہا

"بہت بہتر۔" میں نے کھانا شروع کر دیا۔

"آپ چاہیں تو جا سکتی ہیں، برتن جہاں کہیں پہنچا دوں۔"

"میں برتن لے جاؤں گی۔" اس نے کہا۔

"آپ کی مرضی۔" میں نے شانے ہلائے۔ نور جہاں بے حد مہربان تھی۔ لیکن اس کی مہربانی پوزیشن خراب کر سکتی تھی۔ اس لئے میں کسی حد بیزار تھا۔

اسی وقت اچانک کسی طرف سے رشید الدین صاحب آنکلے۔ میں گردن جھکائے کھانے میں مشغول تھا، ان کی آمد کا احساس نہ کر سکا، لیکن نور جہاں کو کھڑا ہوتے دیکھ کر میں چونک پڑا۔

تب میں نے پلٹ کر رشید الدین صاحب کو دیکھا۔ وہ خاموش کھڑے تھے۔

"ارے، آپ!" میں نے کھانا چھوڑ دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ سرد لہجے میں بولے۔

"میں نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مناسب نہیں سمجھا۔"

"اٹھو۔" وہ بولے، ان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ میں کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے رشید صاحب؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"آؤ۔" وہ بولے اور پھر نور جہاں سے کہنے لگے۔ "نور جہاں کھانا واپس لے جاؤ۔"

نور جہاں شاید رشید الدین صاحب سے خوفزدہ تھی۔ اس نے جلدی سے جھپٹا مار کر ٹرے اٹھا لی۔

میں رشید الدین صاحب کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

"غلطی مجھ سے ہوئی۔" راستے میں رشید صاحب بولے۔

"آپ۔ آپ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔"

"ارے گولی مار غلط فہمی کو۔" وہ جھلا کر بولے۔

"میں سمجھا نہیں رشید صاحب۔" میں واقعی حیران تھا میرا خیال تھا کہ رشید صاحب نور جہاں کو میرے پاس بیٹھا دیکھ کر ناراض ہو گئے ہیں لیکن تعجب کی بات تھی۔ میرے کردار کے وہ پہلے ہی معترف تھے۔ پھر یہ غلط خیال ان کے دل میں کیوں پیدا ہوا۔ مجھے بھی تھوڑا سا طرارہ آگیا۔

"میں شام کو بیگم صاحبہ سے کہہ دوں گا کہ سرفراز یہ ملازمت نہیں کریں گے۔"

"میں آپ کی غلط فہمی پر حیران ہوں رشید صاحب۔" میں نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"غلط فہمی۔ یعنی میں اندھا ہوں؟" رشید صاحب دہاڑے۔

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے کہا۔

رشید صاحب کچھ نہیں بولے، وہ بھی بری طرح جھلائے ہوئے تھے۔ اس طرح ہم دونوں رشید صاحب کے مکان میں داخل ہو گئے، میں نے مہمان خانے کی طرف قدم بڑھائے تو انہوں نے گرج کر کہا:

"اندر آئیے، تاکہ بیگم کو بھی آپ کے کرتوت بتا دیئے جائیں۔"

"ضرور بتائیے۔" میں نے بیزاری سے کہا۔ اور ہم اندر پہنچ گئے، اسی وقت بیگم صاحبہ نظر آگئیں۔ لڑکیوں نے بھی ہماری آواز سن لی تھی۔

"ملاحظہ فرمایا آپ نے۔" رشید صاحب طنزیہ انداز میں بولے۔

"ہائیں، خیر تو ہے، یہ آپ دونوں کے چہروں پر کیسے تاثرات ہیں؟" بیگم صاحبہ حیرانی سے بولیں۔

"یہ آج سے ملازمت نہیں کریں گے، میں ابھی بیگم صاحبہ سے کہہ دوں گا۔"

"ارے، مگر ہوا کیا؟"

"چچی جان۔"

"تم چپ رہو جی، مجھے بتانے دو۔" رشید صاحب گرجے، اور مجھے ہنسی آگئی۔ غصہ مجھے بھی تھا۔ لیکن میں نے سوچا یہ کونسی انوکھی بات ہے۔ آدمی کا دماغ پھٹتے دیر نہیں لگتی۔

"ان سے پوچھو بیگم۔ کیا ہم لوگ اتنے ہی ذلیل ہیں؟" رشید صاحب نے کہا۔

"یا اللہ۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔" بیگم صاحبہ پریشانی سے بولیں۔

"کپڑا لے کر گاڑی صاف کر رہے تھے، کیا یہ ذمہ داری بھی ڈرائیور کی ہے؟" رشید صاحب کلکلائے اور میں چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگا۔

بیگم صاحبہ کے چہرے پر بھی اداسی دوڑ گئی۔

"تو اس میں اس کی کیا خطا ہے۔ آپ نے اسے ملازمت ہی ایسی دلوائی ہے۔"

"اسے خود میرے پیچھے پڑے تھے۔ نواب صاحب کا انتظار بھی کیا جا سکتا تھا۔"

"ہاں میاں، یہ زیادتی ہے۔ اللہ نہ کرے تمہاری دو روٹیاں ہم پر بھاری تو نہیں تھیں۔"

"لیکن چچی جان ..." میں نے کہنا چاہا۔

"ارے ابھی اور سنو، دل چاہتا ہے کھال کھینچ لوں۔" رشید صاحب غرائے اور اس جملے پر پھر ہنسی آ گئی۔

"غصہ ٹھنڈا کریں، بتائیں تو سہی کیا بات ہے؟"

"کھانا کھایا ہے تمہے برخوردار، گھاس پر بیٹھ کر، ملازموں کا کھانا۔ ان سے پوچھو بیگم، انہوں نے ہمیں ذلیل کیوں کیا۔ کیا یہ گھر ان کا نہیں ہے۔ بخدا دل خون ہو گیا، سارے تاج محل گر پڑے۔ کھانے کے لئے گھر نہیں تھا۔"

"رشید صاحب!" میری آواز لرز گئی۔ میں نے دل ہی دل میں خود پر نفریں کی۔ کیا غلط بات سوچی تھی میں نے۔ بات صرف اتنی تھی کہ رشید صاحب کو میرا اس طرح کھانا ناگوار گذرا تھا۔

"میں کہتا ہوں بات مت کرو۔ دل خون ہو گیا تھا تمہیں اس طرح بیٹھ کر کھانا کھاتے دیکھ کر۔ اگر میرا بیٹا ہوتا تو وہ اپنے گھر سے اتنا اجتناب کرتا؟" رشید صاحب کی آواز بھرا گئی۔

اس محبت، اس خلوص پر میرے دل میں بھی ایک گولہ سا اٹھا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی خاموش تھیں۔ اور لڑکیوں کے چہرے پر بھی اداسی دوڑ گئی تھی۔

"میں ... میں ... شرمندہ ہوں رشید صاحب، اگر آپ کو یہ بات ناگوار گذری ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"بیٹے، ہم تمہارے کچھ نہیں ہیں لیکن تم نے آس دلادی ہے کہ ہم تمہیں اپنا سمجھیں۔ ہماری یہ خوشی ہم سے نہ چھینو۔" بیگم صاحبہ نے افسردہ آواز میں کہا۔

"مجھے احساس ہے چچی جان، نادانستگی میں مجھ سے یہ غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ قسم سے میں آئندہ وہاں کی کوئی چیز نہیں کھاؤں گا، بس ..."

"اگر آپ انہیں کچھ کھاتے دیکھیں ابو جان تو لکڑی لے کر وہیں پٹائی شروع کر دیں۔" افشاں بی نے کہا، اور اس کے اس جملے نے ماحول ایک دم بدل دیا۔ میں ہنس پڑا، لڑکیاں بھی کھی کھی کرنے لگیں۔ بیگم صاحبہ بھی مسکراہٹ نہ روک سکیں اور رشید صاحب افشاں کو گھورنے لگے۔

"پرائے گھر میں کچھ کھانا بُری بات ہے نا؟" افشاں پھر بولی۔

"کھایا بھی تو نہیں چچی جان۔ دو تین لقمے لئے تھے اب بھوک لگ رہی ہے۔"

"چلئے چھوڑیئے۔ منہ ہاتھ دھو لیں۔ کھانا تیار ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"چلو۔" رشید صاحب مجھے دیکھ کر گرجے، اور میں جلدی سے باتھ روم کی طرف چل پڑا۔ لڑکیاں ابھی تک ہنس رہی تھیں۔

کھانے کی میز پر رشید صاحب سنجیدگی سے بولے،

"بس میں یہ ملازمت تمہیں نہیں کرنے دوں گا۔ نواب صاحب کو آ جانے دو۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے رشید صاحب، میں آئندہ احتیاط رکھوں گا۔"

"میں تمہیں کار صاف کرتے نہیں دیکھ سکتا سرفراز۔"

"مجھے اتنا پیار نہ دیں رشید صاحب۔ اسے میں نبھا نہیں سکوں گا۔"

"ہمیں اس کا بدلہ نہیں چاہئے بیٹے۔ بس ایک آس رہنے دو۔" رشید صاحب جذباتی آواز میں بولے۔

"آپ مجھے کام کرنے کی اجازت دے دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کوئی گری ہوئی حرکت نہیں کروں گا۔"

"کار لڑکا صاف کر دیا کرے گا۔ میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے کہا، اور اس رات میں رشید صاحب اور ان کے گھرانے کے خلوص کے بارے میں سوچتا رہا۔ میں ان لوگوں کو ان کی محبت کا کیا جواب دے سکوں گا۔ میں نہیں جانتا کہ کتنا وقت ان کے ساتھ گذار سکتا ہوں۔ کسی کی محبت کی بیڑیاں پہننا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

نہ جانے کتنی رات گئے تک میں اس بارے میں سوچتا رہا۔ دوسرے دن ناشتہ کر کے میں پھر نواب فیروز الدین کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

تب مجھے بیگم صاحبہ کا پیغام ملا اور میں ان کے پاس پہنچ گیا۔

"سرفراز میاں، کوثر اپنی سہیلیوں کے ساتھ کوٹلہ جا رہی ہے، تم تیار ہو جاؤ۔"

"میں تیار ہوں بیگم صاحبہ۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، وہ آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر پہنچ رہی ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا اور باہر نکل آیا۔ ایک لڑکا گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔ میں ایک درخت کے نزدیک پہنچ کر بیٹھ گیا۔

ابھی بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ عقب سے ایک آواز آئی:

"ڈلیور صاب!"

اور میں اچھل پڑا۔ نور جہاں کھڑی تھی۔ میں نے اس کی شکل دیکھی اور پھر مجھے اس پر ترس آ گیا۔ معصوم لڑکی، اسے کچھ کہنے سے کیا فائدہ، میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"آؤ نور جہاں۔"

"کل آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا تھا؟"

"دراصل نور جہاں، میرا کھانا رشید صاحب کے یہاں تیار ہوتا ہے، وہیں کھانا پڑتا ہے۔ تم کچھ خیال مت کرنا۔"

"رشید صاحب تمہارے کون لگتے ہیں ڈلیور صاب؟"

"وہ ... وہ میرے چچا ہیں۔"

"اچھا۔" اس نے گردن ہلا دی۔ "تب تو ٹھیک ہے ... چائے پیو گے ... لاؤں؟"

"نہیں شکریہ نور جہاں۔ تھوڑی دیر پہلے ناشتہ کیا ہے۔"

"کوئی چیز کھانے کو دل چاہا کرے تو مجھے بتا دیا کرو۔"

"ضرور بتا دیا کروں۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور نور جہاں کی آنکھوں میں ایک معصوم سی سنجیدگی ابھر آئی۔ اسے شاید میری مسکراہٹ پسند آئی تھی۔

"آپ کا نام کیا ہے ڈلیور صاب؟"

"تم مجھے ڈلیور صاب ہی کہا کرو۔"

"کیوں ...؟"

"بس مجھے یہی اچھا لگتا ہے۔"

"اوہ ...۔" اس کے ہونٹوں پر ایک شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی، نہ جانے وہ کیا سمجھی۔ شرمائی اور پھر گردن موڑ کر بولی:

"اب میں چلتی ہوں، بہت کام کرنے ہیں۔" اور وہ تیزی سے چل دی۔

میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ اور پھر میری نگاہ کوٹھی کے برآمدے کی طرف اٹھ گئی۔ بلاشبہ حسین ترین لڑکی تھی۔ بڑی بڑی بے پناہ کشش لئے ہوئے آنکھیں، جن میں گلابی رنگ نمایاں تھا۔ اور یہ رنگ جہاں بے پناہ حسن میں اضافہ کر رہا تھا، وہاں جلال کا اظہار بھی کرتا تھا۔ زرد شہد اور میدے کی ملاوٹ سے تیار کیا ہوا رنگ، کتابی چہرہ، سڈول جسم۔ سیدھے سیدھے لمبے بال جو بے حد خوبصورت تھے، لباس بھی مناسب تھا۔

بہرحال غرور و تمکنت میں وہ حق بجانب تھی کیونکہ ایک مثالی حسن رکھتی تھی اور نواب کی بیٹی تھی، میں تیزی سے کار کی طرف بڑھ گیا، ایک ملازم باسکٹ اٹھائے آ رہا تھا۔

میں نے عقبی دروازہ کھول دیا، اور وہ مجھے گھورتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی۔

"ڈرائیور کہاں ہے؟" اس نے کہا، آواز بہت حسین تھی لیکن لہجہ سخت۔ اور مجھے بیگم صاحبہ کی بات یاد آ گئی۔ انہوں نے اس لڑکی کی تنک مزاجی کے بارے میں مجھے بتا دیا تھا۔

"تشریف رکھئے خاتون۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"تم کون ہو؟" اس نے پھر پوچھا۔

"آپ کا ڈرائیور۔" میں نے ادب سے کہا۔

"اوہ ... تم ڈرائیور ہو، لیکن تمہاری وردی کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"کل ہی ملازم ہوا ہوں، وردی ابھی تیار نہیں ہوئی۔"

"لیکن میں بے وردی ڈرائیور پسند نہیں کرتی، سمجھے۔ اگر مجھے جلدی نہ پہنچنا ہوتا تو ... تو۔" وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ لڑکے نے باسکٹ پیچھے رکھ دی تھی۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ کوثر کی بدتمیزی پر مجھے غصہ نہیں آ رہا تھا۔ میں تو کندن بن رہا تھا۔ آئندہ حالات کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی، اور پھر میں کوٹھی سے باہر نکل آیا۔

"کہاں چلوں؟" میں نے پوچھا۔

"دریا گنج۔ پہلے میں عظمیٰ کو ساتھ لوں گی۔"

"جی ... لیکن آپ کو ایک تکلیف کرنی پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"میں دہلی کے لئے اجنبی ہوں، آپ راستہ بتائیں گی۔"

"بریلی سے آئے ہو؟" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ اور میں اس کے اس طنز کو بھی پی گیا۔ کیونکہ بریلی کا پاگل خانہ مشہور ہے۔

"جی نہیں ... ارشاد آباد سے۔"

• مجھے چرب زبانی پسند نہیں، سمجھے۔"

• سمجھ گیا۔ لیکن اب کدھر چلوں؟"

• سیدھے چلتے رہو۔ آگے سے بائیں سمت مڑ جانا۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ وہ بیزار سی شکل بنا کر کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

میں تجھے آسانی سے درست کر سکتا ہوں ہری مرچ۔ لیکن جانے دے، میرا مقصد کچھ اور ہے۔ جا معاف کیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا رہا۔

پھر اس نے آگے بھی راستے بتائے اور میں چلتا رہا۔

• بس سامنے والی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں چلو۔"

• جی۔" میں نے کار کی رفتار سست کر دی اور ایک دوسری خوبصورت کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ پورٹیکو میں کار روک کر میں نے جلدی سے اتر کر دروازہ کھولا، اور وہ اترنے لگی۔

• آداب سیکھو، دروازہ کھولنے کے بعد اونٹ کی طرح سامنے نہیں کھڑے رہتے، ایک طرف ہٹو۔"

• جو باتیں میں نہیں جانتا، بتا دیا کریں۔ یاد رکھوں گا۔" میں نے کہا، لیکن وہ میری بات سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

• لڑکی — لڑکی کیوں اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی ہوتی ہے، ہوش کی دوا کر۔" میں نے کہا، لیکن پھر خود کو ہی سنبھالنا پڑا۔ ابھی بہت سے کٹھن مراحل سے گذرنا ہے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ ایک اور لڑکی کے ساتھ باہر نکلی۔ سانولا سا رنگ، لیکن خوبصورت نقش و نگار کی مالک، بوٹا سا قد۔ مجموعی طور پر وہ حسین تھی۔

میں نے دروازہ کھولا اور اس سے بہت دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر وہ دونوں بیٹھ گئیں تو اسے بند کر دیا۔

• کوثر، یہ کون ہیں؟" میرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد عظمیٰ نے پوچھا۔

• ڈرائیور۔" کوثر نے جواب دیا۔

• اوہ۔" عظمیٰ کی آوہ بڑی معنی خیز تھی۔

• جی، اب کہاں چلوں؟"

• فتح پوری۔" کوثر نے جواب دیا۔

• سیدھا چلتا رہوں؟"

• ہاں۔" کوثر نے کہا۔

• کیا مطلب؟" عظمیٰ نے پوچھا۔

• نئے ہیں، دہلی سے ناواقف۔"

• امپورٹ کیا ہے؟" عظمیٰ نے شرارت سے پوچھا۔

• فضول باتوں سے اجتناب کرو عظمیٰ۔" کوثر نے خشک لہجے میں کہا۔

• معلومات کے لئے پوچھ رہی تھی۔" عظمیٰ جلدی سے بولی۔ میں ان کی باتوں سے لاتعلق تھا۔ ویسے اس لڑکی پر مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن بہرحال بیگم صاحبہ نے اس کے لئے پہلے ہی معذرت کر لی تھی، ہاں کوئی مسئلہ ہوا تو دیکھا جائے گا۔

فتح پوری کی ایک خوبصورت عمارت میں داخل ہو کر ایک بار پھر مجھے کار روکنا پڑی۔ یہاں چار کاریں اور کھڑی تھیں۔ اور بہت سی لڑکیاں ان کاروں کے نزدیک موجود تھیں۔

لیکن لڑکیوں کے درمیان ایک بندر بھی نظر آ رہا تھا۔ چوڑا چہرہ، گھنی مونچھیں۔ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے اچھے ہاتھ پیروں کا مالک تھا۔

ان لڑکیوں کے درمیان صرف وہی ایک مرد تھا۔

• ارے، یہ کون ہے؟" عظمیٰ نے پوچھا۔

• پتہ نہیں۔"

• ڈرائیور تو نہیں ہو سکتا۔"

• اونہہ۔ پتہ چل جائے گا۔"

لڑکیوں کا غول ہماری کار کی طرف لپکا۔

• تم لوگ پورے بیس منٹ لیٹ ہو۔" ایک لڑکی نے کہا۔

• کوئی نئی بات ہے، کوثر ہمیشہ دیر سے آتی ہے۔"

• بس اب چلو، ورنہ دیر ہو جائے گی۔"

• ہاں، تیاریاں مکمل ہیں۔ لیکن یہ صاحب بہادر کس کی کار میں بیٹھیں گے؟"

• ناہید کی کار میں، اور کس کی کار میں۔"

• اوہ — کیا یہ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟" اس بار کوثر نے پوچھا۔

• ہاں کوثر، مجھے افسوس ہے۔ لیکن امی جان کے چہیتے ہیں۔" ایک دبلی پتلی سی لڑکی نے کہا۔

• لیکن یہ تو پروگرام کے خلاف ہے ناہید۔ تم نے امی جان سے کہا کیوں نہیں کہ کوئی مرد نہیں جا رہا۔" کوثر نے اعتراض کیا۔

• امی جان کہنے لگیں کہ ڈرائیور بھی تو ہیں۔"

• تو کیا تمہاری کار چلائیں گے؟"

• نہیں، ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جائیں گے۔"

• خلاف اصول بات ہے۔"

• ہائے اللہ کوثر، ایک ایک نے میری کھنچائی کی ہے۔ تم تو معاف کر دو۔" ناہید نے روہانسی آواز میں کہا۔

• حدود اربعہ کیا ہے ان کا؟"

• خالہ کے لڑکے ہیں، سہارنپور سے آئے ہیں، وہیں رہتے ہیں۔" ناہید نے کہا۔

• کمال ہے بھئی، خالہ کے لڑکے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہم سب ان سے اپیل کریں کہ وہ ہمارے ساتھ نہ جائیں۔" عظمیٰ نے کہا۔

• عظمیٰ۔ میں ہر ممکن کوشش کر چکی ہوں۔ اب تو صرف یہی ہو سکتا ہے کہ تم مجھے ہی نہ لے جاؤ۔"

• اس کے باوجود اگر وہ جانے پر مصر ہوئے تو؟" ایک لڑکی نے کہا اور سب کو ہنسی آ گئی۔

• اللہ مالک ہے۔" دوسری نے کہا، اور کھی کھوں کھوں زور پکڑ گئی۔

• اچھا اب چلو، دیر ہو رہی ہے۔"

• تو پھر ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا؟"

• ارے۔ لے چلو، دیکھا جائے گا۔" کسی نے سفارش کی۔

• کیوں کوثر—؟" ناہید نے پوچھا۔

• چلو بھئی، سب کی مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔" کوثر نے کہا اور لڑکیاں بھرا مار کر اپنی اپنی کار کی طرف لپکیں۔ عظمیٰ کے ساتھ دو اور لڑکیاں ہماری کار میں آ گئی تھیں۔

تب کسی کی نگاہ میرے اوپر پڑ گئی۔

• ارے، یہ کون ہیں۔" میں نے جلدی سے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

• ڈرائیور۔" کوثر نے جواب دیا، اور عقب نما آئینے میں میں نے سامنے والی لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ اس نے دونوں شانے اچکا کر گردن ہلائی تھی۔

کاریں ایک ایک کر کے کوٹھی سے نکل آئیں۔ میں نے جان بوجھ کر انہیں آگے جانے کا راستہ دے دیا تھا تاکہ ان کے نقش پا پر چلتا رہوں۔

• ان حضرت سے ناہید کا کوئی سلسلہ ہے کیا؟" ایک لڑکی نے کہا۔

• یہ صوفیہ ہمیشہ سلسلوں کے چکر میں رہتی ہے۔" عظمیٰ بولی۔

• دراصل میں مسلسل ہوں۔" صوفیہ نے کہا، اور لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ میں پتھر کے بت کی مانند خاموش تھا۔ ابھی تک میں نے چہرے کے تاثرات سے بھی کوئی اظہار نہ ہونے دیا تھا۔

فیروز شاہ کے کوٹلے پر سفر ختم ہو گیا۔ لڑکیاں اس پُرفضا مقام پر کاروں سے اتر گئیں۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لائی گئی تھیں۔ پکنک کا انداز تھا۔ بقیہ تینوں کاروں کے ڈرائیور بھی نیچے اتر آئے تھے۔ وہ میرے قریب پہنچ گئے۔ آپس میں تعارف کیا گیا۔ ان کی باتیں ڈرائیوروں کی سی تھیں، جن سے میں بہت جلد بور ہو گیا۔ اور پھر میں ایک طرف چل پڑا۔ میں نے ایک ایسی جگہ سنبھال لی جہاں سے میں لڑکیوں پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

رنگین لباسوں کے درمیان شیروانی باقاعدگی سے گھسی ہوئی تھی۔ مونچھوں والا نوجوان بہت خوش تھا۔ میں نے اس کے چہرے سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے، اس کی آنکھوں میں ہوس تھی اور منہ اس انداز میں پھیلا ہوا تھا، جیسے کہہ رہا ہو۔

ہائے، اتنی ساری—

ویسے لڑکیاں اس کی وجہ سے زیادہ فری نہیں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ نہ جانے کس طرح اسے محفل سے نکال دیا گیا۔ اس کی گردن لٹکی ہوئی تھی، اور وہ اسی طرف آ رہا تھا، جدھر میں موجود تھا۔ لیکن اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اسے مخاطب کیا:

• اے، سنو۔" اور وہ ٹھٹھک گیا۔ رکا اور مجھے دیکھا پھر وہ میری طرف آ گیا۔

• کیا بات ہے؟"

• کیسے چلے آئے؟"

• تم کون ہو؟"

• ڈرائیور۔"

• اوہ، ہاں۔ شاید میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ وہ سفید گاڑی تم ہی چلا رہے تھے نا؟"

• ہاں۔"

• تب تو تم سے دوستی گانٹھنی پڑے گی۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

• کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

• یار — کیا نام ہے اس کا؟"

• کس کا؟"

• ابے وہی تمہاری مالکن۔" اس نے ہنستے ہوئے دس کا نوٹ نکالا اور میری جیب میں ٹھونس دیا۔ میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ گو وہ

تن و توش میں خاصا تھا، لیکن مجھے یقین تھا کہ میں اسے اٹھا کر بہ آسانی پٹخ سکتا ہوں۔ میرا دل چاہا کہ اس کے جبڑے توڑ دوں لیکن اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ مغرور لڑکی کو کیوں نہ اس انداز میں سزا دی جائے۔ ویری گڈ، تفریح رہے گی، اور اس گدھے کا دماغ بھی درست ہو جائے گا۔

• "شاید تم کوثر کی بات کر رہے ہو؟" میں نے کہا اور اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ دیئے۔

• "ہائے — کوثر — لٹ گئے یار ہم تو۔ اب زندگی دشوار ہو گئی ہے۔" اس نے عاشقانہ انداز میں کہا۔



"واقعی" — میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

• "قسم اللہ کی، اپنا تو لوٹا ہو گیا۔"

• "کیا ہو گیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

• "جانے دے یار، کام کی بات کر، لونڈیا کیسے مزاج کی ہے؟"

• "بہت عمدہ، بڑی رومنٹک۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• "ہائے ہائے، ہم تو گئے کام سے استاد۔ اب تو ہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔ ہزار بارہ سو خرچ ہو جائیں تو پرواہ نہیں۔ قسم اللہ کی اور کا لیں گے۔"

• "چاہتے کیا ہیں آپ؟" میں نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

• "ابے — ابے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اِشک وشک نہیں کیا کبھی؟" شیروانی والے حضرت نے حیرت سے پوچھا۔

• "نہیں۔" میں نے گردن ہلا دی۔

• "یونگے ہو یار۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولے۔ "خیر چھوڑو، کوئی ترکیب کرو۔ اپنی اس سے یاری ہو جائے۔"

• "میں کیا ترکیب کروں؟"

• "یہ بھی مجھے ہی بتانا پڑے گا، خیر سوچنے دو۔" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے چونک کر پوچھا۔

• "ابے اس کے گھر کا پتہ کیا ہے؟"

اور میں نے اطمینان سے نواب فیروز الدین کی کوٹھی کا پتہ بتا دیا۔ شیروانی والے صاحب نے پتہ خوب یاد کر لیا تھا۔

• "ٹھیک ہے، ہم ہی کوئی ترکیب سوچیں گے۔ اپنا کام بن گیا تو پورے پچاس روپے دوں گا، کیا سمجھا!"

• "ٹھیک ہے صاحب، میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔"

• "دعا سے کام نہیں چلے گا پیارے، دوا بھی کرنی پڑے گی۔"

• "مجھے آپ کی خدمت کر کے خوشی ہو گی صاحب، ویسے آپ کا نام کیا ہے؟"

• "نام تو خیر محمد ہے، مگر پیارے، ولائے کہلاتے ہیں۔"

• "جی۔" میں نے گردن ہلا دی۔

• "یار تو اس کا ڈرائیور ہے نا؟"

• "جی ہاں۔"

• "اس کے مزاج کے بارے میں بھی جانتا ہو گا۔"

• "زیادہ پرانا نہیں ہوں صاحب۔"

• "یہ بتا اسے کیا چیز پسند ہے؟"

• "دہی بڑے، بہت شوق سے کھاتی ہے۔"

• "وہ مارا — اور؟"

• "پھول پہننے کی بے حد شوقین ہیں۔ گجرے نذر کر دو تو فوراً قبول کر لیں گی۔"

• "جیتے رہو۔" ولائے میاں خوش ہو کر بولے۔ پھر انہوں نے جیب سے پانوں کی ڈبیہ نکال کر خوشبودار گلوری منہ میں دبائی اور ازراہِ اخلاق مجھ سے بھی پوچھا، لیکن میں نے معذرت کر لی تھی۔

دوسری طرف لڑکیاں چہلیں کر رہی تھیں۔ اکثر ان کے قہقہے بلند ہوتے اور ولائے میاں چونک کر انہیں دیکھنے لگتے۔

• "آپ ان کے پاس سے کیوں چلے آئے ولائے میاں؟"

• "ایں۔ بس یونہی۔ ناہید نے کہا تھا کہ وہ ذرا پرائیویٹ گفتگو کریں گی۔" ولائے میاں نے کہا۔

• "تو اب تو کر چکی ہوں گی۔"

• "ہاں — مگر۔"

• "اس طرح کیسے کام چلے گا؟" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" ولائے میاں رازدارانہ انداز میں بولے۔

• "آپ تو بالکل اناڑی ہیں ولائے میاں۔ میں نے عشق نہیں کیا لیکن ان لڑکیوں کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

• "کیا جانتے ہو؟" ولائے میاں پوری طرح متوجہ ہو گئے تھے۔

• "آپ ان سے دُور دُور رہے تو یہ آپ سے زیادہ متاثر نہیں ہوں گی۔ آپ ان کے پاس جائیے، انہیں لطیفے سنائیے، ہنسنے ہنسانے والوں سے یہ بہت خوش رہتی ہیں۔ خاص طور سے کوثر کو مخاطب کریں۔ اس کی طرف جب بھی دیکھیں آنکھوں کو نشیلا بنا لیں۔ دورانِ گفتگو ہاتھ بھی پکڑ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اندازہ نہ ہو سکے کہ آپ نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے، بلکہ یہ پتہ چلے کہ بے اختیار ایسا ہوا ہے۔"

• "اوہ — بات تو لاکھ روپے کی ہے۔"

• "لاکھ روپے کی ہے، پورے لاکھ روپے کی۔"

• "جیتے رہو پیارے، جا رہا ہوں، دعا کرنا۔" ولائے میاں نے کہا اور میرے پاس سے اٹھ کر ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ گیا۔ میرے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح ولائے میاں کی گفتگو سنوں۔ اسی تلاش میں میں نے چاروں طرف دیکھا۔ اتفاق سے جس جگہ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں اس کے دوسری طرف ایک باڑھ لگی ہوئی تھی۔ لیکن دوسری طرف جانے کا راستہ بہت آگے سے تھا۔ باڑھ بھی تقریباً چھ فٹ اونچی اور گھنی تھی۔ اس لئے ان کی گفتگو سننے کے لئے اس سے عمدہ جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔

میں اٹھا اور دوسری طرف جانے والے راستے کی طرف چل پڑا۔ ان لوگوں کی نگاہوں سے دور ہو کر میں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ میں ولائے میاں کے قیمتی الفاظ سے محروم رہنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں دوسری طرف پہنچ گیا اور پھر میں دم سادھ کر باڑھ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ولائے میاں شاید ابھی ابھی پہنچے تھے۔

• "فرمائیے ولائے بھائی؟" یہ ناہید کی آواز تھی۔

• "کیا فرماؤں؟" ولائے بھائی بولے۔

• "کیسے تشریف لے آئے؟"

• "یعنی ابھی تمہاری پرائیویٹ گفتگو ختم نہیں ہوئی؟"

• "جی نہیں، آپ ابھی ادھر ہی بیٹھیں۔"

• "یہ ظلم ہے قسم اللہ کی۔ میں اکیلا کہاں جاؤں، تمہارے ساتھ آیا ہوں۔ ایک لطیفہ سنو، ایک قصائی تھا...."

• "پہلے لطیفہ۔ پھر کوئی اور بات۔" ولائے بھائی اس کے احتجاج کو نظر انداز کر کے بولے۔

• "کن بھی لو تاکہ جلدی سے دفع ہوں۔" کوئی اور لڑکی بولی۔

• "دفع نہیں ہوں گا۔ ابھی تو آپ کو بہت سے لطیفے سننے ہوں گے ایسی تفریحات ہنسنے ہنسانے کے لئے ہی ہوتی ہیں۔" ولائے بھائی بولے۔

• "یہ صورتِ حال تکلیف دہ ہے ناہید۔" کسی اور لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

• "للہ ولائے بھائی، آپ بلاوجہ ہمارے ساتھ چلے آئے اور اب ہمیں پریشان کر رہے ہیں۔ براہ کرم آپ ہمیں باتیں کرنے دیں۔ آپ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔"

• "تم میری توہین کر رہی ہو ناہید۔ گویا میں ڈرائیوروں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل ہوں۔ میں تمہاری اور ان دوسری لڑکیوں کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ آئیے کوثر، ہم لوگ الگ چل کر بیٹھیں گے۔"

کاش میں دیکھ سکتا۔ میرا خیال تھا کہ ولائے بھائی نے کوثر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ کیونکہ دوسرے لمحے چٹاخ کی آواز سنائی دی تھی اور پھر کوثر کی غصیلی آواز سنائی دی۔

• "ناہید، تم جانتی ہو میں دائرہ احباب زیادہ وسیع نہیں کرتی۔ میرا ایک معیار ہے۔ یہ گدھا اگر تمہارا رشتہ دار ہے تو تمہیں اسے ہم پر مسلط نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تمہاری ذمہ داری تھی۔ میں جانا چاہتی ہوں، اور میں نے تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنے دوستوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔"

• "ولائے بھائی۔ آپ یہاں سے دفعان ہو جائیں۔ جائیے آپ یہاں سے جائیے، آپ جیسے ذلیل انسان کو ایک لمحے بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا جائیے۔ ورنہ میں ڈرائیوروں کو بلاتی ہوں۔ وہ آپ کو دھکے دے کر بھگا دیں گے۔" ناہید نے کہا اور پھر وہ کوثر کا راستہ روک کر بولی۔

• "میری کیا خطا ہے کوثر۔ میں نے کیا کیا ہے۔ سنو، تم ایک تھپڑ میرے بھی مار لو۔ گھر والوں کے کہنے سے مجبور ہو گئی۔ یہ زبردستی ساتھ لگ گئے تھے۔ آپ ابھی تک گئے نہیں ولائے بھائی؟" آخر میں ناہید چیخ کر بولی۔

• "جاتے ہیں جی۔" ولائے بھائی اکڑ کر بولے اور پھر شاید وہاں سے کھسک گئے۔ میں نے ابھی وہاں سے ہٹنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی ساری لڑکیاں کوثر کی خوشامد کر رہی تھیں بمشکل تمام وہ راضی ہو سکی۔ ناہید نے اس سے بہت معافی مانگی تھی۔ تب وہ بھی متاثر ہو گئی۔

• "سوری ناہید۔ میں نے تمہیں بہت برا بھلا کہہ دیا ہے۔" بالآخر کوثر نے کہا۔

• "تم مجھے معاف کر دو۔ مجھے کوئی پرواہ نہ ہو گی۔" ناہید نے کہا معاملات مجھے ولائے بھائی کی تلاش تھی۔ اور ولائے بھائی مجھے نظر آ گئے۔ وہ ایک جگہ اداس بیٹھے ہوئے تھے۔ جانے کی ضرورت انہوں نے محسوس نہیں کی تھی میں آہستہ آہستہ ان کے پاس پہنچ گیا۔

اور میرے قدموں کی چاپ پر ولائے بھائی نے مجھے دیکھا۔

• "ابے کہاں چلے گئے تھے؟" وہ مجھے دیکھتے ہی چیخے۔

• "حاضر ہوں ولائے بھائی، فرمائیے۔"

• "ابے کیا خاک فرمائیں، ادھر تو لوٹا ہو گیا۔"

• "لوٹا ہو گیا؟" میں نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

• "ہاں یار۔ تھپڑ پڑ گیا گال پر۔"

• "ارے!" میں نے حیرت سے کہا۔ "کس نے مارا؟"

• "اسی نے یار، تیری مالکن نے، بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

• "مگر کیوں مارا؟" میں نے حیران ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

• "میں نے ہاتھ پکڑ لیا تھا۔"

• "اوہ — سب کے سامنے؟"

• ہاں — سب ہی تھیں۔"

• "میں تو غلطی ہو گئی آپ سے دلارے بھائی۔ کیا یہ آپ کی پہلی ملاقات تھی؟"

• "ہاں۔"

• "ہاتھ ہمیشہ دوسری ملاقات پر پکڑنا چاہیے اور تنہائی میں۔ آپ بتائیے اسے کیا معلوم کہ آپ اس سے متاثر ہیں۔ نہ آپ نے اسے پھول پیش کئے، نہ وہی بڑے، اور ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر تو یہ ہونا ہی تھا جو ہوا۔"

• "اسے۔" دلارے بھائی تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ "ہاں یار گڑبڑ ہو گئی، مگر اب کیا کرنا چاہیے۔"

• "باقی پروگرام کل پر رکھئے۔ اس قسم کا اظہار کیجئے کہ جیسے آپ اس واقعے سے ذرا بھی متاثر نہیں ہیں۔ آپ نے اس کی بات کا بالکل برا نہیں مانا ہے۔"

• "ایسا ہی کروں گا، فکر نہ کر پیارے۔ مگر کل اسے وہی بڑے کہاں پیش کروں؟"

• "پتہ آپ کو بتا چکا ہوں۔"

• "ٹھیک ہے۔"

• "ایک بات اور عرض کر دوں۔"

• "کہو کہو، تم بہت اچھے آدمی ہو۔" دلارے بھائی نے کہا۔

• "دراصل آپ نے بہت بڑی غلطی کی۔ یہ لڑکیاں عشق و محبت کے کھیل کو اپنے سائے سے بھی چھپانا چاہتی ہیں۔ آپ نے سب کے سامنے اس کا ہاتھ پکڑ کر بنیادی غلطی کی ہے۔ آئندہ آپ اس پر ظاہر نہ کریں کہ آپ کے عشق کے راز سے کوئی اور بھی واقف ہے۔ وہ کتنا ہی پوچھے کہ آپ نے کسی اور کو بھی کچھ بتایا ہے، آپ انکار کر دیں۔"

• "گُر کی بات ہے، استاد مان لیا۔" دلارے بھائی نے میری ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا، اور پھر گال سہلاتے ہوئے بولے:

• "دبلی پتلی ہے یار، مگر ہاتھ زوردار مارتی ہے، دیکھنا نشان تو نہیں ہے؟" دلارے بھائی نے گال سامنے کر دیا۔ اور میرے پیٹ میں درد ہونے لگا لیکن بہرحال ہنسی تو برداشت کرنا ہی تھی۔

کافی دیر تک دلارے بھائی ادھر ادھر کی ہانکتے رہے پھر دوسرے ڈرائیور بھی ہمارے پاس آ گئے۔ اور میں کسی نہ کسی طرح ان سے جان بچا کر دور نکل گیا۔ لڑکیاں ہموار ہو گئی تھیں اور ہنسی مذاق اور قہقہے پھر سے جاری ہو گئے تھے۔ پھر میں نے دور سے ڈرائیوروں اور دلارے بھائی کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ دوسری طرف لڑکیاں بھی کھانا کھا رہی تھیں۔ ڈرائیور اپنا اپنا کھانا خود مانگ کر لائے تھے۔ اور شاید دلارے بھائی کا کھانا لڑکیوں نے خود ہی بھیج دیا تھا۔ لیکن میں بھلا اپنا کھانا مانگنے جا سکتا تھا۔

حالانکہ بھوک مجھے بھی لگ رہی تھی۔ لیکن میں نے سوچ لیا کہ آج دوپہر کا کھانا قسمت میں نہیں ہے، میری مالکن میرے بارے میں کہاں سوچ سکتی تھی۔ مالکن — میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حالانکہ اگر صرف جاگیردار توقیر صاحب کی بات ہی مان لی جاتی، اور وہ گزارے کے لئے ہی کچھ دیدیتے تو وہ کچھ اتنا ہوتا کہ نواب فیروز الدین کی پوری جائداد خریدی جا سکتی تھی۔ پھر بھی بہت کچھ بچ رہتا۔ لیکن بہرحال کوثر میری مالکن تھی کیونکہ توقیر احمد کی جائداد میں میرا کوئی حصہ نہیں تھا اور اب میں صرف ایک ڈرائیور تھا۔

میں نے اپنی کار کا دروازہ کھولا اور اندر سیٹ پر نیم دراز ہو گیا۔ سوچتے سوچتے کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی، لیکن زیادہ دیر تک نہ رہی اور پھر سنبھل گیا۔

لیکن دوسری طرف شام ہو گئی تھی اور میں نے دیکھا کہ لڑکیاں اپنا سامان اٹھا رہی ہیں اور ڈرائیور ان کا سامان سمیٹ رہے تھے، میں بھی جلدی سے ان کی طرف بڑھ گیا اور میں نے خاموشی سے کوثر کا سامان سمیٹنا شروع کر دیا اور اسی وقت ایک مہربان لڑکی نے پوچھا:

• "اے کوثر، تمہارے ڈرائیور نے کھانا نہیں کھایا۔ میں نے انہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

• "معلوم نہیں۔" کوثر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

• "ڈرائیور، تم کھانا لینے نہیں آئے تھے؟" لڑکی نے براہ راست مجھ سے پوچھا۔

• "نہیں خاتون۔" میں نے مجبوراً جواب دیا۔

• "کیوں؟" کوثر نے تیکھے لہجے میں کہا۔

• "میری عادت نہیں ہے چھوٹی بی بی۔" میں نے کہا اور باسکٹ اٹھا کر چل دیا۔ میں نے ان لوگوں پر ردعمل بھی نہیں دیکھا، اور واپس کار کے نزدیک آ گیا۔ دوسری لڑکیاں اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ گئیں۔ ناہید اور دلارے بھائی ایک گاڑی میں بیٹھے تھے۔ کسی دوسری لڑکی نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کیا۔ کوثر دوسری کچھ لڑکیوں کے ساتھ کار کی طرف آ رہی تھی۔

میں نے ادب سے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ کوثر بڑی تمکنت سے اندر بیٹھ گئی اور پھر دوسری لڑکیاں بھی۔ تب میں نے دروازہ بند کر دیا۔

• "چلوں چھوٹی بی بی؟" میں نے پوچھا۔

• "چلو۔" کوثر نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ لڑکیاں خاموش تھیں۔ ویسے میں نے ان میں سے ایک لڑکی کو اپنی طرف نگران پایا۔ لیکن اس کا اظہار نہ ہونے دیا کہ میں اس بات سے واقف ہوں۔ اور پھر دوسری لڑکیوں کو ان کے گھروں پر اتارنے کے بعد میں کوثر کو لے کر چل پڑا۔

لیکن راستے بھر کوثر نے مجھ سے بات نہیں کی۔ اس نے کھانے کے بارے میں بھی نہیں پوچھا تھا۔ مجھے کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم کوٹھی پہنچ گئے۔ میں نے حسب معمول دروازہ کھول دیا تھا۔ کوثر اتر کر اندر چلی گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ واقعی بڑی مغرور لڑکی تھی۔ لیکن اللہ سلامت رکھے دلارے بھائی کو، مجھے یقین تھا کہ وہ کوثر کی خاصی مزاج پرسی کر دیں گے۔

حالانکہ کوئی خاص کام نہیں کیا تھا۔ لیکن کچھ تھکن محسوس ہو رہی تھی میں نے گاڑی بند کی اور اپنے مخصوص درخت کے پاس آ بیٹھا۔ یہ جگہ مجھے پسند تھی۔ درخت سے ٹیک لگا کر میں آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی چند لمحات گزرے تھے کہ مجھے اپنے نزدیک ایک پیار بھری آواز سنائی دی:

• "ڈلیور صاب!"

اور میں چونک پڑا۔ نور جہاں کی آواز میں نے پہچان لی تھی اور اس کے لہجے کی مٹھاس، اس کا پیار بھرا انداز اس وقت نہ جانے کیوں مجھے متاثر کر گیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔

• "نور جہاں۔" میں نے بھی نرم آواز میں اسے پکارا۔

• "ہائے ڈلیور۔ تمہاری آواز کتنی اچھی ہے۔" وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

• "دراصل تو خود بہت اچھی ہے نور جہاں۔"

• "ڈلیور بابو۔" نور جہاں بے خود ہو گئی۔ "میں اچھی ہوں ڈلیور بابو؟"

• "ہاں۔ نیک، سیدھی اور شریف۔ جانے نہیں پلائے گی نور جہاں۔"

• "ابھی لائی ڈلیور بابو۔" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

• "کچھ کھانے کو بھی۔" میں نے کہا۔

• "بس ابھی لائی۔" نور جہاں چھلانگیں مارتی ہوئی چلی گئی اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ تاثر کی جو ننھی سی کونپل اس کے دل میں پھوٹی تھی اسے جوان نہیں ہونا چاہیے۔ اس پودے کو صحیح رنگ مل جانا چاہیے ورنہ غریب نور جہاں تباہ ہو جائے گی۔ ان غریبوں کی محبت بہت مضبوط ہوتی ہے۔ امیر آدمیوں کے لئے دل بہلانے کے بہت سے ذریعے ہوتے ہیں لیکن غریب۔

نیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ نور جہاں واپس آ گئی۔ مجھے رشید صاحب بھی خیال تھا، چنانچہ میں اور آڑ میں ہو گیا۔ نور جہاں نے میرے سامنے گاجر کا حلوہ، کریم کے بسکٹ اور تلے ہوئے آلو کے کباب رکھ دیئے، اس کے ساتھ ہی خوشبودار گرما گرم چائے بھی۔

• "شکریہ نور جہاں۔" میں نے کباب کھاتے ہوئے کہا۔ "میں جہاں سے آیا تھا نور جہاں، وہاں میری ایک چھوٹی سی بہن بھی تھی۔"

• "اچھا ڈلیور بابو۔ تم کہیں اور سے آئے ہو؟"

• "ہاں نور جہاں۔ نوکری کرنے آیا ہوں۔"

• "اچھا ڈلیور بابو۔ پھر تمہاری بہن کتنی بڑی ہے؟"

• "بالکل تیرے برابر۔"

• "میری برابر —؟"

• "ہاں شکل و صورت بھی تیری جیسی ہے۔ تجھے دیکھ مجھے اپنی بہن یاد آ جاتی ہے۔"

• "ڈلیور بابو —" نور جہاں بے چینی سے بولی۔

• "وہ مجھے ڈلیور بابو نہیں کہتی تھی، وہ مجھے بھیا کہتی تھی۔ میرا دل چاہتا ہے نور جہاں تو بھی مجھے بھیا کہا کر۔"

• "ڈلیور بابو۔" نور جہاں ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "نہیں نہیں ڈلیور بابو۔ نہیں۔" وہ خوفزدہ انداز میں بولی۔

• "کیا میں تیرا بھائی بننے کے قابل نہیں ہوں نور جہاں؟"

• "میں — میں تمہیں اپنا — اپنا بہت کچھ بنانا چاہتی ڈلیور بابو۔ ایسا نہ کہو۔ ایسا نہ کہو۔"

• "تو مجھے اپنا بھیا بنا لے نور جہاں۔ مجھے بھیا کہا کر۔ میرا دل اپنی بہن کو بہت یاد کرتا ہے۔" میں نے درد بھرے انداز میں کہا۔ اور یہ درد حقیقی تھا۔ اپنے ملنے مجھ سے چھوٹ گئے تھے۔ آخر میں بھی انسان تھا۔ مجھے بھی کوئی یاد آ رہا تھا۔

• "مگر۔ مگر میں تم سے پیار کرتی ہوں ڈلیور بابو۔ بہن والا پیار نہیں۔ میں تمہاری بننا چاہتی ہوں۔ ایسا مت کہو، خدا کے لئے۔"

نور جہاں چھوٹی ذات کی تھی، معصوم بھی۔ اس کا دل بھی زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اس کی زبان بھی ملفوف نہیں تھی۔ میں سن ہو گیا۔ لیکن نور جہاں کے بھیانک مرض کا فوری علاج ضروری تھا۔

• "اگر میں تجھے بہن بھی نہ بناتا نور جہاں، تب بھی میں تجھے کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ میری بیوی ہے، میرے دو بچے ہیں، معصوم معصوم سے پیارے پیارے سے۔"

اور نور جہاں کا چہرہ اتر گیا، وہ پاگلوں کی طرح مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھے اور ایک طرف دوڑ گئی۔

میں نے سکون کی سانس لی۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ اب نور جہاں خود اپنے راستے متعین کرے گی، اور بالآخر اسے سکون مل جائے گا۔ غلط فہمیوں کا پھیلنا اچھا نہیں ہوتا۔ کسی غریب کو دھوکے میں رکھنے سے

کیا فائدہ۔ امراء دل بدل لیتے ہیں۔ وہ آپریشن کرا کے دل کی بیماریاں دور کرا لیتے ہیں، لیکن غریب کے شیشے کو کون جوڑے گا؟"

بہرحال اس کے بعد نور جہاں پر جو ردِ عمل ہوگا، وہ بہرحال میں خوشگوار ہوگا۔

شام ہوئی تو واپس رشید الدین صاحب کی ترتیب دی ہوئی جنت میں پہنچ گیا، جہاں کا خوشگوار ماحول سب کچھ بھلا دیتا تھا۔ کہکشاں، افشاں، حنا، بیگم صاحبہ اور خود رشید الدین صاحب۔

قہقہے ۔۔۔ دلوں کو تازگی بخشنے والے قہقہے۔

• "سنا ہے تم لوگ پکنک پر گئے تھے؟"

• "جی ہاں؟"

• "کہاں؟"

• "کوٹلہ۔"

• "کوثر سے کوئی گفتگو ہوئی؟" رشید صاحب نے پوچھا۔

• "کوئی خاص نہیں۔"

• "ممکن ہے وہ تمہاری طبیعت پر گراں گذرے۔ ناز و نعم میں بگڑی ہوئی ہے، ویسے کردار کی مضبوط لڑکی ہے، لیکن بس کچھ غرور کی کیفیت ہے۔ بیچاری بیگم صاحبہ خود اس سے نالاں رہتی ہیں۔"

• "مجھے اس سے کیا غرض رشید صاحب۔ مجھے صرف اپنا کام کرنا ہے۔"

• "ہاں بیاں ٹھیک ہے، اور وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک نواب صاحب نہ آ جائیں۔ اس کے بعد انشاء اللہ تمہیں ڈرائیوری نہیں کرنی پڑے گی۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس سے مطمئن ہوں اور پورے خلوص سے کر رہا ہوں۔"

• "میں جانتا ہوں۔" رشید صاحب نے کہا۔

کھانے کے بعد حسبِ معمول خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ میں نے اپنے پاس رکھے ہوئے ایک ہزار روپے اپنے دوست کو واپس کر دیئے تھے اور اب میری گردن پر کوئی بار نہیں تھا۔

دوسرے دن حسبِ معمول میں اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔ کوئی کام نہیں تھا۔ گاڑی لڑکے نے صاف کر دی تھی۔ رشید صاحب نے یہ ڈیوٹی لڑکے کے سپرد کر دی تھی۔ گیارہ بجے تک نور جہاں بھی نظر نہیں آئی۔ پھر بیگم صاحبہ کا پیغام مل گیا۔ وہ کہیں جانا چاہتی تھیں، میں تیار ہو گیا۔ بیگم صاحبہ آئیں اور میں انہیں لے کر چل پڑا۔

تقریباً بارہ بجے واپسی ہوئی۔ ایک بجے لنچ کے لئے چھٹی ہوتی تھی۔ میں ابھی لنچ پر نہیں گیا تھا کہ نور جہاں کی شکل نظر آئی۔ میں جان بوجھ کر انجان بن گیا۔ میں نے پشت اس کی طرف کر لی تھی۔

• "بھیا۔" عقب سے آواز آئی اور میں نے سکون کی سانس لی، میں پلٹا اور نور جہاں میرے قریب آ گئی۔

• "میری نور۔" میں نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ عام سی جگہ تھی کوئی بھی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اتنی پوزیشن میری بھی تھی کہ کسی کی پرواہ نہ کروں اور لطف ہی آ گیا، جس وقت نور جہاں میرے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ بی کوثر بھی برآمدے میں آ گئیں۔ انہوں نے بخوبی ہمیں دیکھ لیا تھا لیکن میں نے ہمت نہ ہاری تھی۔

• "تو نے مجھے بھائی بنانے کا فیصلہ کر لیا نور؟"

• "ہاں بھیا۔" نور جہاں نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔

• "میں بے حد خوش ہوں نور جہاں۔ بتا اپنے بھیا سے کیا چاہتی ہے؟" میں نے کہا۔

• "کچھ نہیں بھیا، کچھ نہیں۔ بہنیں صرف بھائی کی محبت چاہتی ہیں اور کچھ نہیں۔ میں ایسے ہی خوش ہوں، بس میں ایسے بھی خوش ہوں۔"

• "تو کس انداز میں مجھے چاہتی تھی پگلی، میں اس قابل نہیں ہوں میری منزلیں نامعلوم ہیں، میں تو خود نہیں جانتا کہ میں کن راہوں کا مسافر ہوں میں تجھے کیا دے سکتا تھا؟"

• "بس میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" نور جہاں نے کہا۔ میرے کان اس کے کچلے ہوئے پیار کی سسکیاں سن رہے تھے، لیکن میں اسے خاموش نہیں کر سکتا تھا۔

نور جہاں میرے سینے سے لگی رہی۔ اور میں نے کن انکھیوں سے دو تین بار بی کوثر کی طرف دیکھا، وہ اسی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔

• "کھانا لاؤں بھیا؟"

• "نہیں نور جہاں، کھانا میں رشید صاحب کے یہاں ہی کھاتا ہوں۔ البتہ شام کو چائے تیرے ہاتھ سے پیوں گا۔"

• "اچھا بھیا۔" نور جہاں میرے سینے سے الگ ہو گئی۔ اور پھر میں کوثر کی طرف توجہ دیئے بغیر رشید صاحب کی طرف چل پڑا۔

ملازمت کے بھی اصول ہوتے ہیں جو پیشہ ناپسند ہو اسے قبول ہی نہ کرو۔ اور اگر قبول کرو تو سب سے پہلے خود اس کی عزت کرو۔ اس سے مخلص اور دیانتدار رہو۔ میری حیثیت کی ایسی تیسی، میں تو وہ تھا جو اس وقت تھا۔ یہی میری اصل حیثیت تھی۔ اور اس حیثیت سے مجھے دیانتدار رہنا تھا جب تک بھی رہو۔

لنچ کا ایک گھنٹہ ہوتا تھا۔ میں ٹھیک وقت پر واپس پہنچ گیا اور ایک ملازم نے مجھے اطلاع دی کہ کوثر بی بی کہیں جائیں گی۔ میں جلدی سے گاڑی پر پہنچ گیا اور کوثر کا انتظار کرنے لگا۔ ملازم سے میں نے کہہ دیا تھا کہ گاڑی تیار ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کوثر ایک خوبصورت لباس میں باہر نکلا

اور میں ادب سے دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گیا۔

• "چلو۔" اس نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

• "جی بہتر۔" میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

• "آج پھر وردی نہیں پہنی؟" اس نے ترش لہجے میں کہا۔

• "سلنے کو دی ہے چھوٹی بی بی، جلد مل جائے گی۔ اس کے بعد آپ مجھے بغیر وردی کے نہیں دیکھیں گی۔"

• "سب مجھے کوثر بی بی کہتے ہیں، چھوٹی بی بی مجھے پسند نہیں۔" کوثر نے کہا۔

• "بہت بہتر کوثر ۔۔ بی بی۔" میں نے جان بوجھ کر دونوں الفاظ کا فاصلہ رکھا۔ جسے شاید اس نے محسوس کیا ہو، لیکن کچھ بولی نہیں۔

• "کہاں چلوں؟" میں نے پوچھا۔

• "گھنٹہ گھر۔ مجھے پروفیسر محمود سے نوٹس لینے ہیں۔"

• "مجھے ان کا پتہ بتا دیں۔"

• "چلتے رہو۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ ابھی کمپنی باغ سے نکلے تھے کہ اچانک ایک گاڑی بڑا غلط موڑ لیکر ہمارے پیچھے لگ گئی۔

• "ارے ۔۔۔ ذرا گاڑی ایک سائڈ کر کے روکو، شاید ناہید ہے۔"

اور میں نے خاموشی سے گاڑی فٹ پاتھ کے ساتھ روک دی۔ لیکن عقب نما شیشے میں میں دیکھ چکا تھا کہ گاڑی میں صرف ایک شخص ہے، اور وہ ہیں اپنے دلائے بھائی۔

دلائے میاں نے بڑے اسمارٹ انداز میں گاڑی ہمارے برابر لا کر روک دی، اور کوثر اس کی گاڑی میں جھانکنے لگی، اور پھر اس نے بُرا سا منہ بنا دیا۔

• "زہے نصیب ۔۔ زہے نصیب، قسم اللہ کی، وہ جو کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ آپ کا نام لیکر گھر سے نکلا تھا لیکن وہ یوں سرِ راہ ملاقات ہو جائے گی خیال بھی نہیں تھا، آئیے، میری گاڑی میں آ جائیے۔"

• "کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟" کوثر نے چیخ کر کہا۔

• "اب ہو گیا ہے، جب سے آپ کو دیکھا ہے۔" دلائے میاں تو خوب عشق کر کے آئے تھے۔

• "ڈرائیور ۔۔ گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

• "جی۔" میں نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا لیکن میں نے نہایت صفائی سے دلائے میاں کو آنکھ مار دی تھی۔ جسے انہوں نے دیکھ بھی لیا۔

دلائے میاں نے بھی کار اسٹارٹ کر کے ہمارے پیچھے لگا دی تھی۔ اور اب کوثر کسی قدر مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار تھے۔ ایک سنسان سی جگہ پر اچانک میں نے کرنٹ کا ایک تار نکال دیا۔ گاڑی نے چند جھٹکے لئے اور انجن بند ہو گیا۔

• "کیا ہوا؟" کوثر نے بے ساختہ پوچھا۔

• "اوہ ۔۔ کوئی تار نکل گیا ہے شاید، ابھی ٹھیک کئے دیتا ہوں۔"

• "لعنت ہے۔" کوثر دانت پیس کر بولی۔ میں نے گاڑی ایک سائڈ کی، اور نیچے اتر کر بونٹ کھول لیا۔ حسبِ توقع دلائے میاں کی کار برابر آ کر رک گئی تھی۔

• "کیا ہو گیا ڈرائیور؟" انہوں نے پوچھا۔

• "کوئی تار نکل گیا ہے جناب۔"

• "ڈرائیور گاڑی ٹھیک کرے گا، آپ میری کار میں آ جائیے۔"

• "آپ جاتے ہیں یا نہیں۔" کوثر آنکھیں نکال کر بولی اور دلائے بھائی دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے۔

• "کوثر صاحبہ، یہ دل کمبخت، یہ دل دیوانہ، آپ کا پروانہ ہو گیا ہے قسم اللہ کی جب سے آپ کو دیکھا ہے۔"

• "دلائے صاحب، آپ ۔۔ آپ انتہائی ذلیل انسان ہیں۔ میں آپ پر تھوکتی ہوں۔" کوثر غرائی۔

• "سنئے تو سہی، ایک منٹ۔" دلائے صاحب بولے اور پھر انہوں نے جھک کر اپنی گاڑی سے دہی بڑوں کی ہنڈیا نکال لی۔ "کوثر صاحبہ۔ میں آپ کے لئے دہی بڑے لایا ہوں۔"

• "ذلیل ۔۔ کمینے ۔۔ شرم نہیں آتی۔" کوثر دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ میں نے بونٹ بند کر دیا تھا۔ اور خاموشی سے کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

• "یہ محبت کے دہی بڑے ہیں کوثر صاحبہ، اور ہاں میں نے آپ کے لئے گجرے بھی بنوائے ہیں۔ میں ۔۔ میں ۔۔ آپ سے دیوانہ وار عشق کرنے لگا ہوں۔ خدا کے واسطے یہ محبت کے دہی بڑے قبول کر لیں۔ اور یہ گجرے ۔۔۔۔"

لیکن دلائے بھائی جملہ پورا بھی نہیں کر پائے تھے کہ کوثر نے دہی بڑوں کی ہانڈی ان کے ہاتھ سے چھین کر پٹخ دی۔

• "ارے، یہ آپ نے کیا کیا کوثر صاحبہ، قسم اللہ کی، جامع مسجد سے لایا تھا، آپ نے محبت کی ہانڈی توڑ دی۔ لیکن یہ گجرے آپ کو ضرور پہننا پڑیں گے۔" دلائے بھائی نے تاسف سے کہا۔

• "ڈرائیور ۔۔ ڈرائیور، تم دیکھ رہے ہو، تمہارا کوئی فرض نہیں ہے؟" بالآخر کوثر نے مجھے مخاطب کیا۔

• "حکم دیں کوثر بی بی۔" میں نے سکون سے کہا۔

• "مارو ۔۔ مارو اس کمینے کو۔۔"

• "جی بہتر ہے۔" میں نے اسی سکون سے کہا اور دلائے بھائی کی طرف بڑھا۔ دلائے بھائی نے مسکراتے ہوئے مجھے آنکھ ماری۔ میں بھی مسکرا دیا اور پھر دلائے بھائی کے نزدیک پہنچ گیا۔

• بس اب جائیے: میں نے سرد آواز میں کہا۔
• تم کھسک جاؤ، میں راست پر لے آؤنگا: ولائے بھائی نے
ازدارانہ انداز میں بولے۔
• لیکن کوثر بی بی نے آپ کو مارنے کا حکم دیا ہے: میں نے کہا۔
ور ولائے بھائی کا گریبان پکڑ لیا۔
• ارے ارے، میری شیروانی خراب ہو جائے گی:
لیکن دوسرے لمحے میرا زوردار تھپڑ ولائے بھائی کے چوڑے
ہرے پر پڑا اور ولائے بھائی دور جا گرے۔
• ارے — ارے: وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولے، میں
نے دوبارہ ان کا گریبان پکڑ کر اٹھایا، اور اس بار میرا ہاتھ انہیں کافی دور
لے گیا تھا۔ میں پھر ان کی طرف بڑھا، لیکن ولائے بھائی نے اس بار اٹھنے میں
ہت پھرتی دکھائی تھی۔ وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے، اب وہ متوحش نگاہوں سے
جھے دیکھ رہے تھے، میں پھر ان کی طرف بڑھا، اور وہ اچھل کر بھاگے۔ میں
ھی آگے بڑھ گیا۔ اس طرح ہم کوثر سے دور نکل آئے۔
• سنو، سنو۔ ڈرائیور۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ ولائے بھائی نے کہا۔
• نوکری ہے ولائے بھائی، بات نہ مانی تو نکال دیا جاؤں گا:
میں نے بے بسی سے کہا۔
• مم۔ مگر تم تو بہت زور سے مار رہے ہو قسم اللہ کی۔
• ممکن ہے تنخواہ بڑھ جائے:
• ایسی تیسی تمہاری تنخواہ کی، اب مجھے ہاتھ مت لگانا:
• غریب آدمی ہوں ولائے بھائی، میری نوکری پر ترس کھائیں اور
تھوڑا سا اور پٹ لیں:
• ابے تم چار سو بیس ہو، اس نے دری بڑے پھینک دیئے، اور گجرے
بھی نہیں لئے:
• میں کیا کر سکتا ہوں، آپ نے میری بات ہی نہیں مانی:
• کیا مطلب؟
• میں نے کہا تھا تنہائی تلاش کریں:
• اوہ — مگر — مگر میں تو فیروز الدین کی کوٹھی کی طرف ہی جا رہا تھا
اب تم راستے میں ہی نظر آ گئے تو میں کیا کرتا؟
• وقت کا انتظار کرتے:
• ہاں یار غلطی ہو گئی: ولائے بھائی بولے۔
• بس دو چار ہاتھ اور کھالیں، اور اس کے بعد آئندہ لڑائی کریں:
• ابے نہیں، قسم اللہ کی، جبڑے دکھ رہے ہیں:
• اللہ کے واسطے: میں گڑگڑایا۔
• ابے تو مار کیوں رہے ہو؟
• نوکری کے لئے:
• بس اب چلے جاؤ، ورنہ میرا ہاتھ بھی اٹھ جائے گا:
• آپ کو پہلے ہی اٹھانا چاہئے تھا: میں نے کہا۔
• کیا مطلب؟ ولائے بھائی حیرت سے بولے۔
• آپ تو بزدلوں کی طرح پٹ رہے ہیں، بھاگ رہے ہیں۔ کیا سمجھے گی
وہ اپنے دل میں۔ کیا وہ آپ کو بزدل خیال نہ کرے گی:
• ارے۔ پھر کیا کروں؟ ولائے بھائی پریشانی سے بولے۔
• جوابی حملہ کریں، جلدی سے:
• اوہ۔ ٹھیک ہے: ولائے بھائی بولے اور پھر وہ کسی بھینسے کی
طرح میرے اوپر پل پڑے، میں نے ان کا وار خالی دیا اور وہ جھوک میں آگے
نکل گئے، پیچھے سے میری لات ان کی کمر پر پڑی اور وہ قلابازی کھا گئے۔ یقیناً
سر چکرا گیا ہوگا، لیکن چاروناچار پھر اٹھے، اور پریشانی کے عالم میں مجھ سے
لپٹنے کی کوشش کی لیکن میں نے ان کا بازو پکڑ کر دھوبیا پاٹ مارا اور اس بار
چوٹ ذرا سخت لگی، ان کے چہرے پر سخت تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے،
اس کے بعد انہوں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔
اور میں انہیں ناٹ اوٹ کر کے واپس گاڑی کی طرف چلا آیا۔
• مار لگا لیا؟ کوثر بدحواسی سے بولی۔
• جی —!
• تو پھر جلدی چلو:
• فکر نہ کریں، اب اس سے اٹھا بھی مشکل سے ہی جائے گا: میں نے
ہونٹ بند کرتے ہوئے کہا اور اندر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
• بس اب گھر چلو: کوثر نے کہا۔
• جی — وہاں نہیں جائیں گی کوثر بی بی؟
• نہیں، میں نروس ہو گئی ہوں، پھر جاؤں گی:
• بہتر ہے: میں نے گاڑی واپس موڑ دی، کوثر خاموش تھی۔ وہ
خاصی پریشان نظر آ رہی تھی، کافی دیر تک وہ خاموش رہی، پھر بولی۔
• اس واقعے کا کسی اور سے تذکرہ مت کرنا:
• جی — میں نے مختصراً کہا۔
• اگر تم نے کسی سے کیا تو — تو پھر میں بھی تمہارا راز عیاں کر دونگی:
• میرا راز —؟ میں چونک پڑا۔
• ہاں — اس بھولی بھالی لڑکی کو کیوں بیوقوف بنا رہے ہو؟
• کون لڑکی —؟
• نورجہاں — میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا:
• اوہ — میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

• تمہیں شرم آنی چاہئے:
• کیوں کوثر بی بی؟ میں نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
• وہ معصوم ہے، اس نے ہمارے ہاں پرورش پائی ہے۔ نیک
اور سیدھی ہے۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔ کیا تم سچ مچ اس سے محبت کرتے ہو:
• جی ہاں: میں گمبھیر آواز میں کہا۔
• بکواس کرتے ہو۔ بڑے چالاک ہوتے ہو تم لوگ۔ بھولی بھالی لڑکیوں
کو بے وقوف بناتے ہو، انہیں لوٹتے ہو اور — اور پھر ان کی زندگی برباد کر کے
انہیں چھوڑ دیتے ہو: کوثر نے نفرت سے کہا۔
• میں نے نورجہاں سے سچی محبت کی ہے کوثر بی بی:
• ابے تمہیں یہاں آئے ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے، اور
تم نے سچی محبت بھی شروع کر دی: کوثر کھلکھلا کر بولی۔
• محبت کے لئے وقت کا تعین نہیں ہوتا: میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔
• میں کہتی ہوں بکواس مت کرو، ورنہ مجھے تمہارے خلاف سخت اقدام
اٹھانا پڑے گا۔ اور اس نورجہاں کی بچی کا تو میں دماغ درست کر دوں گی۔ تم یہ
مت سمجھنا کہ اس واقعے سے مجھے بلیک میل کر سکو گے۔ مجھے صرف ناہید کا خیال
ہے ورنہ اس بندر کو جیل میں سڑوا دوں:
• میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے کوثر بی بی:
• اچھا بس بکواس مت کرو: کوثر نے ناک چڑھا کر کہا اور میں خاموش
ہو گیا۔ بہرحال دلچسپ لڑکی تھی، اس احمق کی باتوں کا برا ماننا بے سود تھا۔ میں
نے گاڑی کوٹھی کے پورٹیکو میں روک دی، اتر کر دروازہ کھولا اور وہ میری طرف
دیکھے بنا اندر چلی گئی، میں ایک طویل سانس لیکر مسکرانے لگا تھا۔
اسی شام پانچ بجے نورجہاں میرے لئے چائے لے آئی۔ اس کی
آنکھوں سے محبت جھانک رہی تھی۔ چائے کے ساتھ تلے ہوئے بادام بھی تھے۔
میں نے بھی مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور وہ اطمینان سے میرے پاس بیٹھ
گئی، میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور وہ ہنس پڑی۔
• کیا بات ہے نورجہاں؟
• آج کوثر بی بی کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا:
• کیوں؟ میں سنبھل گیا۔
• نورے کے ہاتھ مجھے بلایا۔ بہت غصے میں معلوم ہوتی تھیں۔ آنکھیں
نکال کر بولیں: کیوں ری، تو نے یہ کیا کھیل شروع کر دیا ہے: میں تو سمجھ ہی نہ
سکی تھی، میں نے حیرت سے کہا: کیسا کھیل تو بولیں:
• میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے: میں نے کہا کیا؟ تو
بولیں: کیا تو وہ پہر کو ڈرائیور کے سینے سے نہیں لگی کھڑی تھی۔ پہلے تو میں گھبرا
گئی، پھر میں نے مان لیا۔
• کیوں؟ انہوں نے کڑک کر پوچھا۔
• وہ میرے بھیا جو ہیں: میں نے جواب دیا۔
• کیا بک رہی ہے؟ وہ کڑک کر بولیں: شرم نہیں آتی؟
• نہیں کوثر بی بی۔ اللہ کی قسم شرم کی کوئی بات نہیں۔ اگر میرے بھیا
مجھے انسان نہ بنا دیتے تو شرم کی بات تھی: اور پھر میں نے انہیں پوری کہانی
سنا دی۔ تمہاری باتیں بھی بتا دیں بھیا، اور کوثر بی بی منہ پھاڑے میری باتیں
سنتی رہیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ جب تک انہوں نے مجھ سے حلف نہ
اٹھوا لیا، یقین نہیں کیا۔
• خوب: میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اور چائے کی پیالی اٹھا کر
منہ سے لگا لی۔
کوثر کو بدترین شکست ہوئی تھی۔ اور دوسرے دن کوثر کا رویہ
خاصا بدلا ہوا تھا۔ اس دن میں نے ڈرائیور کی وردی بھی پہنی ہوئی تھی۔
• چلو — کوثر نے حسب معمول اکھڑ لہجے میں کہا اور میں نے کار
اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔
• کہاں چلنا ہے کوثر بی بی؟
• پروفیسر کے گھر جاؤں گی، نوٹس لینے ہیں: کوثر نے کہا اور میں خاموشی
سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ میں نے کوئی بات نہیں کی تھی، پھر اس خاموشی سے
اکتا کر کوثر ہی بولی:
• تم نے نورجہاں کے بارے میں جھوٹ کیوں بولا تھا؟
• جی — میں نے چونک کر کہا: آپ نے مجھ سے کچھ کہا کوثر بی بی؟
• ہاں —!
• فرمائیے؟
• تم نے نورجہاں سے محبت کا اعتراف کیا تھا:
• جی ہاں۔ آپ نے اسے میرے سینے سے لگا دیکھا تھا۔
• مگر وہ تو کچھ اور کہہ رہی تھی؟
• کیا کہہ رہی تھی؟
• اس — اس نے تم سے اظہارِ محبت کیا تھا:
• جی —!
• اور تم نے اس سے کہا تھا کہ وہ تمہیں بھیا کہا کرے۔ تم اسے صرف
بہن کی محبت دے سکتے ہو:
• جی کوثر بی بی:
• اور وہ تمہاری بہن بن گئی؟
• جی —!
• پھر تم نے مجھے بیوقوف کیوں بنایا تھا؟

• میں نے ؟ میں نے حیرت سے کہا۔

• ہاں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اس سے سچی محبت کرتے ہو؟

• معصوم لڑکی غلط راستوں پر بھٹک رہی تھی کوثر بی بی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں سادگی پائی، وہ اس میدان کی کھلاڑی نہیں تھی۔ پہلی بار وہ کسی سے متاثر ہوئی تھی، اگر میں اسے بھٹکنے میں مدد دیتا تو وہ ہمیشہ کے لئے بہک جاتی، مجھے کیا ملتا۔ میں نے اس کی سادگی سے پیار کیا۔ میں اس کے سلگتے ہوئے جذبات کو بھائی کا پیار دے کر ٹھنڈا کر دیا۔ کیا بھائی کی محبت سے زیادہ سچی محبت کوئی اور ہو سکتی ہے؟

کوثر خاموش ہو گئی، وہ کافی دیر تک خاموش رہی، پھر بدلے ہوئے لہجے میں بولی :

• تم شریف آدمی ہو ڈرائیور۔ لیکن جب وہ مجھ سے بدتمیزی کر رہا تھا تو تم خاموش کیوں کھڑے تھے؟

• وہ اپنے بھائی کی بات کر رہی ہیں؟

• ہاں؟

• مجھے اپنی حیثیت کا احساس ہے کوثر بی بی۔ آپ لوگوں کے معاملات میں میں کیسے مداخلت کر سکتا تھا جب تک آپ کی طرف سے حکم نہ ملتا؟ میں نے کہا اور کوثر خاموش ہو گئی۔

ویسے آج اس کے رویّے میں خاصی تبدیلی آئی تھی۔ پروفیسر کے مکان پر میں اس کا انتظار کرتا رہا، لیکن جب وہ واپس آئی تو پھر اسی موڈ میں تھی اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، اور ناک چڑھائے بیٹھی رہی۔ میں نے بھی اس نکچڑھی لڑکی سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دوسرے دن اس نے پھر بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ اسے کسی پارٹی میں جانا تھا۔ میں تیار تھا۔ وہ کار کے پاس آئی اور میری وردی دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

• میں نے سنا ہے تم پڑھے لکھے آدمی ہو، لیکن سخت جاہل معلوم ہوتے ہو؟ وہ کرخت آواز میں بولی۔

• جی ۔۔۔ میں چونک پڑا۔

• تمہاری وردی پر تیل کے دھبے لگے ہوئے ہیں۔ کیا تم دوسری وردی نہیں سلوا سکتے؟

• جی، دوسری بھی سل گئی ہے، پہن آؤں؟

• جاہل۔ بدتمیز۔ اب پہنو گے، مجھے پارٹی میں دیر ہو رہی ہے۔ تم لوگ، تم لوگ؟ وہ دانت پیس کر بولی۔ "سخت گندے ہوتے ہو، کبھی آدمی نہیں بن سکتے، تمہاری ذہنیت ہی گندی ہوتی ہے، اب بتاؤ۔ لوگ کیا کہیں گے، اسی سے حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ غلیظ کہیں کے۔"

اور پھر اس نے ایسا شور مچایا کہ توبہ ہی بھلی۔ رشید صاحب بھی اتفاق سے پہنچ گئے تھے۔ ان کے چہرے پر سخت غم کے آثار تھے، اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

• اس ڈرائیور کو کھڑے کھڑے نکال دیجئے رشید صاحب، آئندہ میں اسے کوٹھی میں نہ دیکھوں۔

• ضرور نکال دوں گا کوثر بی بی، ضرور نکال دوں گا۔ رشید صاحب عجیب سے لہجے میں بولے۔

• آج ہی ۔ ابھی ۔ اسی وقت۔ کوثر پھر چیخ کر بولی۔

• بہتر ہے۔ رشید صاحب نے کہا، اور اسی وقت بیگم صاحبہ نے مداخلت کی :

• ڈرائیور کا جھگڑا پھر طے ہو جائے گا کوثر، تم اس وقت تو پارٹی میں چلی جاؤ؟

• بس اب نہیں جاؤں گی، بالکل نہیں جاؤں گی۔ کوثر پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی اور ہم سب ہکا بکا کھڑے رہ گئے۔

• عاجز کر دیا ہے اس لڑکی نے، تم جاؤ میاں، کل تک خود ٹھیک ہو جائے گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔

• یہ اب ملازمت نہیں کریں گے بیگم صاحبہ۔ رشید صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

• ارے نہیں رشید صاحب اسے تو آپ جانتے ہی ہیں۔ گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشہ۔

• میں نے آپ کا نمک کھایا ہے بیگم صاحبہ، لیکن میری بدقسمتی، اس بڑھاپے میں آپ کی نمک حرامی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ ان کے ساتھ ہی میرا بھی استعفیٰ قبول کر لیں، میں رات تک آپ کی حویلی خالی کر دوں گا۔ ہر قسم کے حسابات دینے کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ رشید صاحب نے کہا اور میں چونک پڑا۔ بیگم صاحبہ کا منہ بھی کھلا رہ گیا تھا۔

• کیا کہہ رہے ہیں رشید صاحب؟ وہ بمشکل تمام بولیں۔

• بوڑھا ہو چکا ہوں، اب آپ کی خدمت انجام دینے کے قابل نہیں ہوں۔

• لیکن اس وقت ۔ اچانک ۔۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کوثر کی بات سے ناراض ہو گئے ہیں۔

• وہ میری بچی ہے بیگم صاحبہ، لیکن سرفراز بھی میرا بیٹا ہے۔ اگر کلثوم اس کی شان میں گستاخی کرے گی تو خدا کی قسم میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ دوں گا۔ خواہ کہیں بھٹکتی پھرے۔ رشید صاحب کی آواز آخر میں سخت ہو گئی تھی۔

• رشید صاحب۔ سنیئے تو سہی۔ میں نے مداخلت کی۔

• آؤ ۔۔ رشید صاحب گرج کر بولے، اور ان کا یہ لہجہ اس قدر شدید تھا کہ اس کے بعد میں کچھ نہیں بول سکا۔ بیگم صاحبہ کھڑی رہ گئیں اور رشید صاحب مجھے بازو سے پکڑے ہوئے گھر لے آئے۔

اس خلوص پر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے۔ لیکن میں نے انہیں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بہر حال مجھے اس نوکری کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔

رشید صاحب خاموشی سے گھر واپس آئے، انہوں نے سب کو طلب کیا اور پھر انتہائی سنجیدہ لہجے میں بولے :

• فوری طور پر سامان باندھ لو، ہمیں رات تک کوٹھی خالی کرنی ہے۔

• ہیں ۔ کیا ہوا ۔ کیا بات ہے؟

• بعض باتوں میں مداخلت مناسب نہیں ہوتی بیگم، صرف تعمیل بہتر ہوتی ہے۔ رشید صاحب سنجیدگی سے بولے، اور بیگم صاحبہ بہر حال شوہر شناس تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ خاموشی سے لڑکیوں کو ہدایات دیں اور خود بھی ان کے ساتھ مصروف ہو گئیں۔ رشید صاحب نے حنا سے چائے کے لئے کہا اور پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے بیرونی کمرے میں آ گئے۔

• بُرے وقت کا انتظام ہے میاں، میں نے ایک مکان بنا لیا ہے، پہاڑ گنج میں زمین خرید لی تھی، آہستہ آہستہ اسے تعمیر کر لیا۔ اللہ کا احسان ہے کوئی دقت نہیں ہو گی۔ دونوں مل کر سوچیں گے۔

• رشید صاحب، آپ بلا سے مجھے ملازمت سے منع کر دیں، میں نہیں جاؤں گا، لیکن آپ کا جانا، آپ کا ۔۔۔"

• جوتا اٹھاؤ، اور میرے سر پر دس بیس لگا دو، لیکن اللہ اس موضوع پر بات مت کرو۔ میرا دل خون ہوتا ہے۔

اور اس کے بعد میری کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

چائے آ گئی، بی افشاں لائی تھیں، ان کے دیدے معنی خیز انداز میں چل رہے تھے، لیکن شاید ان سے بھی کچھ بولنے کو منع کر دیا گیا تھا۔ اس لئے خاموش رہیں اور پھر خاموشی سے ہی واپس چلی گئیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد اندر سے بیگم صاحبہ کے بولنے کی آواز سنائی دی اور رشید صاحب چونک پڑے۔ بیگم صاحبہ شاید اسی طرف آ رہی تھیں، اور پھر وہ کمرے میں آ گئیں۔

• تشریف لائیے بیگم صاحبہ۔ رشید صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

• رشید بھائی، برسوں کی محبت کو یوں ٹھکرا دیں گے۔ گمان بھی نہ تھا۔ بیگم صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

• عزت پہ بن گئی تھی بیگم صاحبہ۔ میرے لئے دو ہی صورتیں تھیں۔ نوکری چھوڑ کر چلا جاؤں یا خودکشی کر لوں۔ واللہ کوشش کے باوجود برداشت نہ کر سکا، ورنہ یہ قدم نہ اٹھاتا۔

• کوثر دیوانی ہے، آپ جانتے ہیں میری خطا نہیں ہے۔

• اللہ اس بچی کو سلامت رکھے، اللہ اسے خوش رکھے۔

• آپ اسے سزا دیں۔ مجھے اعتراض نہ ہو گا۔"

• اگر وہ مجھ سے کچھ کہہ لیتی تو مجھے دکھ نہ ہوتا لیکن ۔۔ لیکن وہ انسان شناس نہیں ہے، سرفراز کیا ہے، یہ صرف میں جانتا ہوں۔

• مجھے بھی دکھ ہے، لیکن آپ ہمیں یوں نہ چھوڑیں بھائی صاحب، نواب صاحب کو تو آ جانے دیں۔

• بخدا پورا دن یہاں صرف کروں گا۔ فیروز الدین نے ہمیشہ مجھے دوست سمجھا ہے۔ آپ کو ذرا برابر تکلیف نہیں ہو گی۔ لیکن اس ملازمت سے بری الذمہ ہو جانے دیں۔

• سرفراز میاں، تم مجھ سے چھوٹے ہو، میں تم سے معافی مانگتی ہوں رشید بھائی کو سمجھاؤ۔

• خدارا بیگم صاحبہ، ہمیں مجبور نہ کریں۔ مجھے حکم دیں میں خودکشی کر لوں۔ رشید الدین صاحب جذباتی لہجے میں بولے۔

• تو پھر سن لیں رشید بھائی۔ میں کوثر کو لاتی ہوں، اگر اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سرفراز میاں سے معافی مانگ لی اور انہوں نے اسے معاف کر دیا تو پھر آپ کو رکنا پڑے گا ورنہ پھر ہمارا بھی اللہ مالک ہے۔

بیگم صاحبہ رشید صاحب کا جواب سنے بغیر واپس مڑ گئیں۔

• انسان شناسی سکھاؤ اسے، انسان شناسی، ورنہ سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گی۔ رشید صاحب بڑبڑائے۔ میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ ویسے اپنی ذات کے اس ہنگامے سے مجھے کوفت ہو رہی تھی، بلا وجہ اتنی بات بڑھی اگر رشید صاحب وہاں نہ آ جاتے تو دوسری وردی پہن کر بات برابر کر لیتا بہر حال معاملات اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ اب انہیں سنبھالنا مشکل تھا۔ وقت گذرتا رہا، لیکن کوثر نہ آئی۔ میں اس ضدی لڑکی کی فطرت سے واقف تھا، وہ کبھی نہیں آئے گی۔

لیکن حالات نے عین وقت پر ایک اور کردار پیش کر دیا اور یہ کردار بڑا بروقت تھا۔ دو ملازم دوڑے ہوئے آئے، اور انہوں نے رشید صاحب سے کہا :

• حضور، نواب صاحب واپس آ گئے ہیں، آپ کو طلب کرتے ہیں۔

• ان سے کہہ دو، کل صبح حاضر ہوں گا۔ اس وقت مصروف ہوں۔ رشید صاحب نے کہا اور ملازم ہکا بکا رہ گئے۔

• صاحب ۔۔ وہ ۔۔

• جاؤ ۔۔ رشید صاحب دہاڑے اور ملازم جلدی سے باہر نکل گئے۔ رشید صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

• یہ فیروز بھی بس اسی وقت آتا ہے، اسے "۔۔۔

میں نے بالکل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اب میں نے رشید صاحب

کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ بلد از جلد ان لوگوں کو چھوڑ دوں گا۔ میں قلاش آدمی ان فرشتوں کو کیا دے سکوں گا۔ کہاں سے لاؤں گا اس خلوص کا جواب۔ خدایا، تیری دنیا میں ایسے انسان بھی بستے ہیں۔

" ابے او منیجر صاحب۔ ابے رشید بھائی!" دفعتاً باہر سے ایک گرجدار آواز سنائی دی اور رشید صاحب چونک پڑے، وہ جلدی سے اٹھے اور دروازہ کھول دیا، آنے والا ایک طویل القامت اور وجیہہ بوڑھا تھا۔ چڑھی ہوئی گھنی مونچھیں، بڑی بڑی سرخ آنکھیں، فرنچ اسٹائل داڑھی، بے حد شاندار شخصیت تھی۔

" ہیں۔ ویسے کے ویسے ہو، ذرا بھی نہیں بدلے، ہیں۔" آنے والے نے کہا اور آگے بڑھ کر رشید صاحب سے لپٹ گیا۔" اور یہ اتنے بدمعاش کب سے ہو گئے ہو ہیں۔ ویسے ہم باہر سے آئے ہیں اور تم نے ہمیں ہی اس سفر کی زحمت دی۔ ہیں۔"

" نواب صاحب، آپ بخیر ہیں۔"

" تمہاری بلا سے۔ اور سنا ہے تم یہاں سے جا رہے ہو ــ ہیں۔ ملازموں سے کہہ آیا ہوں کہ فوآرے کے پاس ایک قبر تیار کر دو فوراً۔ ابھی تمہاری گردن کاٹوں گا اور پھر اس قبر میں دفن کر دوں گا زندگی میں تو تمہارا آنا مشکل سے بنیا۔ ہیں۔"

" نواب صاحب!" رشید صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

" ابے ایسی تیسی نواب صاحب کی۔ بھابی ــ بھابی۔" نواب فیروز الدین نے آواز دی۔

" آئیے بھائی صاحب۔" بیگم رشید احمد کی آواز سنائی دی، اور وہ سر پر دوپٹہ سنبھالے اندر آ گئیں۔"

" بیوہ ہونے کے لئے تیار رہیں، مار ڈالوں گا تمہارے اس شوہر کو، مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے، ہیں۔ اور ذرا کہکشاں سے جائے کے لئے تو کہیں جلدی، ہیں۔"

" ابھی کہتی ہوں بھائی صاحب۔" بیگم رشید زیر لب مسکراتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

" ابے تم سے تو تمہاری بیوی اچھی ہے۔ کس بھرے منہ سے بھائی صاحب کہتی ہے۔ ابے بہنوئی بن کر اکڑ دکھاتے ہو، شرم نہیں آتی ہیں۔"

" مجھے جانا ہی ہوگا نواب صاحب۔" رشید صاحب دبی آواز سے بولے۔

" جاؤ بھائی جاؤ۔ تمہاری عمر ہی جانے کی ہے۔ مگر اس کے لئے میرے ہاتھ کیوں خون سے رنگوا رہے ہو۔ ویسے یہ تو بتاؤ، بات کیا ہوئی، ہیں، اور یہ کون ہیں؟"

اب انہوں نے میری طرف دیکھا۔ میں نے نواب صاحب کو سلام کیا تھا۔

" وعلیکم السلام، اماں کون ہو بھائی؟"

" یہ سرفراز میاں ہیں۔" رشید صاحب بولے۔

" خوب ہیں، اماں آگے آؤ۔ کیا لڑکیوں کی طرح شرما رہے ہو۔" نواب صاحب نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور پھر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا۔

یہ شخص دوسری قسم کا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں سادگی اور خلوص دیکھا تھا۔

" تو آپ سرفراز میاں ہیں ــ ہیں، مگر کیوں ہیں، کون ہیں؟ اس بارے میں بھی تو کچھ انکشاف ہو، ہیں؟"

" آپ تشریف تو رکھیں نواب صاحب، میں عرض کر دوں گا۔" رشید صاحب نے کہا۔

" ابے کیا عرض کرو گے، بچپن کی دوستی کو لات مار کر یوں جانے کی کوشش کرو گے، معلوم نہ تھا۔" نواب صاحب جھلاتے ہوئے انداز میں بولے۔" مگر یہ تمہیں سوجھی کیا ہے، ہیں؟"

" سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے کے کونسے سوال کا جواب دوں؟"

" کیا خاک جواب دو گے۔ بھابی، تھوڑی سویاں بھی پکالیں۔ وہی دہی زعفرانی۔" نواب صاحب نے ہانک لگائی۔ اور یہ لڑکیاں کہاں چلی گئی ہیں سب کی سب ہیں۔ ابے ہاں تو میری بات کا جواب دو نا۔"

" آپ سوال کریں۔" رشید صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

" کیوں جا رہے ہو؟"

" آپ سنجیدگی سے سنیں گے۔"

" گویا میں کسی طرف سے غیر سنجیدہ نظر آتا ہوں، کیوں؟" نواب فیروز الدین نے آخری بات میری طرف دیکھ کر کہی، اور میرے ہونٹوں پر بیساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

" جی نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" جیتے رہو ــ تو تم جواب نہیں دو گے۔" وہ پھر رشید صاحب پر الٹ پڑے۔

" میں جواب دے رہا ہوں نواب صاحب، سب سے پہلے تو میں عرض دوں کہ میں نے بچپن کی دوستی اور آپ کی عنایات سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔"

" سخت نامعقول ہو، آگے بولو۔"

" اب اس شخص کا تعارف ضروری ہے، مجھے ٹرین میں ملا تھا۔ دہلی آ رہا تھا۔ نیک اور شریف بچہ تھا، اور دہلی کے لئے اجنبی۔ میں اسے

اپنے ساتھ لے آیا۔ ملازمت کا متلاشی تھا۔ آپ موجود نہیں تھے، اس لئے کوئی مناسب جگہ نہ دلوا سکا۔ لیکن بیگم صاحبہ کو ڈرائیور کی فوری ضرورت تھی۔ اس لئے ڈرائیور کی حیثیت سے رکھوا دیا۔

" ایں ــ نواب صاحب اچھل پڑے۔" ڈرائیور کی حیثیت سے! احمق ہو، نامعقول ہو۔ بالکل فضول ہو، ہیں۔"

" تعلیم یافتہ نوجوان ہے، میں نے پہلے ہی بیگم صاحبہ کو بتا دیا تھا بہرحال اس پر اعتراض نہیں ہے۔ لیکن نواب صاحب، بخدا کوثر میری بچی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ اکثر وہ اس کی بے عزتی کرتی رہی ہے لیکن آج جو اس نے میرے سامنے اس کی بے عزتی کی وہ میں برداشت نہ کر سکا۔ بس میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہوں گا۔" رشید صاحب کی آواز بھرا گئی۔

" اوہ ــ نواب صاحب کی" اوہ" بہت سنجیدہ تھی۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ نواب صاحب کے چہرے کی شگفتگی پر سنجیدگی کی چادر پڑ گئی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے نزدیک آ گئے، میں جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

" بیٹھو بیٹے بیٹھو۔ وہ بڑی شفقت سے بولے۔" سب سے پہلے تو میں نامعقول رشید احمد کی طرف سے معافی چاہتا ہوں کہ اس نے تمہیں ڈرائیور کی ملازمت دی، جب کہ میں نے ان سے اس سلسلہ میں کبھی کوئی سوال نہیں کیا کہ مقامی امور میں کیا ہو رہا ہے، میں نے انہیں کل اختیارات دیئے ہیں، لیکن اس شخص نے ہمیشہ عزیزیت کا ثبوت دیا۔

دوسری بات کوثر کی ہے، تو بیٹے، وہ ترکش سے نکلا ہوا ایک تیر ہے۔ دراصل شادی کے بعد بارہ سال تک میرے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ جب کوثر پیدا ہوئی تو میں سب کچھ بھول گیا۔ میرے پیار نے اس کی شخصیت کو داغ لگا دیا۔ اس کا مجرم بھی میں ہوں، تمہارا دل دکھا ہے تو مجھے معاف کر دو بیٹے۔"

" نواب صاحب!" میں نے گھبرا کر کہا۔

" بات معافی ہی کی ہے بیٹے، معاف کر دو۔ قصور دراصل میرا ہے، معاف کر دو۔ کوثر کے الفاظ واپس نہیں ہو سکتے لیکن تمہاری پیشانی کشادہ ہے، اس سے فراخ دلی کا پتہ چلتا ہے، اس سرکش لڑکی کے باپ کو معاف کر دو۔"

" نواب صاحب، آپ میرے بزرگ ہیں، مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

" تو پھر دل سے کوثر کی بدتمیزی بھلا دو۔"

" مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

" خدا تمہیں خوش رکھے، دبیر میں بتا چکا ہوں۔ اور تم اب بتاؤ۔" نواب صاحب رشید صاحب کی طرف پلٹے، لیکن اسی وقت بیگم رشید سویاں اور چائے وغیرہ لے کر آ گئیں، اور نواب صاحب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

" بچیاں کیا کر رہی ہیں بھابی؟"

" وہ ــ بیگم رشید نے رشید صاحب کی طرف دیکھا۔" وہ سامان باندھ رہی ہیں۔"

" آگ لگوا دوں گا، بخدا آگ لگوا دوں گا میں۔ اماں میرے بس کی بات تو نہیں ہے، اس سے غلطی ہوئی ہے تو دو چار تھپڑ لگا دو۔ کوئی اف کر جائے تو گولی مار دو، غیریت کا ثبوت کیوں دیتے ہو، ہیں۔"

نواب صاحب کی آواز بھرا گئی اور رشید صاحب کے چہرے پر تاسف پھیل گیا۔ نواب صاحب نے سر جھکا لیا تھا۔

" سویاں لیجئے بھائی صاحب۔" بیگم رشید نے کہا۔

" نہیں کھاؤں گا، چائے بھی نہیں پیوں گا، یہ کون ہے میرا، بس نہیں کھاؤں گا۔"

اور رشید صاحب ہنس پڑے۔

" دانت توڑ دوں گا۔ بخدا دانت توڑ دوں گا۔ بتاؤ۔ کیا میں نے تمہیں بھائی کے علاوہ کچھ سمجھا ہے۔ تمہاری موجودگی میں تو میں پورے گھر سے بے نیاز ہوں، ٹھاٹ سے آوارہ گردی کرتا ہوں۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو بولو، خودکشی کر لوں۔ ہیں؟"

" میں شرمندہ ہوں نواب صاحب۔" رشید صاحب نے کہا۔

" جاؤ گے؟"

" نہیں۔" رشید صاحب بولے۔

" تو پھر آؤ۔ سویاں کھاؤ۔ خدا کی پناہ۔ سویوں کا مزہ خراب کر دیا تھا۔" نواب صاحب نے میز کھسکاتے ہوئے کہا۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔

" میاں، آؤ ــ کیا سویاں نہیں کھاتے؟"

" ضرور کھاتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اتنے عمدہ آدمی کی لڑکی کی بات کا برا بھلا کیا مناؤں۔ میں نے دل میں سوچا اور پھر سویاں اور چائے شروع ہو گئی۔ بیگم رشید نے واپس جا کر سامان کھلوا دیا تھا۔ رات کو پھر بیگم صاحبہ آئیں، انہوں نے بھی مجھ سے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ کیا۔ لیکن کوثر نہیں آئی، وہ لوگ اسے لانے میں ناکام رہے تھے اور بے بس نظر آ رہے تھے۔

اتنی بڑی بات نہیں تھی، میں نے اپنی شخصیت کو جو رنگ دیئے تھے اس کے تحت اگر یہ رشید صاحب کے جذبات کا معاملہ نہ ہوتا تو خود میں اس پر کوئی احتجاج نہیں کرتا۔ میں نے تو اپنی فطرت پر اتنا موٹا غلاف چڑھایا تھا کہ میری اصل شکل خود میری نگاہوں سے چھپ گئی تھی۔

" بھئی کشادہ پیشانی والے سرفراز میاں، کیا تم نے ہم لوگوں کی معذرت قبول کر لی؟"

• میں — میرا خیال ہے کہ میرے شرمندہ ہونے کا کوٹہ پورا ہو چکا ہے۔ اب گنجائش نہیں ہے۔"

• معذرت تو ان رشید صاحب کو بھی تم سے کرنی چاہیے۔ جنہوں نے اپنے اختیارات کو نظر انداز کر کے تمہیں ڈرائیور کی ملازمت دی۔ جبکہ گھریلو انتظامی امور کے لیے ہمیں ایک نگران کی سخت ضرورت ہے۔"

• میں آپ کی اجازت کے بغیر اتنی بڑی ملازمت کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔"

• بکواس کرتے ہو، ہیں"؟ نواب صاحب نے بڑی دیر کے بعد "ہیں" استعمال کی۔" بہرحال تمہاری صلاحیتوں کے بارے میں ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ تم رشید صاحب کے چہیتے ہو، کچھ کمی ہوگی تو یہ سنبھال لیں گے۔ دراصل میں عموماً باہر رہتا ہوں۔ تمہارے جیسا انسان اگر رشید صاحب کی مدد کے لیے موجود ہو تو پھر مجھے کوئی فکر نہ ہوگی۔"

• جی۔" میں نے مختصراً کہا۔

• چنانچہ کل سے تم رشید صاحب کے ساتھ حویلی کے انتظامی امور سنبھالو گے۔"

• بہت بہتر۔"

• کام سمجھانے کے معاملے میں رشید صاحب سے بہتر استاد اور کون مل سکتا ہے اور تنخواہ — تو اگر اس سلسلے میں میں تمہیں اس کنجوس شخص کے سپرد کر دوں تو یہ تمہیں کیا دے گا۔ میرے خیال میں پندرہ سو ٹھیک ہیں۔ اور میری واپسی پر اس میں اضافہ ہو جائے گا۔"

• جی۔" میں نے پھر مختصراً کہا۔

• اور جس مولی وردی پر جھگڑا ہوا تھا، اسے آج ہی آگ لگا دو۔ ابھی، اسی وقت۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور پھر پرس سے نوٹوں کی ایک موٹی گڈی نکال کر رشید صاحب کو دیتے ہوئے بولیں:

• رشید بھائی۔ بچے کے لیے عمدہ سوٹوں کا کپڑا کل خرید کر درزی کو دے دو، فوری طور پر سل جائیں۔"

• بیگم صاحبہ اس کی — اس کی کیا ضرورت ہے۔"

• تم چپ رہو جی۔" نواب صاحب نے رشید صاحب کو ڈانٹ دیا۔ "زیادہ گڑبڑ کی تو تمہیں بھی ایک درجن شیروانیاں بنوانی پڑیں گی۔"

اور سب ہنسنے لگے۔

چنانچہ کوثر کے نکچڑے پن نے میری زندگی کی ایک ضرورت پوری کر دی۔ لیکن کیا یہ میری زندگی کا کوئی اہم موڑ ہے، شاید ان لوگوں نے یہی سوچا ہوگا۔ لیکن سادہ دل لوگ میرے دل کی گہرائیوں تک کہاں پہنچ سکتے تھے۔

دوسرے دن میں رشید صاحب کے ساتھ حویلی کے دفتر پہنچ گیا۔ کافی بڑی جائیداد تھی۔ بہت سے کارخانے تھے۔ خاصا کام تھا۔ رشید صاحب مجھے ابتدائی باتیں سمجھاتے رہے۔ خود وہ ایک سادہ سی میز کرسی پر بیٹھتے تھے لیکن میرے لیے ایک نئی آبنوسی میز خریدی تھی، اور جب میں اس میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا تو رشید صاحب کی خوشیوں کا کیا ٹھکانہ تھا۔

نہ جانے بی کوثر کو اس بارے میں معلوم ہوا تھا یا نہیں۔ بہرحال دو دن گذر گئے، ان سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ ویسے میں منتظر تھا کہ ایک بار وہ نظر تو آئیں، لیکن وہ نظر نہ آئیں۔ دلارے میاں کو بھی شاید اللہ تعالیٰ نے عقل دے دی تھی، وہ بھی نظر نہیں آئے تھے۔ بہرحال میں اپنا کام کرتا رہا اور مجھے اس کام میں لطف آنے لگا۔

شام کو اکثر نواب صاحب کے ساتھ نشست رہتی تھی۔ بہت زندہ دل انسان تھے۔ مہم جوئی کے شوقین تھے۔ سیر و شکار سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے اور اکثر ان کی زندگی مہمات میں گذری تھی۔ انہوں نے اپنی مہمات کے کئی قصے سنائے تھے، اور نہ جانے کیوں میں نے اپنے ذہن میں ایک ہی راہ کھلتی محسوس کی، میں نواب صاحب کے ان قصوں میں دلچسپی لیتا تھا۔

• آپ نے افریقہ کے اندرونی حصے دیکھے ہیں نواب صاحب"؟ میں جو براہ راست نواب صاحب سے بہت کم مخاطب ہوتا تھا، اچانک ہی پوچھ بیٹھا۔

• درجنوں بار میں اس کے مختلف حصوں میں جا چکا ہوں، لیکن یوں سمجھ لو ابھی کچھ نہیں دیکھا۔"

• افریقہ کے روایتی خزانوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

• سچ پوچھو میاں تو وہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے مالا مال ہے، اہل دنیا جن چیزوں کو بے حد قیمتی سمجھتے ہیں، اس کے بعض علاقوں میں وہ معمولی سنگریزوں کی طرح بکھری پڑی ہیں۔"

• کیا آپ نے ایسا کوئی علاقہ دیکھا؟"

• ہاں، میرے خزانے میں افریقہ کے الماس موجود ہیں۔ ایسے الماس جو شاید بڑے بڑے امراء نے دیکھے بھی نہ ہوں۔ تم اگر چاہو تو میں تمہیں دکھا سکتا ہوں، کیا تمہیں ہیروں سے دلچسپی ہے؟"

• ہیرے، میں نے دیکھے ہی نہیں جناب۔" میں نے جلدی سے کہا۔

نواب صاحب سے اس گفتگو کے بعد میرے ذہن میں افریقہ کے بھنور پڑنے لگے۔ نہ جانے کیوں ذہن میں یہ خیال آ گھسا کہ میں بھی اس پُراسرار براعظم میں جا کر قسمت آزماؤں۔ ممکن ہے میری قسمت بھی بدل جائے اور میں کچھ بن جاؤں۔ اور سچی بات یہ ہے اس تصور نے مجھے ایک عجیب قسم کا سکون بخشا تھا۔ شاید یہ وہ تھا جو میں سمجھ نہیں پایا تھا، شاید میرے اندر ہی سب کچھ تھا۔ میں کسی انداز میں کچھ بننا چاہتا تھا۔

ایک ہفتہ گذر گیا۔ اس دوران کوئی نئی بات نہ ہوئی۔ ایک ڈرائیور

رکھ لیا گیا تھا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کوثر ایک بار بھی میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ میرے نزدیک یہ اتفاق ہی تھا۔ کیونکہ کوثر جیسی خود سر اور مغرور لڑکی کے بارے میں یہ سوچنا تو حماقت کی بات ہے کہ وہ شرمندگی کی وجہ سے میرے سامنے نہیں آتی ہوگی۔

• دلارے میاں بھی نظر نہیں آئے تھے۔ نہ جانے کہاں مر گئے تھے۔ بہرحال میں خود بھی اسے چھیڑنا نہیں چاہتا تھا، خواہ مخواہ ہنگامہ برپا ہوتا۔ چنانچہ میں خاموشی سے کام کرتا رہا۔

ہاں میرے کام سے خود رشید صاحب بڑے خوش تھے اور اکثر مجھ سے کہتے تھے۔

• بھئی بڑے باصلاحیت آدمی ہو، تم تو مجھے بالکل کاہل کر دو گے۔"

پھر ایک شام نواب صاحب موجود تھے، رشید صاحب بھی تھے، نواب صاحب کہنے لگے۔

• مجھے تو محسوس ہو رہا ہے جیسے قید ہو گیا ہوں۔ لیکن بیگم صاحبہ سے وعدہ کیا ہے کہ پورے ایک ماہ قیام کرنا پڑے گا۔"

• کہیں گرد و نواح کی سیر کر ڈالیں۔"

• شکار کا پروگرام بنایا ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

• خوب — ہو آئیے۔"

• وہ رانا فاروق احمد نے دعوت دی ہے، شاہدرہ کے گرد و نواح میں پاڑا اور تیتر مل جاتے ہیں۔"

• شاید۔" رشید صاحب ان معاملات سے واقف نہیں تھے۔

لیکن میرے دل میں ایک ہوک اٹھی تھی۔ میری آنکھوں میں اپنی رائفل گھوم گئی اور پھر میرے دل میں ایک دھواں سا اٹھنے لگا۔

• بھئی سرفراز میاں۔" نواب صاحب نے آواز دی اور میں چونک پڑا۔

• جی نواب صاحب۔"

• تم تو ڈرائیونگ بھی کر لیتے ہو؟"

• جی۔"

• تو کیوں نہ ہم تمہیں دو تین روز کے لیے رشید صاحب سے ادھار مانگ لیں۔"

• ضرور — ضرور۔" رشید صاحب بولے۔

• جیپ سے شاہدرہ چلیں گے، سیر و شکار رہے گا۔ میاں دنیا کی اور دلچسپیوں سے بھی لطف اندوز ہونا چاہیے۔"

• میں تیار ہوں نواب صاحب۔"

• بہت خوب۔ لطف رہے گا۔ سچی بات ہے صرف یہی ایک رنج تھا، میں تنہا کہیں نہیں جا سکتا۔"

• میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

• ایں — تو پھر تیاریاں کرو، کل ہی چل رہے ہیں۔"

• بہت بہتر۔" میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اور پھر ضروری امور طے ہو گئے۔ یہ رات عجیب کشمکش میں گذری تھی۔ دل میں بہت سے خیالات آ رہے تھے، اپنا وطن یاد آ رہا تھا، گھر کے لوگ یاد آ رہے تھے اور ان تمام خیالات کے دوران دل میں خوشی کا بھی ایک احساس تھا، ممکن ہے نواب صاحب کے ساتھ شکار کا موقع بھی مل جائے۔

شکار اور مہم جوئی میری زندگی تھی۔

نہ جانے رات کے کون سے پہر میں سویا اور صبح بہت جلد آنکھ کھل گئی۔ شیو کیا اور جب رشید صاحب جاگے تو میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو گیا تھا۔

• ارے خیریت، آج اتنی صبح؟"

• ہاں۔ بس آنکھ کھل گئی۔"

• خوب۔ شاید سیر و تفریح کی خوشی ہے۔"

• شاید۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور رشید صاحب غور سے مجھے دیکھنے لگے، پھر انہوں نے ایک گہری سانس لی اور میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

• کیوں؟" میں نے پوچھا۔

• کچھ نہیں میاں، ذرا کہکشاں کو آواز دو، چائے پئیں گے۔" رشید صاحب گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

• جاگ گئی ہوں گی؟ ابھی صبح ہے۔"

• نماز باقاعدگی سے پڑھتی ہے، پڑھ چکی ہوگی۔"

• بہتر۔" میں نے کہا اور بے تکلفی سے اندر چلا گیا۔ اب میری حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی تھی اور کسی بھی جگہ آنے جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں تھی، میں اندر والے کمرے کی طرف چل پڑا۔

اور پھر دروازے میں قدم رکھ کر میں ٹھٹھک گیا۔ ایک پیکر نور میرے سامنے تھا۔ سادہ سے سفید لباس میں ملبوس، سفید دوپٹہ، جس سے پیشانی تک ڈھکی ہوئی تھی۔ دھلی دھلی پُرنور آنکھیں جن میں خدائے بزرگ و برتر کی عقیدت جھانک رہی تھی۔ سفید سفید ہاتھ دعا کے لیے پھیلے ہوئے تھے، نہ جانے وہ خدا سے کیا مانگ رہی تھی۔

میرے قدموں کی آہٹ پر اس کی آنکھیں میری طرف اٹھ گئیں اور میں نے ان آنکھوں میں عجیب سی روشنی دیکھی۔ جیسے دو ننھے ننھے چراغ اچانک روشن ہو گئے ہوں۔

اور اس پُرسحر منظر کا میرے اوپر بہت اثر ہوا۔ میں مبہوت سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ آج کی کہکشاں ہمیشہ سے مختلف تھی۔ آج کی کہکشاں

وہ نہ تھی جسے میں دیکھتا آیا تھا اور —— وہ بھی کسی سحر میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ دعا کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔

نہ جانے کتنی دیر گذر گئی، نہ جانے کتنا وقت گذر گیا — اور پھر رشید صاحب کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ ہم دونوں ہی اچھل پڑے تھے۔

حاضر ہوا۔" میں نے کہا اور کہکشاں نے جلدی سے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لئے۔ پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مجھے سلام کیا۔

• وعلیکم السلام۔ بڑی لمبی دعا مانگی جا رہی تھی۔" میں نے سنبھل کر مسکراتے ہوئے کہا۔

اور کہکشاں شرما گئی۔

• اس دعا میں ہم بھی شامل تھے یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

کہکشاں کی نگاہیں جھک گئیں۔

• حاضر ہوئے تھے چائے کے لئے؟"

• ابھی — ابھی لائی۔" کہکشاں کی شرمائی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر وہ جلدی سے باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔ نہ جانے وہ اپنا کونسا راز چھپانا چاہتی تھی۔

میں بھی ذہن پر ایک عجیب سا بار لئے ہوئے واپس چل پڑا۔ رشید صاحب حقہ تازہ کر رہے تھے۔

• کہہ دیا چائے کے لئے؟"

• جی ہاں ——"

• نماز پڑھ رہی ہوگی بی کہکشاں؟"

• جی ہاں۔" میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا، اور رشید صاحب میرے نزدیک بیٹھ کر حقہ گڑگڑانے لگے۔ کئی منٹ خاموشی سے گذر گئے، پھر رشید صاحب کی آواز ابھری:

• نواب صاحب بھی تمہیں بے حد پسند کرنے لگے ہیں۔"

• بیحد سادہ اور نیک انسان ہیں۔"

• میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔ ہم نے ایک ہی اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ میرے والد صاحب بھی فیروز الدین کے والد مرحوم کے ملازم تھے۔ بڑے اعلیٰ لوگ ہیں، کیا مجال جو مجھے ملازم سمجھا ہو۔"

• میں سمجھ چکا ہوں۔"

• لیکن میں نہیں سمجھ سکا۔" رشید صاحب ایک طویل سانس لیکر بولے۔

• جی ——؟" میں نے اس عجیب جملے پر چونک کر انہیں دیکھا۔

• ہاں بھئی، میں نہیں سمجھ سکا۔"

• کیا؟"

• جب میں نہیں سمجھ سکا تو تمہیں کیا بتاؤں؟" رشید صاحب بولے اور ان کی بات پر مجھے ہنسی آگئی۔

• ہنسنے کی بات نہیں سرفراز میاں۔ یہ حقیقت ہے جب تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تو بُری طرح الجھ جاتا ہوں۔"

• میرے بارے میں؟" میں چونک پڑا۔

• ہاں۔ تمہارے میں۔"

• میرے بارے میں کیوں سوچتے ہیں رشید صاحب؟" میری آواز میں اداسی آگئی، نہ جانے کیوں۔

• احمق ہوں، دیوانہ ہوں، لیکن میں ہی کیا، ہر شخص احمق ہوتا ہے، پاگل ہوتا ہے، کیسی عجیب بات ہے، جو دل سے اس قدر قریب ہے اس کی حقیقت نہیں معلوم۔"

• میں ایک بے حقیقت انسان ہوں رشید صاحب، ایک معمولی سی حیثیت کا انسان، جس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے، اگر آپ جیسی ہستی کا سہارا نہ ملتا تو بے کسی اور تنہائی کا احساس قبر تک ساتھ جاتا۔"

• اللہ نہ کرے میاں، اب تو تم تنہا نہیں ہو، اب تو تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے، سب ہیں میاں۔ ہم سب ہیں تمہارے۔"

• کاش میں آپ کے اس خلوص کا کوئی صلہ دے سکتا۔"

• خلوص بے قیمت چیز ہے، اس کا کوئی صلہ نہیں ہوتا۔ تمہاری اپنائیت تمہاری محبت کافی ہے۔" رشید صاحب نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں کسی قیمت پر رشید صاحب کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ نہ جانے کتنے مسئلے کھڑے ہو جاتے۔ نہیں نہیں، انہیں کچھ بتانا درست نہیں ہے۔

کہکشاں چائے لے آئی اور ماحول بدل گیا، میں نے کہکشاں کی طرف دیکھا۔ آج نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ فضول ہے، بکواس ہے، لعنت ہے مجھ پر۔ میری سوچ کے دھارے نہیں بدلنے چاہئیں، میں اسے بہن کہہ چکا ہوں اور میں نگاہیں جھکائے چائے پیتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب کا ملازم آگیا۔

• کیا بات ہے شادو؟" رشید صاحب بولے۔

• حضور، نواب صاحب نے بھیجا تھا کہ اگر سرفراز صاحب نہ جاگے ہوں تو انہیں جگا دیا جائے، صبح ہی صبح نکل جائیں گے، ورنہ پھر دھوپ میں سفر کرنا پڑے گا۔"

• نواب صاحب تیار ہیں؟" میں نے پوچھا۔

• جی ہاں۔ برآمدے میں بندوق لئے ٹہل رہے ہیں۔"

• اوہ —— تو پھر میں چلتا ہوں رشید صاحب۔"

• ایں، ہاں۔ دراصل غلطی ہوئی، رات کو ہی معلوم کر لینا چاہیے تھا کس وقت روانگی کا ارادہ ہے، کہکشاں سے کہہ دیا جاتا کہ ناشتہ تیار ہو جاتا۔ کیا نواب صاحب نے ناشتہ کر لیا ہے شادو؟

• جی، کہہ رہے تھے کہ رانا فاروق صاحب کے ہاں ناشتہ کریں گے۔"

• اچھا۔ ہاں پھر ٹھیک ہے، شاہدرہ ہے ہی کتنی دور۔" رشید صاحب مطمئن ہو کر بولے، اور پھر وہ بھی میرے ساتھ ہی کوٹھی کے بڑے حصے کی طرف آئے۔ نواب صاحب درحقیقت تیار تھے۔ ایک خوبصورت غیر ملکی رائفل لئے وہ بے حد وجیہہ نظر آ رہے تھے۔

• بہت خوب۔ بہت خوب، گویا آپ بھی تیار ہیں۔ دراصل میں رات کو کہنا بھول گیا تھا کہ صبح ہی صبح نکل چلیں گے تو بہتر رہے گا۔" نواب صاحب ہمیں دیکھتے ہی بولے۔

• میں صبح ہی اٹھ گیا تھا نواب صاحب۔"

• تیار ہو؟"

• جی ہاں۔"

• تب پھر چلو، جائیں رشید صاحب؟"

• خدا حافظ نواب صاحب۔"

• شادو ——!" نواب صاحب نے ملازم کو آواز دی۔

• جی حضور ——!"

• جیپ تیار ہے؟"

• بالکل تیار ہے حضور۔"

• آؤ سرفراز میاں، اچھا بھئی خدا حافظ، دو تین روز میں لوٹ آئیں گے۔" نواب صاحب نے رشید صاحب سے کہا، اور رشید صاحب نے ہم لوگوں کو خدا حافظ کہا۔

ایک قیمتی جیپ تیار کھڑی تھی۔ اس میں بھی دو رائفلیں اور کافی تعداد میں کارتوس رکھے ہوئے تھے، کچھ دوسرا سامان بھی تھا۔ نواب صاحب ایک سادہ سے کرتے پائجامے میں تھے، لیکن ان کی وجاہت لباس کی محتاج نہیں تھی، وہ میرے برابر ہی بیٹھ گئے اور میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا، یوں ہم کوٹھی سے نکل آئے، اور جیپ برق رفتاری سے دوڑنے لگی۔

• تمہاری ڈرائیونگ تو بہت عمدہ ہے۔" دہلی کے آخری کنارے سے نکلنے کے بعد نواب صاحب بولے۔

• نوازش۔"

• ویسے سرفراز میاں، تمہارے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں۔" نواب صاحب بولے۔ "کیا درحقیقت رشید سے تمہارا کوئی دور کا رشتہ نہیں ہے؟"

• دُور کا رشتہ نہیں ہے نواب صاحب۔" میں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

• کیا مطلب؟"

• بہت نزدیک کا رشتہ ہے، میرے لئے وہ بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

• بے حد نیک انسان ہے، فرشتہ صفت، میرے بچپن کا دوست ہے، لیکن بے حد خوددار اور حساس۔ پورا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے، لیکن کیا مجال جو اس نے اپنی محدود و مخصوص تنخواہ کے علاوہ کچھ لیا ہو، سچ پوچھو میاں تو میرے لئے بھائی کی حیثیت رکھتا ہے، ناز کرتا ہوں اس کی محبت پر۔"

• ایسے ہی آدمی ہیں وہ۔"

• نہ صرف وہ، بلکہ اس کے گھر کے افراد بھی۔ صالح والدین کی اولاد بھی صالح ہوتی ہے، ویسے تم میرے بارے میں شکوک مت پالنا۔ کوثر بھی بُری لڑکی نہیں ہے، اس کے بگڑنے کی وجہ میں بتا چکا ہوں۔"

• رشید صاحب کی بے پناہ محبت نے کوثر صاحبہ کی باتوں کا احساس کیا تھا ورنہ میں نے ان کی باتوں کا بُرا نہیں منایا تھا۔"

• کبھی مت منانا بیٹے، میرے اوپر احسان ہوگا۔" نواب صاحب نے کہا۔

• شرمندہ نہ کریں نواب صاحب۔"

• لیکن میاں بڑے چالاک ہو۔"

• جی ——؟" میں حیرت سے بولا۔

• ہاں —— اپنے بارے میں گفتگو پھر گول کر گئے۔"

• میں عرض کر چکا ہوں، معمولی حیثیت کا انسان ہوں۔ تعلیم حاصل کر لی تھی، ملازمت کی تلاش میں آیا تھا کہ راستے میں رشید صاحب مل گئے، یوں سمجھیں کہ قسمت یاور تھی ورنہ نہ جانے کہاں کہاں دھکے کھانے پڑتے۔"

• والدین ہیں؟"

اور یہ سوال بڑا عجیب تھا۔ میرے والدین موجود تھے، جیسے بھی تھے، ان کی زندگی مجھے عزیز تھی۔

• جی ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

• کہاں ہیں؟"

• ایک چھوٹے سے دیہات میں۔"

• میاں اس دیہات کا کچھ نام بھی ہوگا؟"

• جی ہاں۔ حیات پور۔" میں نے ایک فرضی نام لے لیا۔

• حیات پور —— سنا نہیں کبھی، شاید بہت ہی غیر معروف ہے۔"

• جی ہاں۔"

• بہن بھائی بھی ہوں گے؟"

بڑا غلط موضوع چھڑ گیا تھا۔ لیکن میں نواب صاحب کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ جھوٹ بولتے رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

• جی ہاں، ہیں۔"

"والد کیا کرتے ہیں؟"

"تھوڑی سی زمین ہے، وہی کاشت کرتے ہیں۔"

"خوب۔ انہیں کچھ بھیجتے ہو؟"

"دوسرے بھائی کھاتے پیتے ہیں، والدین مطمئن ہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اپنا فرض بھی پورا کیا کرو بیٹے، والدین کے بہت حقوق ہوتے ہیں۔" نواب صاحب نے کہا اور میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا، میں نے والدین کے حقوق سے کب انکار کیا تھا لیکن خود والدین نے میرے حقوق تسلیم نہیں کیے تھے۔



جیپ خاموشی سے سفر کر رہی تھی۔ نواب صاحب کے سوالات نے مجھے میرا گھر یاد دلا دیا تھا۔ میرے ذہن پر ایک عجیب سی اداسی مسلط ہو گئی تھی۔ نواب صاحب بھی خاموش ہو کر کسی سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

یہ خاموشی کافی دیر تک طاری رہی۔ پھر نواب صاحب ہی بولے: "سرفراز میاں۔؟" اور میں چونک پڑا۔

"جی نواب صاحب۔"

"میرا خیال ہے گھر یاد آ گیا۔ میاں جب دل چاہے چھٹی لے کر گھر ہو آنا۔ فکر کی کیا بات ہے۔ اور پھر یوں بھی گھر کی چہار دیواری مردوں کے لئے نہیں ہے۔ مرد گھر سے باہر ہی اچھا لگتا ہے۔"

"جی ہاں۔" میں نے افسردہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"ہمیں دیکھو۔ گھر بار ہوتے ہوئے بھی در بدر ہیں۔ کبھی افریقہ میں، کبھی امریکہ میں، کبھی جاپان کے جنگلات میں بھٹک رہے ہیں تو کبھی ملایا میں۔! اور سچ جانو تو میاں زندگی ہی یہی ہے۔ تم نے افریقہ سے دلچسپی ظاہر کی تھی۔"

"جی ہاں؟"

"کیا تمہیں سفر سے دلچسپی ہے؟"

"بے حد۔"

"تب پھر۔ اگر دل چاہے تو ہمارے ساتھ چلو۔ اس بار افریقہ ہی جانے کا پروگرام ہے۔ لیکن رشید میاں تمہیں اجازت نہیں دیں گے۔"

"میں ان سے اجازت حاصل کر لوں گا۔"

"اور تمہارے گھر والے۔"

اس سوال پر میں خاموش ہو گیا۔ نواب صاحب کی ذہنی رو بھی کسی اور طرف چلی گئی تھی۔ اس کے بعد اس بارے میں اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور نواب صاحب بالکل خاموش ہو گئے۔ ویسے میں سنجیدگی سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرا پروگرام بہت طویل تھا۔ مجھے بیرون ملک جانے میں بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔ لیکن اگر نواب صاحب چلتے تو میں بہ آسانی یہاں سے نکل سکتا تھا۔ گھر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میرے گھر والوں نے کون سا مجھے یاد کیا تھا، کسی کے ذہن میں گمان بھی نہیں ہو گا۔ کسی کے دل میں خیال بھی نہیں ہو گا۔ میں تو ایک بیکار بے مصرف سا انسان تھا۔ پھر میری یہاں کیا ضرورت ہے۔ اگر نواب صاحب مجھے اپنے ساتھ لے چلنے پر آمادہ ہو جائیں۔

جیپ سفر کرتی رہی۔ اور پھر ہم شاہدرہ میں داخل ہو گئے۔ رانا فاروق احمد کی کوٹھی شاہدرہ میں اپنی مثال آپ تھی عظیم الشان وسیع و عریض۔! جیپ کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ خود رانا فاروق نے ہمارا استقبال کیا تھا۔

یہ بھی ایک تنومند انسان تھے۔ سرخ و سفید اور وجیہہ، بڑی گرمجوشی سے ہاتھ پھیلا کر وہ ہماری طرف لپکے۔

"اخاہ۔ فیروز۔ میرے دوست، طویل عرصہ کے بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"دیکھو۔ دیکھو۔ خوب جی بھر کر دیکھو کہ ہم دیکھنے کی چیز ہیں۔"

"بالکل نہیں بدلے۔ بالکل نہیں بدلے۔ یار تجھے دیکھ کر تو کبھی ہمارا دل بھی چاہتا ہے کہ ہم بھی تیری طرح آوارہ گردی کرنے نکل کھڑے ہوں، زندگی کا جمود تو ٹوٹے گا۔"

"آہستہ بولو فاروق میاں، بھابی نہ سن لیں۔ کوٹھی کی چھت پہ لے جا کر دھوپ میں ڈیڑھ گھنٹے تک مرغا بنائیں گی۔ نا بھائی۔ یہ تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ فضول باتوں سے پرہیز کیا کر۔!"

"کیا بکواس ہے یار۔" رانا صاحب جھینپتے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھ کر بولے۔ اور پھر چونک کر میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے: "اماں۔ یہ کون ہیں، ان سے تو تعارف کراؤ۔"

"سرفراز احمد۔ شکل سے اندازہ نہیں ہوتا۔ اپنا ہی بچہ ہے۔"

"اوہ۔ مجھے رانا فاروق احمد کہتے ہیں سرفراز میاں! آیئے آپ لوگ اندر آیئے۔" اور رانا صاحب ہمیں لے کر اندر چل پڑے۔ اور پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے انہوں نے ہانک لگائی۔

"ارے رخسانہ، جبیں۔ دیکھو، تمہارے فیروز چچا آئے ہیں، رخسانہ۔!" اور چند ساعت کے اندر تقریباً نصف درجن لڑکے اور لڑکیاں ہمارے گرد جمع تھے۔ وہ سب نواب فیروز الدین سے ان کے سفر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ بڑے ہنس مکھ لوگ تھے۔ خوب قہقہے اڑ رہے تھے۔ اور نواب فیروز الدین تو بچوں میں بچے بن جانے والے تھے ہی۔!

"فیروز انکل۔ آپ نے ان سے تعارف نہیں کرایا۔" ایک نوجوان نے کہا۔

"تمہاری نالائقی ہے۔ تم نے درخواست ہی نہیں کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ہم درخواست کرتے ہیں چچا فیروز۔"

"یہ سرفراز ہیں، میرے عزیز، بے حد صالح نوجوان ہے۔"

"یہ تو ان کے نام سے ہی ظاہر ہے۔" ایک شریر سی لڑکی نے کہا اور دوسری لڑکیاں ہنس پڑیں۔ میں نے بھی مسکراتی نگاہوں سے ان سب کو دیکھا کئی ایک کی آنکھوں میں تمکنت کے آثار تھے۔ وہ غرور حسن میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ احمق لڑکیاں۔ نہ جانے کیوں خود کو پرستش کا حقدار سمجھتی ہیں۔ نہ جانے کیوں سوچتی ہیں کہ ہر نوجوان انہیں چاہنے کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔

قہقہے اڑتے رہے۔ سب ہی ان میں شریک تھے۔ پھر دروازے سے ایک باوقار خاتون اندر داخل ہوئیں، پیشانی پر شکنیں ان کی سخت مزاجی کا اظہار کرتی تھیں۔

اور قہقہے اس طرح رک گئے جیسے یہاں کوئی تعزیتی اجتماع ہو، یہاں تک کہ خود رانا صاحب بھی سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"آداب بھابی حضور۔" نواب فیروز الدین اٹھتے ہوئے بولے۔

"آداب فیروز بھیا، کیسے ہیں؟" خاتون کا لہجہ نرم تھا۔

"بس آپ کی دعائیں ہیں بھابی۔ اور ہمیشہ شامل حال رہتی ہیں ورنہ۔ خیر کہاں۔"

"بھائی ٹھیک ہیں۔"

"آپ کی دعا سے۔"

"کوثر کیسی ہے؟"

"ویسی ہی ہے جیسی تھی۔" فیروز الدین نے جواب دیا۔

"اب تو کہیں نہیں جاؤ گے فیروز بھیا۔ میرا خیال ہے اب تمہیں آوارہ گردی ترک کر دینی چاہیئے۔"

"بس بھابی، یہی سوچ کر وطن واپس آ گیا ہوں کہ اب باقی وقت اللہ اللہ کر کے گزار دوں۔!" فیروز صاحب مسمی سی شکل بنائے ہوئے بولے۔

"ناممکن ہے۔" رانا صاحب بول پڑے۔

"کیا مطلب۔" خاتون نے ان کی طرف دیکھا۔

"مم۔ میرا مطلب ہے یہ۔ اور رک جائیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بیگم۔ اسکے پیروں میں ...

"سب تمہاری طرح نہیں ہیں کبھی سنجیدگی قریب سے نہیں گزرتی۔ بچوں میں بیٹھے ٹھٹھے کرتے رہتے ہو۔!" بیگم فاروق احمد ناک بھوں چڑھاتی ہوئی بولیں۔

"درست۔ درست فرمایا آپ نے۔!" فاروق صاحب جلدی سے بولے۔

"کیا درست فرمایا۔" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"ایں۔ ہاں۔ کیا درست فرمایا۔" جواب دو بھئی۔" فاروق مرحوم صاحب کو کہنی مار کر بولے۔ اور فیروز صاحب ہنسنے لگے۔

"آپ خیریت سے ہیں بھابی حضور۔؟" فیروز صاحب نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"بس میاں خدا کا شکر ہے۔ اختر بہن نے بھی بہت عرصے سے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اور کوثر بیٹی کو بھی دیکھے ہوئے بہت دن گزر گئے۔"

"میں تو یہاں رہتا ہی نہیں ہوں بھابی حضور کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں، کہ اب آوارہ گردی ترک کر دو۔!" بیگم مرتبہ نے کہا۔

"ارے جبیں بیٹے۔ ناشتہ۔ ناشتے کا کیا پروگرام ہے۔"

"تیار ہے ابو۔!" ایک خوبصورت لڑکی نے کہا۔

"تو لگواؤ۔ شکار کو دیر ہو رہی ہے۔" رانا فاروق نے کہا۔ اور بیگم صاحبہ چونک پڑیں۔

"شکار۔"

"اوہ۔ ہاں بیگم۔ دراصل مجھے تو ان بے زبان جانوروں کی ت سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ بس یہ اپنے فیروز میاں ہیں۔ اللہ ہ عقل دے۔ دیکھ لو باہر جا کر۔ بندوقوں سے لیس ہو کر آئے ہیں۔ یہ ہو گی دھائیں دھوں۔ اب اتنے عرصہ کے بعد آئے ہیں منع دل۔ خیر اللہ مالک ہے۔" فاروق احمد نے عجیب سی شکل بنا کر کہا۔

"آپ بھی جا رہے ہوں گے۔"

"لے لو، یہ پردیسی آدمی۔ میں نہ جاؤں گا تو برا نہ مانیں گے یہ۔ حرج ہے۔ بھائی شکار کئے ہوئے تیتر آپ کو بے حد مرغوب ہیں۔ یں لے آئیں گے۔"

بیگم صاحبہ خاموش ہو گئیں۔ میں اندازہ لگا چکا تھا کہ فاروق ب بیگم صاحبہ سے خوفزدہ ہیں۔ بیگم صاحبہ انہیں شکار کی اجازت نہ دیتیں۔ لیکن فیروز الدین صاحب کی وجہ سے خاموش ہو گئی تھیں۔! بہر حال میری طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتے کے کمرے میں چلے گئے۔

یہاں بیگم صاحبہ نے میرے بارے میں پوچھا۔

"یہ کون بچہ ہے فیروز میاں — میں نے پہلے نہیں دیکھا۔"

"سرفراز ہے اپنا، میرے ایک قریبی عزیز کا بچہ ہے مائب میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔"

"وہ سہارن پور والے مستجاب میاں کا لڑکا تو نہیں۔"

"نہیں۔ ان کی اولاد تو سخت نالائق ہے، کہاں وہ کہاں یہ۔"

"ماشاء اللہ چہرے ہی سے شہزادہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ عمر دراز کرے۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور ناشتے میں مشغول ہو گئیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ بیگم صاحبہ اندر چلی گئی تھیں۔

"میاں جلدی سے روانگی کی تیاریاں کرو۔ وہ ہماری سالی صاحبہ نازل ہونے والی ہیں۔ اگر آ گئیں تو گھپلا ہو جائے گا۔" فاروق صاحب رازدارانہ انداز میں بولے۔

"میں کیا تیاریاں کروں، میں تو تیار ہوں۔"

"میں نے بھی نورالدین سے تمام تیاریاں مکمل کرا لی ہیں۔ ان لڑکے لڑکیوں نے بھی میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔ انہیں بھی ساتھ لے جانا پڑے گا۔"

"ضرور لے چلو۔ لیکن شکار میں یہ کہاں ہماری ناری بھریں گی۔" فیروزالدین نے کہا۔

"ان لوگوں کا مقصد پکنک ہے۔ کسی ایک جگہ ڈیرہ ڈال دیں گے۔ انہیں وہاں چھوڑیں گے۔ اور ہم شکار کو نکل کھڑے ہوں گے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو پھر چلیں۔"

"بسم اللہ —! نواب فیروزالدین صاحب نے کہا۔

"بس تو چند منٹ کی اجازت چاہتا ہوں —!" رانا فاروق نے کہا۔ اور نواب صاحب نے گردن ہلا دی۔ رانا صاحب باہر نکل آئے، تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ملازم ہمارے پاس آیا۔

"رانا صاحب۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ — کہاں ہیں —!"

"حضور وہ باہر نکل گئے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"اوہ اچھا اچھا۔ نواب فیروزالدین ہنسنے لگے۔ پھر وہ میرے ساتھ باہر نکل آئے۔ "بیوی سے بہت ڈرتا ہے۔" انہوں نے راستے میں کہا۔

"جی — !" میں نے جواب دیا — باہر نکل کر ہم جیپ میں بیٹھ گئے، ملازم ہمارے ساتھ تھا۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اور ہم کوٹھی سے نکل آئے۔

کوٹھی سے کافی دور دو جیپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک جیپ میں رانا فاروق صاحب چند ملازموں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور دوسری جیپ میں ان کی نصف درجن اولاد براجمان تھی۔

"دراصل — بیگم ان ہنگاموں سے بہت ہولتی ہیں سرفراز میاں۔ اکثر حادثات کی خبریں پڑھتی رہتی ہیں۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خاموشی سے نکل آیا جائے۔" فاروق صاحب جھینپتے ہوئے انداز میں بولے۔

"درست ہے۔ درست ہے۔ فیروزالدین گردن ہلاتے ہوئے بولے۔ "تم چپ رہو جی — میں صاحبزادے سے گفتگو کر رہا ہوں۔ رانا صاحب نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ اور پھر وہ اپنی جیپ سے اتر کر ہماری جیپ میں آ گئے۔

"چلو میاں۔ آگے بڑھاؤ —! اور پھر انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اور تینوں جیپیں آگے بڑھ گئیں۔ "شادی ہو گئی سرفراز میاں کی۔" انہوں نے پوچھا۔

"یہ اس نعمت سے ہنوز محروم ہیں۔" فیروز صاحب بولے۔

"نعمت — میاں صاحبزادے۔ الٹے سیدھے لوگوں کی باتوں میں مت آنا۔ بیوی کسی طور نعمت نہیں ہو سکتی۔ جب تک خدا اس سے محفوظ رکھے درست ہے۔

میں ہنستا رہا۔ راستے بھر فیروزالدین اور رانا صاحب میں نوک جھونک ہوتی رہی۔ اور پھر ہم شاہدرہ کے خوبصورت نواح میں پہنچ گئے۔ یہاں بڑے دلکش جنگلات تھے۔ چاروں طرف سبزہ زار۔ ایک جھیل کے کنارے جیپیں روک لی گئیں۔ اور ملازم جلدی جلدی خیمے نصب کرنے لگے۔ رانا صاحب نے اپنی نگرانی میں خیمے نصب کرائے۔ پھر اپنی بندوق لی۔ اور دو ملازموں کو جیپ میں بٹھا کر لڑکے اور لڑکیوں سے بولے

"تو بھئی تم مناؤ پکنک، ہم چلے شکار کو —!"

"ابو جان۔ ہم نہیں جائیں گے؟" رخسانہ نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آپ آئی ہیں پکنک منانے، شکار کھیلنے نہیں، کوئی حرکت نہ ہونے پائے —!" انہوں نے کہا۔ ایک ملازم نے جیپ کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ اور ہم جنگلوں میں گھس گئے۔ بلاشبہ شکار سے بھرا ہوا جنگل تھا۔ ہرنوں کی ڈاریں نظر آ رہی تھیں۔ رانا صاحب اور نواب صاحب بندوق سنبھالے بیٹھے تھے۔ نواب فیروزالدین کے پاس دو بندوقیں تھیں جن میں ایک چھرول والی تھی۔ دوسری میں سو تین کے کارتوسوں کی تھی۔ میرے ہاتھ میں کھجلی ہو رہی تھی۔ لیکن میں دل مسوسے ہوئے بیٹھا تھا۔ ! ظاہر ہے میری حیثیت ایک ملازم کی تھی۔ لاکھ مجھے اہمیت دی جا رہی تھی لیکن مجھے اپنی اوقات کا احساس رکھنا تھا۔ چنانچہ میں خاموش ہی تھا۔

پھر ایک پاڑہ پڑا۔ اور نواب صاحب اور رانا صاحب نے بندوقیں سنبھال لیں۔ دونوں نے بیک وقت فائر کئے۔ بظاہر نشانہ خالی جانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن پاڑہ اچھل کر بھاگ گیا۔

"ارے —!" نواب صاحب کے منہ سے نکلا۔

"حیرت ہے۔" رانا صاحب بولے۔

"اماں حیرت کی کیا بات ہے۔ تمہارا نشانہ ہی غلط ہے۔"

"گولی تو تم نے بھی چلائی تھی۔ رانا صاحب کھلکھلا کر بولے۔

"یقیناً میری گولی تمہاری گولی سے ٹکرا گئی ہو گی۔ ! فیروزالدین نے کہا۔ اور رانا صاحب ہنس پڑے۔ فیروزالدین بھی ہنسنے لگے تھے۔

"چلو اب آگے بڑھو —! رانا صاحب نے کہا۔

"لیکن ایک بات طے کر لی جائے۔"

"کیا۔ ؟"

"دونوں گولیاں بیک وقت نہیں چلیں گی۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ ایک بار میں شکار کروں گا اور دوسری بار تم —!"

"بالکل بالکل۔ حقیقت سامنے آ جائے گی۔ اور پھر ایک ہرن پر فیروزالدین نے گولی چلائی — اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ ان حضرات کا نشانہ بس یوں ہی ہے۔ کسی غول پر گولی چلا کر کامیاب ہو سکتے ہیں اکیلے جانور کو شکار کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

رانا صاحب خوب خوب اچھلے تھے۔ اور فیروزالدین جھینپے جھینپے نظر آ رہے تھے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ان کی قلعی بھی کھل گئی۔ اس بار انہوں نے پاڑے کے ایک جوڑے پر فائر کیا۔ لیکن نتیجہ صفر رہا۔

"واہ — واہ — دونوں شکار ہو گئے —!" فیروزالدین تالیاں بجاتے ہوئے بولے۔

"اماں آج کچھ ہے ہی گڑبڑ۔ ورنہ اکثر شکار کھیلنے آتا ہوں۔ لو سنو۔ دیکھو تیتر ہے۔ یقیناً میاں ان جھاڑیوں میں تیتروں کی پاڑ ہے۔"

چھرے والی بندوقیں اٹھائی گئیں۔ اور سب نیچے اتر آئے۔ اور پھر ہم دبے پاؤں تیتروں کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن تیتر کا شکار سب سے مشکل ہے۔ اس پرندے کو مارنے کے لئے ایک خاص تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔ میں جانتا تھا کہ اس کا شکار ان جیسے اناڑی لوگوں کے لئے مشکل ہے۔

وہی ہوا، رانا صاحب نے گولی چلائی۔ اور تیتر اطمینان سے اڑ کر تھوڑی دور جا بیٹھا۔

"بیکار ہے میاں، جاؤ پہلے نشانہ بازی کی مشق کرو، اس کے بعد شکار کی کوشش کرنا۔"

"تو آپ ہی تیر مار لیں۔ رانا صاحب جھلائے ہوئے انداز میں بولے۔ اور فیروزالدین صاحب اکڑ گئے۔

"بہتر ہے۔ ہم ہی تیر بلکہ تیتر مارتے ہیں۔ ! فیروزالدین صاحب تیتر کی گھات میں آگے بڑھے اور ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں آگے بڑھ کر فیروزالدین کے قریب جا بیٹھا فیروزالدین صاحب تیتر کا نشانہ لے رہے تھے۔ لیکن میں نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیوں۔ ؟" فیروزالدین صاحب حیرت سے بولے۔ !

"تیتر پر براہ راست نشانہ بازی بیکار ہوتی ہے۔"

"کیوں —" فیروزالدین صاحب نے تعجب سے پوچھا۔

"اس پرندے کے جسم میں بڑی پھرتی ہوتی ہے۔ دھماکہ سنتے ہی یہ اپنی جگہ چھوڑ کر اوپر اٹھتا ہے۔ چنانچہ نشانہ بیکار جاتا ہے آپ زمین سے تقریباً پانچ چھ فٹ بلندی پر نشانہ لگائیں۔ تیتر شکار ہو جائے گا۔ !"

"اچھا —! فیروزالدین صاحب نے بیساختہ گردن ہلائی، اور پھر انہوں نے میری ہدایت پر عمل کر کے فائر کیا۔ اور دوسرے لمحے چار پانچ تیتر ڈھیر ہو گئے۔

خود فیروزالدین صاحب کو بھی گمان نہیں تھا کہ تیتر تو تیتر ہیں کے پر بھی جھڑ سکیں گے۔ لیکن جو کچھ ہوا تھا سامنے تھا۔ رانا صاحب تعجب سے فیروزالدین کو دیکھ رہے تھے۔ اور فیروزالدین کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ تیتر قبضے میں کر لئے گئے۔ فیروزالدین صاحب کا سینہ فخر سے پھول گیا تھا۔

"آئیے۔ قبلہ رانا صاحب۔ آپ بھی کوشش فرمائیے۔"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ ہی شکاری ہیں۔ رانا فاروق صاحب تھوک نگلتے ہوئے بولے۔ اور پھر وہ تیتر کے پاڑ کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگے۔ یہاں تیتر بکثرت تھے۔ بہت جلد ایک دوسری پاڑ نظر آئی۔ اور رانا صاحب نے بھی فیروز صاحب کی طرح نشست سنبھال لی۔

لیکن وہ براہ راست تیتر کا نشانہ لے رہے تھے۔ اور نتیجہ وہی ہوا۔ ایک بھی تیتر زخمی تک نہیں ہوا تھا۔ نواب فیروزالدین نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ اور رانا صاحب نے جھلاہٹ میں دو تین پاڑیں خراب کیں۔ اور پھر جھنجھلا کر بندوق پھینک دی۔

"سازش کر رکھی ہے ان بدمعاشوں نے میرے خلاف۔"

"کھسیانی بلی کھمبا ہی نوچتی ہے۔" فیروز صاحب نے قہقہہ لگایا۔

"اتفاق ہے میاں، ایک بار پھر نشانہ لگاؤ تو جانیں۔"

"بسم اللہ۔ بسم اللہ۔!" فیروز صاحب بولے۔ اور پاڑے کی تلاش ہونے لگی۔ فیروز صاحب کو بہت جلد ایک پاڑہ مل گیا اور انہوں نے میری بتائی ہوئی تکنیک پر عمل کیا۔ اس میں نشانے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ صرف پاڑے سے پانچ فٹ اوپر فائر کرنا ہوتا تھا۔ چھلانگ لگاتے ہوئے تیتر شکار ہو جاتے۔

چنانچہ اس بار بھی چھ پرندے گرے تھے۔

لیکن فیروز صاحب کو اس بار بھی کچھ احساس ہوا تھا۔ اب وہ میری طرف متوجہ تھے اور منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں ان کے اس انداز پر بوکھلا گیا۔

"ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔!" ان کی ہیں ہیں عجیب انداز میں اسٹارٹ ہو گئی۔ "ادھر آؤ میاں۔ ادھر آؤ۔ بخدا واللہ کیسے احمق ہیں ہم بھی۔ ہیں۔"

میں ان کے قریب پہنچ گیا۔! رانا صاحب بددل ہو گئے تھے اور بیزاری سے ملازموں کو دیکھ رہے تھے۔ جنہوں نے تڑپتے ہوئے تیتروں کو ذبح کر لیا تھا۔

"یعنی کیا مطلب ہوا اس بات کا۔!" فیروز صاحب عجیب انداز سے بولے۔

"جی۔؟ میں نہیں سمجھا؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"یہ تیتر کے شکار کی تکنیک۔ میرا مطلب ہے یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوئی۔ ہیں۔"

"جی بس۔ کچھ شکاریوں کی صحبت رہی ہے۔"

"گویا آپ کو بھی شکار کا شوق ہے۔"

"جی ہاں۔"

"تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا عرض کرتا۔"

"گویا دل ہی دل میں آپ اب تک ہمارا مذاق اڑاتے رہے ہوں گے۔ ہیں۔"

"ہرگز نہیں نواب صاحب۔ یہ جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔"

"صاحبزادے۔ صاحبزادے۔ بہت گہرے معلوم ہوتے ہو۔ چلو شرافت سے بندوق اٹھاؤ اور سزا کے طور پر دو پاڑے شکار کرو۔ نہ کر سکے تو کوئی دوسری سزا تجویز کی جائے گی۔ ہیں۔"

"جو حکم۔!" میں ہنس پڑا۔

تیتر سمیٹ لئے گئے تھے۔ نواب صاحب نے بندوق میرے ہاتھ میں تھما دی۔ رانا صاحب سے انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ بہرحال ہم جیپوں میں سوار ہو کر پاڑوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اور بہت جلد ہی ایک پاڑا نظر آ گیا۔ میں نے رانا صاحب کے کندھے پر بازو رکھ دیا کیونکہ اس وقت جیپ وہی ڈرائیو کر رہے تھے۔! رانا صاحب نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"خوب خوب۔ تو آپ بھی اچھلتے پاڑے کو ماریں گے۔ ٹھیک ہے بسم اللہ۔ بسم اللہ!" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تم لوگ اتر جاؤ، اسے ذبح کرنا ہے۔" میں نے ملازموں سے کہا۔ اور وہ جیپ کی عقبی سمت اتر گئے۔

"سبحان اللہ۔ یہ آن ہے!" رانا صاحب بولے، فیروز الدین بھی خاموش کھڑے تھے۔ میں نے پاڑے کی شست لے کر فائر کر دیا۔ مجال تھی اس کی جو بچ جاتا۔ دوسرے لمحے وہ اچھل کر زمین پر آ رہا۔ اور ملازم تیزی سے اسکی طرف دوڑے۔

"واہ وا۔" فیروز الدین نے پرجوش نعرہ لگایا۔ رانا صاحب سر کھجا رہے تھے۔! اور پھر وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولے۔ "موت ہی آ گئی تھی کمبخت کی۔ ہل ہی نہیں رہا تھا اپنی جگہ سے۔!"

میں ہنس پڑا۔

"کمال ہے بھئی۔ واقعی کمال ہے۔" فیروز الدین صاحب آہستہ سے بڑبڑائے۔ اب وہ بار بار عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے پاڑہ جیپ پر رکھ لیا گیا۔

دوسری طرف رانا صاحب بدستور وہی رٹ لگائے ہوئے تھے کہ پاڑہ اتفاق سے مارا گیا۔ بہرحال ہم دوسرے پاڑے کی تلاش میں چل پڑے۔ میں نے رانا صاحب سے ڈرائیونگ خود لے لی تھی جس پر انہوں نے اعتراض نہ کیا۔ بندوق بھی میں نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔ نہ جانے کیوں ایک طویل عرصہ کے بعد میرے ذہن میں جولانی سی آ گئی تھی۔ شاید اس لئے کہ بہت عرصے کے بعد اپنا پسندیدہ شغل ملا تھا۔

بہرحال میں جیپ ڈرائیو کرتا رہا۔ ایک جگہ نواب صاحب نے میرا کندھا بھینچا۔ ہرنوں کی ایک ڈار نظر آ رہی تھی۔

"میاں نہیں نواب صاحب۔ رانا صاحب کو اعتراض ہوگا،" میں نے کہا۔

"ابھی آپ شکار کریں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" رانا صاحب نے کہا۔ لیکن میں نے جیپ بڑھا دی۔ اور ہرنوں کی ڈار کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن بہت جلد ہی ایک تنہا پاڑا اور نظر آ گیا۔ اور میں نے جیپ روکنے کے بجائے اسکی طرف دوڑا دی۔ اسکے ساتھ ہی میں نے جیپ کا ہارن زور زور سے بجانا شروع کر دیا تھا۔

رانا صاحب اور نواب صاحب ہکا بکا رہ گئے تھے۔ مارے حیرت کے ان کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی۔ پاڑہ اچھل کر بھاگا تھا۔ تب میں نے جیپ اسکے ساتھ لگا دی، ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا دوسرے ہاتھ سے میں نے بندوق اٹھا لی۔

پاڑہ سات سات فٹ لمبی چھلانگیں لگا رہا تھا۔ لیکن یہاں درخت نہ تھے جو وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا۔

"کیا۔ کیا کر رہے ہو۔ میاں۔ خطرناک۔ خطرناک۔" رانا صاحب کے منہ سے آواز بھی نہ نکل رہی تھی۔

"جہاں حضور اجازت دیں گے اُسے ماروں گا! جہاں تک حکم ہو دوڑاتا رہوں۔"

"مار لو۔ مار لو۔!" نواب فیروز الدین بھینچے بھینچے لہجے میں بولے۔

"اجازت رانا صاحب۔" میں نے مسکراتے ہوئے بندوق بغل میں دبائی۔ جیپ اب بھی میں نے نہیں روکی تھی۔ اور رانا صاحب نے با دلِ ناخواستہ گردن ہلا دی۔ دوسرے لمحے میرے ہاتھ میں دبی بندوق سے فائر ہوا اور پاڑہ اچھل کر نیچے آ گرا۔

"کمال ہے۔ واللہ کمال ہے۔" رانا صاحب بیساختہ بولے۔ میں نے جیپ روک دی تھی۔

"ماشاء اللہ سرفراز میاں، ماشاء اللہ۔!" نواب فیروز الدین نڈھال سے لہجے میں بولے۔ اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔ اس دوسرے پاڑے کو لے کر ہم واپس چل پڑے۔ راستے میں گھر لے جانے کے لئے تیتر کا شکار کیا گیا۔ اور یہ کام بھی میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ میں نے نشانہ بازی کے وہ کمالات دکھلائے کہ دونوں حضرات دنگ رہ گئے۔

ایک فائر کر کے تیتروں کے غول کو اڑا دیا۔ اور یکے بعد دیگرے فائر کر کے پورے کے پورے غول کو گرا لیا۔! دونوں شکاری گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر ہم واپس خیموں کے پاس پہنچ گئے۔ لڑکے اور لڑکیاں تفریحات میں مشغول تھے۔ تیتر تیار کئے گئے۔ اور پھر کھانا لگایا گیا لیکن نواب فیروز الدین صاحب کچھ زیادہ ہی خاموش تھے۔

رانا صاحب کی لڑکیاں اور لڑکے مجھ سے گھل مل گئے تھے۔ شام تک تفریح رہی اور پھر ہم واپس چل پڑے۔ رات کی تفریحات بھی دلچسپ تھیں۔ مجھے اور نواب صاحب کو ایک ہی کمرہ دیا گیا ہنگامے ختم ہوئے تو ہم سونے کے لئے آ گئے۔

نواب صاحب نے مجھے بے تکلفی سے آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ وہ گہری سوچ میں تھے۔ اور پھر وہ اچانک بول اٹھے۔ "اور تم ڈرائیوری کر رہے تھے۔"

"جی۔!" میں چونک پڑا۔

"اور وہ احمق لڑکی تمہاری بے عزتی کرتی تھی۔"

"م۔ میں نہیں سمجھا نواب صاحب۔"

"میاں بتا دو۔ آخر تم کون ہو۔؟"

"نواب صاحب۔!" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میں رازدار آدمی ہوں۔ بخدا وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا جو بھی راز ہوگا اسے ہمیشہ راز رکھوں گا!"

"نواب صاحب۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں آپ کا ملازم ہوں۔ لیکن آپ کے رویے نے یہ احساس میرے ذہن سے مٹا دیا ہے۔ میری شخصیت میں کوئی فریب نہیں ہے۔ عرض کر چکا ہوں۔ بہت سے بہن بھائی ہیں۔ گھر والوں کو میری کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ میں نے گھر چھوڑ دیا۔ یہاں آ رہا تھا کہ راستے میں رشید احمد صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ صرف اتنی سی کہانی ہے۔"

"گویا گھر والوں سے ناراض ہو گئے تھے۔"

"جی نہیں۔! مجھے حکم دیا گیا تھا کہ گھر سے نکل جاؤں۔" میں نے کہا۔ "اوہ کیسے ناقدرشناس لوگ تھے۔ لیکن میاں تمہارا خاندان۔"

"شرفا میں گنا جاتا ہے۔ والد صاحب انتہا پسند انسان ہیں۔"

"کیا نام ہے ان کا۔"

"شرمندہ ہوں، نہ بتا سکوں گا!"

"اوہ۔ اوہ! بس یہی ایک سچ ہے۔ خیر میاں۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے۔ بڑی عمدہ شخصیت کے مالک ہو۔ انسان کو خوب متاثر کر لیتے ہو۔ اور نشانہ تو کمال کا ہے۔"

نواب صاحب کافی دیر تک میری نشانہ بازی کی تعریف کرتے رہے۔ پھر سو گئے۔ دوسرے دن ہم نے اجازت طلب کی اور واپس چل پڑے۔ جیپ بدستور میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور نواب صاحب میرے نزدیک بیٹھے تھے۔ ویسے وہ خاصی گہری سوچ میں تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ میری طرف سے الجھے ہوئے ہیں۔ بہرحال میں خاموش ہی رہا۔

"بس میاں آج آرام ہی کرو۔ اور ہاں رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا۔ اور رشید الدین صاحب کے گھر واپس آ گیا۔ رشید الدین تو کوٹھی میں تھے۔ گھر کے دوسرے لوگ بھی کام کاج میں مصروف تھے۔ البتہ بی افشاں میرے پاس آ گئیں۔

"کہیے۔ سیر کر آئے۔"

"جی ہاں۔ آپ فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"ارے ہم کیا فرمائیں۔ اب تو آپ ہماری خبر ہی نہیں لیتے"۔
"ہیں۔ ہیں۔ یہ شکایت آپ کو کیوں پیدا ہوگئی"۔
"کیا کریں۔ گھڑی بھر بات چیت کو ترس گئے"۔
"معافی چاہتا ہوں افشاں بیگم۔ آج دن بھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں"۔
"سچ، چھٹی ہے کیا"۔ افشاں خوش ہو کر بولی۔
"آپ کی دعا ہے"۔
"ارے ہم تو ہمیشہ آپ کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ ہماری تو خوشی ہے کہ آپ ہمیشہ چھٹی پر رہیں"۔ افشاں نے کہا اور میں ہنس پڑا۔
"خیر سنائیے شکار کا پروگرام کیسا رہا"۔
"بہت عمدہ"۔ مجھے اسکی باتوں پر ہنسی آرہی تھی۔
اتنی دیر میں بیگم رشید احمد کی آواز سنائی دی۔ "افشاں، افشاں۔۔!"
"اے ہے باپ رے۔ ہماری مجبوری کو مدنظر رکھیئے، ہم چلے"۔
"کوئی بات نہیں"۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ رات کو آرام سے سویا تھا۔ کوئی تھکن نہیں تھی۔ لیکن فرصت تھی۔ آرام کرنے کے سوا اور کیا کرتا۔
لباس تبدیل کر کے لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اور پھر بہت سے چہرے نگاہوں میں ابھر آئے۔ زلیخا۔۔ نہ جانے آج زلیخا کیوں یاد آئی تھی۔ پیاری سی شکل کی لڑکی تھی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے کبھی اسکی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ مجھے ان باتوں کی فرصت کہاں تھی۔ نہ جانے نادان لڑکی نے اپنے دل میں مجھے جگہ کیوں دے دی۔
اور پھر زلیخا کے بعد کہکشاں۔۔! اور کہکشاں کے تصور کے ساتھ دل کے کسی گوشے میں نہ جانے کیوں ایک انوکھی دھڑکن سی اٹھی۔ سفید دوپٹے سے لپٹا ہوا نورانی چہرہ۔۔ دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ۔ میں نے اسے خلوص دل سے بہن کہا تھا۔ پھر یہ منافقت کیسی۔۔ یہ کیسی گندگی دل میں پیدا ہو رہی ہے۔ میں نے خود کو سنبھالا اور پھر میری نگاہوں میں نورجہاں آگئی۔ اسے نورجہاں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیسی پاگل ہوتی ہیں یہ لڑکیاں بھی۔ پگلیوں کے دل موم کی طرح ملائم ہوتے ہیں۔ ان میں حسن و عشق کے گداز کے علاوہ اور کچھ تھا ہی نہیں ہے۔
لیکن آخر میں مجھے کوثر یاد آئی۔ ایک انوکھی لڑکی۔ ایک عام سی لڑکی۔ جو صرف غلط احساسات کا شکار تھی۔ اس نے تو میرے سامنے ہی آنا چھوڑ دیا تھا۔ کیا وہ اپنے رویے پر نادم ہے؟ یہ بات حلق سے نہیں اترتی تھی۔ ایسی لڑکیاں نادم نہیں ہوتیں۔ اُس نے سوچا ہوگا اسے کیا ضرورت ہے مجھ سے معافی مانگنے کی۔
ٹھیک ہے۔ بہرحال قابل معافی ہے۔ کچے ذہن کی مالک ہے۔ زندگی کے راستوں پر آئے گی۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے اس سے کیا لینا ہے۔۔! نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ اور سوچتے سوچتے نیند آگئی۔
پھر رشید احمد صاحب نے ہی مجھے جگایا تھا۔
"سرفراز میاں، اٹھو بھئی۔ کھانا کھا کر پھر سو جانا"۔
"اوہ۔۔ میں جلدی سے اٹھ گیا۔ نہ جانے کیوں نیند آگئی تھی"۔ میں نے نادم انداز میں کہا۔
"کمال ہے۔ نہ جانے کیوں کی اس میں کیا بات ہے۔ اچھا کیا آرام کر لیا۔ جاؤ۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانے کے کمرے میں آجاؤ۔۔!"
"بہت بہتر"۔ میں نے کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں کھانے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دسترخوان لگا ہوا تھا۔ سب ہی موجود تھے۔ صرف میرا انتظار ہو رہا تھا۔
"ارے، واقعی مجھے بہت دیر ہوگئی"۔ میں نے جلدی سے دسترخوان پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"کوئی بات نہیں ہے بیٹے۔ ابھی تو کھانے کا وقت ہی ہوا ہے"۔ بیگم رشید احمد نے کہا۔
"رات کا کھانا تو تم فیروزالدین کے ساتھ کھاؤ گے"۔ رشید احمد بولے۔ "اوہ۔ جی ہاں۔ انہوں نے حکم دیا تھا"۔
"حکم۔۔" رشید صاحب مسکرانے لگے۔
"کیوں۔۔!" بیگم رشید نے ان کی جانب دیکھا۔ لڑکیاں خاموشی سے کھانے میں مشغول تھیں۔
"بھئی یہ سرفراز میاں درحقیقت جادوگر ہیں۔ جن کے ساتھ رہے، وہ دیوانہ ہو گیا۔ اب فیروزالدین کو دیکھو۔ تعریفیں کرتے کرتے زبان نہیں تھک رہی۔ اور پھر اس کا عملی تجربہ تو ہم سب کو ہے۔ آپ نے ایک نئی بات سنی بیگم۔
"کیا"۔ بیگم رشید احمد نے دلچسپی سے پوچھا۔
"صاحبزادے نشانہ بازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔
"اوہ۔۔!"
"نواب صاحب تو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایسا تجربے کار شکاری نہیں دیکھا۔
"ارے"۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔
"مجھ سے کہہ رہے تھے۔ خدا کا واسطہ دے رہے تھے کہ میں ان کے بارے میں انہیں تفصیل بتاؤں۔ میں نے درجنوں قسمیں کھائیں، تب انہیں یقین آیا کہ واقعی میں بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

یہ بات مجھے شرمندہ کر رہی تھی۔ چنانچہ میں نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا چچا جان۔ کہ آپ میرے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں۔ میں جو کچھ ہوں، درحقیقت وہی ہوں۔ آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ میری زندگی میں کوئی خاص راز نہیں ہے۔ براہ کرم مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔
"ٹھیک ہے، ہم حق نہیں رکھتے سرفراز میاں۔ لیکن تمہاری شخصیت پر ایک پُراسرار سا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ ہم اس غلاف کے نیچے جھانکنے کے خواہشمند ہیں۔۔!" رشید صاحب بولے۔
"آپ یقین فرمالیں۔ اس غلاف کے نیچے آپ کو کوئی گھناؤنی شے نہیں نظر آئے گی۔ آپ کے خلوص، آپ کی محبت کے جواب میں، میں صرف اتنا عرض کروں گا، کہ میں کسی فقیر کا بیٹا نہیں ہوں۔ لیکن خود فقیر ہوں۔ میرے گھر میں میرے لئے گنجائش نہیں تھی۔ میں نے گھر چھوڑ دیا بس اس گھر میں واپس نہیں جانا چاہتا ہوں جہاں میری حیثیت نظر انداز کر دی گئی تھی۔ اس لئے میں کسی کو اپنے بارے میں نہیں بتاتا۔
"اوہ۔۔! تو ہمارا خیال درست تھا"۔
"ممکن ہے آپ نے میرے بارے میں ٹھیک اندازے لگائے ہوں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ عرض نہیں کر سکوں گا۔
"ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ معلوم کرنا ہمارے لئے ضروری بھی نہیں ہے۔ ویسے نواب صاحب تمہارے بے حد گن گا رہے تھے"۔
"نیک انسان ہیں۔ سب کو اچھا سمجھتے ہیں"۔
شام کی چائے کے بعد میں کوٹھی کی طرف نکل گیا۔ خاص طور سے نورجہاں سے ملاقات کرنا تھی۔ نورجہاں کو تلاش کرتے ہوئے کچن میں جانا پڑا۔ وہ موجود تھی مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔
"ارے۔۔ ڈبلو بھیا"۔
"کیسی ہو نورجہاں۔۔"
"اچھی ہوں ڈبلو بھیا۔ چائے پیو گے"۔
"ضرور پیوں گا"۔ میں نے کہا۔ اور نورجہاں میرے لئے چائے بنانے لگی۔ میں یوں ہی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ اور نورجہاں دیکھ کر مسکراتی رہی۔ پھر اس نے چائے بنا کر مجھے پیش کر دی۔
"میری تنخواہ ملے گی نورجہاں، تو میں تیرے لئے کیا لاؤں"۔
"میرے لئے۔"
"ہاں۔"
"نہیں بھیا، سب کچھ تو موجود ہے۔"
"مگر میں کچھ لانا چاہتا ہوں، تو میری بہن ہے نا"۔ میں نے کہا اور نورجہاں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ لیکن نورجہاں پریشان نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میری پشت دروازے کی طرف تھی اس لئے مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا دیکھ رہی ہے۔ میں نے اس کی خاموشی اور نگاہوں کی بے چینی نہیں دیکھی تھی۔
"بول۔۔ تو میری بہن ہے نا"۔ میں نے پھر کہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی پشت پر قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ تب میں نے پلٹ کر دیکھا۔
کوثر دروازے میں کھڑی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور میں نے پھر رخ بدل لیا۔
"میں رات کو صرف سوپ پیوں گی"۔ اس نے کھنکتی آواز میں کہا۔ "بہت اچھا کوثر بی بی۔۔ وہ"۔ لیکن کوثر دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔۔! میں مزے سے چائے پیتا رہا۔ نورجہاں چند لمحات گم سم کھڑی رہی۔
"کیا بات ہے نورجہاں؟"
"کچھ نہیں بھیا۔۔!" اُس نے ایک گہری سانس لی۔
"تم کوثر سے ڈرتی ہو۔"
"ہاں ڈبلو بھیا۔ پورے گھر میں صرف کوثر بی بی سے ڈر لگتا ہے۔" نورجہاں نے کہا۔
"ارے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس مزاج کی تیز ہے۔ طبیعت کی بری لڑکی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آفت کی پرکالہ ابھی باہر موجود ہے۔ دوسرے لمحے وہ پھر اندر آگئی۔
"آپ کو میرے بارے میں تبصرہ کرنے کا حق کس نے دیا۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ نورجہاں تو کانپ گئی تھی۔ لیکن میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"یہ حق تو کوئی کسی کو نہیں دیتا کوثر بی بی۔ یہ تو قدرتی ہے۔ آپ تعلیم یافتہ ہیں۔ خود سوچ سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔
"لیکن میں اپنے بارے میں کوئی بکواس پسند نہیں کرتی۔" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔
"ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ موجود ہیں، ورنہ آپ کے جانے کے بعد گفتگو کرتے۔"
"مسٹر۔ آپ ابو جان کے منہ چڑھے ہوں گے۔ ہر شخص آپ کی بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا سمجھے۔"
"سمجھ گیا کوثر بی بی۔ میرا خیال ہے کچھ لوگوں کو یہ حق حاصل ہے۔"
"کیا مطلب ہے اس بات کا۔"

"میری مراد دلارے بھائی سے تھی۔"

"اوہ۔ اوہ۔ تو۔ تو تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو، کیوں۔ تم۔ تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔ دیکھ لوں گی۔ اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور میں ہنس پڑا۔

"عجیب آتش پارہ لڑکی ہے۔ بے وقوف کہیں کی۔"

"ہائے ڈیئر بھیا۔ دیکھ تو، وہ چلی بھی گئیں یا نہیں۔" نورجہاں نے روہانسے انداز میں کہا۔

"کھڑی بھی ہے تو ہمارا کیا کرے گی نورجہاں۔"

"تمہارا تو کچھ نہیں بگڑے گا، میری شامت آجائے گی۔"

"نہیں آئے گی۔ تجھ سے کچھ کہے تو مجھے بتا دینا۔"

تھوڑی دیر تک میں نورجہاں کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ اور پھر میں کوٹھی سے ہی نکل گیا۔ کافی دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ دلی بہت خوبصورت جگہ تھی۔ رات کو واپس آیا تو رشید صاحب نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"کہاں چلے گئے تھے میاں، نواب صاحب دوبار پوچھ چکے ہیں۔"

"میں یوں ہی نکل گیا تھا۔"

"تیار ہو کر چلے جاؤ، وہ انتظار کر رہے ہیں۔" رشید احمد نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں نے منہ ہاتھ دھویا، لباس تبدیل کیا۔ اور کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ ویسے نواب صاحب کی دوبارہ طلبی پر مجھے تشویش تھی۔ نہ جانے کیوں بلایا ہے۔ کیا کوثر نے کوئی ہنگامہ کیا ہے۔ ممکن ہے۔

بہرحال اب مجھے کوثر کی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔ میں نواب صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ڈائننگ روم میں تھے۔ گرمجوشی سے میرا خیرمقدم کیا اور پھر بولے۔ "مجھے تو شبہ تھا کہ تم رات کے کھانے کے بارے میں بھول گئے ہو۔" "یہ جرات کیسے کر سکتا تھا۔"

"سنو بھئی۔ مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔ یقین کرو، میں تمہارے بارے میں اب تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ لیکن ایک بات میرے دل میں جم گئی ہے، وہ یہ کہ تم کوئی معمولی انسان نہیں ہو۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

"کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اس موضوع کو چھوڑو۔ کیا خیال ہے۔ کھانا نکلوایا جائے۔"

"جیسا مناسب خیال فرمائیں۔" میں نے نیازمندی سے کہا۔ کھانے کی میز پر بیگم صاحبہ کچھ دوسرے نزدیکی اہل خاندان موجود تھے۔ کوثر صاحبہ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"کوثر کہاں ہے۔" نواب صاحب پوچھ بیٹھے۔

"وہ نہیں آئے گی۔" بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

"کیوں۔"

"سرفراز میاں سے شرمندہ ہے۔ اسکی خودسری اسے معافی مانگنے کی اجازت تو دے گی نہیں۔ لیکن وہ ان کے سامنے آنے سے کتراتی ہے۔"

"بڑی احمق لڑکی ہے۔ لاؤ بلا کر آج ان کی صلح کرا دی جائے۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ جانتے ہیں اسے۔ میرا خیال ہے رہنے دیں۔" بیگم صاحبہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔ چلو بھئی شروع کرو۔" اور کھانا شروع ہو گیا میری حیثیت بہرحال ایک ملازم کی سی تھی۔ لیکن نہ جانے یہ لوگ میرے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کر رہے تھے۔ بہرحال دل ہی دل میں میں ان کا ممنون تھا۔

◇

کھانے کے بعد نواب صاحب اٹھ گئے۔ اور پھر وہ مجھے لئے ہوئے اپنے نشست کے کمرے میں آگئے۔ اب اس کمرے میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

"سرفراز میاں۔" نواب صاحب نے نہایت سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا۔

"نواب صاحب۔" میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"ہر شخص اس دور میں خودغرض ہے۔ ہر آدمی اپنے مطلب کی سمجھتا ہے۔ اگر میں بھی ان میں شامل ہوں تو کوئی حیرت کی بات تو نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے خوداعتمادی سے کہا۔

"شکریہ۔ تم اس دعوت کو کیا معنی دیتے ہو۔"

"فی الحال میں اسے صرف آپ کی نیک فطرت پر مبنی قرار دے رہا ہوں۔"

"خوب۔ صاف گوئی بہت عمدہ بات ہے۔ تو میاں اصل بات یہ ہے۔"

"جی۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اصل بات یہ نہیں ہے۔ میں نے ایک دن افریقہ کے بارے میں تم سے تذکرہ کیا تھا۔ تم نے اس گفتگو میں خاصی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔"

"جی۔" میں نے کہا۔

"کیوں۔ کیا تمہیں مہم جوئی پسند ہے۔"

"جی ہاں۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"شکار کے شوق کا تو پتہ چل گیا۔ ممکن ہے تم کوئی بڑے مہم جو نکلو۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک۔ کل راستے میں بھی کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ ایمانداری کی بات ہے کہ وہ رواروی کی بات تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی پختہ خیال نہیں تھا۔ لیکن کل شام تمہاری شکار کی مہارت، تمہارا انداز، تمہاری خوداعتمادی دیکھ کر میں دنگ رہ گیا تھا۔ اور اس وقت میں نے نہایت سنجیدگی سے سوچا تھا کہ اس بار جب میں روانہ ہوں تو تم میرے ساتھ ہو۔"

نواب صاحب نے رک کر میری شکل دیکھی۔ بلاشبہ میری آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی۔ "کیا تم میرے ساتھ جانا پسند کرو گے۔"

"یقیناً۔ بڑے شوق سے۔"

"بہت خوب۔ یقین کرو تمہاری آمادگی سے مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔ اگر اجازت دو تو کچھ ذاتی سوالات کر لوں۔ حالانکہ آج تک تم نے اسکی اجازت کسی کو نہیں دی ہوگی۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ "لیکن یقین کرو۔ اس سے تمہاری ذات کو کریدنا مقصود نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں اپنی تسلی کرنا ہے۔"

"جی فرمائیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اپنے بارے میں اتنا بتا دو جتنا تمہاری ذات پر اثرانداز نہ ہو۔ میرے ساتھ تم ہو تو کچھ لوگوں کی حق تلفی تو نہیں ہوگی۔ کوئی پریشان تو نہ ہو جائے گا۔"

میں نے نواب فیروز الدین کی شکل دیکھی۔ اور پھر میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں نواب صاحب۔ صرف اتنا بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سنیئے۔ میں ایک فارغ البال انسان کا بیٹا ہوں اتنا فارغ البال کہ میں نے زندگی میں کبھی مصائب کا منہ نہیں دیکھا، میرے کئی بھائی اور بہن ہیں جن کی نگاہ میں میرے والد کی دولت بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ والد کی نگاہ میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے سازشوں اور گھناؤنی چالوں کو چلتے رہنا ضروری سمجھتے ہیں بھائی بہنوں میں میرا نمبر چھٹا ہے۔ اس لئے میں قابل توجہ نہیں تھا۔ جب میں نے کسی کی توجہ اپنی طرف نہ پائی تو لاابالی ہو گیا میں اپنا سارا وقت سیر و شکار میں صرف کرتا۔ میں دوسروں سے مختلف طبیعت کا مالک تھا۔ تب میرے بھائیوں نے میرا نمبر فہرست سے نکالنے کے لئے والد صاحب کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ اور بالآخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ والد صاحب نے میرے اوپر کچھ شرائط عائد کر دیں جن کے بغیر میں گھر میں نہیں رہ سکتا تھا۔

اور۔ میں نے ان شرائط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ بس صرف اتنی سی داستان ہے۔ کسی کو میری ضرورت نہیں ہے۔ کسی کو میری پرواہ نہیں ہے۔ اور مجھے بھی آزاد زندگی پسند ہے۔"

"خوب۔" نواب فیروز الدین دلچسپی سے میری شکل دیکھ رہے تھے۔ "خیر میاں۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ کس گھرانے کے چشم و چراغ ہو۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ تمہارا گھرانہ معمولی نہیں ہوگا، تاہم ٹھیک ہے۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اب مجھے تم سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ باتیں اپنے بارے میں بھی بتا دوں۔"

"ضرور۔"

"سیاحت کے پروگراموں میں، میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے کچھ اور ساتھی بھی ہیں۔ جو غیر ملکی ہیں۔ ہم لوگ اکثر مہمات میں ساتھ رہے ہیں۔ اس بار ہم نے ایک خاص پروگرام بنایا ہے۔ چنانچہ ہم اس بار افریقہ کے کچھ دشوار گزار حصوں میں سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ باقی تفصیل تمہیں آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اصرار نہ کروں گا!"

"میاں۔ یوں تو زندگی بڑی معمولی شے ہے۔ آپ لاکھ کوشش کر لیں، اس کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ لیکن اسکے باوجود انسان الجھنوں سے بچنا پسند کرتا ہے۔ مہم جوئی میں اکثر ناخوشگوار حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ تمہیں آگاہ کر دینا ضروری ہے۔"

"آپ مجھے بزدل، یا مصیبتوں سے گھبرانے والا نہ پائیں گے۔"

"بہت خوب۔ تو پھر کل اول وقت میں آپ اپنی کچھ تصاویر اتروا دیں۔ میں پاسپورٹ اور دیگر کاغذات تیار کر لوں گا۔ اور آپ روانگی کے لئے تیار رہیں۔"

"بہت بہت شکریہ نواب صاحب۔" میں نے شکرگزار انداز میں کہا۔ درحقیقت میری دلی آرزو پوری ہو گئی۔ میری منزل کسی نواب کی کوٹھی میں ملازمت نہ تھی۔ میں تو ان دیکھے راستوں کا راہی تھا۔ میری منزل تو نہ جانے کہاں تھی۔ نہ جانے کہاں۔

نواب صاحب سے گفتگو کرنے کے بعد میں واپس آگیا۔ اور وہ رات میرے اوپر عجیب گزری۔ بیشمار خیالات نے ذہن پر یلغار کر دی تھی۔ نہ جانے کیسے کیسے خیالات، اپنا گھر، رشید صاحب کے

خاندان اور دوسرے لوگوں کے خیالات ۔ رشید صاحب اور ان کے اہلِ خاندان کو میرے جانے کا بہت رنج ہوگا ۔ لیکن ۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں بھی تو نہیں ڈالی جاسکتیں ۔ میں ۔ میں کوئی قید ہونے والا پرندہ تو نہیں ہوں ۔ میرے پاؤں میں زنجیر نہیں ڈالی جاسکتی کہکشاں دل سے ایک آواز ابھری ۔ اوہ کہکشاں ۔ میری بہن ۔ میری ....
اور زبان رُک گئی ۔

"الٰہی ۔ یہ سب کیا ہے ۔ یہ کیسا خلوص ہے ۔ یہ کیسا عزم ہے میں تو مخلص تھا ۔ لیکن تیرے حضور اٹھے ہوئے وہ سفید ہاتھ ، نہ جانے کیا کارستانی کر گئے ۔

"کیا مانگ رہے تھے وہ تجھ سے ۔ کیا طلب کر رہے تھے لیکن لیکن کچھ بھی ہو ۔ میری راہ میں کوئی دیوار نہ کھڑی ہو سکے گی ۔ میں کسی دیوار کو قبول نہیں کروں گا ۔ کسی بھی دیوار کو قبول نہیں کروں گا ۔

اور پھر ۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں ۔ ساری رات ، پُراسرار جنگلوں ، پُرخار وادیوں ، انوکھے ریگستانوں کا سفر کرتا رہا ۔ صبح کو آنکھ کھلی تو طبیعت بوجھل تھی ۔ رشید احمد صاحب نے اس بارے میں سوال کرلیا ۔

"کیا بات ہے میاں ، چہرے پر تکدر کے آثار ہیں ۔

"کوئی خاص بات نہیں ۔ رات بھر خوابوں میں گھرا رہا ۔ " میں نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

"اوہو ۔ کیسے خواب ۔ ؟ اچھا ۔ میں سمجھ گیا ۔ " وہ ہنس پڑے ۔

"کیا سمجھ گئے آپ ۔ ؟ "

"کچھ نہیں میاں ، مُرغن کھانے کھائے ہوں گے ۔ ہو جاتا ہے ۔ ایسا ہو جاتا ہے ۔ " ہنستے ہوئے بولے ۔ میں بھی ہنسنے لگا ۔ ناشتے کے بعد ہم دونوں چل پڑے ۔ دفتر میں پہنچ کر حسبِ معمول کام شروع ہو گیا ۔ رشید صاحب بغور مجھے دیکھ رہے تھے ۔ یہ حقیقت تھی کہ میں بار بار افریقہ کے تصور میں گم ہو جاتا ۔

"سرفراز میاں ۔ ! " رشید صاحب نے مجھے مخاطب کیا ۔

"جی ۔ " میں چونک پڑا ۔

"طبیعت بوجھل ہو تو آج آرام کرو ۔ کوئی خاص کام بھی نہیں ہے ۔ "

"ایسی کوئی بات نہیں ہے رشید صاحب ۔ "

"میں محسوس کر رہا ہوں ۔ "

"دراصل کل نواب صاحب نے مجھ سے کچھ گفتگو کی ہے ۔ "

"اوہو ۔ بتانے کی ہے ۔ "

"یقیناً ۔ "

"تو بتاؤ نا ۔ "

"وہ مجھے اپنے ساتھ افریقہ لے جانا چاہتے ہیں ۔ "

"ایں ۔ ! " رشید صاحب سراسیمگی سے بولے ۔

"جی ہاں ۔ ! " انہوں نے نہایت سنجیدگی سے گفتگو کی تھی ۔ "

"تو میاں منع کر دیا ہوتا ۔ کوئی زبردستی تو نہیں ہے ۔ " رشید صاحب بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولے ۔

"یہ بات نہیں ہے ۔ "

"پھر کیا بات ہے ۔ "

"میں خود بھی جانا چاہتا ہوں ۔ " میں نے کہا ۔ اور میں نے صاف محسوس کیا کہ رشید صاحب کا چہرہ اُتر گیا ہے ۔ وہ قلم رکھ کر میری شکل دیکھتے رہ گئے ۔ پھر انہوں نے بھاری آواز میں کہا ۔

"کیوں بیٹے ۔ تم کیوں جانا چاہتے ہو ۔ "

ان کے اس سوال پر میں چند لمحات کے لئے خاموش ہو گیا ۔ اس مخلص انسان کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا چنانچہ چند لمحات کے سوچ بچار کے بعد میں نے کہا ۔

"رشید صاحب ۔ میں بار بار آپ کے خلوص و محبت کا تذکرہ کر کے اسے تماشہ بنانا نہیں چاہتا ۔ میں جانتا ہوں کہ میں اپنے معاملے میں کسی حد تک انتہا پسند رہا ہوں ۔ لیکن مختصراً یوں سمجھ لیں ، میری حیثیت ، میری شخصیت کو چیلنج کیا گیا تھا ۔ میرے بھائیوں نے مجھے اپنے والد کی نگاہوں میں ناکارہ قرار دلوا لیا گیا تھا ۔ میری حیثیت ان لوگوں پر بوجھ بن گئی تھی ۔ چنانچہ انہوں نے اس بوجھ کو گھورے پر پھینک دیا ۔ میں یہاں چلا آیا رشید صاحب ۔ اور آپ نے اس ناکارہ ڈھیر کو سینے سے لگا لیا ۔ آپ کے خلوص کی کوئی قیمت نہیں ادا کی جاسکتی ۔ لیکن میں ناکارہ ڈھیر نہیں ہوں ۔ میں ایک دن اپنے والد اور اپنے بھائیوں کے سامنے ہیرے کی کان بن کر آنا چاہتا ہوں ۔ اور اس کے لئے رشید صاحب ۔ نواب صاحب کی ملازمت موزوں نہیں ہے ۔ میرے ذہن میں پہلے سے ایک منصوبہ تھا ۔ میں آہستہ روی کا عادی ہوں ۔ قدرت نے مجھے ایک موقع فراہم کر دیا ہے میں قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں ۔ ممکن ہے افریقہ میرے خوابوں کی تعبیر ہو ۔

"اوہ ۔ " رشید صاحب بوجھل آواز میں بولے چند ساعت گردن جھکائے بیٹھے رہے ۔ پھر ایک جھرجھری سی لے کر مسکرانے لگے ۔

"ضرور بیٹے ۔ ضرور ۔ اگر سوال تمہارے مستقبل کا ہے تو ضرور جاؤ ۔ ہماری محبت ختم تھوڑی ہو جائے گی ۔ ہم تمہارے لئے دُعائیں کرتے رہیں گے ۔ ضرور جاؤ ۔ میں تائید کرتا ہوں ۔ "

میں نے رشید صاحب کی مسکراہٹ میں چھپے ہوئے آنسو دیکھ لئے تھے ۔

"ایک درخواست ہے رشید صاحب ۔ "

"ارے کہو میرے بیٹے ۔ ضرور کہو "

"چچی جان اور بچوں سے میری روانگی کے بارے میں کچھ نہ کہیں ۔ "

"وہ کیوں ۔ "

"ممکن ہے ۔ ان کے آنسو میرے پاؤں کی زنجیر بن جائیں ۔

"ٹھیک ہے ۔ " رشید صاحب مضبوط آواز میں بولے ۔ " میں کچھ نہیں کہوں گا ۔ "

"شکریہ رشید صاحب ۔ بہت بہت شکریہ ۔ "

"لیکن بیٹے ۔ ایک وعدہ کرنا ہوگا ۔ "

"حکم دیجئے ۔ "

"واپس نہیں آؤ گے ۔ "

رشید صاحب ۔ میری آنکھوں میں نمی آگئی ۔ شاید آپ اسے مبالغہ سمجھیں مجھے اپنا گھر چھوڑتے ہوئے اتنا دکھ نہیں ہوا تھا ۔ رشید صاحب آپ نے مجھے ان سے زیادہ اپنائیت دی ہے ۔ جو مجھے دنیا میں لانے کے ذمہ دار ہیں ۔

"ارے نہیں بیٹے ۔ اسقدر شرمندہ نہ کرو ۔ " رشید صاحب آنکھوں کی کوریں صاف کرتے ہوئے بولے ۔ اسوقت دروازے سے بیگم فیروزالدین کی آواز آئی ۔

"رشید بھائی ۔ میں اندر آجاؤں ۔ "

"آیئے ۔ آیئے بیگم صاحبہ ۔ تشریف لایئے ۔ " بیگم صاحبہ اندر آگئیں ۔ میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے مجھے دُعائیں دیں ۔ " واہ رشید بھائی ، اچھے چچا ہیں آپ بھی ۔ بھتیجی کی سالگرہ کے بارے میں بھی یاد نہ رہا ۔

"ایں کیا مطلب ۔ " رشید صاحب چونک پڑے ۔

"ذرا بتایئے تو کون سا مہینہ ہے یہ ۔ "

"ایں ۔ اوہ ۔ ارے تو یہ ۔ اوہ ۔

"بس بس بوکھلانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہمیں بھی یاد نہیں رہا ۔ وہ تو اتفاق سے بُوا سردی کہنے لگیں ، کہ چاند کی بارہ تاریخ کو ان کی بیٹی کی منگنی ہے تب خیال آیا ۔

"مگر بیگم صاحبہ ۔ آج تو تیرہ تاریخ ہے ۔ "

"ہاں ۔ اور صرف ایک ہفتہ درمیان میں ہے ۔

"اب کیا ہوگا ! "

"بس اس ایک ہفتے میں جو کچھ ہونا ہے ہوگا ! "

"کمال ہے ۔ " رشید صاحب بوکھلاہٹ میں چیزیں الٹنے پلٹنے لگے ۔ " پریشانی کی بات نہیں ہے ۔ سرفراز میاں آپ کے ساتھ ہیں ۔ انتظام ہو جائے گا ۔ بس ذرا لوگوں تک بلاوے جلدی پہنچنا چاہئیں ۔ ورنہ تمہیں شکایت ہوگی ۔

"ایک ہفتہ بہت ہے رشید صاحب ۔ سارے انتظامات ہو جائیں گے ۔ " میں نے رشید صاحب کو تسلی دی ۔ اور پھر بیگم صاحبہ کئی گھنٹے تک ہمارے ساتھ بیٹھی پروگرام بناتی رہیں ۔ انہوں نے تمام کاموں کی فہرست تیار کر دی ۔ اور ہم اسی روز سے مصروف ہو گئے ۔

روز مرہ کے معمولات جاری رہے ۔ لیکن میں نے رشید صاحب کے چہرے پر نمایاں اُداسی دیکھی ۔ مجھے افسوس بھی ہوتا تھا لیکن میں اپنا ارادہ بھی ترک نہیں کرسکتا تھا ۔ تصویریں وغیرہ میں نے نواب صاحب کو دے دی تھیں ۔ اور نواب صاحب نے چند فارموں پر بھی مجھ سے دستخط کرالئے تھے

پھر ایک شام انہوں نے مجھے تنہائی میں بلایا ۔ ان کے چہرے پر اُلجھن عیاں تھی ۔

"کیا بات ہے نواب صاحب ۔ "

"بھئی ایک بڑی اُلجھن آپڑی ۔ "

"کیا ۔ "

"بس کیا بتاؤں یہ کوثر کی بچی ۔ "

"بتایئے تو نواب صاحب ۔ "

"نہ جانے کیا سمائی ہے اسکے دماغ میں ۔ بھلا کوئی تک ہے ۔ " نواب صاحب پریشانی سے بولے ۔ اور میں سوالیہ انداز میں ان کی شکل دیکھتا رہا ۔ " میرے ساتھ جانے پر ضد کر رہی ہے ۔ "

"کہاں ۔ " میں نے حیرت سے کہا ۔

"افریقہ ۔ "

"اوہ ۔ "

"دراصل میں بھی احمق ہوں کئی دفعہ اس نے میرے ساتھ چلنے کے لئے کہا ۔ میں ٹالتا رہا ۔ پچھلی بار جب میں گیا تو اس نے مجھے قسم کھلوائی تھی کہ اس بار اسے ضرور ساتھ لے جاؤں گا ۔ اور اب اس نے قسم یاد دلائی ہے ۔ اور سخت قسم کا مطالبہ کیا ہے ۔ بڑی پریشانی ہے بھئی ۔ " میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ۔

"بتاؤ ۔ بتاؤ ۔ کوئی ترکیب بتاؤ ۔ "

"لے چلئے نواب صاحب ۔ "

"نہیں سمجھتے۔ بالکل نہیں سمجھتے۔ اس بار ہم جہاں جا رہے ہیں۔ وہ مہم بہت سخت ہے یا انتہائی خطرناک۔ بہت بڑے حالات پیش آسکتے ہیں۔ بڑا خطرہ ہے۔"

"تب پھر ایک اور ترکیب میرے ذہن میں ہے۔"

"کیا۔؟ جلدی بتاؤ۔ جلدی بتاؤ۔"

"ان سے فرما دیں کہ میں بھی ساتھ جا رہا ہوں۔ وہ مجھ سے اس قدر نفرت کرتی ہیں کہ پھر ارادہ ترک کر دیں گی۔ آپ کہہ دیں کہ اس بار یہ مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ آئندہ آپ انہیں ضرور لے جائیں گے۔"

"ارے خدا کی پناہ کیا الٹی ترکیب بتائی ہے۔ وہ فیل مچائے گی کہ مصیبت آجائے گی۔ ممکن ہے مجھے لیٹ ہی کر دے۔ تمہارے بارے میں تو میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا ہے۔ خود بیگم صاحبہ ہر وقت تمہارے گن گاتی ہیں۔ وہ بھی تمہیں روکنے کی سر توڑ کوشش کریں گی۔ اور تم کوثر کو نہیں جانتے۔ نہیں جانتے تم اسے۔ تمہارے جانے کی خبر سے کیا وہ رک جائے گی۔"

"اوہ۔ تو پھر۔"

"صرف ایک ترکیب میرے ذہن میں ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔"

"وہ کیا۔"

"اسے یہاں سے لے چلتے ہیں۔ میں اس کا تعارف جون ایلیٹ کی لڑکیوں سے کرا دوں گا۔ ہم اسے لندن میں چھوڑ دیں گے جون ایلیٹ کی لڑکیاں بیحد خوش اخلاق ہیں۔ وہ اسے ضرور راضی کر لیں گی، چنانچہ وہ لندن، پیرس اور ان کے نواح کی سیر میں بہل جائے گی اور ہم افریقہ نکل چلیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ہم جون ایلیٹ کے گھر والوں کو ہدایت کر دیں گے کہ جب وہ گھر واپس جانا چاہے تو اسے بھجوا دیا جائے۔"

"مناسب ترکیب ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

بی کوثر کی سالگرہ کا دن آگیا۔ ہم نے تمام انتظامات خوش اسلوبی سے کر لئے تھے۔ کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ اور ان عمدہ انتظامات پر بیگم فیروز الدین بہت مطمئن اور خوش تھیں۔ میں نے بھی ایک نفیس ترین سوٹ سلوایا تھا۔ لباس میرے لئے اجنبی نہیں تھے۔ بالآخر سالگرہ کا وقت آگیا۔

کوثر یوں بھی حسین تھی۔ لیکن اس وقت دلہن کے جوڑے میں تو بیحد حسین لگ رہی تھی۔ بد قسمت دلارے بھائی بھی تشریف لائے تھے۔ اور خوب سج دھج کر آئے تھے۔ کوثر کے لئے تحفہ بھی لائے تھے۔ لیکن انہوں نے شاید مجھے پہچانا نہیں تھا۔ وہ ایک بار میری طرف دیکھا تھا۔ شاید کچھ احساس ہوا تھا۔ لیکن بہر حال یقین نہیں ہو سکا۔

کوثر نے کیک کاٹا اور تالیاں گونجنے لگیں۔ تحائف پیش کئے جانے لگے۔ میں نے بھی ایک بیش قیمت ہار پیش کیا۔ کوثر نے مجھے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ہاتھ رکے۔ اور پھر اس نے تحفہ قبول کر لیا۔

لیکن اس کی ساتھی لڑکیاں حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ یہ وہ لڑکیاں تھیں جو پکنک پر ساتھ تھیں۔ اور جنہوں نے مجھے ڈرائیور کے حلیئے میں دیکھا تھا۔ کچھ لڑکیوں نے میرے بارے میں کھسر پھسر بھی کی تھی۔ بہر حال کوثر نے اس وقت بھی مجھے لفٹ نہیں دی۔ لطف دلارے بھائی کے تحفے آیا تھا۔

انہوں نے ایک خوبصورت تاج محل کوثر کو پیش کیا۔

کوثر نے حسب معمول ناک چڑھائی تھی۔ میں اس وقت زیادہ دور نہ تھا۔

"یہ میرے ارمانوں کا تاج محل ہے قسم اللہ کی۔" دلارے بھائی نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب۔" کوثر زہریلے انداز میں بولی۔

"مم۔ مطلب کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔"

"دیکھوں۔ کیسا ہے یہ تاج محل۔" کوثر نے کہا۔ اور دلارے بھائی نے جلدی سے تحفوں کی میز سے سنگ مرمر کا تاج محل اٹھا کر کوثر کے سامنے کر دیا۔ دوسرے لمحے کوثر نے اسے ہاتھوں سے چھوڑ دیا۔

"اف بہت بھاری ہے یہ تو۔"

تاج محل چور چور ہو گیا۔

"ارے یہ کیا کیا قسم اللہ کی۔ اسے پورے دو سو چالیس روپے کا تھا رسید دکھا سکتا ہوں۔"

"شادو۔" کوثر نے شادو کو آواز دی۔

"جی کوثر بی بی۔"

"دیکھو فرش گندا ہو گیا۔ ان ٹکڑوں کو چن کر باہر پھینک دو۔" کوثر نے حکم دیا اور آگے بڑھ گئی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ کہاں سر پھوڑنے چلا ہے یہ احمق بھی۔ بڑی سنگدل لڑکی ہے۔ کوثر آگے بڑھ گئی تھی۔ میں بھی دوسرے امور میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت میں چند مہمانوں سے گفتگو کر رہا تھا کہ دو لڑکیاں میرے پاس آگئیں۔

مجھے ان کے نام یاد تھے۔ ایک کا نام جبیں دوسری کا رخسانہ تھا۔

"سنیئے۔" ان میں سے ایک نے مجھے مخاطب کیا۔

"جی فرمایئے۔" میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ہم نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" رخسانہ بولی۔

"جی رخسانہ خاتون۔ اس دن پکنک پر۔"

"اوہ۔ تو آپ۔ آپ۔"

"کوثر بی بی کا ڈرائیور ہوں۔"

"مذاق کر رہے ہیں آپ۔"

"کیوں۔"

"آپ ڈرائیور نہیں ہو سکتے۔"

"پھر کیا ہو سکتا ہوں۔"

"میں بتاؤں۔" جبیں بولی۔

"فرمایئے۔"

"کوثر کے منگیتر۔"

"اوہ۔ ویسے منگیتر اور ڈرائیور میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ لیکن میں صرف ڈرائیور ہوں۔ آپ چاہیں تو کوثر سے تصدیق کر سکتی ہیں۔"

"ہم نے ایسا ڈرائیور پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"بڑے آدمیوں کے ڈرائیور ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"کیا تنخواہ ہے آپ کی۔" جبیں بولی۔ وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"روٹی، کپڑا اور مکان۔"

"بس۔"

"ہاں۔"

"تو پھر آپ یہ نوکری چھوڑ دیں۔"

"کیوں۔"

"آپ ہمارے یہاں آجائیں۔" جبیں کافی بیباک لڑکی معلوم ہوتی تھی۔

"اوہ، کیا عنایت کریں گی آپ مجھے؟" میں نے خوشدلی سے کہا۔

"ان تمام چیزوں کے ساتھ محبت بھی۔" جبیں کی بجائے رخسانہ بول اٹھی اور جبیں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے تردید نہیں کی تھی۔

"شکریہ! میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ نواب صاحب مجھے بلا رہے تھے۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ رانا فاروق ابھی ابھی آئے تھے۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا۔

بہر حال تھوڑی دیر کے بعد ان سے فارغ ہوا تو نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ کوثر کافی جھلائی ہوئی تھی۔ بہت سی لڑکیاں اسے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں اور بار بار میری طرف اشارے کر رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ گفتگو کا موضوع میں ہی ہوں۔ لیکن ابھی میں غور ہی کر رہا تھا کہ عقب سے دلارے بھائی کی آواز آئی۔

"بھائی صاحب۔ ابے او بھائی صاحب!"

"اوہ۔ دلارے بھائی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہی ہو۔ ابے کیا بات ہے پیارے۔ قسم اللہ کی بڑے ٹھاٹ ہو رہے ہیں۔" دلارے بھائی مسکراتے ہوئے بولے۔

"بس آپ لوگوں کی دعائیں ہیں دلارے بھائی۔"

"یہ سوٹ کہاں سے آیا؟"

"کوثر بی بی نے بنوا کر دیا ہے۔"

"ہوں، کچھ دال میں کالا ہے کیا؟"

"کیا مطلب دلارے بھائی؟"

"میاں خوبصورت آدمی ہو، مر تو نہیں گئی تمہارے اوپر۔؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں دلارے بھائی! میری مالکن ہیں۔"

"بڑی سخت لونڈیا ہے یار۔"

"آپ کی کہانی کہاں تک پہنچی دلارے بھائی؟" میں نے کہا۔

"ابے جانے دے یار اپنے بس کی نہیں ہے۔ تحفہ بھی توڑ دیا۔ دو سو چالیس روپے کا نقصان کر دیا۔"

"دراصل آپ کو عشق کرنا ہی نہیں آتا۔"

"اب تو سیدھا کام کریں گے پیارے۔"

"وہ کیا؟"

"میں پیغام بھجوا رہا ہوں، پھر دیکھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ عمدہ پروگرام ہے۔ تو کب تک پیغام بھجوا رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بہت جلد۔ گھر والوں کو بلایا ہے۔"

"مبارک ہو، جلدی کریں۔" میں نے کہا۔ اور دلارے بھائی گردن ہلانے لگے۔ میں پھر مصروف ہو گیا۔ بہر حال گوناگوں دلچسپیوں کے بعد یہ محفل ختم ہو گئی۔ بعد میں بھی بہت سے کام تھے جن میں میں الجھا رہا۔ کوثر کی چند سہیلیاں رک گئی تھیں جن میں ناہید بھی تھی۔ رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے جب شادو میرے پاس آیا۔

"صاب! کوثر بی بی بلاتی ہیں۔"

"مجھے۔؟" میں اچھل پڑا

"ہاں۔!"

"کہاں ہیں؟"

"پچھلے باغ میں، اپنی سہیلیوں کے ساتھ۔"

"اوہ، اچھا۔ آتا ہوں۔" کام تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ میں پچھلے باغ کی طرف چل پڑا۔ لیکن خود کو ڈانٹ پھٹکار کے لئے تیار کر لیا تھا۔ میں نے اس غول بیابانی کو دیکھا جو حوض کے کنارے گھاس پر بیٹھا تھا، درمیان

میں کوثر تھی۔

لڑکیاں کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر خاموش ہوگئیں۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا کوثر بی بی؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں!" کوثر نے تمکنت سے کہا۔

"فرمایئے؟"

"اپنی اوقات پہچانتے ہو؟"

"جی ہاں——!" میں نے گہری سانس لی۔

"جانتے ہو، اوقات سے بڑھنا اچھا نہیں ہوتا؟"

"کوثر——!" جبیں نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"براہ کرم خاموش رہو جبیں!" کوثر نے سخت لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، جانتا ہوں۔"

"پھر مجھے قیمتی ہار پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجبوری تھی کوثر بی بی!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مجبوری تھی؟"

"میں تو کچھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ فضول پیسے ضائع کرنا اچھی بات تو نہیں ہے، لیکن نواب صاحب نے مجبور کردیا—— یہ ہار وہ خود ہی خرید کر لائے تھے۔ کہنے لگے اپنی طرف سے دے دو۔"

دو ایک لڑکیوں کی ہنسی نکل گئی۔ کوثر آگ بگولہ ہوگئی تھی۔

"اتو سے بھی سمجھ لوں گی، لو اسے رکھ لو——!" کوثر نے ہار اٹھا کر میرے سامنے پھینک دیا۔

"میں کیا کروں گا کوثر بی بی، نواب صاحب کو واپس کردیں۔"

"تم خود کروگے واپس—— سمجھے!"

"بہتر ہے۔" میں نے ہار اٹھالیا۔ "جاؤں؟"

"دلارے تم سے کیا باتیں کر رہا تھا؟"

"آپ کے بارے میں۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"رو رہا تھا کہ آپ نے اس کی محبت کا تاج محل مسمار کردیا۔"

"دیکھا—— دیکھا تم نے؟" کوثر ناہید کی طرف پلٹی۔

"آپ فکر نہ کریں—— میں نے اسے نیکی پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ میں نے کہا ہے کہ شریف لڑکیوں کے ساتھ ایسے نہیں پیش آتے۔ وہ رسوا ہوجاتی ہیں۔ میں نے اسے ایک اور ترکیب بتادی ہے۔"

"ترکیب؟ کیا مطلب؟" کوثر چونک پڑی۔

"میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ باقاعدہ آپ کے لئے پیغام بھجوائے۔ یہی شریفانہ طریقہ ہے۔" میں نے کہا اور کوثر آپے سے باہر ہوگئی۔

"تم نے...... تم نے یہ کہا ہے اس سے؟"

"ہاں کوثر بی بی، مجھے بھی آپ کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہے، نواب صاحب بھی اکثر اس بارے میں سوچتے ہیں۔"

"تم—— تم! میں کہتی ہوں تم یہ کوٹھی چھوڑ دو۔ میں کہتی ہوں، میں کہتی ہوں——" کوثر کھڑی ہوگئی۔

"ارے، ارے کوثر—— ارے کوثر——" لڑکیاں بھی گھبرا کر کھڑی ہوگئیں۔ اسی وقت دور سے نورجہاں آتی ہوئی نظر آئی۔

"ڈلیور بھیا—— ڈلیور بھیا! نواب صاحب بلاتے ہیں۔"

"جاؤں کوثر بی بی——؟" میں نے پوچھا۔

"چلے جاؤ—— چلے جاؤ، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" کوثر مکہ بنا کر دھاڑی۔

"نورجہاں!" میں نے نورجہاں کو آواز دی۔

"جی ڈلیور بھیا؟" نورجہاں سہمی سہمی سی میرے پاس آگئی۔ میں نے مٹھی میں دبا ہوا ہار نکالا اور اسے ہاتھوں سے نورجہاں کی گردن میں پہناتے ہوئے کہا۔

"یہ ہار تمہیں کوثر بی بی نے انعام دیا ہے۔ سلام کرو کوثر بی بی کو!"

"سلام بی بی!" نورجہاں کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ کوثر کے منہ سے مارے غصے کے بات بھی نہیں نکل سکی تھی۔

"آؤ نورجہاں——" میں اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس مڑ گیا—— لڑکیاں خاموش کھڑی تھیں۔

"ہائے بھیا! کیسا خوبصورت ہار ہے۔ بڑی رحمدل ہیں ہماری کوثر بی بی۔"

"ہاں نورجہاں! فرشتی ہیں—— بالکل فرشتی۔" میں نے کہا اور پھر مجھے زور کی ہنسی آئی—— میں نواب صاحب کی طرف چل پڑا تھا۔

نواب صاحب نے ان انتظامات اور میری محنت پر میرا شکریہ ادا کیا۔ رشید صاحب بھی موجود تھے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے رشید صاحب سے میرے لے جانے کی اجازت لے لی ہے۔

"کل انتظامات کرنے ہیں—— پھر ایک ہفتے کے اندر اندر روانہ ہوجائیں گے سرفراز میاں۔ تم بھی تیاریاں کرلو۔"

"میں تیار ہوں نواب صاحب!" میں نے جواب دیا۔ پھر میں نواب صاحب کے ساتھ واپس آگیا۔

تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ رشید صاحب کی اداسی دیکھ کر دل کڑھتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے ایک دن تو ان سے جدا ہونا ہی تھا اور پھر جس دن روانگی کی طے ہوگئی، اس سے ایک رات پہلے رشید احمد صاحب نے بالآخر گھر میں تذکرہ کردیا۔

"ہائیں——!" بیگم رشید منہ پھاڑ کر رہ گئیں۔ "مگر—— مگر——"

"نواب صاحب تیاریاں مکمل کرچکے ہیں۔"

"تو یہ منع کیوں نہیں کردیتے۔" بیگم صاحبہ ہول کر بولیں۔

"ہمیں انہیں نہیں روکنا چاہیئے بیگم، یہ ان کے مستقبل کا سوال ہے۔" رشید صاحب نے نشیب و فراز سمجھائے اور بیگم صاحبہ رونے لگیں۔

"بری بات ہے فرزانہ! بچے کے مستقبل کا سوال ہے—— اسے دعائیں دو۔"

"خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے بیٹے۔"

اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ بچیوں کو معلوم ہوا تو سب کی سب بلک پڑیں۔

"نہیں—— نہیں، میں تمہیں نہیں جانے دوں گی بھائی جان!" افشاں مجھ سے چمٹ گئی تھی۔

"میں واپس آؤں گا بیٹے، اور پھر کہیں نہیں جاؤں گا تمہارے پاس سے۔" کہکشاں سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا "میں ضرور واپس آؤں گا کہکشاں بھروسہ کرنا۔ میرا انتظار کرنا۔"

بہرحال بڑا رقت انگیز ماحول تھا۔ نواب صاحب نے گہری چال چلی تھی۔ انہوں نے رشید صاحب سے کہا تھا کہ ان کے جانے کے بعد ہی بیگم صاحبہ کو بتایا جائے کہ وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے ہیں۔ اسی طرح بی کوثر کو بھی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ جانے کی خوشی میں پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ گھر سے بڑی خاموشی سے روانگی ہوئی۔ رشید صاحب اس طرح کھڑے رہ گئے تھے جیسے دل ہاتھوں سے نکل گیا ہو۔

مجھے ان کی غمزدہ صورت دیکھ کر دلی رنج ہوا۔ گھر والوں کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔ ایک میرا اپنا گھر تھا جہاں سے روانہ ہونے پر کسی نے ایک آہ بھی نہ بھری تھی—— اونہہ! میں ان تمام چکروں کے لئے نہیں ہوا، سب کچھ بھول جانا پڑے گا—— سب کچھ—— سب کچھ۔

دوسرے بہت سے ملازمین بھی بندرگاہ تک آئے تھے۔ نواب صاحب کے پاس ابھی وقت تھا۔ اس لئے تفریح کی غرض سے انہوں نے جدہ تک بحری سفر کا پروگرام بنایا تھا۔ اس کے بعد تھوڑا سا ہوائی سفر کرنا تھا۔ بحری جہاز سے سفر کرنے کی خواہش بھی بی کوثر کی تھی بہرحال جس طرح دوسرے ملازمین ہمیں بندرگاہ تک پہنچانے آئے تھے اسی طرح کوثر میرے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔

لیکن جب دوسرے ملازم ڈیک پر رہ گئے اور میں جہاز پر آگیا تو کوثر نے مجھے حیرت سے دیکھا اور پھر نواب صاحب کو—— لیکن نواب صاحب نے جان بوجھ کر رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ البتہ کوثر خاموش رہی۔ اس نے اس بارے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ جہاز کے عملے کے ایک آدمی نے ہمیں فرسٹ کلاس کے دو کیبنوں تک پہنچادیا جہاں ایک اور ملازم نے ہمیں ریسیو کیا۔ ہمارا سامان دو کیبنوں میں سجادیا گیا۔ دونوں کیبن ڈبل تھے۔ ایک میرے لئے مخصوص تھا اور دوسرا نواب صاحب اور کوثر کے لئے۔

جہاز روانہ ہونے میں ابھی دیر تھی۔ کوثر کے چہرے پر سنجیدگی آگئی تھی۔ "ابو——!" اس نے کہا۔ "آیئے، ذرا آپ سے بات کرنی ہے۔"

"ایں—— ہاں آؤ بیٹے۔" نواب صاحب نے کہا اور وہ دونوں کیبن میں داخل ہوگئے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ گفتگو میرے ہی بارے میں ہوگی۔ بہرحال مجھے کیا پرواہ ہوسکتی تھی۔ نواب صاحب کو خود ہی نپٹنا تھا۔

میں اپنے کیبن میں آگیا—— اور پھر جہاز نے روانگی کی وسل دی۔ میں کیبن سے نکل آیا—— لنگر اٹھادیئے گئے اور آہستہ آہستہ ساحل سے دور ہونے لگا۔ وطن چھوٹ رہا تھا—— بے شمار یادیں—— بے شمار کہانیاں، مخلص—— دشمن—— رہے جارہے تھے۔ آہ—— یہاں اپنے بھی تھے، بیگانے بھی۔ وہ اپنے بھی جو بیگانوں سے بدتر تھے۔

آنکھوں میں آنسو آگئے—— میرا دوست ارشاد—— رشید صاحب، افشاں، کہکشاں، مینا اور نورجہاں—— نورجہاں، اس معصوم لڑکی سے تو میں رخصت بھی نہیں ہوا تھا۔

نہ جانے کیا کیا خیالات تھے، نہ جانے کیا یہاں رہا جارہا تھا! ساحل دور ہو رہا تھا۔ میں اس وقت چونکا جب قریب ہی سے نواب صاحب کی آواز سنائی دی۔

"سرفراز——!" میں چونک پڑا۔ گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں نمایاں تھیں۔ کوثر بھی نواب صاحب کے ساتھ تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہی تھا۔

"رو رہے ہو سرفراز!" نواب صاحب گمبھیر آواز میں بولے۔

"اوہ نہیں، نہیں۔" میں نے گلا صاف کرتے ہوئے گالوں پر ہاتھ پھیر کر آنسو صاف کئے۔

"وطن بہرحال وطن ہوتا ہے۔ اچھی اور بری یادوں کا وطن۔ لیکن مرد کے لئے تو سفر ہی مناسب ہے۔ کوثر کو دیکھو! یہ بہت خوش ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور میں بھی مسکرادیا—— لیکن کوثر کے ہونٹ مسکراہٹ سے عاری تھے۔ نہ جانے اس نے کس دل سے مجھے برداشت کیا تھا۔

"آؤ سرفراز میاں۔" نواب صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ کوثر بیٹے۔" انہوں نے کوثر سے کہا، اور ہم تینوں عرشے پر آگئے۔ جہاز تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اور شہر کی عمارتیں اور مناظر نگاہوں سے اوجھل ہوتے جارہے تھے۔

کوثر نے یہاں بھی نفرت کا اظہار کیا تھا، وہ ہم دونوں سے کئی قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی، اس کا چہرہ سپاٹ تھا، ہر قسم کے جذبات سے عاری، وہ بھی دور ہوتی ہوئی عمارتوں کو دیکھ رہی تھی۔

• "بھئی یہ بُری بات ہے سرفراز میاں" نواب فیروز الدین نے کہا اور میں چونک پڑا۔

• "جی نواب صاحب" میں آہستہ سے بولا۔

• "اتنی خاموشی، میرا دم گھٹ جائے گا"

• "اوہ — جی — جی ہاں — بس یُونہی ذہن پر ذرا سا بوجھ طاری ہو گیا تھا، صاف ہو جائے گا تھوڑی دیر میں"

• "ارے تم نیک بی بی تو ہو نہیں جو رخصت ہو کر سسرال جا رہی ہے، بھئی سیر و تفریح کو جا رہے ہیں۔ ایڈونچر رہے گا، بہت سے ہنگاموں سے واسطہ پڑے گا، خوب دلچسپیاں رہیں گی، اس میں اداس ہونے کی کیا بات ہے" نواب صاحب نے کہا۔

• "یقیناً نواب صاحب، بس یُوں سمجھیں، زندگی میں پہلی بار وطن سے قدم باہر نکال رہا ہوں"

• "ہاں، خیر تھوڑا سا احساس تو ہوتا ہے، بہرحال جھٹکو یار ذہن کو، جہاز کا سفر بہت دلچسپ رہے گا، یہاں کے لوگوں سے دوستی کرو، بھانت بھانت کے لوگ ملیں گے، کوثر — ارے کوثر بیٹی"

• "جی ابو" کوثر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

• "اس طرف آ جاؤ کوثر"

• "ٹھیک ہوں ابو، بالکل ٹھیک ہوں"

• "بڑی عجیب لڑکی ہے" نواب صاحب آہستہ سے بڑبڑائے۔

• "کوثر صاحبہ میرے آنے سے خوش نہ ہوں گی"

• "اوہ۔ سرفراز بیٹے، تم اس کی عادت سے تو واقف ہی ہو" نواب صاحب شرمندگی سے ہنستے ہوئے بولے اور پھر آہستہ سے بولے "بہرحال میری درخواست برقرار ہے"

• "درخواست" میں نے چونک کر پوچھا۔

• "ہاں بھئی کوثر کے معاملے میں، اگر اس سے کچھ بدتمیزی سرزد ہو جائے تو میری شکل ذہن میں رکھ کر اسے معاف کر دو گے"

• "نواب صاحب، آپ مجھے اس موضوع پر شرمندہ نہ کریں۔ میں کوثر بی بی کی عزت کرتا ہوں، ان کے مزاج سے واقف ہوں، آپ اس سلسلہ میں بالکل فکرمند نہ ہوں"

• "شکریہ بیٹے، آؤ آرام کریں کچھ دیر، سمندر کی چاندنی راتیں بہت ہی دلکش ہوتی ہیں، رات کو عرشہ کی سیر کریں گے، یہاں سے سمندر پر لوٹتی چاندنی بہت خوبصورت لگتی ہے"

نواب صاحب واپسی کے لئے پلٹے، میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔

• "آؤ کوثر بیٹے"

• "آپ جائیں ابو، میں کچھ دیر رکوں گی" کوثر نے جواب دیا۔

• "آؤ سرفراز" نواب صاحب گہری سانس لے کر بولے، اور ہم دونوں واپس چل پڑے، نواب صاحب اپنے کیبن میں چلے گئے اور میں اپنے کیبن میں چلا گیا۔ خوبصورت تمام ضروری چیزوں سے آراستہ تھا۔ میں کراہ کر مسہری پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر کے اپنی اس وقت کی کیفیت پر غور کیا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مٹی کی خوشبو شاید دل کو متاثر کرتی ہی ہے، میں تو ان باتوں کو صرف کتابی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس وقت کچھ ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔ وطن نام کی کوئی چیز میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

پھر ذہنی رو کوثر کی طرف بھٹک گئی۔ دیوانی لڑکی، نہ جانے کس رنگ میں تھی۔ بہرحال نواب فیروز الدین جیسے نیک انسان کی بیٹی تھی۔ اس لئے میں اس کے بارے میں غلط انداز سے نہیں سوچ سکتا تھا، اور انہیں خیالات میں نہ جانے کب چپکے سے پلکیں جڑ گئیں، اور میں بے خبر ہو گیا۔ پھر اس وقت آنکھ کھلی جب کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا، بوجھل ذہن سے اٹھ گیا۔ دروازہ کھولا، بیرا تھا۔

• "صاحب، چائے یہاں پئیں گے یا برابر والے کیبن میں، برابر والے صاحب نے پوچھا ہے"

• "میں وہیں آ رہا ہوں" میں نے بھاری آواز میں کہا اور بیرا باہر نکل گیا۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر میں نے نواب فیروز الدین کے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔

• "آ جاؤ" اندر سے آواز آئی اور میں اندر داخل ہو گیا۔

• "آؤ بھئی خوب سوئے"

• "جی ہاں نیند آ گئی تھی"

• "بیٹھو۔ کوثر بیٹے، گھنٹی بجا کر چائے کے لئے کہہ دو"

• "سوری ڈیڈی، یہ کام آپ کر لیں" کوثر نے بدستور زنگ چڑھے انداز میں کہا، اس کے چہرے پر اس وقت بھی مسکراہٹ نہیں تھی، مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔

دیکھوں گا کوثر بی بی یہ بے نیازی کب تک جاری رہے گی۔ دل میں آگ نہیں لگانا چاہتا، کیونکہ تم میری منزل نہیں ہو، ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔ میں نے دل میں سوچا، کوثر کا یہ انداز شاید نواب فیروز الدین کو بھی پسند نہ آیا تھا، لیکن لاڈلی بیٹی سے کچھ نہ کہہ سکے، اٹھنے لگے تو میں نے جلدی سے انہیں روک دیا:

• "آپ تکلیف نہ کریں نواب صاحب، میں کہے دیتا ہوں" میں نے گھنٹی بجائی اور بیرے کو چائے لانے کے لئے کہہ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ نواب صاحب کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔

• "خیریت تو ہے نواب صاحب، آپ کچھ فکرمند ہیں"

• "نہیں بھئی" نواب صاحب نے طویل سانس لی "موجودہ پوزیشن میری توقع سے کچھ زیادہ ہی ہے"

• "میں نہیں سمجھا" میں نے حیرانی سے کہا۔

• "کیا تم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے اسی قدر بے زار رہو گے؟"

• "جی —" میں نے حیرت سے کہا۔

• "اس طرح تو سفر کا لطف جاتا رہے گا سرفراز میاں"

• "مجھے حکم دیں نواب صاحب، مجھے کیا کرنا چاہیے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

• "ڈیڈی" کوثر غصہ سے کھڑی ہو گئی "یہ کیا گفتگو شروع کر دی آپ نے"

• "بیٹھ جاؤ کوثر" نواب صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

• "آپ نے میری انسلٹ کی ہے ڈیڈی"

• "کیا انسلٹ کی ہے بے بی"

• "میرا ان سے کیا تعلق، میری ان سے کیا برابری، اگر آپ نے انہیں ایک ملازم کی حیثیت سے ساتھ لیا ہے تو پھر انہیں ملازموں کی طرح ٹریٹ کریں۔ اگر یہ آپ کے لئے کوئی اہمیت رکھتے ہیں تو اس اہمیت کو خود تک محدود رکھیں آپ، میرے اوپر کیوں یہ مصیبت مسلط کر رہے ہیں، میں اس سفر میں بہت خوش ہوں، اپنے طور پر لطف اندوز ہو رہی ہوں۔ براہ کرم مجھے پریشان نہ کیا جائے"

• "کوثر بی بی ٹھیک کہہ رہی ہیں نواب صاحب، میرا خیال ہے انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے" میں نے صاف لہجے میں کہا، نواب صاحب نے چونک کر میری شکل دیکھی۔

لیکن میری پیشانی پر ایک بھی بل نہیں تھا۔

تب انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بولے:

• "بیٹھ جاؤ کوثر بیٹے"

• "معاف کیجئے ابو حضور، میں ملازموں سے اس قدر بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی، میں اس وقت چائے نہیں پیوں گی" کہتے کی دم نے کہا۔ اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

اس کے باہر نکلتے ہی نواب صاحب نے بڑی عاجزی سے میرے ہاتھ پکڑ لئے۔

• "اس بے وقوف کو معاف کر دینا" نواب صاحب نے کہا "میں اس کی بدتمیزی کے لئے تم سے ہزار بار معافی مانگنے کو تیار ہوں"

• "آپ بلا وجہ پریشان ہیں نواب صاحب، بخدا مجھے کوثر بی بی کی کوئی بات بُری نہیں لگتی" میں نے نواب صاحب کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

• "تمہارا یہ احسان میری گردن پر ہے سرفراز میاں، درحقیقت بہت بدتمیز ہو گئی ہے، لیکن — لیکن"

• "میری درخواست ہے نواب صاحب، کوثر بی بی کے اور میرے کسی معاملے میں آپ تردد نہ کریں، میں انہیں ننھی اور ناسمجھ بچی کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا"

چائے آ گئی، اور ہم چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

جہاز کے طویل سفر کی پہلی رات بہت خوبصورت تھی۔ ہم عرشہ پر کھڑے چاندنی سے لطف اندوز ہوتے رہے، کوثر بھی ساتھ تھی اور بے چون و چرا آ گئی تھی، اس نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، عجیب رتی ماشہ قسم کی لڑکی تھی۔

بہرحال یہ سوچنا تو فضول تھا کہ اس کے انداز میں تبدیلی آ گئی، میں اس تبدیلی سے اچھی طرح واقف تھا۔ نہ جانے کہاں سینگ سمائے تھے نہ جانے کس سوچ میں تھی۔

نواب فیروز الدین مجھ سے گفتگو کرتے رہے، انہوں نے افریقہ کے ایک پُراسرار سفر کی داستان چھیڑ دی تھی، میں اس سحر طراز داستان میں کھو گیا۔ کوثر بھی شاید ہماری طرف متوجہ تھی، لیکن اس نے ایک بار بھی اس کا اظہار نہیں کیا، اور پھر جب ہم تھک گئے تو واپسی کے لئے تیار ہو گئے، نواب صاحب نے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے مجھے شب بخیر کہا تھا۔ کوثر نے میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد مجھے اس لڑکی کے علاوہ اور کچھ یاد نہ رہا تھا نواب صاحب عمدہ آدمی ہیں، اگر میرا سابقہ اس بدتمیز لڑکی سے ہے بھی تو کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے، اس کی حیثیت ہی کیا ہے، سوائے ایک پاگل دیوانی لڑکی کے۔ تب میری ذہنی رو رشید الدین احمد کے گھرانے کی طرف مڑ گئی۔

اور دل کو دو تین جھٹکے سے لگے۔

کیسا سنسان ہو گا وہ گھر۔

کیسی اداسی برس رہی ہو گی وہاں، ہر شخص اداس ہو گا۔ افشاں کی چہچہاہٹ اداسی میں ڈھل گئی۔ رشید الدین صاحب کی کمر میں خم آ گیا ہو گا۔

افسوس — میں اس گھرانے کے لئے تردد کا باعث بن گیا۔ خدا انہیں ہر تکلیف، ہر آفت سے محفوظ رکھے، میری آنکھیں بھیگ گئیں اور ان جھلملاتے ستاروں میں کہکشاں ابھر آئی۔

آہ۔ وہ سفید ہاتھ، دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ۔ خدایا۔۔۔ کم،

کوثر نے یہاں بھی نفرت کا اظہار کیا تھا، وہ ہم دونوں سے کئی قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی، اس کا چہرہ سپاٹ تھا، ہر قسم کے جذبات سے عاری، وہ بھی دور ہوتی ہوئی عمارتوں کو دیکھ رہی تھی۔

• ”بھئی یہ بُری بات ہے سرفراز میاں۔“ نواب فیروز الدین نے کہا اور میں چونک پڑا۔

• ”جی نواب صاحب!“ میں آہستہ سے بولا۔

• ”اتنی خاموشی، میرا دم گھٹ جائے گا۔“

• ”اوہ — جی — جی ہاں — بس یونہی ذہن پر ذرا سا بوجھ طاری ہو گیا تھا، صاف ہو جائے گا تھوڑی دیر میں۔“

• ”ارے تم نیک بی بی تو ہو نہیں جو رخصت ہو کر سسرال جا رہی ہے، بھئی سیر و تفریح کو جا رہے ہیں۔ ایڈونچر رہے گا، بہت سے ہنگاموں سے واسطہ پڑے گا، خوب دلچسپیاں رہیں گی، اس میں اداس ہونے کی کیا بات ہے؟“ نواب صاحب نے کہا۔

• ”یقیناً نواب صاحب، بس یوں سمجھیں، زندگی میں پہلی بار وطن سے قدم باہر نکال رہا ہوں۔“

• ”ہاں، خیر تھوڑا سا احساس تو ہوتا ہے، بہرحال جھٹکو یار ذہن کو، جہاز کا سفر بہت دلچسپ رہے گا، یہاں کے لوگوں سے دوستی کرو، بھانت بھانت کے لوگ ملیں گے، کوثر — ارے کوثر بیٹی۔“

• ”جی ابو۔“ کوثر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

• ”اس طرف آجاؤ کوثر۔“

• ”ٹھیک ہوں ابو، بالکل ٹھیک ہوں۔“

• ”بڑی عجیب لڑکی ہے۔“ نواب صاحب آہستہ سے بڑبڑائے۔

• ”کوثر صاحبہ میرے آنے سے خوش نہ ہوں گی۔“

• ”اوہ۔ سرفراز بیٹے، تم اس کی عادت سے تو واقف ہی ہو۔“ نواب صاحب شرمندگی سے ہنستے ہوئے بولے اور پھر آہستہ سے بولے۔ ”بہرحال میری درخواست برقرار ہے۔“

• ”درخواست؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

• ”ہاں بھئی کوثر کے معاملے میں، اگر اس سے کچھ بدتمیزی سرزد ہو جائے تو میری شکل نگاہ میں رکھ کر اسے معاف کر دو گے۔“

• ”نواب صاحب، آپ مجھے اس موضوع پر شرمندہ نہ کریں، میں کوثر بی بی کی عزت کرتا ہوں، ان کے مزاج سے واقف ہوں، آپ اس سلسلے میں بالکل فکرمند نہ ہوں۔“

• ”شکریہ بیٹے، آؤ آرام کریں کچھ دیر، سمندر کی چاندنی راتیں بہت ہی دلکش ہوتی ہیں، رات کو عرشے کی سیر کریں گے، یہاں سے سمندر پر لوٹتی چاندنی بہت خوبصورت لگتی ہے۔“

نواب صاحب واپسی کے لئے پلٹے، میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔

• ”آؤ کوثر بیٹے۔“

• ”آپ جائیں ابو، میں کچھ دیر رکوں گی۔“ کوثر نے جواب دیا۔

• ”آؤ سرفراز۔“ نواب صاحب گہری سانس لے کر بولے، اور ہم دونوں واپس چل پڑے، نواب صاحب اپنے کیبن میں چلے گئے اور میں اپنے کیبن میں چلا گیا۔ خوبصورت تمام ضروری چیزوں سے آراستہ تھا۔ میں آرام دہ مسہری پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر کے اپنی اس وقت کی کیفیت پر غور کیا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مٹی کی خوشبو شاید دل کو متاثر کرتی ہی ہے، میں تو ان باتوں کو صرف کتابی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس وقت کچھ ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔ وطن نام کی کوئی چیز میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

پھر ذہن وہ کوثر کی طرف بھٹک گیا۔ دیوانی لڑکی، نہ جانے کس رنگ میں تھی، بہرحال نواب فیروز الدین جیسے نیک انسان کی بیٹی تھی، اس لئے میں اس کے بارے میں غلط انداز سے نہیں سوچ سکتا تھا، اور انہیں خیالات میں نہ جانے کب چپکے سے پلکیں جڑ گئیں، اور میں بے خبر ہو گیا۔ پھر اس وقت آنکھ کھلی جب کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا، بوجھل ذہن سے اٹھ گیا۔ دروازہ کھولا، بیرا تھا۔

• ”صاحب، چائے یہاں پئیں گے یا برابر والے کیبن میں، برابر والے صاحب نے پوچھا ہے؟“

• ”میں وہیں آرہا ہوں۔“ میں نے بھاری آواز میں کہا اور بیرا باہر نکل گیا۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر میں نے نواب فیروز الدین کے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔

• ”آجاؤ۔“ اندر سے آواز آئی اور میں اندر داخل ہو گیا۔

• ”آؤ بھئی خوب سوئے۔“

• ”جی ہاں نیند آگئی تھی۔“

• ”بیٹھو۔ کوثر بیٹے گھنٹی بجا کر چائے کے لئے کہہ دو۔“

• ”سوری ڈیڈی، یہ کام آپ کر لیں۔“ کوثر نے بدستور ناک چڑھے انداز میں کہا، اس کے چہرے پر اس وقت بھی مسکراہٹ نہیں تھی، مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔

دیکھوں گا کوثر بی بی یہ بے نیازی کب تک جاری رہے گی۔ دل میں آگ نہیں لگانا چاہتا، کیونکہ تم میری منزل نہیں ہو، ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔ میں نے دل میں سوچا، کوثر کا یہ انداز شاید نواب فیروز الدین کو بھی پسند نہ آیا تھا، لیکن لاڈلی بیٹی سے کچھ نہ کہہ سکے، اٹھنے لگے تو میں نے جلدی سے انہیں روک دیا۔

• ”آپ تکلیف نہ کریں نواب صاحب، میں کہے دیتا ہوں۔“ میں نے گھنٹی بجائی اور بیرے کو چائے لانے کے لئے کہہ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ نواب صاحب کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔

• ”خیریت تو ہے نواب صاحب، آپ کچھ فکرمند ہیں؟“

• ”نہیں بھئی۔“ نواب صاحب نے طویل سانس لی۔ ”موجودہ پوزیشن میری توقع سے کچھ زیادہ ہی ہے۔“

• ”میں نہیں سمجھا۔“ میں نے حیرانی سے کہا۔

• ”کیا تم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے اسی قدر بے زار رہو گے؟“

• ”جی ...“ میں نے حیرت سے کہا۔

• ”اس طرح تو سفر کا لطف جاتا رہے گا سرفراز میاں۔“

• ”مجھے حکم دیں نواب صاحب، مجھے کیا کرنا چاہئے؟“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

• ”ڈیڈی۔“ کوثر غصے سے کھڑی ہو گئی۔ ”یہ کیا گفتگو شروع کر دی آپ نے؟“

• ”بیٹھ جاؤ کوثر۔“ نواب صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

• ”آپ نے میری انسلٹ کی ہے ڈیڈی۔“

• ”کیا انسلٹ کی ہے بے بی؟“

• ”میرا ان سے کیا تعلق، میری ان سے کیا برابری، اگر آپ نے انہیں ایک ملازم کی حیثیت سے ساتھ لیا ہے تو پھر انہیں ملازموں کی طرح ٹریٹ کریں۔ اگر یہ آپ کے لئے کوئی اہمیت رکھتے ہیں تو اس اہمیت کو خود تک محدود رکھیں آپ، میرے اوپر کیوں یہ مصیبت مسلط کر رہے ہیں، میں اس سفر میں بہت خوش ہوں، اپنے طور پر لطف اندوز ہو رہی ہوں۔ براہ کرم مجھے پریشان نہ کیا جائے۔“

• ”کوثر بی بی ٹھیک کہہ رہی ہیں نواب صاحب، میرا خیال ہے انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔“ میں نے صاف لہجے میں کہا، نواب صاحب نے چونک کر میری شکل دیکھی۔

لیکن میری پیشانی پر ایک بھی بل نہیں تھا۔

تب انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بولے۔

• ”بیٹھ جاؤ کوثر بیٹے۔“

• ”معاف کیجئے ابو حضور، میں ملازموں سے اس قدر بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی، میں اس وقت چائے نہیں پیوں گی۔“ کہتے کی دم نے کہا۔ اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

اس کے باہر نکلتے ہی نواب صاحب نے بڑی عاجزی سے میرے ہاتھ پکڑ لئے۔

• ”اس بے وقوف کو معاف کر دینا۔“ نواب صاحب نے کہا۔ ”میں اس کی بدتمیزی کے لئے تم سے ہزار بار معافی مانگنے کو تیار ہوں۔“

• ”آپ بلاوجہ پریشان ہیں نواب صاحب، بخدا مجھے کوثر بی بی کی کوئی بات بُری نہیں لگتی۔“ میں نے نواب صاحب کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

• ”تمہارا یہ احسان میری گردن پر ہے سرفراز میاں، درحقیقت بہت بدتمیز ہو گئی ہے، لیکن — لیکن۔“

• ”میری درخواست ہے نواب صاحب، کوثر بی بی کے اور میرے کسی معاملے میں آپ تردد نہ کریں، میں انہیں ننھی اور ناسمجھ بچی کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔“

چائے آگئی، اور ہم چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

جہاز کے طویل سفر کی پہلی رات بہت خوبصورت تھی۔ ہم عرشے پر کھڑے چاندنی سے لطف اندوز ہوتے رہے، کوثر بھی ساتھ تھی اور بے چون و چرا آگئی تھی، اس نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، عجیب رتی ماشہ قسم کی لڑکی تھی۔

بہرحال یہ سوچنا تو فضول تھا کہ اس کے انداز میں تبدیلی آگئی، میں اس تبدیلی سے اچھی طرح واقف تھا۔ نہ جانے کہاں سینگ سمائے تھے نہ جانے کس سوچ میں تھی۔

نواب فیروز الدین مجھ سے گفتگو کرتے رہے، انہوں نے افریقہ کے ایک پُراسرار سفر کی داستان چھیڑ دی تھی، میں اس سحر طراز داستان میں کھو گیا۔ کوثر بھی شاید ہماری طرف متوجہ تھی، لیکن اس نے ایک بار بھی اس کا اظہار نہیں کیا، اور پھر جب ہم تھک گئے تو واپسی کے لئے تیار ہو گئے، نواب صاحب نے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے مجھے شب بخیر کہا تھا۔ کوثر نے میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد مجھے اس لڑکی کے علاوہ اور کچھ یاد نہ رہا تھا نواب صاحب عمدہ آدمی ہیں، اگر میرا سابقہ اس بدتمیز لڑکی سے ہے بھی تو کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے، اس کی حیثیت ہی کیا ہے، سوائے ایک پاگل دیوانی لڑکی کے۔ تب میری ذہنی رو رشید الدین احمد کے گھرانے کی طرف مڑ گئی۔

اور دل کو دو تین جھٹکے سے لگے۔

کیسا سنسان ہو گا وہ گھر۔

کیسی اداسی برس رہی ہو گی وہاں، ہر شخص اداس ہو گا۔ افشاں کی چہچہاہٹ اداسی میں ڈھل گئی۔ رشید الدین صاحب کی کمر میں خم آگیا ہو گا۔

افسوس — میں اس گھرانے کے لئے تردد کا باعث بن گیا۔ خدا انہیں ہر تکلیف، ہر آفت سے محفوظ رکھے، میری آنکھیں بھیگ گئیں اور ان جھلملاتے ستاروں میں کہکشاں ابھر آئی۔

آہ۔ وہ سفید ہاتھ، دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ۔ خدایا، ... رحم،

مانگ رہی تھی، خدایا، میرے ذہن میں یہ تبدیلی کیونکر آئی، میں نے اسے بڑے خلوص سے بہن کہا تھا، میں نے اُسے . . . . .

اور اپنی سوچ پر مجھے شرمندگی ہونے لگی۔

مگر اب کیا ہے، اب تو اس سے فاصلے ہو گئے، اتنے فاصلے کہ اس کا قرب ایک خواب کے علاوہ کچھ نہیں تھا، ایک ٹھنڈی سانس لے کر میں نے کروٹ بدل لی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اور پھر نیند کی مہربان دیوی نے مجھے آغوش میں لے لیا۔

دوسری صبح بھاری بھاری سی تھی طبیعت۔ میں نے اپنا ناشتہ کیبن میں ہی کیا، اور پھر اس وقت تک کیبن میں ہی رہا، جب تک دروازے پر نواب صاحب نے دستک نہ دی۔

• "ارے بھئی کیا آج باہر نہ نکلو گے؟"

• "حاضر ہوں نواب صاحب۔"

• "آؤ — چہل قدمی کریں گے۔" نواب صاحب نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

• "کوثر بی بی کہاں گئیں؟"

• "اوہ — کل ایک انگریز لڑکی سے تعارف ہو گیا تھا، وہی آکر اُسے لے گئی ہے۔"

• "بہت اچھی بات ہے۔"

• "رات کو بھی میں نے اس سے تمہارے بارے میں گفتگو کی تھی۔"

• "خوب۔"

• "عجیب لڑکی ہے، کہہ رہی تھی کہ تم بے حد شریف انسان ہو۔"

• "کمال ہے۔"

• "لیکن وہ اپنا رویہ بدلنے کو تیار نہیں ہے۔"

• "نہ سہی، ان کی یہی مہربانی کیا کم ہے کہ مجھے کوئی شریف آدمی سمجھتی ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور نواب صاحب بھی شرمندہ سے انداز میں ہنستے رہے۔

ہم جہاز کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے، سورج بادلوں میں روپوش تھا، موسم بہت خوشگوار لگ رہا تھا۔ فرسٹ کلاس مسافروں کے لئے عرشہ کے ایک حصے میں ایک خوبصورت چھت گیری لگا دی گئی تھی، جس کے نیچے کرسیاں پڑی ہوئی تھیں، یہاں سے سمندر کا نظارہ بھی ہوتا تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں باقاعدہ سرو ہو رہی تھیں۔

• "آؤ بیٹھیں۔" نواب صاحب نے کہا، چھت گیری کے نیچے پہنچے تو کوثر اور ایک خوبصورت سی انگریز لڑکی نظر آئی، جو کرسیوں پر بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔

• "ہوں — تو یہ یہاں موجود ہیں۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر ان سے تھوڑے فاصلے پر دو کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

کوثر کی نگاہ بھی ہم دونوں پر پڑ گئی، اس نے انگریز لڑکی کو کچھ بتایا۔ اور وہ پلٹ کر دیکھنے لگی، پھر دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

• "آئی شامت۔" میں نے دل میں سوچا۔

• "ہیلو — انکل۔" انگریز لڑکی نے بے تکلفی سے نواب صاحب سے کہا۔

• "ہیلو۔" نواب صاحب کھڑے ہو گئے، میں بھی کھڑا ہو گیا۔

• "ہیلو مسٹر۔" لڑکی مجھ سے بولی۔

• "ہیلو۔" میں نے بھی گردن جھکا دی۔

• "میرا نام کرسٹینا ہے انکل۔ اپنی ممی کے ساتھ وطن واپس جا رہی ہوں۔"

• "بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر بیٹے، بیٹھو۔" نواب صاحب نے کہا۔

• "شکریہ انکل، یہ کوثر بہت پیاری ہے، ہم تھوڑی سی دیر میں بہت بے تکلف ہو گئے۔" کرسٹینا بچوں کے سے انداز میں بولی۔

• "بہت اچھی بات ہے بیٹے۔"

• "آپ لوگ افریقہ جا رہے ہیں انکل؟"

• "ہاں بیٹے۔ آپ کے ڈیڈی کیا کرتے ہیں؟"

• "اسی شپنگ کمپنی کے منیجر ہیں جس کے شپ میں ہم سفر کر رہے ہیں۔"

• "خوب، کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں ہیں؟"

• "نہیں انکل۔"

کوثر نے اس وقت بڑی فراخ دلی سے کام لیا تھا، وہ بیٹھ گئی تھی۔ لیکن میں کسی بھی بات پر بھگائے جانے کے لئے تیار تھا۔

• "آپ کا نام نہیں معلوم ہو سکا مسٹر؟" کرسٹینا مجھ سے مخاطب ہوئی۔

• "سرفراز۔" میں نے جواب دیا۔

• "صورت سے تو آپ ملازم نہیں معلوم ہوتے، کوثر نے جھوٹ تو نہیں بولا؟" "جی نہیں، مس کوثر جھوٹ نہیں بولتیں۔" میں نے جلدی سے کہا اور نواب صاحب کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ کوثر نے یہاں بھی کمینگی کا ثبوت دیا تھا۔

کرسٹینا بہت بے تکلف لڑکی تھی، اس نے میری حیثیت پر توجہ نہیں دی۔ وہ مجھ سے بھی برابر گفتگو کر رہی تھی، اور میں بڑے محتاط انداز میں جواب دے رہا تھا۔

• "آپ لوگ شام کی چائے میرے کیبن میں پئیں گے انکل؟"

• "ضرور بیٹے، آپ کی دعوت کا شکریہ۔"

• "میں آپ کو ممی سے ملاؤں گی۔"

• "یقیناً۔"

• "مسٹر سر — سرفراز آپ بھی۔" وہ نام صاف نہ لے سکی۔

• "بہتر۔" میں نے کوثر کی طرف دیکھا، اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔

پھر نواب صاحب نے ایک مشروب طلب کیا۔ اور دونوں لڑکیاں کافی دیر تک ہمارے پاس بیٹھی رہیں، پھر کرسٹینا اٹھتے ہوئے بولی۔

• "انکل پلیز، کوثر کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں!"

• "ہاں ہاں بھئی، دو دوستوں کے درمیان آنے والے ہم کون ہیں۔" فیروز الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• "تھینک یو انکل، تھینک یو سرفراز۔" اس نے اٹھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دونوں چھت گیری سے نکل گئیں، نواب فیروز الدین نے ایک گہری سانس لی تھی۔

• "شکر ہے اس کا ذہن بٹ گیا، ورنہ خاصی بد دیست رہتی، ویسے میں نے اس کے بارے میں قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اسے لندن میں چھوڑ دوں گا۔"

• "جی۔" میں نے مختصراً کہا۔

• "گورنمنٹ کی لڑکیاں اکثر ان کے ساتھ مہمات میں شریک رہتی ہیں لیکن ہماری اور ان کی عورتوں میں فرق ہے، کوثر ایک نرم و نازک لڑکی ہے، مہمات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے، ممکن ہے سفر کی صعوبتیں بھی وہ برداشت نہ کر سکے۔"

• "جی۔" میں نے پھر اسی انداز میں کہا۔

• "تم اس سلسلے میں مشورہ دو۔"

• "خوفزدہ ہوں نواب صاحب، میری کوئی بات کوثر بی بی نے سن لی تو میری شامت آجائے گی۔"

• "اوہ۔" نواب صاحب ہنس پڑے۔ "کیا تم بھی اس سے ڈرنے لگے ہو۔"

• "بے حد۔" میں نے اسی انداز میں کہا۔

• "تمہاری بہت توہین کرتی ہے، لیکن میں تمہاری شرافت کو سلام کرتا ہوں۔" نواب صاحب متاثر لہجے میں بولے۔ "اس وقت تک اسے برداشت کر لو، جب تک ہم لندن نہ پہنچ جائیں۔"

• "نواب صاحب آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہم دونوں گفتگو کرتے رہے، پھر نواب صاحب چونک کر بولے۔

• "میاں شطرنج سے کوئی واقفیت ہے؟"

• "معمولی سی۔" میں نے جواب دیا۔

• "مہرے چل لیتے ہو؟"

• "جی ہاں۔"

• "کافی ہے، آؤ — شغل رہے گا۔"

• "جی۔" اور ہم دونوں اٹھ گئے، نواب صاحب نے اپنے سامان سے بساط نکالی، اور ایک مناسب جگہ ہم دونوں بیٹھ گئے، بساط لگائی گئی اور نواب صاحب چال چلنے لگے۔ ابتدا میں میں نے دو تین الٹی چالیں چلیں، اور نواب صاحب میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے، انہوں نے چال چلی اور اس بار میں نے ایک عمدہ چال چل دی۔

• "واللہ — واللہ — کیا چال چلی ہے، ایسے ہی کھیلو میاں، ذرا سوچ سمجھ کر۔" نواب صاحب بولے۔

• "ایسے ہی کھیلوں نواب صاحب!"

• "ہاں۔ یقیناً۔" نواب صاحب میری ہمت افزائی کرتے ہوئے بولے، ان کی پوزیشن بہت مضبوط تھی، اور وہ بساط پر چھائے ہوئے تھے۔ لیکن انہیں یہ بات معلوم نہیں تھی کہ میرے جاننے والے مجھے شطرنج کا بادشاہ کہتے تھے، بازی میرے خلاف جاتی رہی، اور پھر میں سنبھل گیا، میں نے سنبھل کر چال چلی اور نواب صاحب الجھ گئے۔

انہوں نے ایک اور چال چلی، اور میں نے پھر مہرہ آگے بڑھا دیا۔

• "ہیں — ہیں، کیا یہ سوچی سمجھی چال ہے؟" نواب صاحب حیرت سے بولے، اور پھر بڑی الجھن کے ساتھ انہوں نے ایک چال چل دی، لیکن میری بازی میری نگاہ میں تھی، نواب صاحب میری مرضی کے مطابق چالیں چل رہے تھے اور چند ہی چالوں میں میں نے بازی پلٹ دی۔

نواب صاحب منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔

• "یہ — یہ کیا ہوا؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

• "شہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• "لیکن — لیکن۔"

• "دوبارہ لگاؤں نواب صاحب؟" میں نے پوچھا۔

• "تم — تم آخر ہو کیا بلا؟" وہ پریشانی سے بولے۔

• "میں صرف چند چالیں چلوں گا نواب صاحب، اور شہ ہو جائے گی!"

• "واقعی۔ اماں واقعی — کونسا کام ہے جس میں تم واقفیت نہیں رکھتے، نواب صاحب نے دوبارہ بساط لگائی۔"

• "تو پھر دکھاؤ اپنا فن، اس سے قبل تو ہم خود ہی کو مرد میدان سمجھتے تھے۔"

• "بسم اللہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نواب صاحب نے پوری ذہانت سے پہلی چال چلی تھی، لیکن اس کا جواب بھی بہت سخت تھا۔

• "خوب — بہت خوب، واللہ بے نظیر ہیں؟" نواب صاحب شطرنج پر نگاہیں جمائے ہوئے بولے۔ اس بار بھی انہوں نے اپنی دانست میں بہت عمدہ چال چلی تھی، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ میں نے اپنے دعوے کے مطابق چند چالوں میں شہ دے دی۔ اور نواب صاحب نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

• ایسی ہی باتیں تمہارے بارے میں شبہ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ میاں صاحبزادے خدا کے واسطے اب تو کھل جاؤ۔"

میں ہنسنے کے علاوہ کیا کر سکتا تھا، لیکن نواب صاحب بچوں کی طرح ضد کرنے لگے۔

• نہیں بتاؤ گے؟

• کیا بتاؤں؟" میں نے احمقانہ انداز میں کہا۔

• اپنے بارے میں۔"

• جس قدر بتا چکا ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

• ناممکن ۔ بالکل ناممکن۔"

میں خاموش رہا۔

• خیر۔" نواب صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔" ایک نہ ایک دن تمہارا راز پا ہی لیں گے۔"

• اور لگاؤں نواب صاحب؟

• چھوڑو میاں سارا مان توڑ دیا۔ بخدا کرنل ڈکسن کی ایسی تیسی ہو جائے گی۔ بڑا چیمپئن سمجھتا ہے خود کو۔ انٹرنیشنل کھلاڑی ہے، لیکن میں اس کے ساتھ برابر کھیلتا ہوں۔ میاں یوں سمجھ لو، وہ بھی بس مجھے ہی تسلیم کرتا ہے، لیکن اب ہا ہا ہا ہا مزا آئے گا۔ تمہاری معیت سے میں کتنا خوش ہوں اس کا اظہار ناممکن ہے۔"

تقریباً ساڑھے تین بجے کوثر واپس آئی، چہرے سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ شاذ و نادر ہی اس لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آتی تھی۔ لیکن میری نحوست کہ میری شکل دیکھتے ہی اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔

• مسٹر سرفراز، اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنے کیبن میں تشریف لے جائیں تو نوازش ہو گی۔"

• ارے، ارے خیریت۔" نواب صاحب چونک کر بولے۔

• اب ضروری تو نہیں ابو کہ ہر بات ان کے سامنے ہی کروں۔" کوثر تنک چڑھا کر بولی۔

• اوہو ـــ ایسی کونسی بات ہے؟" نواب صاحب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

• کوئی حرج نہیں ہے نواب صاحب، میں چلا جاتا ہوں۔" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

• نہیں تم بیٹھو، جو کچھ بتانا ہے ان کے سامنے ہی بتاؤ کوثر۔" نواب صاحب سخت لہجے میں بولے۔

• کیا آپ مجھے اسی طرح ذلیل کرنے کے لئے لائے ہیں؟" کوثر روہانسی آواز میں بولی۔

• بُری بات ہے بیٹے، تمہارا سلوک بھی تو سرفراز کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔" نواب صاحب نے سمجھایا۔

• آپ ملازموں کو سر پر بٹھانے کے قائل ہوں گے، میں نہیں۔ اگر آپ میری موجودگی اتنی ہی ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس کرشینا کے کیبن میں جا رہی ہوں۔"

• نواب صاحب۔ پلیز۔ میرا خیال ہے کہ معمولی سی بات کو طول دے دیا گیا ہے۔ میں پھر حاضر ہوں گا۔" میں اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے کیبن سے نکل گیا۔

نہ جانے دونوں باپ بیٹی میں کیا باتیں ہوئیں، میں نے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، ہاں پانچ بجے نواب صاحب نے میرے کیبن پر دستک دی۔

• ارے بھئی سرفراز میاں تیار نہیں ہوئے؟"

• تیار ہوں نواب صاحب۔" میں باہر نکل آیا۔

کوثر ایک خوبصورت لباس میں نواب صاحب کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر حیرت انگیز نرمی تھی۔ نواب صاحب بھی متردد نہیں معلوم دیتے تھے، شاید دونوں میں کوئی سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ ہم تینوں کرشینا کے کیبن کی طرف چل پڑے۔

بوڑھی عورت ـــ بوڑھی ہونے کے باوجود خوبصورت ہنسی کی مالک تھی۔ کھنکتے ہوئے قہقہے سے اس نے ہمارا استقبال کیا۔

• یقیناً کوثر کے ڈیڈی کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ جیسے آپ ہیں، مسٹر ـــ مسٹر ـــ ؟

• فیروز الدین۔" نواب صاحب جلدی سے بولے۔

• اوہ ہاں۔ کوثر نے بتایا تھا، سوری۔ آپ لوگوں کے نام زبان پر نہیں چڑھتے، تمہارا کیا نام ہے بیٹے؟

• سرفراز ممی۔" کرشینا جلدی سے بولی۔

• اوہ ـ یس یس۔ آیئے مسٹر فیروز ڈین۔"

اور ہم سب کرسیوں پر جا بیٹھے۔ مادام جوزیفائن نے گھنٹی بجا کر بیرے کو بلایا، اور تھوڑی دیر کے بعد ہم چائے پی رہے تھے۔ کوثر اس دوران خاموش رہی۔ مادام جوزیفائن ہم دونوں سے گفتگو کرتی رہیں اور کوثر کرشینا کے ساتھ ایک طرف بیٹھی رہی۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

تقریباً سات بجے ہم ان لوگوں سے رخصت ہوئے۔ کیبن کے دروازے پر کرشینا نے کوثر سے کہا:

• کیا تم بال روم میں نہیں آؤ گی ڈارلنگ؟

• کیوں؟" کوثر حیرت سے بولی۔

• اوہ ـــ رقص کریں گے، آؤ گی نا؟

• نہیں کرشینا۔ میں رقص نہیں کرتی۔" کوثر نے جواب دیا۔

• تو دیکھ تو سکتی ہو؟" کرشینا نے کہا۔

• آ جاؤں گی۔" کوثر لاپرواہی سے بولی۔

• مسٹر سرفراز آپ بھی؟" کرشینا نے کہا، اور میں نے بوکھلا کر کوثر کی شکل دیکھی۔

• کرشینا ـــ کوثر نے احتجاجی انداز میں کہا۔" میں تمہیں بتا چکی ہوں، یہ صرف ملازم ہیں۔"

• شریر لڑکی ـــ" کرشینا نے مسکراتے ہوئے کوثر کے گال پر آہستہ سے تھپکی دی۔ سادہ دل لڑکی کا خیال تھا کہ کوثر صرف مذاق کر رہی ہے بہرحال ہم وہاں سے چلے آئے۔

کوثر نے بغور میری شکل دیکھی۔ لیکن میرے چہرے پر کسی قسم کے تردد کے آثار نہ پا کر اس کا موڈ پھر آف ہو گیا۔ اور ایک اور بات میری سمجھ میں آئی۔ ممکن ہے یہ لڑکی اپنی زیادتیوں کا ردِ عمل میرے چہرے سے دیکھنا چاہتی ہو۔ لیکن مس کوثر، معاف کیجئے اداکاری کر سکتا ہوں، ایسی اداکاری کہ آپ کا بُرا حال ہو جائے، لیکن آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کروں گا۔

میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔

اور پھر میرے ذہن میں بھی ایک شرارت ابھری۔ کوثر نے کرشینا سے بال روم آنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا، میں بھی بال روم جاؤں گا۔ رقص کے بارے میں بھی تھوڑا بہت جانتا تھا۔ کیا ہی کیا تھا زندگی میں فضول باتوں کے سوا شام سات بجے سے پہلے ہی میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ میرے پاس خوبصورت سوٹ کافی تھے۔ میں نے سب سے عمدہ سوٹ نکالا۔ غسل کیا اور پھر انتہائی نفاست سے سوٹ پہنا۔ نواب صاحب کے متوجہ ہونے سے پہلے ہی میں باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کوثر کے جاتے ہی نواب صاحب مجھے تلاش کریں گے۔ چنانچہ میں جہاز کے ایک ایسے گوشے میں چلا گیا، جہاں سے کوئی مجھے نہ دیکھ سکے۔

تقریباً پونے آٹھ بجے تک میں چھپا چھپا پھرتا رہا۔ پھر بال روم کی طرف چل پڑا۔

اندر سے میوزک کی آواز ابھر رہی تھی، شاید رقص شروع ہو چکا تھا بڑی رومانی فضا تھی اندر کی۔ ایک کونے میں کوثر ایک میز پر تنہا بیٹھی تھی۔ کئی جوڑے فرش پر رقصاں تھے۔

میں نے اس کے سامنے ہی کی ایک میز سنبھال لی اور چٹکی بجا کر بیرے کو بلایا۔ بیرے کے آنے پر میں نے ایک مشروب کا آرڈر دیا۔ اور پھر خوشرنگ مشروب کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگا۔ کوثر کی نگاہ شاید ابھی تک میرے اوپر نہیں پڑی تھی۔ وہ چوبی گیلری کی جانب دیکھ رہی تھی۔ میری نگاہوں نے بھی اس کا تعاقب کیا۔

اور پھر میں نے کرشینا کو دیکھ لیا، جو ایک غیر ملکی شخص کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ میں نے گہری سانس لی، اسی وقت رقص کا راؤنڈ ختم ہو گیا اور تالیاں گونج اٹھیں۔

کرشینا کوثر کی جانب بڑھی، میں نے جان بوجھ کر نگاہیں اس پر سے ہٹا لی تھیں۔ کرشینا نے بھی کوثر کے نزدیک پہنچ کر مجھے دیکھا، وہ بیٹھتے بیٹھتے ایک دم کھڑی ہو گئی میں نے اب بھی نگاہوں کا زاویہ ایسا رکھا تھا کہ انہیں دیکھ سکوں اور اندازہ ہو کہ کسی اور طرف دیکھ رہا ہوں۔

کرشینا نے میری طرف اشارہ کیا اور کوثر چونک کر مجھے دیکھنے لگی، میں نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔ گلاس کی آڑ سے میں کوثر کی شکل دیکھ رہا تھا۔ کوثر ایک ٹک مجھے دیکھ رہی تھی۔

پھر کرشینا مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کرتی رہی۔ کوثر نے دو ایک بار اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر شاید اسے کسی کام سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پھر کرشینا کرسی سے اٹھ ہی گئی۔

کوثر نے اضطراب سے پہلو بدلا تھا۔

کرشینا میری طرف ہی آ رہی تھی، اور میری میز کے نزدیک پہنچ کر وہ بولی "ہیلو سرفراز"؟

• اوہ ـــ ہیلو کرشینا۔" میں نے گرمجوشی سے کہا اور وہ کرسی گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

• کتنی دیر ہوئی تمہیں آئے ہوئے؟

• ابھی چند منٹ قبل آیا ہوں۔"

• کوثر بھی موجود ہے۔"

• ہاں۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔"

• اوہ ـ میرے لئے جوس منگواؤ، اس وقت تم سے بہت سی باتیں کروں گی۔" کرشینا نے بے تکلفی سے کہا اور میں نے ویٹر کو اشارہ کر کے آرڈر دے دیا۔

• رقص کرتے ہو؟" کرشینا نے پوچھا۔

• کیوں نہیں؟

• تب ہم فی الحال صرف باتیں کریں گے۔ اس کے بعد والا راؤنڈ ہم ناچیں گے۔ کیا خیال ہے؟

• ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

• تم بے حد دلکش نوجوان ہو سرفراز، میری سمجھ میں نہیں آتا، یہ لڑکی تم سے اس قدر الرجک کیوں ہے؟"

• اوہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے مس کرشینا، بس مس کوثر ذرا تیز طبیعت کی مالک ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• اس نے تمہاری شخصیت بے حد پُراسرار بنا دی ہے۔"
• میری شخصیت؟" میں نے حیرت سے کہا۔

بیرے جوس کا خوبصورت گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔ کرسٹینا نے اس دو تین سپ لئے اور پھر ہونٹ خشک کرتے ہوئے بولی۔

• ہاں۔"
• وہ کس طرح؟"
• اس نے شاید تمہارے سامنے بھی تمہیں صرف ایک ملازم کہا تھا۔"
• ہاں۔"
• تو کیا تم واقعی ایک معمولی سے ملازم ہو؟"
• کیا ملازم ہونے سے شخصیت پُراسرار ہو جاتی ہے مس کرسٹینا؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
• اوہ — نہیں، یہ بات نہیں ہے، مگر تم کیسے ملازم ہو؟"
• کیوں۔؟"
• میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔"... کرسٹینا کو شاید مناسب الفاظ نہ مل سکے، اس نے جوس کا اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اور پُرخیال انداز میں کئی سپ لے ڈالے۔
• لیکن نواب کا سلوک تو تمہارے ساتھ بہت اچھا ہے۔"
• مس کوثر کا بھی بُرا نہیں۔"
• غلط، بالکل غلط۔ وہ تو تمہاری صورت دیکھ کر بور ہو جاتی ہے۔"
• ممکن ہے انہیں میری صورت پسند نہ ہو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"
• نہیں نہیں — ہرگز نہیں، کوئی بات ضرور ہے تم دونوں کے درمیان میں نہیں مان سکتی۔" کرسٹینا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
• مثلاً کیا بات ہو سکتی ہے مس کرسٹینا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔
• شاید کوئی بگڑا ہوا رومان۔"
• اوہ — نہیں مس کرسٹینا، وہ میرے مالک کی لڑکی ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
• تمہارے ہاں مالک کی لڑکی سے عشق نہیں کیا جاتا؟"
• شاید — نہیں۔"
• لیکن مسٹر فیروز الدین کا رویہ تو تمہارے ساتھ بہت اچھا ہے۔"
• ہاں۔ وہ بہت نیک انسان ہیں۔"
• اور کوثر —؟"
• وہ کوثر ہیں۔" میں نے کہا۔ اور کرسٹینا ہنس پڑی۔
• اگر تمہارے درمیان محبت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے تو پھر تم دونوں حیرت انگیز ہو۔"

• کیوں۔؟"
• کیا کوثر خوبصورت نہیں ہے؟"
• بے حد۔"
• ایک عورت ہونے کی حیثیت سے میں کہہ رہی ہوں کہ تم بے حد پُرکشش اور حسین نوجوان ہو۔ مجھے اگر موقع ملتا تو تم سے پیار ضرور کرتی۔" کرسٹینا کا لہجہ آخر میں رومانی ہو گیا، اور میں سنبھل گیا۔

اس کے بعد کرسٹینا خاموشی سے مشروب پیتی رہی۔ دوسرا راؤنڈ ختم ہو گیا تھا، اور پھر تالیاں گونج اٹھیں۔ کوثر بے حس بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

تیسرے راؤنڈ میں ہم دونوں اٹھ گئے، میں کرسٹینا کے ساتھ رقص کرنے لگا۔ لیکن میری نگاہیں بار بار کوثر پر جا پڑتیں۔ وہ منہ پھاڑے ہم دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش تھے۔

دوسری طرف کرسٹینا کے انداز میں والہیت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

• سرفراز۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
• ہوں۔"
• تم بہت عمدہ رقص کرتے ہو۔"
• شکریہ۔"
• تمہارے لمس میں بے پناہ کشش ہے۔"
• پھر شکریہ مس کرسٹینا۔"
• ہمارا یہ سفر بہت مختصر ہے۔"
• ہاں۔"
• پھر تم سے ملاقات نہ ہو سکے گی؟"
• شاید نہیں۔"
• میں تمہیں یاد رکھوں گی سرفراز۔"
• میں بھی آپ کو یاد رکھوں گا مس کرسٹینا۔" میں نے کہا اور پھر میں چونک پڑا۔ کوثر اب اپنی میز پر نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں سرور کی ایک لہر دوڑ گئی۔
• کرسٹینا —!
• ہوں؟"
• مس کوثر کہاں گئیں؟"
• اں — وہ شاید چلی گئی۔" کرسٹینا کے لہجے میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔
• شاید تنہا بور ہو گئی ہوں۔"
• شاید۔" کرسٹینا نے لاپرواہی سے کہا۔ اور مجھے ہنسی آنے لگی

لیکن میں نے ہنسی روک لی تھی۔ کرسٹینا کی ساری الفت میری طرف منتقل ہو گئی تھی۔ اب اسے کوثر سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اور نہ جانے کیوں یہ شرارت میرے ذہن میں پختہ ہونے لگی۔ کیوں نہ میں کوثر سے اس کی سہیلی چھین لوں لطف رہے گا۔ کرسٹینا سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن میں نے رقص کے سارے راؤنڈ اس کے ساتھ ناچے اور وہ سرشار ہو گئی۔ واپسی پر وہ مجھے میرے کیبن تک چھوڑنے آئی، اور جب اپنے کیبن کی طرف جانے لگی تو میرے سینے سے آ لگی۔

• سرفراز۔" اس نے میری گردن میں بانہیں ڈال کر کہا۔
• یس مس کرسٹینا۔" میں سنبھل گیا۔
• آج رات مجھے نیند نہیں آئے گی۔"
• ویٹر کو بلا کر اس سے سلیپنگ پلز طلب کر لینا۔" میں نے اس کی بانہیں گردن سے نکالتے ہوئے کہا۔
• شریر لڑکے۔" کرسٹینا جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔
• رات بہت ہو چکی ہے مس کرسٹینا، آپ کی ممی آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی۔"
• ایک بوسہ نہ دو گے سرفراز۔" بیباک لڑکی مشرقی نہ تھی۔
• نہیں کرسٹینا، خدا حافظ۔" میں نے تیزی سے کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چند ساعت میں دروازے سے لگا کھڑا رہا اور جب کرسٹینا کے قدموں کی آواز مدھم ہو گئی تو میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

آج کی اس تفریح سے ذہن کو بڑی فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔

دوسری صبح میں نے حسب معمول اپنے کیبن میں ناشتہ کیا تھا۔ اور ناشتے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ میں نے نواب فیروز الدین کے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔

• آجاؤ۔" اندر سے نواب صاحب کی آواز ابھری۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔ کوثر بھی موجود تھی۔ لیکن اسی طرح ناک چڑھائے ہوئے، پھولی پھولی سی۔
• کل تو خوب بکر دے کر غائب ہوئے۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔
• آپ آرام کر رہے تھے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔"
• ٹھیک ہے، کوئی حرج نہیں ہے، تم اپنے طور پر تفریح کرنے کے بھی مختار ہو۔ کہاں وقت گذارا، میں نے بہت تلاش کیا تھا۔"
• بال روم کی طرف چلا گیا تھا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔

• اوہ — اچھا اچھا۔ ہم بھی کبھی رقص کرتے تھے۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے، ان کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں پیدا ہوئی تھی لیکن کوثر کی نفرت کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

• ناشتہ کر لیا؟"
• جی۔"
• خیر آج کے پروگرام کیا ہوں گے؟"
• جو حکم۔"
• کچھ نہیں بھئی، ہم نے بھی ایک دوست تلاش کر لیا ہے۔"
• اوہ۔"
• یوسف علی، تاجر ہے لیکن عمدہ طبیعت کا آدمی ہے۔ آج اس کے ساتھ شطرنج کی ٹھہری ہے، ویسے عمدہ کھلاڑی ہے، لیکن تمہارے مقابلے میں کچھ نہیں۔ اوّل تو ہم ہی اس کی خبر لے لیں گے۔ اور اگر بات نہ بنی تو پھر تمہیں تکلیف کرنا پڑے گی۔
• حاضر — میں نے کہا، کوثر اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ اور پھر وہ دروازے تک پہنچی تھی کہ کرسٹینا اندر داخل ہو گئی۔
• ارے کہاں چلیں کوثر؟" اس نے پوچھا۔
• عرشے پر جا رہی تھی۔"
• اوہ۔ ہاں بہت عمدہ منظر ہے۔ ہیلو انکل، آپ بھی آئیے۔" وہ نواب صاحب سے بولی۔
• سوری بیٹے، ہمارا پہلے ہی پروگرام ہے۔"
• آئیے مسٹر سرفراز۔" اس نے مجھے دعوت دی۔
• میری طرف سے بھی معذرت قبول کریں مس کرسٹینا، نواب صاحب کے ساتھ پروگرام ہے۔"
• اوہ۔" کرسٹینا نے ایک گہری سانس لی اور پھر وہ کوثر کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گئی۔
• کوئی خاص بات تو نہیں سرفراز میاں؟"
• بالکل نہیں، میں صرف ان دونوں کے درمیان بوریت نہیں بننا چاہتا تھا۔"
• تو پھر آؤ — چلیں۔" نواب صاحب نے کہا اور ہم دونوں بھی باہر نکل آئے۔ یوسف علی عمدہ شخصیت کا مالک تھا، خوش مزاج، خوش اخلاق۔ نواب صاحب نے اسے میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

ضروری گفتگو کے بعد شطرنج جم گئی، لیکن میں اس میں شریک نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں دونوں کا کھیل دیکھتا رہا، یوسف علی بلاشبہ نواب صاحب سے اچھا کھلاڑی تھا۔

پھر میں وہاں سے نکل آیا۔ میرے ذہن میں شرارت کلبلا رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو میں اِدھر اُدھر چکراتا رہا۔ پھر عرشہ کی طرف چل پڑا۔ کوثر اور کرسٹینا کو تلاش کرنے میں دیر نہ لگی۔

میں نے کینٹین سے سگریٹ کا پیکٹ خریدا۔ گو میں سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن شرارت ہی ٹھہری۔ پھر میں نے ایک سگریٹ سلگایا اور ریلنگ سے جا ٹکا۔ رُخ دوسری طرف تھا۔ لیکن اس پوزیشن سے کھڑا تھا کہ دیکھ لیا جاؤں۔

اور اس میں زیادہ وقت بھی نہ لگا۔ کرسٹینا تیزی سے میری طرف لپکی

• ہیلو سرفراز ؟" اس نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ جیسے ان لوگوں کی موجودگی سے بے خبر ہوں۔

• اوہ۔ کرسٹینا، آپ لوگ ابھی تک یہیں ہیں؟

• دیر ہی کتنی ہوئی ہے ؟"

• ہاں۔ دراصل نواب صاحب اپنے ایک دوست کے پاس چلے گئے۔ میں تنہا تھا، اس لئے اس طرف نکل آیا۔"

• اوہ تو ہمارے ساتھ رہو!

• مس کوثر کے کیا حال ہیں؟

• ناراض ہے مجھ سے، ایک بات بتاؤں۔"

◇

"کیا ۔؟

• وہ اس وقت بھی جاگ رہی تھی جب ہم واپس کیبن پر پہنچے تھے اس شریر نے ہماری باتیں بھی سن لی تھیں۔"

• ارے باپ رے۔" میں نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کہا۔

• ایک ایک لفظ دہرا دیا تھا اس نے۔"

• لیکن وہ جاگ کیوں رہی تھی؟

• کہنے لگی نواب صاحب سو گئے تھے، نیند نہیں آ رہی تھی۔ باہر نکلی تھی تاکہ ہوا میں گہری گہری سانسیں لے۔ ہمیں دیکھ کر آڑ میں ہو گئی۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے اتفاق سے ہماری باتیں سن لیں، جان بوجھ کر نہیں۔"

ہوں ــــ میں نے ایک گہری سانس لی اور رات کے واقعات یاد کرنے لگا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ میری پوزیشن کمزور نہیں ہے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی، جس سے میرے اُوپر حرف آئے۔

• آؤ، اس کے پاس چلیں۔" کرسٹینا نے کہا۔

• بیکار ہے مس کرسٹینا۔ وہ میرا ساتھ پسند نہ کریں گی۔"

• ارے آؤ تو۔" کرسٹینا نے کہا اور میں ڈرتے ڈرتے کوثر کے نزدیک پہنچ گیا۔

• ابو کہاں ہیں ؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کر دیا۔

• یوسف علی کے ساتھ شطرنج کھیل رہے ہیں مس کوثر۔" میں نے جواب دیا اور کوثر خاموش ہو گئی۔ اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی، میرے لئے یہ حیرت انگیز بات تھی۔

• آپ لوگوں کے لئے پینے کو کچھ منگواؤں؟" میں نے پوچھا۔

• ۔ اورنج جوس۔" کرسٹینا نے جلدی سے کہا۔ کوثر نے سمندر کی لہروں سے نگاہیں نہیں ہٹائی تھیں۔ بہر حال اس کے رویے میں ایک معمولی سی تبدیلی آئی تھی، لیکن میں اس لڑکی کی رگ رگ سے واقف تھا گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ چنانچہ میں نے اس تبدیلی پر کوئی غور نہ کیا اور خود اورنج جوس کا آرڈر دینے چلا گیا۔

میں نے جان بوجھ کر صرف دو گلاس منگوائے تھے۔ واپس آ کر میں ان دونوں سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ ویٹر نے ادب سے گلاس ان دونوں کے سامنے پیش کر دیئے۔ کوثر نے اپنا گلاس اٹھا لیا تھا۔ لیکن کرسٹینا حیرت سے بولی:

• اور تم ۔؟" اس نے یہ سوال مجھ سے کیا تھا۔

• آپ لوگ پئیں مس کرسٹینا۔" میں نے کہا۔

• کیوں، تم کیوں نہیں پیو گے؟

• ہم مالکان کے سامنے کھانے پینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔" میں نے سادگی سے کہا۔

• مگر اس میں کیا حرج ہے؟" کرسٹینا نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں چونک کر کوثر کی طرف دیکھنے لگے۔ جس نے جوس کا گلاس سمندر میں پھینک دیا تھا۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر غرائی:

• فضول باتوں سے پرہیز کیا کرو، سمجھے۔" اور اس کے بعد وہ پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔

• یہ کیا ہوا؟" کرسٹینا نے تعجب سے کہا۔

• کچھ نہیں۔ جوس پئیں مس کرسٹینا۔"

• لیکن یہ بدتمیزی، کیا سمجھتی ہے یہ لڑکی خود کو۔ میں آئندہ اس سے بات بھی نہیں کروں گی۔" کرسٹینا نے کہا، اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اس نے ویٹر کو اشارہ کر کے جوس کا ایک اور گلاس طلب کیا۔ اور پھر میں کرسٹینا کے ساتھ مل کر جوس پینے لگا۔

کافی دیر تک ہم دونوں ریلنگ کے پاس کھڑے رہے۔ کرسٹینا پھر رومان سوار ہو گیا تھا اور مجھے اس سے اُلجھن ہو رہی تھی۔ تب میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے واپسی کے لئے کہا۔

• ہوہ ڈارلنگ۔ کہاں جاؤ گے، دوپہر کا کھانا میرے ساتھ نہیں کھاؤ گے؟

• کوثر ی کرسٹینا۔

• رات کو بال روم میں؟

• ہاں وہاں ملاقات ہو گی؟" میں نے جان چھڑانے کے لئے کہہ دیا۔

• میں تمہیں بلانے آ جاؤں؟

• نہیں، میں پہنچ جاؤں گا؟" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

اور پھر ہم دونوں وہاں سے چل پڑے، میں نے یوسف علی کے کیبن کا رُخ کیا تھا، کوثر کو وہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔

عجیب لڑکی تھی، اس کے چہرے سے کسی تردد کا اظہار نہیں ہو رہا تھا، بلکہ جب میں کیبن میں داخل ہوا تو وہ کسی بات پر ہنس رہی تھی، فیروز الدین بھی ہنس رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

• اوہ، آؤ بھئی، جلدی آؤ سرفراز۔ یہ یوسف علی تو بہت خطرناک بزنس مین ہے، سارے کاروباری داؤ پیچ اس نے میرے اوپر آزما ڈالے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس جہاز پر میری شطرنج کی لائف ختم ہو جائے گی بچی۔" میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

• بیٹھو۔" فیروز الدین نے خود ایک کرسی میرے لئے کھینچ دی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کوثر کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی، وہ پوری طرح شطرنج میں الجھی ہوئی تھی۔

• کیا حکم ہے؟" میں نے بساط کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

• ارے بھئی کیا حکم دیں گے، دیکھو کس بُری طرح گھیر رکھا ہے، اس شخص نے۔"

• میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔" میں نے مہروں کو دیکھا۔

• ایں، اب تم بھی مذاق اڑاؤ گے۔ کیا رہ گیا ہے اب؟

• مداخلت کی اجازت ہے؟" میں نے پوچھا۔

• ہاں ہاں چلائیے، آپ بھی تیر چلا دیجئے۔" یوسف علی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

• ایک چھوٹی سی گستاخی۔" میں نے ایک مہرہ آگے بڑھا دیا۔

• اوہ، ہو ہو ـــ کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں ہے یہ" یوسف علی نے میرا چیلنج قبول کر کے پیدل کو آگے سرکا دیا۔

میں نے ایک مہرہ پھر آگے بڑھا دیا۔

• ایں ـــ یہ چال کہاں سے نکل آئی، میاں ہاتھ کی صفائی تو نہیں دکھا گئے؟" یوسف علی چونک کر بولے، اور اس بار وہ سوچ میں پڑ گئے۔ کوثر بھی بہت غور سے بساط دیکھ رہی تھی۔ اور خود نواب صاحب میری اس چال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

یوسف علی نے ذہن میں سوچا ہوگا کہ میں نے یہ چال چلتے وقت سوچا تھا، اور یہی سوچ غلط تھی۔ ان کے چال چلتے ہی میں نے اپنی چال چل دی۔ اور نواب صاحب جوش سے اچھل پڑے۔

• پکڑو یوسف علی، ہا ہا ہا ــ کیا ہو گیا، یہ کیا ہو گیا؟

یوسف علی آنکھیں پھاڑے بساط کو گھور رہے تھے اور پھر انہوں نے میری طرف دیکھا۔

• ماشاء اللہ ـــ ماشاء اللہ۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

• کیا ہوا یوسف علی؟

لیکن اب یوسف علی صرف مجھے گھور رہے تھے پھر انہوں نے نواب صاحب کو دیکھتے ہوئے پُوچھا:

• کون ہے یہ بچہ۔ نواب فیروز الدین، کون ہے یہ؟

• میں تم سے ان کا تعارف کرا چکا ہوں!

• ناممکن تھا، مجھے بتاؤ یہ کون ہے جو صرف تین چالوں سے شطرنج کی بساط پلٹ سکتا ہے؟

• میں اس کے کھیل کے بارے میں آپ کو بتا چکا تھا یوسف علی۔"

کوثر اس دوران خاموش رہی تھی، تنگ دل بھی تھی یہ لڑکی۔ اس کی نگاہوں تک میں کوئی احساس نہ جاگا تھا۔ اونہہ، مجھے کیا پرواہ نہ سہی۔

یوسف علی صاحب نے گہری سانس لی:

• کھیل تو بگڑ چکا ہے، لیکن میں ایک نئی بازی ضرور لگاؤں گا۔"

پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولے:

• صاحبزادے دکھاؤ اپنا فن، میں نے بڑے بڑے انٹرنیشنل شاطر دیکھے ہیں، لیکن کھیل کا یہ انداز میرے لئے اجنبی ہے۔"

• ابو میں چلتی ہوں۔" کرسی کھسکا کر کوثر کھڑی ہو گئی۔ شاید اسے میری توصیف کے یہ الفاظ پسند نہیں آئے تھے۔ نواب صاحب نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسری بازی لگی، اور میں نے انتہائی مہارت سے یوسف علی کو شکست دی۔ بہر حال وہ لوگ کافی دیر تک میرے کھیل کی تعریفیں کرتے رہے۔ نواب صاحب نے کہا کہ میں اسی طرح لوگوں کو حیران کرنے کا عادی ہوں، انہوں نے شکار کا واقعہ بھی سنایا۔

• بھائی ایسا کوئی ملازم مل جائے تو میرے لئے بھی مہیا کر دو۔" یوسف علی ہنستے ہوئے بولے۔

• یوسف علی، ان کے لئے ملازم کا لفظ میرے لئے بڑا تکلیف دہ ہے۔"

• میں سمجھتا ہوں یار!

رات کو میں بال روم گیا۔ کوثر آج کرسٹینا کے ساتھ نہ تھی۔ البتہ کرسٹینا بے چینی سے میری منتظر تھی۔

"اوہ ڈارلنگ، بڑی دیر لگادی۔"

"کوثر نہیں آئی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے اس نک چڑھی لڑکی سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی، ڈفر کہیں کی۔"

"کیا بکواس ہے۔" میں نے بگڑے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"کیا مطلب؟" کرسٹینا چونک پڑی۔

"تمہیں اس کی توہین کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

"لیکن وہ قدم قدم پر تمہاری توہین کرتی ہے۔" کرسٹینا تعجب سے بولی۔

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔"

"ہوگا ــ میں کیوں برداشت کروں۔"

"تب تم جہنم میں جاؤ۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔

"ڈارلنگ ــ ڈارلنگ، سنو تو سہی۔"

"شٹ اپ۔" میں نے کہا اور بال روم سے باہر نکل آیا۔ یُوں بھی اس انگریز لڑکی سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چند لمحات کی ساتھی خواہ مخواہ رومان بگھارنے بیٹھی تھی، بھلا مجھے اتنی فرصت کہاں۔

اپنے کیبن میں آگیا، لباس تبدیل کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ خوبصورت نیند نے کبھی مجھ سے اجتناب نہیں کیا تھا۔ لیکن اس وقت شاید رات کا دوسرا پہر تھا، جب کیبن کے دروازے پر زور کی دستک سنائی دی۔ آنکھ کھل گئی۔ حیران سا دروازے پر پہنچا، دروازہ کھولا، باہر دوسری حیرت میری منتظر تھی۔

کوثر تھی۔

"ارے آپ!" میں اچھل پڑا۔

"جلدی آؤ، ابّو کی طبیعت بہت خراب ہے۔" کوثر نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"اوہ ــ" میں نے اس کے علاوہ کچھ نہ کہا، اور سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے باہر نکل آیا۔ کوثر بھی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

نواب صاحب تکلیف کی شدت سے مسہری پر لوٹ رہے تھے۔

"ہوا کیا؟" میں نے کوثر سے پوچھا۔

"سینے میں درد اٹھا ہے۔" کوثر نے جواب دیا۔

"پہلے بھی کبھی؟"

"ہاں اکثر، براہ کرم جلدی کچھ کرو۔"

کپتان کے کیبن سے ڈاکٹر کا پتہ معلوم کیا۔ عمدہ سروس تھی۔ ڈاکٹر حالانکہ سو چکا تھا، لیکن جاگ کر میرے ساتھ دوڑا چلا آیا۔ نواب صاحب بے ہوش ہو چکے تھے اور کوثر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ڈاکٹر نے نواب صاحب کی کیفیت معلوم کی، اس نے کچھ انجکشن وغیرہ دیئے اور فکر نہ کرنے کے لئے کہہ کر چلا گیا۔ کوثر کسی حد تک پُرسکون ہوگئی تھی۔

"بس کوثر، اب آپ بے فکر رہیں۔ اگر پسند کریں تو میرے کیبن میں آرام کریں۔ میں نواب صاحب کے پاس موجود ہوں۔"

"نہیں۔ میں یہیں رہوں گی۔" کوثر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرے یہاں رہنے سے آپ کو تکلیف تو نہ ہوگی؟"

"جی نہیں۔" عجیب سے لہجے میں جواب ملا۔

یا خدا ــ یا خدا یہ کونسی آواز تھی، کہاں سے آئی تھی۔ میری معیت اور اسے قبول۔ لیکن میں نے غلط فہمی کو فوراً اپنے ذہن سے نکال دیا۔ یہ صرف وقتی گھبراہٹ کا نتیجہ تھا۔ یقیناً یقیناً میں نے کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ نواب صاحب کے چہرے سے اب سکون کا اظہار ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کوثر بھی ایک کرسی پر گردن ٹکا کر سوگئی۔ لیکن میں نے جاگنا اپنا فرض سمجھا تھا۔ بُرا ہو صفائی کرنے والے کا، صبح کو اس نے کیبن کے دروازے پر دستک دی اور کوثر جاگ گئی۔ اس نے حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا، اور پھر ماحول کو یاد کر کے سنبھل گئی۔ اس نے بے چین نگاہوں سے نواب صاحب کو دیکھا۔

"ٹھیک ہیں، رات کو سوتے رہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" کوثر آہستہ سے بولی اور وہ پھر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ واپس آئی تو خاصی نکھری بکھری تھی۔

"آپ رات بھر نہیں سوئے؟" سوال اور میرے بارے میں۔ حیرت سخت حیرت، لیکن فوری جواب ضروری تھا، ورنہ لہجہ کی یہ نرمی نہ جانے کہاں جاتی۔

"ہاں۔ آپ سو گئی تھیں کوثر بی بی۔"

"چائے منگواؤں؟"

"ارے آپ کہاں تکلیف کریں گی، میں کہتا ہوں۔" میں جلدی سے اٹھ گیا۔

"کچھ کھانے کو بھی منگوائیے، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"جی بہتر ــ"

مجھے اس لہجہ پر اس قدر حیرت تھی۔ جس کے لئے الفاظ کا تعین مشکل تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں گم ہوگئی تھیں۔ میں نے ویٹر کو ناشتے کا آرڈر دیا اور واپس آگیا۔ کوثر نڈھال سی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کی آنکھیں رات کی بے آرامی کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

میں کرسی پر آبیٹھا۔ یہ حقیقت تھی کہ مجھے اس لڑکی سے نفرت نہیں تھی۔ اس کی حرکتوں کے باوجود میں نے اس کے بارے میں کبھی بُرے انداز سے نہیں سوچا تھا۔ اس وقت بھی اس کے رویے سے میں نے کوئی غلط نظریہ نہیں قائم کیا تھا۔ بہرحال وہ ایک انسان کی بیٹی تھی۔ باقی رہی ملازمت وغیرہ، تو اس کے بارے میں آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی میری نگاہوں میں کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

ویٹر ناشتہ لے آیا تو کوثر خود ہی اٹھ گئی۔

"ارے نہیں کوثر بی بی، میں پیش کرتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا اور جواب میں مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھا گیا جن کا مفہوم انسان کو نہ جانے کون کونسے ویرانوں میں دھکیل دیتا ہے۔

"کوثر بی بی ــ" میں آہستہ سے بولا۔

"بیٹھے رہیے آپ۔" کوثر نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے ناشتہ میرے سامنے رکھا، اور پھر چائے بنانے لگی۔ چائے کی پیالی بھی بڑے اہتمام سے میرے سامنے رکھی گئی۔

اور میری کیفیت یہ تھی جیسے یہ مذاق میری سمجھ میں ہی نہ آیا ہو۔ ابھی چائے کی پیالی، ناشتے کی پلیٹ ــ اٹھا کر گردن سے پکڑ کر باہر نکال دیا جاؤں گا۔ لیکن کوثر نے اپنے لئے بھی کچھ چیزیں اٹھائیں۔

"میں تو رات کو سخت پریشان ہوگئی تھی؟" وہ چائے کے سِپ لیتے ہوئے بولی۔

"آپ نے فوراً مجھے آواز دے لی ہوتی کوثر بی بی۔" میں نے کہا۔

کوثر نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گردن جھکائے کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

"میرے لئے کوئی حکم کوثر بی بی۔"

اس نے پھر میری طرف دیکھا، اور پھر ایک گہری سانس لے کر جیسے اپنے آپ سے الجھ گئی، پھر اس نے نواب صاحب کی طرف دیکھا۔

"آپ چاہیں تو آرام کرلیں۔ شاید رات بھر جاگتے رہے ہیں۔"

"ضرورت تو نہیں محسوس ہو رہی، لیکن اگر آپ کو تکلیف ہو رہی ہو، میرا مطلب ہے اگر آپ حکم دیں تو میں چلا جاؤں۔"

"نہیں، میں تنہا پریشان ہو جاؤں گی۔"

"آپ بے فکر رہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے صاف لہجے میں کہا۔ چائے پی کر کوثر اٹھی، جھک کر نواب صاحب کی شکل دیکھی، وہ گہری نیند سو رہے تھے۔

اس نے اطمینان کی سانس لی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھی۔

"آپ نے کہا تھا کوثر بی بی کہ یہ درد اکثر اٹھتا ہے۔"

"سال دو سال میں ایک مرتبہ، مجھے دو دفعہ کی یاد ہے، کافی عرصہ ہوگیا۔" کوثر بولی۔

"ہوں۔" میں خاموش ہوگیا۔

"کرسٹینا سے ملاقات ہوئی تھی؟" اچانک کوثر نے پوچھا۔

"جی ہاں کل رات کو۔"

"کہاں ــ؟"

"بال روم میں۔"

"رقص کیا تھا آپ لوگوں نے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا بھی نہیں لگتا مردوں کو کولہے مٹکاتے۔"

"جی۔" میں صرف اتنا کہہ سکا۔

"میں ایک اعتراف کرنا چاہتی ہوں۔" کوثر نے کہا۔

اور اب تو حیرت بھی حد سے گذر گئی تھی۔ الٰہی یہ اس لڑکی کا کونسا روپ ہے، کیا ہوگیا ہے اسے۔

"میں نہیں سمجھا کوثر بی بی؟"

"آپ بے حد شریف انسان ہیں۔"

"کوثر بی بی!" میں صرف اتنا کہہ سکا۔

"مجھ سے کل رات ایک غلطی ہوگئی۔"

"کیا ــ؟"

"میں نے ــ میں نے آپ کی اور کرسٹینا کی گفتگو سن لی تھی۔"

"کہاں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بال روم کے گیٹ کے سامنے۔"

اور میں نے وہ گفتگو یاد کی۔ ہاں کرسٹینا نے کوثر کے بارے میں کچھ کہا تھا، اور میں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔ اوہ تو یہ اس گفتگو کا نتیجہ تھا، خیر پتھر میں نمی تو پیدا ہوئی۔ وقتی ہی سہی۔

"میرا فرض تھا کوثر بی بی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

تب نواب صاحب کی آواز سن کر ہم دونوں چونک پڑے، انہوں نے کراہ کر ایک کروٹ بدلی تھی، اور پھر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ہم دونوں جلدی سے ان کے قریب پہنچ گئے۔

"کیسی طبیعت ہے ابّو ــ؟"

"کیسے ہیں نواب صاحب؟" باری باری ہم دونوں نے پوچھا۔

"کون کافر بیمار ہے۔ آج میں چاند سورج یکجا دیکھ رہا ہوں ــ" نواب صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے۔

• لیٹے رہیئے ابو، پلیز۔"

• ارے ٹھیک ہوں۔ خدا کی قسم ٹھیک ہوں، تم دونوں کو دیکھ کر جو خوشی مجھے ہوئی ہے، اسے بیان نہیں کرسکتا۔" نواب صاحب نے کہا۔ ہمارے منہ سے آواز نہیں نکلی تھی۔

بہرحال نواب صاحب اسی وقت سے ٹھیک ہونا شروع ہوگئے اور آج کی چاندنی رات میں وہ ہمارے ساتھ عرشہ پر تھے۔

• بعض بعض تکلیفیں بھی کس قدر مبارک ہوتی ہیں۔" وہ بولے

• جی ۔۔؟

• ہاں دیکھو، نہ میں بیمار پڑتا، نہ تم دونوں مجھے یکجا نظر آتے، پسچ تمہارے اختلافات دور ہوگئے، مجھے بڑی مسرت ہے۔

• نواب صاحب، میں تو کوثر بی بی کا ایک ادنیٰ غلام ہوں، میں کسی اختلاف کی جرأت کیسے کرسکتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

• نہیں بیٹے ۔۔۔ نہیں بیٹے انسان انسان کا غلام نہیں ہوسکتا۔ تم میرے بیٹے ہو، کوثر کے رویے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

کوثر نے کوئی جواب نہ دیا، البتہ اس کا چہرہ اسی طرح نرم تھا۔

• کل صبح ہم منزل پر پہنچ جائیں گے، اس رات کا سفر اور باقی ہے۔"

• جی ۔۔۔!

کافی دیر تک ہم عرشہ پر رہے، پھر جب تھک گئے تو واپس اپنے اپنے کیبنوں میں آگئے۔ آج کی رات کوثر کی تھی۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ دلچسپ لڑکی تھی۔ لیکن اس کی نرمی میں زیادہ لطف نہیں آرہا تھا۔ وہ تو ہری مرچ کی طرح ہی اچھی لگتی تھی۔ ویسے میں نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ کوثر کے لئے میرے دل میں ۔۔۔ احترام تھا۔ صرف احترام۔

اور دوسری صبح مجھے مایوسی نہ ہوئی۔ کوثر کا رویہ تو خراب نہ تھا لیکن وہ حسب معمول بے نیاز تھی۔ اس صبح بھی میں نے ناشتہ اپنے کیبن میں کیا تھا، باہر شور ہو رہا تھا۔ زیادہ تر مسافر عرشہ پر جمع تھے۔ جدہ آگیا تھا۔

• سامان درست کرلو بھئی، ہم جدہ پہنچ گئے ہیں۔" نواب صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

• جی بہتر۔" میں نے کہا اور نواب صاحب کا سامان باندھنے لگا۔

• کوثر بیٹے، ان کی مدد کرو۔" نواب صاحب بولے۔

• سامان اتنا زیادہ تو نہیں ہے ابو۔" اس نے تنک کر کہا۔ "میں عرشہ پر جارہی ہوں۔"

اور وہ نواب صاحب کے جواب کا انتظار کئے بغیر نکل گئی۔

• یا خدا، نہ جانے تو نے اسے کونسی مٹی سے بنایا ہے۔" نواب صاحب پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

• کوثر بی بی کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے نواب صاحب، میں ابھی سامان باندھے لیتا ہوں۔"

• تم بھی کیا سوچتے ہوگے سرفراز۔"

• نواب صاحب، آپ کی عنایات نے مجھے گستاخ کردیا ہے۔ اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں؟

• ہاں ہاں، ضرور۔"

• میں کوثر بی بی کے اس رنگ کا عادی ہوگیا ہوں، کل کی بدلی ہوئی کوثر بی بی، مجھے زیادہ پسند نہیں آئی تھیں۔"

• یہ تمہاری رگوں میں دوڑتے ہوئے شریف خون کی آواز ہے۔ تمہاری اپنی بھی شخصیت ہے۔ اسے مجروح ہوتے دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے۔

• نہایت عاجزی سے عرض کر رہا ہوں نواب صاحب، کوثر بی بی میری شخصیت کی تشکیل کر رہی ہیں۔"

• کیا مطلب؟" نواب صاحب حیرت سے بولے۔

• میں ایک خودسر انسان تھا نواب صاحب۔ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینے والوں میں۔ میری خودی، میری سرزوری کو پاش پاش کرنے والی کوثر بی بی ہیں۔ انہوں نے مجھے سکھایا ہے کہ انسانوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو ورنہ وہ بھی مل سکتے ہیں جو تمہارے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کریں۔ تمہیں کتے کی طرح ذلیل سمجھیں۔" میں نے کہا اور نواب صاحب لرز کر رہ گئے۔ "اس لئے میں نے خود کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری شخصیت کے اتنے ٹکڑے کئے جائیں کہ میں چور چور ہوجاؤں۔ میری خودی کے ریشے اس انداز سے بکھر جائیں کہ پھر ان میں زور نہ پیدا ہو۔"

نواب صاحب دیوانوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے۔

• کیا ہو تم ۔۔۔ کیا ہو سرفراز۔ بتادو میرے بیٹے، بتادو میرے بیٹے۔"

• جو کچھ بتاچکا ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوں نواب صاحب۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" میں پلٹا۔ اور پھر اپنے کیبن میں جانے کے لئے نکلا۔ لیکن دروازے پر کوثر کھڑی تھی۔

میں چونک پڑا۔

کوثر کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔

• کوثر بی بی۔" میں نے حیرت سے کہا۔

• یں ۔۔۔ میں شرمندہ ہوں سرفراز صاحب۔ میں شرمندہ ہوں۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

• ارے، ارے کوثر بی بی، کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

• آیئے۔" کوثر نے کہا اور میرے ساتھ میرے کیبن کی طرف بڑھ گئی، میں حیران سا اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ اس نے بے تکلفی سے کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔

پھر اس نے میرا سامان سمیٹنا شروع کردیا۔

• ارے ارے۔" میں شدید حیرت سے بولا۔

• جو کچھ کر رہی ہوں کرنے دیجئے۔" اس نے کہا۔

• لیکن کوثر بی بی۔"

• براہ کرم باہر نکل جائیے۔" اس نے تنک کر کہا۔

• بہتر ہے، بہتر ہے۔" میں نے بادل ناخواستہ کہا اور پھر کیبن سے باہر نکل آیا۔

شاید اس نے میری گفتگو سن لی تھی۔ شاید اس بار کا حملہ شدید ہے لیکن محترمہ کوثر، آپ مجھ سے نفرت ہی کرتی رہتیں تو بہتر تھا۔ یہ لچک خود آپ کو مہنگی پڑے گی، ہاں یہ جھکاؤ خود آپ کے حق میں نقصان دہ ہوگا۔

میں نے دل ہی دل میں کہا اور پھر پریشانی کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ جہاز وسل دے رہا تھا۔ بندرگاہ قریب آگئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کوثر صاحبہ باہر نکلیں اور مجھے دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔

• میں نے آپ کا سارا سامان درست کردیا ہے۔" وہ بچوں کے سے انداز میں بولی۔

• سخت شرمندہ کیا ہے آپ نے مجھے۔"

• فضول باتیں۔" وہ آہستہ سے بولی اور نواب صاحب کے کیبن کی طرف چل پڑی۔ میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

جدے میں ہمارا استقبال حافظ احمد السراج البعدی نے کیا۔ چٹان جیسے سینے اور خاصے ڈیل ڈول کے باوجود اس پھرتیلے انسان کی آنکھوں سے دلیری کا احساس ہوتا تھا۔ اس کا مکان بھی کافی خوبصورت تھا تفصیلی تعارف سے پتہ چلا کہ وہ لانچوں کا تاجر ہے۔ اس کے کارخانے میں ماہی گیری کی لانچیں بنتی ہیں۔ نواب صاحب کے ساتھی مہم جوؤں میں سے ایک ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔

حافظ احمد السراج البعدی کو ہم لوگ صرف احمد صاحب کہتے تھے۔ بڑا مہمان نواز، عربوں کی روایت کے عین مطابق۔ پہلی رات کی نشست میں ہی کافی بے چین نظر آرہا تھا۔

• کب تک روانہ ہونا ہے السیدی۔" اس نے نواب صاحب سے پوچھا۔

• جب تم تیاریاں مکمل کرلو۔"

• یہ ہمارے بچے آئے ہیں۔ ان کی خاطر مدارت ضروری ہے ورنہ تیاریوں کا کیا ہے۔"

• تمہاری طرف سے میں ان کی کافی خاطر مدارت کرچکا ہوں۔ باقی راستے میں کریں گے، میرا خیال ہے تم فوری طور پر تیاریاں شروع کردو۔" نواب صاحب نے کہا۔

• اوہ۔ ٹھیک ہے، پھر ہم پرسوں تک روانہ ہوسکیں گے۔"

• بالکل ٹھیک ہے۔"

احمد البعدی کے مکان میں ہم کافی آرام سے رہے۔ کوثر صاحبہ زنان خانے میں تھیں اور انہیں بھی سخت پردہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اس لئے اس دوران ایک بار بھی نظر نہیں آئیں۔ بہرحال میرے لئے یہ کوئی خاص بات نہیں تھی، اس دوران ہماری بڑی خاطر مدارت ہوئیں۔ تیسرے دن احمد صاحب نے بتایا کہ آج رات نو بجے روانگی ہے۔

ہماری تیاریاں ہی کیا تھیں، رات کو ٹھیک نو بجے ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ احمد البعدی کے ساتھ اس کا ایک قوی ہیکل غلام عبودہ بھی تھا۔ اس طرح ہم پانچوں بذریعہ طیارہ لندن روانہ ہوگئے۔

طویل سفر تھا۔ کوثر صاحبہ پھر بے حجاب ہوگئیں تھیں۔ راستے میں کوئی خاص بات نہ ہوئی اور طیارہ لندن کے ایئرپورٹ پر اتر گیا۔

یہاں نئے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ کرنل ڈکسن سرخ رنگ کا ایک انتہائی ہنس مکھ انسان تھا۔ حالانکہ سخت سردی تھی، لیکن ڈکسن کے پورے خاندان نے ایئرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا تھا۔

وہ نواب فیروز الدین سے بری طرح چمٹ گیا، اور پھر اس نے کوثر کو بھی کھینچ کر سینے سے لگالیا تھا۔ خود اس کے ساتھ بڑے حسین چہرے تھے۔ تقریباً پندرہ افراد، جن میں تین چار نوجوان، دو بوڑھے اور باقی عورتیں تھیں۔ میری بھی خوب پذیرائی کی گئی تھی، اور پھر لمبی لمبی قیمتی کاروں میں یہ قافلہ کرنل ڈکسن کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ کرنل ڈکسن کی رہائش گاہ یوں تو لندن کے ایک بارونق علاقے میں بھی ہے، لیکن اس کی دیہی کوٹھی ایک انتہائی خوبصورت علاقے میں تھی، اور ہم لوگوں کو اسی کوٹھی میں لے جایا گیا۔

پرانے طرز تعمیر کی ایک انتہائی حسین عمارت تھی جو ایک پرفضا اور خوبصورت علاقے میں واقع تھی۔ کرنل ڈکسن کے ذوق کی میں نے بھی دل میں داد دی تھی۔

ایک کمرہ مجھے، ایک کمرہ احمد صاحب اور ان کے ملازم کو، دوسرا نواب صاحب اور کوثر کو دیا گیا۔ ہمارے برابر ہی کرنل ڈکسن کی خوابگاہ بھی تھی۔ بڑا ہی لطف آیا۔ آزادانہ ماحول، قہقہے ہی قہقہے بکھرے ہوئے تھے کرنل ڈکسن کی سات لڑکیاں اور دو لڑکے تھے، صرف ایک لڑکی شادی شدہ تھی جو اپنے شوہر کے ساتھ مقیم تھی، باقی سب کی سب غیر شادی شدہ اور ہنسنے ہنسانے والی تھیں۔ ہر وقت قہقہے اور نت نئی تفریحات

کوثر صاحبہ ماشاء اللہ پھر اپنے رنگ میں مست ہو گئی تھیں۔

اور لطف کی بات یہ تھی کہ انہوں نے ڈکسن کی ایک صاحبزادی کو میری طرف التفات سے آگاہ کیا تھا کہ میں پہلے ان کا ڈرائیور تھا اور اب ان کے ڈیڈی نے مجھے اپنا سیکرٹری بنا لیا ہے۔ خوبیوں کا مالک ہوں اس لئے مجھے گھر کے ایک فرد کی سی حیثیت حاصل ہے ورنہ میری اصلیت کچھ نہیں ہے۔

اور میں نے دل ہی دل میں ان کا شکریہ ادا کیا تھا کہ میری اہمیت اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، ماشاء اللہ دو ایک بار انہوں نے مجھے جھڑک بھی دیا تھا۔

اور میں خوش تھا کہ کوئی حادثہ رونما ہوتے ہوتے رہ گیا۔

عجیب لڑکی تھی، واقعی بے حد عجیب۔ نہ جانے اس کی شخصیت پر کونسے رنگ مسلط تھے۔

تیسرے دن کچھ اور مہمان بھی آ گئے۔ یہ سب ہم جو تھے، ایک صاحب فرانس سے آئے تھے۔ دو تین افراد لندن ہی کے تھے۔ نواب صاحب بھی ان لوگوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اس لئے عموماً آج کل تنہائی ہی رہتی تھی۔

یہاں شاید دس پندرہ روز کے قیام کا پروگرام تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی آ رہے تھے جہاں سے یہ پارٹی افریقہ روانہ ہونے والی تھی۔ لیکن چوتھے دن ایک قابل ذکر واقعہ رونما ہوا۔

کرنل ڈکسن کی چوتھے نمبر کی صاحبزادی میرلیسا اچانک میرے اوپر مہربان ہو گئیں۔ ان کے ہاں عشق کے انداز ذرا مختلف تھے۔ پرواہ کو کسی کی تھی نہیں۔ میں اس وقت کرنل ڈکسن کی کوٹھی کے عقب میں ایک خوبصورت جھیل کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھا پانی میں بنتی بگڑتی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ کہ میرلیسا وارد ہو گئیں۔

• ہیلو۔ انہوں نے عقب سے کہا اور میں چونک پڑا۔

• اوہ۔ ہیلو مس ــ مس ــ اس کا نام میرے ذہن سے نکل گیا۔

• میرلیسا۔ اس نے بتایا۔

• تھینک یو۔

• آپ تنہا کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ وہ بولی۔

• کوئی خاص بات نہیں ہے مس میرلیسا۔

• آپ کا نام سرفراز ہے نا؟

• جی۔

• آپ کی شخصیت بے حد پُراسرار ہے۔

• جی۔ ؟ میں نے اسے دیکھا۔

• سارے مشرقی پُراسرار ہوتے ہیں۔ انکل فیروز بھی میرے لئے ہمیشہ ایک پُراسرار راز رہے۔ ڈیڈی کہتے ہیں وہ بے حد عجیب انسان ہیں۔

• جی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

• کیا پُراسرار لوگ دلکش نہیں ہوتے؟

• شاید ہوتے ہیں۔

• آپ شاید مجھ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ اچانک وہ تنک گئی۔

• ارے نہیں، آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟ میں چونک کر بولا۔

• آپ کے مختصر جوابات سے۔

• سوری مس میرلیسا۔

• اس کے علاوہ آپ نے مجھ سے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہا۔

• سوری۔ آئیے تشریف رکھئے مس میرلیسا۔

• تھینک یو۔ وہ دوسرے پتھر پر بیٹھ گئی اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی:

• کیا آپ سچ مچ مس کوثر کے سرونٹ ہیں؟

• ہاں۔

• لیکن آپ تو بے حد اسمارٹ آدمی ہیں۔

• اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

• انکل فیروز آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔

• وہ خود بھی بہت اچھے آدمی ہیں۔

• جانتے ہیں انہوں نے انکل ہارورڈ کو آپ کی طرف سے چیلنج کر دیا ہے۔

• کس سلسلہ میں؟

• شطرنج میں۔ انکل ہارورڈ انٹرنیشنل کھلاڑی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے ماسکو کے ٹورنامنٹ میں دس آدمیوں سے مقابلہ کیا تھا اور انہیں شکست دی تھی۔

• اوہ۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

• کیا آپ ان سے مقابلہ کریں گے؟

• نواب فیروز الدین نے حکم دیا تو ضرور کروں گا۔ میں نے کہا۔

لیکن دل ہی دل میں مجھے تھوڑی سی الجھن ضرور ہوئی تھی۔ نہ جانے ہارورڈ کیسا کھلاڑی ہو۔ میں تو صرف اپنے طور پر کھیلتا تھا۔ کسی بین الاقوامی کھلاڑی سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ بہرحال۔

• آپ اپنے وطن کی کچھ باتیں کریں مسٹر سرفراز۔

• میرا وطن۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ میرا وطن میرا وطن ہے، اس کی دلکشی کو کون پا سکتا ہے۔

• کیا آپ شادی شدہ ہیں مسٹر سرفراز؟

• جی ــ نہیں۔

• میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ آپ کو اپنے بیوی بچے تو یاد نہیں آتے۔ وہ ہنس کر بولی۔

• یاد آنے کے لئے بیوی بچوں کے علاوہ بہت کچھ ہے۔

• آپ کی محبوبہ؟ اس نے سوال کیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

• کیوں، اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟

• میری محبوبہ بھی ابھی تک لاپتہ ہے، اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔

• کیا مطلب؟

• مطلب یہ کہ ابھی تک میں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔

• یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

• جیسے ہوا ہے۔ میں نے جواب دیا۔

• اوہ۔ میں سمجھی، آپ نے ابھی تک کسی سے محبت نہیں کی۔

• اور نہ مستقبل قریب میں کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

• مجھ سے بھی نہیں۔ اس نے کہا اور میں بھونچکا رہ گیا۔ بڑا ڈائرکٹ سوال تھا۔ بے حد عجیب۔ ظاہر ہے مجھے پسند نہیں آیا تھا، اس کا جواب بھی یا دیا، خاموش رہا۔

• میں آپ کو پسند کرتی ہوں سرفراز۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔

• اتنی جلدی مس میرلیسا۔ ابھی تو ہماری ملاقات کو چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں گذرے۔ میں نے تعجب سے کہا۔

• اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

• بہت فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں محبت ذرا مختلف ہوتی ہے۔ سالوں میں جا کر کہیں معاملات استوار ہوتے ہیں۔

• وہ فرسودہ انداز ہے۔

• افسوس، محبت کی جدید تکنیک سے ابھی ہم لوگ ناواقف ہیں۔

• میں سکھا دوں گی۔

• ابھی مجھے دوسرے بہت سے کام ہیں مس میرلیسا۔ واپسی میں دیکھا جائے گا۔

• نہیں ابھی۔ وہ پتھر سے اٹھ گئی۔

• ارے نہیں۔ میں بھی مسخرے انداز میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

• نہیں ابھی۔ وہ میری طرف لپکی اور میں نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ تب جھیل کے ایک سمت کے درخت کے پیچھے سے بہت سے قہقہے ابھرے اور میں بُری طرح ٹھٹک گیا۔

لڑکیوں کا غول درخت کے پیچھے سے برآمد ہوا تھا اور ان میں کوثر بھی شامل تھی۔

• کیا حال ہے مادام میرلیسا؟ کوثر زور زور سے ہنستے ہوئے بولی۔

• ایڈیٹ، فول۔ میرلیسا دانت پیس کر بولی۔

• تم شرط ہار گئیں، کیا سمجھیں، تم شرط ہار گئیں۔ کوثر بچوں کی طرح ہنستے ہوئے بولی۔ ان کا خیال تھا سرفراز صاحب کہ مشرق کے باشندے مغرب کے مقابلے میں زیادہ عورت پرست ہوتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کسی نوجوان کو ذرا سی لفٹ دو، فوراً رام ہو جاتا ہے۔ یہ بڑے دعوے کر کے آئی تھیں اور اب یہ شرط ہار چکی ہیں۔ کوثر نے ہنستے ہوئے کہا اور میں نے سر پکڑ لیا۔

الٰہی، کونسے خمیر سے بنی ہے یہ لڑکی، کیا ہے یہ، اب تو وہ درحقیقت میری نگاہوں میں پُراسرار ہوتی جا رہی تھی۔

• سوری مس میرلیسا۔ میں بھی شوخ انداز میں بولا۔

• کیا۔ کیا ان لوگوں نے تمہیں پہلے سے ہوشیار کر دیا تھا؟ میرلیسا نے پوچھا۔

• اب تم بے کار باتوں پر آ گئیں۔ شرط لگانے کے فوراً بعد تم چل پڑی تھیں، ہماری ان سے ملاقات کب ہوئی تھی۔ کوثر نے کہا۔

• آپ کی اطلاعات غلط تھیں مس میرلیسا۔ ہم لوگ اب حسن و عشق کی دنیا سے نکل آئے ہیں۔ میں نے کہا۔

• میں نہیں مانتی، تمہارے ہاں عورت کے سوا اور کیا ہے۔ اپنی کلاسیکل شاعری اٹھا کر دیکھ لو، اپنے ہاں کے سارے انداز دیکھ لو۔ چاروں طرف عورت ہے، صرف عورت۔

• شاعروں کی باتیں چھوڑ دیں مس میرلیسا، عورت آپ کی شاعری میں بھی ہے۔ ویسے اپنے ہاں کے شاعروں پر میں شرمندہ ہوں۔ لیکن سب کے لئے نہیں۔

• مس مارلن، دیکھو یہ میرلیسا چڑ گئی ہے۔ کوثر نے احتجاج کیا۔

• میرلیسا، کیا ہو رہا ہے، سیدھی طرح شکست تسلیم کر دو۔

• اس کے بجائے یہ مشرق و مغرب کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔ حالانکہ میں بھی سخت جواب دے سکتی ہوں۔

• یہ تمہارا حق ہے کوثر۔ مارلن نے کہا۔

• تب میں صرف ایک بات کہوں گی، ہمارے ہاں عورت کا احترام ہے، وہ ایک قیمتی جنس ہے، پوشیدہ ہے۔ سڑکوں پر عریاں نہیں ہو گی۔ جبکہ تمہارے ہاں عورت ایک عام سی شے ہو کر رہ گئی ہے، کون اس کی طرف توجہ دے گا۔

• میرا خیال ہے گفتگو تلخیوں کی حدود میں داخل ہو رہی ہے، اس لئے اسے بدل جانا چاہئے۔

• ہم آپ سے متفق ہیں مسٹر سرفراز۔ دوسری لڑکیوں نے کہا اور

میرلیسا کھسیانی ہوگئی لیکن میری طرف اس نے بڑی خونخوار نگاہوں سے دیکھا تھا اور میں نے سہمنے کی اداکاری کی۔

میرلیسا شرمندہ سی رہی۔ لڑکیوں نے موضوع بدل دیا تھا۔

لیکن رات ڈنر کے بعد جب سب لوگ مختلف تفریحات میں مشغول ہوگئے تو میں بھی سب سے الگ تھلگ پائیں باغ میں نکل آیا۔ مسحور کن خوشبو چاروں طرف رقصاں تھیں۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہونے کی وجہ سے ہوا نم تھی۔ باغ کے ایک گوشے میں پڑی ہوئی سنگ مرمر کی بنچ پر بیٹھ کر میں نے گہری گہری سانسیں لیں۔

اور ذہن ماضی کی طرف پلٹ گیا۔ کیسا انوکھا ماضی تھا میرا۔ اور کیسا اجنبی اجنبی لگ رہا تھا مجھے، کیا وہ میں ہی تھا۔ لاابالی، بے فکر، سیر و شکار کا شوقین، سربلند رہنے والا، کیا وہ سرفراز ہی تھا۔ بہرحال ڈرامائی انداز میں سوچنا حماقت تھا، لیکن جو کچھ میں کر رہا تھا، وہ بھی ڈرامہ نہیں تھا، یہ بات تو ذہن میں پختہ ہوگئی تھی کہ اب گھر والوں سے ہمیشہ کے لئے رابطہ منقطع ہو گیا۔ اب تو نہ جانے کونسی زندگی منتظر ہے!

ہاں دل میں ایک امنگ ضرور تھی، وہ یہ کہ زندگی کو کسی ایسی ڈگر پر لے آؤں، جہاں کوئی محرومی نہ ہو۔ اور یہی تصور صحرا گردی پر مجبور کر رہا تھا۔ افریقہ، پُراسرار داستانوں کی سرزمین، دیکھئے میرے لئے کونسے گل کھلاتی ہے۔

خیالات کا راستہ اتنا ہی طے ہوا تھا کہ عقب سے قدموں کی آواز سنائی دی، پلٹ کر دیکھا تو میرلیسا تھی جو بہت قریب آچکی تھی۔

میں چونک پڑا، لڑکیاں بعض اوقات کافی خطرناک بھی ثابت ہوتی ہیں۔ بہرحال میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

• ہیلو— اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

• اوہ مس میرلیسا، آئیے۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

• شکریہ!" وہ میرے پاس بنچ پر آبیٹھی۔

• خیریت، آپ دوسروں سے علیحدہ کیسے ہوگئیں؟"

• مجھے تمہاری تلاش تھی!"

• فرمائیے، میرے لائق کوئی خدمت؟"

• سرفراز!" وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

• مس میرلیسا!" میں نے خلوص سے کہا۔

• بات مذاق کی تھی، لیکن میری بڑی توہین ہوئی ہے، میں — میں ایک عجیب سی الجھن میں گرفتار ہوگئی ہوں؟"

• اسے مذاق ہی رہنے دیں مس میرلیسا، ایسی الجھنیں بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔"

• میں بدصورت ہوں سرفراز؟"

• نہیں مس میرلیسا، کوئی بھی نوجوان آپ کو دیکھ کر آہیں بھر سکتا ہے۔"

پھر تم اس مذاق کو حقیقت کا رنگ کیوں نہیں دیتے؟" میرلیسا نے کہا۔ مغربی لڑکی کے اس انداز پر مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ وہ کھلے دل سے یہ کہہ سکتی تھی۔

• آپ خود غور کریں تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔"

• کیا۔؟"

• یہی کہ اس مذاق کو حقیقت کا رنگ دینے سے نہ آپ کو کچھ ملے گا نہ مجھے۔"

• کیوں؟"

• میں آپ کا چند روزہ ساتھی ہوں، تھوڑے دن کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے، پھر اس کے بعد؟"

• تم ان لوگوں کے ساتھ نہ جانا۔"

• یہ کیسے ممکن ہے؟"

• میں ڈیڈی کو تیار کرلوں گی، وہ تمہیں یہاں کی نیشنلٹی دلوا دیں گے، ہم شادی کرلیں گے، تم جانتے ہو ہمارے یہاں ان معاملات کی پوری آزادی ہے۔"

• اوہ۔ نہیں مس میرلیسا، براہ کرم خود کو سنبھالیں، یہ ناممکن ہے۔"

• میں اسے ممکن بنا دوں گی۔"

• نواب صاحب اجازت نہیں دیں گے۔"

• میں انکل کو تیار کرلوں گی، تم سب کچھ میرے اوپر چھوڑ دو۔"

• آپ — آپ احمق ہیں مس میرلیسا، اور میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔"

• یہ فضول باتیں ہیں؟" میرلیسا روہانسی آواز میں بولی۔

• ہاں۔ بالکل فضول!" میں نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور میرلیسا جلتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی، اس کی آنکھوں میں شکست خوردگی، نفرت اور نہ جانے کون کونسے جذبات تھے۔

چند لمحات یونہی خاموشی سے گذر گئے، تب اس نے پھر لب کشائی کی:

• ایک بات بتاؤ گے سرفراز؟"

• ضرور!" میں نے کہا۔

• تم کسی اور کو چاہتے ہو؟"

• ممکن ہے مس میرلیسا۔"

• تب وہ کوثر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا!" میرلیسا نے پُریقین انداز میں کہا۔

• یہ آپ سے کس نے کہا؟"

• کوثر نے، تم نے، کوثر کے اعتماد نے، تمہارے اجتناب نے!"

• تم جاگتے میں خواب دیکھنے کی عادی ہو مس میرلیسا۔ مس کوثر میری مالکن ہیں، میں ان کا معمولی سا نوکر ہوں، مالک اور نوکر میں کبھی پیار نہیں ہوتا، براہ کرم ان فضول خیالات کو ذہن سے نکال دو، میں تم سے درخواست کرتا ہوں، ہمارے یہاں قیام کو کسی حادثے کی شکل نہ دو۔"

• لیکن میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں!" میرلیسا نے جذباتی لہجے میں کہا، وہ میرے قریب کھسک آئی۔

• اپنے آپ کو اتنا سستا نہ کرو میرلیسا، تم عورت ہو!"

• لیکن تمہاری دیوانی!" اس نے میری گردن میں باہیں ڈال کر میرے ہونٹوں کو چومنے کی کوشش کی۔

یہ حد سے آگے کی بات تھی، میں کھڑا ہوگیا، میں نے حقارت سے دیکھا اور پھر سخت لہجے میں بولا:

• اور میں تم سے نفرت کرتا ہوں، شدید نفرت۔"

اور میرلیسا چونک کر کھڑی ہوگئی، پھر وہ تیزی سے مڑی اور دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں گردن کھجاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر میں نے حالات پر غور کیا کہیں یہ لڑکی کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ حالانکہ مجھے نواب بدرالدین پر اعتماد تھا، لیکن اس کے باوجود، چنانچہ اب بہتر یہی تھا کہ یہاں سے چل دیا جائے۔

اور پھر میں واپسی کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ کسی طرف سے ایک سی آواز بلند ہوئی، غالباً چھینک کی آواز تھی، اور نسوانی تھی۔

پھر کوئی گڑبڑ—، میں نے سوچا۔

• کون ہے؟" میں نے چاروں طرف دیکھا، لیکن خاموشی، جو کوئی سامنے نہیں آنا چاہتا تھا، لیکن بُرا ہو چھینک کا، وہ دوبارہ آگئی، اور میں نے سمت کا اندازہ لگا لیا۔

اسی وقت کسی نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن میں نے ایک ہی چھلانگ سے دبوچ لیا۔

• ارے۔ ارے کیا وحشت ہے؟" کوثر کی آواز سنائی دی۔

• اوہ۔ آپ کوثر بی بی۔" میں نے جلدی سے اسے چھوڑ دیا۔

کوثر کے چہرے سے شرمندگی کے جذبات جھلک رہے تھے۔

• دراصل — دراصل وہ بہت جھنجھلائی ہوئی تھی۔ دن بھر خاموش اور لڑکیوں سے الگ تھلگ رہی، اور پھر جب وہ چلی تو مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے سوچا۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔" کوثر نے ... انداز میں کہا۔

• عجیب پاگل لڑکی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

• آؤ— بیٹھیں گے کچھ دیر۔" کوثر نے پیشکش کی اور میرے سر میں پھر کھجلی ہونے لگی۔ موم کی کوثر سفید بنچ پر آکر بیٹھ گئی، لیکن میں اس کے نزدیک بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ میں نیچے گھاس پر بیٹھ گیا۔ کوثر نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پھر سنجیدہ لہجے میں بولی۔

• براہ کرم بنچ پر بیٹھ جاؤ۔"

• کوثر بی بی!" میں نے آہستہ سے کہا۔

• سرفراز۔ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ آپ کے سامنے آکر خود پر قابو رکھوں، لیکن نہ جانے کیوں، آپ — آپ!"...

• مجھے میری خطاؤں سے آگاہ کر دیا کریں کوثر بی بی!" میں نے عاجزی سے کہا اور کوثر میری طرف دیکھنے لگی۔ یاالٰہی، بڑی عجیب نگاہیں تھیں، میں پورے طور سے ان نگاہوں کا مفہوم نہیں پڑھ سکا۔

پھر اس نے گردن جھکا لی، اور پھر آہستہ سے بولی:

• سرفراز صاحب!"

• جی کوثر بی بی۔"

• لوگ آپ کے بارے میں الجھن میں مبتلا تھے۔"

• میرے بارے میں؟"

• جی!"

• کن لوگوں کی بات کر رہی ہیں آپ؟"

• رشید صاحب — انور وغیرہ۔"

• میں نہیں سمجھ سکا!"

• ان کی نگاہوں میں آپ کی شخصیت پُراسرار تھی!"

• اوہ — جی یہ وہم تھا ان کا، میں نے انہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا!"

• لیکن وہ مطمئن تو نہیں ہو سکے۔"

• یہ میری بدقسمتی ہے!"

• جی نہیں، یہ حقیقت ہے!"

• میں نہیں سمجھا کوثر بی بی۔"

• آپ بے حد اعلیٰ ظرف انسان ہیں سرفراز صاحب!" کوثر نے کہا۔ اور میرے بدن میں پھریریاں دوڑ گئیں۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

• آپ انتہائی ٹھوس کردار کے مالک ہیں سرفراز صاحب، میں نے آپ جیسے انسان بہت کم دیکھے ہیں۔"

• میں کسی قابل نہیں ہوں کوثر بی بی، ویسے کیا دوسرے لوگ بھی قریب موجود ہیں؟"

"جی ۔۔۔؟"

"اگر پھر میرا کوئی تماشہ بنانا چاہتی ہیں تو میں حاضر ہوں ۔۔۔ فرمائیے آپ کی اس گفتگو کے جواب میں کیا کہوں؟" نہ جانے کیوں میرے لہجے میں کچھ تلخی آگئی تھی۔

لیکن کوثر کا سر جھکا ہی رہا۔ وہ میرے اس انداز سے چراغ پا نہیں ہوئی تھی۔

"حکم دیں کوثر بی بی۔" میں نے کہا۔

"آج میں نے اپنی فطرت کو سلا دیا ہے سرفراز صاحب۔ آج سے میں خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی۔"

"نہیں کوثر بی بی، میں تاحیات آپ کی جھڑکیاں، گالیاں سننے کو تیار ہوں۔" میری کیفیت بھی عجیب ہوگئی تھی، نہ جانے کیوں میرے ذہن میں شکایت سی ابھر آئی تھی۔

"مجھے اور شرمندہ نہ کریں سرفراز صاحب۔"

"آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہی سب کچھ میری خواہش ہے۔" میں بولا

"آخر کیوں؟"

"افسوس۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"گویا آپ اپنی شخصیت کے پردے سے نکلنا نہیں چاہتے۔"

"میری شخصیت پر کوئی پردہ نہیں ہے، غلام فطرت لے کر پیدا ہوا ہوں، غلامی میں زندگی گذار رہا ہوں اور غلام ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔"

"للہ۔ اور شرمندہ نہ کریں سرفراز صاحب۔"

"عرض کر چکا ہوں کہ آپ شرمندہ نہ ہوں۔"

"سنیئے ۔۔۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں نے آپ سے کافی بدتمیزیاں کی ہیں۔ دراصل نہ جانے کیوں آپ کی اس مسکینیت پر غصہ آتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میری کسی بھی غلط بات کی مخالفت کی جائے۔ میں چاہتی تھی کہ آپ میرے احکامات ماننے سے انکار کر دیں۔ آپ کی جو شکل و صورت ہے، اس کے مطابق آپ کو ڈرائیور نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مجھے آپ پر غصہ آتا تھا کہ آپ نے ڈرائیور کی ملازمت کیوں قبول کی۔ بس اسی غصہ میں نہ جانے کیا کیا بکواس کر جاتی تھی۔ بہرحال میں شرمندہ ہوں۔"

"خدا کے واسطے کوثر بی بی، آپ دہرا رہی ہیں جو تھیں۔"

"کیوں ۔۔۔ آخر کیوں؟"

"میں اپنی شخصیت تشکیل کر رہا ہوں۔"

"میں نے یہ الفاظ پہلے بھی آپ کی زبان سے سنے تھے، کیا آپ مجھے ان کی حقیقت بتائیں گے؟"

"کوثر بی بی۔ کچھ لوگ خود میں گم ہو کر زندگی گذار دیتے ہیں۔ ان تک دوسروں کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ وہ اپنی ذات میں اس قدر کھوئے ہوتے ہیں، انہیں خود پر اس قدر اعتماد ہوتا ہے کہ دوسرے ان کی نگاہ میں نہیں آتے۔ وہ نہیں جانتے کہ انہوں نے کتنے شیشے چکنا چور کئے ہیں۔ دل کے ٹوٹنے کی آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ لیکن یہ آواز کائنات کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی ہے۔ ذرہ ذرہ ان دردناک آوازوں سے لرز جاتا ہے۔ خودی میں گم لوگ بہرے ہوتے ہیں، لیکن مشیت ایزدی ان کے لئے سزا متعین کرتی ہے، اور سزا کا ایک دن ضرور آتا ہے۔ میں انہیں خود پرست لوگوں میں سے ہوں۔ قدرت نے میری سزا میرے ہاتھوں متعین کی۔ میں خود کو پامال کر رہا ہوں۔ اور کوثر بی بی آپ اس میں میری معاون ہیں۔ خدا کے واسطے میری سزا پوری ہونے دیں۔ اپنے آپ کو نہ بدلیں، مجھے آپ کی اس نرمی کی ضرورت نہیں ہے، میں ڈرائیور ہوں، آپ کا غلام ہوں۔ مجھے صرف حقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اپنے دوستوں میں میرے ساتھ ذلت آمیز سلوک کریں۔ میں اپنی سزا پوری کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے اپنے آپ کو میری سزا کا ذریعہ رہنے دیں۔ میں دوسروں کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا؟"

"سرفراز ۔۔۔ میں معافی چاہتی ہوں ۔۔۔ میں معافی چاہتی ہوں سرفراز۔"

کوثر بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ ایک قدم آگے بڑھی، اس کے دونوں ہاتھ اٹھے ۔۔۔ لیکن میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"آخری بار درخواست کر رہا ہوں کہ مجھے میری اوقات میں رہنے دیا جائے۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے کوثر کو روکتے ہوئے کہا۔ اور کوثر مجبور ہو گئی۔ وہ سراسیمہ سی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا، آہستہ سے مڑی اور پھر سست قدموں سے رہائشی عمارت کی طرف چلی گئی۔

میں اس وقت تک اسے دیکھتا رہا، جب تک اس کا ہیولا میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اس ٹیم کے تقریباً تمام ممبر کرنل ڈکسن کی کوٹھی پر جمع ہو گئے تھے۔ روانگی کی تیاریاں بھی مکمل ہو چکی تھیں، چنانچہ اب روانگی میں کوئی تاخیر نہ تھی۔ آخری رات تمام لوگوں کا اجتماع ہوا۔ جانے والوں کی فہرست بنی۔ چھ لڑکیاں اور پندرہ مرد۔ کل اکیس افراد کو سفر کرنا تھا۔

کرنل ڈکسن کی دو لڑکیاں۔ ڈاکٹر میکارڈ جو ڈنمارک سے آئے تھے دو لڑکیاں ان کے ساتھ بھی تھیں۔ طویل القامت اور نصف مرد جیسی پانچویں کوثر تھی اور چھٹی پروفیسر ہیگلے کی لڑکی نونا تھی۔

اکیس افراد کی میٹنگ میں آخری مراحل بھی طے ہو گئے۔ دوسرے دن برٹش اکمو ریٹ اشیم شپ کمپنی کے ایک فری گٹ سے روانگی کا پروگرام طے پا گیا۔ اس کے انتظامات کرنل ڈکسن نے کر لئے تھے۔

جمیکا سے انہیں لینڈ رو ورں سے سفر کرنا تھا، جس کے انتظامات وہاں مکمل تھے۔ دوسرے دن صبح لمبی لمبی گاڑیاں ہمیں لے کر بندرگاہ چل پڑیں۔ خوبصورت فری گیٹ برتھ پر ان منتظر تھا۔ فری گیٹ کے ڈیکوریٹ کیبنوں میں انہوں نے ہمارا سامان جما دیا۔

کپتان مائیکل کارٹ ایک نوجوان اور خوش لباس و خوش مزاج شخص تھا۔ اس مہم جو پارٹی سے وہ انتہائی خوش اخلاقی سے پیش آیا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے جہاز نے کنارہ چھوڑ دیا۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

میں بھی ایک ریلنگ سے ٹکا ہوا سمندر کے بلبلوں پر نگاہ جمائے ماضی کے دھندلکوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ پھر مجھے اپنا گھر۔ وطن، اپنے لوگ رشید الدین صاحب، کہکشاں، نورجہاں، زلیخا۔ سب ہی یاد آ رہے تھے۔

پھر میں نے گہری سانس لے کر خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اور وہاں سے ہٹنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ میرلیسا نے میری پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرلیسا کو دیکھ کر میری آنکھوں میں کوئی جذبہ پیدا نہ ہوا۔

"ہیلو مس میرلیسا!" میں نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"ہیلو۔" میرلیسا نے اپنی آواز میں دلکشی اور لچک پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے؟" میں نے میرلیسا کو مخاطب کیا۔

"تنہا کیوں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نئی بات نہیں ہے۔" میں نے ریلنگ سے کمر ٹکا دی۔

"عادی ہو؟" میرلیسا مسکرائی۔

"ہاں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیوں؟"

"اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

"میں تمہاری تنہائی دور کرنا چاہتی ہوں۔"

"نہ کر سکو گی۔"

"آزمالو۔" میرلیسا نے میرے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"مس میرلیسا، میں آزمائشوں کی عمر سے گذر چکا ہوں۔ پرانے تجربات ہی اتنے تلخ ہیں کہ اب نئے تجربوں کی آزمائش کرنے کو نہ ہی دل چاہتا ہے اور نہ ذہن۔"

"میرے کہنے سے۔"

"میرے کان بند ہو چکے ہیں۔"

"دل سے سنو۔"

"دل ۔۔۔ شاید اس نام کی کوئی چیز کبھی ہو، مگر اب نہیں ہے اب تو دھڑکنیں بھی معدوم ہو چکی ہیں۔"

"کوئی گہری چوٹ کھائی ہے؟"

"ممکن ہے۔"

"مجھے نہ بتاؤ گے؟"

"کیوں ۔۔۔ تم کون ہو؟"

"میرلیسا۔" میرلیسا نے شرارت آمیز آواز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بے بی جاؤ۔ ڈیڈی انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"سرفراز۔" میرلیسا نے اس کے سینے تک پہنچنے کی کوشش کی۔

"گیٹ آؤٹ!" وہ اتنے زور سے دھاڑا کہ میرلیسا اچھل پڑی۔ اس نے احمقانہ انداز میں سرفراز کی شکل دیکھی۔ لیکن سرفراز کی آنکھوں میں دیوانگی آمیز سرخی نظر آ رہی تھی۔

"سرفراز۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"آئی سے گیٹ آؤٹ۔" (9 SAY GET OUT)

وہ اس انداز سے آگے بڑھا جیسے میرلیسا کا منہ نوچ لینا چاہتا ہو۔ میرلیسا خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹی۔ اور پھر الٹے قدموں دوڑ گئی۔

سرفراز کے پیٹ میں قہقہے ابل رہے تھے، میرلیسا کا عشق تو اب ٹھنڈا ہو ہی جائے گا۔ ظاہر ہے ایک نیم پاگل انسان میں کون دلچسپی لے سکتا ہے۔ بے وقوف لڑکی ابھی تک لکیر پیٹ رہی ہے۔ کیا ملے گا اسے ان کھنڈرات میں تو کچھ نہیں ہے۔

کافی دیر تک وہ ریلنگ سے ٹکا ہوا کھڑا رہا۔ پھر اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔ کیبن میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور لباس تبدیل کر کے ایک آرام کرسی میں دراز ہو گیا۔ ایک بار پھر اداسیاں اس کے ذہن میں رینگ آئی تھیں، اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔

تب دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک پڑا، اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے نواب صاحب کھڑے تھے۔

"کہو بھئی سرفراز میاں، کیا ہو رہا ہے؟" نواب صاحب بے تکلفی سے بولے۔

"کچھ نہیں، یونہی۔"

"کچھ سوچ رہے تھے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"پھر بھی۔"

"عرض کیا نا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"بھئی بہت دنوں سے تم سے کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی۔ آج

میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
• حاضر ہوں نواب صاحب۔"
• لیکن دوران گفتگو اگر کافی کا دور رہے تو گفتگو میں لطف آئے گا۔"
• میں ابھی منگواتا ہوں۔" سرفراز نے کہا، اور پھر اس نے ویٹر کو بلانے کے لئے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ ویٹر کے آنے پر اس نے کافی کا آرڈر دیا۔ اور پھر نواب صاحب کے سامنے مؤدب بیٹھ گیا۔
• اس دوران لندن میں کچھ ایسا مصروف رہا کہ تم سے ٹھیک سے بات چیت نہیں ہو سکی۔ تم نے محسوس تو نہیں کیا۔" نواب صاحب نے پوچھا۔
• قطعی نہیں، ظاہر ہے آپ کے دوست ملے تھے۔"
• ہاں تم بور تو نہیں ہوئے؟"
• جی نہیں۔"
• ہاں بھئی، کوثر میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔"
• جی۔"
• بھئی اب سرفراز، سرفراز صاحب ہو گئے ہیں۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے کہا۔
• میں عرض کر چکا ہوں کوثر بی بی طبیعتاً بُری نہیں ہیں۔"
• بس جب وہ تم سے بدتمیزی کرتی ہے تو مجھے افسوس ہوتا ہے۔"
• آپ اس موضوع کو ذہن سے خارج ہی کر دیں۔
• ہاں۔ تمہاری اعلیٰ ظرفی سے میں مطمئن ہوں۔ خیر جانے دو۔ میں تم سے آج جو گفتگو کرنے والا ہوں، وہ بہت اہم ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ اور ان کی سنجیدگی دیکھ کر میں بھی سنبھل گیا۔ میں سوالیہ انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا، پھر اس سے قبل کہ نواب صاحب گفتگو شروع کرتے ویٹر نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

کافی آگئی تھی۔ میں نے دو پیالیاں بنائیں۔ ایک نواب صاحب کے سامنے رکھی اور دوسری اپنے سامنے رکھی اور بیٹھ گیا۔
• یوں تو شاید میں نے تم سے اپنی بہت سی مہمات کا ذکر کیا ہے۔ درجنوں خوفناک مراحل میری زندگی میں آئے ہیں، لیکن اس بار ایک خاص مہم درپیش ہے۔"
• جی۔" میں آہستہ سے بولا۔

نواب صاحب نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور پھر پیالی رکھ کر ہونٹ خشک کرتے ہوئے بولے۔
• پچھلی بار میری پارٹی جس میں یہ بھی لوگ شامل تھے۔ افریقہ کے ایک خاص مقام رو تو کوزرے کی طرف گئی تھی۔ رو تو کوزرے ایک دریا کا نام ہے جس کے بارے میں سنا ہے کہ اس کی تہہ میں بیش قیمت جواہرات پائے جاتے ہیں۔ ہمیں ان جواہرات کی تلاش تھی۔ رو تو کوزرے ایک تیز بہنے والا دریا ہے، اور اس کی تہہ تک پہنچنا بے حد مشکل۔ قدم ہی نہیں جم سکتے۔ مم کورسیا تو ایک ماہر تیراک تھا۔ صرف اسی نے دریا میں اتر نے کی ہمت کی لیکن ہم مشکل ہی سے اس کی زندگی بچا سکے تھے۔

چنانچہ سب چھوڑ بیٹھے۔ تب ہم نے دریا کے کنارے کنارے سفر شروع کر دیا۔ ہم کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے۔ جہاں دریا اتھلا ہو اور بہاؤ کم ہو۔ اس طرح ہم نے دریا کے کنارے کنارے ایک طویل سفر کیا لیکن دریا کہیں اتھلا نہ تھا، بہاؤ کہیں کم نہ تھا۔ تب ہم جی چھوڑ بیٹھے۔

اس رات ہم نے دریا سے تھوڑی دور ہٹ کر قیام کیا۔ چاروں طرف ویران پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ دریا کے کنارے کنارے البتہ ... تھی اور پھر رات ہو گئی۔ رات کو ہم نے کافی دور پہاڑیوں میں روشنی دیکھی اور حیران رہ گئے۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ شاید افریقی وحشیوں کی کوئی ... قریب ہے، اور یہ روشنی وہیں سے آ رہی ہے۔

بہرحال اس خیال نے ہمیں رات بھر سونے نہ دیا۔ دوسری ... ہم بندوقوں سے لیس ہو کر چل پڑے۔ اور پھر درختوں سے کاٹے ہوئے موٹے موٹے تختوں کا ایک بڑا سا احاطہ ہمیں نظر آیا۔ کافی سلیقے سے بنا تھا یہ احاطہ۔ اس میں باقاعدہ بند ہونے والا دروازہ بھی تھا۔

ہم ہمت کر کے اس دروازے کے قریب پہنچ گئے اور پھر ہم نے چیخ چیخ کر وہاں موجود لوگوں کو آوازیں دیں۔ تب ایک شخص کی شکل دروازے کے پاس نظر آئی۔

طویل القامت، قوی الجثہ شخص۔ شاید عربی النسل تھا۔ اس کی ... میں دیکھنا مشکل تھا۔ بڑی تیز اور جاندار آنکھیں تھیں اس کی۔ وہ ہمیں سوالیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔
• ہیلو۔" کرنل ڈکسن نے اسے مخاطب کیا۔
• سیاح ہو؟" اس نے انگلش میں کہا۔
• ہاں۔"
• سونے کی تلاش میں آئے ہو؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔
• فی الحال تمہارے مہمان بننا چاہتے ہیں۔"
• میرا مذہب مہمانوں کی تواضع کا حکم دیتا ہے، ورنہ میں انسانوں سے بیزار ہوں۔ آؤ۔" اس نے کہا اور مڑ گیا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ طویل و عریض احاطہ تھا۔ جہاں باقاعدہ رہائش گاہ موجود تھی۔ عجیب پُراسرار سا ماحول تھا جس نے ہم لوگوں پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔

بہرحال قیام کے لئے اس نے ہمیں ایک جگہ بتا دی اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم اپنے پُراسرار میزبان سے گفتگو

کریں۔ اس سے دریا کے ہیروں کے بارے میں معلوم کریں۔ اس خطے کے بارے میں معلومات کریں۔ بہرحال وہ ایک مہذب نسل کا انسان معلوم ہوتا تھا۔

لیکن اس کی پُراسرار خاموشی، اس کا بیزار بیزار سا انداز ہمارے اندر جرأت نہیں پیدا ہونے دے رہا تھا۔ کہ ہم اس سے گفتگو کریں۔
• کیا خیال ہے فیروز، کس ٹائپ کا آدمی ہے؟"
• عجیب، نہ جانے آدمی ہے بھی کہ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔
• اوہ — تم مشرق کی کوئی پُراسرار داستان دہراؤ گے۔" کرنل ڈکسن نے ہنستے ہوئے کہا۔
• پھر تم ہی اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"
• بھئی ہے تو پُراسرار۔ شکل و صورت سے بھی مشرقی ہی لگتا ہے۔"
• میرے خیال میں اس کا تعلق مشرقِ وسطیٰ کے کسی ملک سے ہے۔" ایک دوسرے نے میری تائید میں کہا۔
• لیکن اب کیا کیا جائے؟"
• کیا مطلب؟
• ارے بھائی۔ کیا صرف ان جھونپڑوں میں قیام کرو گے۔ اگر اس نے گھاس ہی نہ ڈالی تو پھر کیا خاک معلوم ہو سکے گا۔"
• تو پھر تم ہی بتاؤ؟"
• تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں، پھر اس سے ملاقات کی کوشش کریں گے۔"

لیکن ہمیں کسی کوشش کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ پہر کو ہمارا پُراسرار میزبان ہمارے پاس آیا۔
• صاحبو! کھانا تیار ہے، آؤ۔" اس نے مختصر الفاظ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔
• چلو۔" کرنل ڈکسن اٹھتے ہوئے بولا۔ اور ہم سب اٹھ گئے۔ ہمارا میزبان ہمیں لئے ہوئے رہائش گاہ کے دوسرے حصہ میں پہنچا۔ ایک بڑا سا ہال تھا جس میں پرانی طرز کا کچھ فرنیچر موجود تھا۔ فرش پر پیال کے ڈھیر موجود تھے۔ ایک بھدی سی میز جو کسی درخت کی چوڑی لکڑی میں پائے لگا کر بنائی گئی تھی، اور اسٹول ٹائپ کی کچھ کرسیاں۔ میز پر بھنا ہوا کچھ گوشت، پنیر اور پانی کا ایک برتن۔
• بیٹھو۔" میزبان نے کہا۔
• ہم نے آپ کو تکلیف دی۔"
• شروع کرو۔" اس نے ہماری بات کا نوٹس لئے بغیر کہا اور خود بھی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ ہم نے بے تکلفی سے کھانا شروع کر دیا۔ انتہائی لذیذ گوشت تھا۔ خوب ڈٹ کر کھایا۔ تکلف کی ضرورت ہی نہ تھی۔

کھانے کے بعد ہمارے میزبان نے قہوہ پیش کیا۔ قہوہ پینے کے دوران ہم نے موقع غنیمت جان کر اس سے گفتگو کا آغاز کیا۔
• معزز میزبان۔ گو ہم زبردستی کے مہمان ہیں۔ لیکن آپ نے بہرحال ہمیں بحیثیت مہمان قبول کیا ہے تو اس کے ساتھ کچھ اور رسوم بھی تو ہوتی ہیں نا؟"
• مثلاً۔" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔ اس کا چہرہ اس وقت بھی کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔
• مثلاً تعارف۔"
• ضروری ہے؟"
• ہاں رسومات میں شامل ہے۔"
• مجھے رسومات سے نفرت ہے۔" اس نے بیزاری سے کہا۔
• تب پھر آپ نے ہم میزبانی کیوں قبول کی؟
• ہاں۔ — وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس کے چہرے پر ہلکے سے نفرت کے آثار ابھرے۔
• دراصل مجھے دولت کے پجاریوں سے سخت نفرت ہے۔ تم لوگ زندگی کی بازی لگا کر سونے کی تلاش میں آتے ہو۔ حادثات جنم دیتے ہو۔ کتے کی موت مرتے ہو، یا دوسروں کو مار جاتے ہو۔ غور کرو، یہ چمکتی دھات انسانی زندگی میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ تم اسے کھا نہیں سکتے، تم اس کے ہتھیار نہیں بنا سکتے، کسی کام بھی تو نہیں آ سکتی یہ۔ لیکن تم اس کے لئے زندگی کو جہنم بنا دیتے ہو۔ مجھے تم سے نفرت ہے، سخت نفرت۔"
• اوہ — لیکن ہم سونے کی تلاش میں نہیں آئے۔"
• پھر کیوں ان صحراؤں کی خاک چھان رہے ہو؟"
• ہم مہم جو ہیں۔ ایڈونچر پسند۔ افریقہ ایک پُراسرار اور دلکش خطہ ہے۔ اس کی کشش ہمیں کھینچ لائی ہے۔"
• جھوٹ بولتے ہو، بکواس کرتے ہو۔ اگر تمہارے سامنے رنگین پتھروں کا کوئی ڈھیر آ جائے تو کیا تم اس کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنے پر نہ تُل جاؤ گے؟"
• شاید نہیں، میرے میزبان۔"
• اعلیٰ ظرف بننے کی کوشش مت کرو۔ میں نے بیرونی دنیا سے آئے ہوئے دو بھائیوں کو قیمتی پتھروں کے لئے ایک دوسرے کی جان لیتے دیکھا ہے۔"
• اوہ نہیں۔ تم غلط فہمی میں مبتلا ہو دوست۔" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔
• اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو میں اپنے رویہ پر شرمندہ ہوں۔" ہمارے میزبان کے چہرے پر کسی قدر نرمی کے آثار نمودار ہو گئے۔

• تو پھر تعارف کی رسم پُوری ہو جائے۔"

• ہاں"۔ وہ آہستہ سے مسکرایا۔" شاید تم مجھے متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

• یہی سہی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• میرا نام فرزان آمری ہے، کبھی مصر کا باشندہ تھا۔ اب مستقل اسی جگہ زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

• خوب۔" ہم نے حیرت سے کہا۔" یقیناً آپ کی ذات سے کچھ کہانیاں وابستہ ہوں ہوں گی۔"

• کہانیاں کس کی ذات سے وابستہ نہیں ہوتیں۔" وہ خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔

• ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے کہا، اور اچانک ہمارا میزبان چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر پھر ویسی ہی کرختگی نمودار ہو گئی۔

• اچھا دوستو، آرام کرو، شام کے کھانے پر ملاقات ہو گی۔"

• ارے ارے، کیوں۔" ہم اس کے اچانک اس طرح اٹھنے پر حیران رہ گئے۔

• اس سے زیادہ گفتگو میری سرشت کے خلاف ہے۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

• تب ہمیں اجازت دو۔" کرنل ڈکسن نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور وہ چونک کر ڈکسن کی شکل دیکھنے لگا۔

• کہاں جاؤ گے۔"

• ہمارے پاس بندوقیں ہیں، ان کے استعمال سے بھی واقف ہیں۔ شکار کر سکتے ہیں، کھا سکتے ہیں۔ قیام کے لئے تمہارے اس محل ہی کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ کسی بھی پہاڑ کی کوئی چٹان ہمارے سروں کا سائبان بن سکتی ہے، خدا حافظ۔" کرنل ڈکسن واپسی کے لئے مڑا۔

• اوہ ــــ ٹھہرو، ٹھہرو دوستو! شاید تم ناراض ہو گئے ہو۔"

• تمہارے مذہب نے صرف یہ نہیں کہا کہ آنے والے کو گوشت بھون کر کھلا دو۔ خوش اخلاقی اور توجہ بھی تمہارے مذہب کا ایک فریضہ ہے۔" ڈکسن نے کہا۔

• دراصل"ــــ وہ دوسری طرف منہ کر کے بولا۔" میں نے دنیا کی رسموں میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا ہے۔ لوگ حقیقی چہرے لے کر سامنے نہیں آتے۔ میں نے دنیا ہی چھوڑ دی ہے، کچھ نہیں رکھا، کچھ نہیں چاہئے مجھے دنیا سے، تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، بس جاؤ، گیٹ آؤٹ۔" وہ دھاڑا۔

• اچھے ہوئے انسان معلوم ہوتے ہو، دل ہلکا کر دو۔ ورنہ پھٹ جائے گا، مر جاؤ گے۔" ڈکسن مسکراتے ہوئے بولا۔

• کیا دے دو گے مجھے، تسکین ــ سکون ــ محبت ؟ کیا ہے تمہارے پاس، کچھ نہیں۔ بے کار لوگ، بے کار باتیں۔"

• تمہاری مرضی۔" ڈکسن نے شانے اُچکائے، اور ہم سب واپسی کے لئے مڑ گئے۔

• سنو سنو ــــ میں شرمندہ ہوں، رک جاؤ۔ لیکن براہ کرم مجھ سے میرے بارے میں اور سوالات نہ کرنا۔"

• ہم ایک معاہدہ کر لیتے ہیں مسٹر فرزان آمری۔"

• کیسا معاہدہ۔"

• ہم لوگ ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتا دیں گے۔"

• یہ نہیں ہو سکتا۔ میں مجبور ہوں۔"

• چلو حالات جس حد تک اجازت دیں۔"

• اچھا"۔ اس نے تھکے تھکے سے لہجہ میں کہا اور ہم رک جانے پر آمادہ ہو گئے۔

• شام کے کھانے تک کے لئے اجازت دو۔"

• ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں ہے۔"

اور پھر ہم اپنی اسی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے، جہاں اس نے ہمیں ٹھہرایا تھا۔

• ہاں بھی کیا چیز ہے یہ شخص۔" کرنل ڈکسن نے ایک طویل سانس لے کر بیٹھتے ہوئے کہا

• جو کچھ بھی ہے، دلچسپ شخصیت ہے، لیکن اسے کھولنا مشکل ہو گا۔"

• کوشش تو کی جانی چاہیئے، یقیناً یہ ہیروں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہو گا۔"

• لیکن پھر اس کی نظروں میں ہماری پوزیشن بھی انہی لوگوں جیسی ہو گی، جن سے یہ نفرت کرتا ہے۔"

• خود یہ کیا ہے؟ پتہ لگنا چاہیئے۔"

• ہاں، لیکن بڑا مشکل کام ہو گا۔"

• اس عمارت میں تنہا معلوم ہوتا ہے۔"

• ہاں۔ کوئی اور شکل تو نظر نہیں آئی، نہ ہی کسی اور کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔"

• تو یہ پورا کارخانہ اس کا تعمیر کردہ ہے؟"

• کیا تعجب ہے، ممکن ہے۔"

• پھر ہیروں کی کیا رہی؟"

• یار رات اور گذار لو۔ اگر بڈھا اسی طرح ایکٹنگ کرتا رہا تو اس پر لعنت بھیج کر صبح یہاں سے آگے بڑھ جائیں گے۔"

• چلو ٹھیک ہے۔" کرنل ڈکسن نے کہا اور ہم سب خاموش ہو گئے شام تک آرام کیا، اور پھر رات کے کھانے پر اس سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت اس کے چہرے پر غیر معمولی نرمی نظر آ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا تھا۔

• مجھے افسوس ہے، ان ویرانوں میں میں آپ لوگوں کی کوئی خاطر نہ کر سکا۔"

• نہیں مسٹر فرزان آمری، اگر غور کریں تو کھانا پینا ہی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہاں اگر آپ سے مکمل تعارف ہو جاتا تو خاطر مدارت کی تمام رسمیں پوری ہو جاتیں۔"

• کیا کرو گے میرے بارے میں جان کر؟"

• بس یونہی، تمہاری شخصیت دلکش ہے اور دلکشی کی طرف دوڑنا انسان کی فطرت ہے۔"

• نہیں دوستو! میں سر سے پاؤں تک ایک گلی ہوئی لاش ہوں جو سڑ چکی ہے، تم اس کا تعفن نہیں محسوس کر رہے۔ میری آنکھوں میں دیکھو، کیا ان میں تمہیں زندگی کے چراغ روشن نظر آتے ہیں؟ میں بجھ چکا ہوں۔ میں مر چکا ہوں۔ مجھ میں زندگی نہیں ملے گی، اور مردہ چیزوں سے کیسے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ دیکھ سکتے ہو تو میری لاش دیکھ لو اور اس کے بعد اپنا تجسس مجھ میں دفن کر دو۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

ان الفاظ سے ہم خاصے متاثر ہوئے تھے۔

• دل کا راز کہہ دینے سے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے ہم تمہارا کچھ دکھ بانٹ سکیں۔"

• میں دکھوں سے بے نیاز ہوں، زندگی کا بوجھ گھسیٹ رہا ہوں جب تک سانسوں کی گرفت میں ہوں۔ توڑ سکتے ہو سانسوں کا یہ طلسم توڑ دو۔ میرے اوپر بڑا احسان ہو گا۔"

سبھی متاثر تھے، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس سے ہمدردی کا اظہار کریں یا اپنی کھوپڑیاں دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر پٹ دوڑ جائیں لیکن یہ غیر انسانی حرکت ہوتی۔

• مسٹر فرزان، ہم آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اگر چاہیں تو ہماری دوستی قبول کر لیں، ممکن ہے اس سے ہم دونوں کا فائدہ ہو۔" ڈکسن نے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک غم آلود مسکراہٹ پھیل گئی۔

• اپنے بارے میں بتاؤ، کیوں آئے ہو ان ویرانوں میں؟"

• تمہارا پہلا ہی خیال ٹھیک تھا۔ تیز بہاؤ والے دریا کی اصلی سطح کی تلاش میں یہاں تک پہنچے ہیں۔"

• ہیرے"ــــ وہ ہماری آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

• ہاں"!

• ہیرے"ــــ اس نے ایک گہری سانس لی۔" میں بھی ہیروں کی تلاش میں روتوکوزے کے کنارے کنارے نی تیکا تک پہنچا تھا۔"

• نی تیکا؟"

• ہاں خوابوں کی سرزمین۔ افریقہ کا سب سے حسین، سب سے دلکش خطہ نی تیکا۔" بوڑھے کی آنکھوں میں ایک خوابناک سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

• تو پھر کیا تمہیں دریا کی سطح ملی؟"

• دریائے روتوکوزے نی تیکا کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔"

• اوہ ــــ پھر ہیرے؟"

• وہ ہیروں کی سرزمین ہے۔ چاروں طرف ہیرے ہی ہیرے بکھرے ہوئے ہیں۔ سرسبز زمردیں، درختوں کی شکل میں خوبصورت انسانوں کی شکل میں اور چمکدار پتھروں کی شکل میں۔"

• تو پھر؟" کرنل ڈکسن امتحانہ انداز میں بولا۔

• تو پھر"ــــ بوڑھے کے چہرے پر اچانک زلزلے کے آثار پیدا ہوئے۔" پھر یہ کہ ہیروں کی چمک آنکھوں کی بینائی چھین لیتی ہے، عقل کی روشنی چھین لیتی ہے۔ انسان ایک بدترین جانور بن جاتا ہے۔ میں بھی اپنی حیثیت بھول گیا تھا۔ ہیروں کے فریب میں میں انسانیت کے تمام اصولوں کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں نے چمکدار پتھروں کی اس وادی سے ایک ہیرا حاصل کر لیا۔ لیکن افسوس مجھے اس کی رکھوالی کرنا نہیں آئی، اور ایک دن میرے کھردرے ہاتھوں میں وہ اپنی چمک کھو بیٹھا۔"

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔

• کچھ بھی نہ کر سکا میں اس کے لئے آہ۔ میں نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ اور اس کے عوض کچھ بھی تو نہ دے سکا اسے۔" بوڑھے کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہنے لگے۔

◇

ہم سب حیران و پریشان بیٹھے تھے۔ بوڑھے فرزان کی کہانی عجیب تھی، لیکن اس کی دلکشی سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سب کے سب اس کہانی میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے۔ تب چند منٹ کے بعد بوڑھے نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا:

• مجھے معاف کرنا دوستو، میرا انداز مضحکہ خیز ہے، لیکن یہ ساری کہانی ہی مضحکہ خیز ہے۔ کیا تم اس سے انکار کرو گے؟"

• ہم ابھی کیا کہہ سکتے ہیں مسٹر فرزان، کہانی تو ہم نے ابھی سنی ہی نہیں ہے۔"

• ایں۔ ہاں۔ ٹھیک ہی تو ہے، شاید میں پاگل ہو گیا ہوں؟

• نہیں مسٹر فرزان۔ جس کہانی نے آپ کی آنکھوں کو آنسو دیئے ہیں۔ وہ مضحکہ خیز نہ ہوگی؟

بوڑھا کئی منٹ تک گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ ہم سب سسپنس میں مبتلا تھے، اور پھر بوڑھے نے گردن اٹھائی۔

• جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ میرا تعلق مصر سے ہے۔ افریقہ کے اندرونی حصّوں سے، مجھے بھی ان نوجوانوں کی طرح دلچسپی تھی۔ جو دولت کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں۔ میرا باپ فیصل بن عامری زیتون کی درآمد کرتا تھا اور زیتون کے بڑے تاجروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ میرے چھ بھائی تھے، چار بڑے اور دو چھوٹے۔ اس لئے میری کوئی پوزیشن نہیں تھی۔ بلکہ مجھے نکموں میں شمار کیا جاتا تھا۔

ایک شام میرے والد نے اپنے سارے بیٹوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ مستقبل میں وہ کونسے راستے اختیار کریں گے۔ میرے علاوہ میرے سارے بھائیوں نے میرے والد کو خوش کرنے کی باتیں کی تب میرے والد کی نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

• تمہارا کیا ارادہ ہے فرزان؟ انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

• ابو جان؟ میں نے کہا۔ ان سارے لوگوں نے آپ کی دولت کے سہارے اپنا مستقبل بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں آپ کی دولت کا سہارا نہ لوں؟

• کیا مطلب؟

• دیکھئے نا۔ اگر آپ کی دولت نہ ہو تو یہ سب کے سب ناکارہ ثابت ہوں گے، بڑی بات تو یہ ہے کہ اس دولت کا سہارا نہ لیا جائے اور دولت پیدا کی جائے؟

• تو تمہارا کیا خیال ہے کیا تمہاری نگاہ میں ایسا کوئی ذریعہ ہے؟

• ہاں؟

• کیا۔؟ میرے والد نے پوچھا۔

• میں اپنی قوت بازو سے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ گو ابھی مستقبل میرے سامنے نہیں ہے، لیکن آپ حکم دیں گے تو میں قسمت آزمائی کروں گا؟

• یہ تو بہت اچھی بات ہے فرزان، میری رائے ہے کہ تم تگ و دو شروع کر دو؟

میرے بھائی مجھ سے بُری طرح جل گئے تھے۔ بہرحال مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ ہاں میں سوچ میں ضرور ڈوب گیا۔ بار بار میرے ذہن میں افریقہ کے اندرونی حصّے آجاتے تھے۔

لیکن میرے بھائیوں نے مجھ سے بدلہ لینے کے لئے ایک گروپ بنا لیا تھا۔ اور وہ مختلف طریقوں سے والد صاحب کے کان بھر رہے تھے۔

اور ایک دن ان کی کوششیں رنگ لائیں۔ میرے والد نے مجھے طلب کیا۔

• فرزان؟ انہوں نے سرد لہجے میں مجھے مخاطب کیا، اور میں تعجب سے ان کی شکل دیکھنے لگا۔ تم نے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا؟

• ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ابو جان؟ میں نے کہا۔

• بیشک تم چالاک ہو، اور تم نے بڑی چالاکی سے مجھے بے وقوف بنایا ہے۔ نکمے انسان تم سوچتے ہی سوچتے میں وقت گذارنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ تم کتنے ہی چالاک ہو لیکن میں تمہارا باپ ہوں؟

• آپ کا یہ خیال ...؟ میں نے کہنا چاہا لیکن انہوں نے جلدی سے میرا جملہ کاٹ دیا۔

• بس بس، زیادہ بکواس مت کرو، میرے پاس اب تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، میں چاہتا ہوں تم فوری طور پر میرا مکان چھوڑ دو؟

میں بھی جوان تھا، میرا خون بھی گرم تھا۔ والد صاحب میرے بھائیوں کے بھڑکانے میں آگئے تھے۔ لیکن انہوں نے میری توہین کی تھی، میں نے بڑی دھیمی سے کہا:

• میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں ابو جان کہ مجھے آپ کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں اس کے سہارے زندگی نہیں گذارنا چاہتا۔ یہ دن کل بھی آنا تھا، آج آگیا تو کیا ہوا؟

• اسی وقت نکل جا میرے گھر سے؟

• جو حکم؟ میں نے جلدی سے کہا۔ خدا حافظ؟ اور میں باہر نکل آیا۔ میں نے اس گھر سے کچھ بھی لیا تھا۔ میں نے یہ سب کچھ کر لیا تھا، لیکن گھر سے نکلنے کے بعد پریشانیاں میرے سامنے منہ کھول کر کھڑی ہو گئیں۔

تب میرے ذہن میں افریقہ کے پراسرار حصّے جاگ اٹھے اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے میں افریقہ کے پُراسرار خطوں میں قسمت آزمائی ضرور کروں گا، اور میں نے تگ و دو شروع کر دی۔

اچھے وقت کے کچھ اچھے دوست بھی تھے، ایک بحری جہاز نلوزا پر میرا ایک دوست عثمان کیپٹن تھا۔ اتفاق سے ان دنوں اس کا جہاز ساحل نیل پر لنگر انداز تھا۔ میں اس سے ملا، اور اس نے میری پوری پوری مدد کی۔ اس کی مدد سے میں اسی جہاز کی کمپنی میں ملازم ہو گیا۔

اس جہاز کو افریقہ کے اندرونی حصّوں کی طرف ہی جانا تھا۔ اور پھر میں نے مصر چھوڑ دیا۔ میں چل پڑا۔ عثمان کو میری نیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ اسے ایک طویل سفر کرنا تھا، لیکن اٹھارہ دن کی مسافت کے بعد ایک رات ہم زیلیلا کے ساحل پر لنگر انداز تھے کہ میں نے خاموشی سے جہاز چھوڑ دیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ عثمان نے مجھے کہاں کہاں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بہر حال میں اسے نہ ملا، اور پھر تھک ہار کر وہ آگے بڑھ گیا۔ جب مجھے معلوم ہو گیا کہ جہاز نلوزا جا چکا ہے، تب میں باہر نکلا اب مجھے اندرونی علاقوں کے سفر کی تیاریاں کرنی تھیں اور میرے دوستو، اگر تمہیں ناگوار ہو تو میں کہانی مختصر کر دوں؟

فرزان عامری نے کہا۔

• اوہ نہیں فرزان۔ تمہاری کہانی تو بہت دلچسپ ہے۔

• گویا میں اس کے وہ پہلو بھی سناؤں جن کا تعلق صرف میری ذات سے ہے؟

• اگر تمہیں ناگوار نہ ہو تو ۔۔۔

• مجھے کیوں ناگوار ہوگا، سنو ۔۔۔ سنو، غور سے سنو۔ میری ملاقات ساحل پر گیری مین سے ہوئی۔ ایک انگریز سیاح جو یورپ سے افریقہ کا حسن لوٹنے آیا تھا، ایک سنگدل انسان، لومڑی کی طرح چالاک اور نڈر شخص۔ وہ ان دنوں افریقی مزدور بھرتی کر رہا تھا۔ میں نے بھی اسے ملازمت کی درخواست دی۔

• لیکن تمہارا تعلق افریقہ سے نہیں ہے؟

• میں افریقی ہی ہوں جناب، لیکن مصر کا باشندہ؟

• سوری مسٹر، ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، ہمیں تو صرف مزدور درکار ہیں؟

• میں ان مزدوروں سے کم مضبوط نہیں ہوں، اور پھر آپ کو انہیں کنٹرول کرنے کے لئے بھی کسی کی ضرورت پڑے گی۔ میں ان کا بہترین نگران اور آپ کا وفادار ثابت ہوں گا؟

• ٹھیک ہی کہتا ہے ڈارلنگ، کیا حرج ہے رکھ لو۔ گیری مین کی بیوی نے میری سفارش کی۔

• اوہ۔ پیٹریشیا، تم نہیں سمجھتیں۔ ہمیں ذہین لوگوں کی ضرورت نہیں ہے، یہ نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں؟

• میں وفادار ثابت ہوں گا مسٹر؟

• رکھ لیجئے ڈیڈی۔ ضد نہ کریں؟ اس بار گیری مین کی خوبصورت لڑکی ریلنا نے بھی میری سفارش کی اور گیری مین تیار ہو گیا۔

درحقیقت اس کے لئے میرے دل میں کھوٹ نہیں تھی۔ میں پوری وفاداری سے اس کے مفادات کی نگرانی کرنے لگا، اور بالآخر دس گھوڑوں اور دوسرے ساز و سامان کے ساتھ بے پیدل افریقی مزدور اٹھائے ہوئے تھے۔ ہم نے افریقہ کے اندرونی حصّے میں قدم رکھا۔ میرے دل کی کیفیت عجیب تھی۔ جس حیثیت سے میں افریقہ میں داخل ہو رہا تھا وہ میرے کام میں رکاوٹ تھی۔ لیکن بہر حال مجھے اپنا کام انجام دینا ہی تھا۔ چنانچہ میں نے صبر کیا۔

افریقہ کے دشوار گذار علاقے آئے۔ چھوٹے چھوٹے حادثے بھی ہوئے اور گیری مین کو میری فراست کا قائل ہونا پڑا۔ میں نے چھوٹے حادثوں کو بڑا نہ ہونے دیا۔ افریقی مزدوروں کے ساتھ بھی میرا سلوک اچھا تھا۔ اس لئے وہ مجھ سے خوش تھے۔ لیکن بیس دن کے طویل سفر کے بعد مجھے ایک پریشانی لاحق ہو گئی۔

گیری مین کی لڑکی ریلنا نے مجھ سے عشق شروع کر دیا تھا۔

• خوب؟ میں نے دلچسپی سے کہا۔ گویا اس کہانی میں رنگینی شروع ہونے والی ہے؟ اس رات چاند نے آسمان و زمین کو روشن کر رکھا تھا تارے چمکے ہوئے تھے۔ ماحول سائیں سائیں کر رہا تھا۔ دور درختوں کے عقب سے جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔

مزدوروں کے خیموں کے چاروں طرف آگ روشن تھی۔ وہ لوگ بھی ماحول سے خوفزدہ تھے۔ لیکن میں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور باہر نکل آیا۔ پھر خیموں سے کچھ دور میں زمین پر بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے۔ میں اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

کہ اچانک مجھے دور سے کوئی آتا نظر آیا۔ چال ڈھال سے میں پہچان گیا کہ وہ ریلنا ہے۔ میں چونک کر کھڑا ہو گیا۔ ریلنا کا رخ میری طرف ہی تھا۔

• ہیلو ۔۔۔ اس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

• ہیلو مس ریلنا۔ آپ اس وقت ۔۔۔؟

• مجھے بھی تمہاری طرح نیند نہیں آ رہی تھی؟ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس نے شب خوابی کا لبادہ پہنا ہوا تھا جس کے نیچے سے اس کا بدن جھلک رہا تھا۔ میری نگاہیں جھک گئیں۔ بہرحال وہ میرے مالک کی لڑکی تھی۔

• یہاں کیا کر رہے ہو فرزان؟

• کچھ نہیں مس ریلنا، بس یونہی نیند نہیں آ رہی تھی، چلا آیا۔

• بیٹھ جاؤ۔ اس نے خاص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

• اوہ۔ تشریف رکھیے؟ میں احتراماً کھڑا ہو گیا۔

• ارے ارے تم کھڑے کیوں ہو گئے، بیٹھو؟ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے نزدیک بٹھا لیا۔

• شکریہ مس ریلنا؟

• اونہہ تکلف چھوڑو۔ یہاں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے؟ اس نے کہا۔

اور مجھے اس کے لہجے میں خطرے کی گھنٹیاں بجتی محسوس ہوئیں تاہم میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔

• نیند کیوں نہیں آئی؟ اس کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔

• بس کوئی خاص بات نہیں؟

• جھوٹ — وہ مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں نشہ تیر رہا تھا اور ہونٹ عجیب سے انداز میں کپکپا رہے تھے۔

• نہیں — مس ریفا — میں بوکھلاہٹ کی حدود میں پہنچ گیا۔

• میں نے تمہارا بغور مطالعہ کیا ہے فرزان۔

• جی — ؟

• تم وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔

• مس ریفا — میں تھوک نگل کر رہ گیا۔

• میں تمہارے بارے میں بُری رائے نہیں رکھتی۔

• میں — میں کچھ بھی نہیں ہوں مس ریفا۔

• مجھے بھی اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟ وہ میرے اتنے نزدیک نزدیک کھسک آئی کہ اس کا بدن میرے بدن سے مس ہونے لگا۔ اس وقت تک عورت کی میری زندگی میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اتنا قرب زندگی میں پہلی بد نصیب ہوا تھا میری حالت غیر ہونے لگی۔

• میں تمہیں پسند کرتی ہوں فرزان۔

• مس ریفا! میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

• کھل جاؤ فرزان، میرے سامنے کھل جاؤ۔ میں تمہاری دوست ہوں۔

• آپ کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں؟

• تمہارے بارے میں۔

• میں آپ کا خادم ہوں۔

• اس سے پہلے کیا تھے؟

• کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر کچھ ہوتا تو آپ کے ساتھ نہ ہوتا۔

• میں نہیں مانتی فرزان، تم کسی طور مزدور نہیں ہو۔

• اس کے علاوہ میں اور کیا عرض کر سکتا ہوں مس ریفا۔

• خیر — تمہاری مرضی۔ اگر تم کچھ بتانا نہیں چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ ویسے میری خواہش تھی کہ تم میرے اوپر اعتماد کرتے، میں تمہیں پسند کرتی ہوں، میں تمہیں چاہنے لگی ہوں فرزان۔ اس نے میری گود میں اپنا سر رکھ دیا۔

• مس ریفا! میرے منہ سے نکلا۔

• تم کچھ بھی ہو فرزان۔ مجھے اپنا لو۔ میں پیاسی ہوں۔ میں تمہارا قرب چاہتی ہوں۔ میں ڈیڈی سے کہہ کر تمہاری زندگی بنا دوں گی۔ میں — میں — اس نے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں اور اس کے گرم ہونٹ میرے ہونٹوں پر آ ٹکے۔ میرا بدن سن ہو گیا تھا۔ میرے سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہو گئی تھی۔ میں ساکت رہ گیا تھا، میں نے ریفا کی پزیرائی نہیں کی، لیکن میری خاموشی سے اس کا جنون بڑھتا گیا۔

اور مجھے اس وقت ہوش آیا جب ایک گناہ سرزد ہونے جا رہا تھا۔ ریفا سخت ہیجان میں تھی۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح دہک رہا تھا، میں ایک دم الگ ہٹ گیا۔

• ریفا —!

• فرزان — فرزان —! اس نے مخمور آواز میں کہا۔

• آپ — آپ خیمے میں واپس چلی جائیے مس ریفا۔

• فرزان۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ فرزان، کیا میں حسین نہیں ہوں۔ کیا میں جوان نہیں ہوں۔ دیکھو میرا بدن دیکھو، دودھ کی طرح سفید، پلاسٹک کی طرح چکنا، پتھر کی طرح ٹھوس۔

• براہ کرم آپ واپس چلی جائیں مس —

• تم میری توہین کر رہے ہو فرزان۔

• آپ چلی جائیے مس ریفا، ورنہ میں —

• فرزان کیوں موت کو آواز دے رہے ہو؟ ریفا غرائی۔

• خدا کے لئے آپ چلی جائیے مس ریفا۔ آپ میرے مالک کی لڑکی ہیں۔ میں نمک حرام نہیں ہوں۔ میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ میں گیری مین کا احترام کرتا ہوں۔

• کیا فضول باتیں لے بیٹھے ہو احمق۔ احترام اپنی جگہ، ضرورت اپنی جگہ۔ میں کسی بھی مزدور کو پسند کرتی ہوں، میرے باپ کو کوئی اعتراض نہ —

• لیکن مجھے اعتراض ہے۔

• میں تمہیں تباہ کر دوں گی۔

• تباہ — میں نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

• تباہ تو میں پہلے ہی ہوں مس ریفا۔

• آخری بار کہہ رہی ہوں، حماقت نہ کرو۔

• مجھے افسوس ہے مس ریفا، میں آپ کی خواہش پوری نہ کر سکوں گا۔ اور ریفا مجھے گھورنے لگی۔ چاندنی رات میں اس کا خوبصورت چہرہ بھیانک نظر آنے لگا۔ وہ شدتِ جذبات سے سرخ ہو رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

• فرزان۔ آخری موقع دے رہی ہوں۔ میری محبت قبول کر لو ورنہ میری نفرت کا شکار ہو جاؤ گے۔

• کچھ بھی ہو جائے مس ریفا، میں آپ کی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکوں گا۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا، اور اچانک ریفا کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ یہ چیخ ایسی اچانک تھی کہ میں بھی اچھل پڑا، لیکن اس کے بعد تو وہ گویا چیخنے کی مشین بن گئی، مزدوروں میں شور مچ گیا۔ گیری مین بھی بندوق لے کر نکل آیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ —

ریفا کو کیا ہوا۔ کیا اسے کسی سانپ نے ڈس لیا لیکن میں سمجھ بھی کیسے سکتا تھا۔ عورت کو میں نے ابھی کہاں دیکھا تھا۔

مزدوروں اور گیری مین نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ میں حیران و پریشان کھڑا تھا۔ اور ریفا لباس سے بے نیاز زمین پر پڑی تھی۔

• ڈیڈی — بچاؤ — بچاؤ مجھے اس بھیڑیئے سے۔ وہ چیخی۔

اور تب گیری مین نے میری طرف دیکھا۔

• کیا بات ہے؟ وہ غرایا۔

تب صورتحال میری سمجھ میں آئی، لیکن میں سنبھل نہیں سکا۔ ریفا اتنی جلدی قدم اٹھائے گی، مجھے گمان بھی نہیں تھا۔

• مجھے بچاؤ ڈیڈی۔ آہ میرا لباس۔ وہ اٹھ کر لباس کی طرف جھپٹی اور اس نے جلدی جلدی لباس پہن لیا۔

• فرزان۔ یہ سب کیا ہے؟

• میں بتاتی ہوں ڈیڈی۔ ریفا لباس پہننے کے بعد بولی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں یونہی اپنے خیمے سے نکل آئی۔ یہ بدمعاش شاید پہلے ہی میری تاک میں تھا۔ یہ میرے پیچھے پیچھے یہاں تک پہنچ گیا اور پھر — اور پھر — اس نے ۔۔۔ آہ ڈیڈی، میں نے شدید مدافعت کی۔ اگر آپ لوگ نہ آ جاتے تو نہ جانے — نہ جانے یہ میرا ساتھ کیا سلوک کرتا۔

• فرزان — گیری مین غضبناک آواز میں چیخا اور اس نے رائفل میری طرف تان لی۔ شدتِ جوش میں اس نے میرے اوپر گولی چلا دی۔ اگر میں اچھل کر ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو کہانی ختم ہو جاتی۔

ریفا کے الزام اور گیری مین کے رویئے پر مجھے بھی غصہ آ گیا۔ گیری مین کا دوسرا فائر بھی میں نے خالی دیا۔ اور پھر جھپٹ کر میں نے اس کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔

• ہوش میں آؤ گیری مین! میں نے غراتے ہوئے کہا لیکن گیری مین آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی، لیکن میرے طاقتور گھونسے نے اسے زمین چٹا دی۔

مجھے مزدوروں کی طرف سے خطرہ تھا لیکن نہ جانے کیوں کسی مزدور نے گیری مین کا ساتھ دینے کی کوشش نہ کی۔

• اگر یہ ہاتھ کافی ہے تو اٹھو اور سنجیدگی سے میری بات سنو، ورنہ میں تمہاری شکل بگاڑ دوں گا۔

• کمینے۔ کتے — نمک حرام۔ گیری مین دوسرا گھونسہ کھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

• کاش میں نمک حرام ہی بن جاتا گیری مین۔ لیکن تمہیں میری بات ضرور سننا پڑے گی

• نکل جا۔ چلا جا میرے سامنے سے۔ میں تجھے نہ مار سکا تو خودکشی کر لوں گا۔

• میں ضرور چلا جاؤں گا گیری مین۔ لیکن سنو۔ عقل استعمال کرو، غور کرو۔ میرا لباس دیکھو۔ کیا اس پر تمہیں کوئی شکن نظر آتی ہے؟

• کیا مطلب ہے اس بات کا؟ گیری مین دھاڑا۔

• اس کے علاوہ اپنی لڑکی کا لباس دیکھو۔ اگر لباس زبردستی اتارا جائے تو اس پر کچھ شکنیں ضرور ہونی چاہئیں اور پھر تمہاری لڑکی لباس سے عاری تھی۔ اور میں پورے لباس میں تھا۔ کیا زبردستی ایسے ہی کی جاتی ہے؟

• کمینے۔ کتے۔ تو میرے اوپر الزام لگا رہا ہے؟ ریفا غرائی۔

• نہیں مس ریفا۔ تمہارے باپ کو اپنی نمک حلالی کا یقین دلا رہا ہوں۔ میں نے کہا۔

• میں کہتا ہوں چلا جا، اسی وقت۔ گیری مین اپنے ہونٹ سے نکلنے والا خون پونچھ کر پھر رائفل کی طرف جھپٹا۔

• اوکے گیری مین، لیکن ایک گھوڑا۔ ایک رائفل اور تھوڑا سا کھانے پینے کا سامان چاہیے، اس کے بغیر نہیں جاؤں گا۔

• دیکھا — دیکھا تم نے۔ گیری مین اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر دھاڑا۔ تم نے ہی اس کی سفارش کی تھی۔

• اور تمہاری بیٹی نے بھی کی تھی گیری مین۔ میں نے طنز سے کہا۔

• اسے گھوڑا دے دو۔ ورنہ — ورنہ — گیری مین مزدوروں کی طرف رخ کر کے بولا۔

• آؤ دوستو، مجھے گھوڑا دے دو، ورنہ مسٹر گیری مین خودکشی کر لیں گے۔ میں نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ لیکن اب میں اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا۔ مزدوروں نے مجھے میرا مطلوبہ سامان دے دیا۔ اور گیری مین نے چالاکی سے مجھے دوبارہ گولی مارنے کی کوشش کی۔ لیکن میں ہوشیار تھا۔ اس کے دونوں فائر خالی کر دینے کے بعد میں نے گھوڑا اس کے اوپر چڑھا دیا۔ اور اس کی گردن پر ایک لات رسید کر دی۔

• جب کبھی عقل آ جائے گیری مین تو مجھے بے قصور سمجھ لینا۔ میں نے کہا اور پھر ریفا کی طرف رخ کر کے بولا:

• مجھے افسوس ہے مس ریفا، میں نے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھا۔ امید ہے آپ مجھے یاد رکھیں گی۔

ریفا نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا اور میں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ رات کا وقت، خوفناک جنگل میں سفر کرنا بے حد خطرناک تھا لیکن چارہ بھی نہیں تھا۔ ان لوگوں سے کافی دور نکل آیا۔ لیکن سچی بات ہے کہ میں بھی خوفزدہ تھا اور میرا گھوڑا بھی۔

بہرحال رات کاٹنے کے لئے ایک اونچی پتھریلی جگہ کا انتخاب کیا لیکن گیری مین سے اتنی دور نکل آیا تھا کہ اب اس کے خیموں کی روشنی بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

گھوڑے کو ایک جگہ باندھ کر میں نے ساتھ لائے سامان میں سے بچھانے کا سامان نکالا اور اسی چٹان پر بستر جما لیا۔ لیکن رات بھر خوف سے نیند نہیں آئی۔ خیالات میں ڈوبا رہا۔ کیسی ذلیل لڑکی تھی۔ دل کے کسی گوشے سے آواز بھی ابھری کہ حماقت کی، قبول کرلیا ہوتا اسے، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ عیش الگ ہوتے۔

لیکن دل خوش بھی تھا کہ ضمیر کے خلاف کوئی حرکت نہ ہوئی۔

خدا خدا کرکے سورج نکلا، تب میں نے آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچا، تنہائی تو ہونی ہی تھی۔ گیری مین کے ساتھ تو زندگی بسر نہیں کی جاسکتی تھی۔ مقصد تو افریقہ کے اندرونی علاقے میں آنا تھا۔ سو پورا ہوگیا۔ اب تو اپنے طور پر ہی زندگی گزارنی پڑے گی۔ اور میں خود کو نڈر بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ گھوڑے کی مالش کی، اور تنہا زندگی گذارنے کے لئے ایک پروگرام بنایا۔ دوسری رات پہلی رات کی بہ نسبت پُرسکون تھی۔ یہ رات بھی ایک کھلے میدان ہی بسر ہوئی، لیکن اس رات نیند آگئی تھی۔ اور دوسری صبح جاگا تو میں ہشاش بشاش تھا۔ لیکن اب کسی مناسب راہ کی تلاش تھی — مناسب راہ، میں نے سوچا کسی راہ کا تعین تو حماقت ہی ہے۔ جدھر منہ اٹھے چلتے رہو۔ ہر راہ مناسب ہے، جب راہ کا تعین ہی نہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں۔ بس ذہن کو مطمئن کرکے ایک مخصوص راستے پر لگانا تھا۔ خود کو جنگل کی زندگی کا عادی بنانا تھا۔ جب زندگی ایک راستے کا تعین کرے گی تب دیکھا جائے گا۔ اگر تقدیر میں کچھ ہوگا تو مل جائے گا۔ ورنہ ان جنگلوں میں ہی زندگی کی شام ہوجائے گی۔

یوں دوستو! دن رات گذرتے رہے، میرے دل سے خوف ختم ہوگیا تھا۔ اب جنگل کی سیاہ راتیں مجھے خوفزدہ نہیں کرتی تھیں اب درختوں کے مہیب سائے مجھے غول بیابانی نہیں محسوس ہوتے تھے۔ اب جنگلی درندوں کی آوازیں سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز نہیں ہوتی تھیں۔ اب تیز تیز چلنے والی ہواؤں کی پراسرار سرگوشیاں میری نیند نہیں اڑاتی تھیں۔ اب میں رات کو اپنے نزدیک آگ روشن کرکے آرام سے سوجاتا تھا۔ میرا گھوڑا مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہ ہوتا، بہت ہوشمند جانور تھا۔ کئی بار اس نے مجھے خطرے سے آگاہ کیا۔ بہرحال اب میری زندگی ایک جنگلی انسان کی سی زندگی تھی۔ سفر کرتا رہتا۔ رات ہوتی تو آرام کرتا، دن میں چل پڑتا۔ آہستہ آہستہ انسانوں کی شکلیں بھولتا جارہا تھا۔ میری بندوق میرے پاس تھی۔ کارتوسوں کی بھی کافی تعداد موجود تھی۔ اب تک میں نے صرف چند کارتوس استعمال کئے تھے گوشت کی ضرورت پوری کرنے کے لئے۔ ایک دفعہ چیتے پر گولی چلائی تھی۔ اور چیتا زخمی ہوکر بھاگ گیا تھا۔ بعد میں اس نے تین راتوں تک میرا پیچھا کیا لیکن میں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ بالآخر اس کے زخم نے اسے میرا پیچھا نہ کرنے دیا اور میں دور نکل آیا۔

لیکن ایک رات جب میں آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔ میرا گھوڑا آرام سے بیٹھا فضا میں کھڑکھڑ کر رہا تھا۔ اچانک کہیں دور سے زلزلے کی سی کیفیت کا احساس ہوا۔ ایک عجیب سی آواز ابھر رہی تھی۔

حساس جانور نے اس آواز کو محسوس کیا، اور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

جس جگہ ہم لوگ قیام پذیر تھے وہ عام سی جگہ تھی، کسی حفاظت کا بندوبست نہیں تھا۔ میں اس آواز کی حقیقت جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اور پھر اس آفت کا مقابلہ کرنے کی حفاظتی تدابیر کرنے لگا۔ سب سے پہلے میں نے اپنا سامان گھوڑے پر بار کیا اور تیار ہوگیا۔

زمین ہل رہی تھی، لیکن انداز زلزلے کا نہیں تھا۔ آواز بتدریج بڑھ رہی تھی اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا لیکن میرا گھوڑا مجھ سے زیادہ حساس تھا۔ اس نے زور زور سے منہ سے آوازیں نکالنا شروع کردیں، اور میرے کندھے پر منہ رگڑنے لگا۔

تب میں بھی اس سیاہ سیلاب کو دیکھا جو سونڈیں اٹھائے ہوئے بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔ ہاتھیوں کا ایک خوفناک غول، جو ایک طویل رقبے پر پھیلا ہوا تھا اسی طرف آرہا تھا، جدھر میں موجود تھا۔

یہ غول مجھے اس طرح روندتا ہوا گذر جائے گا جیسے کبھی وجود نہ تھا۔ صرف چند دھبوں کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔

میرا گھوڑا سخت بے چین تھا، اور اس کی بے چینی سے ہی ان سے بچاؤ کی ترکیب میرے ذہن میں آئی، چنانچہ دوسرے لمحے میں گھوڑے پر سوار ہوگیا، اور اسی طرف دوڑ پڑا جدھر ہاتھیوں کا رخ تھا۔ گھوڑا بے جگری سے دوڑ رہا تھا۔

ہاتھیوں کی آوازوں سے زمین ہل رہی تھی، اور رات کی تاریکی میں میں اور میرا گھوڑا زندگی بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ ہماری رفتار ہاتھیوں کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔ اس وقت صحیح معنوں میں گھوڑے کی مخصوص حسیات کام آرہی تھیں، ورنہ رات کی تاریکی میں مجھے تو تھوڑے سے فاصلے کی چیز بھی نہیں نظر آرہی تھی۔

درختوں کے گھنے جنگل اور اس کے بعد ایک چھوٹے سے میدان سے گذر کر ہم ایک پتھریلے علاقے میں پہنچ گئے، اور پھر گھوڑا ایک اونچے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔

ٹیلہ کافی بلند تھا۔ گھوڑا چونکہ خود بھی خوفزدہ تھا۔ اس لئے اس نے پوری قوت سے چڑھائی طے کی اور ٹیلے پر پہنچ گیا۔ ہاتھیوں کے دوڑنے

کی آوازیں یہاں بھی آرہی تھیں، گو کافی فاصلہ تھا۔ ظاہر ہے ان کا رخ ادھر ہی تھا۔ بہرحال میں خوفزدہ نگاہوں سے گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ان کی بلاؤں کا انتظار کرتا رہا۔ ہاتھیوں کی خوفناک چنگھاڑیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر سامنے غول دوبارہ نمودار ہوا۔

کیا وہ اس ٹیلے پر بھی چڑھ آئیں گے؟ میں نے سوچا۔ مشکل تھا بہرحال فی الحال یہی محفوظ جگہ تھی۔ لیکن بخت ہاتھیوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ نہ جانے جنگل کے ان وحشیوں کو مجھ سے کیا دشمنی ہوگئی۔ غول آگے بڑھ گیا لیکن دس بارہ ہاتھی ٹیلے کے پاس رک گئے۔ انہوں نے سونڈوں سے ٹیلے کو ٹٹولا اور دو ہاتھیوں نے اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔

نہ جانے کیوں میرے بدن میں بھی گرمی آگئی۔ میرا خوف زائل ہوگیا، اور میں نے بندوق سنبھال لی۔ بڑی ہوشیاری سے میں نے آگے والے ہاتھی کی آنکھ کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔ گولی ٹھیک نشانے پر پڑی تھی۔ ہاتھی خوفناک انداز میں چنگھاڑا، اور پھر اس نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ ٹیلے پر کافی چڑھ آیا تھا، اس لئے لڑھک گیا۔ دوسرا ہاتھی اس کی لپیٹ میں آگیا تھا تب میں نے دوسرا فائر کیا، اور نیچے کھڑے ہوئے ہاتھی بھاگ گئے۔ زخمی ہاتھی ٹیلے کے نیچے تڑپ رہا تھا۔

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اس ہاتھی کے سوا وہاں کوئی دوسرا ہاتھی نہ تھا۔ میں نے احتیاطاً زخمی ہاتھی پر دو گولیاں اور چلائیں — اور وہ ٹھنڈا ہوگیا۔

لیکن وہ رات میں نے اسی ٹیلے پر گذاری تھی۔ اور دوسری صبح میں نے ٹیلے کے اطراف میں دیکھا۔ اس کے عقبی سمت میں دریا بہہ رہا تھا رات کو بھی میں نے اس دریا کی آوازیں سنی تھیں۔ لیکن اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنا قریب ہے۔ بے اختیار میرا دل نہانے کو چاہا، اور میں گھوڑے سمیت نیچے پہنچ گیا۔ لیکن دریا کا تیز بہاؤ دیکھ کر میرے حواس درست ہوگئے۔ میں دریا میں اترنے کی ہمت نہیں کرسکا اور کنارے پر ہی نہانے لگا گھوڑا بھی ایک کنارے پانی پی رہا تھا۔

تب اچانک میں نے دریا کے تیز بہاؤ میں جگمگاتی کچھ دیکھیں اور میں اچھل پڑا۔ ہاں وہ ہیرے ہی تھے، قیمتی پتھر، جو انسان کی زندگی میں بہت بڑا دخل رکھتے ہیں۔

میں ساکت رہ گیا تھا۔ میرے خوابوں کی تعبیر میرے سامنے تھی۔ لیکن دریا کے تیز بہاؤ میں قدم رکھنا موت کو دعوت دینا تھا، اور بہرحال میں ایک ہوشمند انسان تھا۔

چنانچہ میں نے طے کیا کہ دریا کے کنارے کنارے اس طرف بڑھوں، جدھر سے یہ دریا آرہا ہے۔ ممکن ہے کوئی مناسب جگہ مل جائے تب میرے دوستو، میں نے دریا کے کنارے کنارے سفر شروع کردیا۔ دن رات کا سفر۔ اور نہ جانے کتنے سورج گذر گئے۔

لیکن دریا ہر جگہ یکساں تھا۔ مجھے مایوسی ہونے لگی۔ میں نے سوچا، دو ہی راستے ہیں۔ یا تو زندگی داؤ پر لگادی جائے یا پھر ہیروں کا خیال چھوڑ دیا جائے، اس طرح کہاں تک سفر کروں گا۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ دریا کے کنارے ایک دن اور ایک رات کا آخری سفر کروں گا۔ اگر اس وقت بھی دریا ٹھیک نہ ہو تو پھر دونوں راستوں میں سے ایک پر عمل کروں گا۔

ہیروں کے حصول کا خیال میرے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ افریقہ کے ان ویران خطوں میں میری آمد کا مقصد یہی تھا۔ میں یہاں سے اتنا لے جانا چاہتا تھا کہ اپنے باپ سے زیادہ دولتمند بن جاؤں اور اسے بتاؤں کہ میں نے جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔

اور میں نے سفر شروع کردیا۔ میرے اوپر دھن سوار تھی جس کی وجہ سے میں نے بے زبان گھوڑے کا خیال بھی نہ کیا اور دوسری رات کے سورج نے مجھے ایک بستی دکھائی۔

چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل بستی جو ایک بڑے پہاڑ کے دامن میں آباد تھی، خونخوار لوگوں کی بستی۔ افریقہ کے دور دراز کے وحشیوں کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ وحشی ضرور تھے، لیکن بہرحال انسان تھے، میں نے سوچا ان میں جاؤں اور ان سے ہیروں کے بارے میں معلوم کروں۔

اور میں بستی کی طرف چل پڑا۔ پوری بستی پر خاموشی طاری تھی۔ لوگ اپنے اپنے جھونپڑوں میں تھے۔ کوئی آواز نہیں تھی، کوئی انداز نہیں تھا۔

ہاں بستی کے داخلی حصے میں نیم عریاں لباسوں میں ملبوس چند لوگ ایک قطار میں کھڑے تھے۔ اور — خاموش کھڑے ہوئے لوگوں کی نگاہیں جونہی میرے اوپر پڑیں، ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

پھر انہوں نے مسرت بھرے نعرے لگائے اور میری طرف دوڑ پڑے۔ وہ زور زور سے چیخ رہے تھے۔ میں سہم گیا۔ نہ جانے وہ کیا کرنا چاہتے تھے۔

اور ان کی آوازوں سے سوئی ہوئی بستی گویا جاگ گئی۔ لوگ اس طرح جھونپڑوں سے نکل کر بھاگے گویا کوئی بڑی تباہی آگئی ہو۔ اور آن کی آن میں انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔

تب میرے دوستو! دس بارہ آدمی میرے گھوڑے کے نزدیک آگئے۔ میری بندوق تیار تھی۔ لیکن ان لوگوں کا دوستانہ انداز دیکھ کر میں نے بندوق نیچی کرلی۔ میں بھی ان کا تعاون چاہتا تھا۔ اس لئے دوستانہ انداز کے جواب میں میں نے دوستی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

انہوں نے مجھے گھوڑے سے اترنے کا اشارہ کیا اور میں نیچے اتر آیا۔ تب اچانک وہ میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ وہ مجھے چاروں طرف سے ٹٹول ٹٹول کر

دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے سے کچھ کہتے جا رہے تھے۔

کیا یہ آدم خور ہیں، اور میرے گوشت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ میں نے سوچا اور میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

لیکن ان کا انداز۔۔۔ او نہ اب جو کچھ بھی ہیں۔ دریا میں داخل ہو کر ہیرے حاصل کرنے میں ہی کونسی آسانی تھی۔ ان لوگوں سے بھی نمٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اس وقت میری ہمت جواب دے گئی، جب انہوں نے گھوڑے سمیت میری ہر چیز چھین لی۔

اور پھر عورتوں کا ایک غول آگے بڑھا اور اس نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ انہوں نے عجیب قسم کے چوڑے چوڑے پتوں سے مجھے ڈھک دیا تھا یہاں تک کہ میری آنکھیں بھی بند ہو گئیں۔ اور پھر وہ مجھے دھکیلتی ہوئی ایک طرف لے جانے لگیں۔

سانولے رنگ کی یہ عورتیں بڑے جاذب نقوش کی مالک تھیں۔ لیکن بہرحال میرے لئے اجنبی تھیں۔ میں ان کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ پھر ایک بڑی جھونپڑی میں لے جا کر انہوں نے مجھے چھوڑا۔ میری آنکھیں کھلیں تو میں نے اس جھونپڑی کو دیکھا۔ اور پھر اس میں موجود عورتوں کو۔

جتنی تعداد اندر آسکتی تھی، آگئیں۔ باقی باہر کھڑی شور مچا رہی تھیں۔ اندر والی عورتیں بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ وہ مجھے دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔

پھر چار نوجوان عورتیں آگے بڑھیں اور انہوں نے میرے لباس کو کھینچنا شروع کر دیا۔ پہلے تو میں کچھ نہ سمجھا لیکن پھر انہوں نے ایسی دھینگا مشتی شروع کر دی کہ مجھے خطرہ ہوا کہ لباس پھٹ جائے گا۔ میں نے گھبرا کر ان کا مافی الضمیر سمجھنے کی کوشش کی اور جو کچھ میری سمجھ میں آیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ سرا لباس اتارنا چاہتی ہیں۔ لیکن کیوں؟

پھر جب بس نہ چل سکا تو میں نے گھبرا کر کوٹ اتار دیا اور پھر بنیان بھی۔ اور وحشی لڑکیاں میرے بدن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرانے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات تھے۔ لیکن میرے حواس اس وقت بالکل ہی ساتھ چھوڑ گئے جب انہوں نے میرے زیریں لباس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن لڑکیاں مجھے کہاں چھوڑنے والی تھیں۔ دل ہی دل میں لاحول پڑھ رہا تھا۔ نہ جانے یہ احمق عورتیں کیا کرنا چاہتی ہیں۔ میری ان کے آگے ایک نہ چلی اور انہوں نے مجھے برہنہ کر دیا۔ سخت شرم آرہی تھی۔

میں بے بسی سے ان کے درمیان کھڑا رہا۔ تب دو عورتیں ایک لکڑی کے برتن میں ایک عجیب سا سبزی مائل سیال لے کر آئیں اور دوسری عورتوں نے مجھے گرا دیا۔ سیال میرے بدن پر ملا جانے لگا۔ کیا حالت ہوئی ہوگی دوستو! نرم نرم ہاتھ میرے بدن کی مالش کر رہے تھے۔

میں بے بس ہو گیا اور لڑکیاں میرے بدن سے کھیلتی رہیں۔ پھر ایک بہت بڑے لکڑی کے تختے پر کچھ چیزیں رکھ کر لائی گئیں۔ کاش میں ان کی زبان سمجھ سکتا۔ سیال سے میرا بدن چمکنے لگا تھا اور اس سے ایک عجیب سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ تب تختے پر رکھا ہوا پتوں کا لباس مجھے پہنایا گیا۔ اس نے میرے نچلے بدن کو ڈھانک لیا تھا۔ میں کسی قدر مطمئن ہوا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے میرے بدن پر رنگین مٹی سے لکیریں بنانا شروع کر دیں اور اچھا خاصا کارٹون بنا دیا۔ پھر میرے سر پر ایک تاج پہنایا گیا۔ اور اس کے بعد۔۔۔ اس کے بعد میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ انہوں نے مجھے رنگین پتھروں کا ایک ہار پہنایا تھا۔

ہاں دوستو۔۔۔ وہ ہار، صرف وہی ہار اگر مجھے مل جاتا تو میں مہذب دنیا کا ایک مالدار ترین انسان ہوتا۔ اسے دیکھ کر میں ساری تکلیف بھول گیا۔ اور ٹٹول ٹٹول کر ان ہیروں کی مالیت کا اندازہ لگانے لگا۔

تب شاید اعلان کیا گیا کہ میں تیار ہو گیا ہوں۔ اور بہت سی عورتوں نے پھر اندر آنے کی کوشش کی۔

لیکن مجھے خود ہی باہر نکال لایا گیا، اور شور مچانے والیاں ایک دم خاموش ہو گئیں۔

آنکھوں کی زبان۔ اس زبان کا مفہوم یکساں ہوتا ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں آنکھوں کی ایک ہی زبان ہوتی ہے اور اسے سمجھنا سب سے آسان کام ہے۔

ان عورتوں کی نگاہوں میں ایک پسندیدگی آمیز حیرت تھی۔ ان کی آنکھوں میں رشک کے جذبات تھے۔ وہ مجھے انوکھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔

تب کہیں دور سے ایک نرسنگھا بجنے کی آواز آئی، اور لڑکیاں اور عورتیں اچھل پڑیں۔ انہوں نے ایک جلوس کی شکل بنائی اور مجھے لے کر ایک طرف چل پڑیں۔

الٰہی یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں، کیا مقصد ہے ان کا؟ میں نے سوچا مجھے سجائے بنائے ہوئے وہ لوگ بستی سے دور نکل آئیں، تب میرے سامنے سیاہ رنگ کا ایک پہاڑ آگیا، جس کے دہانے سے دھواں نکل رہا تھا۔

• "آتش فشاں۔" میں نے خوف سے سوچا۔

ہاں وہ آتش فشاں ہی تھا۔ یقیناً وہ کبھی کبھی آتش فشانی بھی کرتا ہوگا لیکن کسی خوفناک تباہی کے آثار یہاں کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ پہاڑ کے قرب و جوار میں بے شمار وحشی کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے، جنہیں ہلا ہلا کر وہ کچھ گا رہے تھے۔ اور ان کی آوازیں کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھیں۔ وہیں نرسنگھا بھی بجایا جا رہا تھا۔

کچھ اور قریب پہنچا تو سیاہ پہاڑ میں کچھ سیڑھیاں سی بنی نظر آئیں۔ اور میں نے ایک گہری سانس لی۔"

فرزان عامری کی کہانی اس قدر دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ ہمیں وقت کا احساس بھی نہ ہوا۔ ہم سب پتھر کے بتوں کی مانند ساکت یہ کہانی سن رہے تھے۔

کہ اچانک ایک بھیانک چیخ نے یہ طلسم توڑ دیا۔

عامری بھی اچھل پڑا تھا اور پھر اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

• "کیا تم میری کہانی سے اکتا رہے ہو؟"

• "ارے نہیں فرزان، تمہاری کہانی تو بہت دلچسپ ہے۔" میں نے کہا۔

• "ہاں تمہیں دلچسپ معلوم ہوتی ہے، لیکن۔۔۔" اس کی آنکھیں خلا میں گھورنے لگیں۔ لیکن وہی چیخ پھر سنائی دی، اور فرزان کھڑا ہو گیا۔

• "بس دوستو، آرام کرو۔ باقی کل۔"

• "لیکن یہ آواز۔۔۔؟"

• "تم اس پر غور نہ کرو۔" فرزان پھیکے انداز میں مسکرایا۔

• "کیا تم ہمیں اس کے بارے میں نہ بتاؤ گے؟"

• "بتاؤں گا۔" وہ کراہ کر بولا۔

• "کب؟"

• "بہت جلد، اب اجازت دو۔" اور وہ چلا گیا۔ ہم تعجب سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے تھے۔ کیسا پراسرار تھا فرزان۔

• "کیا خیال ہے دوستو، چالاک بڈھا نہایت صفائی سے ہمیں بیوقوف تو نہیں بنا رہا؟" کرنل ڈکسن نے کہا۔

• "کیا کہا جا سکتا ہے کرنل۔"

• "لیکن بے وقوف بنانے کی کوئی وجہ تو سمجھ میں نہیں آتی۔"

• "پھر یہ تو سوچو کہ وہ یہاں۔۔۔ اس پراسرار علاقے میں تنہا رہتا ہے؟" میں نے کہا۔

• "ہاں۔۔۔ اور یہ سب کچھ؟"

• "ظاہر ہے اس نے آسانی سے تو یہ سب کچھ نہیں بنا لیا ہوگا؟"

• "ظاہر ہے۔"

• "لیکن وہ یہاں تنہا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

• "تم اس چیخ کو کیوں بھول رہے ہو؟"

• "ارے ہاں، وہ چیخ انسانی ہی تھی۔"

• "مجھے تو یہ شخص کوئی بدروح معلوم ہوتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ یہاں سے نکل چلو۔"

• "فضول باتیں، ہم سب بزدل نہیں ہیں۔ پھر وہ اکیلی بدروح ہمارا کیا بگاڑے گی۔" احمد البعدی بولا۔

• "ہاں یہ تو حماقت کی ہے۔ لیکن بڈھے کی کہانی واقعی دلچسپ ہے۔"

• "ممکن ہے وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہو۔"

• "تب وہ ہمارا معاون بھی ہو سکتا ہے۔"

• "یقیناً۔۔۔!"

• "بڈھے کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرو۔"

• "اس کی کہانی بھی دلچسپ ہے، ممکن ہے اس کہانی سے ہماری راہنمائی ہو جائے، یہ بات تو معلوم ہو ہی گئی ہے کہ اس دریا کا اختتام کسی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں آتش فشاں بھی موجود ہے۔"

• "ہاں۔"

• "لیکن بات پھر اسی چیخ تک جا پہنچتی ہے۔"

• "کیا خیال ہے باہر نکلا جائے؟"

• "نامناسب نہ ہو جائے؟"

• "کوئی ایسا کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کرنل ڈکسن نے کہا اور ہم سب خاموش ہو گئے۔ بہرحال کرنل کے مشورے کے تحت کسی نے اس کے معاملے میں مداخلت نہیں کی، اور ہم سونے کے لئے لیٹ گئے۔

دوسری صبح اس نے ہمیں صبح بخیر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

ناشتے کے دوران اس نے کہا:

• "میری کہانی سے بیزار تو نہیں ہو گئے دوستو؟"

• "ہرگز نہیں مسٹر فرزان، تمہاری کہانی بہت دلچسپ ہے۔ اگر تم سچ کہہ رہے ہو؟"

• "کیا مطلب؟" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

• "معاف کرنا فرزان، تمہاری کہانی ایسی انوکھی ہے کہ اس پر مشکل سے ہی یقین آسکتا ہے۔" البعدی نے کہا۔

• "میں تمہارے سامنے اس کے ٹھوس ثبوت پیش کروں گا۔" فرزان نے گھبرائے بغیر کہا۔

• "ہم تم سے معافی کے طلب گار ہیں فرزان۔"

• "نہیں دوست۔" فرزان نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "میں ٹوٹا ہوا انسان ہوں۔ میری شخصیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے، اب میں کسی کی بات کا برا نہیں مانتا۔"

• "تم کہانی آگے بڑھاؤ دوست!"

• "کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو؟" اچانک فرزان بگڑ گیا۔

• "کیوں؟" ہم لوگوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

• "میں تمہیں بلاوجہ کہانی نہیں سنا رہا۔"

• کیا مطلب؟

• ہاں۔ میں اس کے عوض تم سے کچھ طلب کروں گا۔

• کیا فرزان؟

• ابھی نہیں دوستو، میری کہانی سن لو، اس کے بعد میں تمہارے سامنے اپنی درخواست رکھوں گا، دل چاہے تو اسے قبول کر لینا ورنہ...

ہم سب اسے دیکھتے رہے، اس کے چہرے پر غم کے سائے لہرا رہے تھے۔ یہ شخص آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔

اور پھر اس نے ایسا سسپنس پیدا کر دیا تھا کہ ہم اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔

• پھر کیا ہوا فرزان؟

• خوبصورت عورتوں نے مجھے سیڑھیوں کے نزدیک چھوڑ دیا اور پھر دو آدمی مجھے اوپر لے چلے۔ میرے اوسان خطا ہو رہے تھے، کیا یہ میری قربانی دینا چاہتے ہیں؟

افسوس اب تو بندوق بھی میرے پاس نہیں تھی، لیکن میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں آسانی سے جان نہیں دوں گا، ان میں سے کچھ کو لے مروں گا۔

میں ان کے ساتھ چلتا رہا۔ اوپر صرف پانچ آدمی تھے۔ سب کے سب عمر رسیدہ۔ ان کے ہاتھوں میں عجیب عجیب چیزیں تھیں۔ انہوں نے وہ چیزیں پہاڑ کے دہانے میں اچھال دیں۔ دھواں نکلا اور پھر انہوں نے میری گردن پکڑ کر اسے جھکا دیا۔

لیکن میں غار کے دہانے سے دور تھا۔ اس لئے ابھی مجھے تردد نہیں تھا لیکن میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ ایک وحشی چیخ چیخ کر کچھ پڑھ رہا تھا۔

اور پھر انہوں نے مجھے سیدھا کر دیا۔ اور اس کے بعد انہوں نے ایک پھل میرے ہاتھ میں دیا، اور اشارہ کیا کہ اسے غار کے دہانے میں اچھال دوں۔

میں نے اس میں بھی کوئی تردد نہ سمجھا اور پھل دہانے میں اچھال دیا۔ تب وحشی خوشی سے چیخنے لگے اور پھر وہ میرے سامنے جھک گئے۔

میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اب نہ جانے کیا قصہ ہے۔ اوپر کی آوازیں سن کر نیچے بھی شور مچنے لگا۔

اور پھر پہاڑ سے واپسی شروع ہو گئی۔ میں سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے قدم رکھا ہی تھا کہ لوگوں نے میرے اوپر پھولوں کی بارش کر دی۔ اور میں نے ایک گہری سانس لی۔

اس کا مقصد ہے کہ وہ لوگ میری قربانی دینے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ پھر یہ سب کیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے یہ اعزاز کیوں دیا تھا۔ زیادہ بہتر یہی تھا کہ اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دوں۔ بلا وجہ الجھنوں میں پھنسا ہوا تھا، جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔

پھولوں کی بارش کرنے والے اپنی زبان میں نہ جانے کیا گا رہے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ سب کے سب خوش نظر آ رہے تھے۔ میں خاموشی سے ان کا تماشہ دیکھتا رہا۔ اور اس کے بعد وہ مجھے وہیں لے گئے۔ ایک اور جھونپڑے میں مجھے رکھا گیا۔ یہاں بھی مرد اور عورتیں آتے رہے۔ یہ شخص میرے لئے کچھ لے کر آ رہا تھا۔ پھل، دودھ، کھالیں، ہڈیوں کے بنے ہوئے عجیب زیورات، میرے سامنے ڈھیر لگ رہے تھے۔

لیکن اب بھی میری موٹی عقل کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ بہر حال یہ بھی سکون کی بات تھی۔

پھر رات ہو گئی۔ میں جھونپڑے میں تھا۔ لیکن کہیں اور کچھ نہ ہو رہا تھا۔ میرے سامنے لگے ہوئے سامان کا ڈھیر اٹھ رہا تھا اور چیز لوگ سارا سامان اٹھا کر لے گئے۔ پھر جب چاند نکل آیا تو چند عورتیں ہنستی ہوئی میرے پاس آئیں۔ ان میں سے ایک نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ کہا اور دوسری شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑیں۔

• کاش — میں تمہاری زبان سمجھ سکتا؟ میں نے اس عورت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اور وہ حیرت سے دوسری عورتوں کی شکل دیکھنے لگی۔

• نہیں سمجھیں؟ میں بولا۔

جواب میں کچھ کہا گیا۔ لیکن میرے فرشتوں کے بھی پلے نہیں پڑا۔

تب اسی عورت نے میرا بازو پکڑا اور جھونپڑے سے باہر نکل آئی۔

• چلئے چلئے، آپ بھی چلئے، مگر محترمہ لے کہاں جا رہی ہیں؟ میں نے عورت سے بازو چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

اس بار بھی خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ لیکن اس سفر کا اختتام ایک بڑے سے جھونپڑے پر ہوا، جو شاید بالکل نیا بنا ہوا تھا

اس کے علاوہ میں نے ایک اور بات محسوس کی تھی۔ وہ یہ کہ پوری بستی خاموش اور ساکت تھی۔ جو عورتیں مجھے لے کر یہاں آئی تھیں۔ ان کے علاوہ راستے میں کوئی اور نظر نہ آیا۔

جھونپڑے کا بند دروازہ کھول دیا گیا، اندر روشنی تھی اور پھر مجھے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔

• گویا یہ میرا قید خانہ ہے؟ میں نے سوچا اور جھونپڑے کو اندر سے دیکھنے لگا۔ لیکن جونہی میں اسے دیکھنے کے لئے مڑا، ششدر رہ گیا۔

پیال کے ڈھیروں کو ایک چوکور پتھر پر بچھا کر گویا مسہری بنائی گئی تھی۔ اور اس مسہری پر ایک کنول کھلا ہوا تھا۔

ہاں یہی تشبیہ مناسب ہے دوستو! وہ کنول کے پھول کی مانند

خوبصورت تھی۔ سبز پتوں کا لباس، سانولا چہرہ، سیاہ بالوں میں سفید پھول ٹکے ہوئے تھے۔ سڈول بدن۔ بے حد حسین تھی اور وہ اپنی سیاہ معصوم سی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

• آگا ڈولی ڈوڈوفا؟ اس نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔

• سبحان اللہ — آپ کی تعریف؟ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ - شوگا پوشاسا؟ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

• بہت خوب۔ بہت خوب؟ میں نے کہا اور پھر اچانک اچھل پڑا برق کی سی سرعت سے ایک خیال میرے ذہن میں آیا تھا کہیں اس لڑکی سے میری شادی تو نہیں کر دی گئی۔ وہ سامان جو تحائف میں مجھے ملا تھا، جھونپڑے میں چاروں طرف سجا ہوا تھا اور مسہری پر ایک دلہن صاحبہ بھی موجود تھیں۔

اور نیک بیبیاں مجھے حجلہ عروسی تک پہنچا گئی تھیں۔ ان لوگوں کی ساری رسومات میرے ذہن میں آئیں، اور ایک ایک بات میرے خیال کی تصدیق کر رہی تھی۔

مارے گئے فرزان بیٹے۔ ہیروں کے چکر میں آئے تھے اور بیوی گلے پڑ گئی۔ اب کیا ہو گا، میں پریشانی سے سوچنے لگا۔

ایک بار پھر میں نے اپنی جنگلی دلہن کو دیکھا، اس بار میں نے اس کے سارے خد و خال پر غور کیا تھا، اور مجھے یہ سودا گھاٹے کا نہیں نظر آیا۔

جنگل کے اس تر و تازہ پھول کے لئے تو زندگی لٹائی جا سکتی تھی۔ ویلمانے مجھے متاثر نہیں کیا تھا، حالانکہ وہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اس کے علاوہ میں بتا چکا ہوں کہ عورت کی دنیا کا آدمی نہیں ہوں۔ لیکن خوبصورت لڑکی دل موہ لینے کی قوت رکھتی تھی۔

اور بے اختیار میرا دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔

میں نے قدم بڑھائے اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

• خاتون اگر آپ سے میری شادی کر دی گئی ہے تو واللہ میں ناخوش نہیں ہوں، لیکن میں آپ کو مخاطب کس طرح کروں؟

• یوکا آموشا۔؟ اس نے سوال کیا۔

• بالکل آموشا۔ ایکدم آموشا — مگر یہ آموشا کیا چیز ہے؟

• آموشا؟ اس نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر شرما کر گردن جھکا لی۔ یاخدا — یاخدا — بیوی بھی ملی تو آموشا؟ میں نے جھونپڑے کی چھت کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ لیکن دراصل میرا دماغ چکرا رہا تھا۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ اس حسین جنگلی دوشیزہ کو بحیثیت بیوی قبول کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مہذب دنیا سے رابطہ چھوڑ کر ہمیشہ پتوں سے سرپوشی کئے جنگلوں کی خاک چھانتا پھروں۔ پھر میری دنیا میرے لوگ — سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ لیکن ہمدرد لڑکی مجھے اس انداز میں بیٹھے دیکھ کر بے چین ہو گئی۔ وہ جلدی سے مسہری سے اٹھی اور میرے نزدیک آ بیٹھی۔

• آکا بیلا یو؟ اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

• یوکا ہپ پنگا؟ جھلا کر بولا، اور اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے، وہ زیر لب دہرانے لگی۔

• ہپ پنگا — ہپ پنگا؟

• بلکہ آہنگ بھی؟ میں نے کہا۔

وہ نہ سمجھنے والے انداز میں میری شکل دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے نرم ہاتھوں سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر میرے سر سے ہٹائے اور غور سے سر دیکھنے لگی۔

لیکن اس کے نازک ہاتھوں کے لمس نے، اس کے بدن کی عجیب خوشبو نے میری دنیا ہی بدل دی۔ بڑی کشش انگیز بو تھی۔ بڑا دلکش لمس تھا۔

اور میرے دل کی دنیا ڈولنے لگی۔ وہ میری بیوی ہے — وہ میری بیوی ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ کیا رکھا ہے مہذب دنیا میں۔ مطلب پرست لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے۔ دوسری طرف یہ جنگل کے سادہ دل انسان چاروں طرف بکھرا ہوا سبزہ۔

پہاڑوں کی زندگی بھی اپنا کر دیکھی جائے اور پھر یہ حسین ساتھی۔ اور میرے دل نے اسے قبول کر لیا میں نے ہیروں کی طلب سے دستبردار ہو کر اس ہیرے کا انتخاب کر لیا۔

تب میں نے ہاتھ بڑھائے اور اسے آغوش میں لے لیا۔ اس نے خوش ہو کر میری طرف دیکھا اور پھر میرے سینے میں منہ چھپا لیا۔ اس کے خود سپردگی کے انداز نے مجھے دیوانہ کر دیا۔

اور دوسری صبح میرا دل مسرتوں سے منور تھا مجھے بے اندازہ خوشی نصیب ہوئی تھی۔ دولت۔ مسرتوں کا خزانہ سمجھی جاتی ہے۔ مہذب دنیا کا انسان اس لئے زیادہ سے زیادہ دولتمند بننا چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسرتوں کو سمیٹ سکے پھر پہاڑوں میں ملنے والی یہ مسرت کیا بری تھی۔

اور میں نے اس مسرت کو اپنا لیا۔ دوسرا دن بھی عجیب عجیب رسومات سے بھرپور تھا۔ لیکن اب میں ان کی ایک ایک حرکت میں دلچسپی لے رہا تھا۔ جیسے وہ لوگ کہہ رہے تھے کر رہا تھا گو میں ابھی تک اپنی بیوی کے نام سے بھی ناواقف تھا لیکن آج میں ان کی آواز۔ ان کے الفاظ، ان کے انداز سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بہرحال اب ان کے درمیان ہی زندگی گزارنی تھی۔

اور اس رات میں نے تعارف کی رسم پوری کی۔ اپنے خوبصورت جھونپڑے میں جب ہم تنہا ہوئے، جب چاند نکل آیا تو میں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے چاندنی میں لے آیا۔ یوں بھی ہمارا جھونپڑا الگ تھلگ تھا۔ اس وقت دور دور تک کوئی نہیں تھا۔

میں نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔ تب میں نے اس کے سینے پر انگلی رکھی، پھر اسے متوجہ کرکے وہی انگلی اپنے سینے پر رکھی۔ وہ بہت غور سے میری انگلی دیکھ رہی تھی۔

• میں۔ فر۔ زان ۔۔۔! میں نے انگلی پر زور دے کر کہا اور پھر اس کے نازک ہاتھ کی خوبصورت انگلی پکڑ کر اپنے سینے پر رکھتے ہوئے کہا:

• فرزان ۔۔!

وہ میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پھر اس کے خوبصورت لب مسکرا اٹھے۔ اس کے دانت موتیوں کی مانند تھے۔ اس نے میرے سینے پر انگلی رکھی اور بولی:

• فار۔ زان ۔۔۔ فارزان ۔۔

• ہاں ۔ میں نے زور زور سے گردن ہلائی۔

• ہاں ۔ اس نے میرے انداز میں کہا اور پھر میری طرح گردن ہلانے لگی۔ تب میں نے اس کے ہلتی ہوئی گردن کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور نفی کے انداز میں گردن ہلائی، وہ رک گئی اور غور سے میری شکل دیکھنے لگی۔ تب میں نے اس کے سینے پر انگلی رکھی اور سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

پہلی بار وہ نہیں سمجھی تھی۔ لیکن اس بار پھر میں نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر فرزان کہا، اور پھر اس کے سینے پر انگلی رکھ کر خاموش ہوگیا۔

اور اس بار وہ میری بات سمجھ گئی۔

• لاجیکا ۔۔ اس نے شرماتے ہوئے انداز میں بتایا۔

• اوہ۔ تمہارا کتنا خوبصورت ہے ۔ میں نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

تو دوستو، یوں میری زندگی بظاہر ان پہاڑوں کے لئے وقف ہو گئی۔ لاجیکا بے حد وفاشعار عورت تھی۔ وقت گذرتا رہا، اور زیادہ طویل عرصہ نہیں گذرا تھا کہ میں نے ان کی زبان سیکھ لی۔ میں نے ان کے رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرلی۔ اور حیرت انگیز بات تھی کہ میری حیثیت وہاں بہت بڑی تھی۔ وہ لوگ سورج کے پجاری تھے۔ چڑھتے اور آتے ہوئے سورج کی اطاعت کرتے تھے، اور مجھے وہاں سورج کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ لاجیکا ان کے لئے برکت رکھتی تھی۔ دراصل وہاں کوئی سردار نہ تھا۔ سب سورج کی اطاعت کرتے تھے۔ ہاں اپنی رسم کے مطابق وہ ایک چھوٹی سی بچی کو سورج کی دلہن کے طور پر منتخب کر لیتے تھے، وہ بچی بزرگوں کی زیر نگرانی جوان ہوتی اور پھر انتظار کیا جاتا کسی ایسے اجنبی کا جو ایک مخصوص دن میں ان کے قبیلے میں قدم رکھے۔

وہ اسے ۔ برج سے آیا ہوا سمجھتے تھے۔ تب اس لڑکی کی اس شخص کے ساتھ شادی کردی جاتی تھی اور وہ ان کے ہاں ایک متبرک حیثیت رکھتا تھا اس کے علاوہ مجھے اور کیا چاہئے تھا۔ قبیلے کے لوگ میری عزت کرتے تھے، مجھ سے محبت کرتے تھے، میری اطاعت کرتے تھے۔ مجھے یہاں ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑتا تھا۔ بس عیش کر رہا تھا، موٹا ہو رہا تھا۔

لیکن وقت ساکت نہیں ہے، گردش فلک ہر کہانی میں تبدیلیاں چاہتی ہے۔ اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

لیکن ایک رات جب میں لاجیکا کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے نیند کی وادیوں کی سیر کر رہا تھا۔ اچانک ڈھولوں کی آوازیں گونج اٹھیں۔

ہم دونوں جاگ گئے۔

میرے لئے یہ نئی آوازیں تھیں، لاجیکا غور سے انہیں سننے لگی۔

• یہ کیا ہے لاجیکا ؟ میں پوچھا۔

• ذرا خاموش رہو، مجھے سننے دو ۔ لاجیکا نے جواب دیا۔ یہ بات بھی میرے علم میں آگئی تھی کہ وہ لوگ جنگلوں میں پیغام رسانی کے لئے مخصوص طرز کے ڈھول استعمال کرتے ہیں۔

کئی منٹ تک آواز آتی رہیں، پھر لاجیکا نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

• کچھ اجنبی ہمارے علاقے میں گھس آئے ہیں ۔

• اوہ ۔۔!

• پہرہ دینے والوں نے بستی والوں کو ان کے بارے میں اطلاع دی تھی، بستی سے انہیں جواب دے دیا گیا ہے ۔

• کیا جواب دیا گیا ہے ؟

• یہی کہ ہوشیاری سے انہیں پکڑ لو ۔

• خوب۔ گویا یہ پیغام رسانی ہو چکی ۔

• ہاں ۔

• اور اب انہیں گرفتار کر لیا جائے گا ؟

• بالکل۔ بستی کے بے شمار جوان دوسرے جوانوں کی مدد کے لئے چل پڑے ہوں گے ۔ لاجیکا نے جواب دیا۔

اس کے بعد ہم ساری رات آوازیں سننے کی کوشش کرتے رہے، میری آنکھوں میں تو نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ میں ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

نہ جانے کون ہوں گے، شاید میری طرح قسمت آزمانے والوں میں سے ہوں لیکن ان کے ساتھ یہاں کیا سلوک ہوگا۔ صبح کی روشنی پھوٹنے لگی۔ میں نے لاجیکا کی جانب دیکھا، وہ آنکھیں بند کئے ہوئے تھی لیکن سو نہیں رہی تھی۔

• لاجیکا ۔ میں نے اسے آواز دی۔

• ہوں ۔

• سو رہی ہو ؟

• نہیں ۔

• تو پھر باتیں کرو ۔

• ہاں۔ ہاں کرو ۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

• کیا وہ لوگ گرفتار ہو چکے ہوں گے ؟

• یقیناً ۔۔!

• لیکن ان کی گرفتاری کی خبر نہیں دی گئی ؟

• شاید انہوں نے مزاحمت نہیں کی ۔

• اوہ۔ لیکن اب ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا ؟

• ہم لوگ انسانوں پر ظلم نہیں کرتے، انہیں یہاں سے اتنی دور پہنچا دیا جائے گا کہ پھر ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ بس ۔ لاجیکا نے جواب دیا۔

تمہارے قبیلے کے لوگ بہت نیک دل اور رحمدل ہیں لاجیکا! تمہارے رسم و رواج بھی بہت اچھے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنے جیسے انسانوں کو نقصان نہیں پہنچاتے!

• لیکن اس سے ہمیں کافی نقصان پہنچ چکا فرزان! اس سے قبل ہمارے قبیلے کے لوگ بیرونی دنیا کے ظالم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اس وقت بہت سکون تھا۔ لوگ ادھر کا رخ کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ۔۔۔ سورج کی ایک دلہن نے یہ رسوم منسوخ کردیں۔ اس نے انسانوں سے ہمدردی کا سبق دیا۔ نیتا مان لیا کہ باہر سے آنیوالوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا گیا لیکن چمکدار ہیروں کے متلاشی زیادہ مقدار میں آنے لگے اور بعض اوقات وہ آتشی ہتھیاروں سے مقابلہ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ کچھ نئے فیصلے کئے جانے تھے۔ پھر کس وقت کا انتظار تھا؟

ایک نیا فیصلہ ابھی ہوگا!

• بوسیتا کی مرضی پر ہے ۔ لاجیکا نے کہا

• بوسیتا قبیلے کا ڈیچ ڈاکٹر تھا۔ بظاہر وہ اداس نہیں تھا لیکن انتہائی خاموش اور دیوانگی کی حد تک اپنے قبیلے سے مخلص تھا۔ ممکن تھا وہ ان لوگوں کی موت کا فیصلہ دے دے ۔

نہ جانے کیوں میں فکر مند ہوگیا۔ بہرحال ان لوگوں کو میں نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ گرفتار بھی ہوئے ہیں یا نہیں ۔۔۔ پھر ۔۔۔ میں کیوں فکر مند ہوں ؟

سورج نکل آنے کے بعد روزمرہ کی مصروفیات شروع ہو گئیں اور مجھے جن کا انتظار تھا وہ لوگ آگئے۔ سورج کی دلہن کو اطلاع دی گئی کہ رات کچھ لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ بوسیتا ان کا منتظر تھا۔

ہم آرہے ہیں ۔ لاجیکا نے کہا۔ اور پھر وہ مجھے تیار کرنے لگی۔ یہاں مجھے بھی ان لوگوں کا سا لباس پہننا پڑتا تھا، چہرے اور بدن پر رنگین نقوش بنانے پڑتے تھے۔ ہیروں کا تاج پہننا پڑتا تھا۔

ان لوگوں کے درمیان کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن مہذب لوگوں میں۔ ان کے سامنے اس حلیئے میں جاتے ہوئے مجھے کچھ جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

تاہم جانا ہی تھا۔

لاجیکا ہر روز پیار بھرے انداز میں پہلے مجھے تیار کرتی تھی پھر خود تیار ہوتی تھی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا لیکن آج اس نے مجھے خصوصی طور پر تیار کیا۔ میرے گلے میں قیمتی ہیروں کی مالا ڈالی اور پھر خود بھی اپنا بدن سجانے لگی۔

جنگل میں یہ پروان چڑھی۔ اس حسین عورت کے دل میں محبت کا سمندر موجزن تھا۔ وہ مجھے بے پناہ چاہتی تھی اور میں اس کی چاہت کا دل سے قائل تھا۔

بہرحال ہم تیار ہو کر نکل آئے اور پندرہ بیس مسلح آدمیوں کا ایک گروہ ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ تب ہم اس جگہ پہنچے جہاں بوسیتا کی عدالت لگی ہوئی تھی۔ بے شمار لوگ ایک دائرہ بنائے ہوئے کھڑے تھے ان کے درمیان ایک خالی دائرہ تھا جہاں قیدی بندھے ہوئے کھڑے تھے۔

بوسیتا ایک سفید رنگ کے میز پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے دائیں طرف ایک سنگی سل موجود تھی جو سورج کے بیٹے اور اس کی دلہن کے لئے تھی۔

ہم لوگوں کو خصوصی طور پر یہ راستہ دیا گیا اور ہم دونوں اندر داخل ہوگئے لیکن قیدیوں پر نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ میں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ گیبری مین، اس کی بیوی، اس کی بیٹی زینا اور مزدور تھے۔

گیبری مین نے بھی مجھے دیکھا۔ لیکن ایک نگاہ میں شاید پہچان نہ سکا البتہ زینا کی نگاہوں میں میں نے شدید حیرت دیکھی۔ اور پھر اس نے جھک کر گیبری مین سے کچھ کہا۔ اور اس کے بعد گیبری مین اور اس کی بیوی بھی مجھے حیرت سے دیکھنے لگے۔ ان دونوں کے منہ شدت حیرت سے کھل گئے تھے۔

میں ان لوگوں سے مخاطب ہوئے بغیر اپنی جگہ جا بیٹھا۔ لاجیکا حسب معمول میرے برابر بیٹھ گئی تھی۔ تب بوسیتا نے ان لوگوں کے بارے میں ہمیں بتایا اور پھر بولی :۔

"اس سے قبل ہم بیرونی دُنیا سے آنے والے ظالموں کو ہلاک کر دیتے تھے اس طرح ہم محفوظ رہتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ہم نے رحم کی طرف قدم بڑھائے۔ نتیجے میں آج تک ہمارے سینکڑوں آدمی ان لوگوں کے آتشی ہتھیاروں کی نذر ہو چکے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں سورج کے بیٹے۔۔ میں چاہتا ہوں سورج کی دلہن۔۔ کہ وہ رسم پھر سے شروع کر دی جائے۔ ان لوگوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشیں فی تیکا کی دوسری طرف پھینک دی جائیں۔ تاکہ نئے آنیوالے ان علاقوں کا رُخ نہ کریں۔"

تمام لوگ خاموش کھڑے تھے۔

"کیا سُورج کی دُلہن اجازت دے گی؟"

لاجیکانے میری طرف دیکھا۔ میں پریشانی سے ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گیری مین سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن اس وقت وہ بے بس تھا اور میری مدد کا محتاج تھا۔

لیکن اس سے قبل کہ میں کچھ بولتا، بوسیتانے کہا۔

"سورج کی دلہن کی خاموشی کہہ رہی ہے کہ اسے میرے فیصلے سے اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ میں حکم دیتا ہوں کہ تینوں سفید فاموں کو سامنے بلایا جائے اور ان کے سینوں میں بھالے اتار دیئے جائیں۔"

لاجیکانے مضطربانہ انداز میں سانس لی اور پہلو بدل کر رہ گئی۔

لیکن بوسیتا کے حکم کی فوری تعمیل ہو گئی۔ گیری مین اس کی بیوی اور بیٹی کو کھینچ کر آگے لایا گیا اور پھر تین بھالا بردار ان کے سامنے بھالوں کا نشانہ باندھ کر تیار ہو گئے۔

"نہیں..... نہیں..... نہیں..... خدا کے لئے ہمیں مت مارو۔ خدا کے لئے......!"

"تب میں کھڑا ہو گیا۔۔ میں نے فوتی کا والوں کی زبان میں، جواب میں کافی حد تک بول اور سمجھ لیتا تھا، کہا:

"رُک جاؤ۔۔ سُورج کا بیٹا تمہیں حکم دیتا ہے رُک جاؤ۔"

اور چاروں طرف بھنبھناہٹ دوڑ گئی۔

بھالے والوں کے ہاتھ رُک گئے۔

"تو ان کی زندگی بخشنا چاہتا ہے سُورج کے بیٹے!" بوسیتا نے کہا۔

"ہاں میں انہیں معاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ لوگ تو ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں!"

"جو رسم منسوخ کی جا چکی ہے، اسے دوبارہ جاری کرنے کے بجائے یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ ایسی کوئی ترکیب ہو کہ رسم بھی منسوخ رہے اور ہم انسانوں پر ظلم بھی نہ کریں۔"

"انہوں نے ہمارے سینے چھلنی کر دیئے ہیں!" بوسیتا دانت پیس کر بولا۔

"یہ وہ لوگ نہیں ہیں بوسیتا! ہم ان سے ان کے ہتھیار چھین لیں گے۔ انہیں کہہ دیں گے کہ اگر انہوں نے دوبارہ ادھر کا رُخ کیا تو ان کے سینے بھالوں سے رنگین کر دیں گے۔"

"یہ تیرا حکم ہے سُورج کے بیٹے تو ہم انکار نہ کریں گے۔" بوسیتا ڈھیلا پڑ گیا اور پھر وہ لاجیکا کی طرف مڑ کر بولا: "کیا یہی تیری رائے ہے سُورج کی بیٹی!"

"ہاں میرے شوہر نے جو کہا وہی ٹھیک ہے!" لاجیکا نے جواب دیا۔

"قیدیوں کے ہاتھ کھول دو۔" بوسیتا نے حکم دیا۔

بھالے والے ہٹ گئے اور گیری مین اور اس کے ساتھیوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ گیری مین کے چہرے سے بے اندازہ خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ رسیاں کھلتے ہی وہ ہماری طرف دوڑا۔

اس بار فوتو کا والوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"آہ فرزان!۔۔ میرے دوست فرزان۔۔ کیا یہ تم ہی ہو۔" اس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا گیری مین!۔۔ یہ میں ہی ہوں۔"

"آہ کتنا شرمندہ ہوا ہوں میں تمہارے آنے کے بعد۔ غصے نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ دیوانگی نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ لیکن جب تم چلے آئے جب میں نے حالات پر غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی۔"

"گزری باتیں ہیں گیری مین!" میں نے کہا۔

"لیکن تم اعلیٰ ظرف ہو۔ تم نے اس وقت میری مدد کی ہے۔ میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں!"

"میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔"

"اور اب میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟"

"ہم تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے!"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے فرزان! مجھے یہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"فکر نہ کرو گیری مین، میں تمہیں یہاں سے نکلنے کا موقع دوں گا۔"

"شکریہ میرے دوست۔ بہت بہت شکریہ!" گیری مین نے کہا۔

اور اس کے بارے میں میرے ایماء پر لاجیکا نے کچھ احکامات جاری کئے جن کے تحت گیری مین اور اس کے ساتھیوں کو ایک مخصوص جگہ پہرے میں رکھا جانا تھا۔ گیری مین کے سامان سے سارے ہتھیار میں نے خود اپنی نگرانی میں نکلوا لئے تھے۔

اور پھر اسی شام۔۔ گیری مین کے قیدخانے پر میں نے اس سے ملاقات کی۔ گیری مین بے حد فکرمند تھا۔ وہ سر جھکائے زینا اور اپنی بیوی کے پاس بیٹھا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی تینوں اچھل پڑے اور پھر گیری مین مکاری سے مسکراتے ہوئے بولا:

"آؤ۔ آؤ میرے دوست۔۔ آؤ میرے محسن! مصیبت کے اس وقت میں تم جس طرح میرے کام آئے ہو اور کوئی نہ آسکتا!" اس نے مکارانہ خوشامد سے کہا۔ زینا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے انسانی فرض پورا کیا ہے گیری مین!" میں نے جواب دیا۔

"کیا ان وحشیوں نے ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ابھی نہیں!"

"اوہ۔۔ اوہ۔۔ وہ کیا فیصلہ کریں گے، اس کا اندازہ ہو گیا ہے تمہیں؟"

"ابھی نہیں!" میں نے اسی انداز میں کہا۔

"لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ تمہارے احکامات مانتے ہیں۔ زیرک انسان! تم ان کی شخصیت پر اثر رکھتے ہو۔ کیا تم ہمارے بارے میں اچھا فیصلہ نہیں کراؤ گے؟"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں گیری مین! گو میرے ساتھ بُرا سلوک کیا گیا لیکن اس کے باوجود میں تمہارا احسان مند ہوں کیونکہ تم مجھے افریقہ کے اندرونی حصے میں لانے کا ذریعہ بنے۔ میں تمہیں یہاں سے ضرور نکال دوں گا!"

"بہت بہت شکریہ میرے دوست! میں تم سے اپنی حماقت کی معافی بھی مانگ چکا ہوں۔ اپنی فیاضی سے کام لیکر مجھے معاف کر دو اور دوستوں کے انداز میں گفتگو کرو۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ یہی سہی!"

"آہ تم کتنے عظیم ہو۔ لیکن مجھے تمہاری صلاحیتوں پر بے حد حیرت ہے۔ تم نے ان وحشیوں پر اتنا تسلط کیسے جما لیا۔ وہ خوبصورت عورت کون تھی جو تمہارے نزدیک بیٹھی تھی۔"

"میری بیوی!"

"ارے۔۔ م۔ مگر یہ شادی کب اور کیسے ہوئی؟"

"بس یہاں آنے کے بعد۔"

"کمال ہے بہت تھوڑے عرصہ میں تم نے بڑے بڑے کارنامے انجام دے ڈالے!"

"سب کچھ اتفاقات کے سہارے ہوا ہے گیری مین! میری کوششوں کا ان معاملات میں کوئی دخل نہیں ہے۔"

"ہوں۔" گیری مین نے ایک گہری سانس لی اور پھر اُداس سے لہجے میں بولا: "ہم بھی بہت سی اُمیدیں لے کر یہاں آئے تھے فرزان!"

"کیا مطلب ہے؟"

"تم سمجھتے ہو۔ دراصل یہ ہماری زندگی کا آخری داؤ تھا۔ میں اپنے وطن کا ایک بدقسمت ترین انسان ہوں۔ میرے والدین میرے لئے بہت کچھ چھوڑ کر مرے تھے لیکن آہ! اپنی حماقتوں سے میں نے سب کچھ گنوا دیا۔ اور قلاش ہو گیا۔ اس کے بعد بدبختی نے میرا تعاقب کیا۔ میں نے اپنی بیوی کے زیورات بیچ کر کاروبار شروع کیا لیکن اس میں زبردست گھاٹا ہو گیا یہاں تک کہ ہمیں سر چھپانے کی جگہ بھی بیچنی پڑی۔ اب ہمارے لئے زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ ہمیں ملازمت بھی نہ مل سکی تو سمجھا کہ ایسی زندگی سے تو خودکشی بہتر ہے۔ لیکن خودکشی کرنے سے قبل میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی جس کے بارے میں میں نے اپنی بیوی سے گفتگو کی۔ ہم افریقہ کی پراسرار سرزمین سے زندگی گزارنے کے لوازمات حاصل کرنا چاہتے تھے، تم سمجھ گئے ہو گے۔ ہیرے جو انسان کی قسمت بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ تب زینا نے اور میری بیوی نے کس کس سے قرض حاصل کیا اور اس کے سہارے ہم یہاں تک پہنچے تھے۔

لیکن بدقسمتی ابھی ہمارے تعاقب میں ہے۔۔ اور۔۔ شاید قیامت تک پیچھا کرے گی!"

گیری مین کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور دوسرا ہی احمق بن گیا اور انسانی ہمدردی سے، اس کے آنسو میری کدورت دھونے میں کامیاب ہو گئے اور میں اس ستم رسیدہ انسان کے لئے تڑپنے لگا۔ جو کچھ ہوا تھا اسے بھول جانا ہی بہتر تھا۔ اور پھر گیری مین نے تو میرے خلاف کچھ نہیں کیا تھا وہ تو جذبات میں پاگل ہو گیا تھا۔ ساری خطا تو زینا کی تھی۔

لیکن زینا......

اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت وہ لڑکی بھی بے گناہ معلوم ہوئی وہ جذبات کے ہاتھوں بھٹک گئی تھی۔ گویا ان لوگوں کا قصور اتنا بڑا نہیں تھا کہ ان کے خلاف سخت نفرت کے جذبات ہوتے!

اور ان نئے تصورات نے مجھے بالکل ہی نرم کر دیا۔

"میں تمہارے لئے افسردہ ہوں گیری مین!" میں نے کہا۔

"مجھے بتاؤ فرزان! میں اپنی آئندہ زندگی کس طرح گزاروں گا۔ کیا میرے لئے اب دُنیا میں کوئی جگہ ہے۔ کیا مجھے خودکشی کر لینی چاہیئے؟"

"نہیں گیری مین! ہمت سے کام لو۔ میں تمہاری مدد کروں گا!" میں نے کہا۔

"تم۔" گیری مین نے عجیب سے لہجے میں کہا: "میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم انسان ہو یا فرشتے۔ آہ! تم ان کے لئے بھی افسردہ ہوتے ہو جو تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"گزری ہوئی باتوں کو جانے دو گیری مین! میرے پاس قیمتی

ہیروں کا ایک ہار ہے۔ میرے خیال میں وہ بہت بڑی قیمت رکھتے ہیں میں تمہیں وہ ہار دے دوں گا!"

• "یہ وادی ہیروں سے بھری پڑی ہے۔"

• "ہاں — لیکن ان کا حصول مشکل ہے۔"

• "تمہاری مدد سے بھی نہیں!"

• "تم جانتے ہو ابھی میں بھی یہاں اجنبی ہوں، مکمل طور سے ان لوگوں کے بارے میں نہیں جانتا۔"

• "تب میرے دوست! میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے؟"

• "وہ کیا گیری مین!"

• "بشرطیکہ تم میری نیت پر شک نہ کرو۔"

• "مجھے بتاؤ تمہارے ذہن میں کیا خیال ہے؟"

• "ہم ان کالے مزدوروں کو واپس کئے دیتے ہیں۔ میں یہاں ایک طویل قیام کروں گا۔ میں اس معصوم بستی کے معصوم لوگوں کی خدمت کروں گا تمہیں بتاؤں میں جنگل کی ایسی جڑی بوٹیوں کے بارے میں جانتا ہوں جو بے شمار امراض کا علاج ہوتی ہیں میں یہاں ان کی خدمت کروں گا اور اس دوران یہاں سے ہیرے جمع کروں گا اور پھر ایک دن تم سے رخصت ہو جاؤں گا۔" میں گیری مین کی بات پر غور کرنے لگا۔

ہیرے ان وحشی انسانوں کے لئے پتھروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے اور گیری مین کی زندگی اس طرح سنور جاتی تو میرا کیا جاتا ہے۔ لیکن — بہرحال اسے یہاں رکنے کا مسئلہ تھا۔ گو میری اہمیت یہاں کافی تھی لیکن پھر بھی کچھ دوسرے لوگوں کا مشورہ بھی ضروری تھا۔

تب میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا:

• "او کے گیری مین! ابھی وعدہ نہیں کر سکتا لیکن اگر کر سکا تو تمہاری خواہش ضرور پوری کر دوں گا!"

• "تم کر سکتے ہو میرے دوست۔ تم کر سکتے ہو۔ میں تمہارے احسانات مر کر بھی یاد رکھوں گا!" گیری مین اٹھ کر مجھ سے چمٹ گیا اور میں اس کا شانہ تھپتھپانے لگا۔

مختصر یہ دوستو کر میں نے بمشکل تمام لاجیکا کو اس بات کے لئے تیار کیا۔ لاجیکا — ایک وفا پرست عورت — اس نے اپنی کوششوں سے گیری مین کے لئے اجازت حاصل کر ہی لی۔

سو مزدوروں کو واپس کر دیا گیا۔ گیری مین، اس کی بیوی اور لڑکی کے لئے جھونپڑی بنا دی گئی۔ ابتدا میں بستی والوں نے گیری مین کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا لیکن چالاک انسان نے اپنی حرکتوں سے بہرحال انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ یہاں بچوں کو سینے سے لگائے لگائے پھرتا، بستی کے ہر انسان کے کام آتا!

اور ایک بار تو لومان سخت بیمار ہو گیا تو گیری مین نے نہ صرف اس کی دن رات تیمارداری کی بلکہ اس کے لئے جنگلی دوائیں بھی اس نے منتخب کیں۔

بظاہر زینا اور اس کی ماں بھی خوش اخلاق تھیں بلکہ زینا نے تو اب لاجیکا سے پینگیں بڑھانی شروع کر دی تھیں۔ وہ لاجیکا کا میک اپ کرتی، اس کے بال نت نئے انداز میں بناتی تھی۔ اسے طرح طرح سے سجاتی اور لاجیکا اس کی کافی گرویدہ ہو گئی۔ میں بھی دل کا برا نہیں تھا۔ ان لوگوں کی طرف سے ساری کدورت بھول گیا تھا۔

زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ طویل عرصہ گزر گیا۔ گیری مین اب میرا محتاج نہیں رہا تھا۔ وہ اپنا کام کر لیتا تھا۔ البتہ وچ ڈاکٹر بوسینا اس سے خوش نہیں تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو۔

میری حیثیت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ زینا لاجیکا سے گھلی ملی رہتی لیکن اس نے اس وقت کے بعد سے آج تک مجھ سے براہِ راست کوئی بات نہیں کی تھی بلکہ وہ کھنچی کھنچی رہتی تھی۔

دوسری طرف لاجیکا حاملہ ہو گئی تھی اور اس کے حاملہ ہونے سے بستی کے لوگ بہت خوش تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہ بڑی برکت کی بات تھی۔ گیری مین کی بیوی اور زینا اس کی بہت خدمت کرتی تھیں۔ گیری مین نے آج تک یہاں سے جانے کا نام نہیں لیا تھا۔

پھر ہمارے یہاں ایک خوبصورت سا لڑکا پیدا ہوا اور بستی کے لوگ مسرت سے دیوانے ہو گئے۔ وہ ایک زبردست جشن کی تیاریاں کرنے لگے۔ لڑکا بہت خوبصورت تھا۔ لاجیکا بھی خوش تھی۔ پھر جشن شروع ہو گیا۔ وہی بے ہنگم اچھل کود — چھوٹی چھوٹی سی دیوانہ رسمیں۔

دورانِ جشن ہی کی ایک رات کی بات ہے، میں شور شرابے سے اکتا کر ایک سنسان علاقے میں نکل گیا۔ لیکن میں اپنے پیچھے کی قدموں کی چاپ سے بے خبر تھا۔ میں اس وقت چونک پڑا جب کسی نے مجھے آواز دی — اور میں جلدی سے پلٹ پڑا۔

اور زینا کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

• "زینا!" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ میرے قریب آ گئی۔

• "بیٹھو زینا!" میں نے اسے محرومیوں کے سے انداز میں کھڑے دیکھ کر کہا۔ اور زینا بیٹھ گئی۔

• "اس طرف کیسے نکل آئیں؟"

• "یونہی!" اس نے آہستہ سے کہا۔

• "مجھ سے کوئی کام ہے؟"

• "فرزان!" وہ سسک پڑی۔ "اب میں اور برداشت نہیں کر سکتی فرزان! خدا کے لئے مجھے بھی انسان سمجھو خدا کے لئے...." اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور سسک سسک کر رونے لگی۔

اور نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ گیا۔

• "کیا بات ہے زینا! تمہیں کیا دکھ ہے، مجھے بتاؤ۔" میں نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں کو اس کے چہرے سے ہٹایا اور وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

• "میری ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دو مجھے، میں شرمندہ ہوں۔"

• "کیا تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہے؟" میں نے کہا۔

• "میں تمہیں چاہتی ہوں فرزان! میں تم سے پیار کرتی ہوں۔"

• "اوہ!" میں آہستہ سے بولا۔

• "اس وقت میرے اوپر شیطان سوار تھا۔ میں اس وقت پر سخت شرمندہ ہوں!"

• "اس وقت کی بات جانے دو زینا! میں اسے بھول چکا ہوں۔"

• "سچ فرزان!"

• "ہاں — اگر نہ بھولا ہوتا تو تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا!"

• "تم بہت عظیم ہو فرزان — تم بہت عظیم ہو!"

• "لیکن اب میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں زینا!"

• "مجھے بھی اپنی آغوش میں جگہ دے دو فرزان!"

• "یہ کیسے ممکن ہے زینا!"

• "کیوں؟"

• "میں لاجیکا کو اپنا چکا ہوں — اور اب تو وہ میرے بیٹے کی ماں بن گئی ہے۔"

• "میں اس کے اور تمہارے درمیان نہیں آؤں گی فرزان! بس تھوڑا سا پیار مجھے بھی دے دو!"

• "میں لاجیکا سے بے ایمانی نہیں کر سکتا!"

• "فرزان! میں خودکشی کر لوں گی — میں مر جاؤں گی — میں اس وقت بھی محروم رہی تھی جب لاجیکا ہمارے درمیان نہیں تھی — اور میں آج بھی محروم ہوں۔ آخر کیوں؟ آخر کیوں؟"

• "خود کو سنبھالو زینا! یہ تمہارے لئے مناسب نہ ہوگا۔"

• "میرے لئے کیا بہتر ہے، میں خود سمجھتی ہوں فرزان!"

• "تم نے پہلے بھی نہیں سمجھا تھا زینا! اور آج بھی تم غلط راستوں پر بھٹک رہی ہو۔"

• "محبت کے راستوں کو ہمیشہ غلط سمجھا گیا ہے لیکن دنیا اس کی حقیقت سے انکار نہیں کر سکی؟"

• "محبت کے لئے انتخاب بھی ضروری ہوتا ہے۔"

• "غلط! مجھے تمہارے الفاظ سے اختلاف ہے۔ محبت کوئی انتخاب نہیں رکھتی۔ انتخاب حقیقت سے دور کی چیز ہے۔ گویا ہم نے اپنے محبوب کا انتخاب بھی اپنی افادیت کو مدِنظر رکھ کر کیا۔ محبت تو دل کی گہرائیوں سے ابھرتی ہے۔ وہ نہیں دیکھتی کہ مقابل کون ہے؟ یہ محبت کی توہین ہے کہ محبوب کا بھی انتخاب کیا جائے۔ میں تمہیں اس وقت سے پسند کرتی ہوں جب تم پہلی بار میرے ڈیڈی کے پاس ملازمت کے لئے آئے۔ میں نے اپنے دل سے مجبور ہو کر تمہاری سفارش کی اور اس کے بعد سے تمہارے حصول کے لئے کوشاں ہو گئی۔ اور وہ رات شدت کی رات تھی۔ اس رات میں نے نسوانیت کا لبادہ اتار دیا تھا۔ میری پسند مجھ پر مسلط تھی۔ میں کچھ نہ سوچ سکی۔ میں کچھ نہ سمجھ سکی۔ اور جب تم نے مجھے ٹھکرا دیا تو مجھے احساس ہوا کہ تم میرے محبوب نہیں ہو تم ایک اجنبی شخص ہو اور یہ اجنبیت مجھ سے برداشت نہ ہوئی۔ میرا دل چاہا کہ تمہیں قتل کر دوں، تمہیں فنا کر دوں۔ میری پسند میری دسترس سے باہر ہے یہ میں کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ انتقام لینے کا جو طریقہ میرے طوفانی ذہن میں آیا میں نے اس پر عمل کر ڈالا۔ نتائج سے بے پرواہ ہو کر — اور اس کا نتیجہ میرے حق میں ہی اچھا نکلا۔ تم دور کی چیز تھے، دور ہو گئے اور میرے لئے تڑپ جلن کے سوا کچھ نہ رہا۔ زندگی میں دوبارہ تم سے ملنے کی امید نہ تھی لیکن قسمت پھر تم تک کھینچ لائی۔ بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ وہ جنگلی لڑکی بلاشرکتِ غیرے تمہاری مالک ہے۔ میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں۔"

• "لیکن میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی اور اس کا ازالہ یہی تھا کہ میں تمہاری پسند سے بھی محبت کروں اور میں نے اسے چاہا۔ لیکن صرف تمہارے لئے فرزان! صرف تمہارے لئے۔ آج پھر میری طلب ابھر آئی ہے۔ مجھے میرا حق دے دو۔ مجھے میرا حق دے دو فرزان!"

زینا نے میرے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

• "تم ایک جذباتی لڑکی ہو۔ میں نے مہذب دنیا کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اب میں ان جنگلوں کا باسی ہوں۔ تم یہاں سے ہیرے لے کر اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارو۔ کسی اچھے ساتھی کا انتخاب کر لینا سب کچھ بھول جاؤ گی۔"

• "فرزان! نہیں فرزان! میں تمہیں نہیں بھول سکتی۔"

• "لیکن میں کچھ نہیں دے سکتا!" میں کھڑا ہو گیا۔

• "فرزان!" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی۔

• "واپس لوٹ جاؤ زینا! کہیں وہی رات واپس نہ لوٹ آئے۔"

• "فرزان!" اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے اور اس کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ لیکن میں ان سسکیوں سے متاثر نہ ہوا۔ میں نے وہاں سے چلا آنا مناسب سمجھا۔

جشن جاری رہا۔ سب لوگ اس میں مصروف تھے۔ اس دن کے بعد دو دن تک زینا کی شکل نظر نہیں آئی۔ میں نے بھی اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا۔

تیسرے دن گیری مین مجھ سے ملا، وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

• ہیلو فرزان!

• ہیلو گیری مین!

• جبتی موقع ہی نہیں مل سکا۔

• کس بات کا؟

• تمہیں دلی مبارکباد دینے کا!

• اوہ! شکریہ۔ میں نے کہا۔

• مبارکباد تو دے لینے دو۔

• دے دو! میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• بڑا پیارا ہے تمہارا بیٹا!

• تم نے دیکھا؟

• نہ صرف دیکھا بلکہ اسے پیار بھی کیا!

• اوہ!

• میں ننھے بچوں کا عاشق ہوں۔

• لیکن تم تو چلے جاؤ گے!

• میں الجھن میں پڑ گیا ہوں فرزان!

• کیا بات ہے؟

• بس۔ نہ جانے تم اسے خوشامد سمجھو یا فریب!

• ایسی کیا بات ہے گیری مین!

• اس سے قبل مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن کچھ عرصہ کا ساتھ تو پتھروں سے بھی محبت سکھا دیتا ہے اور پھر تم تو میرے محسن ہو!

• میں مانتا ہوں گیری مین!

• کیا تم یہ بات تسلیم کرو گے فرزان کہ اب میں تمہیں بھی اپنوں کی طرح چاہتا ہوں۔

• یقیناً! تمہارے سلوک سے یہ احساس ہوتا ہے۔

• میرے دوست! ممکن ہے میرا یہ خلوص احمقانہ ہو۔ اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔ لیکن میں جو کچھ کہوں گا، اپنائیت سے کہوں گا۔

• کیوں گیری مین کیا بات ہے؟

• میرا کام تقریباً ہو گیا ہے۔ لیکن اب میں تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔

• کیا گیری مین؟

• یہی کیا تم بقیہ زندگی انہیں جنگلوں میں گزارو گے؟

• مجھے جنگلوں کی یہ سادگی پسند ہے گیری مین!

• ایک مخصوص وقت تک؟

• کیا مطلب؟

• ہم مہذب دنیا کے لوگ ان جنگلوں میں گزارہ نہیں کر سکتے۔

• لیکن مہذب دنیا سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے گیری مین! جو میرے تھے انھوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔ انھوں نے مجھے اپنے قابل نہیں سمجھا ان جنگلیوں نے مجھے محبت سے اپنایا ہے۔

• ممکن ہے تمہیں کچھ لوگوں سے دکھ پہنچا ہو۔ لیکن ان کا انتقام تم اپنی اولاد سے لو گے؟

• کیا مطلب؟

• کیا تم اس ننھے سے مہمان کو ان جنگلوں میں پرورش کرو گے جو ایک مہذب باپ کا بیٹا ہے۔ کیا تم اسے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز دیکھنا پسند نہیں کرو گے۔ کیا اس کے بدن کو پتوں میں لپٹے دیکھ کر، اسے وحشیوں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھ کر تمہیں خوشی ہو گی؟

• کیا کہہ رہے ہو گیری مین؟

• سوچو فرزان۔ ٹھنڈے دل سے سوچو۔ جنہوں نے تمہیں ٹھکرا دیا تم انہیں ٹھکرا دو۔ لیکن اس معصوم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تم اسے تعلیم و تربیت دینے کے بجائے ان جنگلوں میں بھٹکاؤ گے؟

• لیکن یہ ان جنگلوں کی پیداوار ہے گیری مین!

• اور تم....

• میری تو اب کوئی شخصیت ہی نہیں رہی۔

• تم اس کی شخصیت بھی توڑ دو گے۔ غور کرو فرزان! مہذب دنیا میں وہ ایک تعلیم یافتہ انسان بنے گا جب کہ ان جنگلوں میں تم وحشی!" گیری مین! میں تلملا گیا۔

• وہ تمہاری اولاد ہے فرزان! خدا کے لئے اس کے بارے میں سوچو۔" مگر.... مگر...." میں متوحش انداز میں بولا۔

• وہ لڑکا ہے۔ تمہارے ہاں لڑکی بھی پیدا ہو گی۔ ایک دن تمہیں احساس ہو گا کہ تم نے شدید جذبات میں آکر شدید مخالفت کی ہے

• گیری مین.... میں کیا کروں گیری مین!۔ میں نے تو اس انداز میں کبھی نہیں سوچا۔

• اب سوچو۔ میرے دوست اب سوچو۔ تمہارا بچہ مجھے اپنے بچے کی طرح عزیز ہے۔ میں اس کے لئے دکھی ہوں۔"

• تم.... تم ہی مجھے بتاؤ گیری مین! میں کیا کروں.... میں کیا کروں۔" میں نے پریشان لہجے میں کہا اور گیری مین گردن ہلانے لگا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں!!

◇

"میں تمہیں ترکیب بتا سکتا ہوں میرے دوست، لیکن مجھے خدشہ ہے۔" گیری مین نے تھوڑی دیر کے بعد گردن اٹھا کر کہا۔

• کیسا خدشہ؟ میں نے پوچھا۔

• تم میری نیت پر شک نہ کرنے لگو؟

• نہیں گیری مین، غلط فہمیوں کی دوسری بات ہے۔ پہلی غلط فہمی بھی تمہیں ہوئی تھی، اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ بہرحال میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوں۔ مجھے تمہارے اوپر کوئی شک نہیں ہے۔ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو، پورے اعتماد سے اور صاف صاف کہو۔

• تو سنو میرے دوست، یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ میں ہیروں کے لالچ میں یہاں آیا تھا۔ ہیروں کی طمع آج بھی مجھے ہے لیکن جب میں نے تمہارے ساتھ ان جنگلوں میں رہنے کا فیصلہ کیا تو میں نے ہیروں کو ذہن سے نکال دیا، اور اگر تم بھروسہ کرو فرزان، تو مجھے تمہاری ذات سے دلچسپی پیدا ہو گئی، میں تمہاری شرافت سے محبت کرنے لگا۔ یہ صرف تمہارا ہی خیال ہے کہ میں نے ایک بار پھر یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچا۔ رینا میری بیٹی ہے، مجھے اس کا خیال ہے، لیکن جب ہم مہذب دنیا ہی سے کٹ گئے تھے تو پھر سارے خیالات فضول تھے۔

• لیکن جب میں نے تمہارے بارے میں سوچا، تمہارے بچوں کے بارے میں سوچا تو مجھے اپنی بچی کا خیال آگیا۔ یہی دقت اس کے ساتھ بھی ہے، یہاں اس کے مستقبل کا کیا ہو گا؟

• ہوں۔ میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

• چنانچہ میں نے ایک پروگرام بنایا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔

• مگر کہاں؟

• مہذب دنیا میں۔

• لیکن۔!

• سنو میرے دوست! دنیا سے تمہاری لڑائی تھی، لیکن وہ جنگ تمہاری ذات تک محدود تھی، اب کچھ دوسری ہستیاں بھی درمیان میں ہیں۔

• کیا ضمانت ہے کہ دنیا ان کے ساتھ وہ سلوک نہ کرے گی جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔

• ضمانت ہے۔

• کیا۔؟

• تم قلاش تھے، لیکن تمہاری اولاد دولت مند ہو گی۔ اور تمہارے علم میں ہے کہ دنیا نے ہمیشہ دولتمندوں کے قدم چاٹے ہیں۔

• میں نہیں سمجھا۔ میں نے کہا۔

• ہیرے، صرف ہیرے۔" گیری مین نے کہا۔

• اوہ۔" میں خیالات میں ڈوب گیا۔

• سوچ لو، اچھی طرح غور کر لو فرزان۔"

• لیکن گیری مین، میری بیوی، میرا بچہ؟"

• اسے ان کے بارے میں کیا سوچا، انہیں کی وجہ سے تو ہم یہاں سے چل رہے ہیں۔"

• لیکن لاجیکا ہمارے ساتھ چلنے پر تیار نہ ہوگی۔"

• ہاں، یہ اہم بات ہے، کیا وہ تمہاری ضد پر بھی نہ مانے گی؟"

• میرا خیال ہے نہیں۔"

• تب اسے بیہوش کر کے لے جانا پڑے گا۔"

• اوہ۔ مگر۔"

• تم میری پوری بات سن لو، فیصلہ کرنا تمہارے ہاتھ میں ہے، یہ میری تجویز ہے، ہم اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے، اسی کی وجہ سے تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے، لیکن اگر یہ بات ہے تو اس سے تذکرہ کرنا بھی فضول ہے، اسے بے ہوش کر کے لے چلیں گے، یہاں سے جانے سے قبل جس قدر ہیرے جمع ہو سکتے ہیں، کرلیں گے۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا، گیری مین کی بات درست تھی، بچے کو ان وحشیوں میں پروان چڑھانا حماقت تھی۔ وہ میری اولاد تھی۔ ایک مہذب انسان کی کافی دیر تک میں غور و خوض کرتا رہا، پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا:

• لیکن ہم یہاں سے کیسے چلیں گے گیری مین، کیا یہ اتنا ہی آسان ہوگا؟" میں نے کہا۔

• آسان نہیں ہوگا، لیکن یہ بات تم میرے اوپر چھوڑ دو۔"

• بے ہوش لاجیکا کو لے جانا آسان کام نہ ہوگا۔"

• یقیناً۔"

• تمہیں یقین ہے کہ تم مناسب تیاریاں کر لو گے؟"

• ہاں مجھے یقین ہے۔"

• ہمارے تمہارے درمیان کیا ہوگا گیری مین؟"

• آدھے ہیرے میرے ہوں گے، میں زندگی گزارنے کے ہر شعبے میں تمہاری مدد کروں گا۔"

• ہوں۔" میں نے گیری مین سے سوچنے کی مہلت طلب کی اور اس نے خوشی سے مجھے اجازت دے دی۔ دو دن تک میں اس سلسلے میں پریشان رہا۔ میں نے مہذب دنیا کے بارے میں سوچا اور میرے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش بیدار ہوگئی۔

اور پھر میرا بچہ ـــــ یہاں وہ جھونپڑوں میں رہے گا، جنگلی ماحول میں رہے گا، حادثات کا شکار رہے گا، مہذب دنیا والے اس کے بارے میں کچھ نہ جان سکیں گے، مہذب دنیا میں رہ کر وہ تعلیم حاصل کرے گا۔ اعلیٰ انسان بنے گا، اور گیری مین کا خیال بھی ٹھیک ہے، ریتا کا کیا ہوگا۔

یہاں سے نکل جانا ٹھیک ہے۔ اور یہاں سے نکلنے کے لئے ان لوگوں کو دھوکہ دینا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر یہاں سے نکلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ یہاں سے نکل چلوں، اور اسی رات میں نے گیری مین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ گیری مین میرے فیصلے کو سُن کر خوشی سے پھولا نہیں سمایا تھا، اور اسی دن سے ہم نے کام شروع کر دیا۔ انتہائی قیمتی ہیرے جمع کئے جانے لگے۔ ایسے ایسے نایاب ہیرے تھے کہ جن کی مثال مشکل تھی۔ ہیروں کا ذخیرہ گیری مین کی جھونپڑی میں تھا گیری مین اپنے طور پر تیاریاں کر رہا تھا، اس نے کئی جنگلی گھوڑے پکڑے سخت مشکل کام تھا لیکن گیری مین نے جان کی بازی لگا دی تھی۔ وہ پوری لگن اور کوشش سے یہ کام کر رہا تھا۔

بالآخر ہیروں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، ان ہیروں کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا، گیری مین نگاہ بھر کر ان کی طرف دیکھ بھی نہیں تھا، اکثر کہتا تھا۔

• اگر میں انہیں پوری طرح دیکھ لوں تو میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا فرزان۔ آہ۔ کاش ہم انہیں مہذب دنیا تک لے جانے میں کامیاب ہو جائیں۔ ہم ہیروں کی مارکیٹ میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ ہمارا شوروم دنیا کا سب سے بڑا شوروم ہو سکتا ہے۔"

اور میں مسکرا کر رہ جاتا۔

بالآخر ایک دن گیری مین نے مجھ سے کہا۔

• فرزان، اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"

• پروگرام تو تم بتاؤ گے گیری مین۔"

• میرا کام مکمل ہے۔"

• ہیروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

• اس سے زیادہ ذخیرہ لے کر ہم سفر بھی نہ کر سکیں گے۔"

• ٹھیک ہے۔"

• پھر اب تم اپنے بارے میں بتاؤ؟"

• ہر چند مشکل کام ہے گیری مین، لیکن بہر حال اسے بہتر انداز میں کرنا ہے، اس طرح کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

• المعوست میرے دوست، جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اسے دلجمعی سے انجام دو۔"

• ٹھیک ہے، جب تم کہو۔"

• تب پھر کل رات۔"

• میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

• تب آؤ۔ میں تمہیں پورا پروگرام بتا دوں۔" گیری مین نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ گیری مین مجھے بستی سے دُور ایک پہاڑ کے دامن میں لے گیا۔

• یہاں سے ہم اپنے واپسی کے سفر کا آغاز کریں گے، تم لاجیکا کو بیہوش کر کے یہاں تک لاؤ گے۔ یہاں ہم لوگ تیار ملیں گے۔"

• لیکن گیری مین کچھ مسئلے بھی ہیں؟"

• ہاں ہاں بتاؤ۔"

• میں لاجیکا کو بے ہوش کیسے کروں گا؟"

• یہ کام میرے ذمہ ہے۔" گیری مین نے مسکراتے ہوئے کہا، اور جیب سے لمبے لمبے گھاس کے کچھ تنکے نکالے۔" یہ رکھ لو، اسے مسل کر لاجیکا کی ناک کے قریب کر دینا، وہ بے ہوش ہو جائے گی۔"

• تمہیں یقین ہے؟"

• تجربہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔" گیری مین نے جواب دیا۔

• اگر تمہیں یقین ہے تو ٹھیک ہے۔"

• اور کچھ۔"؟

• ہاں ـــ!

• کہو، بے فکر ہو کر کہو میرے دوست۔" گیری مین نے پُرجوش انداز میں کہا۔

• لاجیکا کو میں اٹھا کر لے آؤں گا، لیکن بچہ؟"

• یہ کون سی بڑی بات ہے، بچے کو میں لے آؤں گا۔ تم پہلے بچہ لا کر مجھے دے دینا، پھر لاجیکا کو اٹھا لانا۔"

• یہ ٹھیک ہے۔"

• بس تو کل رات ـــ!

• ہاں، کل رات۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ حالانکہ میں خوب سوچ سمجھ کر سب کچھ کر رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں میرا دل ڈوب رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے، یہ نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا دن بھی عجیب کش مکش کے عالم میں گزرا، لیکن شام کو میں پُرسکون ہو گیا تھا۔ اب جب کسی کام کا بیڑا اٹھا ہی لیا ہے تو پھر اسے انجام دینے میں کسی قسم کی حماقت نہیں ہونی چاہئے۔ رات ہوگئی۔ لاجیکا حسبِ معمول میرے سینے میں منہ چھپا کر سو گئی، بچہ برابر ہی ایک گھاس کے بستر پر سو رہا تھا میری آنکھوں میں نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے بچے کو دیکھا۔ یہ بچہ ـــــ یہ بچہ۔ لیکن نہیں۔ گھاس کے معمولی بستر کے علاوہ ان جنگلوں میں میں اسے اور کیا دے سکتا ہوں، اسے شہری زندگی دینے کے لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔

اور میں مہذب دنیا کے تم بھول گیا۔ وہ دنیا اس وقت پھر میری نگاہوں میں پھر گئی، اور میں اپنے بچے کو اس میں ضم کرنا چاہتا تھا۔

لاجیکا ہمیشہ گہری نیند سوتی تھی۔ پھر بھی اس کے نزدیک سے اٹھنے سے قبل میں نے گیری مین کی دی ہوئی گھاس نکالی، اسے مسلا اور لاجیکا کی ناک سے لگا دی۔

لاجیکا نے بے چینی سے گہری گہری سانسیں لیں اور بے خبر ہو گئی، میں نے اسے جھنجھوڑ کر دیکھا اور جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ گہری نیند سوگئی ہے تو میں خاموشی سے اٹھا۔ بچے کو اٹھا کر کندھے سے لگایا اور پھر خاموشی سے باہر نکل آیا۔

گیری مین تھوڑی دور ہی پر موجود تھا، حسب پروگرام وہ مستعد کھڑا تھا۔ اس نے سارے کام مکمل کر لئے تھے، اس نے خاموشی سے بچے کو لیا اور چل پڑا تب میں واپس آیا، اب مجھے ایک سخت کام انجام دینا تھا میں نے لاجیکا کے خوبصورت بے ہوش بدن کو اٹھایا اور کندھے پر لاد لیا، پھر میں اسے لیکر چل پڑا۔ میری ذہنی کیفیت عجیب تھی، تاہم میں خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ طویل راستہ طے کر کے میں اس جگہ پہنچ گیا، جہاں گیری مین موجود تھا۔

گیری مین کی تیاریاں دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا۔ تنہا آدمی نے شدید محنت کی تھی، اس نے باقاعدہ ایک چھکڑا تیار کیا تھا، بہترین اور مضبوط پہیئے بنائے تھے، چھت تھی جس کو گھاس سے پاٹا گیا تھا اور اس چھکڑے میں دو مضبوط گھوڑے جتے ہوئے تھے، اسی چھکڑے میں اس کے ہیرے لدے تھے اور اسی میں اس کی بیوی اور بیٹی موجود تھیں۔

لاجیکا کو بھی اسی میں لٹا دیا گیا۔ ریتا نے بڑے پیار سے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا تھا اور پھر گیری مین نے چھکڑا سنبھال لیا۔

میرے لئے ایک گھوڑا تیار تھا، دوسرا گھوڑا فالتو تھا جسے بوقت ضرورت کے لئے رکھ لیا گیا تھا۔ بہر حال تیاریاں مکمل تھیں گیری مین نے میری طرف دیکھا۔

• ٹھیک ہے میرے دوست؟" اس نے پوچھا۔

• ٹھیک ہے گیری مین۔" میں نے طویل سانس لیکر جواب دیا۔

• تم اداس کیوں ہو؟"

• گیری مین، میں نے ان جنگلوں میں ایک خوبصورت زندگی گزاری ہے۔" میں نے کہا۔

• اوہ ٹھیک ہے، لیکن ہم جنگلوں کے باسی نہیں ہیں۔"

• ان جنگلوں نے مجھے پناہ دی تھی گیری مین "

• ہم ان کے شکر گزار ہیں، لیکن ہماری دنیا یہ نہیں ہے۔"

• ہاں" میں نے افسردگی سے کہا۔

• چلوں؟ گیری مین نے پوچھا۔

• چلو گیری مین" میں نے جواب دیا اور گیری مین نے چھکڑا آگے بڑھا دیا۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔

اور گھوڑے ایک مخصوص راستے پر چل پڑے، چالاک گیری مین دماغی طور پر بہت مضبوط تھا۔ اس نے شاید ہر قدم پر خوب غور و خوض کیا تھا۔ راستوں کا تعین بھی اسی نے کیا تھا۔ مجھ سے کوئی کہتا کہ میں سیدھے راستے کا انتخاب کر لوں تو میرے لئے بہت مشکل ہوتا۔

بہرحال ہم چل پڑے۔

اور جب میں تی تیکا کی سرحد سے گزر رہے تھے تو میں نے دو سائے دیکھے، گیری مین نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

میں چونک پڑا، اور میں نے گھوڑا ان سایوں کی طرف دوڑا دیا۔ لیکن نہ جانے میرا وہم تھا یا نظری دھوکہ، سائے روپوش ہو گئے، کوشش کے باوجود وہ نظر نہ آئے تو میں واپس پلٹ پڑا۔

• کیا ہوا تھا فرزان؟" گیری مین بے چینی سے میرا منتظر تھا۔

• مجھے کچھ شبہ ہوا تھا"

• کیسا شبہ؟"

• مجھے دو سائے نظر آئے تھے"

• اوہ — پھر؟"

• قریب جانے پر نہ جانے کہاں چلے گئے"

• تم نے تلاش کیا؟"

• ہاں، ممکن ہے صرف دھوکہ ہو، کسی درخت کی پرچھائیں ہو"

• یہاں کون ہو سکتا ہے؟"

• ہو ہی سکتا ہے"

• کیا مطلب؟"

• جس وقت تم گرفتار ہوئے تھے گیری مین، تو بہت پہلے تمہارے بارے میں پتہ چل گیا تھا"

• اوہ۔ تمہارا مطلب ہے...؟"

• ہاں۔ تی تیکا والے اتنے بیوقوف بھی نہیں ہیں"

• تب تو ہم خطرے میں ہیں فرزان، چلو رات بھر تیزی سے سفر کیا جائے۔ چلو — چلو"

اور میں نے گیری مین سے اتفاق کیا۔ گیری مین نے چھکڑے کی رفتار تیز کر دی اور میرا گھوڑا بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگا۔ رات کا وقت تھا، تیز رفتاری خطرناک بھی ہو سکتی تھی، لیکن دوسری طرف بھی خطرہ تھا۔ ہم جانتے تھے کہ بھاگنے والوں کے ساتھ اب تی تیکا والوں کا رویہ اچھا نہیں ہوگا۔ ممکن ہے ہمیں اس جرم کی پاداش میں قتل ہی کر دیا جائے، ابرز پہلے ہی خار کھاتا تھا، اس نے دل سے گیری مین کو قبول نہیں کیا تھا۔

سو ہم برق رفتاری سے سفر کرتے رہے، لیکن بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ہمیں اس شبہے کی تصدیق ہو گئی، رات کی تاریکی میں ایک آواز ابھری اور ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ ڈھولوں کی آواز تھی، مخصوص آواز جو پیغام رسانی کے لئے استعمال ہوتی تھی۔

• فرزان" گیری مین لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

• سفر جاری رکھو، انہیں ہمارے فرار کی اطلاع مل چکی ہے"

اور گیری مین نے گھوڑوں کی رفتار بڑھا دی، ڈھول بجتے رہے اور سفر جاری رہا، راستہ زیادہ اچھا نہ تھا، پھر بھی گھوڑے خاصی رفتار سے سفر کر رہے تھے، لیکن شاید راستے کی کوئی بھول ہوئی تھی۔

ہم نے کوئی لمبا راستہ اختیار کیا تھا، گھوڑے تھک چکے تھے، اور اب ان کی رفتار بہت سست ہو گئی تھی، روشنی پھوٹنے لگی تھی۔ گھوڑے بھی کہاں تک دوڑتے۔ دریا کے کنارے کنارے ہم اب سست رفتاری سے سفر کر رہے تھے اور جونہی سورج کی پہلی کرن نے سر ابھارا۔

دریا کے دوسرے کنارے سے کچھ دور ہمیں وحشی نظر آئے۔

ہمارے منہ حیرت سے کھل گئے تھے، ان میں زیادہ تر پیدل تھے چند گھوڑوں پر سوار تھے، نہ جانے انہوں نے کونسا مختصر راستہ اختیار کیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ہم گنگ ہو گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتے رہے، پھر گیری مین چیخا۔

• فرزان بھاگو" اور اس کے ساتھ ہی اس نے گھوڑوں پر بے تحاشہ چابک برسانے شروع کر دیئے، گھوڑے جان توڑ کر بھاگے۔

لیکن میرا خیال کچھ اور تھا، مجھے یقین تھا کہ جو لوگ ہماری ساری رات کی محنت پر اس آسانی سے پانی پھیر سکتے ہیں، ہم اب بھی ان کے پھندے سے بچ کر نہ نکل سکیں گے، خواہ کتنا ہی بھاگ لیں، بہرحال میں نے گیری مین کا ساتھ دیا۔ تب میں نے دیکھا گھوڑے دریا کے کنارے کنارے دوڑنے لگے، اور بہت سے پیدل جنگلیوں نے کم بہاؤ کی جگہ سے دریا پار کر لیا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں ہماری ساری کوششیں بیکار ہو گئیں۔ اور اب ہم چاروں طرف سے ان کے شکنجے میں تھے۔

گیری مین کے حواس جواب دے گئے، ہمارے پاس ہتھیار بھی نہ تھے جن سے مقابلے کی سوچی جاتی، چنانچہ ہم بے بسی سے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

جنگلیوں نے جب دیکھا کہ ہماری جدوجہد بالکل سست پڑ گئی ہے تو پھر ایک گروپ گھوڑوں پر سوار ہماری طرف بڑھا، بوسیتا ان سب سے آگے تھا۔

اور پھر وہ ہمارے سامنے پہنچ گئے۔

• بوآنا" اس نے سرد آواز میں مجھے پکارا،

• وہی ہوا نا بوآنا، جو میرا خیال تھا"

• کیا —؟" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا، حالانکہ اب کہنے کو میرے پاس کیا تھا۔

• تم بھی سازشی نکلے"

• بوسیتا — میں..."

• کوئی اور جھوٹی بات نہ کہو بوآنا، سچ بولو"

• میں سچ بولوں گا بوسیتا" میں نے کہا۔

• کیا میں نے سفید چمڑی والوں کے بارے میں غلط کہا تھا؟"

• ہم ان جنگلوں میں نہیں رہ سکتے بوسیتا"

• کیوں؟"

• تم نہیں سمجھتے بوسیتا، ہم اپنی دنیا میں ہی زندہ رہ سکتے ہیں"

• جنگلوں نے تمہیں کیا تکلیف دی بوآنا؟" بوسیتا کا لہجہ بڑا ٹھوس اور بڑا سرد تھا۔

• کچھ نہیں، لیکن..."

• کیا ہم نے تمہاری اطاعت نہیں کی؟"

• ٹھیک ہے، کی..."

• بوآنا، تم اتنے برے نہیں تھے، برائی اس وقت سے شروع ہوئی، جب سے یہ سفید فام آیا"

• وہ میرا دوست ہے بوسیتا"

• اور ہمارا دشمن" بوسیتا نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

• تب تم مجھے بھی اپنے دشمنوں میں شمار کرو بوسیتا" میں نے سخت لہجے میں کہا اور بوسیتا نے چونک کر مجھے دیکھا، دیکھتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں میں نفرت ابھر آئی۔

• تم سب یکساں ہوتے ہو، تم سب ایک جیسے ہوتے ہو۔ ہمارے رنگ سیاہ ہیں، لیکن ہمارے بدن سے نکلنے والے پسینے سے وفا کی بو آتی ہے" پھر اس نے ایک ہاتھ بلند کیا اور پھر ایک مخصوص اشارے کے ساتھ نیچے گرا لیا۔ تب چاروں طرف سے وحشی ہم پر ٹوٹ پڑے انہوں نے گیری مین کی ٹانگ پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا اور پھر چھکڑے کا پردہ کھول کر پینا اور اس کی ماں کو بھی نیچے کھینچ لیا۔ پیٹریشا کی گود میں میرا بچہ موجود تھا، جسے اس نے گرنے نہ دیا۔ عورت تھی نا۔

تب بوسیتا نے بے ہوش لاجیکا کو دیکھا۔

• کیا یہ مر گئی؟" اس نے سوال کیا۔

• نہیں۔ بے ہوش ہے"

• ہوں" بوسیتا آگے بڑھا، اور پھر اس نے ہیروں کے ڈھیر کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں حقارت ابھر آئی، وہ پیچھے ہٹا اور مجھے گھورنے لگا۔

ہمارا اور تمہارا مذہب کس قدر مختلف ہے بوآنا"

• مذہب —؟"

• ہاں۔ ہمارا خدا سورج ہے، روشنی پھیلانے والا اور تمہارا مذہب لالچ۔ تم ان چمکدار پتھروں کے پجاری ہو، کیا تم انہی پتھروں کو سجدہ کرتے ہو؟"

• بوسیتا، یہ ہماری ضرورت ہیں"

• تم ضرورت کو خدا مانتے ہو؟"

• نہیں"

• جھوٹ بولنا تمہاری فطرت، تمہاری عادت ہے، کیسے ہو تم لوگ اپنے خدا کے معاملے میں بھی سچ نہیں بولتے"

• بوسیتا" میں چیخ پڑا۔

• ان جنگلوں نے تمہیں محبت دی، عزت دی، تمہیں بہت بڑا درجہ دیا، لیکن تم نے گوشت و پوست کے انسانوں کو چھوڑ کر، محبت سے دھڑکنے والے سینوں کو چھوڑ کر پتھر اپنائے، جاؤ — بوآنا۔ ہم پتھروں کے پجاریوں سے عقیدت نہیں رکھتے، ہماری طرف سے زندگیوں اور ان قیمتی پتھروں کے تحفے لے جاؤ، لاجیکا تمہارے ساتھ نہیں جائے گی"

• اسے کون روکے گا، وہ میری بیوی ہے"

• وہ جنگلوں کی پجارن ہے، وہ سورج کی عقیدت مند ہے، ہمارے تمہارے مذہب نہیں ملتے، وہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی، ہم تمہیں جانے کی اجازت دیتے ہیں، اور سنو اس کو بھی لیتے جاؤ، یہ تمہارا نطفہ ہے۔ اگر لڑکی ہوتی تو ہماری تھی، ہم اپنی عزت تمہارے حوالے نہ کرتے۔ لیکن یہ سانپ کا بیٹا ہے اور بڑا ہو کر سانپ ہی بنے گا۔ اس زہریلے سانپ کو یہاں سے لے جا سکتے ہو"

• میں لاجیکا کو بھی لے جاؤں گا" میں نے سینہ تان کر کہا۔

• کوئی ایسی بات مت کرو جو تمہاری گندی فطرت پر ہمیں مشتعل کر

دے، تمہارے خون کا ایک ایک قطرہ تقسیم ہو جائے گا، جاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ۔" بوسیتانہ جانے کس طرح اپنے جذبات کو روک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سخت ہیجان کے آثار تھے، لیکن میں اس کی کیفیت پر غور نہیں کر رہا تھا۔

میری تو خود اپنی ذہنی کیفیت خراب تھی۔ لاجیکا کو چھوڑنے کا اب میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، وہ میرے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔

• فرزان چلے جاؤ، اب تم ہمارا نہیں ہو، بیرونی دنیا کے لٹیرے ہو۔ پتھروں کے پجاری ہو۔"

• یکومت: میں دھاڑا۔

• لاجیکا کو اٹھالو۔" بوسیتانے حکم دیا۔

اور چار آدمی بے ہوش لاجیکا کی طرف بڑھے، میں نے وحشیانہ انداز میں ان میں سے ایک کی گردن پکڑی، دوسرے کے لات رسید کر دی لیکن پھر بوسیتانے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈنڈا میری گردن پر رسید کر دیا۔ اور میری آنکھوں میں تارے ناچ گئے، میں آگے پیچھے ڈولتا رہا، اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

نہ جانے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا تھا، اور جب ہوش آیا تو میرے دوست میرے حواس ٹھکانے نہ رہے۔

میں تنہا تھا، نہ کوئی گھوڑا تھا نہ گیری مین، ہاں مجھ سے فاصلے پر میرا بچہ تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا۔

بچے کی آواز تیر کی طرح میرے دل کے پار ہو گئی۔ میں نے متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ وہ جگہ نہیں تھی جہاں میں بے ہوش ہوا تھا، نہ جانے میں کہاں تھا۔ بہرحال میں نے لپک کر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ اور وہ میری مہربان آغوش میں خاموش ہو گیا۔

تب میں نے حالات کا جائزہ لیا، تب میری نگاہ نزدیک ہی ایک پتھر سے دبے ہوئے کاغذ پر پڑی اور میں چونک پڑا، اس کاغذ کی یہاں موجودگی معنی خیز تھی، میں نے اسے پتھر کے نیچے سے نکال لیا۔ بوسیدہ کاغذ پر پچھلی طرف ایک ٹوٹا پھوٹا سا نقشہ تھا۔ دوسری طرف ایک تازہ تحریر تھی لکھا تھا:

" ڈیئر فرزان!

تمہارا شکریہ! تم میرے کام میں بڑے معاون ثابت ہوئے تمہاری وجہ سے میں نے ہیروں کا اتنا بڑا ذخیرہ حاصل کر لیا۔ اور اب میری تمام زندگی نہایت سکون سے بسر ہو گی۔ لیکن فرزان تم مجھے غدار یا دغا باز نہیں کہو گے، میں نے بہرحال تمہارے اوپر احسان کیا ہے، ورنہ اس عالم میں تمہیں اور تمہارے بچے کو بہ آسانی قتل کیا جا سکتا تھا۔ میرے علاوہ تمہیں بینا کا بھی شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس نے تمہیں قتل کرنے سے روکا تو میرے دوست، سنو، میں تمہارے ذہن سے ساری الجھنیں مٹا دوں۔ بوسیتانے لاجیکا کو حاصل کر لیا اور پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں لے کر یہاں سے چلا جاؤں۔ اس شریف آدمی نے ہیروں کی طرف توجہ ہی نہ دی تھی، سو میں تمہیں لے کر چل پڑا، یہ جگہ بستی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ پتھر کے دوسری طرف چند ہیرے بھی پڑے ہوئے ہیں جو میں نے تمہارے لئے چھوڑ دیئے ہیں، انہیں لے کر بستی چلے جاؤ اور زندگی گذارنے کی کوشش کرو، اور ہاں بوسیتانے ہدایت کر دی تھی کہ آئندہ تمہیں دریا کے علاقے میں نہ دیکھا جائے، ورنہ فوراً قتل کر دیا جائے گا، ویسے اگر تم ہمت رکھتے ہو تو واپس چلے جاؤ۔

فرزان میں تنہا بھی وہاں سے نکل سکتا تھا، لیکن مجھے تمہاری ضرورت تھی، اور میں نے کیسی عقلمندی کا ثبوت دیا۔ بلاشبہ اگر تم لاجیکا ہمارے ساتھ نہ رہتے اور ڈرامہ بدل جاتا تو ہم لوگوں کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا۔ تمہاری وجہ سے میری جان بچ گئی، یہ بات پہلے سے میرے ذہن میں تھی۔ میری دیرینہ آرزو پوری ہو گئی ہے۔ میں جا رہا ہوں، اب میں گیری مین نہیں ہوں، اب میں دنیا کا کوئی بھی بڑا آدمی ہوں۔ میرا چہرہ بدل جائے گا۔ میں کسی ملک میں جا کر پلاسٹک سرجری کے ذریعہ اپنی شناخت بدل دوں گا۔ یہ مصیبت میری بیٹی کی لائی ہوئی ہے، ورنہ تمہیں قتل کر دیتا تو کوئی خدشہ ہی نہ رہتا۔

خیر تمہیں تمام اطلاعات دے رہا ہوں۔ خدا حافظ"

" گیری مین "

اور میرے سینے میں نفرت کا لاوا کھول اٹھا۔ آہ میں نے معصوم جنگلیوں سے غداری کی تھی۔ آہ میں نے ایک بار پھر دھوکہ کھایا تھا۔ میں ایک بار پھر اس گھناؤنی دنیا سے فریب کھا گیا تھا۔ ایک بار پھر شدید نفرت میرے ذہن میں ابھر آئی اور میں نے اس دنیا پر لعنت بھیج دی۔ میں نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا، اور یہ وحشی میرے مہذب ساتھیوں سے کہیں اچھے تھے، میں نے اپنے بچے کو بھیڑیوں کی بستی میں لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور پھر میں نے اسی جگہ قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

بوڑھا فرزان خاموش ہو گیا، ہم بڑے درد سے اس کی کہانی سن رہے تھے، اس کی کہانی واقعی المناک تھی۔

کافی دیر خاموشی کے بعد میں نے اس سے پوچھا:

• تم وحشیوں میں واپس کیوں نہیں گئے فرزان؟

• کس منہ سے جاتا، کونسی شکل لے کر جاتا۔ میں نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔"

• اور ——— اور وہ بچہ؟

• میرا بچہ میرے ساتھ ہے، وہ یہیں رہتا ہے۔"

• لیکن ...؟...

• میں نے اسے مہذب انسانوں کی ہوا نہیں لگنے دی، میں نے اسے وحشی رکھا ہے، میں نے اسے اس کی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں سکھائی۔"

اوہ، تو وہ چیخ کی آواز۔؟

• ہاں اسی کی تھی، وہ سو فیصدی نی تیکا کا وحشی ہے۔"

اور ہم دنگ رہ گئے، اس بات نے ہمیں اور متاثر کیا تھا۔ تب کرنل ڈکسن نے اس سے پوچھا۔

• لیکن تم نے ایسا کیوں کیا فرزان؟"

• میں اسے مہذب بنا کر انسانیت سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا!"

• لیکن اب اس کا کیا کرو گے؟"

• ایک آرزو ہے دل میں، صرف ایک آرزو ہے۔"

• کیا؟

• ایک بار اسے لاجیکا کے پاس پہنچا دوں۔ نی تیکا والوں کی امانت ان کے حوالے کر دوں، اور پھر جان دے دوں۔ میں ان لوگوں سے شرمندہ ہوں۔"

اور ہم سب سوچ میں ڈوب گئے، فرزان کی کہانی درحقیقت عجیب تھی، ویسے اس کہانی سے کہیں فریب کی بو نہیں آتی تھی، وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، ٹھیک تھا۔

بہرحال اس کے بعد ہم نے اس لڑکے کو دیکھا اور دنگ رہ گئے، ایسا شاندار، ایسا قوی ہیکل جوان پہلے نگاہوں سے نہیں گذرا تھا۔ خوبصورت باپ کا خوبصورت بیٹا، گندمی رنگ لئے ہوئے۔ عجیب نوجوان تھا وہ بالکل وحشی بھی نہیں تھا، لیکن ہم لوگوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

فرزان کی کہانی سننے کے بعد سب کو ہی اس سے ہمدردی ہو گئی تھی، پھر بھی ہم نے اس سے صاف صاف گفتگو کی۔

• پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے فرزان؟

• اسی کشمکش میں ہوں، کیا کروں، کیسے اسے نی تیکا تک پہنچاؤں؟

• ہم بھی صاف دل لوگ نہیں ہیں فرزان۔ لیکن اگر تم نی تیکا کے ان جھیروں کی طرف رہنمائی کر دو تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔"

اور فرزان سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

• میں تیار ہوں۔"

اور ہم خوشی سے اچھل پڑے۔ پھر اس سلسلہ میں دوسری باتیں ہوئیں، اس وقت ہمارے پاس مناسب انتظامات نہیں تھے، چنانچہ طے پا گیا کہ ضروری انتظامات کے بعد نی تیکا روانہ ہوا جائے، فرزان سے یہ معاہدہ ہوا، اور ہم واپس چل پڑے، "اور سرفراز! یہ مہم نی تیکا کے لئے ہی ہے۔"

عجیب کہانی تھی، لیکن اس کہانی نے میرے بدن میں سنسنی پیدا کر دی تھی، کیسی ملتی جلتی کہانی تھی میری اور فرزان کی۔ لیکن فرزان کی کہانی کا انجام ——— بڑا بھیانک انجام تھا، کیا میرا انجام بھی یہی ہے، کیا میرا انجام بھی یہی ہو گا۔؟

لیکن پھر مجھے خود اپنے خیال پر ہنسی آ گئی۔ فرزان کچھ تھا اور میں کچھ۔ اور پھر مجھے کونسی کسی جنگلی لڑکی سے شادی کرنا تھی۔ اونہہ، بیکار خیال، فضول احمقانہ۔

• تو یہ ہے کہانی سرفراز، اب تمہارا کیا خیال ہے؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

• کس سلسلہ میں؟

• میرا مطلب ہے، یہ مہم کیسی رہے گی؟

• بے حد شاندار نواب صاحب؟"

• میرا بھی یہی خیال ہے، اگر ہم نی تیکا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو بڑی کامیاب مہم رہے گی، ہر لحاظ سے ہم بے پناہ دولت حاصل کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ نی تیکا کے اسرار بے حد دلکش ہوں گے، پھر فرزان کا معاملہ، میرا خیال ہے یہ کہانی اور دلچسپ ہو جائے گی؟"

• مناسب فرمایا نواب صاحب۔" میں نے کہا۔

• تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔"

• سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، مجھے کیوں اعتراض ہوتا!"

• اس بارے میں کچھ مشورے؟"

• آپ جیسے تجربے کار لوگوں کے سامنے میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں، یہ انکساری نہیں ایک حقیقت ہے جس سے آپ واقف ہیں۔"

نواب فیروز الدین خاموشی سے گردن ہلاتے رہے اور بولے:

• بہرحال اس مہم میں تمہاری شمولیت سے میرا حوصلہ بڑھ گیا ہے میں بے حد خوش ہوں اور خاص طور سے اب اس شکل میں کہ کوثر تمہاری عزت کرنے لگی ہے۔"

• کوثر بی بی کی کسی بھی بات کی کوئی ذمہ داری آپ قبول نہ کریں نواب صاحب!"

• بھئی تم بار بار کہہ چکے ہو، لیکن بہرحال، میں اب خوش ہوں، اچھا اب مجھے اجازت دو۔" نواب صاحب اٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی۔ فرزان کی کہانی نے درحقیقت مجھے بہت متاثر کیا تھا، اس کے سارے واقعات میری زندگی سے ملتے جلتے تھے

لیکن انجام ——— لاکھ میں خود کو احمق ثابت کرنے کی کوشش کر

رہا تھا۔ لاکھ میں سوچ رہا تھا کہ توہمات زندگی کے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہوتے ہیں، لیکن پھر فرزان ذہن کے گوشوں سے نہیں نکل رہا تھا۔ یہ کیفیت نہ جانے کب تک طاری رہی۔ بہرحال سفر جاری تھا۔ اور ہم افریقہ سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

جہاز پر دوسرے لوگ بھی تھے، خود میرے ساتھیوں میں جوان لڑکیاں اور جوان لڑکے موجود تھے، ممکن ہے وہ ایک دوسرے سے متاثر تھے یا نہیں۔ لیکن خود میرے لئے ایک دلچسپ مشغلہ موجود تھا، گو میں اس سے بچنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر بھی۔

دوسرے دن صبح یونہی تنہا ایک جگہ کھڑا تھا کہ مس میرلیسا پھر نمودار ہو گئیں، لیکن آج ان کے ساتھ مونا بھی تھی۔

• ہیلو سرفراز ۔!

اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں شرارت رینگ آئی۔

• ہیلو میرلیسا! میں نے نہایت پیار بھرے لہجے میں کہا۔

• کیسے ہو؟ میرلیسا قریب آگئی۔

• تمہاری خوشبوئیں فضا میں رچی بسی ہیں۔ اچھا ہی ہوں گا۔

میرلیسا چونک پڑی، مجھے گھورتی رہی پھر مونا کی طرف دیکھا، مونا کی نگاہوں میں بھی مسکراہٹ تھی، وہ عجیب سی نگاہوں سے میرلیسا کو دیکھ رہی تھی۔

میرلیسا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر پھیکے انداز میں مسکرا دی۔

• آج موڈ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

• میں تو ہمیشہ ہی ٹھیک رہتا ہوں مس میرلیسا۔ کیا آپ کو کبھی کوئی شکایت ہوئی؟

• نہیں، لیکن — میرا مطلب ہے۔

• میرلیسا جھوٹ بول رہی ہے مسٹر فرزان، اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔

• کیا کہا ہے مس مونا، براہ کرم مجھے بتائیں، مس میرلیسا انتہائی دلکش شخصیت کی مالک ہیں۔

لیکن وہ ۔۔۔۔

• مونا پلیز! میرلیسا خوشامدانہ انداز میں بولی۔

• لیکن تم تو — تم تو ۔۔۔۔

• چھوڑو — دوسری باتیں کریں۔

• لیکن تم مجھے ان سے ملانے لائی تھیں میرلیسا! مونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم شرارت پر آمادہ ہو، آؤ، چلو آگے آؤ۔ مسٹر فرزان پلیز میں ابھی واپس آتی ہوں! میرلیسا نے کہا اور مونا کو کھینچتی ہوئی ایک طرف لے گئی۔

میرے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے۔ یقیناً میرلیسا نے مونا کو میرے بارے میں کیا کیا بتایا ہو گا۔ اور وہ اچھے الفاظ نہ ہوں گے۔ مونا کو میرے اس وقت کے رویئے سے اسے کچھ امید بندھ گئی، اور اب وہ مونا کو اس لئے کھینچ لے گئی کہ مونا میرا موڈ خراب نہ کر دے، ایسی احمق، کتنی بیوقوف لڑکی ہے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ پھر آ موجود ہوئی۔

• بڑی شریر ہے یہ مونا، بس فضول بکواس کرتی ہے، میں نے نہ جانے کیا کیا کہہ دے، اس لئے میں اسے ٹال آئی۔

• میں کسی کی باتوں کا برا نہیں مانتا مس میرلیسا، کوئی میرے بارے میں کچھ بھی کہتا رہے، میرے اوپر کیا اثر پڑتا ہے! میں نے سرد لہجے میں کہا۔

• یقیناً، یقیناً! میرلیسا چونک کر بولی، میں نے چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے سمندر کی لہروں پر نگاہیں گاڑھ دیں۔

• کیا سوچ رہے ہو سرفراز؟

• کیوں میری سوچ پر کوئی پابندی ہے کیا؟ میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

• ارے نہیں نہیں یہ بات نہیں، میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ مطلب ہے۔۔ میرلیسا میرے بدلے ہوئے انداز پر پھر بوکھلا گئی۔

• میری سمجھ میں نہیں آتا مس میرلیسا، آپ کیا چاہتی ہیں؟

• کب تک نہ سمجھو گے سرفراز؟ میرلیسا نے میری پشت پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

• براہ کرم ذرا دور ہٹ کر کھڑی ہوں! میں کھڑا ہو گیا۔

• کیا ہو گیا سرفراز تمہیں، ابھی تھوڑی دیر تک تو بڑی اچھی گفتگو کر رہے تھے۔

• غلام ہوں آپ کا، اپنی مرضی کا مالک ہوں، جس وقت جیسی چاہوں گفتگو کر سکتا ہوں! میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔ میرلیسا اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

• تم — تم پر پھر دورہ پڑا ہے! وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

• ہاں دورہ پڑا ہے، پھاڑ کھاؤں گا، اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں گا! میں نے تنک کر کہا۔

• تم — تم بدتمیز ہو! وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

• شٹ اپ! میں دھاڑا، میں دیکھ رہا تھا کہ وہ خود کو بمشکل سنبھال رہی تھی۔

• ذلیل ہو تم، کمینے ہو!

• گیٹ آؤٹ! میں اس طرح جھکا جیسے میرلیسا کو اٹھانا چاہتا ہوں اور وہ اچھل کر بھاگ نکلی، ایسی بھاگی کہ پلٹ کر نہ دیکھا، اور اس کے

بعد پیٹ میں درد شروع ہو گیا، مجھے اس بے وقوف لڑکی پر رحم بھی آ رہا تھا لیکن اس کی حرکتیں ایسی تھیں کہ شرارت خود بخود ذہن میں آ جاتی تھی۔

بہرحال دوپہر کے بعد کوثر خاتون ملیں، وہی بدلا ہوا انداز جو مجھے پسند نہ تھا، مجھے تو وہ ہر طرح ہی پسند تھی۔ لیکن کوثر کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

• سرفراز صاحب!

• کوثر بی بی! میں نے مخصوص انداز میں کہا اور کوثر نے شرمائی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

• آپ مجھے معاف نہیں کریں گے؟

• ارے، کیا ہوا کوثر بی بی؟

• آپ مجھ سے تخاطب کا انداز بدل دیں؟

• کیوں؟

• اس لئے کہ اب آپ وہ نہیں رہے جو بن گئے تھے؟

• بن گئے تھے؟

• ہاں؟

• کاش میری موٹی عقل میں کچھ آ سکتا؟

• میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ سے بہت سی باتیں کروں؟

• کریں کوثر بی بی؟

• لیکن ایک شرط پر؟

• حکم دیں؟

• آپ مجھے اس انداز میں کوثر بی بی نہیں کہیں گے؟

• پھر؟

• صرف کوثر کہیں؟

• ایک عرض کروں، معاف کر دیں گی؟

• کہیئے؟

• آپ نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ کو کوثر بی بی کہا کروں؟

• ایک عرض میں بھی کر دوں سرفراز صاحب؟

• جی۔ جی فرمایئے؟

• خدا کے لئے آپ مجھے پچھلی باتوں پر شرمندہ نہ کریں؟

• ایک شرط پر کوثر بی بی؟

• پھر وہی؟

• ہاں۔ اس لئے کہ ابھی تک ہمارے درمیان معاملات طے نہیں پائے؟

• اچھا، فرمایئے؟

• ہم ان باتوں پر گفتگو کریں گے، جو آپ کے یا اجازت دیں تو میرے لئے اہانت آمیز تھیں، اور جن پر آپ نے مجھ پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا، آپ اس سلسلہ میں اپنے سچے جذبات سے مجھے آگاہ کریں گی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان نیا معاہدہ ہو گا؟

کوثر مسکرانے لگی، پھر بولی۔

• میرے لئے بڑا مشکل کام ہے سرفراز صاحب؟

• کیوں —؟

• بس مجھے شرمندگی ہو گی؟

• لیکن میری دلی خواہش ہے؟ میں نے کہا

• میں بھی ضروری سمجھتی ہوں؟

• جی —؟ میں حیرت سے بولا۔

• ہاں، اس کے بعد آپ مجھے ضرور معاف کر دیں گے؟

• شرمندہ نہ کریں کوثر بی بی؟

• دیکھئے، اب معاملات طے ہوتے جا رہے ہیں، اس لئے جارحانہ رویہ نہ رکھیئے، آیئے اس طرف چلیں، نہ جانے ان سارے لوگوں نے اپنے ساتھ لڑکیاں کیوں لے لی ہیں، بعض اوقات فضول باتوں سے کان کھا جاتی ہیں! کوثر نے ایک سنسان حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

میرے ذہن میں عجیب سے خیالات تھے، کوثر کے بارے میں دل کے پوشیدہ گوشوں کو ٹٹول چکا تھا، اچھی لڑکی تھی، دلچسپ تھی، بیحد جذباتی تھی، لیکن میں اس کا احترام تو کر سکتا تھا، اس سے محبت نہیں۔

ہم اس خاموش گوشے میں پہنچ گئے، اور کوثر ریلنگ سے ٹک گئی

• بسم اللہ —! میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• آپ کریں! کوثر بھی مسکرانے لگی۔

• اوہ۔ آپ ناراض تو نہ ہوں گی۔؟

• جی نہیں! کوثر نے شرما کر نگاہیں نیچی کر لیں۔

• ایک اور شرط ہے؟

• وہ بھی فرما دیں؟

• ہر سوال کا جواب ضرور ملے گا؟

• میں کوشش کروں گی؟

• شکریہ، تو کوثر صاحبہ! پہلا سوال — آپ نے جس وقت پہلی بار مجھے بحیثیت ڈرائیور دیکھا تو آپ کے ذہن میں کیا تاثرات تھے؟

• سرفراز صاحب! کوثر نے احتجاج کیا۔

• معاہدے کے تحت! میں نے اسے یاد دلایا اور کوثر مجھے شرمگیں نگاہوں سے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

• لیکن اس کے ساتھ میرے ذہن میں بھی کچھ سوال ابھر رہے ہیں؟

• ”میں ان کے جواب دوں گا۔“

• ”وعدہ —؟“

• ”ہاں —!“

• ”ہوں۔“ کوثر نے ایک گہری سانس لی، پھر وہ ایک دم مسکرا پڑی۔
• ”وعدہ کریں آپ میری بات کا بُرا نہیں مانیں گے، میں جھوٹ بولنا نہیں چاہتی ہوں۔“

• ”آج تک نہیں مانا مس کوثر، آپ یہ خیال ذہن سے نکال دیں۔“

• ”تو میں نے سوچا، یہ شخص کیا مجھے بیوقوف بنانا چاہتا ہے۔“

• ”اوہ۔ کیوں —؟“

• ”آپ شکل وصورت سے ڈرائیور نہیں معلوم ہوتے تھے۔“

• ”اچھا — پھر —؟“

• ”جب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ڈرائیور ہی ہیں تو میں نے آپ کے بارے میں سوچا کہ آپ کیسے ہیں۔ ممکن ہے آپ بچپن سے کام چور ہوں اور سکول سے بھاگتے رہے ہوں اور تعلیم نہ حاصل کر سکے ہوں، مجھے آپ پر اور غصہ آیا، آپ نے تعلیم کیوں نہیں حاصل کی۔ اتنی اچھی شکل وصورت کو مسخ کیوں کر دیا، تب میں نے سزا کے طور پر آپ کو وردی پہنائی۔ میں جب بھی آپ کی شکل دیکھتی، مجھے غصہ آجاتا۔ میں آپ کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ آپ نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔“

• ”اچھا — پھر —؟“

• ”اس روز میں نے انسانیت سے گری ہوئی حرکت کی تھی جس پر سخت شرمندہ ہوں۔“

• ”کس روز —؟“

• ”پکنک پر، میں نے آپ کو — آپ کو — کھانے کے سلسلہ میں۔“

• ”چھوڑیئے، اسے جانے دیں۔“

• ”نہیں، پہلے اسے آپ معاف کر دیں۔“

• ”شرط دی ہے۔“ میں مسکرایا۔

• ”میں نے سوچا، آپ اس قدر احمقیت کیوں برتے ہیں، ڈرائیور ہیں، اتنے مہذب بننے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔ میں — میں چاہتی تھی کہ آپ وہی بن جائیں جو نظر آتے تھے۔ لیکن بہرحال میں نے ہی رات — اس رات مجھے بہت دکھ ہوا تھا، میں کھانا بھی نہیں کھا سکی تھی۔“

• ”اچھا۔ پھر — اس کے بعد؟“

• ”اللہ سرفراز صاحب، اب جانے بھی دیں۔“ کوثر نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

• ”آپ کی مرضی کوثر بی بی۔“

• ”نہیں سرفراز صاحب نہیں، صرف کوثر۔“

• ”میں یہ جرأت نہیں کر سکتا کوثر صاحبہ۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

• ”آپ نے ایک وعدہ کیا تھا؟“

• ”ہاں۔“

• ”تو اسے پورا کریں۔“

• ”میرا خیال ہے آپ کو بھی میرے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔“

• ”مجھے وہ بتائیں جو کسی کو نہیں معلوم۔“

• ”مثلاً؟“ میں نے پوچھا۔

• ”بس حقیقت۔“ کوثر نے مسکراتے ہوئے کہا، اور میری نگاہیں اس کی مسکراہٹ پر جم گئیں۔ یہ مسکراہٹ، ہونٹوں کی یہ لرزش، آنکھوں کی نمی۔ یہ میرے لئے اجنبی نہ تھی — نہیں کوثر، وہ تم بھی نہیں ہو کوثر۔ وہ بھی نہیں ہو جو میری منزل بنے گی، شاید وہ کوئی بھی نہیں ہے، اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور زلیخا کی مسکراہٹ، اس کا شکوہ۔ پھر نورجہاں، دعا کے لئے اٹھے ہوئے دو ہاتھ، سفید دوپٹے میں لپٹا ہوا تقدس۔ اور میریسا کی پُرہوس مسکراہٹ، یہ ساری مسکراہٹیں یکجا ہو گئیں اور کوثر کی مسکراہٹ اس میں مدغم ہو گئی۔

• ”سرفراز صاحب!“ کوثر کی آواز میرے کانوں میں اُبھری۔

• ”ہوں؟“ میں چونک پڑا۔

• ”ارے، کیا ہو گیا آپ کو؟“

• ”کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی نہیں کوثر بی بی۔“

• ”کیا —؟“ کوثر نے آنکھیں نکالیں۔ ”یہ وعدہ خلافی۔“

• ”وعدے —؟“

• ”کمال ہے، کیا ہو گیا اچانک آپ کو، کہاں کھو گئے؟“

• ”کہیں نہیں کوثر بی بی۔ آپ میری حقیقت خود جانتی ہیں، مجھ سے کیوں معلوم کرتی ہیں، میں آپ کا ملازم ہوں — آپ کا، اور کچھ نہیں۔“

• ”اب مجھے غصہ نہیں آئے گا جناب! آپ کیسی کوشش کر لیں۔“

• ”خدا کے لئے کوثر بی بی۔“

• ”آپ کی مرضی، چلئے میں آپ سے آپ کے بارے میں نہیں پوچھوں گی، آپ یہ اداکاری تو چھوڑ دیں۔“

• ”میں — مجھے صرف اپنا غلام رہنے دیں، مجھ سے اسی انداز میں گفتگو کریں، خدا کے لئے — خدا کے لئے۔“

• ”اگر آپ سنجیدہ ہیں سرفراز صاحب، تو اطمینان رکھیں۔ آپ کا راز راز ہی رہے گا۔ میں آپ سے آپ کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گی، وعدہ کرتی ہوں۔“

• ”مس کوثر — کوثر صاحبہ! میری درخواست ہے، مجھ سے اجتناب کریں، مجھ سے نفرت کرتی رہیں۔“

• ”نفرت یا محبت کے جذبے انسان کے اپنے بس میں تو نہیں ہوتے۔“ کوثر آہستہ سے بولی۔

• ”میں خواب نہیں دیکھ سکتا کوثر، میرے اندر ہمت نہیں ہے۔“

• ”خواب جدوجہد کی راہ دکھاتے ہیں، عمل زندگی کے لئے ضروری ہے۔“ کوثر نے کہا۔

• ”نہیں کوثر بی بی، میری راہیں بے حد دشوار گذار ہیں، میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ میں آپ کی مہربانیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔“

• ”سرفراز صاحب! میں آپ پر اپنا التفات مسلط نہیں کر رہی، میں — میں صرف اپنے رویے پر شرمسار تھی۔“

• ”اگر یہ بات ہے کوثر صاحبہ تو آپ مجھے ہمیشہ اپنا مخلص دوست پائیں گی۔“ میں نے کہا۔

• ”شکریہ —“ کوثر نے خشک لہجے میں کہا۔ اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی، میں دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

احمق لڑکی، دیوانگی کی باتیں نہ کر، اپنی شخصیت کو کیوں مجروح کر رہی ہے، اپنے ماضی کو کیوں زخمی کر رہی ہے، جو تھی وہی ٹھیک تھی — وہی رہ۔ اور پھر میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کوثر کی اس دیوانگی کے بارے میں سوچا۔ ایک بار کہکشاں کو بھی میں نے دلاسہ دیا تھا اسے بھی خلوص ومحبت کا سبق دیا تھا، کوثر کو بھی اسی کی ضرورت تھی۔ مگر اب تو کوثر کا مسئلہ تھا۔

میں اس سے کیا کہوں، دیوانی لڑکی فضول حماقتوں میں پڑی ہے، نہیں نہیں، کسی سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کوثر تو نواب فیروز الدین کی لڑکی ہے۔ میرے مالک، میرے محسن۔ اسے اس راستے سے ہٹانا بہت ضروری ہے۔

لیکن کس طرح؟

اور اس موضوع پر میں نے بہت سوچا۔ اور بالآخر ایک ترکیب سمجھ میں آگئی۔ دل گوارہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ چارۂ کار بھی نہیں تھا اور اسی رات میں نے ایک خوبصورت سوٹ پہنا۔ سینٹ لگایا۔ بال سنوارے۔ اور اچھی طرح تیار ہو گیا۔ باہر نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا اور اس طرف چل پڑا جدھر میریسا کا کیبن تھا۔

• ”مسٹر ڈکسن۔“ میں نے کیبن پر آواز لگائی، جانتا تھا کہ مسٹر ڈکسن اس کیبن میں نہیں ہوں گے، لیکن مقصد ہی کچھ اور تھا۔

میریسا نے میری آواز سنی اور جلدی سے دروازے پر آگئی۔ اس نے دروازہ کھولا، مجھے دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

• ”کرنل یہاں ہیں میریسا؟“ میں نے پوچھا۔

میریسا نے کھوئے کھوئے انداز میں گردن ہلا دی۔

• ”اوہ۔ کہاں گئے کرنل ڈکسن؟“ میں نے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔

تب میریسا نے مجھے آواز دی:

• ”مسٹر سرفراز —!“

• ”جی مس میریسا؟“

• ”میرے ساتھ ایک کپ چائے نہ پئیں گے؟“

• ”باہر کی فضا بہت خوشگوار ہے مس میریسا۔ یہاں کیبن میں چائے پلائیں گی؟“

• ”اوہ۔ ریستوران میں؟“ میریسا جلدی سے بولی۔

• ”ہاں۔ وہاں ٹھیک ہے۔“

• ”آپ — آپ ٹھیک ہیں نا؟“

• ”خراب نظر آرہا ہوں آپ کو؟“

• ”نہیں، میرا مطلب ہے ...“

• ”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

• ”آپ پر دورہ تو نہیں پڑے گا؟“

• ”ایک شرط پر۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

• ”بتایئے؟“

• ”آپ اپنا خوبصورت ترین لباس پہنیں گی، خوبصورت میک اپ کریں گی اور میرے ساتھ رقص کریں گی۔“

• ”آپ — آپ مذاق تو نہیں کر رہے مسٹر سرفراز؟“

• ”ہرگز نہیں۔“

• ”میں — میں ابھی تیار ہوتی ہوں۔“ میریسا خوشی سے دیوانی ہو گئی۔

• ”تب میں بال روم میں آپ کا منتظر ہوں۔“

• ”بس چند منٹ۔“ میریسا بدحواسی سے اندر دوڑ گئی اور میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یہی مناسب تھا، یہی ضروری تھا۔ کوثر کی حفاظت میرا فرض تھا، اور حفاظت کرنے کا جو طریقہ میری سمجھ میں آیا تھا۔ وہ یہی تھا۔ میں مست انداز میں چلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جہاز کی ریلنگ سے ٹکے ہوئے بہت سے لوگ مختلف تفریحات میں مشغول تھے، نہ جانے کیوں انہوں نے خاص نظروں سے دیکھا۔

اور درمیانے بدن کی ایک خوبصورت عورت کو میں نے اپنے پیچھے آتے ہوئے محسوس کیا، میں ریستوران میں داخل ہو گیا۔ مدھم موسیقی حسین فضا تھی۔ تب مجھے پشت سے آواز سنائی دی۔

• ”مسٹر — مسٹر — پلیز —“ اسی عورت کی آواز تھی، میں رک گیا، پلٹ کر دیکھا، پہلے بھی جہاز پر دیکھا تھا، مشرقی ہی تھی۔ ”سوری، آپ کو

ڈسٹرب کیا؟

• نہیں ۔ فرمائیے؟ میں نے لگاوٹ سے مسکراتے ہوئے کہا ۔

لبادہ اوڑھا تھا تو چہرہ کیوں کھلا رہنے دوں ۔

• مسٹر جناتھن پچھلے دو روز سے بیمار ہیں ۔ یوں بھی وہ تنہائی کے عادی ہیں، جب سے سفر شروع کیا ہے، دو چار بار ہی کیبن سے نکلے ہوں گے، وہ بھی مجبوری کی حالت میں، ورنہ کیبن، کتاب اور وہ ۔ میں ان کے برعکس ہوں ۔ عورت نے بے تکلفی سے کہا ۔

• مسٹر جناتھن، آپ کے ؟

• شوہر ہیں ۔

• میرا نام سرفراز ہے ۔

• تھیلما جناتھن، عیسائی ہوں ۔

• خوشی ہوئی آپ سے مل کر ۔

• میں ابھی کچھ نہ کہوں گی ۔ وہ دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے بولی ۔

• کوئی حرج نہیں ہے ۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور ہم ایک میز کے گرد بیٹھ گئے ۔ تھیلما مجھ سے گفتگو کرنے لگی ۔ زندگی سے بھرپور عورت تھی، جاندار چہرہ تھا، اسے حسین کہا جا سکتا تھا ۔ انتہائی متناسب الاعضاء تھی، ہم نے کافی کا آرڈر دیا، میری نگاہیں بار بار دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں ۔

• کسی کا انتظار ہے آپ کو ؟

• ہاں ۔

• کس کا ؟

• اوہ ۔۔۔ وہ میری ساتھی، میری دوست میریسا ۔

• ساتھی، دوست یا اور کچھ بھی ؟ تھیلما نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

• ساتھی ۔۔۔ دوست ۔ میں نے جواب دیا ۔

• ہاں غلطی میری ہے، ان دو لفظوں میں تو سب کچھ چھپا ہوتا ہے لیکن مسٹر سرفراز، آپ کی دوست مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر محسوس تو نہیں کرے گی ؟

• میرا خیال ہے نہیں ۔

• گویا میں بیٹھی رہ سکتی ہوں ؟

• ہاں، ہاں، کیوں نہیں ۔

اور تھیلما مسکرانے لگی، تھوڑی دیر کے بعد میریسا آگئی، اور بلاشبہ میں اسے دیکھتا رہ گیا، میریسا یوں بھی کافی خوبصورت تھی، لیکن اس وقت تو اس نے قیامت ڈھائی تھی، آسمانی رنگ کے ٹخنوں تک کے جاپانی اسٹائل کے لباس نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا تھا، اس کے جسمانی نقوش بے حد دلکش تھے، میں نے پہلے ایک بار بھی ان پر غور نہیں کیا تھا ۔

میریسا تھیلما کو میرے ساتھ دیکھ کر ٹھٹھکی ۔

• ہیلو میری! آؤ، تھیلما سے ملو ۔ میں نے کہا اور میریسا مسکرا ...

• اوہ ۔ سویٹ میریسا : ابھی مسٹر سرفراز تمہاری تعریفیں کر رہے ... تھیلما بے تکلفی سے بولی ۔

• واقعی ؟ میریسا نے بیٹھتے ہوئے کہا ۔

• ہاں، تمہیں دیکھنے سے پہلے میں ان کی بات پر یقین نہیں کر ... تھی، لیکن دیکھنے کے بعد ۔۔۔

• یقین آگیا ؟ میریسا مسکراتے ہوئے بولی ۔

• ہاں ۔ تھیلما نے جواب دیا ۔

• شکریہ! لیکن مسٹر سرفراز سے آپ کی شناسائی ؟

• شک نہ کرو ڈیئر، ہم صرف چند لمحات قبل کے ساتھی ہیں ... تھیلما جلدی سے بولی ۔

• اوہ نہیں ۔۔۔ شک کی بات نہیں ہے ۔ میریسا نے کہا اور ... وہ تھیلما سے گھل مل کر باتیں کرنے لگی ۔ پھر رقص کے لئے موسیقی شروع ... گئی اور میں نے میریسا سے درخواست کی ۔

تھیلما نے خوشی سے ہم دونوں کو اجازت دے دی تھی ... ہم چوبی فرش پر ہچکولے لینے لگے ۔

• سرفراز ۔ میریسا میرے سینے سے لپٹنے کی کوشش کرنے لگی

• ہوں ۔

• تمہارے اندر یہ خوشگوار تبدیلی کیسے پیدا ہو گئی ؟

• بس ہو گئی ۔

• کیا تم میری خوشیوں کا اندازہ کر سکتے ہو ؟

• نہیں ۔ میں نے جواب دیا ۔

• بڑے شریر ہو ۔ میریسا ہنس کر بولی ۔

• شاید ۔

• ایک بات کہوں ؟

• کہو ۔۔۔ !

• یہ تھیلما، بوڑھے شوہر کی جوان بیوی ہے ۔

• پھر ۔۔۔ ؟

• مجھے اس کی آنکھیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں ۔

• بھینگی ہے کیا ؟

• اوہ ۔ نہیں ڈیئر ۔ شرارت نہ کرو ۔ میریسا ہنس پڑی ۔

• کیا کہنا چاہتی ہو بھئی ؟

• وہ تمہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، جیسے تمہیں پسند ... کرتی ہو ۔

• میں نے غور نہیں کیا ۔

• غور کرنا بھی نہیں ۔

• کیوں ؟

• بس میں کہہ رہی ہوں، اس لئے ۔

• میریسا ۔ میں نے کھردرے لہجے میں کہا ۔ اور میریسا چونک کر مجھے دیکھنے لگی ۔

• ناراض ہو گئے ڈارلنگ ۔

• براہ کرم، میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کی کوشش مت کرو ۔

• سوری سرفراز ۔ تمہیں آئندہ شکایت نہ ہو گی ۔ میریسا جلدی سے ... بولی اور میں خاموشی سے رقص کرتا رہا ۔ میرے دل میں بار بار ایک ہی ... خواہش جنم لے رہی تھی، اور میری نگاہیں ہر بار دروازے کی طرف اٹھ ... جاتیں، لیکن آرزو پوری نہیں ہوئی اور رقص کا راؤنڈ ختم ہو گیا ۔

دوسرے راؤنڈ میں تھیلما میری پارٹنر تھی ۔ وہ بڑے والہانہ انداز ... میں مجھ سے لپٹ کر رقص کر رہی تھی ۔ اس کی گرم گرم سانسیں میرے چہرے ... سے ٹکرا رہی تھیں ۔

• سرفراز ۔ وہ مخمور سے انداز میں بولی ۔

• ہوں ۔

• وہ لڑکی، تمہاری کون ہے ؟

• میریسا ؟

• ہاں ۔

• ساتھی ۔

• منگیتر ہے ؟

• نہیں ۔

• تم اس سے پیار کرتے ہو ؟

• نہیں ۔ میں نے سکون سے جواب دیا ۔

• نہیں ؟ تھیلما اچھل پڑی ۔

• بالکل نہیں ۔

• جھوٹ بول رہے ہو ڈارلنگ ۔

• کیوں ؟

• تم اس کا شدت سے انتظار کر رہے تھے ۔

• تو پھر ۔۔۔ ؟

• میرا مطلب ہے، تم دونوں ایک دوسرے سے ۔۔۔ ایک ... سے ۔۔۔ لیکن کیا وہ اسی جہاز پر تمہاری دوست بنی تھی ؟

• نہیں، وہ میرے ساتھ ہی سفر کر رہی ہے ۔

• اوہ ۔ تم شاید بتانا نہیں چاہتے ۔

• یہی سمجھ لیں مسز جناتھن ۔ میں نے بیزاری سے جواب دیا ۔

• اوہ ۔ آپ نے مسز جناتھن کہہ کر شاید میری حیثیت کا احساس دلایا ہے ۔ تھیلما نے شکایتی انداز میں کہا ۔

• کونسی حیثیت مسز جناتھن ؟

• یہی کہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں ۔

• میں تو خود کسی کے قابل نہیں ہوں تھیلما ۔ میں نے آہستہ سے کہا ۔

• تم جس قابل ہو مجھ سے پوچھو، تمہارا چند لمحات کا قرب، تمہارا چند لمحات کا ساتھ میرے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے، میں ہی جانتی ہوں ۔

• مادام تھیلما، میں آپ کی عزت کرتا ہوں ۔

• اور میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں سرفراز ۔

• مسٹر جناتھن کی جسامت کیا ہے، ہاتھ پاؤں کے اور مزاج کے کیسے ہیں ؟

• مجال ہے کسی کی، تمہیں ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ جائے ۔ تھیلما نے جلدی سے کہا ۔

• عورت کی بات کا کیا بھروسہ ؟ میں نے شرارت سے کہا، مجھے مسز جناتھن کی اتنی جلدی ہو جانے والی محبت پر ہنسی آ رہی تھی ۔

• میرے اوپر بھروسہ کرو ڈارلنگ ۔

• پہلے مسٹر جناتھن سے میری ملاقات کرا دو، اس کے بعد فیصلہ کروں گا ۔ میں نے جلدی سے کہا ۔

• ڈرپوک ہو ۔۔۔ ؟

• ہاں ۔

• ماں بھی لو میری جان، اس بڈھے کو کتابوں سے ہی فرصت نہیں، وہ بے حس انسان ہے، یقین کرو، اگر تم اس کے سامنے بھی میرے بستر میں سو جاؤ تو وہ کتاب پر نظریں اٹھا کر تمہیں دیکھے گا ۔ مجھے دیکھے گا، پھر ناک پر عینک درست کرے گا اور کتاب کا ورق الٹ کر اس میں گم ہو جائے گا ۔

• کمال ہے ۔ میں نے حیرت سے کہا، اور اسی وقت راؤنڈ ختم ہو گیا ۔

• اوہ ۔ ڈونٹ کمیں کے ۔ تھیلما نے دانت پیسے ۔

• کیوں ؟

• ابھی تم سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا ۔

• پھر سہی تھیلما ۔

• چوتھا راؤنڈ میرے ساتھ ناچو گے ؟

• نہیں ۔

اور تیسرا؟

وہ بھی نہیں۔

تب کوئی بات نہیں ہے۔ تھیلما نے مسکراتے ہوئے کہا، اور ہم اپنی میز پر واپس آ گئے۔ میر لیسا نے یہ راؤنڈ کسی کے ساتھ نہیں ناچا تھا، حالانکہ دوسروں نے اس سے درخواست بھی کی تھی۔

مجھے اجازت؟ میں نے کہا۔

ارے کہاں؟ دونوں عورتیں چونک کر بولیں۔

تھک گیا ہوں۔

اتنی جلدی؟ میر لیسا بولی۔

ہاں۔

آؤ۔ پھر کھلی ہوا میں چل کر کھڑے ہوں۔ میر لیسا جلدی سے بولی۔ اور پھر اس نے گھنٹی بجا کر ویٹر کو طلب کیا اور اپنے پرس سے بل ادا کر کے اٹھ گئی۔ لیکن اب مجھے بوریت ہو رہی تھی، میرا مقصد پورا نہیں ہوا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ کوثر ہمیں دیکھ لے، میری طرف سے اس کے دل میں پھر نفرت پیدا ہو جائے۔ وہ مجھ سے متاثر نہ ہو، اسی لئے میں نے یہ کھیل کھیلا تھا، ورنہ تھیلما اور میر لیسا میرے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی تھیں۔ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔

میں باہر نکل آیا، لیکن اچانک میں خوش ہو گیا۔ دور سے میں نے کوثر کی جھلک دیکھ لی تھی، میں اس کی طرف سے انجان بن گیا۔ اور پھر میں نے میر لیسا کے بازو میں بازو ڈال دیا، تھیلما سے بالکل چپک کر میں عرشے کی طرف چل پڑا۔ رفتار بہت سست تھی، شدید خواہش تھی کہ کوثر ہمیں دیکھ لے۔

اچانک ہی میرا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ میں بات بات پر ہنسنے لگا۔ دونوں خواتین جو چند ساعت قبل میری بددلی محسوس کرنے لگی تھیں، پھر خوش ہو گئیں۔ تب میں نے نہایت احتیاط سے اس سمت دیکھا جہاں کوثر کی جھلک نظر آئی تھی اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

کوثر اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی، یہ حیرت ہے، میں نے سوچا۔ اور اس کے بعد نفرت شروع ہو گئی۔ ہاں کوثر تم جو کچھ بھی ہو، مغرور، نکچڑھی، بددماغ۔ لیکن ایک ایسے شخص کی بیٹی ہو جو بے حد نیک نفس انسان ہے، اور میں تمہیں کوئی شکست نہیں دینا چاہتا۔

کافی دیر تک میں دونوں عورتوں کے ساتھ رہا، میر لیسا بہت خوش تھی، تھیلما بھی اظہارِ عشق کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دے رہی تھی، پھر واپسی ہوئی۔ تھیلما نے مجھ سے دوسرے دن ملاقات کا وعدہ لیا۔ کوثر کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ میر لیسا نے اپنے کیبن کے نزدیک پہنچ کر مجھے اندر آنے کی دعوت دی۔

نہیں میر لیسا، پھر سہی، لباس تبدیل کروں گا، آرام کروں گا۔

تھکن محسوس کر رہے ہو؟

یونہی سمجھ لو۔

میرے ہی کیبن میں آرام کر لو سرفراز۔

شکریہ۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نے خشک لہجے میں کہا، اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

ارے ارے سرفراز۔ سنو تو سہی۔ میر لیسا نے کہا اور میں رک گیا۔

تم نے میری بات کا غلط مطلب نکالا ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے مس میر لیسا، اب آپ بھی آرام کریں! میں نے کہا اور تیزی سے پلٹ پڑا۔ پھر میں اپنے کیبن میں آ گیا۔

ذہن میں کوئی خاص تاثر نہیں تھا، بس ایک کام کرنا تھا۔ کرد یا ہاں فرزانہ کی کہانی رہ رہ کر ذہن میں آ جاتی تھی، اور میں اس کے بارے میں غور کرنے لگتا تھا۔ میری اور اس کی کہانی کا ایک حصہ کافی ملتا جلتا تھا لیکن اس کے بعد —— اس کے بعد میرے ساتھ وہ کیفیت نہیں تھی جو فرزانہ کے ساتھ۔ مجھے تو اس دنیا میں ایسے ہمدرد، ایسے محبت کرنے والے ملے تھے جنہوں نے میرے دل کو تھام لیا تھا۔ رشید الدین صاحب، بیگم رشید الدین، نواب فیروز الدین اور کہکشاں —— کہکشاں۔ اور ذہن میں پھر وہی تصویر ابھر آئی۔ سفید لباس، دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ، حوروں کا سا تقدس لئے ہوئے پاکیزہ چہرہ۔

نہ جانے کیوں یہ لڑکی میرے ذہن پر چھا گئی ہے، حالانکہ —— حالانکہ دل کی گہرائیوں میں اس کے لئے کوئی خاص جذبہ نہیں تھا۔

اور پھر میں نے ذہن کا رخ کوثر کی طرف موڑ دیا اور دوسرے انداز سے سوچنے لگا۔

ابھی رات کی ابتدا ہوئی تھی، اسی وقت سے کیبن میں گھسے رہنا عجیب تھا، کھانا وغیرہ بھی نہیں کھایا تھا۔ چنانچہ میں نے لباس تبدیل کیا اور بال وغیرہ درست کر کے باہر نکل آیا۔

لیکن دروازے پر قدم رکھتے ہی میں ٹھٹھک گیا۔

کوثر دروازے کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ اداس اداس سی۔ خاموش خاموش سی۔ مجھے دیکھ کر اس نے ایک جھرجھری لی اور سنبھل کر مسکرانے لگی۔

ارے کوثر صاحبہ آپ؟

ابو بلا رہے ہیں آپ کو، ابھی ابھی آئی ہوں۔ وہ کسی قدر گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

تو آپ نے دستک کیوں نہ دی؟

بس دینے ہی والی تھی۔ وہ بولی۔ آواز کی لرزش نمایاں تھی۔

اچھا آئیے۔ کیا کر رہے ہیں نواب صاحب؟

شطرنج پھیلائے بیٹھے ہیں۔ کوثر خواہ مخواہ ہنس دی اور مجھے سخت ی ہوئی، میرا تو خیال تھا کہ وہ آتش پا ہو چکی ہو گی۔ تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب کے کیبن میں داخل ہو گئے۔

ارے بھئی اتنی دیر —— پندرہ منٹ سے انتظار کر رہا ہوں۔ دیکھو کرنل ڈکسن نے میری کیا حالت بنا رکھی ہے۔ نواب صاحب نے بساط واف اشارہ کر کے کہا۔ کیبن میں بہت سے لوگ موجود تھے اور کرنل ڈکسن نواب صاحب کا کھیل دیکھ رہے تھے۔ کرنل نے نواب صاحب کو بری ع چانس رکھا تھا اور جوش میں اس نے یہ بات بھی قبول کر لی تھی کہ اب ب صاحب کسی کی مدد لے لیں، مات سے نہ بچ سکیں گے، تو نواب صاحب مجھے بلا بھیجا تھا۔

بتاؤ، اب کیا کروں؟ نواب صاحب بولے۔

کمال ہے نواب صاحب! یہ پیدل آگے بڑھا دیں، خطرہ ٹل ے گا۔ میں نے بساط دیکھ کر کہا اور خود نواب صاحب کا ایک پیدل ے بڑھا دیا۔ اور لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

◇

کمال ہے، واقعی کمال ہے۔ کرنل ڈکسن بڑبڑایا۔ یہ آدمی ہے یا جادوگر۔

ہاہاہا، چلو کرنل ڈکسن، اب چلو، دیکھی پیدل کی چال۔ نواب الدین بچوں کی طرح قہقہے لگانے لگے۔ کرنل ڈکسن کی پیشانی کی رگیں ی تھیں۔ پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولے:

صاحبزادے۔ تم نے نہ صرف نواب کے بچے کو خطرے سے نکال ہے بلکہ مجھے ایک اور مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔

شطرنج کا جادوگر۔ نواب صاحب نے پھر قہقہہ لگایا۔

میرا خیال ہے یہ بازی ختم کر دی جائے، عجیب صورت حال لے ہے۔ کرنل ڈکسن نے کہا

چلو۔ تم مصیبت میں پھنس گئے ہو تو میں مان لیتا ہوں، حالانکہ بازی شکست کی ایک قسم ہے، بہرحال چونکہ چال میری نہیں ہے اس لئے اسے جاری رکھنے پر اصرار نہیں کروں گا۔

اور کرنل ڈکسن نے بساط الٹ دی۔

تمام لوگ دلچسپ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے، خاص سے کرنل ڈکسن مجھ سے بہت متاثر ہوا تھا۔

بیٹھو سرفراز۔ یوں بھی تم مجھے ہمیشہ ایک پراسرار نوجوان لگے کیا ہو گئے؟

کچھ نہیں، شکریہ۔ میں بیٹھ گیا۔

کیا تم نے کسی بین الاقوامی مقابلے میں حصہ لیا ہے؟ کرنل ڈکسن نے پوچھا۔

اوہ نہیں۔ بس یونہی۔ میں نے انکساری سے کہا۔

اس مہم سے واپسی پر میں تمہاری طرف سے چیلنج کروں گا۔

میں نہ کھیل سکوں گا۔

ارے۔ کیوں؟

بس یہ میرا ذاتی شوق ہے، کسی قسم کی نمائش سے ہمیشہ گھبراتا ہوں۔

شہرت، دولت، عزت سب کچھ حاصل کر لو گے۔ کرنل بولا۔

اس کا خواہش مند ضرور ہوں، لیکن اس طرح نہیں۔

بھئی اس میں حرج کیا ہے؟

نہیں کرنل، تم اسے مجبور نہ کر سکو گے۔ بات صرف شطرنج کی ہوتی تو ٹھیک تھی، کون کون سے مقابلوں میں حصہ دلاؤ گے اسے۔ نشانہ بازی کا کوئی ماہر ہو تو اس سے مقابلہ کر لے، گھوڑے سواری پر کسی کو ناز ہو تو سرفراز کے سامنے آ جائے۔

کمال کا انسان ہے، واقعی بڑی متاثر کن شخصیت ہے۔

مجھے اجازت نواب صاحب۔ میں نے کہا۔

تعریفوں سے بھی گھبراتا ہے۔ نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسرے لوگ ہنسنے لگے۔ کوثر صاحبہ ایک طرف کھڑی محبت پاش نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں، اور مجھے یہ نگاہیں خوفزدہ کر دیتی تھیں۔ اس وقت کوئی بھی کوثر کے چہرے کی طرف دیکھ لیتا تو اس کی دلی کیفیات کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

میں کھڑا ہو گیا، اور نواب صاحب بولے:

خطرہ ٹل رہا ہے ڈکسن، لگاؤ گے دوسری بازی؟

ہاں ہاں، تم سے تو ہر وقت کھیلنے کو تیار ہوں۔ کرنل ڈکسن نے کہا اور میں اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے کوثر کی آواز سنی تھی:

میں بھی جا رہی ہوں ابو۔ اور پھر وہ میرے عقب میں نکل آئی۔ اخلاقاً مجھے رکنا پڑا۔ کوثر میرے نزدیک آ گئی۔

آئیے کوثر۔ میں نے کہا، اور وہ میرے قدموں سے قدم ملا کر چلنے لگیں۔ کہیں جا تو نہیں رہی تھیں آپ؟

نہیں۔

نواب صاحب شطرنج میں پھنس گئے ہیں۔ نجانے کب تک بازی جمی رہے۔ جب تک میں جا کر بساط نہ چھین لاؤں۔ کوثر مسکراتی ہوئی بولی۔ اور میں ہنسنے لگا۔ ہم دونوں عرشے پر پہنچ گئے، اور پھر ریلنگ سے ٹک کر

سمندر کی لہروں کو دیکھنے لگے۔ جہاز میں اس سے دلچسپ مشغلہ کوئی نہیں ہوتا، ہاں صرف ان کے لیے جو تنہائی پسند ہوں، کئی منٹ اسی انداز میں گذر گئے، تب میں نے ہی کوثر کو مخاطب کیا۔

"کوثر صاحبہ!"

"جی!"

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"سوچ رہی ہوں اس وقت آپ کے ذہن پر گراں تو نہیں گذر رہی، نہ جانے آپ کس موڈ میں ہوں" کوثر نے جواب دیا۔

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے کوثر — کوثر صاحبہ" میں نے جلدی سے کہا۔

"کچھ باتیں کرو" کوثر نے کہا۔

"ضرور"

"آپ محسوس تو نہیں کریں گی؟"

"ہرگز نہیں"

"آپ مجھے فریب دینے کی کوشش میں خود کو فریب دینے لگے ہیں۔"

"جی" میں حیرت سے بولا۔

"ہاں سرفراز صاحب۔ براہ کرم مجھے فریب دینے کی کوشش میں خود کو نہ گرائیے، میری نگاہوں میں آپ کی مکمل شخصیت ہے۔ لیکن دوسرے آپ کو وہ نہیں سمجھ سکتے جو آپ ہیں"

"کوثر پلیز، ذرا صاف الفاظ" میں نے کہا، اور کوثر نے جلتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا، پھر سمندر کی لہروں پر نگاہیں جما کر بولی،

"میرا ایمان ہے سرفراز صاحب کہ آپ ایک نیک انسان ہیں"

"اوہ"

"میرلیسا، تقیلا جیسی سینکڑوں لڑکیاں بھی مل کر آپ کو غلط راستے پر نہیں ڈال سکتیں۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں سرفراز صاحب، آپ کی جوانی آپ کی دسترس میں ہے۔ کہکشاں اور دوسری لڑکیاں آپ کے اس قدر قریب آسکتی تھیں جتنا آپ چاہتے، لیکن آپ نے ان کی حدود مقرر کر دیں۔ میرلیسا اور دوسری لڑکیوں کا تو کہنا ہی کیا۔ لیکن اب آپ مجھے معاف کر دیں، اب آپ صرف مجھے غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ان عورتوں کی قربت حاصل کر رہے ہیں۔ جھوٹ نہ بولئے سرفراز صاحب۔ کیا آپ کا دل ان کے ساتھ رقص کرنے کو چاہتا ہے، میں ایک بار پھر درخواست کروں گی للہ جھوٹ نہ بولئے گا۔

اور میری زبان لڑکھڑا گئی، میرا حوصلہ لڑکھڑا گیا۔ میں خاموش کھڑا کوثر کی شکل دیکھتا رہا، اور کوثر کی نگاہوں میں فاتحانہ چمک ابھر آئی۔ اس

"میں دعوے کرنے کی عادی نہیں ہوں سرفراز صاحب، بڑے بھروسے سے یہ بات کہی ہے، آپ اس قسم کے آدمی نہیں ہیں کو ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ لئے کیا جا رہا ہے تاکہ میں آپ کو غلط خیال کرنے لگوں۔ بہت دلنواز رکھ رہی ہوں آپ کو سرفراز صاحب، لڑکی ضرور ہوں، لیکن اتنی نہیں، کیا آپ مان لیں گے کہ آپ نے اوپری دل سے ان دونوں کو کیا ہے" کوثر ۔میں ۔میں" واقعی میں خود کو ہلکان محسوس کرنے لگا

"نہیں سرفراز صاحب نہیں، آپ کندن ہیں۔ گرد کی کتنی اپنے اوپر چڑھالیں، چمکتے رہیں گے، اگر یہ گرد میری وجہ سے چڑھائی ہے تو میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں، بتائیے آپ میرے ذہن میں خیال ڈالنا چاہتے ہیں؟"

"ہوں" میں نے ایک گہری سانس لی" مس کوثر"

"جی — میں سن رہی ہوں"

"برداشت کر سکیں گی؟"

"ہاں" کوثر نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"مس کوثر آئیے آپ کو ایک نئی کہانی سناؤں، ایک شخص ایسے افراد میں گھرا ہوا، جو دولت سے کھیلتے تھے، جو دولت کو بہت اہمیت دیتے تھے، وہ بھی ان میں سے ایک تھا، دولت کی ریل پیل، نوکروں کی فوج، اعلیٰ زندگی۔ یہ سب کچھ اسے برا نہیں لگتا تھا۔ بڑے لگتے تھے جو دولت کو خدا سمجھتے تھے، ان لوگوں سے اس کی کچھ بنی۔ تب ان سب نے مل کر اس کے خلاف سازش کی۔ وہ اس کے حصے ہضم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ بھی ان کے ساتھ مصنوعی باتوں میں شریک ہو جائے، انہیں کے انداز سے سوچا دے، اس نے ان کی سوچ پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، لیکن وہ اپنے بھی کوئی تسلط نہیں چاہتا تھا، اس نے تو اپنی دنیا ہی الگ کر لی تھی مصنوعیت سے دور کی زندگی اسے پسند تھی۔

لیکن سازش کرنے والوں کو اس کی یہ ادا پسند نہ آئی ہے۔ پھر اس کی بدقسمتی نے ایک اور کھیل شروع کیا، اسی خاندان کی حسین ترین لڑکی، اسی ماحول کی پروردہ، جس کے بہت سے طالب کے بہت سے شیدائی تھے، نہ جانے کیوں اس کو چاہنے لگی۔

وہ جو اس کا طلبگار تھا، وہ جو صاحب اختیار تھا، وہ جو کر سکتا تھا، تلملا اٹھا۔ اس لاابالی شخص کو اس نکمے انسان نے ایک دی تھی۔ چنانچہ اس شکست کو اس کا ذہن قبول نہ کر سکا۔ جال تے بچھا سازش کی بھولی لڑکی نادانستہ اس کی شریک بن گئی۔

بات اس تک پہنچی جو ان سب پر کنٹرول رکھتا تھا، جس کے اشاروں پر زندگیاں بنتی بگڑتی تھیں۔ اس نے اپنی حیثیت، اپنا اثر استعمال کیا۔ سازش کرنے والے جانتے تھے کہ نوجوان اپنی فطرت کے خلاف پسند نہ کرے گا اور یہی ان کی سازش تھی۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اسے اس معصوم لڑکی کا دل ٹوٹنے کا افسوس تھا، لیکن وہ خود پر کوئی پابندی قبول نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ اس پر عتاب نازل ہوا، اسے حکم دیا گیا کہ اس لڑکی سے شادی کر لی جائے ورنہ سب کچھ چھوڑ دیا جائے، اور جب شخصیت ٹوٹ جاتی ہے زندگی غلاظت کے ڈھیر کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی۔ اس پر کتنے ہی خوبصورت غلاف چڑھا دو، اس سے تعفن اٹھتا رہے گا۔ ہاں کچھ لوگ اس تعفن کے عادی ہو جاتے ہیں، کچھ اسے برداشت نہیں کر پاتے اور جو برداشت نہیں پاتے وہ مطعون ہوتے ہیں، لیکن ان کے ذہن کی نفاست برقرار رہتی ہے، اس شخص نے بھی اپنی شخصیت پر پڑنے والی ضرب قبول نہ کی اور سب کو چھوڑ دیا مس کوثر — پھر وہ اس دنیا سے نکل آیا، جو اس کی طبیعت سے میل نہیں کھاتی تھی، لیکن اس کے سینے میں ایک عزم تھا، وہ اپنی شخصیت کو آزمانا چاہتا تھا، اور اس نے اپنا امتحان لینا شروع کر دیا مس کوثر، اس نے بہت سے امتحان پاس کر لیے ہیں، وہ جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، طرح طرح سے ذلیل و خوار ہوا، لیکن اس کے اندر کے انسان نے کہا کہ یہ امتحان ہے۔

وہ جس کے سامنے جوانیاں آئیں، وہ بہک سکتا تھا، لیکن اس نے آنکھیں بند کر لیں، اس نے خود کو کچل دیا اور اس کے اندر کے انسان نے کہا کہ یہ امتحان ہے۔

مس کوثر! میں دل کی ساری سرخی آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ مس کوثر میں نے اپنا سینہ کھول دیا ہے، نہ جانے کیوں آج دل چاہا — نہ جانے کیوں تمہارے لئے چاہا۔ کوثر میں سرفراز ہوں، ہاں میں وہی انسان ہوں۔ میں ایک اتنے دولت مند انسان کا بیٹا ہوں جو بہت سے نوابوں کی شخصیت سمیت خرید لے۔ مس کوثر میرے ایک اشارے پر سینکڑوں لوگ متحرک ہو جاتے تھے، لیکن میں نے اپنی آن کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا۔

کوثر، میں نے اپنی آخری پونجی، اپنا آخری راز بھی تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے میرے پاس۔ بس اب میں قلاش ہوں۔ میری ایک درخواست ہے کوثر! خدا کے لئے مجھے میرے ضمیر کے خلاف کچھ کہنے پر مجبور نہ کرنا، نواب صاحب میرے مشفق ہیں۔ اگر وہ صرف ایک نواب ہوتے، اگر وہ صرف ایک آقا ہوتے تو مجھے زیادہ فکر نہیں ہوتی۔ ان کی پیشانی کا ایک شکن جو میری وجہ سے پڑی ہو، میری قبر ہوگی۔ میں اس دن خودکشی کر لوں گا۔ بولو کوثر، تم مجھے چاہتی ہو، جواب دو — جواب دو تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟" میں نے کوثر کے دونوں شانے پکڑ کر اسے جھنجھوڑا

کوثر پتھر کے بت کی مانند ساکت تھی، اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں روشنی مفقود تھی۔ وہ بے جان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"تم مجھے چاہتی ہو کوثر۔ جواب دو" نہ جانے کیوں آواز رندھ گئی تھی۔ اور کوثر نے ماحول کی پرواہ کئے بغیر، حالات کا اندازہ کئے بنا میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر وہ آہستہ سے بولی:

"سرفراز، کیا۔ کیا چاہنا گناہ ہے؟"

"کیا تم اس تصور کو ذہن سے نکال نہیں سکتیں؟"

"نہیں" کوثر نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"کوثر!"

"دیوانے نہ بنو سرفراز۔ خبردار جو میں نے اب تمہیں ان میں سے کسی لڑکی کے ساتھ دیکھا۔ اچھا نہیں ہوگا۔ تم سے تو میں کچھ نہیں کہوں گی۔ ان لوگوں کو ذلیل کر دوں گی، ایسا ذلیل کہ یاد رکھیں گی"

"کوثر!"

"اور سنو" اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی" میں نے تمہاری بہت بے عزتی کی ہے، میں ایک مشرقی لڑکی ہوں سرفراز۔ تم اگر مجھے اس بے عزتی کی سزا دینا چاہو گے تو وہ اتنی سخت نہ ہوگی، جتنی سخت سزا میں خود کو دے رہی ہوں۔ سنو سرفراز میں مر جانا پسند کرتی لیکن اپنے پسندیدہ ترین شخص کے سامنے یہ کہنا پسند نہ کرتی کہ — کہ سرفراز میں تمہیں چاہتی ہوں، میں تم سے عشق کرتی ہوں سرفراز۔ میں تمہیں بے پناہ چاہتی ہوں، میں تمہارے اوپر اپنی حیات کا آخری لمحہ بھی قربان کر سکتی ہوں۔ ہاں سرفراز، تمہارے بعد میں کسی کو نہیں چاہوں گی، تم میری پہلی اور آخری چاہت ہو۔ لیکن اس چاہت میں کوئی طلب نہیں ہے، تم میرے آئیڈیل ہو سرفراز۔ تمہاری شخصیت پر مجھے مکمل اعتماد ہے، اور سنو، یہ اعتماد اس منزل میں ہے کہ میرے لئے اگر کبھی کسی راستے کی ضرورت پڑی تو تم میرے رہبر ہو گے میں آنکھیں بند کر کے اس راستے پر چل پڑوں گی کہ میرا رہبر میرا اعتماد ہے"

کوثر نے مجھے چھوڑا اور تیزی سے ایک طرف چل پڑی۔

اور اب میری باری تھی، میں ساکت و جامد کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کوثر نے مجھے شکست دی تھی، شکست فاش دی تھی۔ وہ میرا سب کچھ لے گئی تھی، اپنا سب کچھ دے گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ بہت بھاری رہی تھی۔ اس کا پلہ بھاری تھا، اور اب — اب میں اسے کوئی فریب نہیں دے سکتا تھا۔

ذہن عجیب سے احساسات کا شکار تھا۔ درحقیقت میں نے کوثر کو خود سے برگشتہ کرنے کے لئے میرلیسا اور تقیلا کو گھاس ڈالی تھی، ورنہ دونوں میں سے کوئی مجھے پسند نہیں تھا، بہرحال اب اس کی ضرورت

کافی دیر تک میں وہیں کھڑا رہا، پھر اپنے کیبن کی طرف چل پڑا کیبن کا دروازہ کھول کر میں اندر پہنچ گیا، کیبن میں ہلکی روشنی تھی، لیکن اس روشنی میں میں نے اپنے بستر پر کسی کو دیکھا اور چونک پڑا۔ میں نے اپنے کیبن میں نگاہ دوڑائی۔ خیالات میں غلطاں کسی اور کیبن میں تو نہیں آگیا۔ لیکن کیبن میں میرا سامان موجود تھا۔

یہ میرا ہی کیبن تھا۔

تب میں نے غور سے اپنے بستر پر لیٹی ہوئی عورت کو دیکھا، وہ تھیلما تھی۔

"تم" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"ڈارلنگ" تھیلما کی آواز مخمور تھی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں چور نہیں ہوں سرفراز، تم مجھ سے اس طرح سوالات کر رہے ہو، جیسے میں یہاں سے کچھ چرانے آئی ہوں" تھیلما نے مسکراتے ہوئے کہا

"مسز جناتھن۔ براہ کرم اٹھ جائیں"

"اے کیسی باتیں کر رہے ہو سرفراز۔ میں تو بڑی مشکل سے مسٹر جناتھن کو دھوکہ دیکر آئی ہوں"

"کس لئے مسز جناتھن؟"

"تھیلما کہو میری جان"

"آپ کس لئے آئی ہیں میڈم تھیلما؟"

"صرف تمہارے لئے، تمہاری کشش مجھے یہاں لے آئی ہے"

تھیلما اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اس کا لباس بھی قابل اعتراض تھا۔

"مسز جناتھن، آپ کا قصور نہیں ہے آپ کا معاشرہ ہی ایسا ہے آپ کے ہاں اس بے حیائی کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن معاف کیجئے میں مشرق کی نمائندگی کرتا ہوں، میں ایک مشرقی نوجوان ہوں۔ ہمارے ہاں جنس اتنی ارزاں نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کی عورت اتنی گری ہوئی نہیں ہوتی جتنی آپ۔ اور میں ایک مشرقی نوجوان۔ میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ اپنی ناپاک آرزوؤں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں"

"سرفراز تم میری انسلٹ کر رہے ہو"

"ابھی نہیں مسز جناتھن، لیکن ...."

"ہاں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے سرفراز" دروازے سے آواز آئی اور میں اچھل پڑا۔ یہ آواز کوثر کی تھی، اس کے پیچھے مسٹر جناتھن موجود تھے۔ میں ان دونوں کو حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"میڈم تھیلما ہماری ذمہ داری نہیں، مسٹر جناتھن کی ہے مسٹر جناتھن سنبھالئے انہیں"

"تم۔ تم" تھیلما غصے سے کھڑی ہوگئی۔

"ہاں۔ مسٹر جناتھن کو میں بلا کر لائی ہوں"

"تم کمینی۔ ذلیل۔ تم" تھیلما غصیلے انداز میں کوثر کی طرف [illegible] لیکن دوسرے لمحے میں نے عقب سے اس کی گردن پکڑ لی۔ میں نے اس کا رخ دروازے کی طرف کیا اور زور سے دھکا دے دیا۔

مسز جناتھن کے منہ سے چیخ نکل گئی، وہ گرنے لگی تھی لیکن جناتھن نے اسے بازوؤں پر روک لیا اور پھر وہ اس کی کمر تھپتھپاتا ہوا بولا:

"چلو ڈارلنگ، آؤ چلیں"

تھیلما نے خونی نگاہوں سے کوثر کو دیکھا اور پھر دانت پیستی ہوئی باہر نکل گئی، مسٹر جناتھن اس کے پیچھے نکل گئے، تب کوثر نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"آئی ایم سوری سرفراز، میں نے اتفاق سے تمہارے کیبن کے سامنے سے گذرتے ہوئے اندر کی آوازیں سن لی تھیں، اور اب تو مجھے [illegible] کا حق حاصل ہے، خدا حافظ۔ آرام سے سو جاؤ، میں تمہاری نگرانی کروں گی" کوثر نے اس مضحکہ خیز انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آگئی۔

"خدا حافظ" وہ بولی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

میں نے گہری سانس لی اور کیبن کا دروازہ مضبوطی سے بند کر کے بستر پر آگیا۔ عجیب پوزیشن ہوگئی تھی۔ بستر پر لیٹنے کے بعد ایک اور خیال ذہن میں آیا۔ تھیلما عورت ہے، ناقص العقل، اس نے جس انداز میں کوثر کو دیکھا تھا، اس میں بڑا زہر تھا۔ کہیں وہ کوثر کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے، اس کا امکان موجود تھا۔

بہرحال نگاہ رکھنا پڑے گی، آج رات تو جناتھن اسے سنبھالے گا۔ بہرحال خاصے دلچسپ واقعات سے گذرنا پڑ رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ جلد از جلد یہ سفر ختم ہو جائے، نہ جانے جہاز کب تک چلتا رہے گا۔

رات کے کسی حصے میں مجھے نیند آگئی۔

دوسرے دن حالات معمول پر تھے۔ لڑکیاں دھوپ میں آ کھڑی تھیں، کوثر اور میرلیسا کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ میں تیار ہو کر نکلا تب مجھے معلوم ہوا کہ جہاز بندرگاہ کے قریب پہنچ رہا ہے۔

گویا ہماری منزل آگئی تھی۔

میں بھی ایک طرف جا کھڑا ہوا، تب کوثر میری طرف بڑھ آئی اس کے پیچھے ہی میرلیسا بھی چل پڑی، دوسری لڑکیاں بھی ہماری طرف متوجہ تھیں۔

"ہیلو مسٹر سرفراز" کوثر کے عقب سے میرلیسا نے کہا۔

"ہیلو" میں نے اخلاقاً کہا۔ کوثر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

"رات کیسی گذری؟" میرلیسا نے پوچھا۔

"بہت بھیانک مس میرلیسا" میں نے جواب دیا۔

"ارے کیوں؟" میرلیسا کوثر سے آگے بڑھ آئی۔

"بڑے ڈراؤنے خواب دیکھے"

"اوہو۔ کیا؟" میرلیسا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میری گردن سے لٹک جائے۔

اسی وقت نواب فیروز الدین ہمارے نزدیک پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ کرنل ڈکسن اور دوسرے لوگ بھی تھے، ہماری گفتگو ختم ہوگئی۔

"ہیلو ینگ مین" کرنل ڈکسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو کرنل" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں عجیب سے تاثرات ابھرتے ہیں"

"مثلاً۔" نواب صاحب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بس مشرق کی پراسرار داستانیں، بہت سی کہانیاں ہیں جن کے مرکزی کردار بڑے پُراسرار ہوتے ہیں، یہ نوجوان مجھے ایسا ہی کوئی کردار معلوم ہوتا ہے"

"تمہاری نظر میں ہی نہیں بھائی، خود اپنی بھی یہی کیفیت ہے، ہم بھی آج تک سرفراز کی حقیقت نہیں سمجھ پائے" نواب فیروز الدین نے گہری سانس لے کر کہا اور میں مسکرانے لگا، بھلا میں ان لوگوں کی باتوں کا کیا جواب دیتا جو مجھے زبردستی پراسرار بنانے پر تلے ہوئے تھے، دوسرے لوگ بھی اسی طرف آگئے تھے۔

بہت سے سوالات میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ میں سفر کے پورے پروگرام سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔ لیکن بہرحال نواب صاحب نے مجھے بہت منہ لگا لیا تھا، لیکن میں حدود سے آگے نکلنا پسند نہیں کرتا تھا۔

جہاز بندرگاہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا اور اس کے عملے کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔ بہرحال وہ ڈیک سے جا لگا اور مسافروں کے اترنے کا بندوبست کیا جانے لگا۔

یہاں بھی کوثر نے بڑی اپنائیت کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے بڑی بے تکلفی سے میرے بازو کا سہارا لے رکھا تھا، اور میرلیسا کی کینہ توز نگاہیں بار بار اسے گھور رہی تھیں۔

"مس کوثر" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہوں۔"

"بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے آپ نے میرا بازو"

"بڑے اعتماد سے کہو سرفراز" کوثر آہستہ سے بولی۔

"شکریہ"

"نہیں۔ بالکل نہیں"

"مس میرلیسا کو دیکھنا پسند کریں گی مس کوثر"

"ہاں، کیوں" کوثر نے میرے اشارے پر میرلیسا کی طرف دیکھا، اور پھر اس کی کیوں کا جواب اسے خود ہی مل گیا۔ میرلیسا دوسری طرف دیکھنے لگی تھی، لیکن اس کے تاثرات صاف پڑھے جا سکتے تھے، اور کوثر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کا قصور نہیں ہے" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیوں؟"

"اس کا معاشرہ، اس کی آزادی"

"ہاں۔ یہ لوگ مرد کو صرف مرد سمجھنے کی عادی ہیں" میں نے جواب دیا۔ ہم نیچے پہنچ چکے تھے، دوسرے لوگ بھی ایک جگہ جمع ہو رہے تھے، جہاز کو آگے جانا تھا، اس لئے بہت سے مسافر نہیں اتر رہے تھے۔ ان میں تھیلما بھی تھی، وہ بھی جہاز کے ایک حصے میں کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی ۔۔ بیچاری تھیلما" میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"ارے ہاں کہاں ہیں وہ خاتون؟" کوثر جلدی سے بولی اور جہاز پر نگاہیں دوڑانے لگی۔

"وہ۔ اس طرف" میں نے کوثر کو اشارہ کیا اور کوثر اس طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"آپ یقین کریں مسٹر سرفراز، جہاز روانہ ہو جائے گا۔ اس کے تیسرے گھنٹے کے اندر وہ کسی نہ کسی کو دوست بنا لے گی۔ اس کے باوجود مجھے اس سے ہمدردی ہے"

"کیوں" میں نے پوچھا۔

"بہرحال ایک محرومی تھی اسے آپ کے پاس کھینچ لائی تھی۔ مسٹر جناتھن بہت بوڑھے تھے اور وہ جوان، اور پھر ایک بات کہوں سرفراز"

"جی" میں نے آہستہ سے کہا۔

"جہاں آپ ہوں وہاں دوسروں کی دال کم ہی گلتی ہے"

"جی؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"کوئی مبالغہ نہیں ہے اس میں، صنف نازک کے لئے آپ ایک بہت بڑی کمزوری بن جاتے ہیں"

"مس کوثر، اس کے باوجود میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا"

"خوش فہمی نہیں، حقیقت۔ میں جھوٹ بولنے کی عادی نہیں ہوں" کوثر نے سپاٹ لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میرے ذہن میں کچھ عرصہ قبل کی کوثر آگئی جو مجھ سے بے پناہ نفرت کرتی تھی۔ کوثر اس وقت میری طرف ہی دیکھ رہی تھی، چنانچہ وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں سرفراز، آپ اسے نفرت نہ کہیں، وہ ایک انوکھا جذبہ تھا، جس کے بارے میں میں کسی حد تک آپ کو بتا چکی ہوں اور پھر کسی وقت تفصیل

سے بتاؤں گی۔"

اور میں خاموش رہ گیا۔ کوثر نے مجھ سے ایک معاہدہ کیا تھا، لیکن مجھے وہ معاہدہ پورا ہوتا نہیں نظر آتا تھا۔ اس کے تیور اچھے نہیں تھے لیکن میں کسی طور اس کی طرف مائل نہیں ہو سکتا تھا، خواہ کچھ بھی ہو جائے، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

"ارے بھئی سرفراز میاں، آؤ چلیں، کرنل کے دوست آگئے ہیں۔" نواب صاحب قریب آکر بولے۔

"اوہ۔ جی۔ چلئے۔" میں جلدی سے آگے بڑھ گیا، کوثر اب پیچھے پیچھے آرہی تھی۔

ایک خوبصورت سے ہوٹل میں ہم نے قیام کیا تھا۔ ہوٹل میں کمروں کی پوری قطار حاصل کرلی گئی تھی، ہم سب کمروں میں مقیم ہو گئے۔ نواب صاحب نے خصوصی طور پر میرا کمرہ اپنے پاس رکھا تھا۔

میں حسب معمول اپنے کمرے میں تنہا تھا، اور میرے بائیں جانب کرنل ڈکسن کا کمرہ تھا۔ کئی گھنٹوں تک ہم سب اپنے اپنے کمروں میں سفر کی کسل دُور کرتے رہے۔ کسی نے کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ البتہ شام کی چائے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ایک ساتھ پی گئی تھی۔

چائے کی یہ دعوت مسٹر جوزدلنر کی طرف سے تھی جو مقامی تھے، اور کرنل ڈکسن کے بزنس پارٹنر بھی۔ بڑا ہی خوش اخلاق انسان تھا۔ اسی نے ہمارے لئے اس ہوٹل میں بندوبست کیا تھا، اس سے قبل اس نے اپنے مکان میں ٹھہرنے کی پیش کش کی تھی، کرنل نے اس سے معذرت لی تھی۔ بہرحال جوزدلنر کی چائے کی دعوت خوب تھی۔

مقامی لوگ سیاحوں کی اس شاندار پارٹی کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ بدقسمتی سے جس کرسی پر میں بیٹھا تھا، وہ میرلیسا کی کرسی سے ملی ہوئی تھی۔ میرلیسا بڑی مستقل مزاج تھی۔ وہ ابھی تک میری طرف سے مایوس نہیں ہوئی تھی۔ کئی بار اس نے میری خواہش کے مطابق کھانے پینے کی چیزیں مجھے سرو کی تھی۔

دور بیٹھی ہوئی کوثر اس کی حرکتوں کی طرف متوجہ تھی اور زیرلب مسکرا رہی تھی۔ کوثر، میں نے کھاتے ہوئے اس کے بارے میں سوچا۔ یہ نک چڑھی لڑکی جس طرح موم ہوئی تھی۔ میں اس کے بارے میں کبھی کبھی سنجیدگی سے سوچنے لگتا تھا۔ لیکن دل کے کسی گوشے میں اس کے لئے کوئی ایسا جذبہ نہیں تھا جسے محبت سے تشبیہہ دی جا سکتی۔

میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے سوچا۔ نکچڑھی کوثر شاید میں اس لئے پسند کرتا تھا کہ میں اس سے خوفزدہ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح مجھ سے متاثر ہو۔

بہرحال چائے کا دَور ختم ہو گیا، اس کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے، بی میرلیسا نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا، میرے شانے کی طرف منہ کر کے بولی:

"ہوٹل کا ماحول بہت حسین ہے۔"

"ہرگز نہیں، یہ کالے کالے ویٹر، جو سفید لباس بلیک اینڈ وائٹ کارٹون نظر آتے ہیں۔ دیواروں کا گہرا سرخ رنگ، اور ان کی بے تکی اور بیہودے قسم کا فرنیچر، اور پھر یہاں بیٹھے ہوئے لوگ۔ براؤن اور سیاہ چہروں اور نسوند ویدوں والے، مجھے تو بالکل پسند نہیں ہیں۔" میں نے اسے فوراً جواب دیا۔

میرلیسا چونک کر میری شکل دیکھنے لگی اور پھر اس نے بمشکل تمام نہ جانے کہاں سے اپنے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ کھینچی، اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی:

"ہاں یہ چیزیں تو مجھے بھی پسند نہیں ہیں۔"

"پھر اس ماحول میں اور کیا ہے؟" میں نے سوال کیا، اور میرلیسا سوچ ہی گئی۔

"بتادوں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ضرور بتاؤ تاکہ تمہاری کوئی بات تو میری سمجھ میں آجائے۔" میں نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"جہاں تم موجود ہوتے ہو، وہ جگہ میرے لئے بے حد حسین ہو جاتی ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ میں تو باتھ روم میں بھی ہوتا ہوں۔" میں نے کہا۔ کوثر نے دُور سے میری مشکل تاڑ لی تھی، چنانچہ اس نے جرأت سے کام لیا اور اٹھ کر میرے قریب پہنچ گئی۔

"سرفراز صاحب! آپ باہر چلیں گے؟"

"ضرور مس کوثر۔" میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

سب لوگ باتوں میں مصروف تھے اور پھر چونکہ سبھی جانتے تھے کہ میں نواب فیروز الدین کا ملازم ہوں اس لئے کسی نے ہم دونوں کی طرف توجہ نہ دی۔

ہم دونوں ڈائننگ ہال سے باہر نکل آئے اور کوثر باہر نکل کر ہنس پڑی۔

"کیوں؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں نے دیکھا تھا، وہ بڑی سرگرمی سے آپ کی مدارت کر رہی تھی۔" کوثر نے کہا۔

"نہ جانے اسے میرے برابر کی سیٹ کیسے مل گئی تھی؟"

خصوصی طور سے حاصل کی ہوگی، لیکن ہے بڑی دکاندار لڑکی اور اس کے بعد فوراً منافع وصول کرنے بیٹھ گئی۔ کیا کہہ رہی تھی آپ سے؟"

"میرا بھیجہ اس کی مرغوب غذا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"بس گفتگو برائے گفتگو، کہنے لگیں ہوٹل کا ماحول بیحد حسین ہے۔"

"اوہ۔ پھر؟"

"میں نے جواب دیا یہ کالے کالے بیرے، بلیک اینڈ وائٹ ہیں اور یہ سرخ دیواریں، مجھے تو ان میں کوئی حسن نظر نہیں آتا۔ کہنے لگیں جہاں میں ہوتا ہوں وہ جگہ حسین ہو جاتی ہے۔ تب میں نے خاتون کو بتایا کہ میں تو لیٹرین میں بھی ہوتا ہوں، کاش آپ مجھے دیکھیں۔" میں نے کہا اور کوثر بے تحاشہ قہقہے لگانے لگی ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے آنسو آگئے۔ میں خاموشی سے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

بمشکل تمام کوثر خاموش ہوئی، ہم لوگ ہوٹل کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ کوثر نے بتایا کہ وہ میری پریشانی تاڑ گئی تھی، اس لئے ہمت کر کے اٹھ ہی گئی۔

"شکریہ مس کوثر، آپ درحقیقت دوستی کے فرائض پورے کرنے لگی ہیں۔" "یقیناً۔ اور پورے کرتی رہوں گی، لیکن ایک اجازت آپ مجھے دیں گے؟"

"ہاں ہاں اجازت، بالکل اجازت۔"

"پوچھ تو لیں کس بات کی؟" کوثر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا ضرورت ہے، ہمارے اور آپ کے درمیان تو اعتماد کا رشتہ قائم ہو چکا ہے۔"

"ہاں لیکن۔ لیکن۔" نہ جانے کیوں کوثر کی آواز بھینچ گئی۔ اس کے چہرے پر ایک جذباتی سا تاثر پیدا ہو گیا تھا۔

"جی مس کوثر کہیے کہیے۔" میں نے اسے ہمت دلائی اور کوثر جیسے بات کے بھنور سے نکل آئی۔ اس کی آنکھوں کا کھویا کھویا تاثر دور ہونے لگا اور چند لمحات میں اس نے خود پر قابو پا لیا۔

"کیا۔ کیا کہا تھا میں نے؟" وہ بے خیالی کے انداز میں بولی۔

"سمتے نہیں دوست، جاگتے رہو، اور جاگ کر زندگی دیکھو۔" میں نے آہستہ سے کہا، اور کوثر عجیب سی نگاہوں سے میری شکل دیکھنے لگی۔ میرے الفاظ نے پھر اسے خاموش کر دیا تھا، اس کے بعد کئی منٹ تک وہ خاموش رہی، اور ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ کوثر بالکل ہی خاموش ہو گئی، تب میں نے اسے مخاطب کیا:

"کوثر۔؟"

"جی۔!" وہ چونک پڑی۔

"میری کوئی بات ناگوار گذری ہے؟"

"ہرگز نہیں، تم سے۔۔۔" کوثر نے پھر سنبھالا لیا، اور پھر وہ مسکرانے لگی۔ "ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ مجھے اجازت دیں گے کہ ان لڑکیوں کو ٹھیک کرتی رہوں جو آپ کی شخصیت کو توڑنے کی کوشش کریں؟"

"میری اجازت ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ضرورت تو نہیں ہے، بس ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"آئندہ کسی بات کو نہ پوچھیں۔"

"اتنا اعتماد ہے مجھ پر؟"

"اس سے بھی زیادہ۔" میں نے جواب دیا۔

"اتنی بلندیوں پر نہ لے جائیں سرفراز صاحب کہ گروں تو چکنا چور ہو جاؤں۔" کوثر آہستہ سے بولی۔

"کاش مس کوثر۔۔۔ کاش میں آپ کو مقام دوستی کی انتہا تک لے جا سکتا، وہ جگہ تو میری پرواز سے بھی باہر ہے۔ لیکن میں آپ کے لئے وہی مقام چاہتا تھا۔"

"ہم جذباتی ہو گئے ہیں، اس لئے یہ موضوع ختم۔ آئیے واپس چلیں۔" کوثر نے کہا، اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ واپس پڑا۔ سوچنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں اس لڑکی کے ذہن کو بدلنے میں کوشاں تھا۔ پہلے مجھے اس کی وہ کاٹ کھانے والی کیفیت پسند تھی۔ وہ جھلاتی تھی، بگڑتی تھی۔ میری توہین کرتی تھی، مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ گویا اس طرح میں اپنے اندر قوت پیدا کر رہا تھا لیکن اتفاقات اور واقعات نے کوثر کی شخصیت بدل دی۔ میں اسے کسی سلسلہ میں مجبور تو نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال اب جب وہ نئی شکل میں سامنے آئی تھی تو میں اس شکل کو بھی اپنا رنگ دینا چاہتا تھا۔ وہ رنگ مجھے پسند تھا۔

اور پھر یہ بھی حقیقت تھی کہ میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ میں تو خود ہی ٹوٹا ہوا انسان تھا۔

ڈائننگ ہال خالی ہو چکا تھا، گویا لوگ اپنے کمروں میں واپس چلے گئے تھے، میں نے بھی اوپر کا رُخ کیا، اور پھر ہم کمروں کے سامنے پہنچ گئے۔ میں نے کوثر کو الوداع کہا اور وہ نواب صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئی، تب میں بھی اندر پہنچ گیا، اور ایک کرسی عقبی کھڑکی کے قریب کھسکا کر اس پر دراز ہو گیا، یہاں سے باہر کے مناظر صاف نظر آتے تھے۔

اور شام کے دھندلکے بہت سی بگڑی ہوئی شکلیں ترتیب دینے لگے، بہت سے چہرے بادلوں میں اٹھنے لگے، اور میں ان چہروں میں گم ہو گیا۔ یہ محویت ایسی شدید ہوئی کہ مجھے کسی کے اندر آنے کا خیال بھی نہیں ہوا، کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تھا، اور پھر جب چٹ کی آواز کے ساتھ روشنی ہوئی تو میں اچھل پڑا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا، کوثر تھی، ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ لئے جو مجھے پسند تھی۔

• کہاں تھے آپ؟ اس نے پوچھا۔

• کہیں نہیں کوثر۔

• مجھے ماضی کے خواب پسند نہیں ہیں۔

• آئندہ نہیں دیکھوں گا۔ میں نے مجرمانہ انداز میں کہا۔

• ارے، میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ کوثر جلدی سے بولی اور پھر دوسری طرف رُخ کر کے کہنے لگی "آیئے آپ کو ابو جان بلا رہے ہیں۔" نہ جانے اس نے کونسے جذبات چھپانے کے لئے رُخ بدل لیا تھا۔

• اوہ۔ چلئے۔ میں نے کہا، اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پھر ہم دونوں نواب صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئے، نواب صاحب ایک آرام کرسی پر دراز سگار پی رہے تھے، مجھے دیکھ کر سنبھل گئے۔

• آؤ میاں بیٹھو۔ وہ بولے اور کوثر نے ایک کرسی گھسیٹ کر نزدیک کر دی، نواب صاحب اس کی اس حرکت پر مسکرانے لگے تھے۔ کوثر نے انہیں مسکراتے دیکھا، اور خود بھی مسکرانے لگی۔

• کیوں ابو، آپ مسکرائے کیوں؟ اس نے مصنوعی انداز میں اپنی تیوریاں چڑھا کر کہا۔

• ارے، اب مسکراہٹ پر بھی کنٹرول ہو گیا۔" نواب صاحب جلدی سے بولے، اور پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگے "بیٹھو میاں سرفراز بیٹھ جاؤ۔" اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

• بتائیے آپ مسکرائے کیوں؟ کوثر پھر بولی۔

• ارے بھئی۔ ارے بھئی، اب آئندہ نہیں مسکرائیں گے، وعدہ۔" نواب صاحب نے گھبرانے کی اداکاری کی۔

• بہتر ہے، میں جا رہی ہوں آپ مجھے بھگانا ہی چاہتے ہیں نا؟ کوثر دروازے کی طرف مڑ گئی اور نواب صاحب جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

• ارے سنو تو۔ سنو تو کوثر پلیز، بخدا ایسی کوئی بات نہیں ہے، جو ہم تمہاری موجودگی میں نہ کر سکیں۔

بمشکل تمام وہ کوثر کو واپس لے آئے، خود اس کے لئے کرسی کھینچی اور اسے بٹھا کر خود بھی بیٹھ گئے۔ "خدا کی پناہ، مجھے اب بھی کس قدر مشکل پیش آئی ہے۔" وہ گہری گہری سانسیں لے کر بولے۔

" بتائیے، آپ مسکرائے کیوں تھے؟ کوثر نے ضد کی۔

" بتاؤں گا تو تم ناراض ہو جاؤ گی۔"

• وعدہ کرتی ہوں، سچ سچ بتا دیں گے تو ناراض نہیں ہوں گی۔

• اچھا بھئی، اب تو مسکرانے کی غلطی ہو ہی گئی، نتیجہ جو کچھ بھی ہو

• لیکن سچ ابو۔ بالکل سچ۔"

" بھئی جھوٹ ہم سے بولا بھی نہیں جاتا۔ وہ مسکراہٹ دراصل سرفراز کے لئے تحسین کی مسکراہٹ تھی، میں سوچ رہا تھا کہ سرفراز میاں ایک باکمال انسان ہیں، انہوں نے اس منہ زور گھوڑے کو کیسے رام کر لیا

نواب صاحب کی بات سمجھ کر کوثر مسکرا دی۔ لیکن نہ جانے کیوں میں خجل ہو گیا۔ میرے اوپر خواہ مخواہ کی گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ کاش نواب صاحب میرے اوپر کوئی شک نہ کریں۔ میں نے سوچا

• کیا میرا خیال غلط ہے سرفراز میاں۔ کوثر کو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ بہرحال میں اپنی پوزیشن جلدی صاف کر دوں۔ بخدا تم دونوں کو ایک دوسرے کا دوست دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوتی ہے۔ یہی میری خواہش تھی کہ اچھے انسان کی عزت کی جائے، بہرحال یہ میری خواہش کی تکمیل نہیں سرفراز کی عظمت نے یہ ماحول پیدا کیا ہے۔"

اور کوثر مسکراتی رہی۔

" تو یہ غلطی ہوئی تھی مجھ سے، بس معافی۔"

اور کوثر ہنس پڑی، میں خاموش بیٹھا تھا، تب نواب صاحب میری طرف مخاطب ہوئے۔

• سرفراز بیٹے، سارے حالات میں تمہارے علم میں لا چکا ہوں لیکن تمہاری طرف سے ابھی ان معاملات پر کوئی تبصرہ نہیں ہوا۔ تشویش ہے۔

• میں کیا تبصرہ کروں گا نواب صاحب!

• جبکہ تمہیں کرنا چاہئے۔"

" میں نہیں سمجھ سکا۔"

• بھئی اس مہم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

" وہی جو آپ کی نواب صاحب۔"

• اوہو نہیں بھئی، سمجھنے کی کوشش کرو سرفراز۔ میرا مطلب اور ہے۔

" براہ کرم مجھے اس سلسلہ میں کچھ سمجھائیں۔" میں نے سنجیدگی سے

• دراصل سرفراز، سب سے پہلی بات تو یہ کہ تم نے ابھی کسی میں حصہ نہیں لیا۔

" درست ہے۔"

• انسانی فطرتوں کا تجزیہ تو کیا ہو گا تم نے؟

" کسی حد تک۔"

• کیا تمہارے خیال میں گیری مین جیسے لوگوں کی کمی ہے؟

" اوہ۔" میں نے بغور نواب صاحب کی شکل دیکھی۔

• بڑے تجربے کی بات کر رہا ہوں بیٹے، دولت ایسی شے ہے کہ بھائی بھائی کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ یہ ایسا طلسم ہے جو انسان کی ساری سوجھ بوجھ چھین لیتا ہے، چنانچہ میں تم سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

" میں سن رہا ہوں نواب صاحب۔"

• ان میں سے ایک ایک شخص قابلِ اعتماد ہے۔ کسی پر بھی شک نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس وقت تک جب تک ہیروں کی طلسمی جھلک ان پر اثر انداز نہ ہو، اس کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کیا ہوں گے۔"

" جی۔" میں آہستہ سے بولا۔

" میرے بچو، میں کوثر سے اور تم سے مخاطب ہوں۔ میں نے زندگی میں کچھ تجربات حاصل کئے ہیں، ان کے تحت میں کہہ رہا ہوں۔ مجھے سرفراز پر اس طرح اعتماد ہے جیسے اپنی ذات پر، اس کی وضاحت میں نے ضروری سمجھی ہے تاکہ یہ حساس نوجوان کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے، اور اس کے ساتھ ہی سرفراز ایک نصیحت بھی کرنا چاہتا ہوں!

" جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

" اس وقت تک جب تک ہیروں کا کوئی بڑا ذخیرہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جائے، تم ان سب پر پورا پورا بھروسہ کر سکتے ہو، اور جب ہیرے ہمارے درمیان آ جائیں تو ایک ایک سے چوکنا رہنا، انسان کی فطرت کا اندازہ تم اسی بات سے کر لو۔ میں ان کا دوست ہونے کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ ممکن ہے ان میں سے کسی کے دل میں برائی نہ آئے۔ لیکن میں ان کے بارے میں برے انداز سے سوچ رہا ہوں۔

• میں سمجھ رہا ہوں نواب صاحب۔

• اس پوری مہم میں تمہارا ایک انوکھا کردار رہے گا۔ بظاہر میں خصوصی طور پر تمہیں منظرِ عام پر نہیں لاؤں گا، تاکہ لوگ خصوصی طور پر تمہاری طرف متوجہ نہ ہوں اور تم سے خطرہ نہ محسوس کرنے لگیں۔ لیکن تم اپنے طور پر پوری طرح تیار رہو گے، ہاں تمہارے اوپر کوئی پابندی بھی نہیں ہے، کسی ضرورت پر تم اپنی صلاحیتیں آزما سکتے ہو۔"

• جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

• بس اس وقت اسی لئے تکلیف دی تھی۔ جوزف تو کرنل ڈکسن کا بزنس پارٹنر ہے، ممکن ہے کل تک یا زیادہ سے زیادہ پرسوں تک وہ ہماری روانگی کا بندوبست کر دے گا۔ اور پھر ہم افریقہ کے پُراسرار خطوں کی طرف چل پڑیں گے۔

" کیا سیاہ فام مزدوروں کو بھی بھرتی کیا جائے گا۔"

" میرا خیال ہے اس بار اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مردوں کی تعداد کافی ہے، بہرحال تمہاری کیا رائے ہے۔"

• نہیں نہیں، میں نے ویسے ہی سوال کیا تھا۔"

• جیسے بھی حالات ہوئے، کرنل ڈکسن سے مشورہ کر لیا جائے گا۔"

• جی۔" میں نے گردن ہلا دی، اور اس کے بعد بھی ہم دونوں کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ کوثر نے اس دوران چائے منگوالی تھی اس نے چائے بنا کر سب کو پیش کی اور خود بھی ایک کپ لے کر بیٹھ گئی۔

اس کے بعد میں نواب صاحب کے پاس سے اٹھ گیا۔

رات کا کھانا بھی ڈائننگ ہال میں کھایا گیا، اور پھر نواب صاحب کے کمرے میں کرنل ڈکسن کے ساتھ شطرنج کی کئی بازیاں جمیں، کوثر بھی موجود تھی اور کرنل ڈکسن کی بے بسی پر بے حد مسرور تھی۔

آخر میں خود کرنل ڈکسن نے یہ کہہ کر بساط الٹ دی:

• بھئی یہ شخص شطرنج کا جادوگر ہے، اس کی چالیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور سارے مہرے پھنستے چلے جاتے ہیں۔"

• ہاں غریب کا ناک میں دم کر رکھا تھا تم نے، دیکھا خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔" نواب صاحب دانت نکالتے ہوئے بولے اور سب لوگ ہنسنے لگے، پھر میں اجازت لے کر کمرے میں آ گیا۔

دوسری صبح حسبِ معمول تھی، ضروریات سے فارغ ہوا اور باہر نکل آیا، سب سے پہلی نگاہ کوثر پر پڑی تھی، اس نے مجھے سلام کیا اور میری طرف بڑھ آئی۔

" چائے پی آپ نے؟" اس نے فوراً پوچھا۔

• ابھی نہیں۔"

• منگواؤں؟"

• ارے، میں کہتا ہوں۔" میں نے ایک ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے کہا، اور پھر اسے چائے کے لئے کہہ کر کوثر کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

• سرفراز صاحب، آپ ایک بات کا وعدہ اور کریں۔"

• حکم کوثر بی بی۔" میں نے شرارتاً کہا

• کسی وقت اگر میں ذہن پر گراں گزروں تو صاف کہہ دیں۔"

• کیا مطلب؟ میں حیرت سے بولا۔

• اب دیکھئے نا، رات کو بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور صبح ہی صبح پھر نازل ہو گئی۔" کوثر مسکراتے ہوئے بولی۔

" آپ شرمندہ کر رہی ہیں کوثر۔"

"نہیں بے تکلفی سے ایک بات کہہ رہی ہوں، ممکن ہے کبھی آپ تنہا رہ کر کچھ سوچنا چاہتے ہوں، اور میں ناوقت آپ کے ذہن پر بوجھ بن جاؤں۔"

"میں تنہائی نہیں چاہتا مس کوثر۔" میں نے جواب دیا، اور کوثر میری شکل دیکھنے لگی، اور پھر اس سنجیدہ ماحول میں ایک چوہا گھس آیا۔ یہ میریلیا تھی، جس نے بڑے رازدارانہ انداز میں دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا لیکن ہم دونوں کے چہرے سامنے ہی تھے اور ہم نے اسے اور اس نے ہمیں بخوبی دیکھ لیا تھا دوسرے لمحے میریلیا نے بدحواسی سے چہرہ پیچھے کرلیا، وہ بوکھلا گئی تھی۔ پھر اس نے یوں جھانک کر بھاگ جانا بھی مناسب نہ سمجھا، چنانچہ وہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

"ہیلو میری۔ ہیلو میری۔" ہم دونوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور میریلیا مسکراتی ہوئی اندر آگئی، لیکن پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

"آپ لوگ ڈسٹرب تو نہیں ہوئے؟"

"ہوئے تو ہیں، لیکن خیر۔ اب آپ آہی گئی ہیں تو تشریف رکھئے۔" کوثر نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں، آئی ایم سوری۔ آئی ایم سوری۔" میریلیا واپس پلٹی اور میں جلدی سے اٹھ گیا۔

"ارے ارے میریلیا ڈارلنگ۔ اب ہم ایسے گئے گذرے بھی نہیں ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ایک کپ چائے نہ پی سکو، آؤ بیٹھو، صرف ایک کپ پلیز۔" میں نے بڑی لجاجت سے کہا، اور میریلیا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی کوثر کی طرف دیکھنے لگی۔

"آؤ میری ڈیر، اب ایسی بھی کیا بے مروتی۔" کوثر نے کہا۔

"اوہ، تھینک یو۔ تھینک یو۔" میریلیا سہمی ہوئی سی بیٹھ گئی، اور ہم دونوں اسے اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔ میریلیا سچ مچ نروس نظر آرہی تھی۔

"کیا تم غلطی سے ادھر آگئی تھیں میری، شاید تم اسے اپنا کمرہ سمجھی تھیں۔" کوثر نے کہا۔

"اوہ نہیں۔ میں۔ میں۔"

"سرفراز صاحب کی تلاش میں آئی تھیں۔" کوثر نے جملہ پورا کردیا۔

"ہاں۔ نن۔ نہیں۔" میریلیا گھبرا کر بولی، اور میں نے کوثر کی طرف دیکھ کر ایک معمولی سا اشارہ کیا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اب میریلیا کی جان بخشی کردی جائے، اور کوثر نے میری بات مان لی، چنانچہ اس نے اپنا موضوع بدل دیا۔

"اس سے قبل تم نے افریقہ کے گھنے جنگلات کا سفر کیا ہے میری؟"

"نہیں۔" میریلیا نے اس کے سوال پر چونک کر اس طرح اسے دیکھا جیسے اس میں بھی کوئی طنز تلاش کررہی ہو۔ لیکن کوثر نے میری بات مان لی تھی، چنانچہ وہ جلدی سے بولی۔

"میں بھی کبھی ایسی مہم پر نہیں گئی، ویسے تمہارے دل میں کیا تاثرات ہیں میری؟"

"کوئی خاص نہیں، مجھے اس سفر کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہے۔ میں آنے والے وقت کے بارے میں بہت سوچ رہی ہوں۔"

"کیا؟" میریلیا نے پوچھا، وہ ابھی تک مشکوک تھی۔

"بس یہی کہ گھنے جنگلات ہوں گے، خطرناک مناظر ہوں گے۔ نت نئے حادثے ہوں۔ نہ جانے کون کون سے واقعات کا سامنا کرنا پڑے تمہیں خوف تو نہیں محسوس ہورہا میریلیا؟"

"نہیں، اتنے لوگ ساتھ ہیں، خوف کس بات کا؟"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" کوثر نے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ میریلیا کی دہشت کسی حد تک کم ہوتی جارہی ہے، اور پھر چائے آگئی اور کوثر نے ایک کپ چائے بنا کر اسے دے دیا۔

"شکریہ۔" میریلیا نے چائے قبول کرلی۔

"ویسے میں نے ایک بات خاص طور سے محسوس کی ہے میریلیا۔" کوثر بولی۔ "کیا۔؟"

"یہ باربرا، ڈینیلا اور دوسری لڑکیاں اپنا علیحدہ گروپ بنائے ہوئے ہیں، نہ یہ تم سے زیادہ متوجہ ہوتی ہیں نہ مجھ سے، ساتھ ہی رہتی ہیں، کیا خیال ہے؟"

"بالکل، میں نے محسوس کیا ہے۔" میریلیا جلدی سے بولی۔

"بہرحال کیا فرق پڑتا ہے، ہمارا گروپ الگ سہی۔" کوثر نے کہا۔ اور میریلیا نے میری جانب دیکھا، میں خاموشی سے چائے پی رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ کوثر میرا موڈ سمجھ گئی ہے، میریلیا اب تک حیرت زدہ تھی ہم دونوں کی اچانک مہربانی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی، بہرحال اس کے بعد وہ اس وقت ہمارے ساتھ رہی، جب تک ناشتے کا وقت نہ ہوگیا۔

کسی نے ڈائننگ ہال میں جاکر ناشتہ کرنے کی حامی نہیں بھری اس لئے کرنل ڈکسن کے کمرے کو ڈائننگ ہال بنا لیا گیا، اور نہایت بے ترتیبی سے ناشتہ ہونے لگا، لیکن اس بے ترتیبی میں بھی بڑی دلکشی تھی، ناشتے کے بعد دن بھر کے پروگرام بنائے گئے۔ اور اس وقت تک سیر و تفریح کی ٹھانی گئی جب تک جوزدنو کوئی اطلاع نہ دے۔

"کرنل ڈکسن اور میں تو شطرنج میں سر کھپائیں گے، ہم جوزدنو کا بھی انتظار کریں گے، باقی لوگ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"کیا خیال ہے سرفراز؟" کوثر نے پوچھا۔

"جی فرمائیے۔"

"کیا ہم اتنے ایثار پسند ہوگئے ہیں کہ اب دن بھر اسے سر پہ اٹھائے پھریں گے؟"

"میریلیا کی بات ہورہی ہے؟"

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے پورا دن تو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔"

"پھر کوئی ترکیب سوچو۔ کچھ زیادہ ہی مخلص ہوگئی ہے۔" کوثر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تیاریاں تو ضرور کرے گی۔"

"اس سے قبل ہی پیش کش کر بیٹھی تو کیا ہوگا۔"

"میں باتھ روم میں چلا جاتا ہوں، تم اپنے کمرے میں تیاریاں کرو۔" میں نے کہا اور کوثر ہنس پڑی۔

"اس سے کام نہیں چلے گا، میرا خیال ہے ہم دونوں تیار ہی ہیں۔ کہاں چلیں گے، یہ فیصلہ بعد میں کرلیا جائے گا۔"

"پھر۔؟"

"احتیاط سے نکل چلیں، پہلے آپ کسی ترکیب سے باہر نکل جائیے، پھر میں آتی ہوں۔"

"اور نواب صاحب سے اجازت؟"

"بعد میں بات ہوجائے گی، وہ اب شطرنج میں سر کھپائیں گے تو انہیں کچھ یاد نہ رہے گا۔" کوثر نے کہا، اور میں نے الجھے ہوئے انداز میں گردن ہلادی۔ بہرحال یہی کیا گیا، اور میں خاموشی سے باہر نکل آیا، کوثر بھی چند لمحات کے بعد پہنچ گئی۔

"خدا کی قسم بال بال بچے ہیں۔" اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مس میریلیا چوروں کی طرح آپ کے کمرے کی طرف گئیں۔ دروازہ بند پا کر انہوں نے میرے کمرے میں جھانکا، جہاں میں ابو سے اجازت لے رہی تھی۔ ابو اور انکل ڈکسن بساط بچھا کر بیٹھ چکے ہیں۔ بہرحال مس میریلیا مجھے تنہا دیکھ کر چپ چاپ کھسک گئیں، اور اب شاید وہ دوسرے حصوں میں آپ کو تلاش کررہی ہوں گی۔"

میں نے دور کھڑی ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا، ٹیکسی اسٹارٹ ہوکر ہمارے نزدیک آگئی اور میں کوثر کے ساتھ اندر بیٹھ گیا۔

"ڈرائیور، ہمیں یہاں کے اچھے اچھے مقامات کی سیر کراؤ۔" میں نے انگلش میں کہا اور سیاہ فام ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"یہ میریلیا تو آئندہ بھی بہت بڑی مصیبت بن جائے گی سرفراز ہر وقت سر پر مسلط رہے گی۔"

"میرا خیال ہے میں آخری بار اسے سمجھا دو، بہت ہی احمق ہے مجھے اس پر رحم آنے لگا ہے۔" میں نے کہا۔

"احمق بھی ہے اور ڈھیٹ بھی، خدا کی پناہ، تم نے اس کی کہاں کم بے عزتی نہیں کی، لیکن فراخ دل لڑکی ذرا سی دیر میں ساری باتیں بھلا دیتی ہے۔"

"ہاں۔" میں ہنس پڑا، ہم لوگ اردو میں گفتگو کررہے تھے، اس لئے ڈرائیور ہماری گفتگو سے لاپرواہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ٹیکسی کھنڈرات کے نزدیک روک دی۔

"یہ آگیا یورس کے کھنڈرات ہیں۔ باہر سے آنے والے انہیں ضرور دیکھتے ہیں۔" اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

"ہم بھی انہیں دیکھیں گے۔" میں نے کہا اور کوثر کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ ہم نے پراسرار کھنڈرات دیکھے اور کافی دیر تک ان کی سیر کرتے رہے، پھر وہاں سے نکل آئے۔ ڈرائیور کے رحم و کرم پر، وہ جہاں جہاں گھماتا رہا گھومتے رہے۔ پھر دوپہر کو اس نے ہمیں ایک ریستوراں میں چھوڑ دیا۔ ریستوراں میں انوکھی طرز کا کھانا کھانے کے بعد ہم نے کافی پی اور پھر میں نے کوثر سے پروگرام پوچھا۔

"میرا خیال ہے بس، واپس چلا جائے۔"

"ٹھیک ہے، آرام کریں گے، بہت کچھ دیکھ لیا۔"

ریستوراں سے باہر آکر ہم نے پھر ٹیکسی لی اور چل پڑے، اور تھوڑی کے بعد ہم ہوٹل پہنچ گئے۔

نواب فیروز الدین کو نہ ہمارے جانے سے دلچسپی تھی اور نہ آنے سے۔ آج انہوں نے کرنل ڈکسن کو تین بار شکست دی تھی اور کرنل ڈکسن نے انہیں دوبار۔

"بھئی میں نے تمہاری تکنیک پر کھیلنا شروع کردیا ہے۔ یوں سمجھ لو، بساط بچھا کر میں نے جتنی بار تمہارا نام لے کر کھیلنا شروع کیا جیتا۔" نواب صاحب نے خوشی سے بتایا۔

"یار سچ بتاؤں، جس بار تم نے سرفراز کا نام نہیں لیا، اس بار میں نے لیا تھا اور جیت گیا تھا۔" کرنل ڈکسن نے رازدارانہ انداز میں کہا اور ہم ہنس پڑے۔

"یہ حقیقت ہے، سرفراز اس کھیل میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ارے کھانا بھی کھایا تم دونوں نے؟"

"آپ بتائیے ابو؟" کوثر نے پوچھا۔

"ہاں ہم کھا چکے ہیں۔"

"تب پھر ہم بھی کھا چکے ہیں۔"

"کیا خیال ہے فیروز، بازی لگائی جائے؟" کرنل نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔"

"ہمیں نصیحت ابو"۔ کوثر نے پوچھا۔ اور نواب صاحب نے بے خیالی سے گردن ہلادی۔ کوثر کمرے سے نکل گئی۔ میں ایک بازی میں ان لوگوں کے سامنے ہارا لیکن کرنل ڈکسن کی درخواست پر میں نے کوئی چال نہیں بتلائی تھی۔ بہرحال نواب صاحب ہی جیت گئے تھے، اور حسبِ معمول انہوں نے خوب بغلیں بجائی تھیں۔

پھر میں بھی واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ دن بھر کی آوارہ گردی کے بعد کچھ تھکن سی ہوگئی تھی۔ میں نے لباس تبدیل کیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا تب میرے ذہن میں آج کا دن گھوم گیا۔ کوثر سے میری یہ اپنائیت کیوں کہیں اسکے ذہن میں پھر کوئی غلط فہمی نہ جگادے۔ لیکن میں کیا کروں۔ میں خود بھی تو اسکے سامنے اسقدر جذباتی ہوگیا تھا کہ اپنی حقیقت کھولدی۔

یہ کچھ اچھا تو نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اب کیا کرنا چاہئے۔ نواب صاحب ایک بے نیاز انسان ہیں۔ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہیں دیتے۔ لیکن بہرحال ایک بیٹی کے باپ ہیں۔ ان کے ذہن میں کوئی خدشہ نہ جاگ اٹھے۔ گو انہوں نے ہمیں یکجا دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اسکے باوجود کون باپ کسی اجنبی کو اپنی بیٹی سے عشق کی اجازت دے گا۔ اور کوثر کی مجھ سے اپنائیت کا یہی انداز تھا کہ کوئی شخص غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ پھر اس کا تدارک کیسے کیا جائے۔ کوثر سے بے اعتنائی برتنا شروع کردوں۔ ؟ لیکن وہ اسقدر متاثر ہوگئی ہے کہ اب کسی بات کو اہمیت ہی نہیں دیتی۔ بڑی مشکل پیش آگئی تھی۔ بہرحال اس مشکل کا حل تو ضروری تھا۔

نہ جانے کب تک میں اسی ادھیڑبن میں رہا۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ لوگ واپس آگئے تھے۔ کیونکہ اب دوسرے کمروں کے دروازے کھل اور بند ہورہے تھے۔ میں باتھ روم میں گیا، غسل کیا، اور لباس تبدیل کرکے باہر نکل آیا۔ نواب صاحب اپنے کمرے کے باہر ہی نظر آگئے اور میں ان کی طرف بڑھ گیا۔

"بڑا اچھا ہوا۔ کیا تم تیار ہو"۔

"جی۔ میں سمجھا نہیں"۔ میں نے تعجب سے کہا۔

"اوہ۔ کوثر نے تمہیں نہیں بتایا"۔

"کیا۔"

"کمال کی لڑکی ہے۔ میرا خیال تھا اس نے تمہیں بتادیا ہوگا۔"

"ہوا کیا نواب صاحب۔"

"بھئی جوزدنو آیا تھا"۔

"جی۔"

رات کا کھانا اسکے گھر کھانا ہے۔ وعدہ کرلیا گیا ہے۔ اور سب ابھی تھوڑی دیر میں چلیں گے۔"

"اوہ۔ میں تو تیار ہوں۔"

"ہاں۔ دوسرے لوگ بھی تیار ہوں گے۔ آؤ۔" اور پھر ہم پرنیسر ہیگلے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ہیگلے کی لڑکی باربرا نونا بھی کافی خوبصورت تھی۔ لیکن وہ خود کو بہت لئے دیئے رہتی تھی اور ایک بار بھی میری طرف مخاطب نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ابھی تک اُسے نگاہ بھر کر دیکھا تک نہیں تھا۔

"کیا آپ تیار ہیں مسٹر ہیگلے!" نواب صاحب نے پوچھا۔

"بالکل۔ بالکل مسٹر فیروز۔ بس باربرا تیار ہوجائے۔" ہیگلے نے جواب دیا۔ اور پھر اس نے ہمیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ نونا نے ایک خوبصورت اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ اسی رنگ کے اسکارف میں وہ بہت حسین نظر آرہی تھی۔ گلے میں رنگین موتیوں کا ہار پہن کر اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور تیار ہوگئی۔

"او کے ڈیڈ"۔ اُس نے پیاری آواز میں کہا۔

"میں چلتا ہوں۔ دوسروں کو دیکھوں"۔ نواب صاحب نے کہا۔ اور ہم دونوں گھر سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر میں تمام لوگ تیار ہوکر باہر نکل آئے۔ جوزدنو نے ایک مائیکرو بھیج دی تھی جو ہمیں لے کر چل پڑی۔

جوزدنو کی کوٹھی ایک خوبصورت پہاڑی پر تھی۔ جس کے چاروں طرف سرسبز میدان تھے۔ ایک طرف ایک بہت بڑا گاف گراؤنڈ بنا ہوا تھا۔ ہم کوٹھی کے پھاٹک سے اندر داخل ہوگئے یہاں مسٹر جوزدنو مسز جوزدنو اور گیارہ عدد مس جوزدنو ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ اندھیرے کے ساتھی ہونٹوں پر روشنی سجائے ہمارے نزدیک آئے۔ اور ہم میں سے ایک ایک سے مصافحہ کیا۔

ان کے چہرے سیاہ تھے لیکن دل سفید تھے۔ آنکی مسکراہٹ میں حسن نہیں تھا، لیکن حسنِ خلوص سے مالامال تھی۔ استقبالیہ مجلسوں میں ان کے دل کی کیفیات نمایاں تھیں۔

یہاں بھی کوثر نے پھر میرا داہنا شانہ سنبھال لیا تھا۔ اور لطف کی بات یہ تھی کہ بائیں سمت مس میریسا موجود تھیں۔ یہ لڑکی خاصی تعلیم یافتہ تھی۔ لیکن میرے معاملے میں سچ مچ کریک ہوگئی تھی۔

ایک خوبصورت ہال میں نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہم سب خوبصورت کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جوزدنو کی لڑکیاں ہمارے گرد جمع ہوگئیں۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ صرف چودہ عدد بیٹیاں تھیں جو عمر میں یکساں معلوم ہوتی تھیں۔ تھوڑا بہت فرق بھی ہوگا تو ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بہرحال بڑے میاں کی کاوش قابلِ داد تھی۔ کیا مجال جو کسی کے نقوش ایک دوسرے سے مختلف ہوئے ہوں۔

ہم ان پر خوبصورت فقرے کستے رہے۔ اور پھر کھانے کا وقت ہوگیا۔ کھانے کا انتظام بھی ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا تھا۔ جوزدنو بلاشبہ ایک مالدار آدمی تھا۔ اسکے علاوہ اعلیٰ ذوق بھی رکھتا تھا۔ ہال کی میز انتہائی قیمتی کھانوں سے سجی ہوئی تھیں۔

اور پھر بیروں نے سروس شروع کردی۔ باوردی بیرے۔ ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی بہت بڑے نواب کے ہاں دعوت میں شریک ہوں۔ کھانے بھی درجنوں اقسام کے تھے۔

بہرحال بڑی پُرتکلف دعوت دی۔ جس کے بعد قہوہ دیا گیا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ شراب کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ پینے والے ایک دوسرے روم میں پی سکتے ہیں۔

اور یہ صرف نواب فیروز الدین کے احترام میں کیا گیا تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ نواب صاحب نہیں پیتے۔

اسکے بعد کی تفریحات بٹ گئیں۔ یہاں اس کوٹھی میں بال روم بھی تھا جس پر رقص کیا جاسکتا تھا۔ کیا بھی گیا۔ اس میں مسٹر جوزدنو کی لڑکیاں پیش پیش تھیں۔

مسٹر ڈیوڈ نے کوثر کو رقص کی پیشکش کی۔ لیکن کوثر اُسے گھور کر رہ گئی۔ ڈیوڈ ہکا بکا اسکی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔

"پلیز"۔ اس نے سوال کا جواب چاہا۔

"سوری مسٹر ڈیوڈ۔ مس فیروز رقص نہیں کرتیں۔"

"کیا حرج ہے مس فیروز"۔ ڈیوڈ بھی میریسا کا بھائی معلوم ہوتا تھا۔ "میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے مسٹر ڈیوڈ۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے ایک شخص نے مجھ سے رقص کی درخواست کی تھی میں نے پاؤں سے جوتا اتار کر اتنے لگائے اتنے لگائے کہ اسکی شکل بگڑ گئی۔ اسوقت بھی میرا دل یہی چاہ رہا ہے"۔ کوثر نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

اور ڈیوڈ پیچھے ہٹ گیا۔

"مائی گڈنس۔ عجیب بات ہے"۔ اور پھر وہ مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ "سمجھدار آدمی ہے"۔ کوثر نے کہا اور ہنس پڑی۔

"ان کے کلچر میں یہی ہے۔"

"آپ کا موڈ نہیں بن رہا مسٹر سرفراز۔"؟ کوثر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بن تو رہا ہے۔ لیکن آپ کی وجہ سے تکلف کررہا ہوں"۔

"اوہ نہیں۔ خدا کی قسم۔ کیا حرج ہے اگر آپ۔ سنیئے۔ میرا خیال ہے آپ میری وجہ سے زیادہ تکلف نہ کیا کریں۔ میں نے آپ کو رقص کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"واقعی"۔ میں نے کوثر کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ ہاں"۔ کوثر نے اس انداز میں کہا جیسے اُسے یقین ہو کہ میں رقص پیش کروں گا۔ لیکن اسوقت میرے پروگرام کی ایک کڑی میرے ہاتھ آگئی تھی۔ چنانچہ میں آگے بڑھ گیا۔

مسٹر جوزدنو کی ایک صاحبزادی میری طرف بڑھیں۔ اور میں نے انہیں خوش آمدید کہا۔ گداز بدن کی لڑکی تھی۔ چہرے کو نظرانداز کردیا جاتا تو جسمانی طور پر اس پوری ٹیم میں اس سے حسین لڑکی نہیں تھی۔ یہ بات میں نے بخوبی محسوس کی تھی۔ بہرحال میں ان کی دنیا کا انسان نہیں تھا اس لئے اسکے بدن کی جاذبیت مجھے متاثر نہ کرسکی۔

میرے میدان میں اترتے ہی مس میریسا نے بھی اعلانِ جنگ کردیا۔ وہ ڈیوڈ کے ساتھ رقص کررہی تھیں۔ مدھم موسیقی کا ریکارڈ بج رہا تھا اور پھر پہلا راؤنڈ ختم ہوا تو تالیاں گونج اٹھیں۔

میریسا تیر کی طرح میری طرف لپکی تھی۔

"دوسرے راؤنڈ کے لئے"۔ اس نے کہا۔

"پلیز"۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اور پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کوثر غائب تھی۔

نہ جانے کیوں ہلکا سا دکھ ہوا۔ لیکن یہ ضروری تھا۔ کوثر نے راستہ دوسرا اختیار کیا تھا لیکن اس کا اختتام بھی وہیں ہوتا تھا جہاں سے مجھے خدشہ تھا۔ چنانچہ ایک فیصلہ ہو ہی جائے تو بہتر ہے۔ اور میں نے دوسرا راؤنڈ میریسا کے ساتھ اور تیسرا ڈاکٹر میکارڈ کی لڑکی جونک کے ساتھ ناچا۔ اور پھر بال روم سے نکل آیا۔

دوسرے ہال میں میٹنگ ہورہی تھی۔ جوزدنو انتظامات کی تفصیل بتارہا تھا۔ نواب فیروز الدین موجود تھے۔ لیکن کوثر ان کے پاس موجود نہ تھی۔ ظاہر ہے کہیں لیٹ نہ گئی ہوگی۔

"تب پھر آؤ جوزدنو۔ دیکھ لیں"۔ کرنل ڈکسن نے کہا۔

"بالکل، میری بھی خواہش ہے کرنل"۔ جوزدنو نے کہا۔

"آؤ۔"

پھر اس وسیع کوٹھی کے عقب میں آئے۔ یہاں کے انتظامات دیکھ کر میں نے پلکیں جھپکائیں۔ دو بڑے ٹرالر اور تین لینڈ روور تھیں بالکل نئی، ایک چھوٹی باسکٹ وین تھی۔ بندوقیں تھیں، کارتوس تھے کلہاڑی چاقو، غرض ایک عظیم الشان مہم کے سارے لوازمات موجود تھے۔ ٹرالر میں کچن تھا، گیس کے بہت بڑے سلنڈر فکس تھے، اور الماریوں میں کھانے کے خشک سامان کے ڈبے وافر مقدار میں چنے ہوئے تھے، خیمے بھی تھے۔ غرضیکہ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

"ونڈرفل جوزدنو، تم نے تو بڑے زبردست انتظامات کرڈالے"۔ کرنل ڈکسن نے تعریفی انداز میں کہا۔

"دو باسکٹ اور منگوائی ہیں۔ صبح کو پہنچ جائینگی۔ اسکے علاوہ میں نے چار آدمیوں کا بندوبست کیا ہے جو بہترین گائڈ ہوں گے۔ بہترین لڑاکے ہوں گے۔ اور اعلیٰ پائے کے کھانا پکانے والے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ جوزدنو۔ بلاشبہ یہ ہماری توقع سے کہیں زیادہ ہے۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔

"سفر کا لطف آجائے گا مسٹر ڈکسن۔ میری خواہش ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔"

"بہت بہت شکریہ۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔ بہرحال طے ہو گیا کہ دوسرے دن ہم افریقہ کے پُراسرار جنگلات میں داخل ہو جائیں گے۔ ساری تیاریاں مکمل ہو ہی چکی تھیں۔

رات گئے ہوٹل واپس آئے۔ یہاں پر کافی کے ساتھ ایک میٹنگ ہوئی جس میں مزید امور طے کئے گئے۔ اور پھر سونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دوسرے صبح ہی صبح سب لوگ جاگ گئے تھے۔ نو بجے ناشتے سے فراغت ہو گئی۔ خاص بات یہ تھی کہ بی کوثر ابھی تک نظر نہیں آئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے دل میں ایک عجیب سا احساس رہا۔ اور اسکے بعد میں پھر سکون ہو گیا۔

لیکن ساڑھے نو بجے وہ آگئیں۔ چہرے پر ہلکی سی کبیدگی صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ لیکن بہرحال اسے دھونے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔

"ناشتہ کر لیا آپ نے۔"

"جی۔ ہاں۔ اور آپ نے مس کوثر۔"

"میں نے بھی کر لیا۔" کوثر نے جواب دیا۔

"آیئے، بیٹھیے۔" میں نے کہا۔

"آپ نے سفر کی تیاریاں دیکھیں۔"

"ہاں۔"

"مناسب ہیں۔"

"میرے خیال میں یقیناً۔"

"آپ کے خیال میں سفر کیسا رہے گا سرفراز صاحب۔"

"بیحد دلچسپ۔" میں نے وثوق سے جواب دیا۔

"کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ آپ نے اس سے قبل۔"

"بہت سے کام میں نے اس سے قبل نہیں کئے مس کوثر لیکن ہم ان کے بارے میں اندازہ تو کر سکتے ہیں۔" میں نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔" کوثر نے آہستہ سے کہا۔ وہ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔ بہرحال اسکی کیفیت درست نہیں تھی۔ کافی دیر تک وہ میرے پاس بیٹھی رہیں۔ لیکن اندازہ ہوتا تھا کہ ذہنی طور پر حاضر نہیں ہے۔ اس کے دل میں کوئی کدورت ہے لیکن اس کا اظہار نہیں کر پا رہی اور اسکی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں سمجھتا تھا۔

پھر نواب صاحب نے آواز دی۔ اور وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر باہر نکل گئی۔

کاش۔ تم پہلے کی مس کوثر بن جاؤ۔ میں نے سوچا۔ حالانکہ یہ اب مشکل ہی نظر آتا تھا۔ لیکن بہرحال۔ کوثر صاحبہ۔ ہم دونوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے اور یہ فاصلہ برقرار رہے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ۔ آپ اسے عبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تھک جائینگی! پیچھے رہ جائینگی کہیں اس سفر میں منزل نہ گم کر بیٹھیں۔

◇

پھر یہ عظیم الشان قافلہ صحرائے اعظم میں داخل ہو گیا۔ جوزدنو اور اس کا پورا خاندان ہمیں چھوڑنے آیا تھا۔ بہت محبت اور نیک تمناؤں کے ساتھ انہوں نے ہمیں رخصت کیا۔

سب لوگ لینڈ روورز میں سوار تھے۔ ٹریلر اور باسکٹ وین پیچھے منسلک تھیں۔ جوزدنو کے فراہم کردہ جوان ڈرائیونگ بھی جانتے تھے۔ بڑے مضبوط اور سعادت مند لوگ تھے، انگریزی سے اچھی طرح واقف تھے۔ بہرحال ان لوگوں سے واقعی خوب مدد مل گئی تھی۔ اور سب آزاد تھے یہ دوسری بات ہے کہ ان کو آرام دینے کے لئے کوئی ان سے ڈرائیونگ لے لے۔

عظیم صحرا میں ہم دوپہر کے بعد داخل ہوئے تھے، دور تک ایک ویران بنجر علاقہ نظر آ رہا تھا۔ تاحد نگاہ پتھریلی زمین۔ بہت دور نگاہ کی حد کے بعد درختوں کی سیاہی نظر آتی تھی، وہ بھی کسی بلند جگہ سے۔ ہماری ویگن میں ڈاکٹر میکارڈ اور ان کی لڑکیاں، نواب فیروز الدین، میں اور کوثر تھے۔ میرلیسا سے یہاں جان چھوٹ گئی تھی، وہ اپنے باپ کرنل ڈکسن کے ساتھ تھی، اس کے ساتھ ہی بیگلے اور اس کی لڑکی تھی، باقی لوگ دوسری گاڑی میں تھے۔

کوثر خاموش تھی۔ شام کو چھ بجے سورج چھپ گیا اور اندھیرا کسی طوفان کی طرح بڑھتا چلا آیا۔ آن کی آن میں اس نے ماحول کو نگل لیا اور ہر چیز تاریک ہو گئی۔

تب ڈرائیوروں نے روشنیاں جلائیں، اور پھر آگے والی گاڑی سے کرنل ڈکسن نے سیٹی بجائی۔ جس کا مطلب تھا کہ رک جایا جائے۔ گاڑیاں رک گئیں اور کرنل ڈکسن کے ساتھ دوسرے لوگ بھی نیچے اتر آئے۔

"کیا خیال ہے فیروز۔ پہلا قیام یہیں کیا جائے۔"

"ہاں۔ جگہ مناسب ہے۔ پُرسکون اور درختوں سے دور۔ اور پھر رات بھی ہو گئی ہے۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"پھر ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"او کے۔" دوسرے لوگوں نے بھی اس قیام پر اتفاق کیا۔ چاروں سیاہ فام اتر گئے۔ انہوں نے صرف تین خیمے لگائے، تینوں خیمے احتیاطاً لگائے گئے تھے ورنہ ٹریلر ہی اتنے بڑے تھے کہ سب لوگ ان میں آرام کر سکتے تھے۔

ضروری سامان اتارا گیا، جس میں دوسرے لوگوں نے بھی سیاہ فاموں کی مدد کی۔ چنانچہ سب سے پہلے کافی تیار کرائی گئی، اور پھر کھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ واقعی لطف آ رہا تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم۔ سناٹا۔ لیکن جوزدنو کے انتظامات معمولی نہیں تھے۔ ایک سیاہ فام نے ٹریلر میں لگی ہوئی سرچ لائٹوں کا بٹن آن کر دیا، اور دودھیا روشنی دور تک پھیل گئی۔

ہم سب حیران رہ گئے تھے۔

"اس طرح بیٹری جلد ختم ہو جائے گی۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔

"نہیں جناب۔ ٹریلر میں جنریٹر نصب ہیں۔ روشنی ان سے ہو رہی ہے۔ بیٹری چارجنگ کا پورا انتظام موجود ہے۔"

"اوہ۔ بھئی سچی بات ہے۔ اس جوزدنو نے جو آسانیاں فراہم کر دی ہیں ان سے اس سفر میں چار چاند لگ گئے ہیں۔" کرنل ڈکسن نے اعتراف کیا۔

پھر ایک طرف سے موسیقی کی لہریں ابھریں اور سب اچھل پڑے۔

"یہ لوگ تو الہ دین کے چراغ کے جن معلوم ہوتے ہیں۔ یہ موسیقی کہاں سے ابھری؟" یوسف علی نے کہا اور نواب صاحب حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

"ٹریلروں سے آواز آ رہی ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"خوب انتظام ہے بھئی!"

"لاکھوں روپیہ خرچ ہوا ہوگا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

بہرحال خوب ٹریلر تھے، جنگل میں منگل کر رہا تھا۔ لڑکیاں اور نوجوان اس سیاہ فام کے گرد جمع ہو گئے جو ٹریلر آپریٹر تھا۔ اس سے طرح طرح کے سوال کئے جانے لگے اور پھر خوب تالیاں پیٹی گئیں۔

ریکارڈ بجتے رہے، کافی تقسیم ہو گئی اور خوب عیش ہونے لگے۔ کوثر صاحبہ اب بھی ذرا دور دور تھیں، اور لطف کی بات تو یہ تھی کہ مس میرلیسا بھی زیادہ مائل نظر نہیں آتی تھیں۔

بہرحال مجھے کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ کھانا تیار ہوا، کھایا گیا۔ اور پھر آرام کی طے ہو گئی۔ کرنل ڈکسن، یوسف علی اور نواب صاحب یہاں بھی باز نہ آئے۔ روشنی کافی تھی، بس بساط بچھا دی گئی اور شطرنج ہونے لگا۔ موسیقی بند کر دی گئی۔ میں نے ایک گاڑی میں ہی رات گذارنے کا فیصلہ کیا۔

اور پھر نہ جانے کب خیالات میں الجھا الجھا سو گیا۔ خاصی نیند کر چکا تھا جب کسی نے جھنجھوڑا۔ نواب صاحب تھے، ان کے پیچھے کوثر صاحبہ بھی موجود تھیں۔ "اوہ۔ خیریت؟"

"اماں۔ عجیب انسان ہو۔ کمال کر دیا۔" نواب صاحب بولے۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہاں سونے کی کیا ضرورت تھی؟"

"حرج بھی کیا تھا نواب صاحب۔"

"یہ کوئی سونے کی جگہ ہے۔"

"کچھ لوگوں کو تو سونا ہی پڑے گا۔ سب ٹریلر میں تو آرام نہیں کر سکیں گے۔"

"تو تم نے خود کو ان کچھ لوگوں میں شامل کیوں کر لیا۔ اترو نیچے۔" نواب صاحب بولے اور میں جلدی سے نیچے اتر آیا۔

"ارے۔ آپ بھی نہیں سوئیں ابھی تک کوثر؟" میں نے پوچھا۔

"سو گئی تھی بے چاری، تمہارا سن کر تو پریشان ہو گئی۔"

"اوہ۔ نواب صاحب! آپ نے ناحق۔۔۔"

"اچھا اچھا۔ آ جاؤ۔ دل ہول گیا تھا۔ میاں ابھی تم ان علاقوں سے ناواقف ہو، ایسی تفریحات نہ کیا کرو سمجھے۔ ساری جگہ مارا مارا پھرا ہوں کوثر نے ہی کہا کہ کسی گاڑی میں دیکھا جائے، کہیں سو تو نہیں گئے۔ ورنہ میں بھی ساری رات نہ سو سکتا۔" نواب صاحب غصیلے لہجے میں بولے۔

چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا، سرچ لائٹیں بھی بجھا دی گئی تھیں صرف معمولی روشنیاں رہنے دی گئی تھیں۔ ٹریلروں کی چھت پر سیاہ فام بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ لوگ؟" میں نے سیاہ فاموں کو دیکھا۔ ان کے پاس بندوقیں نظر آ رہی تھیں۔

"آدھی رات کو دوسرے جاگ جائیں گے۔" نواب صاحب نے بتایا، اور میں نے گردن ہلا دی۔ ٹریلر میں ہم تنہا نہ تھے۔ مادام ماریا اور پروفیسر بیگلے اس کے علاوہ ڈیڈیسن اور احمد السعدی بھی تھے۔ گویا صرف میں تھا۔ دونوں لڑکیاں ایک کمرے میں تھیں اور ہم ایک طرف ہے میرلیسا یہاں بھی نہیں تھی۔ ورنہ میری پوزیشن خراب ہو جاتی۔

خاموشی سے کوثر بھی لیٹ گئی، اور نواب صاحب نے ٹریلر کا اندر سے بند کر دیا۔ میں بھی نیند ہی میں تھا، چنانچہ لیٹتے ہی سو گیا۔

اور پھر دوسری صبح سب لوگ کافی دن چڑھے اٹھے تھے۔ میں ضرورت سے زیادہ ہی دیر سے اٹھا تھا۔ اور جب میں اٹھا تو ناشتہ بالکل تیار تھا۔ تمام لوگ اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ناشتے انتظار کر رہے تھے۔

سیاہ فاموں نے ناشتہ کینوس کی میزوں پر لگا دیا۔ وہ بے حد سے کام کر رہے تھے۔ جوزدنو نے کمال کے آدمی ہمارے سپرد کئے تھے۔

"بہت کام کے آدمی ہیں یہ۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔

"یہی میں کہنے والا تھا۔ بالکل مشینی انسان معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہرحال انسان ہیں۔ آج رات ان کی چھٹی کی جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"اس کے علاوہ دوستو۔ میں ایک خاص بات کی ضرورت محسو

کر رہا ہوں" کرنل نے کہا۔
"کیا۔؟" سوال کیا گیا۔
"یوں تو ہم سب دوست ہیں، اور ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود ایک سربراہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، اس قسم کی مہمات میں یہ ضروری ہوتا ہے، کیا دوسرے لوگ میری رائے سے اتفاق نہیں کریں گے؟"
"یقیناً۔ یقیناً" سب نے کہا۔
"تو میری رائے ہے کہ کسی کو اپنا سربراہ چن لیا جائے اور اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے"
"مناسب بات ہے"
"آپ کی تجویز۔؟"
"کرنل ڈکسن" بہت سی آوازیں ابھریں۔
"تم اس پارٹی میں مناسب ترین آدمی ہو"
"ہمیں تمہارے اوپر اعتماد ہے"
"دوستو" کرنل ڈکسن نے مسکراتے ہوئے کہا "میری نگاہ میں ایک اور شخص ہے، آپ لوگ سن لیں اور اس کے بعد فیصلہ کریں"
"وہ کون۔؟"
"ڈاکٹر میکارڈ۔ بلاشبہ سب سے معتبر، سب سے زیادہ جہاندیدہ۔ یہاں معاملہ کارکردگی کا نہیں ہے، سربراہ کی بات کا ہے اور دوستوں سے معذرت کے ساتھ، ڈاکٹر میکارڈ سے عمدہ آدمی اس کام کے لئے میری نگاہ میں اور کوئی نہیں ہے"
"میں تائید کرتا ہوں" نواب فیروز الدین نے کہا۔
"ہم سب ہی تائید کرتے ہیں، بلاشبہ ہم میں سے کسی کو ڈاکٹر کے احکامات ماننے میں تامل نہ ہوگا"
"میں۔۔۔ اس قابل نہیں ہوں ساتھیو" ڈاکٹر میکارڈ نے کہا۔
"ہم سب متفق ہیں ڈاکٹر۔ براہ کرم آپ انکار نہ کریں"
"لیکن میں آپ کے مشوروں کے بغیر ناکارہ ثابت ہوں گا"
"ہم سب آپ کے شانہ بشانہ ہیں ڈاکٹر۔ آپ فکرمند کیوں ہیں"
چنانچہ یہ بات طے ہو گئی، اور پھر سفر کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر چل پڑیں۔ اس بار اسٹیئرنگ دوسرے لوگوں نے سنبھالے تھے۔ سیاہ فاموں سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ آدھے دن آرام کریں، کل وہ ڈرائیونگ کرتے رہے ہیں۔
طویل میدان ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، درخت اب قدرے صاف نظر آنے لگے تھے۔ لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھی دور بھاگ رہے ہوں۔ ٹریلروں کی وجہ سے اور باسکٹ گاڑیوں کی وجہ سے رفتار بہت زیادہ تیز نہیں کی جا سکتی تھی، چنانچہ مناسب رفتار سے سفر ہو رہا تھا۔ اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ میرے پاس تھا اور کوثر میرے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی عقبی سیٹ پر دوسرے لوگ تھے، آج ساتھی بدل گئے تھے۔

ویسے کوثر کا رویہ ابھی تک بدلا ہوا تھا۔ وہ عموماً خاموش ہی رہتی تھی، ویسے کبھی کبھی احساس ہوتا کہ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے اوقات میں وہ اپنی پرانی روش واپس لانے کی کوشش کرتی۔ لیکن مصنوعی اقدار سے اسے بھی شاید کوفت ہوتی تھی، اس کے دل میں غبار اس کو جسے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔
رہی میری بات تو میں تو بہت خوش تھا، میں تو اس کے التفات سے خوفزدہ تھا۔ دیوانی لڑکی، دوسری لڑکیوں کی طرح روگ لگا بیٹھی تو مفت میں ماری جائے گی۔ اس کی تو زیادہ پرواہ بھی نہیں تھی۔ لیکن نواب فیروز الدین کا معاملہ سخت تھا۔ اس محبت کرنے والے انسان کو میں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔
چنانچہ میں نے طے کر لیا تھا کہ مس کوثر، آپ کے اس جذبے کو ہوا ملنی چاہیے۔ کاش آپ کے ذہن میں میرے لئے نفرت جڑ پکڑ سکے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں اس بارے میں سوچتا رہا، اور اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔
باربرہ فونا۔ کیا وہ لڑکی میری مددگار ثابت ہو سکتی ہے؟
اوہ۔ عمدہ خیال ہے۔ زہر کو مارنے کے لئے زہر ہی سے کام لیا جاتا ہے، اگر فونا بھی بھٹک گئی تو اسے سنبھالنے کے لئے کچھ اور کر لیا جائے گا۔ بہرحال ایک کام تو ہو۔
"ویری گڈ" میں نے چٹکی بجائی اور سیاہ فام عقب سے اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔
"یس سر، گاڑی روک دیں" وہ بولا۔
"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"بس میں تازہ دم ہوں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔۔۔ تم سمجھے تھے، میں نے تمہیں بلانے کے لئے چٹکی بجائی ہے"
"نو سہی جناب۔ اب میں ڈرائیونگ کرنے کے لئے تیار ہوں" اس نے کہا۔
"تمہاری مرضی" میں نے کہا اور گاڑی روک دی۔ کوثر بھی نیچے اتر کر پیچھے چلی گئی۔ میں بھی عقبی سیٹ پر آ گیا، اور میں نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کوثر بھی خاموش تھی، اور دوسرے لوگ بھی ظاہر ہے سب کی موجودگی میں ہم کوئی بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ سفر کافی حد تک بدمزہ ثابت ہوا۔ گو افریقہ کے مخصوص دلکش مناظر اب بھی دور تک بکھرے ہوئے تھے۔
لیکن بند آنکھوں میں تاریکی کے سوا اور کیا نظر آتا۔
ایک بار پھر میرا ذہن گاڑی کے انجن کی گھوں گھوں سے ہم آہنگ ہو گیا۔ مٹے مٹے خاکے ابھرنے لگے، یہ خاکے جب بھی ابھرتے تھے طبیعت بے چین ہو جاتی تھی۔
یادیں نشتر کی طرح ذہن میں چبھتی تھیں اور بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ گو میرے ارمانوں کا سفر شروع ہو گیا تھا، یہی تو میں نے سوچا تھا۔

دیا تھا ان کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ پھر یہ اداسیاں کیوں؟
...ش ہونا چاہئے۔ میری منزل قریب سے قریب تر آتی جا رہی ہے اور ...تہ آزمانے کے لئے آمادہ ہوں۔ افریقہ کے خزانے کھلے پڑے ہیں اور ...ہمت کی ہے، جرأت کی ہے، میں انہیں حاصل کر سکتا ہوں۔
اور میرے ذہن میں کچھ نئے خیالات نے جنم لیا۔
میرے کانوں میں نواب فیروز الدین کے الفاظ ابھرے۔
"اس وقت تک، جب تک ہیروں کا کوئی بڑا ذخیرہ ہمارے ہاتھ نہ جائے، تم ان سب پر پورا پورا بھروسہ کر سکتے ہو، اور جب ہیرے درمیان آ جائیں تو ایک ایک سے چوکنا رہنا"
"اوہ۔۔۔ گویا ان شریف انسانوں کے درمیان بھی ایک بڑا تصور موجود ہے جو ہر طرح سے مطمئن لوگ ہیں، یہ جن کی مالی حالت انتہائی مطمئن کن ہے، ...ن کی جھک جھک سے یہ بھی اتنے خوفزدہ ہیں کہ انہیں دوسرے لوگوں کے ...کا احساس ہے۔ ایسی شکل میں میری کیا حیثیت ہے"
نواب فیروز الدین انتہائی نیک انسان ہیں، اگر میرے دل میں کوئی ...کبھی آئی، تو وہ ان کے خلاف نہیں ہو گی، بہرحال وہ میرے محسن بھی ہیں ...دوسرے لوگ۔
نہ جانے ذہن کہاں کہاں بھٹکنے لگا، فرزان عامری کی کہانی یاد آئی ...کے نوجوان بیٹے کا خیال آیا۔ اور نہ جانے کیا کیا، بڑی سخت کشمکش ...کا شکار ہو گیا۔ دماغ دکھنے لگا۔
اگر۔۔۔ اگر میں ان لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤں۔ اگر افریقہ کے کسی ...سرا خطے میں میں ان لوگوں کو چھوڑ کر چپکے سے نکل جاؤں تو یہ بات ہی ...ہو جاتی ہے، میں اپنے طور پر قسمت آزمائی کروں گا، دوسرے اپنے طور پر ...یں، جس کی تقدیر میں جو کچھ ہو، پا لے، اس طرح نہ میں غاصب ہوں گا اور ...دوسرے۔ کیا ضرورت ہے ان لوگوں کے ساتھ رہنے کی۔
لیکن ابھی نہیں، ابھی تو میں افریقہ سے پورے طور سے واقف بھی ...نہیں ہوا ہوں، اور پھر ابھی تو بہت وقت ہے، پہلے کچھ عرصہ ان کے ساتھ ...گزار لوں، اس کے بعد۔
لیکن پھر ایک اور خیال آیا، فرض کیا جائے ان لوگوں کو چھوڑ دوں۔ ...نواب فیروز الدین پریشانی سے مجھے تلاش کریں، مایوس ہو جائیں اور اس کے ...بعد یہ لوگ ہیروں کا ذخیرہ حاصل کر لیں، تب۔۔۔ تب ان کے درمیان ...پھوٹ پڑ جائے، تو نواب صاحب کیا کریں گے، کوثر کی حفاظت کریں گے ...یا ہیرے بچائیں گے۔ میرا خیال ہے وہ طوطا چشم انسان ہیں، صرف مہمات ...پسند۔ وہ ہیروں پر لعنت بھی نہیں بھیجیں گے۔
لیکن مجھے کیا، یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ میں نے ان کی ملازمت کی ...ہے، زندگی بھر کے لئے خط غلامی نہیں لکھ لیا، جو ان کا دل چاہے کریں۔
...رہ گئی کوثر۔۔۔ تو وہ نیک لڑکی ہے، سادہ اور پاک فطرت کی مالک ...ہے، اس کی شخصیت پر داغ نہیں لگنا چاہئے۔ اگر وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح ...میرے چکر میں پڑ گئی تو مناسب نہ ہو گا، کسی بھی قیمت پر، کسی بھی طور۔ اسے محفوظ

رکھنا چاہئے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے۔
ہاں نواب صاحب کے احسانات کا بدلہ اسی انداز میں دیا جا سکتا ہے کہ کوثر کو نہ بھٹکنے دیا جائے۔ اسے ہر قیمت پر سنبھالا جائے۔
اور سوچ۔۔۔ ماضی میرے لئے جب تک ہوتے تھے، ذہن دوال الٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے صدیوں کا بخار میرے اوپر مسلط ہو کر رہ گیا ہو۔
کوثر نہ جانے اس دوران میری طرف متوجہ ہوئی تھی یا نہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ متوجہ بھی ہوئی ہو تو کیا۔ ظاہر ہے دوسرے لوگوں کی موجودگی میں وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔
اور وقت گذرتا رہا۔ میرا بخار بدستور میرے ذہن پر مسلط رہا۔ میں آنکھیں کھول کر کسی کو دیکھنے کی جرأت نہیں پاتا تھا۔ ہاں میرا ذہن بدستور کام کر رہا تھا۔ کوثر گو میرے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی، لیکن میں اسے خود سے بہت دور تصور کر رہا تھا۔
اس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔
سرفراز۔ کیا چاہنا گناہ ہے۔
میں ایک مشرقی لڑکی ہوں سرفراز۔
میں تم سے عشق کرتی ہوں۔
میں تمہیں بے پناہ چاہتی ہوں۔
میں تمہارے اوپر حیات کا ہر لمحہ قربان کر سکتی ہوں۔
تمہاری شخصیت پر مجھے مکمل اعتماد ہے۔
میرا ایمان ہے سرفراز صاحب کہ آپ ایک نیک انسان ہیں۔
اور میرا دماغ پھٹنے لگا۔ کیا اتنے مضبوط ارادوں کی مالک لڑکی کو میں اس کے تصور سے بچا سکتا ہوں۔ کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ لیکن روشنی کی ایک کرن چمکی۔ میرے رقص کرنے کے بعد۔۔۔ میرے رقص کرنے کے بعد سے کوثر بدلی بدلی کیوں ہے۔
"اس کا مقصد ہے گنجائش موجود ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر میں تھوڑی سی کوشش کروں تو کام بن سکتا ہے۔
لیکن یہ کوشش کیا ہو گی، باربرا فونا، ڈینیلا، میریلیا۔ ان میں سے کوئی لڑکی۔۔۔ مگر یہ سب کچھ تو کیا جا چکا ہے۔ اس سے آگے کی کوئی بات ہونی چاہئے۔
بلا سے۔۔۔ بلا سے مجھے اپنی پاکیزگی، اپنے سارے تصورات کو چکنا چور کرنا پڑے۔ کوثر کو صحیح راستے پر لگانا میرا فرض ہے۔ میں۔۔۔ میں اسے ضرور درست کر دوں گا۔ ضمیر کی قربانی دے کر۔ ہاں ضمیر کی قربانی دے کر، اور یہ فیصلہ کرنے کے بعد بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میرے آواز کھینچنے لگے میں خود کو پاکباز یا کوئی بے حد باضمیر انسان نہیں کہوں گا۔ نہ جانے کتنے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں، نہ جانے کتنے داغ میرے ضمیر پر ہیں۔ لیکن ہاں عورت کے معاملے میں میں صاف رہا ہوں۔ کوئی لڑکی میرے اس قدر قریب نہیں پہنچ سکی کہ میں اس کے دل کی دھڑکنوں کو شمار کر سکوں۔
لیکن اس نئے فیصلے سے میں بہت سوں کے سامنے عریاں ہو گیا تھا۔

اور میرا دماغ بُری طرح چکرانے لگا تھا۔ میں نے سوچا۔ میں اس قدر ریاکاری سے کام لوں گا کہ بالآخر کوثر کو اپنے فیصلوں پر پچھتانا پڑے گا۔

ہاں اسے پچھتانا ہی پڑے گا۔

• سرفراز صاحب! کوثر کی آواز ابھری اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔

• ارے۔ آپ کو تو بخار ہے! کوثر نے چونک کر کہا۔ اور میں اسے گھورتا رہا۔ پھر میرے حواس واپس آگئے۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

• کیا کہا آپ نے! میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

• آپ کو تو بخار ہے!

• اوہ نہیں۔ کیا میرا ہاتھ گرم ہے!

• کافی گرم ہے!

• لیکن میں بخار کی کیفیت نہیں محسوس کر رہا، یونہی حدت ہو گی! میں نے لاپرواہی سے کہا۔

• کیا آپ سو گئے تھے!

• نہیں تو۔۔۔!

• نہ جانے آپ آنکھیں بند کئے کیا کہہ رہے تھے!

• ہاں۔ بس غنودگی سی طاری ہو گئی تھی! میں نے جھینپتے ہوئے سے انداز میں کہا اور کوثر خاموش ہو گئی۔

دوپہر ہو گئی تھی، سب کو بھوک لگ رہی تھی، اور چونکہ ابھی اس قافلے میں کوئی ہنگامی کیفیت نہیں تھی، اس لئے آرام آرام سے سفر کیا جا رہا تھا۔ کسی کو جلدی نہیں تھی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے لئے گاڑیاں روک لی گئیں۔ ریتیلا میدان تھا، کسی سائے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ لیکن ٹریلر بہترین جگہ تھے، چنانچہ دوپہر کا کھانا انہیں میں سرو کیا گیا اور انہیں میں آرام کیا گیا۔

میں نے بھی دوسروں کے ساتھ کھانے میں حصہ لیا تھا۔ لیکن نواب فیروز الدین زبردستی ڈاکٹر بن گئے۔ انہوں نے میرے لئے صرف شوربہ تجویز کیا اور اس کے علاوہ مجھے کھانے کو کچھ نہ دیا گیا۔

دوپہر کو دو گھنٹے کے آرام کے بعد سفر پھر شروع ہو گیا، اور ہم اسی ترتیب سے چل پڑے۔ سوائے اس کے کہ نواب صاحب اس بار جانے ساتھ تھے کوثر بھی حسب معمول تھی۔ راستے میں نواب صاحب کے چٹکلے جاری رہے۔ بلکہ انہوں نے تو شطرنج کی بھی تجویز پیش کی جو بہرحال دوران سفر مناسب نہ سمجھی گئی۔

شام جھکنے لگی۔ فضا معتدل ہو گئی تھی اور اب ریتیلا میدان بھی ختم ہو گیا تھا اور ہم چھدرے سرسبز درختوں کے درمیان سے گذر رہے تھے۔ راستوں کی طرف سے یہ لوگ مطمئن تھے۔ سفر مناسب راستے پر ہی کیا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور چونکہ جس جگہ پر ہم تھے وہ قیام کے لئے مناسب تھی۔ اس لئے ڈاکٹر میکارتھی نے یہیں قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا، بقیہ سفر ملتوی کر دیا گیا۔ سیاہ فام حبشی جلدی جلدی تیاریاں کرنے لگے، ان لوگوں کی پھرتی اور مستعدی مجھے بہت پسند تھی، منٹوں میں انہوں نے تیاریاں مکمل کر لیں۔ نواب صاحب میرے نزدیک ہی کھڑے ہوئے تھے۔

• بڑے شاندار جوان ہیں! انہوں نے بے اختیار کہا۔

• کون! میں نے چونک کر پوچھا۔

• ان افریقی جوانوں کے بارے میں بات کر رہا ہوں!

• ہاں۔ مجھے بھی بے حد پسند ہیں! میں نے جواب دیا۔

• تم دیکھو! یہ جس شعبے میں ہیں، کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لیکن ... کہ سفید قوموں انہیں ابھرتے نہیں دیکھ سکتیں۔ انہوں نے سارے راستے ان پر مسدود کر دیئے ہیں۔ ایسے شعبے سے انہیں دور رکھتے ہیں جو کسی ... کا حامل ہو لیکن جہاں وہ پہنچے ہوئے ہیں وہاں دوسرے ان کے مقابل ...

• درست کہا آپ نے! میں نے ان کی تائید کی۔

• اب تمہاری طبیعت کیسی ہے! نواب صاحب نے موضوع بدلا۔

• طبیعت خراب ہی کب تھی! میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• بس بس۔ گڑبڑ نہیں ہو گی، اس وقت بھی صرف شوربہ ملے گا ... ہے کل تک بدن کا چور نکل جائے گا!

اور پھر وہ کوثر کو مخاطب کر کے بولے۔

• کوثر بیٹے! خیال رکھنا۔ کوئی اور چیز نہ کھا لیں یہ۔ سمجھیں! نواب ... نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔ نواب صاحب بھی ہنسنے لگے۔ لیکن کوثر کا ... سپاٹ ہی رہا۔

حسب معمول موسیقی شروع ہو گئی۔ مہم کیا تھی اچھا خاصا ... تھی۔ پسندیدہ ریکارڈ سنے جا رہے تھے۔ فرمائشیں ہو رہی تھیں اور پوری ہو رہی تھیں، اور پھر نوجوان لوگوں نے رقص کا پروگرام بنا لیا۔ لیکن یہ کان گری گری تھی، میں اس طرف نہ گیا، اور کسی سنسان گوشے کی تلاش میں چل پڑا۔ بہرحال زیادہ دور جانا مناسب نہ سمجھا۔ خطرات کو بہرحال ذہن میں رکھنا تھا، ایک درخت کے نیچے گھاس پر لیٹ گیا۔ اور اپنے پروگرام پر غور کرنے لگا۔ یہ بھی سوچا کہ اچانک طبیعت کیوں خراب ہوئی، دل سے یہی جواب ملا کہ ... کی موت بہرحال سارے احساسات کی موت ہوتی ہے۔ میں نے ضمیر پر وار کیا ہے تکلیف تو ہو گی ہی۔

کچھ بھی ہو۔ یہ بھی ضمیر کے لئے ہی ہے۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، اور پھر کسی کو نزدیک آتے دیکھ کر طبیعت مکدر ہو گئی۔

اس وقت تنہائی کو ہی دل چاہ رہا تھا۔ لیکن شکر ہے، کوثر تھی۔ کی قربت بہرحال اتنی ناگوار نہ ہوتی تھی، جتنی میرلیا وغیرہ کی۔

کوثر میرے قریب آگئی۔

• سونے کی کوشش ہو رہی ہے! اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

• اوہ نہیں۔ بس ہنگامے سے اکتا کر یہاں آگیا تھا!

• ریکارڈنگ بند کرا دوں!

• ارے نہیں نہیں۔ دوسروں کو اپنے طور پر جینے کا حق ہے!

• آپ یہ حق تسلیم کرتے ہیں! کوثر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

• کیوں نہیں! میں حیرت سے بولا۔

• پھر کبھی کبھی دوسروں سے جینے کا حق چھیننے کی کوشش کیوں کرتے ہیں! کوثر کے لہجے میں اداسی گھل گئی، اور میں سمجھ گیا کہ کوثر کس انداز میں گفتگو شروع کر رہی ہے۔

چنانچہ میں اپنے پروگرام پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے ...

پہلی بار ان سے حیوان بننے کی کوشش کی۔ اور اس کوشش میں حیرت انگیز طور پر کامیاب رہا۔

• میں نہیں سمجھا کوثر صاحبہ!

• سمجھنے کی کوشش کریں! کوثر نے میری شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

• براہ کرم اس وقت ذہن کو ہلکا پھلکا ہی رہنے دیں!

• اوہ۔ سوری سرفراز۔ کچھ گرانی محسوس کر رہے ہو!" کوثر جلدی سے بولی۔

• نہیں۔ یہ بات نہیں۔ بس زیادہ غور نہیں کرنا چاہتا!

• میرا یہاں بیٹھنا ناگوار تو نہیں ہے!

• نہیں!

• اچانک طبیعت بگڑ کیسے گئی!

• نہ جانے آپ کو کیوں وہم ہوا ہے مس کوثر یقین کریں بالکل ٹھیک ہوں۔ ... نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

• رہنے دیں۔ پھر کبھی سہی! کوثر نے کہا۔

• یہ اور پریشان کن بات ہے!

• پھر میں کیا کروں، بتائیے تو سہی!

• جس موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں، وہی کریں!

• اصل میں حماقت میری ہی ہے!

• کیا ہے، براہ کرم سسپنس پیدا نہ کریں!

• ہم مشرقی لوگ، بعض معاملات میں بڑے تنگ نگاہ ہوتے ہیں! ... نے آہستہ سے کہا۔ "اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسے تنگ نگاہی سمجھتے ہوئے بھی اس پر قائم رہنے کی کوشش کرتے ہیں!

میں خاموش ہی رہا۔

• کیا خیال ہے آپ کا! کوثر نے پوچھا۔

• شاید! میں نے مختصراً کہا۔

• آپ کو اس بات سے اتفاق نہیں ہے! کوثر مسکرا کر بولی۔

• میں نے غور نہیں کیا ہے مس کوثر!

• میں اپنی مثال پیش کرتی ہوں! کوثر نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

• کیا! میں نے پوچھا۔

• یہی کہ اس رات میں آپ کو اس سیاہ فام لڑکی کے ساتھ رقص کرتے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکی تھی!

• اوہ! میں کوثر کی صاف گوئی پر حیران رہ گیا۔

• حالانکہ میں نے خلوص دل سے آپ کو اس کی اجازت دی تھی!

• شاید! میں نے رخ بدل لیا، میں خود کو ہونے والی گفتگو کے لئے تیار کر رہا تھا۔

• آپ کو یاد نہیں ہے!

• ہے! میں نے کہا۔

• اور آپ نے میرے اندر تبدیلی بھی نوٹ کی ہو گی!

• ہاں!

• اس کی وجہ نہیں پوچھی آپ نے!

• نہیں!

• کیوں!

یہاں پر بات رُک گئی تھی، کیونکہ اب مجھے جواب دینا تھا اور میرے جواب کی ابتداء ہی چونکا دینے والی ہونی چاہئے تھی۔ ورنہ بات آگے نہ بڑھنے پاتی۔ ویسے کوثر نے جس انداز میں گفتگو شروع کی تھی، اس میں بڑی اپنائیت، بڑا پیار تھا۔ وہ خود ہی اپنے روٹھنے کا اظہار کر رہی تھی۔ شکوہ کر رہی تھی کہ میں نے اسے منایا کیوں نہیں، اس کے روٹھنے کی وجہ کیوں نہیں پوچھی۔

• جواب دیں سرفراز۔ آپ نے مجھے اس قابل کیوں نہیں سمجھا!

• یہ بات نہیں ہے کوثر! میں نے آہستہ سے کہا۔

• پھر۔۔۔!

• دراصل پچھلے کچھ دنوں سے میں اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کر رہا ہوں!

• تبدیلی!

• ہاں!

• کس قسم کی تبدیلی!

• میں سوچنے لگا ہوں کوثر، کہ انسان نہایت بے حقیقت ہے۔ وہ خود کو مختلف شکلوں میں ڈھال لیتا ہے۔ وہ ضمیر کی باتیں کرتا ہے کتنے انسان ہیں جو اپنے ضمیر کو زندہ رکھ کر خود بھی زندہ ہیں۔ میرے خیال میں اس دنیا میں ایک چیز زندہ رہ سکتی ہے۔ خود انسان، یا اس کا ضمیر۔ اگر وہ خود زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنے سب سے بڑے دشمن ضمیر کو قتل کر کے ہی زندہ رہ سکتا ہے، اور اگر ضمیر کو زندہ رکھنا چاہتا ہے تو اسے خود مرنا ہو گا۔"

• کیا کہہ رہے ہو سرفراز!

• جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کا وہی مطلب ہے!

• لیکن میرے خیال میں تمہارا ضمیر زندہ ہے!

• ہاں۔ اسی لئے میں زندہ درگور ہوں!

• کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھی! کوثر حیرت زدہ ہو گئی۔

• میں نے اپنی شخصیت سینکڑوں پردوں میں چھپا رکھی ہے۔ میں اپنی ذات کو عریاں کر دینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں، میں بھی ایک عام انسان بن جاؤں۔ میں بھی رقص کرنا چاہتا ہوں، میں بھی زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو جانا چاہتا ہوں۔ ضمیر کی ان پابندیوں کو میں کب تک برداشت کروں، کیوں برداشت کروں، کیا دے رہی ہیں یہ مجھے!

• کیا لینا چاہتے ہو ان سے سرفراز!

• حسن۔ حسن کائنات۔ اس دنیا پر میرا بھی حق ہے!

• کس نے تمہیں تمہارے حق سے بے دخل کرنے کی کوشش کی ہے!

• خود میری اپنی ذات نے، میں نے خود کو خود میں محصور کر رکھا ہے، میں نے اپنے اوپر اخلاق کے پردے ڈالے ہوئے ہیں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے ان دبیز لبادوں میں۔ میں بھی باہر کی کھلی فضا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے انسان نہیں سمجھتیں کوثر۔ بتاؤ۔ کیا میں بے جان ہوں!

• کیا ہو گیا ہے سرفراز تمہیں۔ کیا ہو گیا ہے! کوثر نے خوفزدہ انداز

میں کہا۔

• بتاچکا ہوں شرافت وانسانیت کے وزن سے تھک گیا ہوں۔ آزادی چاہتا ہوں۔"

• لیکن یہ آزادی ضمیر کی موت ہوتی ہے۔"

• نفرت ہے مجھے اس شے سے۔ ضمیر۔ضمیر۔۔۔میرا سب سے بڑا دشمن ہے وہ۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

• گویا اب تم اسے بے حثیت کردینا چاہتے ہو؟"

• ہاں۔"

• نہیں سرفراز۔ تمہارا ضمیر ہی تو تمہیں عام انسانوں سے ممتاز کرتا ہے، تمہارے حسن کا نوے فیصد حصہ تمہارا ضمیر ہے ورنہ تم میں اور عام نوجوانوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔" کوثر نے کہا۔

• میں اپنے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھنا چاہتا۔"

• کچھ نہ رہے گا تمہارے پاس سرفراز۔"

• کچھ نہیں رکھنا چاہتا۔"

• سوچو۔ غور کرو۔" کوثر اٹھتے ہوئے بولی۔

• کہاں جارہی ہو؟" میں بھی جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

• کیا مطلب ہے تمہارا؟" کوثر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

• تم۔تم میری کوئی مدد نہیں کروگی کوثر۔ تم میری۔ تم میری کوئی مدد۔۔"

• سرفراز۔" کوثر کی آواز میں غراہٹ آگئی، وہ رک گئی۔ اس کے چہرے سے خوف مٹ گیا۔ "تم نے بڑی حسین عمارت توڑ دی ہے سرفراز، تم اپنا ملک تلاش ہوگئے ہو۔ ٹوٹے ہوئے پتھر کبھی نہیں جڑتے۔ کوئی جذبہ، کوئی جنون انسان کے حواس تو معطل کردیتا ہے۔ لیکن بے حواسی کے عالم میں بھی اس کی حیثیت برقرار رہتی ہے۔ ممکن ہے اندر سے تم ایسے ہی ہو، جیسے نظر آرہے ہو۔ ممکن ہے آج تمہاری اصل شخصیت عود کر آئی ہو۔ تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے۔۔۔!"

• ہاں۔ میری اصل شخصیت یہی ہے، کون سے تاج محل بنادیئے میری شرافت نے۔ مجھے کسی تاج محل کی ضرورت نہیں ہے، میں انسان ہوں اور انسان ہی رہنے دو مجھے، فرشتوں کی صف میں نہ کھڑا کرو۔ جاؤ۔ چلی جاؤ۔ لے جاؤ میرے پاس سے اپنی شرافت، ورنہ میں تمہیں بھی خراب کردوں گا جاؤ کوثر۔۔۔یہاں سے چلی جاؤ۔"

• ہاں۔یہ افریقہ ہے۔ وحشی درندوں کی بستی۔ میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔" کوثر نے حقارت سے کہا، اور تیز تیز قدموں سے واپس چلی گئی۔ اور مجھے ایک انوکھے سکون کا احساس ہوا۔

آہ۔ سب کچھ ختم کردیا تھا میں نے، کچھ نہ رکھا تھا اپنے پاس۔ اب اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت وحقارت کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ اور یہ بہت عمدہ بات ہے، کوثر پھر اسی شکل میں نظر آئے گی۔ یقیناً۔ سکون۔۔۔لامتناہی سکون، اور طبیعت بڑی ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی۔

اب میں نواب فیروز الدین کے سامنے شرمندہ نہ ہوں گا۔ اب میرے ضمیر میں کوئی ایسی پھانس تو نہ رہے گی جو بار بار تڑپاتی ہے، ایک بار تڑپ اٹھی ہے، ختم ہوجائے گی۔

نہ جانے آنکھوں کی کوروں سے آنسو کیوں نکل آئے۔ میں نے ا[illegible] آزاد چھوڑدیا۔ اور اسی طرح لیٹا رہا، آنسو بہتے رہے، کوئی میرے پاس نہیں ایسا لگتا تھا جیسے سب کو میری اس حرکت کا علم ہوگیا ہو۔ سب میرا بائیکاٹ کرنے پر تلے ہوں۔ لیکن ایک بات ہے۔

کوثر ہی کم جذباتی لڑکی نہیں ہے۔ اس نے میرے اوپر جس انداز اعتبار کیا تھا وہ بہت وزنی تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک بار پھر میرے اوپر چڑھ[illegible] ہوئے اس خول کو پہچان لے، اس خول کو اتارنے کے لئے کوشش کرے[illegible] اس خول کو اور مضبوط ہوجانا چاہئے۔ اتنا مضبوط کہ اس کے اندر کوئی[illegible] ہی نہ رہ جائے۔

اور اس کے لئے مجھے خود ہی کوشش کرنی چاہئے۔ میں نے چند پروگرام ذہن میں رکھ لئے۔ تب میرے دماغ میں ایک اور بات آئی[illegible] میں اچھل پڑا۔ ایسا نہ ہو کہ کوثر شدت جذبات میں نواب صاحب سے اس کا تذکرہ کردے۔ اوہ۔ اگر ایسا ہوا تو۔۔۔ایسا ہوا تو۔۔؟

ہاں اس کے لئے بھی سوچ لینا چاہئے، کوئی عمدہ سی ترکیب بھی ہوجائے، میں نواب صاحب کو یہ تو بتا نہیں سکتا کہ کوثر جذبات [illegible] بھٹک رہی تھی۔ میں نے اسے سنبھالنے کے لئے یہ حرکت کی تھی۔ اور کیا ہے کہ نواب صاحب اس بات پر یقین بھی کرلیں۔

بڑی بُری بات ہوجائے گی، نواب فیروز الدین جیسے شخص کی[illegible] میں میں اپنے بارے میں ایک بھی بال نہیں چاہتا تھا۔ اور اگر قسمت میں لکھا ہے تو پھر یہ بھی سہی۔ اچھا ہے نواب صاحب خود ہی مجھے اس پارٹی[illegible] دیں، تنہا چھوڑدیں مجھے۔

بہرحال میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ بدن کو بڑی تھکن کا احساس ہورہا[illegible] ایسا لگتا تھا جیسے بہت کچھ لٹ گیا ہو۔ ادتھر، فضول باتیں، بکواس۔ جا[illegible] کام بن گیا ہے، کون سا مجھے کوثر سے عشق کرنا تھا جو اس کی ناراضگی سے [illegible] وہ میری تھی زیادہ سے زیادہ دیوی بن جائے گی۔

روشنی اور نگاہوں سے بچتا ہوا میں اپنے ٹریلر میں داخل ہوگیا۔ خ[illegible] تھا کہ کوثر نہ موجود ہو، لیکن شکر ہے وہ نہ تھی، میں ایک کونے میں بستر پر لیٹ[illegible] اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت نیند ہی بہت سی الجھنوں کا[illegible] تھی اور مجھے نیند آگئی۔

پھر دوسرے دن صبح ہی آنکھ کھلی تھی۔ اتنی گہری، اتنی پرسکون آئی تھی کہ حیران رہ گیا طبیعت بشاش تھی۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی[illegible] صاحب سورہے تھے۔ لیکن کوثر نہیں تھی، شاید علی الصبح جاگ گئی تھی لیکن کہاں گئی۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ اسے تلاش کروں۔

لیکن پھر اپنی کھوپڑی پر چپت لگائی۔ اسے دور ہونا ہے تو ایس[illegible] حماقت سے گریز کرنا ہوگا۔ بہرحال طبیعت پر جولانی تھی۔ کوثر بے چار[illegible] کا دل تو ٹوٹا ہوگا، لیکن بہرحال انسان بن جائے گی۔

باہر نکل آیا۔ سب سے پہلے سیاہ فام ٹوبو سے ملاقات ہوئی۔ اس[illegible] مجھے دیکھ کر سلام کیا تھا۔

• ہیلو ٹوبو۔" میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

• ہیلو سر۔"

• ٹھیک ہو؟"

• بالکل ٹھیک۔" ٹوبو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• کیوں نہ آج شکار کھیلا جائے۔ شکار کا تازہ گوشت پکائیں گے۔" میں نے کہا۔

• جو حکم جناب۔"

• تمہارا نشانہ کیسا ہے ٹوبو؟"

• ٹھیک ہے جناب۔"

• بس پھر آج شکار کریں گے۔" میں نے کہا اور ٹوبو نے گردن ہلادی

تمام ضروریات سے فارغ ہوکر ناشتہ کیا گیا اور کوثر ناشتے پر ہی نظر آئی۔ اور میں اس کی انفرادیت کا قائل ہوگیا۔

کوئی اور لڑکی ہوتی تو کبھی کبھی ہوتی، چہرے پر کرب ہوتا، آنکھوں میں اداسی ہوتی۔ لیکن وہ ہشاش بشاش تھی، بلکہ پہلے سے مختلف نظر آرہی تھی۔

میں نے سکون کا سانس لیا۔ یہ اچھی بات تھی۔ کوثر نے اس حادثے کا کوئی بڑا اثر قبول نہیں کیا تھا۔ البتہ ایک دوبار اس نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ غالباً اندازہ لگارہی تھی کہ کہیں میں نے اس بار بھی تو اسے خود سے متنفر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اس ڈرامے کی نوعیت بڑی سنگین تھی۔ اس لئے شاید وہ اسے صرف ڈرامہ سمجھنے پر تیار نہیں تھی۔

بہرحال اس نے ایک اور احسان میرے اوپر کیا تھا۔ وہ یہ کہ اس نے نواب صاحب سے رات کے واقعے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ نواب صاحب کے رویئے میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

میں نے بھی کسی خاص احساس کا اظہار نہیں کیا تھا اور حالات معمول کے مطابق رہے۔ لیکن میں انہیں معمول کے مطابق رہنے دیتا تب نا۔ میں نے جو پروگرام بنایا تھا اس پر اسی وقت عمل کرنا ضروری تھا۔

پروفیسر بیگلے کی تنک چڑھی لڑکی باربرا فونا ایک وزنی باسکٹ اٹھا کے آرہی تھی۔ باسکٹ کافی وزنی تھی اور اس کے لئے خاصی مشکل ہورہی تھی۔ میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

• اوہ۔۔۔مس فونا، یہ کام ہم لوگوں کے لئے رہنے دیں۔" میں نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے باسکٹ لے لی اور اس نے بڑی نخوت سے شکریہ ادا کیا۔ میں نے باسکٹ اس کی بتائی ہوئی جگہ پر رکھ دی۔ کوثر قرب و جوار میں موجود نہیں تھی۔ میں نے موقع ملتے ہی نواب صاحب سے کہا۔

• کیا خیال ہے نواب صاحب، کیوں نہ آج دوپہر کے کھانے میں شکار کئے ہوئے جانور ہوں۔"

• کمال ہے اب کیا میرے پیٹ میں بھی گھسنے کی کوشش کررہے ہو؟" نواب صاحب آنکھیں نکال کر بولے۔

• جی۔۔۔میں نہیں سمجھا۔"

• صرف ایک لمحہ قبل میں نے کرنل ڈکسن کی تلاش میں نگاہیں دوڑائی تھیں، اس خیال کے تحت کہ اس سے کہوں کہ اس سفر میں نحوست کیوں طاری ہوگئی ہے۔"

• نحوست تو نہیں، اچھے خاصے پروگرام رہتے ہیں۔"

• ٹھیک ہے، لیکن سڑی بسی خوراک تو کسی بُرے وقت کے لئے بھی رکھی جاسکتی ہے۔"

• یعنی شکار۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• ہاں۔" نواب صاحب نے کہا۔

• ٹھیک ہے، آپ کرنل سے مشورہ کرلیں۔"

• اور تم دس بیس ہرن لے آؤ گے۔"

• اگر حکم دیں گے تو۔"

• ہرگز نہیں میاں، میں تمہیں نظر لگوانا نہیں چاہتا اور پھر ہمارے پروگرام کے تحت بھی تم کھل کر منظر عام پر نہیں آؤ گے، ہاں دو ایک ہرن مار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

• میں نے سیاہ فام ٹوبو سے بات کی تھی، آج میں اس کے ساتھ رہوں گا۔"

• ہاں ہاں، کیا حرج ہے۔" نواب صاحب فراخ دلی سے بولے، اور میں نے گہری سانس لی۔ کوثر پر ایک اور بُرا نقش چھوڑنے کی یہ ایک اور کوشش کی۔

لیکن لطف تو اس وقت آیا، جب باربرا فونا بھی اسی گاڑی میں آگئی۔ یہ اتفاق ہی تھا۔ میں ٹوبو کے برابر بیٹھا ہوا تھا، اور اس وقت تک مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کون کون ہمارے ساتھ ہوگا۔

فونا نے تو غور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن دور۔۔۔کوثر کی نگاہوں سے خارج ہوتی ہوئی چنگاریوں کی چمک یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

میں دل ہی دل میں مسکرادیا، ٹوبو میرے ساتھ ہونے کی وجہ سے خوش تھا۔ سیاہ چہرے لیکن پُرنور دل والوں نے مجھے بہت انسیت دی تھی، میں اس سے کمال مہربانی سے پیش آیا اور باتیں کرتا رہا۔

• شکار کھیلا رہی ماسٹر؟"

• کریں گے، ضرور کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔

• آپ کے بدن سے شکار کی بو آتی ہے ماسٹر۔" ٹوبو نے کہا۔

• اچھا۔ شکاری کے بدن سے کوئی مخصوص بو آتی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

• ہاں۔ ہماری ناک بہت تیز ہوتی ہے، کیا میں نے غلط کہا؟"

• ہاں۔ میں شکار کھیلتا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اور ٹوبو ہنسنے لگا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے کہا۔

• میرا خیال ہے شکار شروع کردینا چاہئے ماسٹر۔" ٹوبو نے کہا اور میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ٹوبو کو درحقیقت شکار کا تجربہ تھا پھر بھی میں نے اس سے پوچھ لیا۔

• کیوں ٹوبو؟"

• یہ وقت خوراک کی تلاش کا ہے، ہر جانور شکار کی تلاش میں نکلتا ہے اور ہر شکاری اپنا شکار پالیتا ہے، جوں جوں سورج تیز ہوتا جائے

گا، شکم سیر جانور آرام کرنے کے لئے مناسب جگہیں تلاش کریں گے۔

• ٹھیک خیال ہے۔

ہمارے عقب میں پروفیسر ہینگلے ہماری باتیں سن رہا تھا۔ جب ہم خاموش ہوئے تو اس نے کہا:

• اگر یہ بات ہے تو پھر دوسرے لوگوں کو اطلاع دو۔ شکار شروع کر دیا جائے۔

• کس طرح پروفیسر؟ میں نے پوچھا۔

• اوہ۔ دیکھو۔ شاید یہاں اور بھی تجربے کار شکاری موجود ہیں گاڑیاں رک رہی ہیں۔

• جگہ بھی مناسب ہے۔ ٹربو نے کہا

• ساری گاڑیاں ایک جگہ رک گئیں، انہوں نے ایک کیمپ سا بنا لیا تھا۔ ٹربو نے بھی اپنی گاڑی ان کے برابر روک دی۔ تمام لوگ نیچے آرہے تھے۔

• ڈیڈی۔ میں بھی شاٹ گن سے پرندوں کا شکار کھیلوں گی۔ بابرا نے باپ سے کہا

• اوہ۔ بے بی تمہارے پاس شاٹ گن موجود ہے۔

• ہاں۔

• تب ٹھیک ہے، پہلے ان لوگوں کو پروگرام بنا لینے دو۔

• اوکے ڈیڈی۔ بابرا فونا نے کہا، اور پھر وہ اپنی شاٹ گن درست کرنے لگی، میرے ہاتھوں میں بھی کھجلی ہو رہی تھی، لیکن بہرحال صبر کرنا تھا اور دوسروں کو شکار کھیلتے دیکھنا تھا۔

تمام بڈوں نے میٹنگ کی۔ بھلا سیاہ فاموں کے شکار کھیلنے کی کیا تک تھی۔ ہاں وہ شکار کو ذبح کر سکتے، اسے پکا سکتے تھے۔ یہاں ایک سے ایک بڑا شکاری تھا۔

خود نواب صاحب بھی اس وقت مجھے بھول گئے تھے، کوثر ان کے ساتھ ہی تھی، کمال کی لڑکی تھی، اس نے اب بھی اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا، وہ بدستور ہشاش بشاش تھی۔

شکاری شکار کھیلنے چل پڑے، ہمیں یہیں رہنا تھا۔

• مشکل ہے ماسٹر۔ اچانک ٹربو بولا۔

• کیا مطلب؟

• اتفاق ہی ہے جو یہ لوگ شکار لے آئیں۔

• کیوں؟

• افریقہ کے ان علاقوں میں شکار کھیلنے کا طریقہ دوسرا ہی ہے۔

• وہ کیا؟ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

• جھاڑیوں کا علاقہ ہے نا۔ اول تو شکار نظر ہی مشکل سے آئے گا۔ جانور بھی چالاک ہوتے ہیں، اپنے رنگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شکار اگر صرف جھاڑیوں میں تلاش کیا جائے تو بہتر ہے، یا پھر پانی کے کنارے جہاں وہ کھلا نظر آسکتا ہے۔

• ٹھیک ہے ٹربو۔ تمہاری طرح میں بھی ملازم ہوں، ان لوگوں کو شکار کھیلنے دو۔ میں نے کہا اور ٹربو گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر اس کے ساتھ رہا، اور پھر ٹہلتا ہوا اس طرف چل پڑا جہاں بابرا فونا اپنے باپ کے ساتھ جا رہی تھی۔ میرا رُخ بھی اپنی طرف دیکھ کر ہینگلے رک گیا۔

• آؤ نوجوان آدمی، کیا تمہیں بھی شکار سے دلچسپی ہے؟ پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• تھوڑی سی جناب!

• لیکن آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہیں گئے۔ بابرا فونا نے کہا

• اوہ۔ معاف کیجئے، شاید میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔ میں پلٹ پڑا۔

• ارے ارے۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں نے اس لئے نہیں کہی تھی، سنیئے پلیز۔ فونا جلدی سے بولی اور میں رک گیا۔ یقین کریں میں نے یہ اس لئے نہیں کہا تھا۔

• کوئی بات نہیں ہے خاتون۔ شاید یہ بات آپ کو معلوم نہ ہو کہ نواب فیروز الدین کا ملازم ہوں، اور آپ جانتی ہیں کہ ملازم آقاؤں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے۔

• آپ ہمارے ساتھ آئیے۔ آئیے پلیز۔ بابرا فونا ایک دم نرم ہو گئی

• ہاں ہاں آجاؤ لڑکے، دراصل فونا کو پرندوں کے شکار سے دلچسپی ہے۔

• اور پھر کچھ شغل بھی رہے گا۔ فونا مسکراتے ہوئے بولی۔

• آپ کیا شکار کریں گی مس فونا؟ میں نے کہا۔

• بس جو کچھ مل جائے۔ مجھے اس طرف کچھ تازیں نظر آئی تھیں۔ فونا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

• آئیے دیکھیں، ممکن ہے پانی ہو اس طرف۔

اور ہم چل پڑے۔ درحقیقت پہاڑی ٹیلوں کے دوسری طرف ایک چھوٹی سی خوشنما جھیل تھی، اور حقیقت آبی پرندے یہاں نظر آرہے تھے۔ ٹربو کا خیال بھی درست تھا، جھیل پر ہم نے کئی چیتل دیکھے جنہیں نہایت آسانی سے شکار کیا جا سکتا تھا، ہمیں دیکھ کر وہ چھپ گئے۔

• آہ۔ یہ جگہ تو بہت خوب ہے۔ فونا نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا

• میرا خیال ہے تم یہاں شکار کھیل سکو گی بے بی۔

• کوشش کرتی ہوں ڈیڈی۔ فونا نے کہا، اور گن لے کر تیار ہو گئی۔ اور پھر اس نے نشانہ لیا اور فائر کر دیا، لیکن اس کا کوئی نشانہ نہیں تھا۔ پرندے اڑ گئے اور فونا کھسیانے ہوئے انداز میں مجھے اور ہینگلے کو دیکھنے لگی۔

• کوئی بات نہیں ہے، دوبارہ سہی۔ ہینگلے نے اس کی ہمت بڑھائی

• دراصل میرا نشانہ کوئی خاص نہیں ہے۔ فونا نے کہا۔

• ٹھیک ہے مس فونا، دوبارہ کوشش کریں۔ اور ایک بار پھر فونا نے کوشش کی، لیکن اس بار بھی وہ ناکام رہی۔

• نہیں بنے گا ڈیڈی۔ وہ شرمندہ سی ہوتی ہوئی بولی۔

• اوہو۔ کیوں نہیں بنے گا۔ کوشش کرتی رہو، نہ بنے، تفریح ہی سہی۔ پروفیسر نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

• نہیں نہیں۔ خواہ مخواہ شرمندہ ہونے سے کیا فائدہ۔ فونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• ارے۔ اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔ براہ کرم ایک اور کوشش کریں۔ میں نے ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کیا اور فونا کی پشت پر آ گیا۔

اور پھر دونوں شانے پکڑ کر میں نے اس کی پشت اپنے سینے سے لگائی اور گن ٹھیک طور سے اس کے ہاتھوں میں تھما دی اور پھر پرندوں کی طرف نشانہ باندھتے ہوئے میں نے کہا۔

• نال کے نیچے میرا ہاتھ رہے گا۔ آپ نشست لیں۔ اور جب میں کہوں ٹریگر دبا دیں۔

• اوہ۔ اچھا۔ فونا کی آواز میں کسی قدر لغزش تھی۔

• چھرے والے کارتوس ہیں نا؟

• ہاں۔

• ٹھیک ہے، ہاں تو اینگل درست کریں۔ ٹھیک۔ ادھر۔ نیچے کے۔ فائر۔ میں نے کہا اور فونا نے ٹریگر دبا دیا۔

پانچ تازیں پھڑپھڑاتی ہوئی نیچے گریں، اور فونا کے حلق سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

• اوہ۔ میرے خدا۔ میرے خدا پانچ!

ہم تیزی سے دوڑے اور ہم نے تازیں ذبح کر ڈالیں۔

فونا بے حد خوش تھی۔ آپ تو بڑے ماہر نشانہ باز ہیں مسٹر سرفراز۔ اس نے دلچسپی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

• لیکن تازیں تو آپ نے شکار کی ہیں مس فونا۔

• اوہ۔ نہیں۔ صرف گن میرے ہاتھ میں تھی۔

• درحقیقت یہ تو بہت آگے کی بات ہے کہ دوسرے کے ہاتھوں سے اور نشانہ لگایا جائے۔ پروفیسر نے کہا۔ اور اس کا یہی مطلب ہے کہ سرفراز ایک زبردست شکاری ہے۔

• پروفیسر، میری درخواست ہے کہ یہ بات دوسروں تک نہ پہنچے۔ میں نے کہا۔

• کیا مطلب؟

• میری نوکری جاتی رہے گی۔

• ارے۔ ایسی کیا بات ہے۔

• بس میری درخواست۔

• ہاں ہاں ٹھیک ہے، لیکن بات عجیب تھی۔

• مسٹر سرفراز، ایک بار پھر۔ فونا نے کہا۔

• ضرور مس فونا۔ آئیے۔ میں نے کہا اور اس بار پوری دلچسپی سے وہ میرے سینے سے لگ گئی، پھر بھلا نشانہ خالی کیوں جاتا۔

فونا کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔

• خدا کی قسم ڈیڈی۔ اب مجھے یہ سب کتنا آسان معلوم ہونے لگا ہے۔

• پروفیسر ہینگلے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

• ہوں۔

• یہ لوگ جو شکار کو گئے ہیں، میری پیشن گوئی ہے، شکار کر کے نہیں لا سکیں گے۔

• کیوں؟

• جیسا یہ علاقہ ہے، وہاں شکار کرنے کے لئے ایک مخصوص تکنیک ہوتی ہے، شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔

• ممکن ہے بھئی، لیکن یہ تو جانے والوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہوگی۔

• میری ایک تجویز ہے۔

• کیا۔ کیا؟ فونا اور ہینگلے نے ایک ساتھ کہا۔

• کیوں نہ ہم پرندوں کی اتنی مقدار جمع کر لیں، جو سب کے لئے کافی ہو۔

• اوہ۔ کیا یہ ممکن ہے؟

• کیوں نہیں۔ کیوں مس فونا؟

• ہاں۔ جب دو فائروں میں ہم ایک درجن پرندے شکار کر سکتے ہیں تو یہ بات ناممکن تو نہیں ہے۔

• لیکن اگر شکار مل ہی گیا؟

• تب بھی یہ گوشت کام آسکتا ہے۔

• ویری گڈ۔ تب ہم اپنا کام کرتے ہیں اور وہ لوگ آئیں، ہم یہ گوشت اس وقت ظاہر کریں گے، جب وہ اپنی ناکامی کا اعلان کریں گے۔

• تب تیار ہو جائیے مسٹر ہینگلے۔

• میں تیار ہوں۔

اور پھر اس کے بعد دلچسپ مشغلہ شروع ہو گیا۔ شاٹ گن فونا ہی کے پاس تھی، اور اب وہ اسے میرے ہاتھ میں دینا بھی نہیں چاہتی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے سینے سے لگتے وقت اس کی کیفیت بدل جاتی تھی۔

پروفیسر قصائی کی پوسٹ سنبھال چکے تھے اور نہایت نفاست سے پرندے صاف کر کے رکھتے جا رہے تھے۔

ہم اینگل بدل بدل کر شکار کھیلتے رہے اور کیا مجال کہ کوئی وار خالی گیا ہو۔ پرندوں کا ڈھیر جمع ہوتا جا رہا تھا، فی آدمی چار پرندوں کا حساب لگا لیا گیا تھا، ضرورت سے زیادہ شکار کرنا بیکار تھا۔

اب یہ صورتحال تھی کہ میں اور فونا پروفیسر سے کافی دور ایک آڑ میں پرندوں کی گھات میں بیٹھے تھے۔ پرندے اب ہوشیار ہو چکے تھے، اس لئے ذرا دیر لگ رہی تھی۔ یہاں سے پروفیسر بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

تب فونا نے مخصوص نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولی۔

• آپ کا نواب فیروز الدین سے کوئی رشتہ نہیں ہے مسٹر سرفراز؟

• نہیں مس فونا، سوائے آقا اور ملازم کے رشتے کے۔

• لیکن شکل و صورت سے آپ ملازم نہیں معلوم ہوتے۔

• ملازموں کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• کوثر تو آپ سے بہت بے تکلف ہے۔

• آقا زادی ہے، میں اس کے احکامات کی تعمیل کرتا ہوں۔

• لیکن اس کا رکھ رکھاؤ، آپ کے ساتھ ملازموں کا سا نہیں ہے۔

• یہ اس کی شرافت ہے۔

"اوہ ۔۔ میں کچھ اور معلوم کرنا چاہتی ہوں" فونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مس فونا؟"

"کیا وہ آپ سے محبت نہیں کرتی؟"

میں خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہم لوگ بڑے وفادار ہوتے ہیں مس فونا۔ ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ مس کوثر میرے لئے بے حد مقدس ہیں۔ میں تو کبھی خواب میں بھی ان کے بارے میں یہ نہیں سوچ سکتا۔"

"کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو سرفراز؟"

"ہاں ۔۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"کمال ہے" فونا آہستہ سے بولی۔

"کیوں ۔۔؟"

"بھئی، ہم لوگوں کا خیال تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔"

"ہم لوگوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"بس ۔۔ میں، ڈینیلا، جونا، میرلیا وغیرہ۔"

"اب تصحیح کرلیں، وہ خیال غلط تھا۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے" فونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ خوشی کی کیا بات ہے؟"

"اب ہم میں سے کوئی بھی آپ سے محبت کرسکتا ہے" فونا نے بے تکلفی سے کہا، اور میں خاموش ہو گیا۔

"کیوں مسٹر سرفراز؟" فونا مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔"

"آپ لوگ ۔۔ میرا مطلب مشرق کے باشندوں سے ہے، آپ عورت کے معاملے میں اس قدر محتاط کیوں ہوتے ہیں؟"

"یہی ہماری ثقافت ہے مس فونا۔"

"لیکن عورت بہرحال ضرورت ہے۔"

"یقیناً۔"

"تب پھر ضرورت سے کنارہ کشی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"کنارہ کشی مناسب لفظ نہیں ہے" میں نے کہا۔

"تو پھر آپ اسے کیا کہیں گے؟"

"ضابطہ اخلاق" میں نے جواب دیا۔

"صرف الفاظ کی الٹ پھیر ہے۔"

"ہرگز نہیں مس فونا۔"

"آپ ثابت کریں۔"

"ضرور۔ فرمایئے کیا ثابت کروں؟" میں نے اس کا چیلنج قبول کرلیا۔

"کیا آپ لوگ عورت کی ضرورت سے مبرا ہیں؟"

"نہیں۔"

"پھر آپ اس کے حصول میں الٹ پھیر سے کام کیوں لیتے ہیں؟"

"الٹ پھیر سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"بھئی سیدھی سی بات ہے، آپ کو کپڑے کی ضرورت ہے، کپڑا پہنتے ہیں، آپ کو روٹی کی ضرورت ہے، آپ روٹی کھاتے ہیں، آپ کو عورت کی ضرورت ہے، آپ براہ راست اس تک کیوں نہیں ..."

"مس فونا۔ روٹی آپ کی ذات کے لئے ہے۔ یہی کیفیت ... ہے، یہ دونوں بے جان چیزیں آپ کو زندہ رکھتی ہیں، ہمارے ... ہمارے معاشرے میں عورت اتنی بے حیثیت نہیں ہے۔ مجھے معاف ... آپ کے ہاں عورت کا حصول بے حد سہل ہے، جبکہ کہا جاتا ہے ... کے معاشرے میں عورت آزاد ہے، میری ناقص رائے ہے کہ یہ ... خلاف مردوں کی ایک چال ہے، اس نے آپ کو اس قدر آزادی دے ... اپنے لئے سہل الحصول بنا لیا ہے، جبکہ ہمارے معاشرے میں کسی عورت ... حاصل کرنے کے لئے عورت کے جذبات کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ... اسے وہ حیثیت دی جاتی ہے جس کی اسے ضرورت ہے، اور جو شے ... سے حاصل ہو، اس کی منزلت قائم رہتی ہے۔ اور پھر یہ تو دو نفس کی بات ... ہے، جبکہ غذا ہم دانتوں سے چبا لیتے ہیں۔"

"بھئی، ہر بات کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے، آپ ... دلائل بھی ٹھیک ہیں، لیکن میں ان کے جواب میں یہ کہتی ہوں کہ صرف ... ہی تو مرد کی طلب نہیں ہے۔"

"جی۔ میں نہیں سمجھا۔"

"مرد بھی عورت کی طلب ہے۔"

"جی۔"

"تب پھر عورت، مرد کی جانب سے تحریک کا انتظار کیوں کرے ... وہ خود بھی اپنی مرضی کا اظہار کرسکتی ہے۔"

"جی ۔۔" میں نے ایک طویل سانس لی۔

"جیسے موقع پاتے ہی میں نے شب خون مار دیا ہے" فونا مسکرا...

"شب خون؟"

"ہاں۔ محاورہ استعمال کیا ہے" فونا نے پیاسی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "خیال تھا کہ آپ کوثر سے منسلک ہیں۔ سچ بتا ... برا نہ مانیں آپ کی اتنی طلب بھی نہیں تھی، لیکن آپ اتنے عمدہ نشانہ باز ہیں، سنا ہے آپ شطرنج کے بہترین کھلاڑی ہیں، اور آج آپ کو بے حد قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ آپ یقیناً بے حد پرکشش شخصیت کے مالک ہیں، میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں۔"

میں خاموش ہو گیا۔

دل و دماغ میں عجیب سی کیفیت ابھر آئی تھی۔ بار بار فونا کیا چیز تھی ... بڑی بڑی لڑکیاں مجھے متاثر نہیں کر پائی تھیں، ایک عجیب سا فخر تھا اس سلسلہ میں۔

لیکن اس کے لئے تو میں نے یہ کوشش کی تھی، کوثر کو سنبھالنے کے لئے یہ سب ضروری تھا، ورنہ وہ بھٹک جاتی، اور میں کوثر کی بے حد عزت کرتا تھا۔ اس کے سامنے یہ ساری لڑکیاں بے حقیقت تھیں، شہد کی مکھیوں کی مانند، ہر پھول پر بیٹھ جانے والی۔ تاہم عظیم تر مفاد کے لئے اس کی پذیرائی ضروری تھی۔

تاہم تھوڑی سی اداکاری بھی کرنا ضروری تھا، چنانچہ میں نے کہا۔

"کیا آپ یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر کہہ رہی ہیں مس فونا؟"

"ہاں ۔۔ کیوں؟"

"آپ نے اس پسند کا نتیجہ سوچ لیا ہے؟"

"نتیجے کا کیا مطلب؟"

"کیا دوسرے آپ کی پسند کا مذاق نہیں اڑائیں گے؟"

"کیوں ۔۔؟"

"میں تو ایک بے حقیقت انسان ہوں۔"

"انسان ۔۔ اگر انسان ہے تو بے حقیقت نہیں ہے، ممکن ہے آپ کے معاشرے میں انسانوں کی قدر نہ ہو۔ ہم تو انسان کو اس کی صفات سے پہچانتے ہیں۔"

فونا کو بھی چوٹ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"بہرحال میری خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسی حسین لڑکی مجھے پسند کرتی ہے۔"

"خود اپنے آپ پر کبھی غور کیا ہے سرفراز؟"

"نہیں۔"

"تو مجھ سے سنو، کون ہے پورے اس گروہ میں جو تمہاری ٹکر پر ہو۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ گروہ میں شامل ہر لڑکی دل میں تمہارے لئے کسک رکھتی ہے۔"

"میرے لئے انکشاف ہے۔"

"غلط ہو تو گولی مار دینا" فونا نے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔

"میں تو اب شرمندہ ہونے لگا ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ سرفراز" فونا نے دونوں ہاتھ میرے شانوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"مجھے قبول کرلو گے؟"

"مس فونا۔"

"میں تمہیں پیار کرتی ہوں، میں تمہیں چاہنے لگی ہوں" فونا نے اپنی بانہیں میری گردن میں ڈال دیں، اور اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کے قریب ہونے لگے۔

تب ہی ڈاکٹر ہیگلے کی آواز سنائی دی "ارے بھئی کہاں چلے گئے تم لوگ؟" اور ہم دونوں جلدی سے علیحدہ ہو گئے۔ میں نے سکون کی سانس لی تھی، ان حدود سے بچنا چاہتا تھا، گو ممکن نہیں تھا، لیکن جب تک ممکن ہو سکے۔

"بہت دیر ہو گئی بھئی، کوئی بات نہیں بنی۔"

"پلیز ڈیڈی خاموش ہو جایئے" فونا نے کہا اور پرندوں کے ایک ڈار کی طرف شست باندھنے لگی اور پھر اس نے میرے سہارے سے فائر کیا۔ ناکامی کا کیا سوال تھا۔

"بھئی تم نے تو تھوڑی ہی دیر میں ایکسپرٹ کر دیا۔"

"ڈیڈی۔ ابھی تو مسٹر سرفراز سے ہمارا کافی ساتھ رہے گا میں ان سے نشانہ بازی سیکھوں گی۔"

"کیا ضروری ہے کہ سرفراز تیار ہو ہی جائے؟"

"انہیں میں تیار کرلوں گی" فونا نے شرارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور میں نے دل ہی دل میں ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

ہاں اب تو دو دو ٹکے کی لڑکیاں مجھے عشق پر آمادہ کرسکتی ہیں، خیر یہ بھی سہی۔ ہم نے جھیل کے کنارے کئی گھنٹے گذارے، پھر طے یہ ہوا کہ گوشت یہیں چھپا لیا جائے، اور واپس چل کر ان لوگوں کا انتظار کیا جائے۔ پتوں کا ایک بڑا برتن بنا کر صاف کئے ہوئے پرندے اس میں رکھ کر باندھ دیئے گئے، اور پھر ہم واپس پہنچ گئے۔

ڈوبو کا خیال درست تھا۔ شکاریوں کی ٹولیاں منہ لٹکائے واپس پہنچ رہی تھیں۔ البتہ نواب صاحب واپس آئے تو ایک چھوٹا سا ہرن ان کے ساتھ تھا۔

اور اس شکار پر وہ شرمندہ تھے، لیکن جب دوسروں کو انہوں نے خالی ہاتھ دیکھا تو قہقہے لگانے لگے۔

"لو بھئی کوثر، ہم تو بلاوجہ ہی شرمندہ تھے، یہاں تو سب ہی کی بری حالت ہے۔"

"مگر یہ قصہ کیا ہے ابو؟" کوثر حیرت سے بولی۔

"ہمارا خیال غلط ہے، اس علاقے میں شکار ہی نہیں ہے۔"

"یہی بات ہے" دوسروں نے اتفاق کیا۔

"پھر اب کیا ہو؟"

"بھئی اب شکار تو ملا نہیں، اپنی اوقات پر ہی آ جایا جائے۔"

"یعنی ۔۔؟"

"ان لوگوں سے کہو، کھانا تیار کریں۔"

"اور اس ہرن کے بچے کا کیا ہوگا؟"

"اسے پکا لیتے ہیں، دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گے" کرنل ڈکسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ پرندوں کا شکار ہی کیا جاتا" پروفیسر ہیگلے نے کہا۔ "جی ہاں، پرندے آسمان سے ٹپک رہے ہیں جیسے" ڈاکٹر میکارڈ جل کر بولے۔

"بھئی یہ شکاریوں کی باتیں ہیں ڈاکٹر، تم اس میں کیوں دخل دے رہے ہو" ہیگلے مسکراتا ہوا بولا۔

"تم تو شکاری ہو؟"

"یقیناً ہوں، تمہیں شبہ ہے؟"

"تو اے پیارے شکاری۔ اتنے لوگوں کے لئے پرندوں کو آسمان سے اتار لاؤ" کرنل ڈکسن نے کہا۔

• ٹھہرو۔ پہلے میں اس گروہ کے سردار سے پوچھ لوں"۔

• اچھا بھئی مذاق ختم، اب کھانے کی ہو جائے" کرنل ڈکسن بولا۔

• گویا تمہیں پرندوں کے گوشت سے رغبت نہیں ہے"۔

• نہ جانے اس شریف آدمی کو کیا ہو گیا" کرنل پریشانی سے بولا۔

• ارے تم ٹھہر کر تو دیکھو"۔

• ڈاکٹر میکارڈ۔ آپ اسے شکار کی اجازت دیں، لیکن ایسا نہ ہو کہ جب یہ واپس آئے تو ہم میں سے کوئی کچھ کھانے کے قابل ہی نہ رہے" کرنل ڈکسن نے کہا۔

• فونا بیٹے آؤ۔ اور ہاں تم لوگ بھی" پروفیسر نے سیاہ فاموں سے کہا اور سب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے، بہرحال سیاہ فاموں کے علاوہ کسی نے اس کے ساتھ جانے کی کوشش نہیں کی۔

میں لاپرواہ سا ایک سمت کھڑا تھا۔

• یہ کیا بک رہا ہے؟" کرنل نے کہا۔

• پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے بے چارے کو، صبح تک تو ٹھیک تھا"۔

• ان لوگوں کو بھی لے گیا، آج دوپہر کا کھانا شام کو مل سکے گا"۔

اور پھر سب بیگلے کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

پھر دور سے بیگلے کو آتے دیکھ کر سب اچھل پڑے۔ سیاہ فام گوشت کا ذخیرہ اٹھا کر لا رہے تھے۔

• ارے" سب کے منہ سے نکل گیا۔

• یہ کیا"؟

• پتہ نہیں"۔

اور پروفیسر بیگلے فخر سے سینہ پھلائے ان کے درمیان پہنچ گیا۔ پھر سب لوگ پرندوں کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ بلاشبہ یہ کوئی جادوئی کارنامہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ سب حیران رہ گئے۔

• یہ ۔۔۔ یہ کہاں سے آئے ہیں پروفیسر"؟

• شکار کئے ہیں"۔

• کہاں سے ۔ کب"؟

• ان ٹیلوں کے دوسری جانب جھیل ہے۔ اور ۔ اور" پروفیسر نے میری جانب دیکھا، پھر فونا کی طرف۔" اور میرے ساتھ ایک ماہر شکاری بھی موجود ہے"۔

• اوہ ۔ کون پروفیسر" میکارڈ نے تعجب اور دلچسپی سے پوچھا۔ نواب فیروز الدین نے فوراً میری جانب دیکھا تھا، لیکن میں نے جان بوجھ کر رخ دوسری طرف کر لیا۔

• میری بیٹی فونا" بیگلے نے جواب دیا اور فونا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ سب لوگوں نے یقین کر لیا تھا اور فونا خواہ مخواہ سربلند ہو گئی۔ اور دوسری لڑکیاں اس پر رشک کر رہی تھیں۔

اور میں نے دیکھا کہ کوثر کا چہرہ ستا گیا ہے۔

بہرحال دکھ تو ہوا تھا، لیکن میں خود بھی یہی چاہتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ نواب فیروز الدین اور کوثر کو یہ شبہ ضرور ہو گا کہ پرندوں کے شکار میں میرا بھی ہاتھ ہے۔

بہرحال سیاہ فام ملازم گوشت کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، اور باقی لوگ اپنے اپنے ٹریلرز میں چلے گئے۔ میں بھی یونہی ٹہلنے کے سے انداز میں ایک طرف بڑھ گیا اور اچانک ہی میری نگاہ ایک ٹریلر کے عقب میں اٹھ گئی۔ کوثر کے لباس کا رنگ میں دیکھ چکا تھا، شاید وہ کسی سے باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے خود بھی ایک آڑ میں کھڑے ہو کر اسے دیکھا۔ بوڑھا کیسترد تھا، کوثر کہہ رہی تھی:

• انکل اس بار فونا نے تو کمال کر دیا۔ یہ سارے پرندے اس نے شاٹ گن سے شکار کئے ہیں"۔

• ہاں، سب سے بڑی بات تو ان کی تلاش تھی"۔

• لیکن اتنے پرندوں کا شکار بھی تو کوئی معمولی بات نہیں ہے"۔

• بے شک، بے شک"۔

• آپ تو یہیں موجود تھے انکل"؟

• ہاں ہاں"۔

• کیا آپ نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا"؟

• نہ صرف دیکھا تھا، بلکہ میں شاٹ گن کے فائروں کی آوازیں بھی سنتا رہا تھا"۔

• دونوں باپ بیٹی تنہا تھے"؟

• ہاں شاید ان کے ساتھ وہ بھی تھا جو تمہارے ساتھ ہے، میرا مطلب اس نوجوان سے ہے جو شطرنج بہت اچھی کھیلتا ہے۔ تمہارا ساتھی ہی تو ہے"۔

• سرفراز" کوثر آہستہ سے بولی۔

• ہاں، یہی نام ہے اس کا"۔

• اچھا انکل" کوثر آگے بڑھ گئی۔ اور میں نے ایک گہری سانس لی گویا کوثر کے شبہ کی تصدیق ہو گئی۔ اب اسے یہ سوچنے میں کوئی پیچ نہیں ہے کہ پرندوں کا شکار میں نے کیا ہے، اور وہ یہ بھی سوچ سکتی تھی کہ میرے کئے ہوئے شکار کو اپنے نام سے منسوب کرنے کی ہمت فونا کو بلا وجہ نہیں ہوئی ہو گی۔

ہاں کوثر صاحبہ میں یہی چاہتا تھا کہ آپ اپنے ذہن میں تعمیر کیا ہوا وہ مجسمہ توڑ دیں جو آپ کو دکھوں کے علاوہ کچھ نہ دے گا، ہر انسان ہوتا کچھ ہے نظر کچھ آتا ہے۔ مجھے تسلیم ہے کہ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے میری منزل کی طرف بڑھنے دیں، آپ اپنے راستے تلاش کریں۔

میں بھی ٹریلر کے عقب سے نکل کر آگے بڑھ گیا جہاں سیاہ فام گوشت بھون رہے تھے۔ ابھی میں ان کے پاس بھی نہ پہنچا تھا کہ پیچھے سے شی شی کی آوازیں سنائی دیں۔

پلٹا ۔۔۔ دیکھا۔ فونا تھی۔ آنکھوں میں شرارت لئے، ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے، مجھے اشارہ کر رہی تھی۔

میں اطمینان سے اس کے ٹریلر کی طرف بڑھ گیا۔

• اندر آ جاؤ" اس نے کہا اور میں جھجکا۔

• ارے کوئی نہیں ہے، آ جاؤ" اس نے کہا اور میں اندر پہنچ گیا۔ فونا مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔

• خوب تماشا کرایا ہے تم نے"؟

• کیوں"؟

• سب حیران رہ گئے ہیں"۔

• اوہ ہاں۔ کیا یہ دلچسپ بات نہیں ہے"؟

• مگر واقعی تمہارا نشانہ غضب کا ہے"۔

• شکریہ ۔۔۔ لیکن اسے بار بار زبان سے نہ نکالو"۔

• اونہہ۔ کسی کو پتہ چل جائے تو کونسی مصیبت آ جائے گی"۔

• نہیں فونا۔ میں نہیں چاہتا"۔

• آخر کیوں"؟

• بس میں درخواست کر چکا ہوں"۔

• خیر چھوڑو ان باتوں کو، اس وقت ڈیڈی آ گئے تھے، ہماری کچھ باتیں ادھوری رہ گئی تھیں"۔

• اس وقت موقع نہیں ہے فونا، پھر کسی وقت سہی" میں نے عاجزی سے کہا۔

• اچھا ایک بات بتاتے جاؤ" فونا نے میری قمیض پکڑ لی۔

• کیا"؟

• تم بھی مجھے چاہتے ہو یا نہیں"؟

اور مجھے بڑے زور سے ہنسی آنے لگی، بھلا میرے سر میں پھوڑا اٹھا تھا، جو اچانک میں ان خاتون کو چاہنے لگتا۔ تاہم ڈرامہ کرنا تھا۔ دل تو چاہا کہ "ہائے اللہ آپ بڑی بے شرم ہیں" کہہ کر دانتوں میں انگلی دبا کر بھاگ جاؤں لیکن بہرحال کوثر سے جان چھڑانے کے لئے ان محترمہ سے چاہت کا اقرار بھی ضروری تھا۔

• مس فونا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

• ہوں"۔

• آپ جانتی ہیں میرا تعلق مشرق سے ہے"۔

• ہاں۔ مگر لڑکی تو نہیں ہو"؟

• ہمارے ہاں نوجوانوں کے بھی کچھ اصول ہیں"۔

• کیا کہنا چاہتے ہو سرفراز"؟

• صرف یہ کہ بہت سی منزلیں ہمیں اتنی تیزی سے نہیں طے کرنی چاہئیں۔ طوفانی عشق ایک سیلاب کی طرح ہوتا ہے۔ سیلاب اتر جاتا ہے تو خس و خاشاک کے علاوہ کچھ نہیں رہتا"۔

• عجیب منطق ہے" فونا بڑبڑائی۔

• کسی مناسب وقت مل کر ہم اس موضوع پر بات کریں گے"۔

• اور اس مناسب وقت کا انتخاب تم خود کرو گے"؟

• ٹھیک ہے" میں نے کہا اور ٹریلر سے اتر گیا۔ اور بد قسمتی سے یہ کہ اس وقت بھی کوثر سامنے سے ہی گذر رہی تھی۔ اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔

مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی، اور پھر ایک دم آگے بڑھ گئی۔

• مسٹر سرفراز ۔۔۔ مسٹر سرفراز" عقب سے احمد البعدی کی آواز سنائی دی۔

• اوہ۔ فرمائیے، احمد صاحب"۔

• تمہیں نواب تلاش کرتا پھر رہا ہے"۔

• کہاں گئے"؟

• دیکھو، شاید اپنے ٹریلر میں ہے" احمد نے کہا اور نواب صاحب کے ٹریلر میں چلا گیا۔ نواب صاحب ایک کرسی پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرانے لگے۔

• کہاں چلے گئے تھے بھئی"؟

• کہیں نہیں نواب صاحب، بس ایسے ہی سیر گشت"۔

• میں تو بہت دیر سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں"۔

• اوہ۔ معاف کیجئے"۔

• کوثر ملی ۔۔۔"؟

• جی ۔۔۔ جی نہیں"۔

• وہ بھی تمہیں دیکھنے گئی ہے"۔

• تلاش کر کے لاؤں"؟

• نہیں۔ آ جائے گی۔ تم بیٹھو"۔

• جی ۔۔۔ میں بیٹھ گیا۔

• گویا ہم سے بھی چھپایا جائے گا" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

• جی ۔۔۔"؟

• انکل رد صاحبزادے۔ ویسے تم بھی اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں گے" نواب صاحب اسی انداز میں بولے۔

• میں نہیں سمجھا نواب صاحب"۔

• بھئی بیگلے کی بیٹی اتنا عمدہ شکار نہیں کر سکتی، اور پھر خفیہ قسم کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ تم بھی ان دونوں باپ بیٹی کے ساتھ تھے"۔

• اوہ۔ تو میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا"۔

• کیا مطلب"؟

• یہ پرندے میں نے ہی شکار کئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ آپ لوگوں کو شکار نہیں ملے گا" میں نے جواب دیا۔

• ارے کیوں، کیا تمہیں معلوم تھا کہ ان جنگلوں میں شکار نہیں ہے"؟

• ان جنگلوں میں شکار تو بہت ہے نواب صاحب" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

• میں صحیح عرض کر رہا ہوں"۔

• میں زیادہ اصرار نہیں کروں گا نواب صاحب، لیکن یہ بات لیں کہ قرب و جوار میں شکار ہی شکار بکھرا پڑا ہے"۔

• تب تو تمہیں جنگل کا جادوگر کہوں گا"۔

• کیوں"؟

• تمہاری ہدایت پر ہی سب روپوش ہو گئے تھے"؟

• یہ بات نہیں ہے"۔

• پھر —؟

• آپ انہیں تلاش کرنے میں ناکام رہے۔"

• اچھا بھئی مانے لیتے ہیں، لیکن اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو میں ان سب سے گھروالوں کو وہ سب گدھے ہیں۔"

• ثابت ہو جائے گی نواب صاحب۔"

• کس طرح؟

• میں تنہا جاؤں گا اور شکار لے آؤں گا۔"

• خدا کی قسم بڑے اعتماد سے بات کرتے ہو، مگر یہ پروفیسر بسگلے کا کیا قصہ ہے۔"

• اس سے زیادہ نہیں جس قدر بتا چکا ہوں۔"

• اور وہ احمق خود سینہ پھلائے پھلائے پھر رہا ہے۔"

• میری درخواست پر۔"

• اوہ۔ تم نے کہا تھا ان سے؟"

• میں نے کہا تھا میرا نام منظر عام پر نہ آئے۔"

• پوچھا ہو گا کیوں؟"

• ہاں۔ لیکن میں نے کہا کہ بس یہ میری خواہش ہے۔"

• ٹھیک ہے بھئی — ارے ہاں یہ تو بتاؤ۔ کوثر سے پھر کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے کیا؟"

• نہیں تو — کیوں؟"

• بس کچھ خاموش سی ہے۔"

• ایسے ہی ہوں گی، میں ان کی دل شکنی نہیں کر سکتا۔"

• ہاں بس منتشر المزاج سی لڑکی ہے، ذرا خیال رکھا کرو۔"

• تو پھر کیا ہے، کیا میں چیلنج کر دوں۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

• کس سلسلے میں؟"

• تم نے شکار کے بارے میں جو کہا ہے۔"

• لیکن اب یہاں سے چلنا ہے۔"

• کیا فرق پڑتا ہے، آج یہیں قیام سہی۔" نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• جیسی آپ کی مرضی۔"

• لیکن صاحبزادے بتا دو کہ شکار کہاں سے کرو گے، اور اگر شکار جنگلوں میں موجود ہے تو ہمیں کیوں نہیں نظر آیا؟"

• شکار کر لوں، پھر بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔

• چلو ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

دوپہر کے کھانے میں بھنے ہوئے پرندوں نے لطف پیدا کر دیا تھا۔ مقدار اتنی تھی کہ سب کو کافی ہو گئی۔ ورنہ لذیذ چیزیں عموماً کم پڑ جاتی ہیں، سب ہی موجود تھے کھانے پر۔ اور ہر شخص نے بار بار فرزانہ کی تعریف کی اور آج کی اس لذیذ دعوت پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

نواب صاحب اور کوثر بالکل خاموش تھے، کیونکہ ان دونوں کو ہی شکار کی اصلیت معلوم تھی۔ پھر نواب صاحب نے کھانا ختم ہونے کے بعد تقریر کرنے کے انداز میں کہا۔

• میں ڈاکٹر میکارڈ سے درخواست کرتا ہوں کہ آج کا پورا دن اسی جگہ گزارا جائے، یہ علاقہ بہت خوبصورت ہے، ہم کل سفر شروع کریں گے، یوں بھی اب کافی شام ہو چکی ہے، ممکن ہے ہمیں یہاں سے عمدہ جگہ نہ مل سکے۔"

• ٹھیک ہے، اگر سب کی یہی مرضی ہے تو کوئی حرج نہیں۔"

اور اس پروگرام پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

چنانچہ یہاں ٹھہرنے کا پروگرام طے پا گیا۔

• اور ساتھیو! یہ تو رہا یہاں قیام کا پروگرام، لیکن اب مسئلہ یہی ہے کہ کھانے کا کیا بندوبست ہو گا۔ میرا خیال ہے ہم پروفیسر کی صاحبزادی سے درخواست کریں وہ پھر پرندوں کا شکار کریں۔"

• اوہ۔ اب یہ ممکن نہیں ہے انکل، دراصل میں۔"... فرزانہ گھبرا کر بولی۔

• تو پھر — نواب صاحب نے اسے معاف کر دیا۔ "پھر رات کے کھانے کی کیا رہے گی؟"

"گوشت تو ختم ہو گیا۔"

• ہاں۔"

• لیکن صاحبو! میرے قبضے میں ایک جن ہے، کیا میں اس جن سے درخواست کروں کہ وہ ہمارے لئے ہرن شکار کر کے لائے۔"

• کیا مطلب نواب فیروز الدین؟"

• شکار کا گوشت۔"

• اس علاقے میں شکار ناممکن ہے۔" احمد السعدی نے کہا۔

• وجہ یاسیدی؟"

• تم لوگ کیا جھک مارنے گئے تھے؟"

• ہم میں اور جن میں فرق تو ہے نا۔" نواب صاحب نے کہا۔

• ہاں بھئی، نواب فیروز الدین مشرق کا باشندہ ہے، اور مشرق ان کہانیوں سے بھرپور ہے، کیا جا سکتا ہے، ممکن ہے یہ سچ مچ کوئی جن لایا ہو۔" ڈکسن نے کہا۔

• تو پھر نکالو اس جن کو بوتل سے، ہمارا بھی تعارف ہو جائے۔"

• وہ جن بوتل میں نہیں ہے۔"

• پھر کہاں ہے؟"

• آپ سب سے اس کا تعارف ہے، آپ جانتے ہیں کہ وہ شطرنج میں سب کو ہرا دیتا ہے۔ ایسی ساری خصوصیات میں وہ یکتا ہے۔"

• اوہ!" سب کی نگاہیں میری طرف گھوم گئیں۔

• مسٹر سرفراز۔"

• کیا واقعی شکار کی بات سنجیدگی سے کہی گئی ہے؟"

• دراصل سرفراز کے نام سے ہر بات پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ اس نوجوان نے ایسا ہی ماحول پیدا کر دیا ہے۔" کرنل نے کہا۔

• تو میں اس جن کو ہدایت کر دوں؟"

• ضرور۔"

• تو اے جن، جا۔ دس بارہ ہرن شکار کر کے لے آ۔" نواب صاحب نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

• مجھے ایک جیپ دے دی جائے۔"

• ٹھیک ہے کسی سے بھی ٹریلر الگ کر دو۔"

• ٹوبو تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے تجربے کار سیاہ فام کو ساتھ لیا اور ہم چل پڑے۔ ٹوبو گہری نگاہوں سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر اس نے میرا شانہ دبایا۔

• ماسٹر۔" وہ آہستہ سے بولا۔

• شکار۔"

اور یہ درحقیقت ٹوبو کی تیز نگاہیں تھیں جنہوں نے جھاڑیوں کے اندر چھپے ہوئے ہرنوں کے جوڑے کو دیکھ لیا تھا، جو جھاڑیوں میں انہیں کے رنگ کا معلوم ہو رہا تھا۔

• گڈ — ٹوبو۔ ان میں سے بچنا نہیں چاہئے کسی کو۔"

• ایک ایک ماسٹر۔" ٹوبو نے رائفل سنبھالتے ہوئے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میری اور ٹوبو کی رائفل سے دو فائر ہوئے اور دونوں ہرن ڈھیر ہو گئے۔ ہم دونوں چھریاں لے کر دوڑے۔ ہرن ذبح کئے اور جیپ میں ڈال لئے۔ میرے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی تھی۔ اب تو پوری پوری امید بندھ گئی تھی۔

• ماسٹر۔" ٹوبو نے آہستہ سے کہا۔ "تمہارا نشانہ واقعی شاندار ہے، بڑے اعتماد سے گولی چلاتے ہو۔ اوہ — وہ دیکھو ماسٹر میں نے کہا تھا نا شکار بہت ہے، لیکن چالاک ہے۔" ٹوبو نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک ہرن جھاڑی سے نکل کر بھاگا اور پھر دوسری جھاڑی میں روپوش ہو گیا۔ ٹوبو نے گاڑی روکنے کی کوشش کی، لیکن میں نے اس سے کہا وہ چلتا رہے، اور پھر شست لے کر فائر کر دیا، ہرن اچھل کر جھاڑیوں سے باہر آ گرا، اور ٹوبو نے میرے ہاتھ چوم لئے۔

◇

"ماسٹر۔ ماسٹر۔" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔ "ماسٹر تم میری توقع سے زیادہ عظیم ہو۔"

"چلو اسے ذبح کر لیں ٹوبو۔" میں نے کہا۔ اور ہم نے تیسرا ہرن بھی جیپ میں ڈال لیا۔

"پوری ٹیم میں تیرے جیسا کوئی نہیں ہے ماسٹر۔ مگر مجھے حیرت ہے۔" ٹوبو نے کہا۔

"حیرت کس بات پر ہے ٹوبو؟"

"یہی کہ تم اس ٹیم کے چیف کیوں نہیں ہو۔"

"اوہ — ایسے بھی کیا برا ہوں ٹوبو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ٹوبو نے گہری سانس لی۔

"ہاں ماسٹر۔ باصلاحیت لوگ ایسے ہی رہتے ہیں۔"

"ارے کیا مطلب۔"

"کچھ نہیں ماسٹر۔" وہ افسردگی سے بولا۔ اور میں اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔ نہ جانے یہ شخص کیا کہنا چاہتا تھا۔ اس سے قبل کہ میں اس سے کچھ کہوں۔ وہ بول پڑا۔

"وہ —" اس نے ایک جانب اشارہ کیا۔ اور مجھے بھی ہرن نظر آ گئے۔ جوڑا تھا اور جھاڑی میں منہ چھپائے کھڑا تھا۔ ٹوبو نے جیپ روک دی۔ اور اپنی رائفل اٹھائی۔

"کیا خیال ہے ٹوبو۔ انہیں جھاڑیوں سے نکالا جائے۔" میں نے پوچھا۔

"میں بھی سوچ رہا ہوں ماسٹر۔ جھاڑیوں میں نشانہ خطا ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر ایک رہ جائے گا! دوسرا یقیناً فرار ہو جائے گا۔" ٹوبو نے کہا۔

"تم ہوائی فائر کرو۔"

"او کے ماسٹر۔" ٹوبو نے فائر کیا۔ اور دونوں ہرنوں نے زقند بھری۔ میں نے بڑے اعتماد سے ان کا نشانہ لیا۔ اور فائر کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی مجھے دوسرا فائر بھی کرنا پڑا تھا۔ بات زیادہ بننے والی نہیں تھی۔ لیکن قسمت یاور تھی کہ دونوں گولیاں صحیح نشانوں پر پڑی تھیں۔ اور دونوں ہرن اچھل اچھل کر نیچے گر پڑے۔

ٹوبو بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

"چلو ٹوبو۔ انہیں ذبح کر لیں۔" اور ٹوبو خاموشی سے نیچے اتر گیا۔ نہ جانے کیوں سیاہ فام خاموش ہو گیا تھا۔ ہم دونوں ہرن لے آئے۔ اور پھر چل پڑے۔ میں نے کئی بار ٹوبو کی شکل دیکھی لیکن اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ کچھ بول ہی نہیں رہا تھا۔

"ٹوبو۔" بالآخر تنگ آ کر میں نے اسے آواز دی۔

"ماسٹر۔"

"کیا بات ہے۔ خاموش کیوں ہو گئے۔"

"کچھ سوچنے لگا ہوں ماسٹر۔"

"کیا ٹوبو۔"

"ماسٹر۔ تم نے زندگی میں کبھی سفید ہاتھی شکار کیا ہے۔"

"سفید ہاتھی۔"

"ہاں ماسٹر۔ جس کے بدن پر ایک بھی سیاہ دھبہ نہ ہو۔"

"دیکھا تک نہیں ہے ٹوبو۔"

"اوہ۔ اچھا یہ بتاؤ۔ اگر وہ تمہارے سامنے آجائے تو تم اسے شکار کرنے کی ہمت رکھتے ہو۔"

"اس کے شکار میں کوئی خاص بات ہے۔"

"نہیں سوائے اس کے کہ وہ ہاتھی ہونے کے باوجود لومڑی کی طرح چالاک ہوتا ہے۔"

"اوہ، اگر کبھی سامنا ہو گیا تو دیکھیں گے ڈوبو۔"

"تم اس سے خوفزدہ تو نہیں ہو گے؟"

"خوف۔ اس نام کی کوئی شے اپنے قریب سے نہیں گزری ڈوبو۔"

"ایسا ہی ہو گا ماسٹر۔ یقیناً ایسا ہی ہو گا۔"

"مگر یہ سفید ہاتھی کا تذکرہ کیوں نکل آیا۔"

ڈوبو نے کسی منٹ تک اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ اچانک بول پڑا۔ افریقی فنونِ حرب سے بھی کوئی واقفیت ہے ماسٹر۔

"نہیں ڈوبو۔ میں افریقہ پہلی بار آیا ہوں۔"

"ماسٹر۔ میری ایک درخواست ہے۔"

"ہاں کہو۔"

"اگر آپ پسند کریں تو۔ میں آپ کو نیزہ بازی، کلہاڑی چلانا سکھا دوں۔ یہاں جنگلی قبائل میں اسکی بہت ضرورت ہے اور ان ہتھیاروں کا ماہر بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

میرے اندر دلچسپی کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔ میں خود ان معاملات میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔

"کیا تم مجھے یہ سب کچھ سکھا دو گے ڈوبو۔"

"میں جسقدر جانتا ہوں۔"

"گو مجھے کون سی جنگلی قبائل میں زندگی بسر کرنا تھی۔ لیکن بہرحال مجھے ان فنون سے دلچسپی ہے۔ میں تم سے یہ ضرور سیکھوں گا ڈوبو۔" میں نے کہا۔ "میں خوشی سے سکھا دوں گا ماسٹر۔" ڈوبو نے کہا۔ اور پھر چیخ پڑا "شکار۔ تم نے زری شکار کیا اور ہرن جیپ میں رکھ لیا۔ کیا خیال ہے ڈوبو۔ یہ کافی ہوں گے۔"

"کافی سے بھی زیادہ ماسٹر۔ اتنا کون کھائے گا۔" ڈوبو نے کہا۔

"بس تو واپس چلو۔" میں نے کہا ڈوبو نے جیپ موڑ دی۔ میں کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر مجھے ڈوبو کی انوکھی بات کا خیال آیا۔

"ڈوبو۔" میں نے اُسے مخاطب کیا۔

"ماسٹر!" ڈوبو مستعدی سے بولا۔

"تم نے کبھی سفید ہاتھی شکار کیا ہے۔"

"اب سے آٹھ سال قبل کی بات ہے ماسٹر کوشش کی اور ناکام رہا۔ تب اپنی محبوبہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور برادری سے بھی۔"

"ارے۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ "کیوں۔"

"میرا تعلق ڈالو سے ہے ماسٹر۔ ہمارے قبیلے کی رسم یہی ہے۔ بڑے بڑے سورما سفید ہاتھی کے شکار کا تصور بھی نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑی چیز چھوڑ دیتے ہیں۔ قبیلے کی سرداری اُس شخص کو ملتی ہے جو سفید ہاتھی کا شکار کر چکا ہوتا ہے۔"

"اوہ۔ بہت عمدہ۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ اس قسم کی کہانیاں میں نے پہلے بھی سنی تھیں۔ اور مجھے ان سے بہت دلچسپی تھی۔ آج انہیں کہانیوں کا ایک کردار میرے نزدیک موجود تھا۔

"تو تم نے سرداری کے لئے کوشش کی تھی ڈوبو۔"

"نہیں چیف۔ میں صرف نوراسا کا خواہشمند تھا۔"

"نوراسا کون۔"

"میری محبوبہ!"

"اوہ! ۔ تو تم اُسے نہیں حاصل کر سکے۔"

"نہیں ماسٹر۔" ڈوبو نے جواب دیا۔ لیکن اس کے لہجے سے مایوسی بہت جھلک رہی تھی۔

"پھر نوراسا نے کیا کہا۔"

"کچھ نہیں۔ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی تھی۔"

"ارے۔ کیوں؟"

"یہی رسم ہے۔"

"نفرت کرنے کی بھی رسم ہے۔"

"ہاں باس۔ میں نے اس سے محبت کی۔ اس کا اعلان کیا۔ تب اسکے باپ نے مجھ سے فرمائش کی کہ سفید ہاتھی کا شکار کروں، ورنہ اس کی بیٹی سے محبت کرنے سے دستبردار ہو جاؤں۔ اور یوں سمجھو باس سفید ہاتھی کا شکار سرداری کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جب انسان سردار بن جائے تو کوئی بھی عورت حاصل کرلے۔ لیکن تمہارے جانے ڈوبو نے اعلان کیا کہ وہ سفید ہاتھی کا شکار کرے گا۔ اور مستقبل میں سرداری بھی نہیں قبول کرے گا۔"

"مستقبل میں سرداری۔"

"ہاں ماسٹر۔ یہ بھی ہمارے قبیلے کی رسم ہے۔ سفید ہاتھی کا شکار عام لوگ تو نہیں کرتے۔ قبیلے کے لوگ اپنے بچوں کو تیار کرتے ہیں۔ بچپن سے انہیں نڈر اور ماہر شکاری بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جب وہ جوان ہو جاتے ہیں تو اعلان کر دیا جاتا ہے کہ وہ سفید ہاتھی کے شکاری ہیں۔ ایک چھوٹا سا جشن منانے کے بعد انہیں سفید ہاتھی کی تلاش میں بھیج دیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بہت کم واپس آتے ہیں۔ کامیاب ایک آدھ ہی ہوتا ہے۔ اور جو کامیاب ہوتا ہے اس کی بہت بڑی حیثیت ہوتی ہے بستی میں۔ یوں بہموده سرداری کے لئے نامزد ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا مقابل نہ ہو۔"

"مقابل۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ کبھی کبھی کئی نوجوان سرداری کے لئے ہوتے ہیں۔"

"اوہ۔ ایسی شکل میں کیا ہوتا ہے۔"

"مقابلہ۔"

"کیا مطلب۔"

"ان تمام امیدواروں میں مقابلہ ہوتا ہے۔ اور پھر ان میں سے جو بھی بچ جائے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ "پھر کیا ہوا ڈوبو۔"

"بس کچھ نہیں ماسٹر۔ میں سفید ہاتھی شکار نہیں کر سکا! اور مجھے بستی چھوڑنا پڑی۔"

"بستی کیوں چھوڑنا پڑی۔"

"نکال دیا گیا بستی سے۔ یوں بھی مجھے واپس جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

"یہ بھی روایت تھی۔"

"ہاں۔" ڈوبو نے جواب دیا۔ وہ باتیں بھی کر رہا تھا اور جیپ بھی ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہم کیمپ پہنچ گئے۔ دُور سے ہماری جیپ دیکھ لی گئی تھی۔ "باقی باتیں پھر ہوں گی ڈوبو۔ اور ہاں میں تم سے تمہارے فنون ضرور سیکھوں گا۔"

"ڈوبو حاضر ہے باس۔" ڈوبو نے جواب دیا۔ ڈوبو کی دلچسپ کہانی میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ لیکن مجھے استقبال کرنے والوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

سب کے چہروں پر تجسس تھا۔ ہمیں گئے ہوئے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ سوچ رہے تھے کہ کیا شکار آ گیا۔ اور پھر سب ہی جیپ کی طرف دوڑے تھے۔

نواب فیروز الدین بھی بچے بن گئے۔ انہوں نے جیپ میں ہرن دیکھے اور "یاہو" کا نعرہ لگایا۔ میں اور ڈوبو مسکراتے ہوئے نیچے اتر آئے تھے۔

"کمال ہے۔ کمال ہے۔" سب کے مُنہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا تھا۔ "ہا۔ میں نہ کہتا تھا۔ وہ مشرق کا جن ہے۔"

"یہ دیکھ کر تو اس بات پر یقین آنے لگتا ہے۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔

"یقین کرنا پڑے گا۔" نواب صاحب بولے۔

بہرحال سب لوگ دیر تک حیرانی کا اظہار کرتے رہے۔ درحقیقت ناقابلِ یقین کارنامہ تھا۔ اس کے بعد کھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ میں خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ سب ہی مجھ سے الٹے سیدھے سوالات کر رہے تھے۔ لڑکیوں کی نگاہوں میں، میں سچ مچ جن بن گیا تھا۔ لیکن ایک ہستی ایسی تھی جو ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اور وہ کوثر تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ اور مجھ سے دُور دُور تھی۔

اور اُسے کھنچا کھنچا دیکھ کر میں کافی حد تک مطمئن تھا۔ کرنل ڈکسن نے رات کے کھانے کے بعد مجھے گھیر لیا۔ اور دوسرے بھی تھے۔ "بھئی فیروز الدین۔ اب زیادہ پریشان مت کرو۔ بتاؤ یہ شخص کون ہے۔"

"تم اندازہ نہیں لگا پائے ڈکسن۔"

"کیا۔"

"کیا اس کے کارنامے انسانی ہوتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔

"حالانکہ یہ لوگ خود کو چھپاتے ہیں۔ اپنی شخصیت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ خود مجھے بہت عرصہ کے بعد علم ہوا تھا کہ جسے میں انسان سمجھتا ہوں وہ جن ہے۔"

"اگر۔ یہ نوجوان کہہ دے تو اس بات پر میں یقین بھی کر لوں گا۔"

"کمال ہے۔ اب ایسا بھی نہیں کہ وہ اپنے بارے میں ایک ایک کو بتاتا پھرے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ میں نے ایسا باصلاحیت نوجوان نہیں دیکھا۔ شطرنج میں یہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ذرا سی دیر میں۔ ساری بازی پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ اور اب شکار۔ اور تم نے اتنے وثوق سے کہا تھا کہ وہ جائے گا اور شکار لے آئے گا۔"

"تم لوگ اسکی حقیقت سے واقف نہیں تھے نا۔!"

"خیر میں تمہاری بکواس پر یقین نہیں کروں گا! ہاں اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ نوجوان حیرت انگیز ہے۔"

"نہ مانو۔ میرا کیا جاتا ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ بہرحال اسکے بعد کافی دیر تک دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ پھر میں ان لوگوں کو باتوں میں لگا چھوڑ کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ بی کوثر کی خبر لینی تھی۔

اور اتفاق تھا کہ وہاں سے ہٹتے ہی وہ نظر آ گئیں۔ ایک طرف خاموش کھڑی ہوئی تھیں۔ اسے اس انداز میں اور اس طرح کھڑے دیکھ کر دل کو ہلکا سا دُکھ ہوا۔ لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا۔ اگر تھوڑی

سی تکلیف اٹھا کر کوثر درست راہ پر آجائے تو کیا حرج ہے۔ مجھے ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ میں اسکے بُرے کے لئے نہیں اچھے کے لئے سب کچھ کر رہا تھا۔

چنانچہ میں اُسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ کوثر نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ بھی میری طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ اور میں آگے بڑھ گیا۔ ٹریلر کی طرف مڑ ہی رہا تھا کہ سامنے سے بایرہ فونا نظر آگئی۔ وہ میری طرف دوڑی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا یہاں سے کوثر صاف نظر آرہی تھی۔ اور میرے خیال میں اُس نے مجھے نظر انداز نہیں کیا ہوگا چنانچہ میں نے بڑی چاہت سے بایرہ کو ریسیو کیا۔

"اوہ۔ ہیلو فونا۔ کہاں سے آرہی ہو۔"

"تم تو ان لوگوں کے پاس سے ہٹ ہی نہیں رہے تھے۔"

"کیوں۔؟" میں نے کن انکھیوں سے کوثر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کوثر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ میری نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کیونکہ کوثر نے ایک لمبا چکر لے کر ہمارے قریب آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ہماری باتیں قریب سے سننا چاہتی تھی۔ پھر میں نے ایک ٹریلر کے عقب میں صاف دیکھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو ڈارلنگ" فونا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"بس ایسے ہی۔ میں سوچ رہی تھی وہ لوگ تمہیں چھوڑیں تو تم سے باتیں کی جائیں۔"

"اوہ۔ تو باتیں کرو۔"

"آؤ۔ کہیں بیٹھیں گے؟"

"نہیں۔ یہیں۔ یہاں کون ہے۔"

"تو پھر اس پتھر پر آجاؤ۔" فونا نے کہا اور ہم پتھر پر جا بیٹھے یہ پتھر ٹریلر سے اور زیادہ قریب تھا۔ اور اب کوثر ہمارے عقب میں تھی۔ وہ اب اور آسانی سے ہماری باتیں سُن سکتی تھی۔

"آخر تم کیا ہو ڈارلنگ" فونا نے کہا۔

"کیوں۔"

"آج تو تم نے سب کو حیران کر دیا۔"

"حالانکہ کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا میں نے۔"

"کمال ہے۔ تم نے خاص کارنامہ نہیں کئے۔"

"تم لوگوں نے بلاوجہ اہمیت دے دی ہے۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اوہ نہیں میری جان۔ تم نہیں سمجھتے لوگ کس طرح تمہاری تعریفیں کر رہے ہیں۔"

"افسوس، میں انہیں روک نہیں سکتا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم منع کرنے کی بات کر رہے ہو۔ میرا سینہ تو فخر سے پھول جاتا ہے۔" بایرہ فونا نے کہا۔

"اچھا۔!"

"مجھے افسوس ہے۔ میں نے پہلے تم سے پیار کیوں نہ کیا۔"

"اب کرنے لگی ہو۔"

"دل وجان سے چاہنے لگی ہوں تمہیں۔"

"واقعی۔" میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"آزما کر دیکھ لو۔" فونا نے کہا۔

"مجھے یقین ہے فونا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"وعدہ کرو میری جان۔ یہاں سے واپسی پر مجھے چھوڑ دوگے تو نہیں۔"

"واپسی پر۔ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے لفظ چباتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" فونا نے محبت سے میری گردن میں باہیں ڈال دیں۔ اور پھر اس بے حجاب لڑکی نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں سے جوڑ دیئے۔ گو میں اس حد تک جانے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن اب جو کچھ ہوگیا تھا۔ کوثر کو خود سے بدظن کرنے میں کافی معاون تھا چنانچہ میں نے خاموشی سے نہ صرف برداشت کر لیا۔ بلکہ خود بھی اسے بھینچ لیا۔

فونا کے ہونٹوں کی نرمی اور حلاوت نے ذہن کو بھی کسی حد تک متاثر کیا تھا۔ لیکن پھر میں نے کوثر کے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ فونا نے محسوس نہیں کیا تھا۔

"اوکے فونا۔ آج میں بہت تھک گیا ہوں اجازت دوگی۔"

"ارے۔ کیوں۔؟" فونا حیرت سے بولی۔

"بس بدن ٹوٹ رہا ہے۔"

"میں سمجھ گئی۔!" فونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھ گئیں۔" میں چونک کر بولا۔

"تم خود پر جبر کیوں کرتے ہو ڈارلنگ۔" فونا مخمور لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب۔"

"میں نے تمہیں کب روکا ہے۔"

"مم۔ میں نہیں سمجھا فونا۔" میں نے کہا اور فونا نے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ "جب مجھے اپنی آغوش میں طلب کرو، میں حاضر ہوں۔ جب دل چاہے تو پھر اجتناب کیا۔ آؤ۔ ہم یہاں سے دور چلیں ایسی جگہ جہاں ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔"

"فونا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر ہونٹ بھینچ لئے۔

"ڈارلنگ۔"

"تمہیں معلوم ہے ہم مشرقی کریک ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" فونا تعجب سے بولی۔ لیکن اب کوثر مل گئی تھی اس لئے مجھے فونا کی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اپنا لہجہ کسی حد تک خشک کر لیا۔

"ہمارے ہاں عورت کا ایک معیار ہے ڈیر فونا۔ کوئی بھی عورت اس حد تک نہ گرے کہ عورت کی حدود سے نکل جائے۔ پھر ہماری نگاہ میں وہ عورت نہیں رہتی۔"

"کیا مطلب۔"

"مجھ سے پیار کرو فونا۔ فاحشہ نہ ہو۔"

"اوہ۔ مگر۔ مگر۔ آئی ایم سوری سرفراز۔ یہ تو تمہارے اعلیٰ کردار کی بات ہے۔"

"ہے نا۔" میں نے جھک کر کہا۔

"ہاں۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ اُسے شاید بے عزتی کا احساس ہو رہا تھا۔

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔ دراصل ہم لوگ جس سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جسے پیار کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھنا چاہتے ہیں۔ بس اب تم جاؤ فونا۔"

اور فونا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بہرحال اس نے فرار ہو جانے میں عافیت سمجھی اور وہاں سے چلی گئی۔ تب میں تنہا پتھر پر بیٹھ گیا۔

بس دل چاہ رہا تھا کہ تنہائی میں کچھ سوچوں۔

اور غنیمت یہ تھی کہ کوئی اس طرف نہ آیا۔ یوں تو سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ ماضی پر نگاہ ڈالی جاتی تو ایک ایکشن کہانی ملتی تھی۔ جس میں نشیب و فراز تھے۔ حال بھی خوب تھا اور مستقبل کی سوچ میں بھی بڑی سنسنی تھی۔ میں بے فکر آدمی۔ خواہ مخواہ کی فکر دل میں پڑ کر کیا کروں گا۔ مجھے الجھنیں نہیں پالنی چاہئیں۔ کون سا غم ہے کس کس کا غم ہے۔ ان غموں کا کیا کروں۔

"اونہہ۔ کوثر کو سمجھا دیا ہے۔ اس سے آگے بڑھے گی تو نقصان اٹھائے گی اور خود ذمہ دار ہوگی۔ مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ میں نواب فیروز الدین کے حسن اخلاق کا ممنون ہوں لیکن میری زندگی کا مشن کچھ اور ہے۔ میں صرف لڑکیوں کی دلجوئی کیلئے تو افریقہ نہیں آیا۔"

پتھر پر خاموش بیٹھا میں کافی دیر تک انہیں معاملات پر سوچتا رہا اور پھر نیند آنے لگی۔ تب میں اٹھا اور اپنے ٹریلر میں جا کر لیٹ گیا۔

ویسے آج خوب رہی تھی۔ کمبخت فونا کی بے حیائی نے سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ لیکن ایک طرح سے اچھا بھی ہوا۔ اب کوثر کے دل سے سارے شک و شبہات نکل جائیں گے۔ میری پاکبازی کے سارے طلسم ٹوٹ جائیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ اب ایک نئی کوثر سے ملاقات ہوگی۔ جو پہلے سے کہیں زیادہ تیز و تند ہوگی۔

سوچتے سوچتے نیند آگئی۔ اور خوب گہری نیند سویا۔ مجھے نہیں معلوم کون کب آیا۔ اور کب گیا۔ صبح کو دن چڑھے آنکھ کھلی تھی۔ باہر نکل کر دیکھا تو سارے لوگ تیاریاں کر رہے تھے۔ آج تیزی سے، اور زیادہ سفر کرنے کا ارادہ تھا۔ میرا عقیدتمند ڈوبو مسکراتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔

میں نے پرتپاک انداز میں اس کا خیر مقدم کیا۔

"مجھے اپنے ساتھ رکھیئے ماسٹر، آپ کے ساتھ سفر کا لطف آتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ڈوبو۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھ سے خدمت لیتے رہا کریں چیف۔ میں آپ سے بہت محبت کرنے لگا ہوں۔"

"اوہ۔ شکریہ ڈوبو۔ میں تو خود بھی تمہاری طرح ہوں۔ ہاں تمہاری محبت کا شکریہ۔" میں نے اسکے خلوص سے متاثر ہو کر کہا۔

"نہیں ماسٹر۔ ہماری نگاہوں میں دوسرے لوگوں کی زیادہ عزت ہوتی ہے۔"

"دوسرے لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"یہ لوگ جنہوں نے ہمیں ملازم رکھا ہے۔ ہمارے لئے قابل احترام ضرور ہیں۔ ہم ان کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ لیکن وہ دلیر وہ طاقتور جس کے اندر ماحول کو زیر کرنے کی قوت ہو۔ ہم اس سے عقیدت رکھتے ہیں اور عقیدت اور ملازمت میں بہت فرق ہے۔"

"اوہ۔ یقیناً ڈوبو۔"

"چنانچہ مجھے آپ سے عقیدت ہے چیف۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ بھی آپ کا احترام کرنے لگے ہیں۔"

"ارے بھئی سرفراز میاں۔ جلدی کرو، ناشتے کی تیاریاں مکمل ہیں۔ آج بہت تیز سفر کیا جائے گا۔" عقب سے نواب فیروز الدین کی آواز سنائی دی۔ اور ہم دونوں چونک پڑے۔

"اجازت چیف۔ خیال رکھنا۔"

"اوکے ڈوبو۔" میں نے کہا اور ڈوبو چلا گیا۔ میں جلدی سے نواب فیروز الدین کے پاس پہنچ گیا۔ نواب صاحب نے حسب عادت مجھ سے مصافحہ کیا تھا۔

"بس آج ارادہ ہے کہ دن بھر تیز رفتاری سے سفر کیا جائے۔ میرے خیال میں یہ عمدہ طریقہ ہے۔ سفر کیا جائے تو پوری رفتار سے اور پھر جہاں دل چاہے آرام کر لیا جائے۔"

"بالکل ٹھیک جناب۔"

"سرفراز۔" نواب صاحب عجیب سے لہجے میں بولے۔

"جی ۔" میں چونک پڑا ۔

"بتادو بھائی ۔"

"جی ۔" میں نے حیرانی سے کہا ۔

"میں نے کہا بتادو ۔ اب کیا ہوگیا ۔"

"میں نہیں سمجھا نواب صاحب ۔" میں نے کہا ۔ حالانکہ میں کسی حد تک سمجھ گیا تھا ۔

"کوثر کو کیا ہوگیا ۔"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں نواب صاحب ۔"

"اس میں تو زبردست تبدیلی آگئی تھی ۔"

"اوہ ۔ ان کا بدلنے والا موڈ آپ کے علم میں ہے ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

"لیکن اسقدر ۔"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں ۔"

"تمہاری طرف سے تو کوئی بات نہیں ہوئی ۔"

"میری مجال ۔"

"بھئی ۔ اب تو مجھے بھی کچھ کرنا پڑے گا ۔" نواب صاحب سنجیدگی سے بولے ۔

"ٹھیک ہوجائینگی نواب صاحب ۔ اس میں فکر کی کیا بات ہے ۔"

"کیسے بھئی ۔" نواب صاحب کہنے لگے ۔ "اسے اب معقول ہونا چاہیئے ۔ یہ الھڑپن کب تک چلے گا ۔ دراصل میں نے اسے بڑے نازونعم میں رکھا ہے ۔ میرے لاڈ پیار نے اسکے مزاج میں عجیب کیفیت پیدا کردی ۔ ویسے تم نے اسکے کردار کے بارے میں کیا اندازہ لگایا ۔"

"انتہائی ٹھوس ۔ اور مطمئن کن ۔" میں نے جواب دیا ۔

"بس ذرا طبیعت کی کیفیت ۔"

"وہ ٹھیک ہوجائے گی نواب صاحب ۔ اسکے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔"

"میں فکرمند نہیں ہوں ۔ بس چاہتا ہوں وہ ایسی رہے ۔"

"ٹھیک ہوجائیں گی ۔"

"تم بھی کیا سوچتے ہوگے اسکے بارے میں ۔"

"میں کچھ نہیں سوچتا نواب صاحب ۔ میرے لئے وہ ہر حال میں قابل احترام ہیں ۔" نواب صاحب کچھ اور کہتے کہ کوثر سامنے سے آتی نظر آگئی ۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی ۔ اور اس کی آنکھوں کی جلن میں نے صاف محسوس کی ۔ "ابو ۔" اس نے نواب صاحب کو آواز دی ۔

"جی بیٹے ۔ آؤ ۔"

"ادھر آیئے ابو ۔ انکل ڈکسن ناشتے پر بلا رہے ہیں ۔"

"اوہ ۔ اچھا ۔ آؤ سرفراز ۔" نواب صاحب بولے ۔ اور میں ایک طویل سانس لے کر آگے بڑھ گیا ۔ لیکن کوثر رک گئی تھی ۔ میں اور نواب صاحب اسکے قریب پہنچ گئے ۔

"ابو ۔" کوثر گھٹے گھٹے لہجے میں بولی ۔

"کیوں ۔ ؟ آؤ ۔" نواب صاحب اُسے دیکھتے ہوئے بولے ۔

"ابو ۔ آپنے تو ۔ آپ نے تو ۔ خود کو نہ جانے کیا بنالیا ہے ۔ ٹھیک ہے آپ مساوات پسند ہوں ۔ لیکن میں ملازموں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں کرتی ۔"

"کیا یہ ہمارا ڈرائیور نہیں ہے ۔ یہ شخص اتنا منہ چڑھا ہوگیا ہے کہ ہر وقت ساتھ لگا رہتا ہے ۔ اسے اپنی حیثیت یاد نہیں رہی ہے ۔ یہ ملازم ٹائپ کے لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں سر پر بٹھالیا جائے ۔ میں اسکے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ۔"

"بکو مت ۔" نواب صاحب کو میں نے پہلی بار غصے میں دیکھا تھا ۔ "تم بدتمیزی کی انتہائی حدود کو چھوچکی ہو کوثر ۔ اگر تم لڑکی نہ ہوتیں تو میں اس بات پر تمہارے منہ پر تھپڑ مار دیتا ۔"

"ابو ۔" کوثر نے حیرانی سے نواب صاحب کی شکل دیکھی ۔ دیکھتی رہی ۔ پھر اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ اور وہ سسک سسک کر رونے لگی ۔ پھر پلٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی ۔

نواب صاحب سکتے میں رہ گئے ۔

"میرا خیال ہے نواب صاحب ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا ۔ "اب آپ کی ملازمت نہ کرسکوں گا ۔"

"سرفراز ۔ سرفراز بیٹے ۔ میں ۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں وہ بدتمیزی ۔"

"نہیں نواب صاحب ۔ کوثر کی بات نہ کریں ۔"

"میں ۔ میں اسے آخری بار سمجھاؤں گا ۔" نواب صاحب درحقیقت بیحد شریف النسان تھے ۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں کوثر کی بدتمیزی پر ملازمت چھوڑنے کی بات کررہا ہوں ۔

"براہ کرم میری بات سمجھنے کی کوشش کریں نواب صاحب ۔ میں نے ایک درخواست کی تھی جسے آپ نے قبول نہیں کیا ۔"

"جی ۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میرے اور کوثر بی بی کے معاملے میں آپ ذرا بھی سنجیدہ نہ ہوں ۔ اگر وہ آپ کے سامنے بھی مجھے کچھ کہیں تو اسے نظرانداز کردیں ۔ جب میں ان کی بات کا برا نہیں مانتا تو ۔ نواب صاحب ۔ براہ کرم آپ بھی محسوس نہ کیا کریں ، میں آپ کا شکرگزار ہوں گا ۔" اس نے نواب صاحب منہ پھاڑ کر رہ گئے ۔

"آپ نے ۔ آپ نے اس وقت ۔ معاف کیجئے نواب صاحب کچھ اچھا نہیں کیا ۔"

"ارے بھئی ۔ مگر میں نے تو ۔ میں نے تو ۔"

"ایکبار پھر دست بستہ گزارش ہے کہ میرے معاملے میں انہیں کچھ نہ کہا کریں ۔"

"اچھا بھئی ۔ اچھا بھئی ۔ تب تو واقعی بڑی غلطی ہوگئی مگر اب کیا کروں ؟"

"کسی بھی طرح ان کے دل کی کدورت دور کریں ۔"

"ارے ۔ مگر اب وہ مجھے کہاں معاف کرے گی ۔"

"آپ کوشش کریں ۔"

"قسم خدا کی ۔ ڈرتا ہوں اس سے ۔" نواب صاحب جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولے ۔ اور ان کے انداز پر مجھے بھی ہنسی آگئی ۔ "یار سرفراز تم ہی کوئی ترکیب کرو ۔"

"میں ۔ میں نواب صاحب ۔"

"تم اُسے ناشتے پر لے آؤ ۔"

"توبہ کریں نواب صاحب ۔ اگر میں گیا تو وہ اسے اپنی توہین سمجھیں گی ۔ اور معاملہ اور سنگین ہوجائے گا !"

"میری تو یہ ہے بھائی ۔ عجیب سازش کی ہے تم دونوں نے ۔ اچھا میں ہی جارہا ہوں ۔ تم میرے حق میں دعا کرنا ۔" نواب صاحب نے کہا ۔ اور میں ہنس کر رہ گیا ۔

پھر میں نے ٹوبو کو آواز دی ۔ اور ٹوبو جلدی سے میرے پاس پہنچ گیا ۔ "تم ناشتہ کس وقت کرتے ہو ۔"

"دوسرے لوگوں کے ناشتہ کرنے کے بعد ۔"

"ٹھیک ہے ۔ آج سے میں تمہارے ساتھ ناشتہ کروں گا ۔ تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا ۔"

"اوہ ۔ ہو ہو ہو ۔ ہماری اسقدر عزت افزائی نہ کریں چیف ۔"

"نہیں ۔ مجھے تم سے اسی قدر اُنسیت ہے ٹوبو ۔"

"کاش ہم اس مہربانی کا جواب دے سکیں ۔"

"ارے بھئی سپرمین ۔ مسٹر سپرمین ۔ ؟" کرنل ڈکسن کی آواز سنائی دی ۔

"ناشتہ نہیں کروگے ۔ یہ فیروز کہاں گیا ۔"

"اپنے ٹریلر میں گئے ہیں ۔" میں نے جواب دیا ۔

"اوہ ۔ آج جلدی چل پڑنے کا خیال ہے ۔ اور یہ لوگ دیر کررہے ہیں ۔ میں دیکھتا ہوں ۔" کرنل ڈکسن نے کہا ۔ اور وہ ٹریلر کی طرف بڑھ گیا ۔ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی ۔ اور پھر جب تھوڑی دیر کے بعد میں نے کرنل ڈکسن ، نواب صاحب اور کوثر کو ٹریلر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو خود آڑ میں ہوگیا ۔

اسکے بعد مجھے نہیں معلوم کہ ناشتے پر میری کمی کے بارے میں نواب فیروزالدین نے کیا بات بنائی ۔ بہرحال کوئی میری تلاش میں نہیں آیا ۔ اور لوگ ناشتے سے فارغ ہوگئے ۔ تب ٹوبو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ناشتہ لے کر میرے پاس آگیا ۔

"ناشتہ ماسٹر ۔"

"آؤ ٹوبو ۔" میں نے کہا ۔ اور ہم پانچوں ایک جگہ بیٹھ گئے ۔ اب یہ بھی کوثر صاحبہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس طرف آنکلیں جدھر ہم لوگ بیٹھے ناشتہ کررہے تھے ۔

کوثر نے مجھے دیکھا ۔ اور اسکے چہرے پر اذیت کے نقوش ابھر آئے ۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکی اور پھر تیزی سے واپس مڑ گئی ۔ میں اطمینان سے ناشتہ کرتا رہا ۔

پھر ہم لوگ ناشتے سے فارغ ہوگئے ۔ اور پھر چند منٹ کے اندر اندر روانگی کی تیاریاں مکمل ہوگئیں ۔ کسی پر کوئی پابندی تو تھی نہیں ۔ ٹوبو میرے ساتھ ہی تھا ۔ اور فونا بھی ڈینیلا کے ساتھ موجود تھی ۔ اسکے علاوہ دو نوجوان ڈکنز اور ٹنکلر بھی اسی ٹریلر میں تھے ۔ میں ٹوبو کے ساتھ آگے بیٹھا تھا ۔

پیچھے بیٹھے ہوئے لوگ خاموش تھے ۔

پروگرام کے مطابق رفتار کافی تیز تھی اور ناہموار زمین پر جب جھٹکے لگ رہے تھے ۔ پیچھے بیٹھے ہوئے لوگ پریشان تھے ۔

"سرفراز ۔ !" فونا نے روندھی آواز میں مجھے پکارا ۔

"جی مس فونا ۔ !"

"پلیز اسٹیرنگ تم لے لو ۔ میں تمہارے پاس آگے بیٹھوں گی ۔"

"تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم اسٹیرنگ بدل لیں گے ۔" میں نے جواب دیا ۔

"ضروری تو نہیں ہے آپ ٹوبو کے ساتھ بیٹھ جائیں مس فونا ۔" ڈکنز نے کہا ۔

"شٹ اپ ۔" فونا بگڑ کر بولی ۔

"ارے ۔ مگر میں نے ۔ ۔ ۔" ڈکنز حیرت سے بولا ۔

"تم نہیں سمجھتے ڈکنز ۔" ڈینیلا نے کہا ۔

"کیا ۔ ؟" فونا پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی ۔

"اوہ ۔ کچھ نہیں ۔ کچھ نہیں ۔ ٹوبو پلیز تم پیچھے آجاؤ ۔" ڈینیلا

جلدی سے بولی۔ اور دُوسرے لوگ ہنسنے لگے۔ ٹوبو نے گاڑی روک دی۔ اور خاموشی سے پیچھے چلا گیا۔ فونا جلدی سے آگے آگئی تھی۔

میں خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ فونا خاموش ہی بیٹھی تھی۔ سفر اتنی برق رفتاری سے ہو رہا تھا کہ کسی قسم کی گفتگو کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

بہرحال کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں پیش آیا۔ دوپہر کو ایک گھنے جنگل میں کچھ دیر قیام کیا گیا۔ کھانا وغیرہ بھی گاڑیوں میں کھایا گیا اور شام ہوتے ہوتے درحقیقت طویل سفر کر لیا گیا تھا۔ گو گھنے جنگلوں میں رفتار برقرار رکھنے میں دقت پیش آرہی تھی۔ لیکن بہرحال سب لوگ مہارت سے گاڑیاں چلا رہے تھے۔

پھر جب تاریکی پھیل گئی تو ایک جگہ قیام کے لئے منتخب کر لی گئی۔ اور ٹریلر ایک دوسرے سے جوڑ دیئے گئے۔ کیونکہ یہ جگہ زیادہ محفوظ نہیں تھی۔ دُور تک روشنی پھیل گئی۔ اور لوگ حسب معمول کاموں میں مشغول ہو گئے۔ بہرحال خوب تفریح ہو رہی تھی۔ لوگوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ٹریلروں سے زیادہ دُور نہ رہیں۔ لیکن بہرحال نوجوان کہاں باز آنے والے تھے۔ ماحول کافی خوفناک تھا۔

رات کا کھانا بھی ٹوبو نے اور میں نے ساتھ کھایا۔ اور پھر ہم بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نواب صاحب وغیرہ ایک ٹریلر میں شطرنج کی بازی لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ تب فونا ہمارے پاس پہنچ گئی۔

"مسٹر سرفراز۔ آپ سے کچھ کام ہے۔" اُس نے کہا۔ اور میں اُٹھ گیا۔ فونا مجھے ایک ٹریلر کے عقب میں لے آئی۔ "عجیب انسان ہیں آپ بھی مسٹر سرفراز۔" اُس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"کیوں۔"

"بھلا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی کیا تُک تھی۔"

"کیوں۔" میں نے پھر اس انداز میں کہا۔

"اور میں جو انتظار کر رہی تھی۔"

"لیکن وہ بھی تو میرے دوست ہیں۔"

"مجھ سے زیادہ ہیں تمہارے لئے۔" فونا نے کہا۔

"کم بھی نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" فونا حیرت سے بولی۔

"کیا سمجھتی ہو خود کو۔"

"ایں۔" فونا کی حیرت کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ "تم مذاق کر رہے ہو سرفراز۔"

"نہیں مس فونا۔ لیکن میرے دوستوں کو ذلیل سمجھنے کا حق بھی نہیں ہے آپ کو۔"

"وہ تمہارے دوست ہیں۔"

"ہاں۔"

"یہی ہے تمہارا معیار۔"

"ہاں۔ تم اگر زیادہ معیاری ہو تو مجھ سے نہ ملا کرو۔"

"میں تمہارے اوپر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"میں خود تمہارے اوپر لعنت بھیجتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور فونا پیر پٹختی چلی گئی۔ حالانکہ کوئی پروگرام نہیں تھا بس کچھ رگ چڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے میں نے فونا کو ذلیل کر دیا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد میں نے اس بارے میں سوچا۔ یہ کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوا تھا۔ کوثر کو ہوش میں رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ جاری رہنا چاہیئے۔

میں نے سوچا — ہاں۔ اس بے چاری کو کیوں محروم رکھا جائے۔ گڈ۔ میں نے فیصلہ کرنے والے انداز میں گردن ہلائی۔

اور پھر وہاں سے واپس ٹوبو کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا تھا کہ پھر کوئی نازل ہو گیا۔

"آیو الا قریب پہنچا تو میں چونک پڑا۔ کوثر بی بی۔

"سرفراز۔" اس نے سرد لہجے میں مجھے پکارا۔

"جی کوثر بی بی۔" میں نے بڑے پیار سے کہا۔

"میرا خیال ہے میں تمہاری فطرت کو سمجھتی جا رہی ہوں۔"

"واقعی —؟" میں نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کوثر بی بی۔"

"اور تمہیں ایک مشورہ دینے آئی ہوں۔"

"فرمایئے، فرمایئے۔" میں نے بڑے ادب سے کہا۔

"تمہارے حق میں بہتر ہو گا، کہ تم یہ پارٹی چھوڑ دو۔"

"ایں۔ پھر کہاں جاؤں۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"کہیں بھی۔ جنگلوں میں، جہنم میں۔"

"مگر کیوں کوثر بی بی۔"

"پارٹی میں تمہاری موجودگی گندگی پھیلائے گی۔ آپس میں پھوٹ بھی پڑ سکتی ہے۔ کیونکہ تم نے ابو پر خوب جادو چلا رکھا ہے۔ بلاشبہ تم اونچے شاطر ہو۔ تم ہمارے درمیان ضرور کسی پروگرام سے داخل ہوئے ہو۔"

"آپ کے درمیان کوثر بی بی۔"

"ہاں۔ ہماری کوٹھی میں، بولو کیا سوچ کر تم نواب فیروز الدین کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔"

"اگر ایسی بات کوئی ہے کوثر بی بی تو میں آپ کو کیوں بتاؤں گا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ تم اس پارٹی کو چھوڑ دو۔"

"میں آپ کی یہ بات کیوں مانوں گا۔ کوثر بی بی۔"

"تمہیں ماننا پڑے گی۔"

"ہرگز نہیں۔ آپ نواب صاحب سے بات کریں۔"

"بہتر ہے۔ میں ابو سے بھی بات کروں گی۔"

"میری فطرت کے بارے میں آپ کی کیا کیا رائے ہے کوثر بی بی!" مجھے سچ مچ مزا آرہا تھا۔

"تم — تم بے حد چالاک انسان ہو۔"

"مجھے میری چالاکیوں سے تو آگاہ کریں۔"

"تم شطرنج کے ماہر ہو۔ چالیں چلنا جانتے ہو۔ تم نے ابو کو پھانسنے کے لئے پروگرام بنایا۔ اور تم کسی طرح سیدھے سادھے رشید الدین کو پھانس کر ہمارے گھر میں داخل ہو گئے۔ یہ بات میرے علم میں ہے کہ ابو شطرنج کے دھنی ہیں۔ اس کے علاوہ تم ماہر نشانہ باز بھی تھے۔ تم نے اپنے کردار کے ذریعہ ہم لوگوں پر چھانے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ کہکشاں، رشید الدین کی بھولی بھالی لڑکی۔ مجھے علم ہے کہ وہ تمہیں چاہنے لگی تھی۔ لیکن تمہیں اس کے پاس دوشیزگی کے علاوہ اور کیا ملتا۔ چنانچہ وہ تمہارے پروگرام میں تمہاری معاون ثابت نہ ہوئی۔ غریب نور جہاں کو بھی تم نے فریب دیا۔ سمجھے۔ بولو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

"آپ واقعی ذہین ہیں کوثر بی بی۔ لیکن میرا مقصد کیا تھا۔"

"میرا حصول۔" کوثر نے جواب دیا۔

"اوہ۔ آپ کا خیال درست ہے کوثر بی بی۔"

"چنانچہ تم یہ پارٹی چھوڑ دو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا کوثر بی بی۔ پارٹی میں دوسری لڑکیاں بھی ہیں، جو مالدار بھی ہیں۔"

"تمہارا مقصد صرف دولت کا حصول نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"تم خوبصورت ہو۔ کچھ خصوصیات کے مالک ہو۔ تم۔ تم لڑکیوں سے کھیلنا چاہتے ہو۔"

"آپ کی ذہنی حالت درست نہیں ہے کوثر بی بی۔ لڑکیاں تو کہکشاں اور نور جہاں بھی تھیں۔"

"تم نے یہاں بھی اپنی فطرت کی تسکین کی تھی۔ تم نے ان لوگوں کو بھی تڑپایا تھا۔"

"تو پھر مجھے میرا کام کرنے دیں کوثر بی بی۔ اب آپ تو سمجھ ہی گئی ہیں۔ آپ کا کیا بگڑے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں بھولی بھالی لڑکیوں سے نہیں کھیلنے دوں گی۔ تم انسان نما بھیڑیئے ہو۔ تم نے۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ تم ایک اعلیٰ خاندان کے فرد ہو۔"

"اب آپ کو سب کچھ پتہ ہی چل گیا ہے تو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میں تمہیں وارننگ دیتی ہوں کہ فوراً یہ پارٹی چھوڑ دو۔"

"مجھے غور کرنے کی مہلت دیں کوثر بی بی۔"

"جلد ہی فیصلہ کر دو گے۔" کوثر نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔

"جی —" میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ اور کوثر پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ زور زور سے قہقہے لگاؤں۔ مجھے اس لڑکی سے بہرحال ہمدردی تھی۔ دل کی جلن اُسے رسوا کر رہی تھی۔

دُوسری صبح حسب معمول تھی۔ کوثر نے میری شکل دیکھی۔ لیکن میرے چہرے پر کوئی کبیدگی نہیں تھی۔ میں اسی طرح ہشاش بشاش تھا۔ ہم نے پھر سفر شروع کر دیا۔

اور آج کے سفر میں مس فونا میرے ساتھ نہیں تھیں۔ البتہ ڈینیلا اور کچھ دُوسرے لوگ تھے۔ ٹوبو بھی ساتھ تھا۔ راستے کی وجہ سے سفر زیادہ تیز نہ رہا۔ شام تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور پھر قیام کی ٹھہری۔ آج اعلان ہو گیا تھا کہ کل پورا دن آرام کیا جائے گا اور دُوسرے دن صبح سفر ہو گا۔

جگہ بھی مُناسب تھی۔ ٹریلر دُور تک پھیلا دیئے گئے۔ اور ایک چھوٹی سی آبادی ہو گئی۔ موسیقی شروع ہو گئی۔ دسدکی ماریل کا نہ جانے کیا حال تھا۔

بہرحال میں نے ان میں دلچسپی نہیں لی۔ ٹوبو فراغت پا کر نیزے نکال لایا تھا۔ "گو شام کا وقت ہے ماسٹر۔ لیکن ابتدا ہی۔"

"جیسی تمہاری رائے ٹوبو۔" میں نے کہا۔ اور ہم لوگ ایک ٹریلر کے عقب میں کھلی جگہ پہنچ گئے۔ یہاں ٹوبو نے مجھے نیزہ پکڑنا سکھایا۔ ان کاموں میں مجھے خاصی دلچسپی تھی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد میں ٹوبو پر شاندار وار کرنے لگا۔ اور ٹوبو خوشی سے اچھل اچھل پڑتا۔

"صرف چند روز۔ صرف چند روز ماسٹر۔ میرا دعویٰ ہے تم بہترین نیزہ باز بن جاؤ گے۔"

"بہرحال تم میرے اُستاد ہو۔"

"ایسا شاندار شاگرد کسی کو نہ ملا ہو گا!" ٹوبو نے کہا۔ اور ہم واپس آگئے۔ رات کو لڑکیاں بلاؤں کی طرح نکل پڑتی تھیں۔ کوثر نے کوئی نیا گل نہیں کھلایا تھا۔ نواب صاحب حسب معمول تھے۔ بابرہ فونا

رح رد ٹھی ہوئی تھیں۔ کئی بار نظر پڑی تھی۔ لیکن نخوت سے
ڈھالی تھی۔

تب میں نے میرلیسا کی تلاش شروع کر دی۔ اور اُسے تلاش
ایسا مشکل کام نہیں تھا۔ اپنے ٹریلر سے نکل رہی تھی کہ میں نے
مس میرلیسا۔ میں نے اسے پکارا۔ اور وہ ٹھٹھک گئی!

"ہیلو۔" اُس نے سرد آواز میں جواب دیا۔

"ناراض ہیں مس میرلیسا۔"

"نہیں!"

"میں نے یہی محسوس کیا ہے۔"

میرلیسا خاموش رہی۔ اُس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں
معاف کیجئے۔ شاید آپ کسی ضروری کام سے جا رہی تھیں۔ مداخلت
معذرت خواہ ہوں۔ میں پلٹ کر واپس چل دیا۔ ایک اُمید
تھ۔ اور اُمید پوری ہو گئی۔ میرلیسا نے جلدی ہی مجھے آواز دی تھی۔

"اب آپ ناراض ہو گئے۔" وہ مُسکرائی۔

"ہرگز نہیں۔ مُلازموں کو ناراضگی کا کیا حق ہے۔ میں تو
گوں کا مُلازم ہوں مس میرلیسا۔"

"میری کون سی بات سے آپ نے محسوس کیا۔"

"آپ کی تو کوئی بات نہیں۔ لیکن دوسرے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔"

"اور آپ ان دوسروں کے لئے ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔" میرلیسا
کایت کی۔

"ہرگز نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل مس میرلیسا
اوقات میری ذہنی رو بھٹک جاتی ہے۔"

"آیئے۔ کہیں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

"جو حکم۔" میں نے بڑی سعادتمندی سے کہا۔ اور میں میرلیسا کو
لے کر چل پڑا۔ میں نے جان بوجھ کر کوثر کی طرف رُخ کیا تھا۔ اور اس
ٹریلر کے سامنے سے نکلتے ہوئے زور زور سے باتیں بھی کیں۔ پھر میں
کو جھانکتے ہوئے بھی محسوس کیا تھا۔ اور میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ
آ گئی۔ ہم ایک سنسان جگہ پہنچ کر بیٹھ گئے۔

"یہ سفر انتہائی دلکش ہے سرفراز۔ لیکن میں تمہاری بے رُخی
دل ہو گئی تھی۔" میرلیسا نے کہا۔

"بے رُخی۔" میں حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں مس میرلیسا۔ دراصل میری احمقانہ سوچ مجھے
سے دُور لے گئی تھی۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ میں نے آپ کے ساتھ
کی ہے۔" میں نے شرمندگی سے کہا۔

"لیکن ہم دُور تو نہیں ہوئے۔"

"یہ آپ کی فراخ دلی ہے مس میرلیسا۔"

"میں آج بھی تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں سرفراز۔"

میرلیسا کو جذباتی ہونے میں کتنی دیر لگتی۔ وہ میرے بالکل قریب آ گئی۔ میری دلی آرزو پوری ہو گئی تھی۔ کوثر زیادہ دُور نہیں تھی۔ چنانچہ آج میں نے اپنی فطرت کے خلاف کیا۔ ان دنوں طبیعت کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔ میں نے میرلیسا کو بھینچ کر اس کا طویل بوسہ لیا۔ اور میرلیسا بے خود ہو گئی۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ اور مجھے بُرا نہ لگا۔ میں تو ٹوٹا ہوا انسان تھا۔ لوٹ کا مال۔ پلاسٹک کا کھلونا۔ سب کے لئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک میرلیسا میرے پاس بیٹھی رہی۔ پھر جب ہم اٹھے تو میرلیسا بہت خوش تھی۔ اُس نے میرا الوداعی بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ درست ہے سرفراز۔ انسان کی لگن سچی ہونی چاہئے۔ اس کی مُراد اسے مل جاتی ہے۔ میرے دل میں تمہاری چاہت تھی۔ سو دیکھ لو میں نے تمہیں حاصل کر لیا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ہم مُسکراتے ہوئے واپس آ گئے۔

رات کو میں جب سونے کے لئے لیٹا تو میرے ذہن میں ایک اور خیال نے جنم لیا۔ کوثر کہیں سچ مچ نواب صاحب سے میرے بارے میں شکایت نہ کر دے۔ اور اگر اُس نے کسی دن مجھے کسی کے ساتھ دیکھا بھی دیا تو بُرا ہو گا۔ نواب صاحب کا لان ٹوٹ گیا تو پھر واقعی یہ پارٹی چھوڑ دینی پڑے گی۔ پھر رد کیا جائے گا۔

پھر کیا کیا جائے۔ اور پھر میں نے سوچا کہ کوثر اس اسٹیج پر پہنچ گئی ہے کہ اب اسکے ذہن کا بدلنا سخت مشکل ہے۔ چنانچہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکیوں کا چکر ختم بھی کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میں نے سوچ لیا کہ اب اس سلسلہ میں زیادہ آگے بڑھنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں صرف کوثر کو دکھلانے کی حد تک ٹھیک ہے۔ اور یہ طے کرنے کے بعد میں سو گیا۔

دوسری صبح پھر زور و شور کے ساتھ شکار کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ آج چونکہ پورے دن کا قیام تھا۔ اس لئے کچھ زیادہ ہی زور و شور تھا
میں ان لوگوں کے درمیان پہنچا تو ایک شور مچ گیا۔ کرنل ڈکسن مجھے اپنی پارٹی میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ نواب صاحب اپنی پارٹی میں۔ نوجوانوں کی ایک پارٹی الگ تھی۔ چنانچہ جوگمن نے کہا کہ چونکہ میں نوجوانوں میں ہوں اس لئے نوجوانوں کی پارٹی میں شامل رہوں گا۔ آخر میں فیصلہ میرے اوپر چھوڑا گیا۔

"میں تو خادم ہوں۔ جو حکم دیں گے کروں گا۔ لیکن اگر آج مجھے

معاف کر دیا جائے تو بہتر ہے۔"

"ارے کیوں خیریت۔" بہت سی آوازیں اُبھریں۔

"میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"ارے۔ کیا بات ہے سرفراز۔" نواب صاحب جلدی سے آگے بڑھ آئے۔
"رات کو نیند نہیں آئی۔ سر درد کر رہا ہے۔ بدن بھاری ہو رہا ہے۔"

"اوہ۔ تب تم آرام کرو۔" کرنل ڈکسن بولے۔

"میں دوا دے دیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

میں نے خاموشی مناسب سمجھی تھی۔ بہرحال یوں میں جانے سے بچ گیا۔ میرے علاوہ صرف دو سیاہ فام کیمپ میں رہے، چنانچہ میں نے ٹوبو کو روک لیا اور پارٹیاں روانہ ہو گئیں۔

"کیا بات ہے ماسٹر کیسی طبیعت ہے۔"

"بالکل ٹھیک ٹوبو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر شکار پر کیوں نہیں گئے۔"

"آج ان لوگوں کو شکار کرنے دو۔ ہم آج دن بھر مشق کریں گے۔"

"اوہ۔ ونڈرفل چیف۔ یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ تو یوں کہو کہ تم نے ان لوگوں کو صرف ٹال دیا ہے۔ خوب بہت خوب آج ہم مشق کریں گے" اور پھر درحقیقت پورا دن ہم نیزہ بازی، کلہاڑی، خنجر وغیرہ کی مشق کرتے رہے۔ ٹوبو کا دوسرا ساتھی زنڈا بھی بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ میری کوششوں پر ٹوبو کے منہ سے خوشی کی آوازیں نکل جاتی تھیں۔ شام کو پانچ بجے پارٹیوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ شکار کی کیفیت بڑی شرمناک تھی۔ وہ سب مل کر اتنا بھی شکار نہیں کر سکے تھے، جتنا ہم اور ٹوبو کر لائے تھے۔ بہرحال ساری پارٹیاں واپس آ گئیں۔

میرلیسا جھپٹتی ہوئی میرے پاس آئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے سرفراز۔"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔ لیکن میرلیسا ان باتوں کا زیادہ نوٹس نہیں لیتی تھی۔ چنانچہ جلدی سے بولی۔

"ہائے تمہارے بغیر مزا نہیں آیا۔ سب تمہارے بارے میں باتیں کرتے رہے۔"

"کوئی شکار نہیں ہوا۔ مارتے تھے ہرن کو۔ اور گولی لگتی تھی بڑ کے درخت میں۔"

"کس کس نے شکار کیا۔؟" میں نے پوچھا۔ اور میرلیسا نہ جانے کہاں کہاں کی بکواس کرنے لگی۔ پھر اُس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"آج سب تھک کر چور ہو گئے ہیں۔"

"ہوں۔" میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"خوب گہری نیند سوئیں گے۔"

"مطلب۔"

"میں رات کو آؤں گی۔"

"اوہ۔"

"آج ہم آزادی سے ملیں گے ڈارلنگ۔" میرلیسا کے لہجے میں جذبات جھلک رہے تھے۔

"پھر اس حماقت پر اُتر آئیں میرلیسا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا کہوں۔ کیوں۔" میرلیسا میرے لہجے پر بوکھلا گئی۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ میرلیسا مجھے حدود پسند ہیں۔"

"لیکن مجھے پسند نہیں ہیں۔" میرلیسا بھی جھنجھلا گئی۔

"تب میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"تم۔ تم جہنم میں جاؤ۔ بڑے پارسا بنتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو خود کو تم نے۔ تم نے میری توہین کی ہے۔ میں نے تمہیں اعزاز بخشا تھا۔ تم۔ تم۔ میں نے دل پر جبر کر کے تم سے یہ بات کہی تھی۔ اس خیال کے تحت۔ کہ۔ کہ شاید تم یہ بات کہنے کی جرات نہ کر سکو۔"

"میں یہ بات کہنے کی جرات رکھتا ہوں۔ تمہارا شکریہ۔"

"میں تمہارا دماغ درست کرا دوں گی۔ میں تمہاری شکل بگاڑ دوں گی۔ دو ٹکے کے مُلازم۔ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ کمینے پنچ۔ ذلیل۔" میرلیسا آپے سے باہر ہو گئی تھی۔

میں پُرسکون نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر بڑے اطمینان سے آگے بڑھا۔ اور پھر میرے زناٹے دار تھپڑ کی آواز دُور تک گونجی۔ میرلیسا زمین پر گر پڑی۔

"میں تمہارا ملازم نہیں ہوں سمجھیں۔ ان کے علاوہ کوئی مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو میرے آقا ہیں۔ میرا خیال ہے یہ تھپڑ تمہارے سارے جذبات کا بھوت اُتار دے گا۔"

اور پھر میں اس جگہ سے ہٹ آیا۔

میرے ذہن پر کوئی خاص اثر نہیں تھا۔ میرلیسا اگر کچھ گڑبڑ بھی کرتی ہے تو دیکھا جائے گا، چنانچہ میں پُرسکون تھا۔ رات ہو گئی۔ میں نے حسب معمول ٹوبو وغیرہ کے ساتھ کھانا کھایا لیکن رات گئے تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ میرلیسا نے شاید خاموشی ہی اختیار کر لی تھی میں نے رات پھر ایک ٹریلر میں گزاری۔ اور دوسری صبح سے سفر شروع ہو گیا۔ آج میرے ٹریلر میں نہ بارہ تونا تھی نہ میرلیسا۔

ہاں ڈینلا صاحبہ بطور خاص موجود تھیں۔ لیکن فی الحال کسی فضول حرکت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے میں نے اس لڑکی کی طرف توجہ نہیں دی۔

اور سفر جاری رہا۔ ٹوبو میرے ساتھ تھا۔ مجھے جنگلوں کی کہانیاں سُنا رہا تھا۔ اور سب لوگ ان کہانیوں میں دلچسپی لے رہے تھے۔ ڈینلا نے کئی بار میرے کندھوں پر ہاتھ رکھا تھا مجھے حیرت تھی یہاں بہت سے نوجوان موجود تھے ان میں چند بہت اسمارٹ اور خاصے خوبصورت تھے۔ لیکن خاکسار پر عام طور پر کرمفرمائی ہو جاتی تھی۔

دوپہر ڈھل گئی۔ سہ پہر شروع ہو رہی تھی کہ بادل چھا گئے اور فضا میں ٹھنڈک رچ گئی۔ لیکن تھوڑی دُور کے سفر کے بعد موسم کا رنگ بدلنے لگا۔ آسمان نے مٹیالی رنگت اختیار کر لی۔ اور آندھی کے آثار نمایاں ہو گئے۔

سب سے آگے والی گاڑی میں میکارڈ اور ہیگلے تھے۔ ان لوگوں نے شاید کیفیت محسوس کر لی تھی۔ چنانچہ ریڈ فلیگ نکال لیا گیا۔ اور گاڑیاں رُک گئیں۔

تمام لوگ نیچے اُتر آئے تھے۔

"کیا بات ہے پروفیسر؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

"آندھی۔ یقیناً آندھی ہے۔" پروفیسر ہیگلے نے جواب دیا۔

"پھر کیا کیا جائے؟"

"یہ اچھا ہے کہ ہم درختوں کے علاقے سے دُور ہیں۔ فوری طور پر بندوبست کر لیا جائے۔"

"سفر ملتوی؟"

"ظاہر ہے۔ اس طوفان سے جان بچائی جائے، سفر کی کیا بات ہے۔ کیا مشورہ ہے ڈاکٹر میکارڈ؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ ساری گاڑیاں ایک دوسرے سے جوڑ دی جائیں۔ درمیان میں جگہ ہی نہ چھوڑی جائے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ ایک ٹریلر میں آجائیں۔"

ڈاکٹر میکارڈ نے پارٹی سربراہ ہونے کی حیثیت سے کہا اور سارے لوگوں نے اسکی ہدایات پر عمل کیا۔ اب طوفان کی آواز بھی سُنائی دے رہی تھی۔ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ جو آسمان سے ہی آرہی تھی۔ آسمان تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا تھا کیا سنسنی خیز منظر تھا اور میرے دل میں سرد سی لہریں اُٹھ رہی تھیں صحرائے اعظم کی داستانیں میرے سامنے تھیں۔ اب یہ طوفان خس و خاشاک کی طرح ایک ایک چیز اُڑائے جائے گا۔ ہم سب کی لاشیں چیل کوؤں کی طرح فضا میں اُڑ رہی ہوں گی۔ وہ۔ پھر ہم لوگ بھی کتابوں میں جیاں ہو جائیں گے۔ لوگ ہمارے بارے میں بھی پڑھیں گے۔

لیکن یہ گڑگڑاہٹ۔

"سرفراز۔" عقب سے فیروز الدین کی آواز سنائی دی۔ اور میں پلٹ پڑا۔ کوثر بھی نواب صاحب کے ساتھ موجود تھی اور خاموش کھڑی تھی۔

"کیا محسوس کر رہے ہو سرفراز۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

"جو سوچ رہا ہوں، آپ کو پسند نہیں آئے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ بتاؤ تو سہی؟"

"ہوا کی گڑگڑاہٹ کیسی ہے نواب صاحب؟"

"بے پناہ طاقتور ہوائیں پہاڑوں سے ٹکرا رہی ہیں اور آواز کی گونج فضا میں گڑگڑاہٹ پیدا کر رہی ہے۔"

"کیا یہ طوفان حسین نہیں ہے؟"

"بہت خوب۔ صاحبزادے، اسے یہاں تک پہنچنے دو پھر اس کا حسن دیکھنا۔"

"میری دلی آرزو ہے نواب صاحب۔"

"طوفان یہاں پہنچ جائے، گاڑیاں تنکوں کی طرح فضا میں اُڑیں، پھر زمین سے ٹکرائیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور پھر ہماری لاشیں ہماری لاشیں ہواؤں کے دوش پر اُڑتی ہوئی درختوں میں جا اُلجھیں۔"

"خدا کی پناہ۔" نواب صاحب آہستہ سے بڑبڑائے۔

"آپ کا کیا خیال ہے کوثر بی بی؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ کوثر نے کوئی جواب نہ دیا۔

سیاہ طوفان بالآخر ہم تک پہنچ گیا۔ ہواؤں کا شور تھا کہ قیامت صغرا۔ بڑی بھیانک آوازیں تھیں۔ نہ جانے کیا کچھ وہ اپنے جلو میں سمیٹے ہوئے تھیں۔ نہ جانے کیا کیا ٹریلروں اور گاڑیوں سے ٹکرا رہا تھا۔ ٹریلر لرز رہے تھے۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا کہ جیسے ٹریلر سچ مچ زمین چھوڑ دیں گے۔

کوثر نواب صاحب سے لپٹ گئی تھی۔ کہیں کہیں لڑکیوں کی چیخیں سُنائی دے جاتی تھیں۔ بڑی بھیانک کیفیت تھی سب ساکت کھڑے تھے۔

لیکن طوفان چند ساعت بعد ٹریلروں کے پاس سے گزرا اور آگے بڑھ گیا۔ اب اسکی گڑگڑاہٹ آگے سُنائی دے رہی تھی۔

"خدا کا شکر ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"یہ کیا ہوا نواب صاحب۔" میں نے پوچھا۔

"طوفان بہت تیز تھا لیکن اس کا حجم زیادہ نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی۔ ایک چھوٹا سا غول تھا۔ جو بہت طاقتور تھا لیکن

حجم زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ دیر تک ایک جگہ نہیں رہ سکتا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔"

"بچ گئے۔" پروفیسر ہیگلے نے نعرہ لگایا۔

اور پھر چاروں طرف سے خوشی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

گو طوفان کی آواز اب بھی ویسی ہی تھی۔ پہاڑ چیخ رہے تھے لیکن خطرہ ٹل گیا تھا تمام لوگ خاموش کھڑے تھے۔ طوفان کی آواز اب بھی دلوں پر ہیبت طاری کر رہی تھی۔ تب دُور کسی ٹریلر سے سیاہ فاموں کے وحشیانہ نعرے گونجے اور سب چونک پڑے۔

یہ افریقی ان طوفانوں کی تباہی سے خُوب واقف تھے چنانچہ طوفان ٹل جانے کے بعد خوش بھی وہی تھے۔ کسی نے ٹریلر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ افریقیوں نے کوئی ضروری گیت شروع کر دیا تھا۔ اب طوفان دُور چلا گیا تھا۔ لیکن فضا میں ہلکی سی لرزش باقی تھی اور اس لرزش میں طوفان کا گیت بہت عجیب، بہت انوکھا، بیحد پُراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے میں خواہش اُبھری کہ میں ان لوگوں کے قریب جاؤں۔ قریب سے ان کے چہروں کا تجزیہ کروں۔ اور میں تیزی سے ٹریلر کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔

"ارے ارے۔" میرے عقب میں نواب صاحب کی آواز لیکی۔ اور میں اسے اَن سُنی کر کے اس ٹریلر کی طرف بڑھ گیا جس میں سیاہ فام موجود تھے

باہر ہوا اب بھی ایسی تھی کہ قدم اُکھاڑ دے۔ لیکن میں مضبوطی سے قدم جماتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اور اس ٹریلر کے پاس پہنچ گیا جس سے آوازیں آرہی تھیں۔

"ٹوبو۔" میں نے ایک کھڑکی سے مُنہ لگا کر آواز دی۔

"ہا ہا۔ موسم کا پہلا جیالا۔ دیکھا کرڈا۔ یہ میرا چیف ہے۔ آؤ۔ آؤ، ماسٹر۔ مجھے یقین تھا تمہارے علاوہ اور کون ان ہواؤں میں باہر نکل سکتا ہے۔" ٹوبو نے دروازہ کھول کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اور میں اسکے ہاتھ کا سہارا لے کر اندر پہنچ گیا۔ اندر ٹوبو اسکے تین ساتھی اور چند دوسرے لوگ موجود تھے۔

"باہر کیا کیفیت ہے؟" احمد البعدی نے پوچھا۔

"ہوا بہت تیز ہے۔ قدم اکھاڑ دینے والی۔"

"تو ایسی حالت میں باہر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کوئی حرج بھی نہیں تھا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"دوسرے لوگوں کی کیا کیفیت ہے؟"

"سب خوش و خرم ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اور احمد البعدی عجیب سی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ تب میں نے ٹوبو سے کہا۔ "تم نے گانا کیوں بند کر دیا ٹوبو؟"

"اوہ۔ ہاں ہم خوشی کا گیت گا رہے تھے۔"

"تمہاری آواز ہی مجھے کھینچ لائی تھی۔"

"سچ؟" ٹوبو نے خوش ہو کر کہا۔

"یقین کرو۔"

"تم افریقہ میں کیوں نہیں پیدا ہوئے چیف۔ یقین کرو تمہارے اندر افریقیوں کی سی خصوصیات ہیں۔"

"بس غلطی ہو گئی ٹوبو۔ پیدا ہونے سے پہلے میں نے افریقہ کے بارے میں بہت سوچا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور دوسرے لوگ بھی ہنسنے لگے

ہواؤں کی سنسناہٹ اب بھی اسی طرح تھی۔ باہر کان پھاڑ دینے والا شور تھا۔ تب میں نے ٹوبو سے کہا۔ "کیا خوشی کا گیت ختم ہو گیا؟"

"نہیں ماسٹر۔ دوبارہ جاری ہو جائے گا۔"

"تب آؤ۔ نیچے چلیں۔"

"آؤ۔" ٹوبو نے اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے کہا اور سب لوگ نیچے اُتر گئے۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا دیوانگی ہے رُک جاؤ۔ رُک جاؤ، کسی حادثے کا شکار نہ ہو جاؤ۔" احمد البعدی نے چیخ کر کہا۔ اور ہم سب نے قہقہے لگائے۔

"یہ کیا جانیں ماسٹر، افریقہ کیا ہے۔" کرڈا بولا۔ اور پھر وہ چاروں گیت گانے لگے۔ بے ہنگم آوازیں۔ انوکھا گیت، نہ سمجھ میں آنے والا۔ لیکن اسکی دلکشی کا کیا پوچھنا میرا دل چاہا، کاش میں بھی ان کے ساتھ گا سکتا۔ ٹوبو اور اسکے ساتھی گاتے رہے، کبھی کبھی وہ جوش میں آکر رقص بھی کرنے لگتے تھے۔

آہستہ آہستہ ہوائیں رُک گئیں۔ ٹریلروں کی کھڑکیاں کھلیں پھر دروازے۔ اور لوگ نیچے اترنے لگے۔ لیکن اس سے قبل کہ کوئی بولتا، اچانک ٹوبو اور اسکے ساتھیوں کا گیت رُک گیا۔

"کرڈا۔" ٹوبو آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔" اسکے ساتھی نے جواب دیا۔

"کچھ سُن رہے ہو؟"

"ہاں ٹوبو۔"

"یہ طوفان کا شور نہیں ہے۔" ٹوبو نے کہا۔ اور کرڈا زمین پر گر پڑا۔ پھر اُس نے زمین سے کان لگا دیئے۔ دوسرے لوگ حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے

"ارے کیا ہو گیا؟" پروفیسر ہیگلے نے پوچھا۔

"خاموش رہو ماسٹر۔ اسے سننے دو۔" ٹوبو نے ہاتھ اٹھا دیا۔ کرڈا اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر وہ بہت پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاتھی ہی ہیں۔ بیشمار۔ لاتعداد۔"
"رُخ کس طرف ہے۔" ٹوبو نے پوچھا۔
"اسی طرف۔ بالکل اسی طرف۔" کرڈا نے جواب دیا۔
"تب تو۔ تب تو بڑا خطرہ ہے ماسٹر۔" ٹوبو نے کہا۔
"تمہیں یقین ہے ٹوبو۔"
"بالکل ماسٹر۔ جلدی کرو۔ ورنہ ہم اس دُوسرے طوفان سے نہیں بچ سکیں گے۔ ہاتھیوں کا یہ خوفناک سا غول جدھر کا رُخ کرے گا تباہی و بربادی مچا دے گا۔"
"لیکن ٹوبو۔ اسکے رُخ کا تعین کیسے کیا جائے۔"
"جان بچانے کی تیاریاں کرو۔ رُخ بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔"
"کیا لغویت ہے۔ کہاں ہیں ہاتھی۔ دُور دُور تک نشان نہیں ہے۔" ایک نوجوان نے کہا۔ اور ٹوبو اُسے گھورنے لگا۔
"جو کہا جا رہا ہے ٹھیک ہے۔" اُس نے غرا کر کہا۔
"مگر واقعی، دُور دُور تک کوئی نشان نہیں ہے۔ ہاتھیوں کے غول کی آواز بھی طوفان سے کم نہیں ہوتی۔" احمد البعدی نے بھی کہا۔
"یہ سیاہ فام احمق ہوتے ہیں۔" نوجوان کو نسر بولا۔
"ماسٹر۔ ماسٹر آؤ۔ ان سے بات کرو جو ہماری آواز سن لیں۔ جلدی کرو۔ ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور ہم دوڑتے ہوئے میکارڈ کے نزدیک پہنچ گئے۔ نواب صاحب اور دُوسرے لوگ بھی وہیں موجود تھے۔
"مسٹر میکارڈ۔ ٹوبو کا خیال ہے کہ بپھرے ہوئے ہاتھیوں کا غول اس طرف آ رہا ہے۔"
"ارے۔ کہاں۔" سب چونک پڑے۔
"شدید طوفانوں میں ہاتھی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے بدن میں منہ اڑا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اس طرح وہ طوفان سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھر جب طوفان ٹل جاتا ہے تو وہ مست ہو جاتے ہیں اور یہ غول کسی بھی طرف چل پڑتا ہے۔" ٹوبو نے تفصیل بتائی۔
"لیکن میرے بھائی۔ وہ مست حضرات ادھر ہی کیوں چل پڑے۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔
"کہیں یہ لوگ خود بھی تو مست نہیں ہو گئے۔" مسٹر ڈو میڈی ہنستے ہوئے بولے۔
"ماسٹر۔ مسٹر جوزدو نے کہا تھا کہ ان لوگوں سے تعاون کیا جائے۔ میں کسی کو کچھ نہ کہوں گا ایک جیپ لو۔ اور اس میں بیٹھ کر تیار رہو۔ ہمیں ہاتھیوں کا انتظار کرنا ہے۔ جب وہ سامنے نظر آئیں گے تو ہم آگے چل پڑیں گے۔" ٹوبو نے غصیلے انداز میں کہا۔
"نہیں نہیں ٹوبو۔ اگر تمہیں غلط فہمی بھی ہوتی ہے تب بھی ہم تمہاری بات پر عمل کریں گے۔ کیونکہ افریقہ کو تم ہم سے بہتر جانتے ہو۔" میکارڈ نے کہا۔ اور پھر اُس نے ہدایت دی کہ ٹریلر فوراً جوڑ لئے جائیں۔ کچھ لوگوں کو اس کا یہ حکم ناگوار گزرا تھا۔ لیکن بہرحال میکارڈ پارٹی انچارج تھا۔

فوراً ٹریلر اور گاڑیاں سنبھال لی گئیں۔ اور لوگ ان میں سوار ہو گئے اور پھر چند منٹ کے بعد ہی زمین ہلنے لگی۔ دُوسرا طوفان آ رہا تھا۔

سارے لوگوں کے چہرے فق ہو گئے۔ مخالفت کرنے والے شرمندہ تھے۔ سیاہ فاموں نے گاڑیوں کے اسٹیرنگ سنبھال لئے تھے۔ ٹوبو ایک ٹریلر کی چھت پر کھڑا چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا۔

اور پھر اُس نے نعرہ لگایا۔ "آ گئے۔"

عظیم الشان سیاہ پہاڑ کو سب نے ہی متحرک دیکھا تھا۔ ایک دیوار تھی جو دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اور گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر اس طرف دوڑنے لگیں۔ جدھر ہاتھی دوڑ رہے تھے۔

رفتار بہت تیز تھی۔
"ٹوبو۔" کرنل ڈکسن نے آواز دی۔
"یس مسٹر ڈکسن۔"
"ان کا رُخ بدلنے کی کوشش کی جائے۔"
"کس طرح ماسٹر۔"
"ان پر فائرنگ کی جائے۔"
"ہرگز نہیں ماسٹر۔ بھول کر بھی ایسا نہ کیا جائے۔"
"کیوں۔"
"ان کی تعداد۔ اگر دو چار مر گئے تو باقی بپھر جائیں گے اور پھر ہمیں کسی طور نہ چھوڑیں گے۔" ٹوبو نے جواب دیا اور کرنل ڈکسن گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اب ٹوبو سے اختلاف کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ لڑکیاں بے حد خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ اور اکثر نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اسکے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔ خود بہت سے جوانوں کی حالت خراب تھی۔

ویسے ایک بات میں بھی محسوس کر رہا تھا۔ ہاتھی طوفان ٹل جانے سے خوش تھے۔ مست تھے۔ ایسی شکل میں اُن کا رُخ کسی بھی طرف بدل سکتا تھا۔ لیکن اگر انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ بپھرے ہوئے خوفناک جانوروں کو روکنا ناممکن ہوتا۔

ابھی وہ ہمارے عقب میں ہی چلے آ رہے تھے۔ اور کمبختوں کی رفتار بہت تیز تھی۔ ہمیں صرف خطرہ یہ تھا کہ آگے کوئی ایسی جگہ نہ آ جائے جہاں ہمیں رکنا پڑے اور یہ ہمارے سروں پر پہنچ جائیں۔ ان کی تعداد اتنی تھی کہ چکر آ رہا تھا۔ لیکن تجربے کار سیاہ فام درحقیقت جوزدو کا بہترین تحفہ تھے۔ وہ انتہائی مہارت سے ڈرائیونگ کر رہے تھے۔ اور ان کی کوشش تھی کہ ہاتھیوں سے فاصلہ بڑھ جائے۔

اور پھر تھوڑی دیر کے بعد کامیابی نظر آنے لگی۔ ہاتھیوں کی رفتار سست نہیں ہوئی تھی۔ ان کے جوش و خروش کا وہی عالم تھا۔ لیکن رفتار اتنی ہو گئی تھی کہ اب وہ پیچھے رہ گئے تھے۔ اور پھر فاصلہ بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ ہاتھی اتنے پیچھے رہ گئے کہ نظر بھی آ سکے۔

تب ٹوبو نے چیخ کر کہا۔ "مسٹر ڈکسن۔ مسٹر ڈکسن پلیز۔"

"ہاں ٹوبو۔"

"اب ہوائی فائر کئے جائیں۔ زیادہ سے زیادہ دھماکے کئے جائیں۔ کاش ہمارے پاس دھماکہ کرنے والے گولے ہوتے۔ بہرحال رائفلیں نکال لی گئیں۔ اور پھر زبردست فائرنگ ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہاتھیوں کا غول نمودار ہوا۔ لیکن اب ان کی رفتار سست تھی۔ وہ دھماکوں سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔

فائرنگ اور شدت سے ہونے لگی۔ اور ہاتھی رک گئے۔ اور پھر سامنے والے ہاتھیوں نے سونڈیں اٹھائیں وہ خطرہ کا سگنل دے رہے تھے۔ اور اسکے بعد اُن کا رُخ بدل گیا۔

سب کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ ہاتھیوں کا رُخ بدل جانا معمولی بات نہیں تھی۔ نہ جانے کہاں تک وہ ہمارا تعاقب کرتے ممکن ہے آگے راستہ مسدود ہو جاتا۔ اور اسکے بعد۔

خوفناک واقعات تھے۔ لیکن ان کی دلکشی سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ افریقہ کی روایات جاگ رہی تھیں۔ قدم قدم پر اس پُراسرار سرزمین کے پُراسرار مناظر اُبھر رہے تھے۔

بہرحال کافی آگے چلنے کے بعد گاڑیاں روک دی گئیں۔ اور خوفزدہ لوگ گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ ٹوبو وغیرہ سے سب ہی شرمندہ تھے۔ جس کا اظہار کرنل ڈکسن نے سب سے پہلے کیا۔

"اوہ آئی ایم سوری ٹوبو۔"
"اوہ۔ کیا بات ہے کرنل۔"
"نہیں۔ ہم نے تمہارا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی۔"
"آپ نے تو نہیں۔ لیکن دُوسرے کچھ لوگوں نے مجھے پاگل قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ اچھی بات ہے کہ آپ نے پارٹی لیڈر مُردہ چنلے ہے۔"
"ہاں۔ مسٹر میکارڈ کی سوچ بہترین تھی۔ بہرحال ایک وعدہ کیا جاتا ہے۔ اب تم سے اختلاف نہیں کیا جائے گا۔ کم از کم یہاں کے معاملے میں۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔
"ان الفاظ کے لئے میں شکر گذار ہوں۔"
"اب کیا رائے ہے۔"
"ہاتھیوں کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ انہوں نے رُخ بدل لیا ہے اب وہ اس وقت تک اسی سیدھ میں دوڑتے رہیں گے جب تک تھک نہ جائیں۔ یا کوئی اور حادثہ ان کا رُخ نہ بدل دے۔"
"تب ٹھیک ہے۔ لیکن یہ جگہ۔ اوہ نہ جانے ہم کتنی دُور نکل آئے ہیں۔"
"اور۔ شاید سمت بھی کسی کو یاد نہ ہو۔"
"ایں۔ ارے ہاں۔ ہم نے رُخ کا تو تعین ہی نہیں کیا۔"
"او ہو۔ کہیں راستہ نہ بھٹک جائیں۔"
"ایسا کیا جائے۔ اس وقت تو سب حواس باختہ ہیں۔ کسی کی ہمت نہیں ہے کہ واپسی کا سفر کرے۔ اس لئے آج یہاں قیام کیا جائے۔ اور کل صبح صحیح سمت کا تعین کر کے واپس چلا جائے۔"
"ہاں۔ اس وقت سفر کی تو کوئی تُک نہیں ہے۔"

چنانچہ قیام۔ یہاں بھی قیام کر ڈالا گیا۔ اور پھر وہی معمولات ہاتھیوں کے خوفناک واقعہ کو ذہنوں سے نکالنے کے لئے خصوصی بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ موسیقی شروع ہو گئی۔ اور پھر رات کو رقص کے کچھ کورس ترتیب دیئے گئے۔ اسکے علاوہ ٹوبو نے کچھ افریقی رقص پیش کرنے کی پیشکش کی تھی۔ خاصے ہنگامے رہے۔ لوگ کھیل کھیلنے لگے۔ افریقیوں کے رقص بھی خوب تھے۔ پھر نوجوان جوڑے رقص کرنے لگے۔ بوڑھے بھی لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ کوثر سے بھی رقص کی فرمائش کی گئی۔ لیکن اُس نے معذرت کر لی۔ البتہ معذرت اُس نے بڑے شائستہ انداز میں کی تھی۔ اسکے چہرے کا تیکھا پن نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔

میں بھی رقص کر سکتا تھا۔ لیکن باربرہ فونا، یا میرلیسا نے میری طرف رُخ بھی نہیں کیا تھا۔ دوسری لڑکیوں سے بھی میری کوئی شناسائی نہیں تھی۔

اور پھر میری خواہش بھی نہیں تھی۔

لیکن جب ڈینیلا میرے پاس پہنچی تو میں چونک پڑا۔ "مسٹر سرفراز۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"مس ڈینیلا۔" میں نے گردن خم کر کے جواب دیا۔
"آپ کو رقص سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
"بے حد۔ آپ لوگوں کو رقص کرتے میں نہایت دلچسپی سے دیکھ رہا ہوں۔"
"آپ خود رقص نہیں کرتے۔"
"کرتا ہوں۔"
"تو پھر بیٹھے کیوں ہیں۔"
"تنہا انسانوں کے رقص کا ابھی کوئی کورس نہیں ملا۔"

"اوہ - میری پارٹنر شپ پسند آئے گی؟"

"آپ برداشت کرسکیں گی۔"

"کیوں -"

"مجھے اپنی حیثیت کا احساس ہے"۔ میں نے کہا۔

"زبردستی کا احساس ہے۔ اٹھیئے"۔

"واقعی -"

"اٹھیئے بھی - ڈینیلا نے بے تکلفی سے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ اور میں اٹھ گیا۔ اور پھر ہم بھی رقص کرنے والے جوڑوں میں شامل ہو گئے اور رقص کرتے کرتے میں نے کوثر کی شکل دیکھی۔

کوثر کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ لیکن بہرحال آج اس نے بڑے ضبط کا ثبوت دیا۔ وہ بیٹھی رہی۔ دوسری طرف ڈینیلا میرے رقص کرنے کے انداز پر بہت خوش تھی۔

"سرفراز" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یس مس ڈینیلا"

"تم تو ہر فن میں استاد ہو"

"اوہ - میرا خیال ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے"

"ایسی ہی بات ہے۔ شطرنج میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ نشانہ بازی میں تم بے مثال ہو۔ اور یوں بھی تمہاری شخصیت میں ایک انوکھا پن ہے۔"

"آپ کا احساس ہے مس ڈینیلا - ورنہ ایسی کوئی بات تو نہیں ہے"

"ایک بات بتائیں مسٹر سرفراز"

"جی -"

"باربرہ آپ سے کچھ ناراض ہے"

"مجھے علم نہیں ہے۔"

"پہلے تو آپ کے قریب رہنے کی کوشش کرتی تھی لیکن اب۔"

"دراصل ---- میں نے اس سے اپنی حیثیت کی بات کی تھی۔ مس ڈینیلا - خواتین میرے قریب آتی ہیں۔ لیکن پھر انہیں احساس ہوتا ہے کہ میں کمتر حیثیت رکھتا ہوں۔ تب وہ پیچھے ہٹ جاتی ہیں"

"اگر یہ بات ہے تو ان کی سوچ بہت گھٹیا ہے"

"آپ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتیں۔"

"ہرگز نہیں"

"تب آپ عظیم ہیں"

"میں دل سے تمہاری عزت کرتی ہوں - میری دوستی قبول کرو گے۔ میرے لئے یہ عزت ہوگی"

"اور سنو - ہم صرف دوست رہیں گے اچھے دوست - وعدہ کرو کہ تم مجھ سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے" ڈینیلا نے کہا اور میں اچھل پڑا۔

"واقعی مس ڈینیلا - آپ بھی ایسا نہیں کرینگی"

"ہرگز نہیں - وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"تب پھر وعدہ - پکا وعدہ - اور ہم دونوں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملائے۔ اگر یہ بات تھی تو ڈینیلا واقعی عمدہ لڑکی تھی۔



ہنگاموں میں خوب وقت گذرا، رقص و سرود کی محفل بہت دیر تک جمی۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ اس میں سب نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ بوڑھوں نے رقص کیا۔ مسٹر بیگلے اور میکارڈو تو دیر تک رقص کا مقابلہ کرتے رہے اور پھر جب تاریکی پھیل گئی تو یہ طوفان تھما۔

• "بس بھئی اب ختم کرو" میکارڈو نے کہا۔

• "زندگی بچ جانے کی خوشی اتنی مختصر نہیں ہوتی انکل" میکنا نے کہا

• "لیکن میرے بچے اب رات ہوگئی ہے"

• "ہم مشعلیں جلائیں گے" میکنا نے کہا، وہ ایک خوش شرد نوجوان تھا

• "بس بھئی، میرا خیال ہے اب بند ہی کیا جائے" بیگلے نے کہا اور سب کی رائے یہی تھی کہ اب رقص وغیرہ بند کر دیا جائے، کیونکہ سب ہی تھک گئے تھے۔

اور بہرحال بات مان لی گئی۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ نواب فیروز الدین نے مجھے پکڑ لیا اور اپنے ٹریلر میں لے گئے

• "بیٹھو سرفراز" نواب صاحب بولے، اور میں بیٹھ گیا۔ "آج کی مہم میں بھی تمہارا کردار نمایاں رہا سرفراز" انہوں نے کہا۔

• "کیا غلطی ہوگئی نواب صاحب" میں نے چونک کر پوچھا۔

• "ارے نہیں بھئی، اب ایسا بھی نہیں۔ تم لوگوں نے تو سب کی زندگی بچائی ہے۔ اب تو سب کو تمہارے مافوق الفطرت ہونے کا یقین ہوچلا ہے" "ایسی تو کوئی بات نہیں نواب صاحب" میں نے انکساری سے کہا

• "ایک بات کا مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے"

• "کیا" میں نے پوچھا۔

• "مجھے یقین ہے ہم راستہ بھٹک گئے ہیں"

• "اوہ"

• "اور یہ بات کافی پریشان کرے گی تم اس سلسلہ میں کیا مدد کر سکتے ہو"

"میرا خیال ہے کچھ بھی نہیں۔ مجھے تو ان جنگلوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے، ساری جگہیں یکساں ہی لگتی ہیں"

• "بہرحال دیکھنا ہے دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں، ویسے نہ جانے ...ں میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ مشکلات پیدا ہوگئی ہیں"

• "ثابت قدمی سے کام لیں گے نواب صاحب، جو ہوگا دیکھا ...ئے گا"

• "خدا تمہیں خوش رکھے سرفراز۔ بخدا تمہاری موجودگی سے مجھے ...ں قدر تقویت ہے، میں اسے بیان نہیں کرسکتا" نواب صاحب کچھ ...ب سے لہجے میں بولے۔ "البتہ کوثر کی طرف سے مجھے دکھ ہے"

• "کیوں۔ خیریت" میں نے چونک کر پوچھا۔

• "جنگلوں کی آب و ہوا نے اسے پھر جنگلی بنا دیا"

• "اگر بات میرے بارے میں ہے تو آپ اس کی بالکل پرواہ نہ کریں" ...ں نے کہا۔

• "سرفراز بیٹے، اب میں تم سے کیا کہوں۔ تم اتنے نفیس انسان ہو ...دل کی بات تم سے چھپائے بھی نہیں بنتی۔ لیکن میں تمہیں اپنے دل کی ...ت ضرور بتاؤں گا۔ اس طرح تم کوثر کے سلسلہ میں میری پریشانیوں کا صحیح ...ازہ کرسکو گے"

• "فرمائیے نواب صاحب۔ میں آپ کی ہر الجھن میں برابر کا شریک ...ں" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

• "بھئی سرفراز، انسان کی ابتدا جس انداز میں ہوئی، تاریخ داں اس ...ے گواہ ہیں۔ موٹی موٹی باتیں ہم سب جانتے ہیں۔ مذہب نے بہت سی آزادیا...ں ہیں لیکن ان میں کچھ رسومات شامل ہوگئی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم ...یادار بعض اوقات ان رسومات کو مذہب سے زیادہ اہمیت دے دیتے ...ں۔ مثلاً بیٹی کے رشتے کا مسئلہ ہے۔ کہا جاتا ہے، بلکہ ہوتا ہے کہ بیٹی ...اہ بوڑھی ہو جائے، اس کے والدین کسی سے اس کی شادی کے بارے میں ...یں کہہ سکتے۔ ایک خواہ مخواہ کی رسم ہے جس کی کوئی خاص وجہ آج تک میری ...جھ میں نہیں آئی"

نواب صاحب کی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی، جو کچھ وہ کہنے ...لے تھے، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ انہوں نے میری شکل دیکھی ...ر بولے۔

• "تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں"

• "کیا عرض کروں نواب صاحب، کبھی سابقہ نہیں پڑا ان باتوں سے"

• "رسومات اور مذہب کی بات میں نے غلط کہی ہے"

• "ہرگز نہیں۔ فرسودہ رسومات کا مذہب پر فوقیت دینا پستی کی دلیل ...ہے، اس طرح انسان مذہب سے بہت دور ہو جاتا ہے"

• "خدا خوش رکھے، یہی میں کہنے والا تھا۔ تو سرفراز میاں جس چیز کو ہم ...سمجھتے ہیں، اسے خود پر مسلط کیوں رکھیں۔ کم از کم ہم تو اس فرسودہ رسم سے ...ہز کریں"

• "جی۔ یقیناً"

• "چنانچہ میں بھی ایک بیٹی کا باپ ہوں"

• "جی ہاں - جی ہاں" میں نے احمقانہ انداز میں سر ہلا دیا اور نواب صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

• "اور بہرحال اس کی خوشگوار زندگی کے لئے میں ہی سوچتا ہوں"

• "بے شک"

• "تو سرفراز میاں، بعض اوقات انسان کسی ایسی ہستی سے متاثر ہو جاتا ہے جو دنیائی نگاہوں میں بظاہر کچھ نہیں ہوتی لیکن سمجھنے والے بہت کچھ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ جوہر شناس ہوتے ہیں۔ میں اس بات کو بے تکلفی سے کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ کوثر کے شوہر کے لئے مجھے تم سے زیادہ موزوں اور کوئی نہیں نظر آتا"

اور میرے سر پر جیسے کوئی چٹان آگری۔

"جی -" میں منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

• "میاں حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انسانی اوصاف ہی اس کی ذات اور خاندانی وقار کے مظہر ہوتے ہیں۔ ہم شکاری اور آوارہ گرد آدمی لیکن بہرحال ہماری اس بینائی کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ تم جانتے ہو سرفراز بیٹے کہ کوثر کے لئے بے شمار رشتے آسکتے ہیں۔ سینکڑوں افراد اسے اپنی بہو بنانا پسند کریں گے لیکن ہم ان نوجوانوں میں وہ وصف کہاں ڈھونڈیں گے جو تم میں ہے۔ چنانچہ ہم نے تمہیں اپنا بیٹا بنانے کے لئے پسند کیا ہے"

میں خاموشی سے نواب صاحب کی شکل دیکھتا رہا۔ اس سادہ دل انسان نے بڑی عظمت کا ثبوت دیا تھا۔ اس سے زیادہ اپنائیت اور کیا ہو سکتی تھی۔ میرا دل کٹ گیا اسکو منع کرتے ہوئے۔ لیکن دو باتیں تھیں۔ یا تو اپنی ساری شخصیت بھول کر اپنے سارے تصورات نذر آتش کر کے نواب صاحب جیسے نیک سیرت انسان کے لئے مٹ جاؤں، اس کی خواہش پوری کر دوں یا پھر --- یا پھر --- لیکن نواب صاحب نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی۔ میری ہمت نہیں ہو رہی تھی، انہیں منع کرتے ہوئے۔ عجیب کشمکش و پیچ میں تھا کہ نواب صاحب کی آواز ابھری۔

• "کیا سوچ رہے ہو سرفراز۔ بھئی صرف کوثر میری بیٹی نہیں ہے میں تمہیں بھی اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ تمہارے ذہن میں کوئی بات ہو تو صاف صاف کہہ دو"

• "آپ کو دکھ تو نہیں ہوگا نواب صاحب" نہ جانے کیسے میں نے کہا۔

• "ہرگز نہیں" نواب صاحب نے جواب دیا۔

• "آپ غور کریں۔ کیا میرا کوثر بی بی سے یہ رشتہ کسی طرح ممکن ہے"

• "ممکن تو ہے بیٹے"

• "کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہے کہ وہ مجھے ناپسند کرتی ہے"

• "میرا اندازہ ہے کہ تمہارا خیال غلط ہے"

• "جی -؟"

• "ہاں بیٹے تھوڑی سی دنیا میں نے بھی دیکھی ہے، وہ تمہیں ناپسند نہیں کرتی۔ یہ میرا تجربہ کہتا ہے"

• نواب صاحب میں ان کا ادنیٰ خادم ہوں"

• لیکن اعلیٰ انسان کی حیثیت سے وہ تمہاری قدر کرتی ہے"

• آپ اچھی طرح سوچ لیں. غور کرلیں نواب صاحب. اس کے بعد مجھے بتائیں. یہ کیسے ممکن ہے. میں خود کو ان کے قابل نہیں پاتا نواب صاحب میں اپنے ذہن میں اس تصور کو جگہ نہیں دے سکتا"

• تب میں تم سے صاف گوئی کا طالب ہوں"

• جی ــ میں نہیں سمجھا"

• بے شک، کوثر کو ہر وہ شخص بحیثیت بیوی قبول کرنے سے ہچکچائے گا جو اس کے قریب رہ کر اس کی غیر مستقل مزاجی کا مشاہدہ کر چکا ہو لیکن بیٹے اس کی یہ فطرت میری بھی الجھن ہے اور میں اس الجھن کے لئے تمہارا سہارا بھی چاہتا ہوں"

• نواب صاحب، آپ مجھے کبھی اپنے حکم کی تعمیل سے باہر نہ پائیں گے لیکن ابھی تو بہت وقت ہے. آپ کوثر بی بی کو بھی ٹٹول لیں، ممکن ہے آپ اندازہ لگا سکیں"

• ہاں ہاں. اس میں کوئی حرج نہیں ہے. بس یونہی دل کی بات زبان پر آگئی تھی. میں نے کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا کیونکہ بات بہر حال ایک باظرف انسان کے سامنے تھی. باقی سب ٹھیک ہے، تم بھی اس نظریئے پر غور کرلینا. اگر تمہیں یہ بات پسند نہ ہوگی تو بہر حال میں تمہاری سعادتمندی سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گا"

• جی بہتر" میں نے کہا اور پھر میں نواب صاحب کے پاس سے اٹھ آیا. خوب مزے کی بات تھی. ادھر تو میں کوثر کو درست کرنے کے لئے الٹے سیدھے ڈرامے کر رہا تھا اور ادھر نواب صاحب نہ جانے کیا سوچے بیٹھے تھے. سوال ہی نہیں پیدا ہوتا. اگر یہی کرنا تھا تو بے چاری زلیخا کیا بری تھی. والد صاحب کی بات ہی مان لی جاتی. اونہہ. فضول بات ہے. کوثر سے تو میرا کوئی ذہنی لگاؤ بھی نہیں تھا. بہر حال وہ ایک اچھی لڑکی تھی. اچھے باپ کی بیٹی تھی اور بس. پھر میرے ذہن کے پردے پر کہکشاں ابھر آئی.

ایک سفید سایہ جس کے ہاتھ دعا کے لئے آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے. میرے معبود! نہ جانے کیسا منظر تھا. نہ جانے کیوں میں اس منظر کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا.

حالانکہ میں نے اس کے پیار کو دوسری شکل دے دی تھی. اس وقت میرا ذہن صاف تھا. لیکن اب وہ یاد دل کی چبھن بن گئی تھی اور کبھی کبھی تنہائیوں میں جب دل اپنے وجود کا احساس دلاتا تھا تو اس کے ساتھ چبھن بھی ہوتی تھی، ایک حسین شکل بھی آنکھوں میں اتر آتی تھی.

اس وقت بھی یہی کیفیت پیدا ہو گئی، ایک عجیب سی بے چینی پیدا ہو گئی. سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں. اس وقت کسی سے ملنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا، چنانچہ ٹیلر دل کے عقب میں چلا گیا. لیکن اچانک عقب سے ڈینیلا کی آواز سنائی دی.

• مسٹر سرفراز"

آواز سن کر ٹھٹھک گیا. ذہن کو ایک ہلکی سی ناگواری کا احساس ہوا لیکن پھر ڈینیلا کے الفاظ یاد آگئے. ممکن ہے اس نے ٹھیک کہا، ممکن ہے وہ دوسری لڑکیوں کی طرح نہ ہو.

• کہاں مسٹر سرفراز؟"

• کہیں نہیں مس ڈینیلا، بس یونہی تنہائیوں کی تلاش میں ادھر آگیا تھا" میں نے اداس لہجے میں کہا.

• اوہو. تب تو میری مداخلت ..."

• نہیں، آئیے کہیں بیٹھیں"

• اگر میں ناگوار لگوں تو کوئی تکلف نہیں ہے"

• نہیں آئیے" اور ڈینیلا میرے ساتھ چلنے لگی. پھر ہم ایک ٹھنڈی چٹان پر آ بیٹھے. ہوا خنک تھی لیکن یہ خنکی بڑی خوش گوار رہی تھی.

• آپ کچھ الجھے ہوئے ہیں مسٹر سرفراز"

• کوئی خاص الجھن نہیں"

• دوستی کے قائل ہیں؟"

• کیوں نہیں"

• دوستوں کے لئے کوئی معیار ہے؟"

• صرف ذہنی طور پر مخلص ہو"

• ذہنی طور سے کیا مراد ہے؟"

• ہاتھ پاؤں کو تکلیف نہ دیں، بس دل میں خلوص رکھیں"

• بڑی آسان شرط ہے"

• لیکن کبھی کبھی وہ بھی پوری نہیں ہوتی"

• اور اگر ہو جائے؟"

• بڑی بات ہے"

• میں خود کو پیش کر دوں؟"

• غور کرلیں"

• کرلیا"

• جواب میں کیا دینا پڑے گا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا.

• سچائی" ڈینیلا نے جواب دیا اور میں گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا. چالاک لڑکی تھی. بہر حال دوسری لڑکیوں سے کسی قدر بہتر نظر آرہی تھی.

• امانت ہوگی؟"

• جان سے زیادہ عزیز" ڈینیلا نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا.

• دو طرفہ بھی ہوگی"

• یقیناً. کوئی چیز یکطرفہ نہیں ہو سکتی"

• تب لائیے ہاتھ" میں نے کہا.

• نہیں دل ملیں گے" ڈینیلا کھڑی ہو گئی. وہ بے تکلفی سے میرے سینے سے لگ گئی اور پھر اس نے میرا داہنا گال چوم لیا.

• سرفراز. اس لمس کی ایک قیمت ہے. دونوں ادا کرنے کی

کریں گے، ایک درخواست ہے" اس نے کہا.

• کیا مس ڈینیلا؟"

• انسان ہوں خطا بھی ہو سکتی ہے، ایسی شکل میں دل میلا نہ کرنا اظہار کر دینا"

• بہت عمدہ" میں نے کہا اور ہم دونوں بیٹھ گئے.

• پہلے گفتگو کا حق آپ کا" وہ بولی.

• میرے پاس صرف چند سوال ہیں"

• تمہید کی ضرورت نہیں" اس نے بڑے خلوص سے کہا.

• میری حیثیت معلوم ہے؟"

• ہاں"

• پھر یہ التفات کیوں؟"

• لوگ تمہیں عام انسان کہتے ہیں، سمجھتے نہیں، یوں بھی تم دوسروں سے برتر رہے ہو"

• آپ کیوں متوجہ ہوئیں"

• تمہاری خصوصیات سے"

• بس اور کوئی سوال نہیں ہے"

• میرے پاس تم سے زیادہ سوالات ہیں"

• فرمائیے"

• تمہارے بارے میں بہت سے افسانے مشہور ہیں. لوگ تمہیں سپرمین سمجھتے ہیں. تم بذاتِ خود کیا ہو؟"

• عام سا انسان"

• انکساری سے کام نہیں چلے گا. سچائی کا وعدہ ہے" ڈینیلا نے مسکراتے ہوئے کہا.

• تو یوں سمجھیں مس ڈینیلا، لیکن ہمارے راز راز رہیں گے. میں اپنی سلطنت کا ایک جلا وطن شہزادہ ہوں. ہاں میری جاگیر ایک سلطنت ہی تھی"

• اوہ ــ اوہ. خدا کی قسم، بالکل خوابوں کی چیز ہو"

• میری بات کو جھوٹ تو نہیں سمجھا"

• ہرگز نہیں میری جان. خدا کی قسم کبھی کبھی کہانیوں کی سی باتیں ذہن میں آجاتی تھیں تمہیں دیکھ کر. تمہیں میری جان کی قسم اپنے بارے میں کچھ نہ چھپانا مجھے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی ہے. تمہارا راز کبھی افشا ہو جائے تو سزا دینا، مجھے قبول ہوگی"

• بہت سے بہن بھائیوں میں گھرا ہوا تھا. سیر و شکار میں زندگی گزاری لیکن بھائیوں کو میری بے فکری پسند نہ آئی. انہوں نے سازشیں کیں اور مجھے وطن چھوڑنا پڑا"

• میرے خدا. میرے خدا" ڈینیلا ہاتھ ملتے ہوئے بولی" تو یہ ہے تمہاری مہارت کا راز"

• بس اتنی سی بات ہے"

• بہت بڑی بات ہے. اچھا جان، تم ان لوگوں کے درمیان کیسے پہنچے؟"

• بس بھٹکتا ہوا آگیا"

• فیروز الدین کو تمہاری حیثیت معلوم ہے؟"

• کسی کو بھی نہیں"

• اور تم اتنی معمولی ملازمت کر رہے ہو"

• ہاں"

• کیوں؟"

• میری نگاہ میں کس چیز کی حیثیت ہو سکتی ہے. ایسے نواب میں خرید سکتا تھا، بہر حال یہ زندگی دلچسپ ہے"

• خدا کی قسم، شہزادے ایسے ہی وسیع النظر ہو سکتے ہیں. اب مجھے ایک بات اور بتا دو، سارے مسئلے ہی حل ہو گئے ہیں"

• پوچھو"

• لڑکیوں میں تمہارے بارے میں عجیب تاثر ہے. اجازت ہو تو کھل کر کہوں"

• ضرور کہو"

• ہمارا خیال ہے کوثر تمہیں چاہتی ہے"

• کس کس کا"

• تقریباً تمام لڑکیوں کا"

• ممکن ہے"

• اور تم بھی اسے پسند کرتے ہو"

• ہاں، وہ میرے مالک کی بیٹی ہے"

• نہیں بحیثیت ایک عورت، بحیثیت محبوبہ"

• نہیں" میں نے سختی سے جواب دیا.

• سچ بات ہے؟"

• خدا کی قسم یقین آگیا. اچھا یہ بتاؤ ان تمام لڑکیوں میں سے کسے چاہتے ہو. کسے پسند کرتے ہو. ایک بات بتا دوں میں نے تمہیں میریسا اور فوزیا کو کس کرتے دیکھا ہے"

ڈینیلا نے کہا اور میرے چہرے پر الجھن پھیل گئی. دل کا بخار نکالنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن اس اجنبی لڑکی کو کوثر کے راز میں کیسے شریک کروں. چند ساعت الجھن میں رہا. پھر سوچا. ضرورت سے زیادہ احتیاط حماقت ہوتی ہے. مجھے بھی اپنے طور زندہ رہنے کا حق ہے اور پھر دل کا بخار نکالنے کے لئے کسی ہمدم کی ضرورت ہوتی ہے، ممکن ہے یہ لڑکی معیاری ہو. نہ بھی ہوئی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا. سب کچھ جہنم میں جائے اور میں نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کرلیا.

• مس ڈینیلا، وہ حیثیت دے رہا ہوں جو شاید کسی کو نہ مل پاتا. ایسا ہی تنگ نظر، ایسا ہی کوتاہ دل ہوں. لیکن سنو یہ راز مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے. افشا ہو گیا تو قتل کر دوں گا"

میرے الفاظ میں پوری سنجیدگی تھی۔ جسے ڈینیلا نے محسوس کیا۔

• دل و جان سے منظور ہے؛ اس نے پورے اعتماد سے کہا۔

• ہاں تمہارا خیال درست ہے کوثر مجھے دل سے چاہتی ہے۔

• خوب۔ اور تم۔ ؟

• میری منزل۔ میری منزل لامحدود ہے، میں اس راستے کا مسافر نہیں ہوں؛

• یعنی تم اسے نہیں چاہتے؟

• اس کا احترام کرتا ہوں۔ نواب فیروزالدین فرشتہ صفت انسان ہے، خود کوثر انتہائی ٹھوس کردار کی لڑکی ہے۔ میں دل سے اس کی عزت کرتا ہوں، لیکن اسے وہ حیثیت نہیں دے سکتا جو وہ چاہتی ہے؛

• اوہ؛ ڈینیلا آہستہ سے بولی؛ اس کی کوئی خاص وجہ؟

• میرے ذہن میں ایک سودا ہے ڈینیلا، میرے ذہن میں ایک سودا ہے؛

• مجھے بتا دو میری روح؛

• میں ان لوگوں کو شکست دینا چاہتا ہوں، جنہوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا تھا۔ میں ان لوگوں کے سامنے ایسی حیثیت سے جانا چاہتا ہوں کہ وہ دنگ رہ جائیں؛

• اوہ؛ ڈینیلا نے عجیب سے انداز میں کہا اور پھر وہ کافی دیر تک خاموش رہی، پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا،

• تو تمہاری منزل عورت نہیں ہے؟

• ہرگز نہیں؛ میں نے غراتے ہوئے کہا۔

• کیسے دیوانے ہیں لوگ، کون کسے سمجھ سکتا ہے۔ سب اپنے آپ کو اپنے آپ کو افلاطون سمجھتے ہیں۔ جس کی جو حقیقت ہے اسے کوئی نہیں پہچانتا؛ وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولی، پھر کہنے لگی،

• لیکن پھر ان مناظر کی کیا حیثیت ہے سرفراز؟

• کونسے مناظر؟

• میں نے جو دیکھے ہیں؛

• اوہ۔ میریسا وغیرہ کی بات کر رہی ہو؟

• ہاں؛

• یقین کرو گی میری بات پر؟

• خدا کی طرح؛ ڈینیلا نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

• سب کچھ کوثر کے لئے تھا؛

• کیا مطلب؟

• میں خود کو اس کے سامنے ایک بدکردار شخص کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے۔ دیوانی لڑکی ایک دیوار میں داخل ہونا چاہتی ہے، زخمی ہو جائے گی اور کچھ نہ ملے گا؛

• تبھی تبھی۔ اوہ سرفراز تم کتنے عظیم ہو، تم کیسے انوکھے ہو کسی طلسم کی طرح۔ تمہاری شخصیت ایسی سحر طراز ہوگی مجھے اندازہ نہ تھا۔ لڑکیوں میں تمہارے بارے میں عجیب سی داستانیں مشہور ہیں؛

• کیا؟ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

• میریسا کا خیال ہے تم کریک ہو۔ تم خود کو اوتھا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ فونا کا خیال ہے کہ تم بے حد بزدل انسان ہو، خاص طور سے عورت کے معاملے میں، تم اس کے قرب کی جرأت نہیں رکھتے؛

• یہ حقیقت ہے مس ڈینیلا؛ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• بکواس۔ حقیقت میں اب سمجھی ہوں؛

• مجھے قصوروار سمجھتی ہو؟

• ہرگز نہیں۔ بلکہ بے حد عظیم۔ تم نے ان احمق لڑکیوں کی حماقت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا؛ ڈینیلا نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔ پھر میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا،

• میں خود کو کسی ٹھوس چٹان کی طرح سمجھتا تھا ڈینیلا۔ میں سوچتا تھا کہ میرے راز میرے سینے میں ہی دفن رہیں گے۔ لیکن آج نہ جانے مجھے کیا ہو گیا۔ آج میں نے اپنی شخصیت تقسیم کر دی ہے، مجھے اس پر شرمندہ نہ ہونے دینا ڈینیلا؛

• کاش، میں تمہاری دوستی کے معیار پر پوری اتروں؛ ڈینیلا نے جذباتی انداز میں کہا۔ بہرحال مجھے یہ لڑکی اچھے کردار کی معلوم ہوئی تھی اور پھر نہ جانے کیوں اس سے سب کچھ کہہ کر میرا وجود ہلکا پھلکا ہو گیا تھا اور ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔

• اب چلیں ڈینیلا؛ میں نے کہا۔

• چلو؛

اور پھر ہم وہاں سے اٹھ آئے۔ ڈینیلا اپنے ٹریلر میں چلی گئی اور میں اپنے لئے جائے پناہ تلاش کرنے لگا۔

دوسری صبح سارے انتظامات کئے گئے اور پھر سفر شروع ہو گیا لیکن دو گھنٹے کی مسافت کے بعد فیصلہ کر لیا گیا کہ ہم راستہ بھول گئے صحرائے اعظم میں یہ بات بڑی خطرناک تھی لیکن ہم سب خاصے سخت دل تھے۔ سفر روک کر آپس میں صلاح مشورے کئے گئے۔ اب ٹوبو وغیرہ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس مشورے میں خصوصی طور سے انہیں شریک کیا گیا۔ اور پھر ایک سمت کا تعین کر کے دوبارہ سفر شروع ہو گیا۔

• وہی معمول، شام ہوئی، رات ہو گئی۔ لیکن راستہ بھول جانے سے بددل کوئی نہیں تھا۔ رات کے ہنگامے خوب رہے۔ کوثر حسب معمول مجھ سے دور تھی۔ لیکن اس نے شاید خود کو بدلنے کی کوشش شروع کر دی تھی، وہ اب سب سے گھل مل کر گفتگو کرتی تھی۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے ساتھ رہتی تھی۔

دوسری رات ڈینیلا نے مجھے ایک دلچسپ بات سنائی۔

• یہ کوثر بھی عجیب لڑکی ہے؟

• خیریت؟ میں نے مسکراتے ہوئے کہا

• آج اس نے فونا کو تھپڑ مار دیا۔ بات کافی آگے بڑھ جاتی لیکن میکارڈ نے اور ہیلگے نے فونا ہی کو ٹھنڈا کر دیا؛

• اوہو۔ بات کیا ہوئی تھی؟

• بارہ اور دوسری لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، کوثر بھی آ گئی۔ سب سے اس کی سلام دعا ہے جو پہلے نہ تھی۔ بہرحال نہ جانے کہاں سے تمہارا ذکر نکل آیا؛

• اوہ۔ بہت خوب؛

• میریسا کہنے لگی کہ آخر نواب صاحب نے تمہیں رکھا ہوا ہے۔ تمہیں تو گولی مار دینی چاہیئے۔ تب فونا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ تب کوثر نے سنجیدگی سے پوچھا،

• تمہیں اس سے کیا شکایت ہے فونا؟

• بس وہ گندی طبیعت کا انسان ہے، ہر لڑکی کی جانب حریص کتے کی طرح گرتا ہے؛

• کیا اس نے تم سے بھی اظہار عشق کیا تھا؟ کوثر نے پوچھا۔

• ہاں۔ میں بھی محفوظ نہ رہی؛

• پھر تم نے کیا جواب دیا۔

• ہونہہ۔ کیا میں اس تھرڈ کلاس انسان کو منہ لگاتی؛

• منہ تو تم نے لگایا تھا فونا۔ لیکن نہ جانے کیوں کامیاب نہ ہو سکیں؛ کوثر نے زہریلے لہجے میں کہا۔ بس اسی بات پر بات آگے بڑھ گئی اور فونا نے خود اپنا بھرم توڑ دیا۔ اس نے کہا کہ شاید تم نے کوثر کو بھی اسی طرح ٹھکرا دیا ہے جس طرح فونا کو۔ بی کوثر نے اس کے تھپڑ مار دیا۔ ویسے سرفراز ایک اور بات بھی ہے؛

• وہ کیا؟

• کوثر نے پرسوں رات مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تھا؛

• اوہ۔ کیسے اندازہ ہوا؟

• اس نے میرے اوپر طنز کیا تھا؛

• کیا؟

• کہنے لگی آج کل ڈینیلا بہت آگے بڑھ رہی ہے، اسے محتاط کرنا ضروری ہے۔ وہ مجھے زہریلی نگاہوں سے دیکھنے لگی ہے؛

• تم نے کیا جواب دیا ڈینیلا؟

• مسکرانے کے علاوہ کیا کر سکتی تھی؛

• ہوں؛ میں خاموش ہو گیا۔ ڈینیلا میرے پاس بیٹھی تھی ہم دونوں بالکل قریب قریب تھے۔ ایسی شکل میں بھی اگر کوئی مجھے دیکھ لیتا تو شک کئے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔ بہرحال مجھے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ البتہ ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں نے اس کے اظہار میں بھی تکلف نہیں کیا؛

• ڈینیلا، میں تمہیں ان دونوں لڑکیوں کے بارے میں بتا چکا ہوں؛

• کیا؟

• میریسا کو بہت دن سے خبط ہے۔ اگر بات صرف رومانی گفتگو تک ہی رہتی تو ٹھیک تھی، لیکن وہ مرد عورت کے تعلقات کی ساری منازل طے کر لینا چاہتی تھیں؛

• تم نے تو نہیں بتایا تھا سرفراز، لیکن خود میرا بھی خیال تھا؛ ڈینیلا مسکراتے ہوئے بولی۔

• میں نے ان کی پذیرائی نہ کی؛

• ہاں۔ اسی لئے وہ تمہیں عورت کے معاملے میں بزدل گردانتی ہیں؛

• میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے؛

• کیا؟

• کوثر کو مجھ سے دور کرنے میں تم میری مدد کیوں نہ کرو؛

• دوست کی حیثیت سے یہ کوئی کہنے کی بات ہے سرفراز؛

• کیا مطلب؟

• دوست کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا جس کی میں ابتدا بھی کر چکی ہوں؛

• اوہ۔ تم واقعی عمدہ لڑکی ہو۔ میں تمہارا شکرگذار ہوں؛ میں ممنونیت سے بولا اور ڈینیلا مسکرانے لگی۔ کافی دیر تک ہم بیٹھے گفتگو کرتے رہے اور پھر اٹھ گئے۔

طوفان کے بعد کی چوتھی رات اتفاق سے میں ادھر جا نکلا جہاں لڑکیوں کا گروہ چہلوں میں مصروف تھا۔ میریسا اور فونا کو کوثر سے صلح کرا دی گئی تھی۔ کوثر بھی اسی گروہ میں موجود تھی۔ میں نہ جانے کیوں ٹریلر کے عقب میں رک گیا۔ حالانکہ خود مجھے یہ بات معیوب سی لگی تھی لیکن اب بہت سی باتیں ایسی کر لیتا تھا جو ضمیر کو گوارہ نہیں تھیں۔

لڑکیاں گفتگو کر رہی تھیں۔

• یہ تو حقیقت ہے، ہم تو صرف یہ سوچ رہے ہیں کہ اتنے عمدہ انتظامات نہ ہوتے تو کیا ہم لوگ اس بھیانک ماحول میں زندہ رہ سکتے تھے؛ کسی لڑکی نے کہا۔

• بھئی سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے بس کا روگ نہیں ہے؛

• میں تو ہاتھیوں کے اس طوفان کو دیکھ کر مر ہی گئی تھی؛

• ہاں ہاتھیوں کا غول اس طوفان سے زیادہ خوفناک تھا؛

• کمبخت گھٹاؤں کی طرح امنڈ رہے تھے؛

• بات پھر گھوم کر اسی پر آ جاتی ہے؛

• کس پر؟

• اسی ایشیائی شہزادے پر؛

• تم اس سے بہت متاثر معلوم ہوتی ہو؛

• واسطہ جو نہیں پڑا؛ یہ میریسا کی آواز تھی۔

• اوہو۔ میریسا تمہارا تو واسطہ پڑا ہے، تم ہی بتاؤ؛

• میں تنہا نہیں ہوں۔ مس بارہ فونا بھی اس کی شکار ہیں؛

• میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں، مس کوثر اگر آپ برا نہ منائیں۔

وہ دماغی مریض ہے۔" باربرہ فونا نے کہا۔

"میں کیوں بُرا مناؤں گی۔"

"آپ تو اسے اچھی طرح جانتی ہیں مس کوثر، کیا آپ نے اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں قائم کیا؟"

"ہمارے ہاں ملازموں کو زیادہ لفٹ نہیں دی جاتی۔" کوثر نے ناک چڑھا کر کہا۔

"آپ نے کس بنا پر یہ دعویٰ کیا ہے مس فونا؟"

"اس سلسلہ میں میریلیا بہتر طور پر بتائے گی۔"

"میریلیا پلیز، کیا تم فراخدلی سے کام لوگی؟"

"کیا حرج ہے، اور آپ لوگوں کو اس کے بارے میں آگاہ کرنا میرا فرض ہے تاکہ کوئی اور اسے خود سے کھیلنے کا موقع نہ دے۔" میریلیا نے کہا۔ "اوہ۔ اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"تم مجھ سے متفق ہونا میریلیا۔" فونا نے پوچھا۔

"یقیناً۔۔۔ بڑی ہی گھناؤنی فطرت کا مالک ہے۔ میرے خیال میں یا تو وہ خود پر بہت نازاں ہے۔ بے حد مغرور انسان ہے۔ یا پھر بقول فونا کے خبط الحواس ہے۔"

"لیکن ہوا کیا؟"

"بھئی یہ بات تو تم سب جانتی ہو کہ بہر حال وہ بے حد پرکشش ہے کوئی بھی لڑکی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں بھی انہیں میں سے ہوں۔ مرمٹی تھی اس کمبخت پر۔ سچ بے حد چاہتی تھی اسے۔ اس سے اظہار کر دیا۔ اس نے پذیرائی نہ کی۔ بددل ہو گئی، مایوس ہو گئی لیکن پھر اچانک وہ پگھل گیا۔ بڑے پیار کی باتیں اس نے اور میں بے قابو ہو گئی۔ تب میں نے اس سے وہ سب کچھ مانگ لیا جو ایک عورت کی آرزو ہوتی ہے لیکن اس کمینے نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اسے اپنے مشرقی ہونے پر بڑا ناز ہے لیکن میرے خیال میں اس معاملے میں مشرقی بڑے گدھے ہوتے ہیں۔ عشق کرتے ہیں لیکن۔۔۔"

"میرے خدا۔ تو تمہارے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہوا ہے۔" فونا حیرت سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"میری کہانی میریلیا سے مختلف نہیں ہے۔" فونا نے جواب دیا۔

"گویا وہ اظہارِ عشق کر سکتا ہے لیکن جسمانی قرب سے اجتناب کرتا ہے۔" کسی اور نے کہا۔

"ہاں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اسی لئے تو اسے خبط الحواس قرار دیا گیا ہے۔"

"پھر کیا اس کا اچار ڈالنا ہے۔"

"لیکن کیں کا۔ سچ بتانا کوثر، کیا سارے مشرقی ایسے ہی گدھے ہوتے ہیں؟" میریلیا نے کہا۔

"تو اس نے تم لوگوں کو ٹھکرا دیا۔" کوثر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بڑی بدتمیزی سے، کمینے نے میرے تو تھپڑ بھی مار دیا۔" میریلیا فریادی انداز میں کہا۔

"اور تمہیں بھی؟"

"ہاں کوثر۔" فونا نے لبسورتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے۔" کوثر آہستہ سے بڑبڑائی۔

"لیکن صاحبو، مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے۔" اچانک ڈینیلا کی آواز ابھری۔

"ہاں ہاں ڈینیلا۔ آج کل تم اس کے ساتھ نظر آ رہی ہو۔"

"ہاں وہ مجھے پسند کرتا ہے۔"

"ویری گڈ۔ ٹھیک ہے دو تین دن کے بعد پوچھیں گے۔"

"احمق ہو تم لوگ ایک مرد کو ہینڈل نہیں کر سکتیں، ٹھیک ہے وہ مشرقی ہے، جھجکتا ہے، لیکن اگر کوئی اسے سچ مچ متاثر کرے تو وہ اتنا احمق بھی نہیں ہے۔"

"تمہارا کیا تجربہ ہے ڈینیلا؟ بہت سی لڑکیوں نے اشتیاق سے پوچھا۔"

"وہ اندر سے بھی اتنا ہی پرکشش ہے، جتنا باہر سے۔"

"ہائے ڈینیلا سچ مچ۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"واقعی۔ میں نے پرسوں رات تمہیں اس کے ساتھ دیکھا تھا۔" یہ کوثر کی آواز تھی۔

"پرسوں ہی کیا، جس روز سے میں نے اس کے ساتھ رقص کیا ہے، میری ہر رات اس کے وجود سے ہی ہوتی ہے۔"

"مجھے اجازت دو۔" اچانک کوثر بولی۔

"ارے کیوں؟"

"بھئی وہ بھی مشرقی ہے۔" کسی لڑکی نے کہا۔

"خوب ہوتے ہیں یہ مشرقی احمق بھی۔" دوسری لڑکیاں ہنس پڑیں۔

میں عجیب پوزیشن میں تھا۔ کوثر چلی گئی تھی لیکن اب میری غلیظ فطرت پر مہر لگ چکی تھی۔ ڈینیلا نے سب کچھ میرے لئے کہا تھا۔ میں ناکردہ گناہگار۔ خود سچ مچ مجرم سمجھنے لگا تھا۔ یہ جس کلچر کی لڑکیاں تھیں، اس میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ ان کے ہاں کنوارپن بے عزتی کا باعث ہے۔ لیکن میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی محسوس کر رہا تھا، جیسے میرا گناہ پکڑ لیا گیا ہو۔

لڑکیاں نہ جانے کیا کیا بکواس کرتی رہیں۔ لیکن میرا ذہن کوثر میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میری سب سے عزیز شے چھن گئی ہو۔ ہاں پاکیزگی مجھے عزیز تھی۔ لیکن احمق لڑکی۔ تیری حماقت کی بنا پر یہ گندگی کا یہ غلاف اپنی شخصیت پر چڑھا رہا تھا۔ میرا عضو عضو کراہ رہا تھا اور بھاری قدموں سے میں اپنے سونے کی جگہ چل پڑا۔

پانچویں روز ٹوبو نے راستہ پا لیا، مگر اس نے اعلان کیا کہ ہمیں بہت طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔ ایک ناقابل عبور پہاڑی سلسلہ کے ساتھ چل کر ہمیں دوسری طرف جانا پڑے گا۔ کیونکہ پہاڑوں کو عبور کرنا بہت مشکل ہے۔

سو ہم چلتے رہے۔ کوثر آج مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ نہ جانے کہاں تھی، میں ٹوبو وغیرہ کے ساتھ تھا۔ یہ دلچسپ اور محبت کرنے والے افریقی نہ جانے کہاں کہاں کے قصے سنا رہے تھے۔ سفر کے طویل ہو جانے سے کوئی خوش نہیں تھا طوفان اور ہاتھیوں کے غول نے بارہ دن پیچھے دھکیل دیا تھا۔ بہر حال تن بہ تقدیر تھے ہم لوگ۔ کرتے بھی کیا۔ سفر کرتے رہے اور اسی شام میں نے ایک حیرت انگیز تماشہ دیکھا۔

ٹوبو اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ میں بھی کام کروا رہا تھا۔ کام سے فارغ ہو کر کھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ میں ایک ٹریلر کے قریب کھڑا بلند و بالا پہاڑوں کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔ مکینا کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن کوثر اس کے ساتھ تھی اور مکینا نہایت محبت سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

کوثر کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر دونوں ٹھٹھک گئے پھر کوثر نے خشک لہجے میں کہا۔

"سرفراز، میری اور مسٹر مکینا کی چائے اس طرف پہنچا دینا۔ ہم چٹان کے اس طرف ہیں۔"

"بہت بہتر کوثر بی بی۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں، مسٹر سرفراز کہاں تکلیف کریں گے۔" مکینا نے کہا۔

"مکینا، وہ ملازم ہے۔" کوثر نے کہا اور مکینا کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ میرے بدن کا رواں رواں جھنجھنا گیا تھا۔ کوثر ایسی نہیں ہے، مجھ سے انتقام لینے کے جذبے نے اسے اس کے معیار سے گرا دیا ہے، کہیں وہ دیوانگی میں موت کے دہانے پر نہ پہنچ جائے میں نے تشویش سے سوچا۔

اور یہ صورتحال اچھی نہیں ہے، احمق لڑکی نے یہ کیا کھیل شروع کر دیا تو شروع ہی سے میرے لئے الجھن بنی ہوئی ہے۔ میں نواب فیروز الدین جیسے فرشتہ صفت انسان کی عزت لٹنے نہیں دوں گا۔ سمجھیں کوثر، میں تمہیں ٹھیک کر دوں گا۔

میرے ذہن میں آگ سلگ رہی تھی۔ میں سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے پھر میں نے سوچا، حالات کو کنٹرول کرنے میں بڑی سمجھ بوجھ سے کام لینا پڑے گا۔ اگر کوثر نواب صاحب کی نظروں سے گر گئی تو۔۔۔ ساری زندگی کھو بیٹھے گی اور نواب فیروز الدین کے قہقہے ہمیشہ کے لئے قبر میں دفن ہو جائیں گے وہ جیتے جی مر جائیں گے۔

میں خاموشی سے مڑ گیا اور پھر میں چائے کی دو پیالیاں لے کر چٹان کے عقب میں پہنچ گیا۔ مکینا اور کوثر کسی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے مجھے دیکھتے ہی کوثر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"رکھ دو۔" اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔

"جی بہتر۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر چائے کی رکھ کر میں کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے؟" کوثر نے غرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں کوثر بی بی۔"

"دفعان ہو جاؤ۔" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"جی۔" میں نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔ کوثر مجھے اس سے زیادہ ذلیل کر لیتی، مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی لیکن مکینا کے ساتھ اسے اس انداز میں دیکھ کر مجھے سخت تشویش ہو گئی تھی اور میں ایک خاموش سی جگہ جا کر اس بارے میں سوچنے لگا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا ہے، یہ بات بھی دکھ کی تھی۔ بہر حال اب ان دونوں پر خصوصی نگاہ رکھنا پڑے گی۔

اسی رات نواب صاحب نے مجھے بلوا بھیجا۔ وہ ایک ٹریلر میں تھے، شطرنج جما ہوا تھا۔

"آؤ سرفراز۔ کہاں دور دور رہتے ہو۔ بہت دن سے تمہارا کھیل نہیں دیکھا۔"

"آپ کا حکم ہے تو کھیل لوں گا، ورنہ طبیعت سست ہے۔"

"ارے۔ خیریت؟" نواب صاحب چونک پڑے۔

"جی ہاں۔ بس یونہی بدن ٹوٹ رہا ہے۔"

"میں نہ کھیل سکوں گا ڈکسن، ذرا ان کے لئے دوا کا بندوبست کر دو، یہ لڑکے لاپرواہ ہوتے ہیں۔"

"نہیں نواب صاحب، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس نیند آ رہی ہے۔"

"بکواس مت کرو جی تم، اب چلو۔ دوا لینی پڑے گی۔" اور پھر زبردستی دوا لینی پڑی۔ نواب صاحب نے اس بات پر بھی سخت اعتراض کیا تھا کہ میں ادھر ادھر سوتا پھرتا ہوں۔

بہر حال میں ان کے ٹریلر میں لیٹ گیا۔ نواب صاحب مجھے آرام کی تاکید کر کے چلے گئے تھے۔ میں لیٹا ہوا کوثر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کوثر آ گئی۔ مجھے ٹریلر میں دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ پھر آگے بڑھی میں سونے کے سے انداز میں لیٹا ہوا تھا۔ وہ کھڑی مجھے گھورتی رہی، پھر اس نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا اور میں نے اس طرح آنکھیں کھول دیں جیسے ابھی جاگ اٹھا ہوں۔

"ارے۔ کوثر بی بی۔"

"کوثر کے بچے، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں، بس نیند آ گئی تھی۔"

"اپنی اوقات پر رہو۔ سمجھے۔"

"اوقات پر ہی ہوں کوثر بی بی۔"

"پھر یہاں کیوں مر رہے ہو۔"

"چلا جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"آئندہ ایسی حرکت کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور باہر نکل آیا۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ انسان کتنا خود غرض ہوتا ہے، اگر میں اس کی حماقت کو قبول کر لیتا تو وہ میرے لئے جان دینے پر آمادہ تھی کیسی ندامت کا اظہار

کیا تھا اس نے اپنی پہلی زیادتیوں پر۔ میری شخصیت کو کس قدر بلند قبول کر لیا تھا اور اب چند لمحات میں سب کچھ بھول گئی۔

بہرحال میں آوارہ پھرتا رہا۔ اور کافی رات گذر گئی۔ دراصل میں نواب صاحب پر اپنی گمشدگی کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا تھا اور پھر شطرنج ختم ہو گئی۔ نواب صاحب ٹریلر کی طرف جاتے نظر آئے۔ میں برق رفتاری سے ٹریلر کے عقب میں پہنچ گیا۔ نواب صاحب اندر داخل ہو گئے تھے، پھر ان کی آواز ابھری:

• کوثر ــــ!

• جی! کوثر نے جواب دیا، وہ جاگ رہی تھی۔

• سرفراز کہاں گیا؟

• جہنم میں! کوثر نے جواب دیا۔

• ایں! نواب صاحب چونک پڑے۔

• کیا اسے تنہا میرے پاس رہنا چاہئے تھا؟

• کیوں، کیا پہلے ایسا نہیں ہوا؟

• آپ کی آنکھیں تو بند ہو چکی ہیں ابو۔ آپ نے اسے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ بس!۔۔

• ہوں ــــ وہ گیا کہاں؟

• ذلیل کر کے نکال دیا میں نے یہاں سے!

• کوثر! نواب صاحب گرجے۔ کیا تمہارا دماغ بالکل خراب ہو گیا ہے!

• ہاں۔ بالکل خراب ہو گیا ہے!

• کاش۔ میں تجھے ساتھ لانے کی حماقت نہ کرتا!

• کاش میں آپ کے ساتھ نہ آتی! کوثر نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

• تم بے حد گستاخ ہو گئی ہو کوثر!

• آپ کی لاپرواہی نے کیا ہے ابو!

• کیا کہنا چاہتی ہو؟

• یہی کہ ہر انسان پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ نہ کر لیا کریں!

• کیا سرفراز نے کوئی نازیبا حرکت کی ہے؟ نواب صاحب کسی قدر نرم لہجے میں بولے۔

• بس میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتی!

• تمہیں کہنا ہوگا!

• مجھ سے کیا پوچھتے ہیں ابو۔ جا کر ان لڑکیوں سے پوچھ لیں جن سے وہ بیک وقت عشق کرتا رہا ہے، اور ــــ میں آپ سے کیا کہوں ابو آپ نے اپنے بال دھوپ میں سفید کئے ہیں!

• کوثر! نواب صاحب حیرت سے بولے

• جائیے دیکھ لیجئے، اب بھی وہ کسی سنسان گوشے میں کسی کے ساتھ ہوگا!

• ہرگز نہیں کوثر۔ ہرگز نہیں۔ اگر سرفراز ایسا ہے تو پھر۔ خدا کی قسم۔ پوری زندگی کسی انسان پر بھروسہ نہیں کروں گا۔ کوثر مجھے بتا تیرا یہ الزام کس حد تک درست ہے!

• آنے والا وقت بہت جلد آپ کو بتا دے گا، جب پروفیسر ڈاکٹر میکارڈ اور کرنل ڈکسن آپ کا گریبان پکڑے کھڑے ہوں گے!

• تمہیں یقین ہے کوثر؟

• آپ کہیں تو آپ کو بھی یقین دلا دوں، لیکن باپ بیٹی ایسے مناظر نہیں ہو سکتے!

اور اس کے بعد کافی دیر تک دونوں میں سے کسی کی آواز نہیں دی۔ پھر نواب فیروز الدین ہی کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔

• اس نے کبھی تجھ سے تو کوئی بدتمیزی نہیں کی کوثر؟

• رہنے دیجئے ابو۔ آپ کا دل دکھے گا!

• کوثر۔ تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ افسوس اسے کیا ہو گیا، خیال میں وہ ایسا نہیں تھا، میرا تجربہ دھوکا کیوں کھا گیا!

• ہم دھوکا کھانے سے پہلے سنبھل گئے ہیں ابو۔ اسے ساتھ رکھنا خطرناک ہے، نہ جانے کس ناپاک ارادے سے وہ یہاں آیا تھا!

• کہاں ٹریلر میں؟

• ہاں!

• اوہ۔ اسے میں ہی لایا تھا کوثر، وہ تو یہاں نہیں آ رہا تھا۔ بیمار و کمینت۔ میں نے اسے دعا دلوائی اور یہاں سلا گیا تھا!

• مرنے دیں ابو اسے۔ اور جلد از جلد اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں! کوثر نے کہا، اور اس کے بعد کافی دیر تک دونوں میں سے کسی کی آواز نہیں سنائی دی۔ میرے حلق میں ایک گولا سا اٹھ رہا تھا۔ میں نے خود کو سنبھالا اور میرا دل چاہا زوردار قہقہے لگاؤں ــــ تو نواب بھی گئے۔ ظاہر ہے بیٹی کی باتوں پر کیسے یقین نہ آتا۔

پھر میں ایک جیپ میں گھس کر سو گیا، بے فکری کی نیند۔ فکر بات کی ہے، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اور دوسری صبح میں جان بوجھ کر نواب صاحب کے سامنے آیا، لیکن ان کے رویے میں نمایاں تبدیلی۔ سفر شروع ہو گیا۔ لیکن بہرحال نواب صاحب نے کوئی فوری کارروائی نہیں کی تھی۔ بہرحال اس دن ان سے کوئی بات نہ ہوئی، اس شام جس جگہ قیام کیا گیا تھا وہ کافی سرسبز تھی۔ ایک چھوٹا سا جھرنا پہاڑ سے گر رہا تھا۔ جس نے ہریالی پیدا کر دی تھی۔ موسم بھی خوشگوار تھا۔ سیاہ فاموں پر آج مستی طاری تھی، انہوں نے پھر گانے بجانے کا انتظام کیا۔ میں بھی ان کے ساتھ بہت سرگرمی سے شریک تھا۔

نوجوان پی رہے تھے، بہت سے بوڑھے بھی ان میں شامل تھے لیکن نواب صاحب اداس تھے، انہوں نے کسی دلچسپی میں حصہ نہیں لیا۔ تب میں نے کوثر کو مکینا کے قریب دیکھا، وہ جھک کر اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ کوثر طوعاً کرہاً اٹھ گئی۔ تاریکی پھیل چکی تھی۔

میں نے محسوس کیا مکینا کسی قدر نشے میں تھا۔ اس نے کوثر کا بازو رکھا تھا لیکن کوثر نے مداخلت نہیں کی۔ میرا ماتھا ٹھنکا اور میں جیب کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ مکینا کوثر کو کافی دور جھرنے کے عقب میں لے گیا۔ ان کے ساتھی ڈھول بجا رہے تھے اور حلق پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے، بہت سے نوجوان اور لڑکیاں رقص کر رہے تھے۔

لیکن یہاں ان کی آوازیں کافی مدھم تھیں۔ مکینا نے گھاس کے ٹکڑے کو منتخب کیا، اور کوثر کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا۔ مجھے اس جگہ سے وحشت ہو رہی ہے مسٹر مکینا! کوثر کی آواز سنائی دی۔

• ابھی دور ہو جائے گی ڈارلنگ، دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں!

اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

• کیا ہے یہ؟ کوثر نے پوچھا۔

• شراب! مکینا نے جواب دیا اور کوثر نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ ارے بیٹھو ــــ بیٹھو میری جان۔ بیٹھو تو سہی!

• تم ــــ تم یہ میرے لئے لائے ہو! کوثر نے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

• ہاں تمہاری آنکھوں کا خمار دو آتشہ ہو جائے گا۔ یہ سیال زندگی ہے۔ اس کی تھوڑی سی مقدار تمہیں نہ جانے کہاں پہنچا دے گی۔ اس کائنات کی وسعتوں سے دور، اس خلا کے ایک ایک راز سے واقف ہو جاؤ گی تم۔ لو ــــ پی جاؤ ــــ پی جاؤ میری جان!

• کیا بدتمیزی ہے، ہٹاؤ اسے! کوثر نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

• ارے ارے اس کی توہین نہ کرو، بڑا گناہ ہے!

• مسٹر مکینا، آپ نے وعدہ کیا تھا کہ انسانیت کی حدود میں رہیں گے! لڑکی نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

• انسانیت کی کوئی حد نہیں ہے، لامحدود ہے۔ ارے خود انسان کی کیا حیثیت ہے، بیکار شے، فضول چیز۔ زندگی شراب ہے۔ شراب زندگی ہے۔ پیو میری جان اور سب کچھ بھول جاؤ!

• مسٹر مکینا، پلیز ہوش میں رہیں! کوثر کے انداز میں اب کسی حد تک خوف شامل ہو گیا تھا۔

• دیکھو میری جان، تم نے شراب کی توہین کی ہے، لیکن میں اپنے جذبات کی توہین برداشت نہ کر سکوں گا۔ کمزور انسان ہوں۔ چھوڑو شراب، اور دنیا سے بے نیاز ہو جائیں۔ کالے لوگ رقص کر رہے ہیں، سرور میں ہیں۔ اور ہم بھی کائنات کے ذرے ذرے کو فراموش کر کے گم ہو جائیں۔ آؤ!

• مجھے جانے دو مکینا۔ تم ــــ تم ہوش میں نہیں ہو ــــ!

• اونہہ ــــ فضول باتیں مت کرو۔ آؤ!

• چھوڑو ــــ چھوڑ دو مکینا۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا!

• غلط۔ آج اگر تمہیں چھوڑ دیا تب اچھا نہ ہوگا۔ یہ موسم کی توہین ہے، جذبات کی توہین ہے!

• میں لعنت بھیجتی ہوں تیرے جذبات پر۔ چھوڑ دے مجھے!

• مس کوثر، میں نے خود آپ کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی!

• مجھے تمہاری کمینگی کے بارے میں بھی نہیں معلوم تھا!

• اب معلوم ہو ہی گیا ہے تو پوری طرح واقفیت حاصل کر لو! مکینا کا لہجہ بدل گیا، اور کوثر گھٹے گھٹے انداز میں چیخ پڑی۔ میرے بدن میں چنگاریاں سلگ اٹھیں۔ کوثر بہرحال کچھ بھی ہے، اس کی لڑکی ہے جس نے میرے اوپر احسانات کئے ہیں اور پھر بذاتِ خود وہ بھی صرف نادان تھی، بُری نہ تھی۔

چنانچہ اسے میری مدد کی ضرورت تھی۔

میں نے دوسری طرف جھانکا تو مکینا کوثر کو نیچے گرا کر اسے دبوچے ہوئے تھا۔

• مکینا! میں نے سرد لہجے میں اسے پکارا اور مکینا اچھل پڑا۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور پھر کوثر پر سے ہٹ گیا۔

• اوہ۔ مسٹر سرفراز! مکینا نے کہا۔

• ہاں۔ میں ہی ہوں!

• پلیز مسٹر سرفراز۔ اس وقت ڈسٹرب مت کرو۔ جاؤ چلے جاؤ ــــ گیٹ آؤٹ! آخر میں اس کا لہجہ خراب ہو گیا۔ کوثر بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

• مسٹر مکینا، واپس جاؤ! میں نے آہستہ سے کہا۔

• تم گدھے کے بچے۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہارا دماغ درست کر دوں گا! مکینا نے گھونسہ تان لیا۔

• تم یہاں کیوں آئے ہو، تم بھی کسی ایسے ہی گوشے میں کسی کے ساتھ چلے جاؤ، کیا آج کوئی نہیں ملی؟ کوثر زہریلے لہجے میں بولی۔

• ہاں دیکھو ڈارلنگ۔ بلاوجہ ہمارے درمیان آ گیا!

• جاؤ۔ بھاگ جاؤ یہاں سے، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے! کوثر کے لہجے سے شدید ہیجان ٹپک رہا تھا، میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ پورے بدن میں پارہ بھر گیا تھا۔

• تم ابھی تک یہاں کھڑے ہوئے ہو! میں نے غراتے ہوئے کہا

• اوہ۔ تم کتیا کے بچے، یوں نہیں مانو گے! مکینا میرے اوپر حملہ آور ہو گیا۔ میں نے اس کے گھونسے کو خالی دے کر ایک زوردار مکہ اس کے بائیں گال پر رسید کر دیا۔ مکینا لڑکھڑایا اور پھر چت گر پڑا، تب میرے اوپر جنون طاری ہو گیا، میں نے اس کی کمر پر ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلا اٹھا۔ پھر میں نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا اور دو کے گھونسے پر اس نے دو قلابازیاں کھائیں اور پھر نیچے گر پڑا۔

کوثر خاموش کھڑی تھی۔ میری کیفیت سے اب وہ کسی قدر خوفزدہ ہو گئی تھی۔ مکینا بہت ہی کمزور نکلا، میرے تین چار گھونسوں پر حواس چھوڑ بیٹھا۔ ویسے وہ کافی زخمی ہو گیا تھا۔ اس کا گال پھٹ گیا تھا۔ ہونٹ کٹ گئے تھے جسم کے بہت سے حصوں پر چوٹیں لگی تھیں۔

میں نے آخری ٹھوکر اسے رسید کی، اور پھر کوثر کی طرف مڑا۔

• آؤ ــــ! میری آواز میں غراہٹ تھی۔

• میں نہیں جاؤں گی! کوثر اچانک بپھر گئی۔

• یہاں کیا کر دگی؟

• اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کروں گی۔

• نہیں کوثر، جذبات کے ہاتھوں اس حد تک پہنچ جانا۔ اچھی بات نہیں ہے۔

" یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔" کوثر پھنکاری۔

• نہیں کوثر، یہ میرے مالک کی عزت کا معاملہ ہے۔

• تم بے غیرت ہو۔ اسی عزت کی بات کر رہے ہو جسے تم لوٹنے پر تلے ہوئے تھے۔ میری مرضی۔ میں جسے پسند کروں گی۔ یہ ہوش میں آئے گا تو میں خود کو اس کے حوالے کر دوں گی۔"

اور اچانک میرا ہاتھ گھوم گیا۔ وہ زور دار تھپڑ مارا تھا کہ بی کوثر کے گال پر کہ زندگی بھر یاد رکھا ہوگا۔ کوثر ایک طرف جا پڑی تھی۔ میں جھکا اور میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

• فیروز الدین کی عزت ایسے نہیں برباد ہوگی، سمجھیں۔" میری غراہٹ بہت خوفناک تھی۔ کسی معصوم بچی کی طرح سہم کر وہ رونے لگی۔

• چلو۔ میں نے اسے دھکا دیا اور وہ خاموشی سے چل پڑی۔

" اس طرف سے گھوم کر اپنے ٹریلر میں پہنچ جاؤ۔" میں نے کہا۔

• تم — تم مجھے نہیں روک سکتے سمجھے۔ اب میری بھی یہی ضد ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

• یہ بات ہے کوثر تو میں مکینا کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔

• میں — میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

• جاؤ۔" میں غرایا اور وہ ٹریلر کی طرف دوڑ گئی۔

• میرا ذہنی ہیجان عروج پر تھا، میں کوثر کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ خراب نہیں تھی۔ لیکن بے حد ضدی تھی اور اس ضد میں وہ سب کچھ کر سکتی چنانچہ مجھے اب کوئی حل سوچنا ہی تھا۔ میری طرف سے جہنم میں جائیں سب لوگ۔ ان لوگوں نے مجھے محدود کر دیا تھا۔ میں ان کے درمیان الجھ کر رہ گیا تھا۔ اب مجھے ان کے درمیان سے نکل جانا چاہیئے تھا۔ نواب صاحب کی شرافت نے مجھے آج تک روکے رکھا تھا اور بہرحال یہاں تک آنے کے لئے میں ان کا احسان مند بھی تھا، اس کے علاوہ اور کیا تھا۔

آوارہ بھٹک رہا تھا، سوچیں عروج پر تھیں کہ ڈینیلا مل گئی۔

• اوہ۔ سرفراز۔ ڈیئر کہاں تھے، اتنی دیر سے تلاش کر رہی ہوں۔"

• ڈینیلا۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

• بہت فکر مند ہو۔"

• ہاں ڈینیلا۔"

• مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

• آؤ — تم ایک ہمدرد لڑکی ہو۔ میں تمہارا احسان مند ہوں۔" اور میں ڈینیلا کو لے کر ایک سنسان حصے میں پہنچ گیا۔ ہم دونوں پتھروں پر بیٹھ گئے تھے۔

• بتاؤ ڈیئر۔ آج تم کچھ پریشان ہو۔"

• بات ہی ایسی ہے ڈینیلا۔" اور پھر میں نے ڈینیلا کو شروع سے لیکر آخر تک کی کہانی بتا دی۔ ڈینیلا بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

• معاملہ واقعی سیریس ہے ڈارلنگ۔" وہ پرخیال انداز میں بولی۔

• مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے، بس کوثر رسوا ہو جائے گی۔

• ہوں۔" ڈینیلا نے پرخیال انداز میں بولی۔" اور مکینا بہرحال اپنے زخمی ہونے کی وجہ بتلائے گا۔"

• ہاں۔"

• تب پھر ہم ایک کام کرتے ہیں ڈارلنگ۔"

• کیا۔؟"

• میرے ساتھ تعاون کرو گے؟"

• کیا پروگرام ہے ڈینیلا؟"

• وعدہ کرو۔ منع تو نہیں کرو گے؟"

• نہیں۔ مجھے تمہارے اوپر اعتماد ہے۔" میں نے کہا اور ڈینیلا کھڑی ہو گئی۔ اس نے اچانک اپنے بال بکھرا لئے۔ کپڑے پھاڑ لئے اور میں حیران رہ گیا۔ ڈینیلا نے اپنے ہی ناخنوں سے اپنے بدن پر کچھ خراشیں لگا لیں اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

• اب ہم میکارڈ کے پاس چلیں گے، میں اسے بتاؤں گی کہ مکینا نے شراب کے نشے میں ڈوب کر میرے اوپر دست درازی کی، وہ میری عزت لوٹنا چاہتا تھا اگر مسٹر سرفراز عین وقت پر مجھے نہ بچا لیتے تو نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتا۔"

اور میں دنگ رہ گیا، یہ سفید لڑکی تو بے حد ایثار پسند تھی۔

• میرے اوپر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ کوثر کی عزت محفوظ رہے گی۔" ڈینیلا نے کہا۔

• ڈینیلا، تم — تم —" میں شدتِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

• ارے یار، دوست کہا ہے تو دوستی نبھانی ہی ہے، آؤ۔" اس نے بے تکلفی سے کہا اور میرا بازو پکڑ کر چل پڑی۔

ڈینیلا کی ترکیب بہت اچھی تھی لیکن یہ لڑکی اتنی عظیم ہوگی، میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ اس نے میرے ساتھ جو تعاون کیا تھا، میں اس کا بے حد شکر گزار تھا۔

اور پھر میکارڈ، کرنل ڈکسن اور پروفیسر ہیگلے کے سامنے ڈینیلا کا ڈرامہ زبردست تھا، اس نے رو رو کر اپنی مظلومیت کی کہانی سنائی اور سب غصے میں آ گئے۔

• کہاں ہے مکینا؟" ہیگلے نے پوچھا۔

• بے ہوش پڑا ہے منحوس، مسٹر سرفراز نے اس کے دماغ ٹھکانے لگا دیئے۔" اور پھر سب کے سب غصے میں بھرے ہوئے میرے اور ڈینیلا کے ساتھ اس مقام کی طرف چل پڑے جہاں مکینا بے ہوش پڑا تھا۔ مکینا کی

حالت دیکھ کر ان کا غصہ تشویش میں بدل گیا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ بہرحال سب نے مل کر اسے اٹھا اور کیمپ میں لے آئے۔ ڈریسنگ وغیرہ کر دی گئی۔ بات چھپ نہ سکی اور مکینا کے ساتھی بھی آ گئے۔ یہ بھی چند سر پھرے نوجوان تھے۔

• یہ ہمارا آپس کا معاملہ تھا، مسٹر سرفراز کو اس میں مداخلت کی کیا ضرورت تھی۔" ایک نوجوان نے کہا۔

• کسی کی عزت پر بنی تھی اور یہ آپس کا معاملہ ہے، کیوں؟" ڈاکٹر میکارڈ نے کہا۔

• مکینا کے لئے سزا ضروری تھی۔"

• لیکن سزا دینے والا سرفراز کون ہے۔" کراؤڈ نے کہا۔

• اسی نے ڈینیلا کی عزت بچائی تھی۔"

• روک دینا کافی تھا، اسے زخمی کیوں کیا گیا۔"

• میں نے اس پر احسان کیا ہے، ورنہ اسے قتل کر دینا بھی ضروری تھا۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

• کان کھول کر سن لو سب لوگ، اگر مکینا کو کچھ ہو گیا تو اچھا نہ ہوگا۔"

• اور کان کھول کر سن لو تم سب بھی، اگر کیمپ میں آئندہ ایسی کوئی حرکت ہوئی تو حرکت کرنے والے کی سزا موت ہوگی۔" میں نے کہا۔

• دیکھ لیں گے ہم بھی۔ انہوں نے کہا اور پھر وہ بے ہوش مکینا کو اپنے ساتھ لے گئے۔ صورت حال درست نہیں تھی۔ تمام ذمہ دار افراد سر جوڑ کر بیٹھ گئے، ان میں نواب صاحب بھی شامل تھے۔ انہیں خاص طور سے بلایا گیا تھا۔

• لیکن تم وہاں کیا کرتے گئے تھے۔" نواب صاحب نے پہلی بار خشک لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ میں نے چونک کر نواب صاحب کی شکل دیکھی۔

• کیا مجھ سے غلطی ہوئی نواب صاحب؟"

• مجھے اس بات کا جواب دو۔ تم ڈینیلا کے تعاقب میں وہاں کیوں گئے تھے؟"

• میں کسی کے تعاقب میں نہیں گیا نواب صاحب، اتفاق سے ادھر جا نکلا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

• مجھے اس بات سے اختلاف ہے میکارڈ۔"

• کیا مطلب؟" میکارڈ حیرت سے بولا۔

• یہ رقابت کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔"

• لیکن لڑکی نے یہی بتایا ہے فیروز الدین۔" میکارڈ بولا۔

• تب بھی سزا دینے کا حق سرفراز کو نہ تھا۔"

• میں نے اسے سزا نہیں دی، صرف اسے بچایا ہے نواب صاحب۔"

• میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" نواب صاحب سرد لہجے میں بولے اور میں خاموش ہو گیا۔ بہرحال پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ اب میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو چھوڑ دوں۔ یہاں کی فضا بھی خراب ہو گئی ہے اور بہرحال مجھے ان سے علیحدہ ہونا ہی تھا۔

دوسری صبح بھی ماحول کشیدہ تھا، کوثر اپنے ٹریلر سے نکلی ہی نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں اس لئے میں نے پستول کے چیمبر بھر کر اپنے لباس میں چھپا لیا تھا۔

سفر کی آج تیاریاں نہیں ہوئیں۔ مکینا کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ہوش آ گیا تھا لیکن ابھی اس نے کسی سے بات نہیں کی تھی۔ دس بجے سب لوگ جمع ہو گئے۔ مکینا کو ایک کینوس اسٹریچر پر ڈال کر باہر لے آیا گیا۔ اس کے ساتھی جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

• سرفراز کو باہر لاؤ۔ سرفراز کو باہر لاؤ۔"

سارے لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے، ان میں لڑکیاں نہیں تھیں باقی تمام مرد موجود تھے۔

• میں کہیں نہیں گیا، یہاں موجود ہوں۔" میں نے غراتے ہوئے کہا، ٹولو اور اس کے ساتھی گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ وہ حسب معمول اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

• تمہاری طبیعت کیسی ہے مکینا۔" ڈاکٹر میکارڈ نے پوچھا۔

• ٹھیک ہوں۔" مکینا خونی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ سہارا لیکر اٹھ گیا تھا۔

• تم نے اتنی شراب کیوں پی کہ ہوش میں نہ رہو۔"

• میں ہوش میں تھا۔"

• اس کا مطلب ہے تم نے جان بوجھ کر ڈینیلا پر دست درازی کی۔" میکارڈ نے کہا۔

• ڈینیلا۔" مکینا حیرت سے بولا۔

• ہاں۔ اس نے الزام لگایا ہے کہ تم نے رات کو اس پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی۔"

• اوہ۔ لیکن وہ ڈینیلا نہیں تھی۔"

• کیا مطلب؟"

• ہوں۔ تو یہ ڈرامہ کھیلا گیا ہے۔" مکینا نے نفرت زدہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اور میرا ہاتھ جیب کی جانب رینگ گیا۔" یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اپنی محبوبہ سے اس کی آغوش طلب کی تھی لیکن وہ ڈینیلا نہیں بلکہ —" اور میرے پستول سے فائر ہوا، گولی مکینا کے حلق میں داخل ہو کر گدی سے نکل گئی۔ تمام لوگ لرز گئے تھے، دوسرا اور پھر تیسرا فائر ہوا۔ جس میں سے ایک گولی مکینا کے سر میں لگی تھی اور دوسری دل کے مقام پر۔ مکینا کا تڑپتا ہوا جسم اسٹریچر سے نیچے آ گرا۔

• پکڑو — مارو — خونی ہے — قاتل — قتل ہو گیا۔" سہمے ہوئے لوگ چیخے۔

• خبردار۔ کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو اسے گولی مار دوں گا۔"

میں پیچھے ہٹ گیا۔

• اوہ — پستول پھینک دو سؤر کے بچے۔ ذلیل کمینے؛ نواب صاحب میرے اوپر دوڑ پڑے، لیکن میں کچھ اور پیچھے ہٹ گیا۔

• میں اس وقت کسی کے ساتھ رعایت نہیں کر سکوں گا نواب صاحب؛ میں نے خوفناک انداز میں کہا۔

• تو مار دے مجھے گولی۔ مار دے۔ میں ہی تجھے لایا تھا؛

اور اچانک یکینا کے ساتھی میرے اوپر جھپٹے۔ میں نے پستول سے ایک اور فائر کر دیا اور گولی یکینا کے ایک ساتھی کی ٹانگ میں لگی۔

• بس کھیل ختم کر دو؛ اچانک ٹوبو کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔ اور سب چونک پڑے، ٹوبو اور اس کے ساتھی رائفلیں تانے ہوئے کھڑے تھے اور پھر ان میں سے ایک نے کراؤڈ کے شانے پر رائفل کا دستہ مار کر اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔

• اگر کسی نے ماسٹر کو نقصان پہنچانے کی تو اسے بھون کر رکھ دیا جائے گا؛ ٹوبو بولا۔

• ٹوبو؛ کرنل ڈکسن غرایا۔

• ہم صرف کرائے کے آدمی ہیں کرنل، کسی کے غلام نہیں۔ ہم ماسٹر کے ساتھ ہیں؛

• پیچھے ہٹ جاؤ سب لوگ، ورنہ سب کی لاشیں یہاں پڑی ہوں گی؛ ٹوبو کا انداز ایسا ہی تھا کہ جو کہہ رہا ہے، کر دکھائے گا۔ ٹوبو کی اس بھرپور مداخلت پر میں بھی دنگ رہ گیا تھا۔

• لیکن ٹوبو، اس نے ...؛ کرنل ڈکسن نے کہنا چاہا۔

• پہلے تم سب سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔ اس کے بعد بات کریں گا؛ ٹوبو نے کہا، اور سیاہ پہاڑ سے سب خوفزدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ نواب صاحب بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ جا کھڑے ہوئے۔

• ہاں اب کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟

• اس نے یکینا کو قتل کر دیا ہے؛ میکارڈ بولا۔

• یہی مناسب ہو گا؛ ٹوبو لاپرواہی سے بولا۔

• لیکن ...

• سنو۔ تم سب سے زیادہ ماسٹر کو میں جانتا ہوں۔ تم سب اندھے ہو۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ ضروری ہو گا۔ تم سب گدھے ہو — ماسٹر! یہ جگہ اب ہمارے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ ہم ابھی ان سب کو چھوڑ دیں تو بہتر ہے؛

• ٹھیک ہے ٹوبو! اپنے دو ساتھیوں سے کہو جیپ تیار کر لیں، اپنے حصے کی ساری چیزیں اس میں بھر لیں۔ ہم چلیں گے؛

• اوکے چیف؛ ٹوبو نے کہا۔

پھر اس کے دو ساتھی اور وہ خود سب کو کور کئے کھڑے رہے اور باقی دو ساتھی جیپ تیار کرنے لگے۔

• تیرے بارے میں میں نے شدید دھوکہ کھایا ہے۔ کاش میں تجھے پہچان سکتا؛

• ہاں نواب صاحب۔ کاش آپ مجھے پہچان سکتے؛

• میں تم سب سے شرمندہ ہوں دوستو، تم اس کا بدلہ مجھ سے لے سکتے ہو؛ نواب صاحب دوسروں سے بولے، کسی نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ ٹوبو کے ساتھیوں نے جیپ تیار کر لی۔ ضرورت کا ہر سامان لے لیا گیا تھا اور پھر وہ جیپ ہمارے پاس لے آئے۔ اور ہم رائفلوں سے انہیں کور کئے جیپ میں آ بیٹھے۔

• خدا حافظ نواب صاحب۔ زندگی کے کسی دور میں حقیقت معلوم ہو جائے تو خلوص دل سے مجھے معاف کر دینا؛ میں نے کہا اور ٹوبو کے ساتھی نے جیپ آگے بڑھا دی۔

رائفلوں کی پہنچ سے نکلتے ہی یکینا کے دوسرے ساتھی دوسری جیپ کی طرف دوڑے، ہم کافی آگے نکل چکے تھے لیکن بہرحال جیپ اسٹارٹ کر کے وہ ہمارے پیچھے چل پڑے۔

لیکن ٹوبو اور اس کے ساتھی مسکرا رہے تھے اور پھر انہوں نے رائفلوں سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور تعاقب کرنے والے جوشیلے ٹھنڈے پڑ گئے۔ پچھلی جیپ رک گئی۔

میں اب بھی ساکت تھا، میرا دل رو رہا تھا۔ جو کچھ ہوا ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ میں نواب صاحب کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن بہرحال اب گنجائش نہیں رہی تھی۔

اور یوں اچانک میری زندگی کا تیسرا سفر شروع ہو گیا تھا۔ کس کس کو چھوڑنے کا غم کرتا، اپنے ہی چھوٹ گئے تھے۔ سارا گھر بار، بھائی بہن سب کچھ چھوٹ گیا تھا، پھر نواب صاحب کا گھرانہ اور دوسرے۔ اور نہ — زندگی یہی ہے۔ ہر احساس، ہر غم کو فنا کر دینا ضروری ہے ورنہ وہ زندگی کو چاٹ جاتے ہیں۔

ٹوبو کا ساتھی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

پھر کافی دور نکل آنے کے بعد ٹوبو نے پوچھا۔

• ہوا کیا تھا ماسٹر؟

• تم نے کوئی اندازہ نہیں لگایا؟

• نہیں، سب کچھ اچانک ہوا تھا؛

• پھر تم نے صورت حال کا اندازہ کیسے کیا؟

• جب تم نے فائر کئے، ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ کوئی گڑبڑ ہے اور چونکہ ایک طرف تم تھے اس لئے ہم رائفلیں نکال لائے۔"

• تو تمہیں کچھ نہیں معلوم ٹوبو"

• بالکل نہیں ماسٹر؛

• پھر تم نے میرا ساتھ کیوں دیا؟

• کیونکہ تم ہم میں سے تھے؛

• اوہ۔ ٹوبو۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں؛

• تم جو بھی ہو۔ بس سیاہ نسل سے نہیں ہو۔ کاش تمہاری جلد بھی سیاہ ہوتی۔ نہ جانے تمہاری سفید چمڑی کے نیچے ہمارے جیسا سیاہ دل کہاں سے آ گیا؛

• میرے دل کے بارے میں تم کیا جانو ٹوبو؛

• اندر کی آواز دل کو دبا جت قتل ہے ماسٹر، اور اندر کی آواز سچی ہوتی ہے۔ ہمارے دلوں نے تمہیں اپنا مان لیا ہے۔ بس اس کے بعد اور کیا گنجائش ہے۔ ہم جانتے ہیں جو کچھ ہوا ہے ٹھیک ہوا ہے؛

• اس بدبخت نے ایک لڑکی کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی؛

• اور تم نے اسے مار دیا؛

• ہاں؛

• کیا برا کیا تھا۔ لیکن دوسرے لوگ اسی کی طرف داری کر رہے تھے؛

• ہاں؛

• تب تو غلطی ہوئی ماسٹر، ان میں سے دو چار کو اور مارنا چاہئے تھا؛ ٹوبو نے دانت پیستے ہوئے کہا؛ یہ سفید چمڑی والے تو ہوتے ہی بے غیرت ہیں۔ مگر ماسٹر تمہارے ساتھی کو کیا ہو گیا؟

• وہ حقیقت سے لاعلم تھے؛

• اوہ۔ یہ بات ہے۔ تبھی تو میں نے کہا۔ بہرحال چھوڑو ماسٹر۔ پرواہ کی بات نہیں ہے۔ ہم ان سے علیحدہ رہ کر کام کریں گے؛

• دوسروں کی تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میرا ساتھی نیک ہے؛

• تم کہو تو اسے رات کو اغوا کر لیں گے؛

• نہیں اس کی کیا ضرورت ہے، جو کھو گیا، اسے بھول جاؤ؛

• گڈ۔ اور یہی ہمارا فلسفہ ہے ماسٹر؛

• ٹھیک ہے ٹوبو، اب بتاؤ آئندہ کیا کیا جائے؟

• ہم نی تیکا چلیں گے ماسٹر۔ جہنم میں جانے دو ان سب کو، ہم ہیرے حاصل کریں گے اور پھر واپس چلیں گے؛

• اوکے ٹوبو؛ میں نے بھی خوش دلی سے کہا۔ اور پھر ہمارا سفر جاری رہا۔ یہ سیاہ چہرے والے واقعی عظیم تھے،

یوں ہمیں پہلی رات ایک مخصوص حصے میں گذارنی پڑی۔ ٹوبو نے سارے انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا، اور پھر رات کو ہم جیپ میں ہی لیٹ گئے،

• ہم کل پہاڑی دیوار پار کریں گے ماسٹر۔ اس کے بعد ندی کے کنارے کنارے نی تیکا کا سفر کریں گے؛

• ٹھیک ہے ٹوبو، اور ہاں کیا تم نے پیٹرول بھی رکھا ہے؛

• فکر مت کرو ماسٹر۔ تمہارے ٹوبو نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں اور پھر ہم ایسے کمزور تو نہیں کہ کسی جگہ مار کھا جائیں؛

• تم عظیم ہو میری جان؛ میں نے کہا۔

• نہیں ماسٹر عظیم تم ہو، جس نے ہمارے دلوں پر قبضہ کر لیا ہے؛ ٹوبو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر ہم سونے لیٹ گئے۔ ٹوبو اور اس کے ساتھی جلدی ہی سو گئے۔ لیکن مجھے کافی رات گئے تک نیند نہیں آئی۔

دوسری صبح کافی خوشگوار تھی۔

• ابتدائی دو گھنٹے ہتھیاروں کی مشق میں صرف ہوں گے ماسٹر۔ اس کے بعد ہم سفر کریں گے؛

• اوکے؛ میں نے کہا

پھر ہم نے ہلکا سا ناشتہ کیا اور اس کے بعد ٹوبو کلہاڑیاں لیکر میدان میں آ گیا۔ اس نے بڑی مہارت سے مجھے کلہاڑی چلانا سکھائی۔ اور دو گھنٹے تک ہم نے خوب مشق کی۔

• خوشی کی بات یہ ہے ماسٹر کہ جو کچھ تمہیں بتایا جاتا ہے تمہارے ہاتھوں پر نقش ہو جاتا ہے؛

• شکریہ ٹوبو؛ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد ہم نے بقیہ ناشتہ کیا اور پھر روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم اب آزاد تھے اسی لئے جیپ کی رفتار بھی کافی تیز رہی اور پھر شام ہوتے ہوتے ہم نے پہاڑی کا آخری سرا چھوڑ دیا۔ پہاڑ سے ہم دوسری طرف گھوم گئے تھے۔

ٹوبو نے ایک راستے کا انتخاب کیا اور ہم اس پر چل پڑے، کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ ہم سفر کرتے رہے اور پھر شام کے جھٹپٹے میں ہمیں ایک کرال نظر آیا۔

• وہ شاید فرزان عامری کا کرال ہے؛ میں نے کہا

• یہ کون ہے ماسٹر؟

• ان کا دوست، اور شاید ان لوگوں کا رہبر بھی"

" اوہ۔ تو کیا خیال ہے ماسٹر؟

• کیا مطلب؟

• ان کا یہ راستہ بند کر دیا جائے"؟

• اس کی کیا ضرورت ہے ٹوبو؟

• تم نہیں پسند کرتے، ٹھیک ہے؛ ٹوبو نے کہا۔

• تم بڑے انسان ہو ٹوبو، بے حد تعاون پسند۔ تم نے اس بارے میں تفصیل بھی نہیں پوچھی؛

• یہ بات نہیں ہے ماسٹر۔ بات دراصل بھروسے اور اعتماد کی ہے۔ تم بہادر ہو اور بہادر ہمیشہ قابل اعتماد ہے۔ ہم آنکھیں بند کر کے تمہاری بات مانتے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ ٹھیک ہی ہو گی؛

• مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے؛

• اور ہمیں تمہاری دوستی پر، بتاؤ وہ کون تھا، جب درخت جڑ سے اکھڑ رہے تھے تو اس نے ہمارے ٹریلر تک کا سفر کیا۔ تھی کسی کی اتنی ہمت"؟

• خیر یہ تمہاری محبت ہے۔ بہرحال مجھے ان لوگوں سے ایسا شدید اختلاف نہیں ہے، اگر وہ بھی نی تیکا پہنچ کر کچھ حاصل کر لیتے ہیں تو میرے اوپر کیا اثر پڑے گا؛

• بالکل ٹھیک ماسٹر، اور پھر افریقہ تو بہت وسیع ہے۔ جانے یہاں سے کتنے، کیا کچھ لے جا چکے ہیں۔ اور نہ جانے کتنے لے جاتے رہیں۔

گے یہاں کے پہاڑ تو سینوں میں خزانے ہی خزانے چھپائے ہیں۔

• میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ فرزان عامری سے ملا جائے یا نہیں؟

• جو بہتر سمجھو ماسٹر۔

• ہمارا اس سے ملنا بے سود ہے۔ بس نی تیکا کی طرف چل پڑو۔

• او کے لارڈ۔ ٹوبو نے کہا اور پھر اس نے جیپ دریائے نی تیکا کے کنارے لا کھڑی کی۔ کیا خیال ہے چیف۔ رات کی قیام گاہ ٹھیک رہے گی۔

• بالکل۔ میں نے کہا اور ہم نے دریا کے کنارے قیام کر دیا۔

رات ہو چکی تھی، میرا سینہ تو خیالات کا مخزن تھا۔ ساری مصروفیات سے فارغ ہو کر میں دریا کے کنارے آ بیٹھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں فرزان عامری کی کہانی شروع ہوئی تھی۔ وہ کہانی جو مجھ سے ملتی جلتی تھی لیکن اس کا انجام تو بہت بھیانک ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن کو احساس تھا کہ میری کہانی بھی کہیں فرزان عامری سے نہ جا ملے۔

لیکن یہ تبدیلی، میری کہانی تو یہاں سے بدل گئی تب میری نگاہ دریا کی تہہ میں کسی متحرک روشن چیز پر پڑی۔ اس سے گہری نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی اور شئے بہاؤ کے ساتھ رینگ رہی تھی۔

یہ کیا ہے؟ میں نے سوچا اور اسی وقت ٹوبو میرے پاس آ گیا۔

• کیا ہو رہا ہے ماسٹر؟ اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔

• یہ کیا ہے ٹوبو، دیکھو۔

• اوہ۔ ہیرا ہے ماسٹر۔ فیروزہ۔ تم اس کی چمک پر خود غور کر لو۔ وہ دیکھو۔ وہ شاید یاقوت ہے۔ اس نے ایک چنگاری کی طرف اشارہ کیا اور میں سکتے میں رہ گیا۔

• یہ ہیرے ہیں ٹوبو؟

• ہاں ماسٹر۔ رات کی تاریکی میں دریا میں سفر کرنے والے روشنی کی لکیر کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ وہ دیکھو۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ الماس ہے۔

• تو آؤ۔ انہیں پکڑیں۔ میں نے کہا۔

• نہیں ماسٹر، ان ننھی کرنوں سے کہاں بوجھل ہوتے پھرو گے، صبر کرو۔ آگے بہت کچھ ملے گا۔ اور میں ٹوبو کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر مجھے اپنی بے صبری پر ہنسی آ گئی۔

• سوری ٹوبو۔ لیکن بہرحال ہیرے ایسی ہی کشش رکھتے ہیں۔

• ہاں ماسٹر، ان چمکدار پتھروں کے بارے میں پہلے واقف نہیں تھا لیکن تمہاری دنیا میں جانے کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ کس قدر پر سحر ہوتے ہیں۔

ٹوبو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

• آؤ ٹوبو۔ دریا کے کنارے دور تک سفر کریں۔ پتھروں کا یہ سفر بڑا دلکش ہے۔

• آؤ ماسٹر۔ افریقہ ایسے حسین مناظر سے بھرا پڑا ہے۔ یہاں خوفناک طوفان بھی ہیں، وہ آدم خور درخت بھی ہیں جن کی شاخیں انسانی خون کی تلاش میں رہتی ہیں اور سونے کے پہاڑ بھی۔ ٹوبو نے کہا اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔

روشنیوں کا سفر جاری تھا۔ لڑھکتے ہوئے پتھر چمکتے ہوئے دور تک نظر آتے اور پھر گم ہو جاتے۔

• ماسٹر۔ ٹوبو نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

• ہوں۔

• تم ان پتھروں کی چمک سے بہت متاثر ہو نا؟

• ہاں ٹوبو۔

• تمہاری دنیا میں ان کی حیثیت سے انکار نہیں کرتا لیکن مجھے بتاؤ یہ کس کام آتے ہیں۔ جسموں کی زینت بنانے کے علاوہ بھی کوئی کام ان سے لیا جا سکتا ہے، انہیں تو ہتھیار کے طور پر بھی نہیں استعمال کر سکتے۔ تمہاری دنیا کے لوگ ان پتھروں کی محبت میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں، اپنے جیسوں کو جو ان سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، تم مصیبت پڑنے پر میری مدد کر سکتے ہو، مگر یہ پتھر۔۔۔ یہ تو کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

• ٹھیک ہے ٹوبو۔ لیکن بہرحال انہیں لوگ پوجتے ہیں۔

• پتھروں کے پجاری۔ خود صنم تراشتے ہیں اور خود ان کی پوجا کرتے ہیں۔ یہی ہے مہذب دنیا۔ اس سے تو ہم وحشی جنگلی لوگ اچھے ہیں جو کم از کم ان کے لئے جنگ نہیں کرتے۔ ان پتھروں کو تم نے یہ اہمیت دی ہے۔ تم نے انہیں ہیرا کہا۔ کیا ان کی حیثیت سڑک پر پڑی ہوئی مٹی سے زیادہ ہے؟

• انسان نے اپنی ضرورتوں کو نام دیئے ہیں ٹوبو۔ بہرحال یہ ہمارے لئے حیثیت رکھتے ہیں۔

• میں ان کے حصول میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا ماسٹر، تم ان پرواہ مت کرو۔

• مجھے اپنی آن کے لئے ان کی ضرورت ہے ٹوبو۔

• تمہاری آن ہمارا ایمان ہے ماسٹر۔ آؤ واپس چلیں۔ کل ہمیں دریا کے کنارے کنارے سفر کرنا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ ہم سیدھے نی تیکا ہی چلیں گے۔

• کیا مطلب؟

• ہمیں صرف ہیروں کی تلاش ہے۔ ایسے ہیرے جن کی مثال مشکل سے ملے، ہمیں ہیرے مل جائیں گے تو ہم واپسی کا سفر شروع کر دیں گے۔ ٹوبو نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ میں اس کے خیال سے متفق تھا۔

◇

اور یہ ٹھیک بھی تھا، نی تیکا سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی، میں تو صرف ہیرے حاصل کرنا چاہتا تھا، ہیرے جہاں بھی ملیں۔ نی تیکا جانا ہی کیا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے ٹوبو سے پورا پورا اتفاق کیا، اور ہم واپس جیپ کے قریب آ گئے، جو ہمارا کیمپ بھی تھا، ٹوبو میرے قریب ہی آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے چاند کو تک رہا تھا اور اس طرح خاموشی سے وقت گذرنے لگا، نیند مجھے بھی نہیں آ رہی تھی، اور جب چاندنی ہو، خاموشی ہو تو ذہن ماضی تلاش کرنے لگتا ہے۔

کیسی انوکھی زندگی تھی میری بھی۔ میں نے زندگی میں تجربات کو خود پر مسلط نہیں کیا تھا، مجھے دنیا کو گہری نگاہوں سے دیکھنے میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ لیکن حالات خود بخود مجھے امتحانات کی دنیا میں گھسیٹ لائے تھے، اور عجیب تھی یہ دنیا بھی۔ کیسی انوکھی تھی یہ دنیا۔ وہ ہوتا تھا جو ذہن کے کسی گوشے میں نہ ہوتا۔ وہ سامنے آتا، جس کا تصور بھی نہ ہوتا۔

کتنے کنارے تھے میری زندگی کے۔ گھر کا ماحول۔ بھائی، زلیخا، جو بیکاری خواہ مخواہ ہدف بن گئی تھی، اور پھر میرا دوست، اس کی بیوی جنہوں نے میری مدد کی تھی، پھر فرشتہ صفت رشید الدین احمد، افشاں اور کہکشاں۔ کوثر اور نواب فیروز الدین اور ایسے ہی بہت سے کنارے۔

اور اب نہ جانے قدم کون کونسی منزلوں کی طرف اٹھ رہے ہیں۔ ذہن خیالات کی چکی میں پسا جا رہا تھا۔ خیالات تھے کہ امنڈے ہی آ رہے تھے، تبھی ٹوبو کی آواز سنائی دی۔

• ماسٹر۔۔!

اور میں چونک پڑا، ٹوبو کی مداخلت اس وقت خوشگوار تھی، کیونکہ پریشان کرنے والے خیالات میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا، اور ٹوبو مسکرا دیا۔

• کیا ہے ٹوبو؟ میں نے کہا

• نیند نہیں آ رہی ماسٹر؟ ٹوبو نے پُر محبت انداز میں کہا۔

• ہاں ٹوبو۔ میں نے گہری سانس لی۔

• ہم کیسے بے بس ہیں ماسٹر، ہماری آنکھیں ہماری مرضی سے بند نہیں ہوتیں، ہم خود کو سکون دینے میں کس قدر ناکام ہیں، دماغ پر اپنا بس کیوں نہیں ہوتا ماسٹر۔

اور ٹوبو کے اس سوال پر میں مسکرا دیا۔

• تمہیں بھی نیند نہیں آ رہی ٹوبو؟

• نہیں آ رہی ماسٹر۔

• کیوں؟

• بس نہ جانے دماغ میں کون کونسے خیالات آ رہے ہیں۔

• مثلاً ٹوبو؟

• بس یونہی ماسٹر، میری زندگی بھی بہت عجیب رہی ہے۔

• ہاں ٹوبو، زندگی میں بے شمار واقعات خود بخود گھس آتے ہیں۔ ہم نے کبھی ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوتا لیکن وہ ہم پر نہ جانے کہاں سے آ کر مسلط ہو جاتے ہیں۔

• تمہارا خیال درست ہے ماسٹر، بہرحال چھوڑو ان باتوں کو، میرے خیال میں تو زندگی صرف دن رات گذارنے کا نام نہیں ہے، اگر دن رات سادگی سے گذر جائیں تو زندگی دوبھر ہو جائے۔ یہ چھوٹے چھوٹے حادثے ہی زندگی کی دلچسپی برقرار رکھنے میں معاون ہوتے ہیں، ہماری سوچ ہی تو ہمیں زندہ رکھتی ہے۔

• ہاں ٹوبو۔ یہی سوچیں تنہائیوں کی ساتھی ہوتی ہیں، اگر تنہائیوں میں یہ بھی نہ ہوں تو زندگی گذارنا بھی مشکل ہو جائے۔

• لیکن میرا نظریہ کچھ اور ہے ماسٹر۔

• وہ کیا ٹوبو؟

• ماضی کی وہ یادیں جو ہمارا سکون لوٹتی ہیں، ہماری دشمن ہوتی ہیں، کیوں نہ ہم بھی انہیں دشمن تصور کر کے ان سے دشمنی کا سلوک کریں، ذہن کے کسی گوشے میں قدم رکھیں تو ہم انہیں دور جھٹک دیں، جو کھو گیا ہے ماسٹر اسے اپنی زندگی سے خارج کر دیں اور نئی چیزوں کے حصول کے لئے سرگرداں ہو جائیں۔ ہاں وہ جسے پانے کی آرزو دل میں ہو، عمل کی راہوں سے گذر کر اس تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

ٹوبو کے فلسفیانہ دلائل میرے لئے سخت حیرت انگیز تھے۔

میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

• میں نے غلط کہا ماسٹر؟ ٹوبو نے پوچھا۔

• نہیں ٹوبو۔ تمہارا فلسفہ مجھے بہت پسند آیا ہے۔

• شکریہ ماسٹر، لیکن میری ایک درخواست بھی ہے۔

وہ کیا ٹوبو؟

• آج سے اداسیوں کو دور جھٹک دو۔ ماضی کا ایک ایک نقش ذہن سے مٹا دو۔ ایک نئے انسان بن کر جنگل کی زندگی سے لطف اٹھاؤ، اپنا مقصد حاصل کرو۔ خیالات کا بوجھ انسان کی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتا ہے، اس بوجھ کو ذہن سے اتار پھینکو۔

• ہوں۔ مجھے ٹوبو کی تجویز پسند آئی۔

• کیا تمہیں میری رائے سے اختلاف ہے ماسٹر؟

• نہیں ٹوبو۔

• تو پھر آج سے اس زندگی کو اپنا لو۔

• اپنا لیا۔ میں نے کہا اور ٹوبو چھلانگ مار کر اٹھ بیٹھا۔

• ہُرا۔ اس نے وحشیانہ انداز میں کہا اور پھر وہ بے تکے انداز میں اچھلنے کودنے لگا، ساتھ ہی کچھ گا بھی رہا تھا، یقیناً بے وقت کی راگنی تھی۔

لیکن ہنسی تو مجھے اس کے ساتھیوں پر آئی، جو گہری نیند سو رہے تھے مگر اٹھ کر آ گئے تھے اور پھر اسی گھبرائے ہوئے انداز میں ٹوبو کے ساتھ اچھلنے کودنے لگے جیسے یہ اچھل کود بہت بڑا فریضہ ہو۔

مجھے زور کی ہنسی آ گئی، میں نے ان اچھلتے کودتے لوگوں کو دیکھا اور اچانک میرے ذہن میں ایک لہر آئی، درحقیقت زندگی تو یہی ہے، اس وحشت کا حسن گرانمایہ ہے، اسے کیوں نہ اپنا لیا جائے۔

ٹوبو ٹھیک کہتا ہے۔

اور میں بھی ان کے ساتھ اچھل کود میں شریک ہو گیا، ٹوبو اور اس کے ساتھی خوش ہو گئے تھے اور پھر نہ جانے کب تک یہ اچھل کود جاری رہی۔ پھر ایک اجنبی وجود نے ہماری اس ترنگ کو توڑ دیا۔

یونہی ایک طرف نگاہ اٹھ گئی تھی، تب ایک ہیولا نظر آیا اور ہم چونک پڑے، یہ اجنبی ہیولا ہمارے درمیان کہاں سے آ گیا، میں نے ٹوبو کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

• یس ماسٹر؟ اس نے رک کر کہا۔

• وہ۔۔۔ ادھر دیکھو ٹوبو۔ میں نے کہا۔

• ارے یہ کون ہے؟ ٹوبو بھی اچھل پڑا، اور پھر اس نے اتنی پھرتی سے لپک کر رائفل اٹھائی کہ میں حیران رہ گیا، ٹوبو نے رائفل کا رخ اس کی طرف کیا اور پھر تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

• ہاتھ اٹھا دو۔ اس نے رائفل کی نال اس کے سینے پر ٹکاتے ہوئے کہا اور اجنبی نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے، میں بھی اس کے پاس پہنچ گیا تھا، میں نے غور

سے اسے دیکھا۔ آگ کے شعلوں کا عکس اجنبی کے چہرے پر پڑ رہا تھا، ایک قابلِ رحم شکل نظر آتی، سر کے بال چھوٹے چھوٹے تھے، مونچھیں بڑی لیکن نیچے کو جھکی ہوئی، اور عمر ساٹھ سے اوپر ہی تھی، لیکن چاق و چوبند اور چوکنا معلوم ہوتا تھا۔ قد درمیانہ تھا۔ اس کے چہرے سے مظلومیت برس رہی تھی۔

میں نے اسے دیکھ کر گہری سانس لی۔

ٹوبو کے ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لی تھی، لیکن اس کے پاس سے ایک شکاری چاقو کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہوا، اس کے جسم پر شکاری تھا۔ لیکن بوسیدہ لباس تھا۔ کسی سفید نسل کا باشندہ ہی معلوم ہوتا تھا۔

• ہیلو: میں نے اسے مخاطب کیا۔

• ہیلو: وہ نحیف آواز میں بولا۔

• کون ہو تم؟

• اسٹوکر —— براؤن اسٹوکر۔

• خوب —— یہاں کیا کر رہے ہو؟

• یہاں: اس نے گہری سانس لی: نہ جانے کیا کیا تلاش کر رہا ہوں، لٹی ہوئی دنیا، کھوئے ہوئے قافلے، جگر کے ٹکڑے، موت، سزا۔ نہ جانے کیا کیا تلاش کر رہا ہوں میں: اس کی آواز میں درد تھا۔

میں اسے رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا، پھر میں نے ٹوبو سے کہا۔

• ٹوبو، رائفل ہٹا لو:

اور ٹوبو نے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی، وہ رائفل ہٹا کر پیچھے ہٹ گیا۔

• تم —— تم افریقی نہیں ہو؟ اسٹوکر نے کہا۔

• ہاں۔ میں افریقی نہیں ہوں:

• شکاری ہو:

• یہی سمجھ لو:

• سونے کی تلاش میں آئے ہو؟

• ہوں: میں نے جواب دیا۔

• تو —— تو میرے دوست، یہ ارادہ ترک کر دو، سب کچھ کھو بیٹھو گے، ہاں کچھ نہ رہے گا، سونا فریب ہے۔ یہ چمکدار دھات، جنگل میں پھیلے ہوئے بے شمار حشرات الارض سے زیادہ خوفناک ہے۔ ہیروں کی چمک، زہر سے بھرے ہوئے ناگ کی آنکھوں کی چمک ہوتی ہے، میرا مشورہ ہے میرے بچے، اس خیال کو ذہن سے نکال دو، اپنی دنیا میں جاؤ۔ میں اس فریب میں آ کر اپنا سب کچھ قربان کر بیٹھا ہوں، میرے تجربے سے فائدہ اٹھاؤ، اپنے آپ کو اس مصیبت میں نہ ڈالو۔

بوڑھے نے عجیب انداز میں کہا۔ اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ چکرا کر گر پڑے گا، تب میں نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

میں نے اس کے گرم جسم کو محسوس کیا اور چونک پڑا۔

• اوہ۔ شاید تمہیں بخار ہے:

• شاید: اس نے گہری سانس لی۔

• آؤ میرے ساتھ، میں تمہیں دوا دوں گا:

میں اسے سہارا دے کر خیمے کی طرف لانے لگا۔

• دوا کے بجائے اگر تم مجھے کچھ کھانے کو دے سکو تو…

• اوہ —— ہاں ہاں غالباً تم بھوکے ہو:

میں نے ٹوبو کے ایک ساتھی سے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے کہا اور پھر اسے ساتھ لے کر خیمے میں آ کر بیٹھ گیا۔

• غالباً کہہ رہے ہو دوست، کیا تم اس بات پر یقین کرو گے کہ میں نے اپنے اس شکاری چاقو سے تقریباً دس روز قبل ایک پہاڑی چوہا شکار کر کے کھایا تھا اس کے بعد مجھے کوئی چیز نہیں مل سکی، ظاہر ہے یہاں شکار تو بہت ہے لیکن اسے ہاتھوں سے شکار نہیں کیا جا سکتا:

• اوہ: میں نے گردن ہلائی۔

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اس کے سامنے کھانا پہنچ گیا اور وہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ میں اور ٹوبو کے ساتھی اسے دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ اس نے سامنے رکھی ہوئی ایک ایک چیز چٹ کر ڈالی۔ اور پھر پانی پی کر اسی جگہ زمین پر لیٹ گیا، اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہم لوگ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ اس کی سانسیں بھی گہری گہری تھیں۔

کافی دیر کے بعد میں نے اسے آواز دی۔

• مسٹر اسٹوکر: لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

• مسٹر اسٹوکر: میں نے اسے ہلا کر کہا لیکن وہ شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔

• اوہ۔ یہ بے ہوش ہو گیا ہے ماسٹر: ٹوبو نے کہا۔

• شاید عرصے کے بعد غذا ملنے کی وجہ سے: میں نے تبصرہ کیا۔

• کیا ارادہ ہے ماسٹر:

• تم بتاؤ: میں پوچھا۔

• ہمدردی کا مستحق ہے:

• سفید فام ہے: میں نے کہا۔

• ہونے دو ماسٹر، انسان تو ہے:

• گڈ! تم عظیم ہو ٹوبو، ورنہ تمہارے ہم نسل سفید فاموں سے نفرت کرتے ہیں:

• اس کی وجہ بھی تم جانتے ہو ماسٹر، ان لوگوں نے ہمارے اوپر مظالم بھی تو بہت کئے ہیں، لیکن بہرحال ایک کے کئے کی سزا دوسرے کو نہیں ملنی چاہئے میرا خیال ہے اسے آرام سے لٹا دیا جائے:

• ہاں ایسا ہی کرو ٹوبو: میں نے کہا اور ٹوبو نے بے ہوش بوڑھے کو اپنے بازوؤں پر اٹھایا اور خیمے میں لٹا آیا، پھر ہم بھی لیٹ گئے، صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔

دوسرے دن ہم سب بہت دیر سے جاگے، ٹوبو کے دو ساتھی شکار کھیلنے گئے تھے، ایک وہاں موجود تھا، باقی ٹوبو میرے ساتھ ہی جاگا تھا۔

• صبح بخیر ماسٹر: ٹوبو مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

• صبح بخیر: میں بھی مسکرا دیا۔

• تیار ہو جاؤ: ٹوبو نے کہا۔

• ابھی آیا: میں نے جواب دیا، پھر میں نے رات کے مہمان کو جا کر دیکھا۔ وہ اب آرام سے سو رہا تھا۔

پھر ساری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد میں ٹوبو کے مقابل آ گیا، آج ہم کلہاڑیوں سے کھیل رہے تھے، درحقیقت مجھے خاصی مشق ہو گئی تھی ان چیزوں کی، اور آج تو میں نے وہ ہاتھ دکھائے کہ ٹوبو ششدر رہ گیا۔

یہاں تک کہ ٹوبو کے ہاتھ سے کلہاڑی گر گئی اور ٹوبو دوڑ کر مجھ سے آ کر لپٹ گیا۔

• گریٹ ماسٹر گریٹ، تمہارا جواب نہیں ہے، آج تو تم نے کمال کر دیا۔

• تم مطمئن ہو ٹوبو:

• مطمئن بہت معمولی لفظ ہے ماسٹر، میں تو ششدر رہ گیا ہوں:

• آؤ: میں نے کہا اور ہم دونوں نے پھر کلہاڑیاں اٹھا لیں اور پھر ہم ایک

دوسرے پر وحشیانہ وار کرنے لگے۔ بڑی خطرناک تفریح تھی، ذرا سی لغزش دونوں میں سے ایک کو ختم کر سکتی تھی۔ ٹوبو کا چہرہ مسرت سے کھلا پڑ رہا تھا۔ وہ بہت مخلص انسان تھا۔

• خبردار پیچھے ہٹ جاؤ، ورنہ گولی مار دوں گا: ایک اجنبی غراہٹ سنائی دی اور ہم دونوں چونک پڑے۔ ہم اپنی کلہاڑیاں ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ رات کا بوڑھا ہاتھوں میں رائفل لئے کھڑا تھا۔

• کیا میں اسے گولی مار دوں مسٹر: بوڑھے نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

• کیا —— کیا بکواس ہے: میں نے بوکھلا کر کہا۔

• یہ تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے: بوڑھا معصومیت سے بولا۔

• کون؟

• ارے یہ سیاہ فام: بوڑھے نے ٹوبو کی طرف اشارہ کیا۔

• اوہ۔ تم اس لئے اسے گولی مارنا چاہتے ہو:

• ہاں:

• نہیں بڑے میاں، ہم دونوں تو مشق کر رہے ہیں: میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• مش —— مشق کر رہے ہو: بوڑھے نے تھوک نگلتے ہوئے کہا اور پھر وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔

• میں سمجھا تم دونوں جنگ کر رہے ہو، ان جنگلوں میں اکثر لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں: اس نے رائفل ایک طرف ڈال دی۔ ٹوبو گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

• تم ٹھیک ہو اب؟ میں نے پوچھا۔

• ہاں۔ تمہاری دی ہوئی خوراک نے مجھے پھر سے زندگی دے دی“

• آؤ پھر ناشتے کی تیاری کریں:

• ناشتہ: بوڑھا تعجب سے بولا۔

• ہاں تیار ہو گا۔ کیا تم گوشت بھننے کی خوشبو نہیں سونگھ رہے:

• ارے ہاں —— مگر:

• مگر کیا:

• میں تمہارے اوپر بوجھ تو نہیں بن جاؤں گا دوست:

• کیوں۔ کیا تم ہمارے سروں پر سواری کرو گے:

• نہیں، میرا مطلب ہے۔ میں —— میں ——

• ابے آؤ یار، کیا فضول میں میں لگا رکھی ہے: میں نے بے تکلفی سے اس کا شانہ دبوچتے ہوئے کہا اور وہ ہنستا ہوا میرے ساتھ آگے بڑھ آیا، بھنا ہوا خستہ گوشت ہم سب نے مزے لے لے کر کھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں عجیب سی نمی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے احسانمند نگاہوں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

• میں تمہارا بے حد شکر گذار ہوں:

• کیوں، اس میں شکر گذار ہونے کی کیا بات ہے:

• میں تو —— میں تمہارے لئے بالکل بیکار ہوں، میری حیثیت ہی کیا ہے: بوڑھے کے گالوں پر آنسو ڈھلک پڑے۔

میرے دل میں بوڑھے کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ نہ جانے کن حالات کا شکار تھا بے چارہ۔

• کوئی انسان کسی دوسرے کیلئے بیکار نہیں ہوتا۔ ہمارا وجود کیاں ہے، تم جب تک چاہو میرے ساتھ رہو کبھی میرے اوپر بار نہیں بنو گے: میں نے ہمدردی سے کہا۔

• تم رحمدل ہو، یقین کرو۔ ہمیشہ اپنی ہر مہم میں ناکام رہو گے، یہ میری پیش گوئی ہے: وہ بولا۔

• کیا مطلب:

• رحمدلی ہمیشہ نقصان سے دوچار کرتی ہے:

• ایسی بات تو نہیں ہے اسٹوکر، ممکن ہے تمہارے ساتھ کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہوں:

• ہاں۔ میرا تو یہی تجربہ ہے:

• کیا مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتانا پسند کرو گے:

• دلی خواہش ہے میری کسی سے تو کہوں۔ کوئی تو سنے۔ سینہ پک گیا ہے۔ نہ جانے کب سے ان جنگلوں میں بھٹک رہا ہوں۔ کوئی راستہ نہیں ملتا، موت کو تلاش کرتا ہوں تو وہ بھی میرے نزدیک سے قہقہے لگاتی ہوئی گذر جاتی ہے۔ موت بھی تو میرے ساتھ تعاون نہیں کرتی: بوڑھے کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

• مجھے تم سے ہمدردی ہے، میرا خیال ہے ٹوبو، ہم سفر کی تیاریاں کریں۔ راستے میں اسٹوکر سے ان کی کہانی سنیں گے:

• جیسا پسند کرو ماسٹر: ٹوبو نے کہا۔ وہ لوگ خود بھی بوڑھے کی کہانی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لئے تیاریاں نہایت تیزی سے کی گئیں اور جیپ دریائے نی تیکا کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

• ہم تمہاری کہانی سننے کے منتظر ہیں اسٹوکر:

• تمہید کہاں سے کروں۔ یوں سمجھ لو ڈنمارک کا باشندہ ہوں۔ ڈاکٹر تھا۔ پرائیویٹ کلینک کرتا تھا۔ اچھی خاصی آمدنی تھی۔ سارے ٹیکس ادا کرنے کے بعد بھی میں عیش و عشرت کی زندگی گذار سکتا تھا، لیکن نوجوان، سنہرے ڈھیرے مجھے بھی عزیز تھے۔ میں بھی چمکدار پتھروں کا پجاری تھا۔ میں نے اپنی محنت کی کمائی سے چند معمولی قسم کے ہیرے خریدے تھے لیکن مجھے ان سے بے حد لگاؤ تھا اور میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش چٹکیاں لیتی تھی کہ کاش میرے پاس بھی کچھ خوبصورت ہیرے ہوں، میں ایک دولتمند انسان بن جاؤں۔

تب بدقسمتی نے گھیرا۔ میرا مریض ڈاکٹر وہائٹ ایک مہم جو تھا۔ جیب ہی سے سنگدل معلوم ہوتا تھا۔ اس کی ٹانگ گل گئی تھی کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ سرکاری علاج پسند نہیں کرتا تھا، اس نے مجھ سے علاج کرایا اور دوران علاج وہ مجھ سے بہت بے تکلف ہو گیا۔ اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی گفتگو بہت اچھی کرتا تھا۔ دولت کے حصول کے لئے اس نے میرے رجحانات معلوم کئے اور پھر ایک رات اس نے مجھے ایک پیشکش کی، اس نے بتایا کہ وہ افریقہ میں ایک مہم پر گیا تھا۔ اس مہم میں ہیروں کا ایک ذخیرہ اس کی نگاہ پڑ گیا، لیکن اس سے قبل کہ وہ ذخیرے کے بارے میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے، اس کی ٹانگ میں ایک کیڑے نے کاٹ لیا۔ کیڑا اتنا زہریلا اور خوفناک تھا کہ وہ مسلسل ایک ماہ تک بے ہوش رہا اور اس کے ساتھی گھبرا کر اسے واپس لے آئے۔

اب ٹھیک ہونے کے بعد وہ دوبارہ سفر کا ارادہ رکھتا تھا۔ تاکہ ہیرے حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں وہ نئے ساتھی بنانا چاہتا تھا

• کیا تم میرے ساتھی بننا پسند کرو گے ڈاکٹر: اس نے مجھ سے پوچھا۔

• میں: میں نے حیرت سے کہا۔

• کیوں۔ کیا تمہیں ہیروں سے دلچسپی نہیں ہے:

• ہیرے —— میری آنکھوں میں چمک آ گئی: ہیرے کسے پسند نہیں ہوتے مسٹر وہائٹ:

"دولت آسمان سے تو نہیں برستی مسٹر اسٹوکر۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن..."

"میں تمہیں اپنا ساتھی بنانے کو تیار ہوں۔ جو ذخیرہ میری نگاہ میں ہے وہ اتنا قیمتی ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس بار میں زیادہ لوگوں کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ میرا خیال ہے دس پندرہ آدمی میرے ساتھ جائیں۔ ہم وہ میرے برابر برابر تقسیم کریں گے۔ اور تم تصور بھی نہیں کر سکتے ڈاکٹر کہ تم میں سے ہر ایک کے حصے میں جو ہیرے آئیں گے ان کی قیمت کیا ہوگی۔"

"کیا ہوگی؟" میں نے حریص انداز میں پوچھا۔

"تقریباً چھ کروڑ ڈالر، ایک محتاط اندازہ ہے۔ تم میں سے ہر کس دس کروڑ ڈالر بھی حاصل کر سکتا ہے۔" وہائٹ نے بتایا اور میری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

"کیا یہ درست ہے مسٹر وہائٹ؟"

"مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔"

"تو۔ اگر میں تمہارے ساتھ چلوں تو مجھے بھی۔"

"پوری ایمانداری کے ساتھ۔" وہائٹ نے گلوریا کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر بولا۔

"اوہ ڈاکٹر تم چاہو تو اپنے ساتھ دو افراد کا اضافہ کر سکتے ہو۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری بیٹی گلوریا۔ اس طرح تم دوہرے حصے کے حقدار ہو جاؤ گے، اپنی بیٹی کو اعلیٰ مستقبل دینے کے لئے تم میرا مشورہ ضرور مانو، کیا اسے مہمات سے نفرت ہے؟"

"ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم اس سے بات کر لو۔"

"اور دوسرے آدمی کی بات بھی کہی تھی تم نے۔"

"بھئی تم، تمہاری بیٹی، اور ایک آدمی جسے تم پسند کرو، یہ میرا کوٹہ ہے باقی لوگوں کا انتخاب بھی میں اسی طرح کروں گا۔"

"اوہ۔ مسٹر وہائٹ، اگر آپ اجازت دیں تو میں گلوریا کے منگیتر اسنوڈو سے بھی بات کروں؟"

"اگر تمہیں اس پر اعتماد ہو تو۔" وہائٹ نے جواب دیا، پھر چونک کر بولا۔ "کیا کہا تم نے، وہ تمہاری بیٹی کا منگیتر ہے؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے، تم اس سے بات کر لو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ پوری رازداری رکھے۔"

"میں بات کروں گا۔" میں نے خوشی سے دھڑکتے دل سے کہا۔

اور پھر میں نے اسنوڈو سے بات کی۔ وہ بدبخت۔ وہ کمینہ تو بے حد لالچی نکلا، فوراً تیار ہو گیا، اور میں نے وہائٹ سے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ گلوریا البتہ تیار نہیں تھی، اس نے اسنوڈو کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ اسے یہ پُرخطر زندگی پسند نہیں ہے۔ اسے غربت پسند ہے لیکن سکون کے ساتھ۔ لیکن مجھ سے زیادہ اسنوڈو نے اسے مجبور کیا۔ اسے حسین زندگی کے سبز باغ دکھائے۔ شادی کے بعد کی حسین زندگی کے حسین خواب دکھائے۔ باپ اور منگیتر نے اسے اس قدر مجبور کیا کہ وہ خاموش ہو گئی، وہ دل سے تیار نہیں تھی۔

بہرحال میں نے وہائٹ کا بڑی لگن سے علاج کیا اور اس کی ٹانگ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ تب وہ تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور بالآخر تیاریاں مکمل کر کے ہم چل پڑے۔

وہائٹ کے ساتھیوں میں ایک بھی عورت نہیں تھی سوائے میری گلوریا کے۔ گلوریا اس سفر سے خوش نہیں تھی۔ لیکن وہائٹ نے اسے بھی سمجھایا کہ اس کی زندگی بن جائے گی۔ ناچار وہ تیار ہو گئی۔

تب ہم طویل سفر کر کے صحرائے اعظم میں داخل ہو گئے۔ یہاں کی پُرخطر لیکن خوبصورت زندگی گلوریا کو بھی پسند آ گئی۔ اور پھر اسے کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ اس کی ماں بچپن میں ہی مر گئی تھی۔ اس کے لئے ماں اور باپ سب کچھ میں ہی تھا اور میں اس کے ساتھ تھا۔ دوسری شخصیت جس سے اسے دلچسپی تھی، وہ اسنوڈو کی تھی۔ چنانچہ اس کا منگیتر، اس کا جیون ساتھی بھی اس کے ساتھ تھا۔

وہائٹ ایک تجربے کار انسان تھا۔ صحرائے اعظم کے سفر میں چھوٹے چھوٹے حادثے پیش آئے۔ لیکن وہائٹ کے تجربے کی بنا پر کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکا اور پھر طویل سفر کر کے ہم افریقہ کے اندرونی حصوں میں داخل ہو گئے۔ تب ایک رات وہائٹ کی اصل شخصیت سامنے آ گئی۔

اس نے زیادہ پی لی۔ اور پھر پستول لیکر گلوریا کے خیمے میں داخل ہو گیا جو میرے اور اسنوڈو کے خیمے کے درمیان تھا، اس نے سوتی ہوئی گلوریا کو جگایا اور گلوریا اسے دیکھ کر دہشت سے چیخ پڑی۔ اس کی چیخ سن کر میں اور اسنوڈو دونوں ہی گلوریا کے خیمے کی طرف دوڑے اور وہائٹ کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"مسٹر وہائٹ۔ مسٹر وہائٹ" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں اسٹوکر، یہ میں ہی ہوں۔" وہائٹ نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"یہاں۔ یہاں کیوں آئے ہو؟"

"گلوریا کے لئے۔" وہائٹ نے جواب دیا۔

"لیکن۔ لیکن یہ اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"تم لوگ باہر جاؤ، میں اس موضوع پر پھر بات کروں گا۔"

"نہیں مسٹر وہائٹ، تم گلوریا پر دست درازی نہیں کر سکتے۔" اسنوڈو کو بھی جوش آ گیا، اور وہائٹ زہریلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے تم لوگوں سے بات کرنا ہی پڑے گی۔"

"کیسی بات؟"

"بیٹھو۔ یہیں بیٹھ جاؤ۔" وہائٹ نے کہا، وہ بہت زیادہ پیئے ہوئے تھا لیکن نشے کی علامات اس کے چہرے سے ظاہر نہیں ہو رہی تھیں۔

گلوریا ساکت و جامد اس ڈرامے کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی سمجھ میں کوئی بات ہی نہ آ رہی ہو۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر وہائٹ کی طرف جو اچانک بدل گیا تھا۔

"مسٹر اسٹوکر، آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ آپ کیا ہیں؟"

"میں۔ میں ڈاکٹر ہوں، اور کیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اور آپ نے دیکھا کہ میری پارٹی میں کسی کو طبی امداد کی ضرورت نہیں پڑی؟"

"ہاں لیکن اس کا مطلب؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"مطلب یہ کہ مجھے آپ کی بحیثیت ڈاکٹر کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"پھر۔" میں نے اسے گھورا۔

"آپ خود سوچیں، ان معاملات میں آپ کا کوئی تجربہ بھی نہیں ہے، جسمانی طور پر بھی آپ ایک ناکارہ شخص ہیں۔ پھر میں نے آپ کو اپنا ساتھی کیوں بنایا۔ کون سی بات تھی آپ میں؟"

"یہ تو تم ہی بتا سکتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں۔ میں وہی بتا رہا ہوں۔" وہائٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ظاہر ہے اپنے ذہن کی بات میرے علاوہ اور کون کہہ سکتا ہے۔" وہائٹ نے مسکراتے ہوئے گلوریا کی طرف دیکھا۔

میں اور اسنوڈو اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"ایک شام کی کہانی سناؤں، میرا خیال ہے یہ تمہید عمدہ ہوگی۔" وہائٹ پُرسکون سے بولا: "تمہاری علاج گاہ۔ گو تمہارا علاج بہت عمدہ تھا لیکن تمہاری عمر رسیدہ تمہاری علاج گاہ۔ ذوق نگاہ کی تسکین کے لئے کچھ نہ تھا بیماری کی شدت اور پھر خشک ماحول، طبیعت میں بڑی بے کیفی، بڑی بیزاری اداسی تھی۔

تب میرے دل سے ایک آواز نکلی۔

اے کاش کوئی حسین صورت ہی نگاہوں کو منور کر دیتی، اور یوں لگا جیسے یہ الفاظ کوئی جادوئی رسم بن گئے ہوں، نگاہیں اٹھیں تو ایک حسین پیکر ان میں سما گیا اور یہ دلکش چہرہ گلوریا کا تھا۔ پہلے تو فریب لگا۔ میں نے اسے اپنا احساس سمجھا، لیکن پھر میرا احساس قریب آ گیا، اس نے مجھے چائے پیش کی اور بتایا کہ آج ہسپتال میں کام کرنے والا ملازم نہیں آیا ہے۔

کیسی انوکھی خوشی ہوئی تھی مسٹر اسٹوکر اسے دیکھ کر۔ میں نے اس سے گفتگو کرنا چاہی، اس نے خوش اخلاقی سے میرے چند سوالات کے جواب دیئے اور پھر واپس چلی گئی۔

لیکن مسٹر اسٹوکر، میں کوئی نوعمر نوجوان نہیں ہوں، نہ ہی میں ساری زندگی عورت سے دور رہا۔ گو میں نے شادی نہیں کی، لیکن عام انسانوں کی مانند میری زندگی میں بھی بے شمار عورتیں داخل ہوئیں، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عورت کی دنیا کا نیا کھلاڑی نہیں تھا، لیکن وہ نہ جانے کونسا وقت تھا، کیسا ماحول تھا۔ یہ لڑکی میرے دل کو بھا گئی۔

اور مسٹر اسٹوکر، اس سفر میں آپ کی شمولیت کے لئے پیشکش صرف اور صرف گلوریا کے لئے تھی، اس کے باوجود میں نے آج تک صبر کیا، کیا آپ اس کی داد نہ دیں گے؟"

وہائٹ خاموش ہو گیا، میں اور اسنوڈو منہ پھاڑے اس کی کہانی سن رہے تھے، اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی ہم کئی منٹ تک خاموش رہے پھر میں نے کہا:

"اگر یہ بات تھی تو تمہیں وہیں ہمیں بتانا چاہئے تھا۔"

"میں احمق تو نہیں ہوں اسٹوکر۔" وہائٹ مسکرایا۔

"گویا تم اب یہاں زیادتی کرنا چاہتے ہو؟"

"ارے نہیں، مس گلوریا پر زیادتی کون کر سکتا ہے۔" وہائٹ نے اوباش نگاہوں سے گلوریا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن گلوریا کے چہرے پر میں نے کوئی ردعمل نہیں دیکھا۔

"لیکن وہ۔ وہ اسنوڈو سے منسوب ہے۔ اسنوڈو اس کا منگیتر ہے۔"

"ہم جنگل میں ہیں، صحرائے اعظم افریقہ میں۔ تمہارے شہر تک تمہارا قانون تھا، یہاں جنگل کا قانون چلے گا اور جنگل کا قانون یہ ہے کہ اگر ایک لڑکی کے دو دعویدار ہوں تو دونوں ایک دوسرے سے جنگ کر کے فیصلہ کریں۔ میں اگر چاہوں تو میرے ساتھی مسٹر اسنوڈو کو ٹھکانے لگا دیں، لیکن بہرحال اتنی رعایت میں ضرور دوں گا کہ اسنوڈو مجھ سے مقابلہ کرے۔"

اور اسنوڈو کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"یہ بات آپ کو زیب نہیں دیتی مسٹر وہائٹ۔" میں نے کہا اور وہائٹ...

"بکواس۔ میں نے اب تک شرافت سے کام لیا ہے، لیکن میں تمہیں صبح تک کی مہلت دیتا ہوں، کل صبح فیصلہ کر کے بتا دو کہ گلوریا کو میرے حوالے کرنے کی کونسی صورت ہے۔" اس نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

اور ہم دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

"اسنوڈو۔" میں نے اسنوڈو کو مخاطب کیا۔

"ہوں۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"مجھ سے بہتر آپ سوچیں گے مسٹر اسٹوکر۔" اسنوڈو نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

"صورت حال تمہارے علم میں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں قصوروار نہیں ہوں۔" میں نے بھی کسی قدر خشک لہجے میں جواب دیا۔

"آپ نے گلوریا کو اس کے سامنے کیا تھا۔"

"لیکن کسی ایسے مقصد کے تحت نہیں۔"

"یہ آپ بہتر جان سکتے ہیں مسٹر اسٹوکر۔"

"کیا بکواس ہے، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ اس مسئلے کا حل بھی آپ ہی تلاش کریں۔"

"وہائٹ ایک خطرناک دشمن ہے، ہم اگر اس مہم سے دستبردار بھی ہونا چاہیں گے تو وہ ہمیں واپسی کی اجازت نہیں دے گا، ایسی شکل میں تم سوچو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔" میں نے کہا۔

"میں عرض کر چکا ہوں، اس مسئلے کا حل صرف آپ تلاش کریں گے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو اسنوڈو؟"

"یہی کہ اس جھگڑے میں میں آپ کا شریک نہیں ہوں۔"

"کیوں۔ یہ تمہاری منگیتر نہیں ہے؟"

"ہے۔ لیکن آپ نے اسے وہائٹ کے سامنے پیش کیا تھا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں مسٹر اسٹوکر، اس میں غلط کونسی بات ہے، آپ بتائیے کیا میں نے گلوریا کو وہائٹ کے سامنے پیش کیا تھا، کیا میری کسی کوشش سے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا؟"

"متوجہ تو میری کوشش سے بھی نہیں ہوا۔ تم ٹھنڈے ذہن سے کیوں نہیں سوچتے اسنوڈو۔ ہمیں اب کسی طور یہاں سے نکل چلنا چاہئے، ورنہ گلوریا خطرے میں ہے۔"

"کیسے نکلیں گے مسٹر اسٹوکر؟"

"خاموشی سے، رات کی تاریکی میں۔ میرا خیال ہے اس کے لئے آدھی رات کا وقت موزوں رہے گا۔"

"میرے خیال میں وہائٹ اتنا گدھا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس وارننگ کے بعد وہ ہم پر نگاہ بھی رکھے گا۔"

"اوہ۔ تب؟"

"میرا خیال ہے اب یہ کوششیں فضول ہیں مسٹر اسٹوکر۔ اگر ہم نے چوروں کی طرح نکل بھاگنے کی کوشش کی اور پکڑے گئے، تب وہائٹ ہم پر اعتماد ختم کر دے گا، اور بہرحال وہ مختار ہے۔"

"تو۔ تو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ کہ میں حقیقتیں قبول کر لینے کا عادی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

• میں وہائٹ سے جنگ نہیں کر سکتا، میں اسے جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، تب میں اسے اپنا دشمن ہی کیوں بناؤں میں اس سے تعاون کیوں نہ کروں؟

• اوہ گویا تم — گویا تم گلوریا کو اس کے حوالے کرنے کو تیار ہو؟

• میرا گلوریا پر ابھی کوئی حق نہیں ہے۔ وہ تمہاری بیٹی ہے۔

• لیکن وہ تم سے منسوب ہے۔

• ٹھیک ہے مسٹر اسٹوکر۔ موجودہ صورت حال میں میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں: بے غیرت اسٹوڈ نے کہا اور میں ششدر رہ گیا۔ میں نے گلوریا کی طرف دیکھا اور وہ ہنس پڑی۔

• کیوں — کیا بات ہے پیا۔ ٹھیک تو ہے۔ قیمتی ہیروں کا حصول اتنا آسان تو نہیں ہوتا، اور پھر بڑا مقصد حاصل کرنے کے لئے چھوٹی چیزوں کو تو قربان کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ مجھے وہائٹ کے حوالے کر دیں۔ وہ آپ کو بہت ہیروں سے نوازے گا: گلوریا نے طنزیہ آواز میں کہا اور اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

اسٹوڈ نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس سے کوئی مشورہ کرنا فضول تھا۔ میرا ذہن بھی سخت پریشان تھا۔ بہرحال میں نے گلوریا کو کچھ ہدایات دیں۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اتنا کام ضرور کرے کہ وہائٹ سے اقرارِ الفت کے ساتھ ساتھ اس سے خود کو بچائے بھی رکھے۔ اس وقت تک جب تک میں فرار کی تیاریاں مکمل نہ کر لوں۔

اور گلوریا ہنس کر رہ گئی۔ وہ بالکل مایوس تھی اور اب وہ مجھ سے نفرت کا اظہار کرنے لگی تھی۔ ان جنگلوں میں لا کر میں نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ بہرحال اس کے باوجود اس نے مجھ سے تعاون کیا، اور دوسرے دن جب وہائٹ نے مجھ سے میرے فیصلے کے بارے میں پوچھا تو میں نے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں۔

• لیکن تمہیں جلد فیصلہ کر لینا چاہئے مسٹر اسٹوکر۔ ہماری منزل اب زیادہ دور نہیں ہے۔ اور میں بہرحال منزل پر پہنچنے سے قبل ہیروں کے حصہ داروں کا انتخاب کر لینا چاہتا ہوں۔

• میں کیا فیصلہ کروں مسٹر وہائٹ: میں نے پریشانی سے کہا۔

• تب میں خود ہی فیصلہ کر لوں گا: وہائٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ میرے ساتھ ہی اسٹوڈ کے پاس پہنچ گیا۔

• کیا خیال ہے مسٹر اسٹوڈ، کیا تم مجھ سے مقابلہ کرو گے؟

• اوہ نہیں مسٹر وہائٹ، میں زندگی کی قدر کرتا ہوں!

• کیا مطلب؟

• یوں سمجھیں۔ میں نے آپ سے شکست تسلیم کر لی۔

• گویا گلوریا میری: وہائٹ خوش ہو کر بولا۔

• ہاں۔ ویسے تو وہ میری بھی نہیں تھی، بہرحال میں اس سے تمہارے حق میں دستبردار ہو گیا۔

• ویری گڈ — اب کہو اسٹوکر؟

• میں — میں کچھ نہیں کہہ سکتا: میں نے پریشانی سے کہا اور وہائٹ گردن ہلانے لگا۔

مختصر یہ دوستو کہ میں فرار کی تیاریوں میں مصروف رہا اور بالآخر ایک شام میں نے تیاریاں مکمل کر لیں۔ گلوریا میرا ساتھ دے رہی تھی، لیکن مردوں کی مانند اسے اسی بات کا غم تھا کہ میں نے دولت کے لئے اس کی زندگی داؤ پر لگا دی۔

بہرحال رات کی تاریکی میں میں نے دو گھوڑے کھولے اور انہیں [illegible] سے اس جگہ لے آیا جہاں گلوریا میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے سرگوشی کے انداز [illegible] گلوریا کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے کہا۔

اور گلوریا ہنس پڑی۔

لیکن وہ قہقہہ گلوریا کا نہیں تھا، وہ وہائٹ کا قہقہہ تھا۔ میرے بدن [illegible] تھرتھری دوڑ گئی۔ میں سمجھ گیا میرا راز کھل گیا، اور میں ساکت رہ گیا۔

• تو تم فرار ہو رہے تھے: وہائٹ نے اپنا کمبل اتارتے ہوئے کہا۔

• ہاں۔ میں جانا چاہتا ہوں۔

• تو جاؤ میری جان۔ میں تمہیں اب روکنا بھی نہیں چاہتا۔

• گلوریا کہاں ہے؟

• میرے خیمے میں۔

• کیا بکواس ہے؟

• ہاں وہ تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی، وہ تمہاری طرح بیوقوف نہیں ہے، اسے اپنے مستقبل سے دلچسپی ہے۔

• بکواس کرتے ہو، گلوریا کو میرے حوالے کر دو وہائٹ، ورنہ اچھا [illegible]

• وہ نہیں جائے گی: وہائٹ نے پستول نکال لیا۔

• اسٹو — اسٹوڈ کہاں ہے؟ میں نے کسی قدر خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

• وہ بھی اب میرے دوستوں میں شامل ہو گیا ہے، اسی نے تمہارے [illegible] کی خبر دی تھی۔ بہرحال عمدہ آدمی ہے اور پھر اس نے سوچا کہ اگر تم دونوں چلے گئے تو میرے ساتھ اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی، چنانچہ اس نے میرے [illegible] میں فیصلہ کیا۔

• اوہ۔ وہ بے غیرت۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

• تمہارے لئے اب صرف ایک بات مناسب ہے اسٹوکر، وہ یہ کہ گھوڑے پر سوار ہو، اور اپنے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دو۔ اس طرح تمہاری جان بھی [illegible] جائے گی۔

• میں — میں اس طرح نہیں۔۔۔

لیکن میرا جملہ پورا ابھی نہیں ہوا تھا کہ وہائٹ کے پستول سے فائر [illegible] اور گولی میرے ہیٹ کو سر سے اڑا لے گئی۔

• جلدی کرو۔ اگر تم زمین پر رہے تو دوسری گولی تمہاری پیشانی پر پڑے گی: اور میں اچھل کر گھوڑے پر چڑھ گیا۔

• رخ بدلو: وہائٹ نے پھر پستول سے اشارہ کیا اور پھر اس نے [illegible] فائر کر دیا۔ میں نے جلدی سے گھوڑے کا رخ بدل لیا۔ اور وہائٹ نے دو [illegible] زوردار ہنٹر گھوڑے کے رسید کر دیئے۔

اور خونخوار گھوڑا مجھے لیکر دوڑ پڑا۔ میں اس کی گردن سے چمٹ گیا [illegible] ورنہ گھوڑے سے گر کر میری ہڈیاں چور چور ہو جاتیں اور پھر گھوڑا رات بھر [illegible] لئے دوڑتا رہا اور نہ جانے کہاں سے کہاں نکل آیا۔

اور اس کے بعد سے آج تک مجھے میرا کارواں نہیں مل سکا۔ نہ [illegible] میری بچی کس حال میں ہے: بوڑھے کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ ہم لوگ متاثر تھے، ٹوبو خاموشی سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

• اس طرح دوستو: مجھے میرے لالچ کی سزا مل گئی۔ میں ہیروں کی [illegible] میں آیا تھا، اور اپنے سب سے قیمتی ہیرے کو گنوا بیٹھا۔ اور اب میں ان جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔

ہم لوگ کافی دیر تک خاموش رہے۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لیکر [illegible] بہرحال مجھے تمہاری کہانی سن کر بہت افسوس ہوا ہے اسٹوکر۔ کاش میں [illegible] لئے کچھ کر سکتا۔

• ان لوگوں نے کہاں کا رخ کیا تھا؟ اچانک ٹوبو نے پوچھا۔

• اب تو میں کچھ نہیں جانتا۔

• ویسے تمہیں ان سے الگ ہوئے کتنا عرصہ گذر چکا ہے؟

• یقین کرو میرے دوست، میں نہیں جانتا۔ میں تو اس دوران نیم پاگل [illegible] مجھے نہیں معلوم کتنا عرصہ گذر گیا۔ مجھے نہیں معلوم اب میری بچی کہاں [illegible] ان لوگوں کا کیا حشر ہوا۔

ہم لوگ خاموش ہو گئے، ظاہر ہے ہم بے چارے بوڑھے کے لئے [illegible] سکتے تھے۔ وہ تو مدت تک کا تعین نہیں کر سکتا تھا۔ راستے کا تعین بھی نہیں [illegible] تھا۔ ایسی شکل میں ہم اس کی کوئی مدد بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔

ٹوبو خاموشی سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ ویران جنگل بھائیں بھائیں کر رہا [illegible] اور پھر افریقہ کا دہشت خیز سورج سروں پر آ گیا۔ سخت گرمی ہو گئی۔ سفر کی سمت ہو گئی تھی۔

پھر تقریباً ایک بجے ہم دریا کے کنارے رک گئے۔ بے اختیار نہانے [illegible] چاہ رہا تھا۔ یہاں دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا اور بہاؤ کی رفتار سست ہو [illegible] تھی۔ پانی کی گہرائی کا البتہ اندازہ نہیں ہو سکا۔

• کیا خیال ہے ٹوبو۔ نہا لیا جائے۔

• جیسا مناسب سمجھو ماسٹر۔

• میرا خیال ہے یہ لوگ کھانے کی تیاریاں کریں، اس دوران ہم نہا لیتے [illegible] پھر یہ لوگ بھی نہا لیں گے۔

• ٹھیک ہے، میں ان سے کہے دیتا ہوں۔

• آپ نہائیں گے مسٹر اسٹوکر؟ میں نے پوچھا۔

• اوہ — دریا میں جا کر نہ نہا سکوں گا۔ دراصل میں ڈاکٹر قسم کا آدمی ہوں، [illegible] جسمانی ورزش کا موقع نہیں ملا، اس لئے تیرنا بھی نہیں آتا۔

• تب آپ کے لئے کنارے پر پانی کا بندوبست کر لیا جائے۔

• ہاں اگر ممکن ہو سکے تو

• ہو جائے گا: میں نے گردن ہلائی۔

پھر اسٹوکر کے لئے پانی کا بندوبست کر کے ہم تینوں نے لباس اتارے [illegible] زیر جامے پہنے ہوئے تھے، ٹوبو اور اس کا ایک ساتھی دریا میں کود گئے، اس سخت [illegible] میں یخ پانی نے مزہ دے دیا، بڑا فرحت بخش پانی تھا۔ نہانے کا لطف آ گیا۔ [illegible] آگے بڑھتے رہے۔ بہاؤ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی دقت بھی نہیں ہو رہی تھی۔

ٹوبو مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، وہ بھی اچھا تیراک تھا اور اس کا ساتھی [illegible] ظاہر ہے ان لوگوں کی تو زندگی ہی مہمات میں گذری تھی۔

دفعتاً میں نے اپنے بائیں طرف ایک سیاہ سی لکیر دیکھی اور کوئی چیز میری [illegible] سے ٹکرائی، اتنی زور سے لگی تھی کہ وہ حصہ چھل گیا۔ میں اچھل پڑا۔

• ٹوبو: میں نے ٹوبو کو آواز دی، نہ جانے کیا چیز تھی۔

• یس چیف: ٹوبو نے پانی سے سر نکالا اور پھر اچانک اس کے چہرے پر [illegible] سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ زور سے اچھلا اور پانی کے نیچے چلا گیا۔ میری [illegible] نے بتا دیا کہ کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔

• ٹوبو: میں اس کی طرف لپکا۔

اور ٹوبو نے پھر پانی سے سر ابھارا، اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار تھے۔

• موکاش — ماسٹر — موکاش۔

• موکاش: اس کا ساتھی چیخ پڑا۔

• ہاں۔ اس نے میری ٹانگیں پکڑ لی ہیں: ٹوبو نے بمشکل بتایا، اور ایک بار پھر وہ نیچے جانے لگا۔ لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ اس نے اس بار خود ڈبکی نہیں لگائی ہے بلکہ ایسا لگا جیسے اسے کسی نے نیچے سے کھینچا ہو۔

• موکاش کیا ہے گروڈے: میں نے ٹوبو کے ساتھی سے پوچھا۔

• سانپ۔ پانی کا سب سے خوفناک سانپ۔ آہ۔ وہ ٹوبو کو لے کر نیچے بیٹھ جائے گا اور پھر اس وقت چھوڑے گا جب وہ دم توڑ دے گا۔

اور میرے بدن میں چنگاریاں بھر گئیں۔

• نہیں۔ میں ٹوبو کو ایسی موت نہیں مرنے دوں گا۔ ایسے مخلص آدمی کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔ دوسرے لمحے میں نے پانی میں ڈبکی لگا دی۔ ٹوبو آہستہ آہستہ نیچے بیٹھ رہا تھا، وہ سخت جدوجہد کر رہا تھا، لیکن صرف ہاتھوں سے، اس کے پاؤں سیاہ رسی میں جکڑے ہوئے تھے۔ میں کسی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ٹوبو کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

میری ہمت کی وجہ سے ٹوبو کے دوسرے ساتھی کی ہمت بھی بڑھ گئی۔ چنانچہ وہ بھی میرے پہنچ گیا۔ اور ہم پوری قوت صرف کر کے ٹوبو کو سطح پر لانے کی کوشش کرنے لگے۔

لیکن ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ہم ٹنوں وزن اوپر کھینچ رہے ہوں۔ بڑی طاقت تھی اس خوفناک سانپ میں۔ بمشکل تمام ہم ٹوبو کو سطح پر لانے میں کامیاب ہوئے، اور ٹوبو نے گہری گہری سانس لیں۔

• حواس قائم رکھو ٹوبو: میں نے کہا۔

• ماسٹر — ماسٹر آپ اس کی زد سے بچیں۔ یہ — یہ بیک کئی کئی آدمیوں کو جکڑ سکتا ہے: ٹوبو نے اکھڑی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

• تم فکر مت کرو ٹوبو، ہم تمہیں اس کا شکار نہ ہونے دیں گے: میں نے کہا اور پھر ہم ٹوبو کو کنارے کی طرف کھینچنے لگے۔ سانپ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ ہم زندگی کی سخت جدوجہد کر رہے تھے اور ہمارے بازو شل ہوئے جا رہے تھے۔ سانپ نے کئی بار اپنی دم ہمارے جسموں پر ماری اور ایسا لگا جیسے کسی نے موٹا لٹھ رسید کر دیا ہو۔ وہ سخت غصے میں تھا، اور نہ جانے کس طرح ہم کنارے کے قریب پہنچ گئے۔

تب میں چیخا —

• اسٹوکر — اسٹوکر — چاقو — تمہارا چاقو۔

اسٹوکر چونک پڑا چند ساعت احمقانہ انداز میں ہمیں دیکھتا رہا پھر اسے اس جدوجہد کا احساس ہوا، جو ہم ٹوبو کو روکنے کے سلسلے میں کر رہے تھے، اور وہ اچھل پڑا۔

• کیا تم کسی مصیبت میں ہو؟

• اسٹوکر — چاقو — چاقو: میں پھر چیخا۔ اسٹوکر کا چاقو ہم نے اسے واپس کر دیا تھا اور وہ اس کے لباس کے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ لیکن اسٹوکر پانی میں اترنے کی ہمت نہ کر سکا۔ ٹوبو کے دوسرے ساتھی کافی دور تھے اور ان تک اطلاع پہنچنے سے پہلے کچھ ہو سکتا تھا۔

• کیسے لاؤں؟ اسٹوکر نے کہا۔

• گرد ڈے، کچھ اور ہمت کرو۔ میں نے بُری طرح ہانپتے ہوئے گرد ڈے سے کہا اور ہم نے آخری جدوجہد کی اور ٹولو کو کچھ اور گھسیٹ لانے میں کامیاب ہوگئے۔
• اب تم سنبھالو گرد ڈے۔ میں نے کہا اور پھر اچانک ٹولو کو چھوڑ کر کنارے کی طرف لپکا۔

لیکن اسی وقت گرد ڈے کی چیخ سنائی دی۔ وہ پانی میں الٹا ہوگیا تھا، میں نے دیکھا اس کی دونوں ٹانگیں اوپر تھیں۔ شاید سانپ نے اسے خوفناک جھٹکا دیا تھا۔

میں نے انتہائی پھرتی سے اسٹوکر سے چاقو لیا اور پھر تیر کی طرح پلٹا۔ گرد ڈے تو سیدھا ہوگیا تھا، لیکن اب ٹولو سطح پر نظر نہیں آرہا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح پانی میں گھس گیا۔

میری آنکھیں ٹولو کو تلاش کر رہی تھیں اور وہ مجھے نظر آگیا، وہ اب بھی ہوش میں تھا اور سانپ سے جدوجہد کر رہا تھا، لیکن سانپ اسے کافی تیزی سے نیچے کھینچے لئے جا رہا تھا۔

تب میرے بدن میں نہ جانے کہاں سے بے پناہ قوت آگئی۔ شاید یہ جذبۂ انسانیت تھا، ایک انسان کو بچانے کی بھرپور خواہش تھی۔ میں ٹولو کے نزدیک پہنچ گیا۔ میرا رُخ اس کے پیروں کی طرف تھا اور میں نے اندھا دھند اس کے پیروں سے لپٹے ہوئے سانپ پر وار کئے۔

اور نہایت کاری وار تھا۔ مجھے صاف محسوس ہوا کہ میں نے سانپ کو درمیان سے دو ٹکڑے کر دیا ہے اور پھر میں نے زیادہ دلجمعی سے اس کے بدن کو تلاش کرکے کئی اور وار کئے۔ اور مجھے صاف محسوس ہوا کہ اب سانپ کی جدوجہد ختم ہوگئی ہے۔ تب میں نے ٹولو کا ہاتھ پکڑا اور اسے پوری قوت سے اوپر لانے لگا۔

یہاں تک کہ میں اسے سطح پر لانے میں کامیاب ہوگیا۔

ٹولو پر غشی طاری ہو رہی تھی۔

• ٹولو — ٹولو ہوش میں آؤ، خود کو سنبھالو۔ میں نے چیخ کر کہا۔

• یس — یس ماسٹر۔ ٹولو نے گردن جھٹکی اور پھر وہ میرے ساتھ کنارے کی طرف رینگنے لگا۔ ٹولو کے تینوں ساتھی پاگلوں کی طرح پانی ڈبکیاں لگا رہے تھے۔ شاید انہیں اطلاع مل گئی تھی۔

ہمیں دیکھ کر وہ ہماری طرف دوڑے، اور پھر انہوں کو سنبھال لیا ایک نے مجھے بھی سہارا دینے کی کوشش کی تھی، لیکن میں نے اسے روک دیا۔

• ٹولو کو آرام سے پہنچاؤ۔ میں ٹھیک ہوں۔ میں نے کہا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سب کنارے پر پہنچ گئے، ٹولو زمین پر لیٹا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ویسے وہ ہوش میں تھا اور مسکرا رہا تھا، اسٹوکر بھی نزدیک ہی میں بھی بیٹھا تھا۔

تب ٹولو نے ہاتھ اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

• سنو۔ میں نے ٹولو کے ایک ساتھی سے کہا۔

• یس چیف۔

• برانڈی لاؤ۔ میں نے کہا، اور وہ دوڑتا ہوا جیپ تک پہنچ گیا۔ پھر میں نے ٹولو کو تھوڑی سی برانڈی دی اور وہ کافی حد تک پرسکون ہوگیا۔ اس کی ٹانگوں کا گوشت سانپ کی گرفت میں پھٹ گیا تھا۔ میں نے اس کی ڈریسنگ بھی کی۔ اسٹوکر بھاگ بھاگ کر ہماری مدد کر رہا تھا۔

بہرحال چند ساعت کے بعد ٹولو نارمل ہوگیا، اور پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا:

• اب میں ٹھیک ہوں ماسٹر، سفر کی تیاریاں کریں۔

• ایسی کیا جلدی ہے ٹولو۔ میرا خیال ہے آج آرام کیا جائے۔

• یقین کرو ماسٹر، میں تو اب بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں اگر تم پسند کرو۔

• ہاں۔ میں پسند کروں گا۔ میں نے جواب دیا، اور ٹولو پھر گم ہو کر پھر وہ گرنے لگا تو میں نے اسے جلدی سے سہارا دیا۔

• میں اس سلسلے کو آخری سانس تک یاد رکھوں گا ماسٹر۔ ٹولو نے کہا۔ اس کا شانہ تھپتھپا کر رہ گیا، ٹولو کے ساتھی ابھی تک خاموش تھے۔

بہرحال کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا۔ کسی نے میرا شکریہ وغیرہ کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی، اور ظاہر ہے مجھے اس کی حاجت بھی نہیں انسانی فرض تھا، میں نے پورا کیا۔

لیکن شام کو پانچ بجے ان لوگوں کے ارادے اچھے نہیں نظر آئے طور سے تین ڈبوں سے ڈھول بنائے گئے تھے اور پھر شام کی چائے کے بعد تمام لوگوں نے اچھل کود شروع کر دی، انہوں نے آگ بھی روشن کر لی۔

• ماسٹر۔ ٹولو نے میرے نزدیک آکر کہا۔

• ہوں۔

• ہم طویل عرصہ سے اپنا ماحول چھوڑ چکے ہیں، لیکن آج بھی ہمیں قبیلے کے رسم و رواج سے محبت ہے، ہم اپنے قبیلے کی ایک رسم پوری کر رہے ہیں، کیا ہمیں اس کی اجازت دو گے۔

• ضرور ٹولو، اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا۔

• اس میں تمہیں بھی تھوڑی سی تکلیف دینا پڑے گی۔

• ہاں ہاں۔ کیا حرج ہے۔

اور ٹولو نے گردن ہلادی، تب ٹولو کے ساتھیوں نے بے تکے گانا شروع کر دیئے، وہ آگ کو خاص طور سے مخاطب کر رہے تھے اور جب سورج ڈوبا، ٹولو کھڑا ہوگیا۔ اسٹوکر میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

ٹولو کے ساتھی نے ایک پلیٹ ٹولو کو پیش کی جس میں ایک تیز دھار رکھی ہوئی تھی اور ٹولو نے مجھ سے اپنے جوتے اتارنے کیلئے کہا، میں نے متحیر ہو کر جوتے اتار دیئے اور ٹولو کے ایک ساتھی نے میرے پاؤں آگے سرکا تب ٹولو نے پلیٹ سے چھری اور اپنی بائیں کلائی پر ایک زخم لگایا۔

اسٹوکر چونک پڑا تھا۔

• ارے — ارے یہ کیا کرتے ہو۔

• خاموش بیٹھے رہو۔ ٹولو کے ایک ساتھی نے اسے ڈانٹ دیا اور بیٹھ گیا۔ تب ٹولو نے اپنے خون کے قطرے میرے پیروں پر ٹپکائے اور سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔

• میں تاحیات تیرا وفادار رہوں گا ماسٹر۔ تو ٹولو کے جسم کے ٹکڑے کر دے گا، تب بھی ٹولو تیرے سامنے گردن نہیں اٹھائے گا۔ اس نے جذبات میں کہا اور پھر وہ اٹھ گیا۔

میں خاموش بیٹھا رہا تھا۔ پھر ٹولو کے چاروں ساتھیوں نے یہی رسم اور اس کے بعد وہ خوشی سے اچھلنے لگے، تب میں اٹھا۔ نہ جانے میرے ذہن میں سمائی تھی، میں نے ٹولو کے ہاتھ سے چھری لے لی اور ٹولو چونک کر مجھے دیکھنے

• ماسٹر۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

• ایک رسم میں بھی پوری کروں گا ٹولو، یہ میرے قبیلے کی رسم ہے۔

• اوہ اچھا۔ ٹولو نے آہستہ سے کہا۔

• اپنے ساتھیوں کو بلاؤ۔ میں نے اس سے کہا اور ٹولو کے ساتھی

پاس آگئے۔ تب میں نے اپنی کلائی پر بھی ایک زخم لگایا۔ اور ٹولو کا ہاتھ پکڑ کر سامنے کر لیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی کلائی کے زخم کو اس کی کلائی کے زخم پر رکھ دیا اور آہستہ سے بولا۔

• میرا خون تیرے خون میں مل گیا ہے ٹولو۔ تو میرا غلام نہیں، میرا بھائی ہے۔ ہمارے درمیان خون کا رشتہ قائم ہوگیا ہے، بلاؤ اپنے ساتھیوں کو۔ ان میں سے ایک بھی میرا غلام نہیں ہے۔ اور میں نے ان سب کے خون میں اپنے خون کے قطرے شامل کر دیئے۔

ٹولو اور اس کے ساتھیوں کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

دوسرے دن ہم نے پھر سفر شروع کر دیا اور دریا کے کنارے کنارے آگے بڑھتے رہے، لیکن پھر ٹولو رک گیا۔ ٹولو حیرت سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے دریا نے بائیں سمت کا رُخ اختیار کیا تھا۔

• یہ — یہ کیا ہوا؟ وہ حیرت سے بولا۔

• کیوں — کیا ہوا؟

• دریا نے رُخ بدل لیا ہے ماسٹر۔

• کیا مطلب؟

• اس پرندے کو دیکھ رہے ہو، یہ سیاہ رنگ کا پرندہ۔

• ہاں۔

• اور سامنے کی زمین کو بھی دیکھ رہے ہو ماسٹر؟

• ہاں۔ میں نے جواب دیا۔

• کچھ محسوس کیا؟

• نہیں کیوں؟

• آہ۔ آگے موت ہے، ایک بھیانک موت، جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ماسٹر۔

• میں نہیں سمجھا ٹولو۔ میں نے حیرت سے کہا۔

• ابھی یقیناً اس موت کی طرف بڑھیں گے۔

• معاملہ کیا ہے؟

• سامنے کبھی دریا تھا ماسٹر۔

• ہاں پھر؟

• ہاں وہاں دلدل ہے۔

• اوہ —!

• اور یہ دلدل معمولی نہیں ہوگی، نہ جانے کہاں تک پھیلی ہوگی۔ بالکل صاف زمین معلوم ہو رہی ہے، لیکن ...!

• اوہ — میں نے طویل سانس لی۔

• میں نے بھی اس پرندے کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہے جو صرف دلدل پر پرواز کرتا ہے۔

• یہ تو بڑا خطرناک راستہ ہے۔

• ہاں۔ اور اب تم ان لوگوں کی موت کا یقین کر لو۔

• کن لوگوں کی؟ میں نے چونک کر پوچھا۔

• وہی جو ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں، ہیروں کی تلاش میں۔ تمام لوگ مشکل ہی سے اس دلدل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

• اوہ۔ میں چونک پڑا۔

• مرنے دو بابی، وہ مغرور لوگ اسی قابل ہیں۔

• نہیں ٹولو۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

• کیا مطلب بابی؟

• ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جن کی موت مجھے منظور نہیں ہے۔

• اوہ۔

• ہمیں ان لوگوں کو ہوشیار کر دینا چاہیئے۔

جیسی تمہاری مرضی چیف۔ ٹولو نے سادگی سے کہا۔ بہرحال ہم نے وہاں ایک لکڑی میں ایک گتہ پھنسا کر سائن بورڈ کی حیثیت سے لگا دیا جس پر لکھا تھا۔

• خبردار — آگے خوفناک دلدل ہے۔

اور پھر ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے، ہم نے راستہ کاٹ دیا تھا اور اب اطمینان سے سفر ہو رہا تھا۔ اس رات جب ہم نے قیام کی سوچی تو ہم گھنے درختوں کے قریب تھے۔

• کیا خیال ہے ماسٹر، ان درختوں میں دن کی روشنی میں داخل ہونا مناسب رہے گا۔ ہاں۔ میں نے تائید کی، اور ہم نے وہیں قیام کر لیا۔

رات کو پھر گانے بجانے کی محفل سجی۔ لیکن زیادہ دیر جاری نہ رہی۔ سب کے ذہنوں پر تھکن سوار تھی۔ چنانچہ ہم سو گئے۔ بعض جگہوں پر ٹولو اپنے ساتھیوں کو پہرے پر مقرر کر دیتا تھا۔ لیکن آج وہ بھی سو گئے تھے اور اس نیند نے ایک نئی مصیبت میں گرفتار کر دیا۔

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا کہ اچانک چاروں طرف سے وحشیانہ آوازیں گونج اٹھیں، ہم بوکھلا کر جاگ گئے لیکن دیر ہو چکی تھی۔ چاروں طرف مشعلیں نظر آرہی تھیں۔

یقیناً مقامی وحشیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔

ٹولو اور اس کے ساتھی بھی بوکھلا کر کھڑے ہوگئے۔ ٹولو ان لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور پھر اچانک ٹولو کے منہ سے ایک آواز نکلی، اور وحشیوں کی آوازیں رک گئیں۔

ٹولو عجیب سے انداز میں چیخنے لگا، تب دو تین وحشی آگے بڑھ آئے، اور پھر ٹولو میں اور ان میں آوازوں کا تبادلہ ہونے لگا۔

اس کے بعد وحشی انوکھے انداز میں چلانے لگے، اور پھر وہ آگے بڑھ بڑھ کر مشعل کی روشنی میں ٹولو اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے لگے۔ میں حیرانی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

تب ٹولو قلقاریاں مارتا ہوا میرے نزدیک آگیا۔

• فکر کی بات نہیں ہے ماسٹر۔ وہ میرا قبیلہ ہے۔

• تمہارا —؟

• ہاں۔

• اوہ — انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے؟

• ہاں۔ وہ بے حد خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

• یہ تو اچھا ہوا، ورنہ ہمیں نہ جانے کن الجھنوں سے گزرنا پڑتا۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

• وہ مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہے ہیں ماسٹر۔

• کہاں؟

• قبیلے میں۔ ٹولو نے جواب دیا۔

• اوہ۔ ٹولو۔ میں تم پر کوئی پابندی عائد نہیں کروں گا، اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔

• میں — صرف میں ماسٹر۔ ٹولو نے حیرت سے کہا۔

• پھر —؟

• تم بھی تو چلو گے ماسٹر، ویسے اب ان سے میرا کیا تعلق۔ ہاں ان کی خواہش پر تھوڑے وقت کے لئے میں ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا تھا۔ وہ بھی اس شرط پر کہ اگر میرا چیف تیار ہو جائے۔"

• اگر تمہاری خواہش ہے تو میں تیار ہوں ٹڑبو۔" میں نے کہا اور ٹڑبو خوش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی زبان میں اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور ان لوگوں نے ہمارے گرد دائرہ تنگ کر دیا۔

اور پھر مشعلوں کی روشنی میں ہم لوگ چل پڑے۔ زیادہ طویل سفر نہیں کرنا پڑا تھا۔ درختوں کو عبور کر کے ہم جھونپڑیوں کی بستی میں داخل ہو گئے۔ جہاں کہیں کہیں روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

ایک بڑے احاطے میں ہمارے لئے بندوبست کر دیا گیا۔ رات کافی گذر چکی تھی، ہم احاطے میں ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

اسٹوکر بالکل خاموش تھا۔ میں نے دو ایک بار اس کی طرف دیکھا بھی لیکن وہ نہ جانے کس سوچ میں غرق تھا۔ میں نے بھی اسے مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور پھر صبح ہو گئی۔

ٹڑبو ہمارے پاس سے چلا گیا تھا، اس کے ساتھی موجود تھے۔

صبح کو ٹڑبو واپس آیا۔ اور آتے ہی مجھ سے لپٹ گیا۔

• تم ایک شاندار وقت پر آئے ہو ماسٹر۔ بڑی انوکھی بات ہے بہت ہی دلکش۔"

• کیا ہوا ٹڑبو۔"

• آج دن میں سرداری کے لئے مقابلے ہیں۔ وہ لوگ میری آمد سے بہت خوش ہیں۔"

• کیا مطلب۔"

• قبیلے کا سردار مر چکا ہے، اور ابھی تک نئے سردار کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔"

• کیوں۔"

• سردار کو مرے ہوئے آٹھ چاند گذر گئے ہیں، نواں چاند بھی گذر جائے تو سرداری کی گدی پر منحوس روحوں کا سایہ ہو جائے گا، اس لئے چاند سے پہلے سردار منتخب کر لیا جائے گا۔

• لیکن ابھی تک سردار کیوں منتخب نہیں کیا گیا؟"

• اس لئے کہ ان میں سفید ہاتھی کا شکاری ایک بھی نہیں ہے۔"

• اوہ۔"

• بے شمار لوگوں نے کوشش کی، لیکن آج تک کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔"

• ارے۔ پھر؟"

• چنانچہ اب عارضی سردار منتخب کر لیا جائے گا، اور اس وقت تک اس کی سرداری قائم رہے گی جب تک کوئی خود کو سرداری کا اہل نہ ثابت کر دے گا۔"

• سردار کس طرح منتخب ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

• باہمی مقابلوں کے ذریعہ۔" ٹڑبو نے جواب دیا۔

اور میں گردن ہلانے لگا۔

• بڑا لطف رہتا ہے چیف۔"

• یقیناً۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے ٹڑبو۔ یہ مقابلے کب سے شروع ہوں گے۔"

• کل سے چیف، کل سے کام شروع ہو جائے گا۔" ٹڑبو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

• تم بھی ان مقابلوں میں حصہ لو گے ٹڑبو؟" میں نے پوچھا۔

• میں؟" ٹڑبو مسکرایا۔ "میں کیا کروں گا چیف۔"

• کیوں؟"

• ارے میرا اب ان بستیوں سے کیا واسطہ رہ گیا ہے چیف۔ اب ان علاقوں کی سرداری مجھ سے نہ ہو سکے گی، میں تو اب تمہاری دنیا کا باسی ہوں!

• میری خواہش تھی ٹڑبو، تم اس مقابلے میں حصہ لیتے۔"

• ایک بات سن لو چیف۔ یہاں قبیلے میں جو سرداری کے لئے سامنے آئیں گے وہ ٹڑبو سے ہزار گنا بہتر ہوں گے۔ ٹڑبو مہذب دنیا میں جا کر مہذب ہو گیا ہے اور تہذیب بدن کی جان نکال لیتی ہے، اسے یاد رکھنا۔"

• کیا مطلب؟"

• بستی کے وحشی منٹوں میں میرا تیا پانچہ کر کے رکھ دیں گے۔"

• اوہ۔"

• میں ٹھیک کہہ رہا ہوں چیف، تم خود دیکھ لو گے۔"

• کیا شرائط ہوتی ہیں تمہارے یہاں مقابلے کی؟"

• کوئی شرط نہیں ہوتی، ہر ذی روح اس میں حصہ لے سکتا ہے۔"

• قبیلے سے باہر کے لوگ؟"

• فنون جنگ، ہمارے ہاں مذہبی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے عقیدہ کے مطابق ہر جنگجو ہر طاقتور دیوتاؤں کا پرتو ہوتا ہے، اس کا احترام اس کی سرداری سب کے لئے باعث برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اجنبی یا غیر اجنبی کی تمیز نہیں ہوتی ہے۔"

• اچھا۔ کمال ہے۔ اس طرح تو اور بھی الجھنیں پیش آ سکتی ہیں۔"

• وہ کیا چیف؟"

• بھئی قرب و جوار میں تمہارے دشمن قبیلے بھی ہوں گے۔"

• ہاں۔۔۔ ہیں۔"

• کیا ان میں سے کسی قبیلے کا کوئی طاقتور جوان تمہارے مقابلوں میں نہیں آ سکتا؟"

• آ سکتا ہے۔"

• اس طرح وہ سردار بن کر تمہارے قبیلے کو اپنی تحویل میں لے سکتا ہے۔"

• ہمارے قبیلے کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ہیں۔ لیکن اس کے لئے صرف اتنا کیا گیا ہے کہ مقابلوں کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے، ان کی خبر باہر نہیں پھیلنے دی جاتی۔"

• ہوں۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا، اور ٹڑبو خاموش ہو گیا۔

• ایک بات اور بتاؤ ٹڑبو۔" اچانک میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

• یس چیف۔"

• ان لوگوں نے ہمیں کیوں گھیرا تھا؟"

• گرفتار کرنے کے لئے چیف۔"

• کیوں۔۔۔ وہ ہمیں کیوں گرفتار کرنا چاہتے تھے؟"

• دراصل جنگلوں میں آنے والے اجنبی اچھے نہیں ہوتے۔ ان کے ہاتھوں سیاہ قبیلوں کو نقصان ہی پہنچتا رہتا ہے اس لئے وہ انہیں پسند نہیں کرتے، وہ انہیں گرفتار کر لیتے ہیں۔ اگر وہ گڑبڑ کرتے ہیں تو نوبت قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے، ورنہ وہ انہیں بے ہوش کر کے اتنی دور پھنکوا دیتے ہیں کہ وہ دوبارہ ان تک نہ پہنچ سکیں۔"

• خوب۔ تو ہم تمہاری وجہ سے بچ گئے۔"

• اوہ۔ وہ تمہیں کیا جانیں چیف۔ تمہاری شخصیت کے بارے میں کوئی مجھ سے پوچھے۔" ٹڑبو نے جواب دیا اور میں مسکرانے لگا۔

بہرحال ہماری حیثیت قیدیوں کی نہیں تھی۔ ٹڑبو کی بھی یہاں کوئی بہت بڑی حیثیت نہیں تھی، سوائے اس کے کہ وہ اسی قبیلے کا ایک فرد تھا۔ لیکن بہرحال کسی نے ہم سے باز پرس نہیں کی تھی۔ ٹڑبو کے ساتھی بھی اسی کی طرح وفادار تھے، اس قبیلے میں اب ان کا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے انہیں یہاں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ اب زیادہ تر میرے اور اسٹوکر کے ساتھ رہتے۔

اور پھر دوسرے دن دوپہر کو ہم مقابلے کے میدان میں پہنچ گئے۔ مقابلے کی رسومات شروع ہو گئیں۔ بہت بڑی جگہ میں پوری بستی کے لوگ دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔ چند معزز لوگ لکڑی کے مونڈھوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

تب ایک بوڑھے شخص نے تقریب کا افتتاح کیا، اس نے اپنی زبان میں کوئی تقریر کی، اور ٹڑبو میرے کان کے نزدیک اس کا ترجمہ کرنے لگا۔

وہ کہہ رہا تھا:

• قبیلے والو! ضرورت ہے نئے سردار کی۔ کیونکہ نواں چاند ڈوبنے والا ہے اور ہم خود پر نحوستیں مسلط نہیں کر سکتے۔ لیکن خیال ہے کہ طویل عرصہ کے بعد آسمان ہم سے ناراض ہے۔ دیکھو تو، پورے قبیلے میں ایک بھی جیالا وہ نہیں جو شکاری ہو سفید بلا کا۔ جبکہ کبھی کبھی ہی ایسا ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قبیلے کی ماؤں کے دودھ بے جان ہو گئے ہیں ان کے پیٹ خراب ہو گئے ہیں اب وہ ایسے نر نہیں پیدا کرتیں جو بہادری میں بے مثال ہوں۔

تو قبیلے والو، ہمیں عارضی رسم پوری کرنی ہے، اس وقت تک کے لئے سردار کا انتخاب کرنا ہے، جب تک کوئی حقدار ہمارے سامنے نہ آ جائے۔"

• ٹھیک ہے۔" سب نے جواب دیا۔

• اس لئے میں جیالوں کو مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں اور سرداری کا عارضی دعویدار کون ہے جو میدان میں آ کر دوسروں کو للکارے۔"

ایک دیو قامت سیاہ فام اندر داخل ہو گیا، اور لوگوں نے اس کے نام کے نعرے لگائے۔

• ہاکو۔" ایک شخص بولا۔ "ہاکو اپنا مقابل طلب کرتا ہے۔"

میرا خیال تھا اس شخص کی جسامت دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے پر نہیں آئیں گے، لیکن میں نے دیکھا، چھ سات آدمی ہتھیار سنبھالے ہوئے میدان میں آ گئے۔ تب ان کی جوڑیاں مقرر کر دی گئیں، اور بالآخر مقابلے شروع ہو گئے۔

میں اس قوی ہیکل شخص کو دیکھ رہا تھا جو واقعی کوئی خوفناک دیو تھا اور اس کے لڑنے کا انداز بھی ایسا ہی جارحانہ تھا۔ اس نے اپنے مقابل کو دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر مقابلہ شروع ہوا اور ہاکو نے اپنے مقابل کی تلوار پکڑ لی، پھر اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور گھما کر زمین پر دے مارا، اس کا مقابل دوبارہ کھڑا نہ ہو سکا تھا۔

اس کے لڑنے کے انداز کو دیکھ کر مجھے چکر آ رہے تھے۔ بہرحال پھر دوسرا آدمی اس کے مقابل آ گیا، اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ کُل میدان کے سروں پر بہت سے مقابلے ہو رہے، لیکن جیتنے والے ہاکو کے سامنے آتے اور شکست کھا کر لوٹ جاتے۔ میں نے ٹڑبو کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

• کیا تم اسے جانتے ہو ٹڑبو؟"

• پہچان نہیں سکا، بہت اچھا جوان ہے۔"

• تمہارے قبیلے ہی کا ہے؟"

• ہاں۔ میرے سامنے چھوٹا ہو گا۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ بھی شکاری نہیں ہے۔" ٹڑبو حیرت سے بولا۔

• تمہارا کیا خیال ہے، کیا وہ جیت جائے گا؟"

• شاید۔ ویسے بھی یہ عارضی مقابلے ہیں۔"

• کیا مطلب؟"

• بہت سے جوان اس میں حصہ نہیں لیتے۔"

• اوہ۔ دیکھو۔ وہ دیکھو۔" میں نے ہاکو کو ایک اور مقابل کو زیر کرتے ہوئے دیکھا۔

رات گئے تک مقابلے جاری رہے، ہاکو کو ابھی تک کوئی زیر نہیں کر سکا تھا اور اب چاروں طرف ہاکو ہاکو کی آوازیں گونج رہی تھیں، لیکن سورج چھپتے ہی مقابلہ روک دیا گیا۔

تب عارضی حکمرانوں نے پوچھا:

• کیا خیال ہے ساتھیو، کیا ہاکو کو فاتح قرار دے دیا جائے، یا ابھی کوئی اور باقی ہے؟"

اور تین چار جوان پھر نکل آئے۔

• تم لوگ جنگ کرو گے؟"

• ہاں۔"

• ٹھیک ہے، اور جتنے جوان مقابلے میں حصہ لینا چاہیں سامنے آ جائیں کل آخری دن رکھا جائے گا۔"

اور کئی جوان سامنے آ گئے۔ ہاکو خونخوار نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

بہرحال مقابلے دوسرے دن کے لئے ملتوی ہو گئے۔

رات کو ہم دیر تک ان مقابلوں پر تبصرہ کرتے رہے، ٹڑبو نے ہاکو کے بارے میں معلومات فراہم کر لی تھیں۔ وہ اس کے قبیلے کا جوان تھا لیکن بہت سے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ فطرتاً ظالم تھا۔ ٹڑبو نے کہا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہاکو کو کوئی شکست دیدے کیونکہ ہاکو کے سردار بننے کے بعد بہت سوں کو خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

• ہوں۔" میں نے کہا۔

بہرحال میرے ذہن میں کوئی تحریک نہیں پیدا ہوئی تھی۔ میں نارمل تھا۔ اور پھر یوں بھی مجھے کیا پڑی تھی ان ہنگاموں میں حصہ لینے کی، لیکن دوسرے دن عجیب واقعات ہوئے۔

مقابلے شروع ہوئے، ہاکو کل کی سی پوزیشن میں تھا۔ اس نے اپنے تین دشمنوں کو شکست دے دی تھی اور اب صرف دو باقی رہ گئے تھے تب ایک شخص نے عارضی حکمراں کے کان میں کچھ کہا۔ اور عارضی حکمران پریشانی سے دوسروں کی شکل دیکھنے لگا۔

پھر اس نے چند منٹ کے لئے مقابلے روک دیئے۔

• دوستو!" اس نے کہا۔ ٹڑبو کوئی بھی بات ہوتی اس کا ترجمہ مجھے بتاتا رہتا تھا۔ "دوستو! ایک نئی صورتحال سامنے آئی ہے، تمہارے علم میں ہے کہ ہم نے کچھ عرصہ قبل کچھ لوگوں کو گرفتار کیا تھا۔ یہ اجنبی ہمارے علاقے میں گھس آئے تھے۔ ان کے اچھے سلوک کی وجہ سے ہم نے سوچا تھا کہ کسی مناسب وقت انہیں آزاد کر کے واپس کر دیں گے، لیکن اجنبیوں کے سردار کا پیغام آیا ہے کہ وہ مقابلوں

میں حصّہ لینا چاہتا ہے۔"
• اوہ۔ کیا وہ جوان ہے؟" لوگوں نے پوچھا۔
• ہاں۔ تندرست ہے۔"
• تو پھر اسے مقابلوں میں حصّہ لینے سے نہیں روکا جاسکتا۔"
• لیکن اگر وہ جیت گیا تو کیا تم اسے سردار مان لوگے؟"
• عارضی سردار۔"
• ٹھیک ہے لیکن جب تک وہ سردار رہے گا ہمیں اس کے احکامات ماننا ہوں گے۔"
• یہی قبیلے کی رسم ہے۔"
• غور کرلو دوستو! میں کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا۔ قیدی ہے سردار بننے کے بعد وہ ہم سے انتقام بھی لے سکتا ہے۔ ہم اسے یہاں سے جانے سے بھی نہیں روک سکیں گے۔"
• قبیلے کی رسم یہ نہیں ہے۔ اگر وہ مقابلہ جیت جائے تو اجنبی ہونے کی حیثیت سے اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ ممکن ہے سردار بننے کے بجائے اس کے مطالبات کچھ اور ہوں۔"
• ہاں یہ ممکن ہے۔"
• ایسی صورت میں کیا ہوگا؟"
• قبیلے کا قانون کیا کہتا ہے؟"
• جنگ، اور اس کا فاتح ہمارے لئے مذہبی طور پر قابل احترام ہوتے ہیں۔ ان کی ہر خواہش کا احترام ہم پر فرض ہے۔ ہاں اگر وہ سرداری بننا چاہے تو اس کے سامنے شرائط رکھ دی جائیں۔"
• اور اگر وہ اسے قبول نہ کرے؟"
• تو پھر اسے مذہبی قیدی قرار دیا جائے گا۔"
• ٹھیک ہے، ایسی صورت میں اسے جنگ میں حصّہ لینے دیا جائے۔"
اور یہ بات طے ہوگئی، لیکن ہم اور ٹوبو حیران تھے۔
• کیا یہاں کچھ اور قیدی بھی ہیں ٹوبو؟"
• اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا ماسٹر۔"
• نواب فیروز الدین اور کرنل ڈکسن وغیرہ تو نہیں ہوسکتے۔ وہ اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟"
• ممکن ہے پہنچ گئے ہوں۔"
• لیکن کیسے؟"
• افریقی جنگلوں کے بارے میں کون کیا کہہ سکتا ہے صیب۔"
• اوہ۔ اگر ایسی بات ہے تو۔ تو۔"
• تو کیا ماسٹر؟" ٹوبو نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
• ان میں سے کون ہے جو ایسے مقابلے میں حصّہ لے سکے ٹوبو؟" میں پُرخیال انداز میں بولا۔
• کوئی بھی نہیں ہے ماسٹر۔"
• پھر؟"
• لیکن کیا ضروری ہے کہ وہ لوگ ہی ہوں۔"
• خیر سامنے آجائے گا جو کچھ ہوگا۔" میں نے کہا، دوسری طرف ہاکو اپنے دشمنوں کا صفایا کررہا تھا۔
• بلاشبہ غضب کا لڑاکا ہے۔" ٹوبو نے تعریفی انداز میں کہا۔

• لیکن وہ سردار، جو تمہاری روایات پر پورے اترتے ہیں، کیا اس سے زیادہ دلیر اور طاقتور ہوتے ہیں؟"
• میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے، نہ جانے ہاکو اب تک سفید ہاتھی کیوں نہیں شکار کرسکا۔ بعض اوقات یہ بھی تو ہوتا ہے ماسٹر کہ جیالوں کو تلاش کے باوجود سفید ہاتھی نہیں ملتے۔"
• کیا سفید ہاتھی بہت طاقتور ہوتے ہیں؟"
• ہاں ہوتے تو ہیں۔ ان کی جسامت غیر معمولی ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات سیاہ ہاتھیوں میں ان سے زیادہ طاقتور ہاتھی نکل آتے ہیں۔ بس یہ ایک روایت ہے جسے پورا کیا جاتا ہے۔"
ہاکو نے آخری آدمی کو شکست دے کر فتح کا نعرہ لگایا اور پھر وہ وحشی درندوں کی طرح غرّانے لگا، وہ وحشیانہ انداز میں چیخ چیخ کر اپنے کسی مقابل کو پکار رہا ہے۔
• چند ساعت آرام کر ہاکو: تیرا مقابل آنے والا ہے۔"
• اوہ — اور کوئی ہے۔ کون دیوانہ ہے۔ آؤ — سامنے آؤ۔ اب میں تمہارے جسموں کی ہڈیاں توڑدوں گا تاکہ تمہیں میرے سامنے آنے کی سزا ملے۔" ہاکو وحشت سے بولا۔
تب چند لوگ قیدیوں کو لے کر آئے، اور جب قیدی سامنے آئے تو اسٹوکر اچھل پڑا۔
• میرے خدا — میرے خدا!" اس کے منہ سے نکلا۔
• کیوں؟" میں چونک پڑا۔
• یہ — یہ وہائٹ ہے۔ آہ۔ یہ شخص وہائٹ ہے، اور اس کے عقب میں اس کے ساتھی ہیں۔ وہ دوسرا شخص اسنوڈ ہے۔ میری۔ میری گلوریا بھی ان کے ساتھ ہی ہوگی، آہ میری بچی — میری بچی۔"
اسٹوکر بے اختیار ہوگیا۔ میں نے اس کے شانے کو دبوچ لیا۔
• خود پر قابو پاؤ اسٹوکر، دیکھو تو سہی، کیا حالات پیش آتے ہیں۔"
• میری بچی — میری بچی!"
• وہ ان میں ہی ہوگی!" میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔
• یہ تو بہت اچھی بات ہے مسٹر اسٹوکر، تمہاری لڑکی کو یہاں وہائٹ کے پنجے سے چھڑایا جاسکتا ہے، میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا۔"
• لیکن ان میں سے کون ہاکو سے مقابلہ کرے گا؟" میں نے پھر سوال کیا اور اس بات کا جواب جلد ہی مل گیا۔ وہائٹ آگے بڑھ آیا اور اس نے کہا۔
• میں مقابلے میں حصّہ لینا چاہتا ہوں۔"
• ہمارے قانون کے مطابق تو اس مقابلے میں حصّہ لے سکتا ہے اجنبی۔ لیکن اس کے لئے کچھ شرائط ہوتی ہیں۔" ایک سیاہ فام نے کہا، اور اس کے منہ سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی مجھے عجیب لگی۔
• کیا شرائط ہیں؟"
• تو مقابلے میں حصّہ کیوں لینا چاہتا ہے؟"
• یہ مقابلہ سرداری کے لئے ہے؟"
• ہاں۔"
• اور تمہارے قانون کے مطابق سردار بن جاتا ہے۔"
• ہاں۔"
• تو میں بھی سردار بننا چاہتا ہوں۔"

سردار بننے کے بعد تو کیا کرے گا؟"
تمہارے درمیان رہوں گا، تمہاری ترقی اور بہتری کے لئے سوچوں گا۔"
نے جواب دیا۔
ہاں۔ یہ ٹھیک ہے، لیکن تو قبیلے والوں سے انتقام نہ لے سکے گا۔ تجھے ساتھ اچھا سلوک کرنا پڑے گا۔ تجھے قبیلے کا خزانہ لوٹ کر جانے نہیں دیا گا۔ ہاں اپنی فتح کے عوض اگر تو کچھ طلب کرے گا تو قبیلہ تجھے وہ سب کچھ جو تیری طلب ہوگی۔"
مجھے منظور ہے۔" وہائٹ نے کہا۔
تو کیا پسند کرے گا؟"
یہ جنگ جیتنے کے بعد سوچوں گا۔" وہائٹ نے جواب دیا۔
میں اس شخص کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کافی قوی ہیکل تھا۔ جبڑوں کی بناوٹ ناراور سنگدل معلوم ہوتا تھا۔ جسم کی بناوٹ بے حد ٹھوس تھی اور کافی معلوم ہوتا تھا۔
ٹھیک ہے۔ اب تم اپنے مقابل سے ملاقات کرو۔"
اور قوی ہیکل ہاکو کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے وہائٹ ساکت رہ گیا۔ لیکن ہمت تھا۔ اس نے گردن ہلائی اور پھر اس نے اپنا کوٹ اتار دیا اور پھر بی۔
دیوانہ ہے۔" اسٹوکر کے منہ سے نکلا۔
• میرا خیال ہے دیوانہ نہیں ہے۔" میں آہستہ سے بولا۔
• لیکن ماسٹر؟" اچانک ٹوبو نے میرے نزدیک چہرہ کرکے سرگوشی کی۔
• ہوں؟"
• اوّل تو اس کے جیتنے کے امکانات کم ہیں، لیکن اگر یہ جیت جائے تو کیا رے لئے بہتر ہوگا؟"
• کیوں؟"
• کیا وہ مسٹر اسٹوکر کی بیٹی کو اس کے حوالے کردے گا؟"
• ہاں۔ یہ تو ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔
اور پھر ہم ان دونوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ہاکو اور وہائٹ نیزے سنبھالے ایک دوسرے کے مقابل آگئے تھے

◇

ہاکو حقارت بھری نگاہوں سے وہائٹ کو دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر شدید نفرت کے آثار تھے، پھر اس نے ہونٹ ٹیڑھے کرکے کہا۔ "آخر تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی تھی سفید اجنبی، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
وہائٹ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ نیزہ پکڑے ہوئے پینترے بدل رہا تھا، اور اس کی نگاہیں بلی کی نگاہوں کی مانند ہاکو کے ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں۔ ہاکو کے ہاتھ اور اور اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ تاکہ آثار چہرے سے پڑھ لے اور ہاتھوں کی جنبش سے محفوظ رہ سکے۔
• ٹوبو!" میں نے ٹوبو کو مخاطب کیا۔
• ماسٹر؟" ٹوبو نے آہستہ سے جواب دیا۔
• اس مقابلے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"
• جوڑ تو نہیں ہے ماسٹر۔" ٹوبو نے جواب دیا۔
• یعنی؟"

• ہاکو چٹان کی طرح سخت ہے، بے شک وہ بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"
• اس شخص کو میں نے بھی پہلی بار دیکھا ہے، لیکن ٹوبو، مجھے اس کے تیور اچھے نہیں نظر آتے۔"
• کس کے ماسٹر؟"
• میں وہائٹ کی بات کررہا ہوں۔"
• اوہ۔ تمہارا کیا خیال ہے ماسٹر؟"
• آدمی خطرناک نظر آتا ہے۔"
• ذہنی طور پر ہوگا ماسٹر، جسمانی طور پر ہاکو کا مقابل نہیں ہے ماسٹر۔" ٹوبو نے جواب دیا۔
• ہوں۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا، بہرحال نتیجہ جو کچھ ہوگا سامنے آجائے گا۔ لیکن میں اس خطرناک شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا، اگر اس نے ہاکو کو زیر کرلیا تو نہ جانے یہ کونسی حیثیت طلب کرے، اگر اس نے قبیلے کی سرداری قبول کرلی اور ان لوگوں کی شرائط مان لیں تب وہ پورے قبیلے کے لئے محترم ہوجائے گا اور اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ ان لوگوں کی مدد سے بُرا سلوک بھی کرسکتا تھا۔ چنانچہ اس کے برعکس ہاکو کا جیتنا زیادہ مناسب تھا۔
تب اچانک ہاکو نے وہائٹ پر خوفناک حملہ کردیا۔ اس کا نیزہ وہائٹ کی بغل سے نکل گیا اور خود اس کا بدن وہائٹ سے ٹکرایا، اس وقت مجھے اس شخص کی خوفناک جسمانی قوت کا اندازہ ہوا۔ اس کا بدن جس وقت ہاکو جیسے پہاڑ سے ٹکرایا تھا، تو توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ سخت زخمی ہوجائے گا، لیکن وہائٹ نے آرام سے ہاکو کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیل دیا اور پھر مقابلے کے لئے تیار ہوگیا۔
خود ٹوبو کے چہرے پر شدید حیرت تھی، اس نے فوراً مجھے مخاطب کیا:
• ماسٹر!
• ہوں؟" میں نے جواب دیا۔
• دیکھا تم نے؟"
• ہاں ٹوبو۔" میں طویل سانس لیکر بولا۔
• نہیں ماسٹر، کیا یہ ناقابل یقین بات نہیں ہے؟"
• وہ بے حد طاقتور بھی معلوم ہوتا ہے ٹوبو۔"
• آثار زیادہ اچھے نہیں نظر آتے ٹوبو۔" میں نے پُرخیال انداز میں دونوں جنگجوؤں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دونوں پینترے بدل رہے تھے۔ وہائٹ کا چہرہ پُرسکون تھا۔ اس کی آنکھوں میں ذرا بھی تردد نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بدستور ہاکو پر نگاہ رکھے ہوئے لڑنے کی جگہ پر ایک دائرے میں گھوم رہا تھا۔
اور پھر اچانک وہائٹ نے ہاکو پر وار کیا، ہاکو نے پینترہ بدل کر اس کا وار روکا۔ لیکن وہائٹ نے انتہائی پھرتی سے نیزہ دوسرے ہاتھ میں لے کر دوسری طرف سے وار کردیا۔ ہاکو نے پوری توجہ اسی ہاتھ پر صرف کردی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ نیزہ دوسرے ہاتھ میں کیسے پہنچ گیا اور یہ کہ کیا دوسرے ہاتھ سے بھی بھرپور وار کیا جاسکتا ہے۔
نیزے کی انی اس کی پسلیوں پر چڑھے گوشت کی تہوں میں ایک گہرا زخم لگاتی چلی گئی، صرف دو انچ کا فرق ہوتا تو نیزہ ہاکو کی پسلیوں کے اندر ہوتا۔
بہرحال ہاکو زخمی ہوگیا تھا۔ سرخ۔ گہرا سرخ لہو اس کے بدن سے اچھل اچھل کر زمین پر گر رہا تھا۔ لیکن ہاکو کو اس کی پرواہ نہیں تھی، وہ اب پہلے سے زیادہ خونخوار ہوگیا تھا، اس نے نیزہ دونوں ہاتھوں سے پکڑلیا تھا اور اس کی خوفناک چمکدار آنکھیں وہائٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ لیکن وہائٹ کا چہرہ

دیکھ کر مجھے شدید حیرت تھی۔

وہ اب بھی پُرسکون تھا، بڑے ہی ٹھنڈے دماغ کا ہے یہ شخص، اور بڑے زبردست اعصاب ہیں اس کے، میں نے دل میں سوچا، ٹوبو اضطراب سے ہاتھ مل رہا تھا۔

• کیوں ٹوبو؟ میں نے اسے مخاطب کیا۔

• ماسٹر!

• کیا بات ہے، کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟

• پریشان تو نہیں ہوں ماسٹر۔

• پھر کیا بات ہے؟

• مقابلہ بے حد سنسنی خیز ہے۔

• ہاکو زخمی ہو گیا ہے۔

• ہاں، لیکن یہ زخم اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

• خون کی رفتار دیکھ رہے ہو؟

• ہاں ماسٹر، لیکن اس کے بدن میں بہت خون ہے۔

• گویا تم اب بھی ہاکو کے حق میں ہو؟

• حق کی بات نہیں ہے ماسٹر۔ اوہ۔ اوہ۔ وہ دیکھو۔ اچانک ٹوبو نے کہا اور درحقیقت اس بار ہاکو نے وہائٹ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس نے نہ جانے کونسے داؤ سے اپنے نیزے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے وہائٹ کی گردن میں پھنسا دیا تھا، اور وہائٹ ایک لمحے کے لئے اپنے نیزے سمیت بے بس ہو گیا تھا۔

اور یہ صورتحال واقعی خوفناک تھی۔ ہاکو کے درختوں کی ٹہنیوں جیسے بازوؤں کی قوت کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ ہاکو اب اسی نیزے سے دبا کر اس کی گردن گھونٹ دے گا۔ وہائٹ سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح سُرخ ہو رہا تھا۔ گردن کی رگیں پھول رہی تھیں۔ وہ دانت بھینچے ہوئے قوت صرف کر رہا تھا۔ دوسری طرف ہاکو کی بھی یہی کیفیت تھی۔ لیکن میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہائٹ معمولی انسان نہیں ہے۔ وہ لڑائی کے فن سے بخوبی واقف ہے۔ اس وقت وہ ہاکو کے شکنجے میں تھا اور ہاکو کو اپنی قوت سے زیر نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ اس نے ایک بہترین کوشش کی اور کامیاب رہا۔ ہاکو صرف نیزے کو اپنی طرف کھینچ کر وہائٹ کی گردن دبا دینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے قدم جمانے پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور وہائٹ نے یہ بات سمجھ لی۔ چنانچہ اچانک اس نے اپنے بدن کی قوت بائیں طرف منتقل کر دی۔ چونکہ ہاکو کے قدم مضبوطی سے نہیں جمے ہوئے تھے، اس لئے وہ اکھڑ گیا اور چونکہ خود بھی ڈس بیلنس ہو گیا تھا اس لئے بے ساختہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں اس نے نیزے پر گرفت چھوڑ دی۔ وہائٹ کے لئے یہ موقع کافی تھا، اس نے نہایت پھرتی سے ہاکو کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی۔

اور ہاکو کروٹ کے بل جا پڑا، وہائٹ نے اس موقع سے فائدہ اگر نہ اٹھایا ہوتا تو وہ دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہوتا وہ سانپ کی طرح پلٹا اور اس نے نیزہ پوری قوت سے ہاکو کی پسلیوں میں گھسیڑ دیا نیزے پر اتنی قوت صرف کی گئی تھی کہ وہ ہاکو کے پیٹ سے گذر کر دوسری طرف نکلا اور زمین میں گڑ گیا۔

ایک خوفناک شور بلند ہو گیا۔ ہاکو کا بدن نیزے میں پرویا ہوا تڑپ رہا تھا، اور نیزہ زمین میں اتنا گڑا ہوا تھا کہ ہاکو کی اچھل کود سے بھی نہ اکھڑا۔

• وہی ہوا ماسٹر، جس کی تم نے پیشن گوئی کی تھی۔ ٹوبو آہستہ سے

• لیکن ٹوبو، گڑبڑ نہیں ہو گئی؟ میں نے پوچھا۔

• کیسی گڑبڑ؟

• ہاکو وہائٹ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

• نہیں ماسٹر، اس میں گڑبڑ کی کیا بات ہے؟

• کیوں؟

• وہ جنگ کر رہے تھے کھیل نہیں رہے تھے۔

• لیکن ہاکو نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔

• یہ اچھی بات تھی، لیکن اگر مقابل قتل ہو جائے تو کسی پر ذمہ داری نہ ہوتی۔ ٹوبو نے کہا۔

• اوہ۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

ہاکو کا بدن تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا تھا اور بہت سے لوگوں نے وہائٹ کو گھیر لیا تھا۔

• یہ اچھا نہیں ہوا ماسٹر۔ ٹوبو نے کہا۔

• کیا۔۔؟

• اقتدار ایک کم ظرف کے ہاتھ میں چلا گیا۔

• تو کیا اب وہائٹ سے کوئی مقابلہ نہیں کرے گا؟

• مشکل ہے چیف، نوجوانوں نے اس کی پھرتی دیکھ لی ہے۔ ٹوبو [illegible] انداز میں بولا۔

میں نے میدان کی طرف دیکھا، چند بوڑھے قبائلی وہائٹ کا پسینہ خشک کر رہے تھے، پھر ان میں سے ایک نے وہائٹ کی طرف سے نوجوانوں کو [illegible] کیا اور چیخنے والے خاموش ہو گئے۔

• بستی والو، قبیلے والو! کوئی جوان نہیں ہے جو اس سفید قیدی کے مقابلے پر آئے۔ اس سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس سے قبل تو بستی کے جوان [illegible] بزدل نہیں ہوئے تھے، کیا تم اپنا باپ بدل دو گے، کیا تم اپنے کھیت اسے [illegible] دو گے، بستی والو، کوئی جوان اس کے مقابلے پر نہیں آئے گا، کیا اس کی فتح [illegible] کا اعلان کر دیا جائے؟

لیکن بستی کے جوان خاموش تھے، جنہیں لڑنا تھا، لڑ چکے تھے۔ لڑنے [illegible] خاموش ہو گئے تھے۔ اب کون تھا جو وہائٹ کے مقابلے پر آتا، وہائٹ کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

• ٹوبو۔ میں نے ٹوبو کو پکارا۔

• استاد!

• یہ تو ٹھیک نہیں ہوا۔

• ہاں استاد، یہ ٹھیک نہیں ہوا۔

• کیا تم بھی اپنے قبیلے کی مدد نہیں کرو گے؟

• میں؟ وہ چونک پڑا۔

• ہاں، تم!

• تم کہتے ہو تو خودکشی کر لوں باس!

• نہیں ٹوبو، میں تمہارا شاگرد بھی ہوں۔

• میں نہیں سمجھا استاد۔

• میں سمجھاتا ہوں۔ میں نے کہا اور پھر میں مجمع چیر کر آگے بڑھ گیا۔ ٹوبو ہکا بکا رہ گیا تھا۔

• گراڈلے، ادھر آؤ۔ میں نے گراڈلے کو پکارا، اور گراڈلے اور ٹو[بو]

میرے پاس پہنچ گئے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس کا ترجمہ کرو۔

• کیا کہنا چاہتے ہو ماسٹر؟ ٹوبو نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

• ٹوبو، براہ کرم میرے درمیان مت بولو، میری درخواست ہے۔

• باس۔

• بستی والو! میں نے دار لہجے میں بولا اور ساری نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ بستی والو، گراڈلے نے اپنی زبان میں کہا۔

• میں تمہاری بستی سے تعلق نہیں رکھتا، لیکن میرا تمہاری بستی سے گہرا تعلق ہے، میں نہیں چاہتا کہ سفید نسل کا کوئی انسان تم پر حکمرانی کرے۔ تم ان سفید لوگوں کے بارے میں جانتے ہو۔ یہ تمہاری بستی کو تباہ کر دینگے یہ تمہارے خزانے خالی کر دیں گے۔ سفید قیدی بے حد چالاک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کیوں تمہارا حکمران بننا چاہتا ہے۔ بہرحال ٹوبو تمہاری بستی کا نوجوان جسے تم نے نظر انداز کر دیا تھا اور جوان مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے صرف اس لئے تیار نہیں ہوا کہ تم نے اسے اس کا صحیح مقام نہیں دیا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے آمادہ کر لیا کہ وہ سفید فام کے ہاتھوں سے اپنی قوم کو بچانے کے لئے سفید فام سے مقابلہ کرے گا۔ ایسی شکل میں میں جو ٹوبو کا شاگرد ہوں کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ میرا استاد کسی ایسے معمولی لڑکے سے مقابلہ کرے جسے اس کا شاگرد ہی شکست دے سکتا ہے۔ چنانچہ بستی والو، میں اپنے استاد کے نام پر سفید فام سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔

• یہ۔۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ٹوبو غرایا۔

• یہی ہو گا ٹوبو، تم مداخلت مت کرو۔ میری آواز حد درجے سرد تھی۔

• میں۔ میں خود اس سے مقابلہ کروں گا۔

• ناممکن ہے، تم واپس جاؤ ٹوبو، یہ میرا حکم ہے۔

ٹوبو عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا، اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لیکر واپس لوگوں میں پہنچ گیا۔ گراڈلے میرے الفاظ کا ترجمہ کر رہا تھا۔ اور بستی والے میری طرف اشارے کر رہے تھے۔ وہائٹ بھی عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ تب ایک بوڑھے نے اعلان کیا:

• ٹوبو کا ساتھی مقابلہ کر سکتا ہے۔

اور پھر دوسرے لوگ پیچھے سرکنے لگے، یہاں تک کہ میدان میں وہائٹ اور میں رہ گئے۔ ہم دونوں کے ہاتھوں میں نیزے دے دیئے گئے تھے وہائٹ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

• ہیلو۔ وہ آہستہ سے بولا۔

• ہیلو۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

• کیا نام ہے دوست؟

• سرفراز۔

• ایشیائی ہو؟

• ہاں۔

• چالاک ہو۔ میں تم سے متاثر ہوا ہوں۔

• شکریہ۔ میں نے گردن خم کر کے کہا۔

• تم نے بستی والوں کی ہمدردیاں حاصل کر لی ہیں۔

• میں نے غلط نہیں کہا ہے۔

• ہیروں کی تلاش میں آئے ہو؟

• یہی سمجھ لو۔

• میں بہت طاقتور ہوں۔

• میں دیکھ چکا ہوں۔ میں نے جواب دیا۔

• ویسٹ جرمنی کے ایک کلب میں پرانے فنون سپہ گری کی تربیت دے چکا ہوں۔

• بہت خوب۔

• تم ہار جاؤ گے۔

• میدان میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں، فتح یا شکست۔ میں نے کہا۔

• میں کچھ اور چاہتا ہوں۔ وہائٹ بولا۔

• کہو۔

• مقابلہ مت کرو، میرے پاس شاندار اسکیم ہے، میں تمہیں بھی شریک رکھوں گا، مل کر کام کریں گے۔ میں تمہیں ہیروں کا اتنا ذخیرہ دوں گا کہ زندگی بھر عیش کرو گے۔

• خوفزدہ ہو؟ میں مسکرایا۔

• نہیں۔ وہائٹ کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

• تب پھر آ جاؤ۔

• اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہے؟

• ہرگز نہیں۔

• میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ وہائٹ دانت پیس کر بولا۔

• لیکن میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔

• آؤ۔ وہائٹ غرایا اور ہم دونوں مقابل آ گئے، بڑا دلچسپ مقابلہ تھا ان جنگلیوں کے لئے جس میں ان کی بستی کا کوئی جوان شریک نہیں تھا۔ لیکن ان کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں۔ رہ گیا ٹوبو ۔۔۔ تو اس کی نہ جانے کیا حالت تھی میں نے اسے نوٹ نہیں کیا۔

• سنبھلو۔ وہائٹ نے کہا اور اس کے ساتھ ہی نیزے کو چھوڑ کر اس کا سرا پکڑ لیا۔ نیزے کی انی میری طرف لپکی اور میں نے صرف ایک انچ جگہ چھوڑ دی۔ اور نیزہ میرے برابر سے نکل گیا۔

وہائٹ نے جلدی سے اسے واپس کھینچ لیا، اور دوسرے لمحے وہ میرے اوپر پل پڑا۔ انی سیدھی میرے سینے کی طرف آئی تھی، لیکن میں نے اپنے نیزے سے اوپر اٹھا دیا۔

وہائٹ میری جسارت سے خوفزدہ نہیں تھا، اس لئے میرے قریب ہو کر لڑ رہا تھا۔ بڑے خوفناک حملے کئے تھے اس نے۔ لیکن میں اسے ٹال دیتا رہا اور اس کا ایک بھی وار کارگر ثابت نہیں ہو سکا۔ اور پھر وہ ایک دم دور ہو گیا، شاید قریب کے وار کارگر نہ ہوتے دیکھ کر اس نے کوئی نئی چال سوچی تھی۔ اور اس کا سب سے پہلا وار مجھے یاد تھا۔

میں اس کے لئے تیار ہو گیا۔

اگر یہ وار کارگر بھی ہو جاتا تو بھرپور نہیں ہو سکتا تھا۔ وہائٹ مجھے صرف زخمی کر سکتا تھا۔ لیکن کاش وہ وہی وار کرے۔ میں نے دل میں سوچا اور میرا خیال غلط نہیں نکلا۔ وہائٹ نے نیزہ ایک دم میری طرف پھینکا اور اس کا سرا پکڑ لیا۔ یہ چشم زدن میں ہوا تھا اور وہ بھی چشم زدن میں ہی ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔ میں نے نہ صرف اپنی جگہ بدلی، بلکہ اپنا خالی ہاتھ وہائٹ کے نیزے کی انی سے کچھ نیچے ڈال دیا اور پھر میرا بھرپور جھٹکا ہی میری مدد کر سکتا تھا۔ اگر میری گرفت ذرا بھی کمزور ہوتی اور مجھ سے پہلے وہائٹ جھٹکا مار دیتا تو میرا ہاتھ بہ آسانی کٹ سکتا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے نیزہ میرے ہاتھ میں تھا۔ وحشیوں میں ایک غلغلہ اٹھا، دشمن سے اس کا ہتھیار چھین لینا معمولی

نہیں ہوتی۔ وہائٹ حیران و پریشان کھڑا رہ گیا تھا، میں نے دونوں نیزے سنبھالے اور وہائٹ گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"کلہاڑیوں کے بارے میں کیا خیال ہے مسٹر وہائٹ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایں؟" وہ چونک پڑا۔

"مغربی جرمنی کے کلب میں تم فنون سپہ گری میں کلہاڑیوں کی تربیت بھی دیتے رہے ہو گے؟" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں۔" وہائٹ عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہمیں کلہاڑیاں دو۔" میں نے چیخ کر کہا اور ایک سیاہ فام دو عمدہ سی کلہاڑیاں لے آیا۔ میں نے نیزے اس سیاہ فام کے حوالے کر دیئے اور ایک کلہاڑی وہائٹ کی طرف اچھال دی۔ وہائٹ نے کلہاڑی لپک لی تھی اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"سنو۔"

"کیا؟" میں نے کلہاڑی ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم کلہاڑی چلانے میں بھی اسی طرح ماہر ہو جس طرح نیزے بازی میں؟"

"میں تمہیں فتح کا پورا پورا موقع دوں گا وہائٹ۔"

"میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو۔ کہو۔"

"میں زیادہ ماہر نہیں ہوں۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ دراصل میں نے سوچا تھا کہ ان سیاہ فاموں کو میں صرف چالاکی سے شکست دے سکتا ہوں اپنے تھوڑے بہت فن سے بھی کام لے رہا تھا، لیکن تم بہادر بھی ہو، چالاک اور پھرتیلے بھی۔ ممکن ہے میں تمہارے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔"

"پھر کیا مقصد ہے مسٹر وہائٹ، جلدی کہو۔"

"میں تم سے شکست مان لیتا ہوں۔"

"ارے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، جو کام میں نہ کر سکوں، اس میں پیچھے ہٹ جانا بہتر سمجھتا ہوں۔"

"خوب، پھر کیا ارادے ہیں؟"

"دو چار داؤ کے بعد میں کلہاڑی پھینک کر تم سے شکست تسلیم کر لوں گا لیکن اس کے بعد ایک شرط ہو گی۔"

"بولو۔"

"تم مجھے اپنے ساتھ شامل کر لو گے؟"

"اس کے بعد؟"

"جو کچھ تم حاصل کرو گے، اس میں میرا اور میری پارٹی کا بھی حصہ ہو گا۔"

"لیکن میں تمہاری شرط کیوں مانوں؟"

"میں تمہارے لئے بہت کارآمد ثابت ہوں گا۔"

"معاف کرنا، مجھے کارآمد لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو شروع ہو جاؤ۔" میں نے کلہاڑی آگے بڑھائی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"سنو۔ سنو۔ خدا کے لئے سنو تو سہی۔"

"کیا بزدلی ہے وہائٹ، مقابلہ کرو۔" میں نے اسے للکارا۔

"اچھا اچھا۔ سنو۔ ٹھیک ہے کوئی شرط نہیں ہے لیکن بعد میں میرے معاملے میں ہمدردی سے غور کرنا۔ چلو۔ حملہ کرو۔" وہائٹ بولا، اور مجھے اس بزدل انسان پر ہنسی آنے لگی۔ عجیب تھا۔ بہرحال میں نے یونہی اس کی طرف کلہاڑی بڑھائی اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اور پھر میں نے بے دلی سے کئی وار کئے

لیکن وہ اناڑیوں کے سے انداز میں پینترے بدلتا رہا۔ اور پھر میں نے اسے اشارہ کیا کہ وہ بھی وار کرے۔ میں نے اسے چھوٹ دے دی تھی۔

لیکن وہائٹ کے پہلے ہی وار پر میں چوکنا ہو گیا، بس قسمت ہی تھی جو گردن پیچھے ہٹ گئی، ورنہ نہ جانے کہاں پڑی ہوتی، اور میرے زمین میں چنگاریاں دوڑ گئیں۔

ذلیل وہائٹ نے چالاکی سے کام لے کر مجھے قتل کرنا چاہا تھا۔ اور یہ صرف اتفاق تھا کہ اس کا پہلا وار کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ یہ اس کا کامیاب ترین وار تھا۔ اس ناکامی کے خوف سے وہ پاگل ہو گیا اور پھر اس نے اندھادھند حملے شروع کر دیئے۔ درحقیقت اس فن میں بھی وہ کم نہ تھا، میں کئی بار بچا اور مشکل سنبھل سکا۔

لیکن چند ہی منٹ کے بعد میں سنبھل گیا۔ اور پھر میں خونی نگاہوں سے اسے گھورتا ہوا آگے بڑھا۔ میں نے ایک خوفناک وار کیا جسے وہائٹ نے دونوں ہاتھوں سے کلہاڑی کا دستہ پکڑ کر اس پر روکا اور میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے دوسرا وار کیا اور وہائٹ نے پیچھے چھلانگ لگا دی اور کلہاڑی پھینک دی۔

"نہیں۔ میں شکست تسلیم کرتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وحشیوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی اور میں ہونٹ بھینچے وہائٹ کو گھورتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

"لیکن اس کے باوجود میں تمہیں قتل کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ میدان سے بھاگ نکلا، اور پھر میں نے اس بزدل کا تعاقب مناسب نہیں سمجھا۔ کچھ جنگلیوں نے اسے تھوڑے فاصلے پر دبوچ لیا تھا۔

ٹوبو اور اس کے ساتھیوں نے مجھے کندھوں پر اٹھا لیا، اور اس کے بعد میں عجیب عجیب مصیبتوں میں پھنس گیا۔ وحشیوں نے طرح طرح کی رسوم شروع کر دیں جن کا نشانہ میں تھا۔ میرے باہر کی دنیا کا فرد ہونے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑا تھا، کیونکہ ان لوگوں پر میری نیت واضح ہو گئی تھی اور ٹوبو نے انہیں جو کچھ بتایا اس کی وجہ سے وہ میرے اور گرویدہ ہو گئے تھے۔

بہرحال انوکھی رسوم سے نجات ملنے کا کوئی ذریعہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں نے تنگ آ کر ٹوبو سے کہا۔

"ٹوبو!"

"میرے عظیم بھائی۔" ٹوبو نے قربان ہو جانے والے انداز میں کہا۔

"عجیب بھائی ہو یار۔ کن مصیبتوں میں پھنسا رکھا ہے۔"

"ان غیر مہذب انسانوں کے پاس خلوص کے اظہار کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا ماسٹر، ان کی خوشی پوری ہونے دو۔ اس احساس نے انہیں اور خوش کر دیا ہے کہ تم ان کے ہمدرد ہو۔"

"لیکن حضور، میں تو آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں، اور میں نے یہ مقابلہ اپنے استاد کے لئے کیا ہے، اب میں نہیں پھنسوں گا۔"

"میں اعتراف کرتا ہوں ماسٹر، اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو مارا جاتا۔"

"کچھ بھی ہو۔"

"اس موضوع پر ہم پھر بات کر لیں گے۔"

"مگر اب ہو گا کیا؟"

"صرف چند رسومات باقی ہیں۔ اس کے بعد تم سے سوالات پوچھے جائیں گے۔"

"کیسے سوالات؟"

"جن کے بارے میں میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"لیکن اب یہ سوالات مجھ سے کرنے کی ضرورت کیوں رہ گئی ہے؟"

"کیوں باس؟"

"میں نے تو تمہارے لئے جنگ کی تھی۔"

"اس کا فیصلہ وہی لوگ کریں گے۔"

"میرے لئے تو یہاں رہنا کسی طور ممکن نہیں ہو گا۔"

"مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو چیف؟"

"کیوں ٹوبو؟"

"تم مجھے سردار بنانا چاہتے ہو۔"

"اوہ۔ لیکن یہ تو تمہاری خواہش تھی۔"

"کبھی تھی چیف، اب تو نہیں ہے۔"

"اب کیوں نہیں ہے؟"

"تمہاری غلامی میں جو لطف ہے۔ وہ قبیلے کی سرداری میں نہیں ہے۔"

"یہ صرف تمہاری محبت ہے ٹوبو۔"

"نہیں ماسٹر۔ یہ میرا ایمان ہے۔" ٹوبو نے سخت لہجے میں کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ ٹوبو کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہے گا۔

"پھر اب کیا ہو گا ٹوبو؟"

"ہو گا وہی جو ماسٹر چاہیں گے، سوائے اس کے کہ ٹوبو ماسٹر سے جدا ہو جائے۔"

"ہوں۔ پھر کوئی حل نکالو۔"

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ماسٹر۔"

"کوئی ایسا شخص تمہاری نگاہ میں ہے جو سرداری کے قابل ہو؟"

"اوہ۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں ماسٹر، عرصہ تک قبیلے سے دور رہا ہوں۔ میرا ایک بھائی ہے، رشتے کا ایک بھائی، اس نے مقابلے میں حصہ نہیں لیا۔ بہت زیرک ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"میں اسے تمہارے پاس لاؤں گا۔"

"خیر تم اسے میرے پاس نہ لے آنا، مجھے تو ان رسموں نے پریشان کر دیا ہے۔"

"ابھی تو کئی رسمیں باقی ہیں۔"

"خدا محفوظ رکھے۔" میں نے کہا اور ٹوبو کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"تم ہنس رہے ہو ٹوبو۔ یہاں اپنی ایسی تیسی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"آہ۔ تم عورت کی دنیا کے انسان نہیں ہو ماسٹر۔ ورنہ کل کا دن تمہارے لئے بہت خوشگوار ہوتا۔"

"کل۔ کیا مطلب؟"

"آخری رسومات صرف عورتوں کی ہیں ماسٹر۔"

"وہ کیا رسومات ہوں گی؟"

"جو کنواریوں کے ہونٹوں کی حلاوت تمہیں حیات دوام بخشے گی اور ساتویں لڑکی کا بوسہ لو گے تو وہ تمہاری بیوی ہو گی۔"

"لاحول۔" میں گھبرا کر بولا۔

"یہ باتیں صرف قبیلے والوں کو معلوم ہیں۔ اگر تم ساتویں لڑکی کا بوسہ لو تو سوچ سمجھ کر لینا، بہت سی لڑکیاں تمہیں اس کی پیشکش کریں گی۔"

"کیا بکواس ہے۔" میں جھلا کر بولا۔

"رسوم ہیں ماسٹر۔" ٹوبو بدستور ہنس رہا تھا۔

"میں کوئی رسم پوری نہیں کروں گا۔"

"تو کرنا ہی ہوں گی ماسٹر، عورتیں کہاں چھوڑنے والی ہیں۔ اس کے بعد کی رسم کے بارے میں تو تم نے پوچھا ہی نہیں۔"

"اور بھی کچھ ہو گا؟"

"ہاں۔ اس سے پہلے میں کبھی ان رسموں پر نہیں ہنسا، لیکن تمہاری دنیا میں رہنے کے بعد میں سمجھ چکا ہوں کہ تمہاری دنیا میں یہ باتیں کیسی انوکھی سمجھی جاتی ہیں۔"

"وہ کیا رسم ہو گی ٹوبو؟"

"اس کے بعد میرے سورما کو، میرے دلیر کو، میرے بھائی کو، میرے چیف کو وہ مائیں اپنے دودھ سے غسل کرائیں گی جن کے بچے شیرخوار ہیں۔" ٹوبو نے جواب دیا۔

"ارے باپ رے۔ کیسے نہلائیں گی؟"

"خود دیکھ لینا باس، بڑے دلچسپ مناظر ہوں گے۔"

"ٹوبو۔ ٹوبو۔ خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔ میں پریشان ہو جاؤں گا۔"

"یہ پریشانی ایسی ہے چیف کہ خود تمہیں لطف آئے گا، اب تو برداشت ہی کرو۔"

"حکومت۔"

"جو حکم باس۔" ٹوبو نے شانے ہلائے۔

"اچھا فضول باتیں مت کرو۔ وہائٹ کی کیا پوزیشن ہے۔"

"تمہارے غلام نے ضروری چارج سنبھال لئے ہیں۔" ٹوبو نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہائٹ کو میں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے، چالاک آدمی ہے ممکن ہے ان ہنگاموں سے فائدہ اٹھا کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا۔"

"ویری گڈ۔ اسٹوکر کی بیٹی گلوریا موجود ہے؟"

"ہے باس۔ مگر۔۔۔"

"مگر کیا؟"

"کچھ نہیں، میں ان باتوں میں تجربے کار نہیں ہوں۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں باس، بس جب میں نے وہائٹ کو ایک جگہ قید کیا تو گلوریا نے مجھ سے درخواست کی کہ اسے وہائٹ کے ساتھ قید کر دیا جائے۔"

"اوہ۔ اور اسٹوڈو موجود ہے؟"

"وہ بھی موجود ہے۔"

"اسٹوکر نے اپنی بیٹی سے ملنے کی خواہش تو نہیں ظاہر کی؟"

"کہا تھا مجھ سے، لیکن میں نے اسے روک دیا۔ میں نے کہا ابھی انتظار کرے۔ حالات کسی رخ ہو جائیں، اس کے بعد مناسب رہے گا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی، ٹوبو تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا اور میں

سونے کے لئے لیٹ گیا۔ لیکن ذہن میں عجیب عجیب خیالات آرہے تھے۔ ٹرلو کی بتائی ہوئی رسمیں بھی عجیب تھیں۔ ممکن ہے ٹرلو نے مذاق کیا ہو۔ یا پھر ممکن ہے سچ ہی ہو۔ نہ جانے کب تک میں فکروں میں ڈوبا رہا اور انہیں فکروں میں نیند آگئی۔ دوسری صبح کسی کے جھنجھوڑنے پر ہی آنکھ کھلی، جاگا تو بُری طرح اچھل پڑا۔ رات بھر خیالات خواب کی شکل میں ذہن پر مسلط تھے۔ اب حقیقی شکل میں سامنے آگئے۔ بےشمار لڑکیاں تھیں۔ خاموش خاموش سی، شرمائی شرمائی سی۔ ان کے نقوش مقامی تھے۔ لیکن عورت کسی بھی دیس کی ہو، کسی بھی خطے کی ہو۔ عورت کی حیثیت میں یکساں ہوتی ہے۔

ان کے شرمائے ہوئے بھدے نقوش دلکش لگ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں جوانی کا خمار اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔ اور ان کے چہروں پر ایک عجیب سی طلب رقصاں تھی۔ میں گھبرا کر اٹھ گیا۔

اور اب جب میں جاگ گیا تو بند آوازیں کھل گئیں، سریلے قہقہے گونج اٹھے، نہ جانے کیا گفتگو ہونے لگی۔ میری گھبراہٹ پر بھی تبصرے ہو رہے تھے۔

تب ایک شوخ سی لڑکی میرے پاس آئی، اور اس نے مجھ سے کچھ کہا۔

• خدا غارت کرے آپ کو۔" میں دانت پیس کر بولا۔ اور وہ کچھ بھی نہ سمجھی لیکن پھر اس نے میری قمیض کے کالر پکڑے اور ایک جھٹکے سے مجھے کھڑا کر دیا۔ بہت سی لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

• دیکھو۔ دیکھو، مجھے پریشان مت کرو۔ ورنہ ۔ ورنہ ۔" میں نے کہا اور پھر خود ہی اپنی حماقت پر شرمندہ ہو گیا، یہ بھی خوب تھی۔ نہ میں انہیں سمجھ سکتا تھا، نہ وہ مجھے۔ پھر کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ بس دیکھ لیا تھا کہ ٹرلو وغیرہ تو موجود نہیں ہیں۔

لیکن دور دور تک کسی مرد کا نشان نہیں تھا، شاید یہ بات بھی ان کی رسم میں شامل تھی کہ اس وقت کوئی مرد دور تک موجود نہ ہو۔ لڑکیاں مجھے باہر دھکیل لائیں۔

یہاں اور بھی نوخیز کنواریاں موجود تھیں۔ میں نے دور دور تک دیکھا اور پھر سکون کی سانس لی، مردوں میں کوئی موجود نہیں تھا میں نڈھال سا سیدھا کھڑا ہو گیا۔

لڑکیاں دبی دبی آوازوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ میری طرف اشارے کر رہی تھیں۔ ہر چند یہ اشارے میرے لئے مانوس نہیں تھے، لیکن میں انہیں کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ وہ تقریباً اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہی تھیں۔ اور پھر میری شامت قریب آگئی، ان لوگوں نے آپس ہی میں طے کر کے وہ چھ لڑکیاں منتخب کر لیں، جن کو رسم ادا کرنی تھی۔

اور پھر شروع ہو گیا شیطانی چکر۔ لیکن ان کے پیار میں بڑا خلوص بڑی اپنائیت۔ بڑی چاہ تھی ان کے خدوخال کیسے بھی ہوں، لیکن انکی آنکھیں بے حد حسین تھیں، اور یہی حسین آنکھیں ان کے مکمل جذبات کا اظہار کر رہی تھیں۔ نرم و گداز ہونٹ میرے ہونٹوں سے مس ہو کر جدا ہونے کے لئے تڑپنے لگتے، اور جب تک دوسری پیاسی، اپنی باری سے بےقرار ہو کر اسے شانوں سے نہ کھینچتی، الگ ہٹنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے بدن میں عجیب سی سنسنی ہونے لگی، میں نڈھال سا ہو گیا تھا۔

چھٹی لڑکی بھی میرے ہونٹوں سے سیراب ہو چکی تو لڑکیوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی، ہر لڑکی میرے سامنے آنے کی کوشش کر رہی تھی اور اپنے آپ کو بڑے حسرت بھرے انداز میں میرے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

لیکن ٹرلو کی بات مجھے یاد تھی۔ چنانچہ میں نے وہاں سے فرار میں عافیت سمجھی کئی لڑکیوں نے میرے پیچھے دوڑ لگائی۔ لیکن اس وقت تو جان پر بنی ہوئی تھی۔

میں ان سے کافی دور نکل آیا، اور لڑکیاں مایوس ہو کر لوٹ گئیں تب مجھے ٹرلو ملا، وہ بےغیرت ہنس رہا تھا۔

• ہوں، تو تم مجھے دیکھ رہے تھے؟" میں نے غصیلے انداز میں کہا۔

• دیوتاؤں کی قسم، نہیں باس۔ لیکن تمہارے حلیے سے مجھے تمہارے اوپر گزرنے والی واردات کا اندازہ ہو رہا ہے۔" ٹرلو نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

• اور یہ تم ہو ۔ صرف تم۔" میں اسے گھونسہ دکھاتے ہوئے بولا۔

• نہیں باس۔ تم یہاں بھی مجھے بےقصور ہی سمجھو۔"

• کیوں؟" میں نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

• فرض کرو باس، یہ کوئی اور قبیلہ ہوتا، میں جان بوجھ کر تمہیں اس طرف نہیں لایا۔"

• مگر تم اتنے خوش کیوں ہو؟"

• اس لئے کہ یہ میرا قبیلہ ہے۔"

• اچھا ٹرلو۔ فضول باتوں سے پرہیز کرو۔"

• صرف ایک بات بتا دو باس۔" ٹرلو نے کہا اور میں رک کر اسے گھورنے لگا۔ "ساتویں لڑکی کا بوسہ تو نہیں لیا تھا؟"

• لعنت ہے۔" میں غرایا۔

• گویا نہیں لیا؟" ٹرلو نے پھر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

• میں کہتا ہوں منہ بند کرو۔"

• کھلا رہنے دو باس، کھل کر ہنسنے کو دل چاہتا ہے۔"

• اب دوسری مصیبت کب آئے گی۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

• بہت جلد باس، دوپہر کے ویرانوں میں۔"

• بُرا پھنسا ہوں ٹرلو۔ واقعی بہت بُرا پھنسا ہوں۔"

• صرف آج کی بات ہے چیف۔ اور پھر تم تفریح کیوں نہیں کر رہے، چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پر مسلط کیوں کر رہے ہو۔"

• لیکن ٹرلو۔ آخر ان خرافات کا کوئی مقصد تو ہو۔ سب بےتکی

• تہذیب کی زندگی سے دور، ان جنگلی باشندوں کی زندگی میں بہت دلچسپیاں ہوتی ہیں چیف۔ یہی چھوٹی موٹی دلچسپیاں، یہ ان کا جواز بھی اور ان پر پورا بھروسہ۔"

• مثلاً؟"

• کنواری لڑکیاں، شاخوں پر لگی ہوئی مقدس کلیاں ہوتی ہیں کلیاں، اور دیوتا پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ پاکیزگی سے زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ خیال ہے کہ ان لڑکیوں کا قرب، دیوتاؤں کا قرب ہے۔ ان کی پاکیزگی کی پہلی مہک حاصل کرنے والے پر دیوتاؤں کا سایہ یہ تمہارے حق میں ہے باس۔"

• خوب ۔ خوب حق میں ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔ "ا

شیر؟" میں نے پوچھا۔

• ساری کائنات میں، سب سے مقدس ہستی ماں کی ہوتی ہے۔ لئے دوسری پاکیزہ شے ماں ہے۔ ماں کے دودھ کی دھاریں ہوتی ہیں جن کا کوئی بدل نہیں۔ یوں اپنے سردار کو ماں

اپنی محبت کا ثبوت دیتی ہیں، اور ان کی دعاؤں کے سہارے سردار ہے محفوظ رہتا ہے۔"

مگر بھائی میں سردار نہیں ہوں۔"

ان لوگوں کی نگاہوں میں ہو ماسٹر۔"

خیر، اس سے بھی نمٹ لیں گے، اب تو جنس جلنے والی بات ہے۔" میں نے سانس لے کر کہا اور ٹرلو منہ دوسری طرف کر کے ہنسنے لگا۔

اور سنسان دوپہر میں میری مصیبت کا بلاوا آگیا۔ دو بوڑھی عورتیں انہوں نے لکڑی کی تھالی اٹھائی ہوئی تھی، اور اس میں کوئی چیز رکھی پیلے رنگ کی مٹی سے انہوں نے دو لکیریں میری پیشانی پر بنائیں اور

جاؤ چیف، تمہارا بلاوا ہے۔"

خدا تمہیں سمجھے ٹرلو، اچھی مصیبت میں پھنسایا ہے۔"

جاؤ چیف، لوگ اس مصیبت کی حسرت کرتے ہیں۔" ٹرلو نے کہا، اور پیٹتا ہوا بوڑھی عورتوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ مجھے ایک بڑے میں لے جایا گیا، اور جھونپڑے میں داخل ہوتے ہی بوڑھی عورت لباس پر ہاتھ ڈالا، میں اچھل پڑا۔

کیا گڑبڑ ہے؟" میں چیخ کر بولا۔ اور دونوں عورتیں سہم گئیں۔ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

بھاگ جاؤ یہاں سے۔" میں نے اسی انداز میں کہا اور دونوں عورتیں نکل گئیں۔

میں خاموشی سے صورتحال کا جائزہ لیتا رہا، چند ہی ساعت گذری گی کہ دو جوان عورتیں اندر داخل ہوئیں۔ میرے سامنے آکر وہ جھکیں اور ادب انداز میں کچھ کہا۔

میں نے بےبسی سے گردن ہلا دی اور وہ میرا اشارہ سمجھ گئیں۔ چنانچہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور پھر وہ آگے بڑھیں اور انہوں نے بوڑھی عورتوں کے سے انداز میں میرے لباس پر ہاتھ ڈال دیا۔

• ارے، تم میرے کپڑوں کے پیچھے کیوں پڑ گئیں؟" میں نے کہا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد یہی کرنا تھا جو ان احمقوں کی رسوم تھیں۔ چنانچہ میں نے کے کام میں مداخلت نہیں کی۔ اوپری اور پھر زیریں لباس اتارنے کے بعد انہوں نے میرے انڈر ویئر کی طرف ہاتھ بڑھائے، اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

• ہرگز نہیں۔ اسے رہنے دو۔" اور پھر میں نے انہیں اپنا مطلب اشاروں سے سمجھایا۔ انہوں نے الجھے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور مان لی، لیکن اس کے بعد جب انہوں نے خود کو اوپری لباس سے آزاد کیا سچ مچ پریشان ہو گیا۔ لیکن بہرحال خاموش رہا اور ان کے جوان عریاں ہو گئے۔

ان کے سینے دودھ سے لبریز تھے، اور میرے قریب پہنچ گئیں، اور شیر مادر کی دھاریں میرے سینے پر پڑیں۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ عورتیں حسین تھیں اور جوانی دلکش ہوتی ہے، لیکن جس جذبے کے تحت یہ سفید دھار تک پہنچ رہی تھی، وہ قابلِ احترام تھا۔ چنانچہ میں ان کے عریاں بدن سکتا تھا۔

دونوں عورتوں نے اپنے سینے خالی کر دیئے، اور پھر باہر نکل گئیں۔ عورتیں آگئیں۔ بڑا عجیب لگ رہا تھا، بڑی گھن آرہی تھی، لیکن آخر مقصد تھا، چنانچہ خاموش بیٹھا رہا۔ پورا بدن خراب ہو گیا۔ سر اور چہرہ

بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔ نہ جانے کتنی آئیں اور کتنی گئیں، نہ میں نے گنتی کی اور نہ ان میں سے کسی کو دیکھا۔

پھر ٹرلو کی آواز سنائی دی۔

• اب اٹھ بھی جاؤ استاد۔" اور میں اچھل پڑا۔ میں نے خونی نگاہوں سے ٹرلو کو دیکھا، لیکن بولا کچھ نہیں۔

• آؤ۔ میں تمہیں غسل کے تالاب پر لے چلوں۔"

• تالاب کتنا گہرا ہے؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

• کافی گہرا ہے، کیوں؟" ٹرلو نے بےساختہ کہا۔

• میں ڈوب مرنا چاہتا ہوں۔"

• اوہو ہو ۔ ہو ہو ہو۔" ٹرلو بے تکے انداز میں ہنسنے لگا۔ "بس یہ آخری رسم تھی استاد۔ اس کے بعد کوئی اور رسم نہیں ہے۔"

• چلو۔" میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

تالاب کا غسل کافی خوشگوار تھا۔ طبیعت کافی ہلکی ہو گئی۔ طبیعت ہلکی ہوئی تو غصہ بھی اتر گیا۔ اور میں خاموشی سے ٹرلو کے ساتھ واپس آگیا۔ ٹرلو نے اسٹوکر کو بھی وہیں بلوا لیا تھا۔

غمگین بوڑھا خاموش تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

• ہیلو۔" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

• کیا بات ہے مسٹر اسٹوکر، آپ خاموش کیوں ہیں؟

• کوئی بات نہیں ہے مسٹر سرفراز۔"

• آپ نے میری فتح پر مجھے مبارکباد بھی نہیں دی؟

• میرے لئے یہ فتح غیر متوقع نہیں تھی۔"

• اوہ۔ کیوں؟

• تمہاری کشادہ پیشانی پر تمہاری شخصیت کی تفسیر لکھی ہوئی ہے۔"

• خوب۔ بہرحال اب آپ کی اداسی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی مسٹر اسٹوکر خاص طور سے ایسی شکل میں جب آپ کا دشمن آپ کے قبضے میں ہے۔"

• میرے قبضے میں؟

• ہاں، کیا آپ خود کو مجھ سے جدا سمجھتے ہیں؟"

• محبت ہے تمہاری۔" اس نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

• گلوریا بھی موجود ہے۔"

• گلوریا۔" بوڑھے نے حسرت سے کہا۔

• ہاں ہاں۔ ٹرلو تمہیں اس کے بارے میں بتا چکا ہے۔"

• ہاں۔ میں نے اسے دیکھ بھی لیا ہے۔"

• تم اس سے ملنے کے لئے بےچین ہو؟

• نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

• ارے۔ کیوں؟

• شاید اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔" بوڑھا غمگین لہجے میں بولا۔

• کس نے۔ گلوریا نے؟

• ہاں۔"

• پھر۔؟

• لیکن وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئی۔"

• کیوں۔ آخر کیوں؟

• شاید اس نے مجھے اپنی ولدیت سے خارج کر دیا ہے، میں ایک ڈاپی

انسان ہوں نا۔ میں نے ہیروں کے لالچ میں اس کی زندگی تباہ کر دی ہے نا؛ بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

• اوہ۔ دل چھوٹا نہ کرو اسٹوکر۔ یقین کرو میں نے تمہاری وجہ سے ڈہانٹ سے جنگ کی تھی ورنہ مجھے یہاں کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔ گلوریا اگر تم سے ناراض ہے تو یہ وقتی بات ہے، ٹھیک ہو جائے گی۔

• مگر میں اس کا سامنا کیسے کروں گا؟

• سب ٹھیک ہو جائے گا: میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور اسٹوکر کی کسی حد تک ڈھارس بندھ گئی۔

پھر شام ہو گئی، اور بستی کے بزرگوں نے آخری رسم ادا کی۔ مجھے بڑے احترام سے بلایا گیا اور ایک مترجم ہمارے درمیان کھڑا ہو گیا۔

• باہر کی دنیا سے آنے والے فاتح، بے شک تم نے قبیلے کی سرداری جیت لی ہے اور تو ہم پر حکمرانی کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن جنگ سے قبل تو نے کچھ باتیں کہی تھیں، ہم ان کی تشریح چاہتے ہیں:

• کہو معزز بزرگ: میں نے جواب دیا۔

• کیا تو ہم پر حکمرانی کرنے کا خواہشمند نہیں ہے؟

• نہیں:

• کیوں؟

• میں باہر کی دنیا سے آیا ہوں، اپنی دنیا میں واپس چلا جاؤں گا۔ پھر تمہارے سکون کو متزلزل کیوں کیا جائے؟

• یہ تیری نیک فطرت ہے کہ تو نے یہ بات صاف کہہ دی۔ کیا تو اس قبیلے کا خزانہ حاصل کرنا چاہتا ہے؟

• نہیں، وہ تمہاری امانت ہے:

• پھر ہمارے عارضی سردار کی حیثیت سے تیرا کیا حکم ہے؟

• میں چاہتا ہوں، تم میں سے کسی کو اپنی جگہ سردار مقرر کر دوں، اور اس کی نشاندہی تم کرو گے:

• تو نے ڈوبو کا نام لیا تھا؟

• لیکن ڈوبو میرے ساتھ واپس جانا چاہتا ہے:

• تب تو جو چاہے:

• میں ڈوبو کے بھائی کو سردار بنانا چاہتا ہوں:

• اوہ۔ ہاں۔ شاٹو ایک اچھا انسان ہے۔ تیرے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن وہ ہم میں سے ایک ہے۔ تو نے جو یہ اعزاز حاصل کیا ہے، اس کے عوض تجھے کیا چاہئے؟

• کچھ نہیں دوستو، کچھ بھی نہیں:

• یہ کیسے ممکن ہے؟ بوڑھے نے حیرت کا اظہار کیا

• میں کہہ چکا ہوں:

• تو کیا تیرے حکم سے شاٹو کو سردار بنا دیا جائے؟

• ہاں:

• اور تو بیرے بھی نہیں لے گا؟

• ڈوبو کا قبیلہ، میرا قبیلہ ہے، اور میں اپنوں سے کچھ نہیں لوں گا۔ میں نے جواب دیا۔

سارے جنگلی حیران رہ گئے۔ یہ جذبہ۔ یہ ایثار ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بہرحال میرے احکامات کی تعمیل کا وعدہ کیا گیا اور میں اپنی رہائش گاہ میں واپس آ گیا۔

اور پھر اسی رات شاٹو کو قبیلے کا سردار بنا لیا گیا۔ سرداری کا تاج [illegible] کر شاٹو نے سب سے پہلے میرے ہاتھ چومے، اور بولا۔

• زندگی کے آخری سانس تک میں تیرا وفادار رہوں گا میرے [illegible]

• ٹھیک ہے شاٹو، تجھے اپنی قوم کا وفادار رہنا چاہئے: میں [illegible] اسے جواب دیا۔

دوسری صبح پہلی بار میں نے ڈہانٹ اور اس کے ساتھ [illegible] قیدیوں کو طلب کر لیا۔ پورا قبیلہ میری عزت کرنے لگا تھا، وہ لوگ نہ جانے [illegible] کیا سمجھنے لگے تھے۔

ڈہانٹ میرے سامنے آ گیا، اسنوڈ بھی تھا، گلوریا بھی تھی۔ ڈہانٹ [illegible] اترا ہوا نظر آ رہا تھا۔

• ہیلو مسٹر ڈہانٹ، کیسے ہو؟

• ٹھیک ہوں: ڈہانٹ نے جواب دیا۔

• ہیلو گلوریا: میں نے خوبصورت لڑکی کو براہ راست مخاطب کیا

• تم۔ تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟ گلوریا نے پوچھا۔

• او ہو۔ میرا خیال ہے تم میرے ساتھ اپنے باپ کو دیکھ چکی ہو؟

• باپ۔ یہ کیا ہوتا ہے؟ گلوریا نے حقارت سے پوچھا۔

• میں اسے تمہارے سامنے لاتا ہوں: میں نے کہا اور ڈوبو کو اشارہ [illegible] ڈوبو باہر سے اسٹوکر کو لے آیا، اسٹوکر کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ گلوریا نے نفرت [illegible] نگاہ اسٹوکر پر ڈالی۔

• کیا یہ تمہارا باپ نہیں ہے گلوریا؟

• باپ — مسٹر زبان سنبھال کر بات کرو۔ یہ نفرت انگیز بوڑھا [illegible] کیوں ہونے لگا۔

• کیا یہ اسٹوکر نہیں ہے؟

• یہ تمہارا باپ نہیں ہے؟

• ہرگز نہیں:

• پھر تمہارا باپ کون ہے؟

• شاید کوئی بھی نہیں: گلوریا نے جواب دیا۔

• بن باپ کی ہو؟

• نظر نہیں آتی کیا؟ گلوریا نے کہا، اس کی آواز میں لرزش تھی۔ [illegible] نے منہ پھیر لیا۔

• گلوریا، تم اپنے باپ سے ناراض ہو، لیکن تم یہ بات کیوں بھول [illegible] ہو کہ وہ بھی انسان ہے:

• تم یہ بات کیوں بھول رہے ہو کہ میں بھی انسان ہوں: گلوریا [illegible]

• غلطی سب سے ہوتی ہے گلوریا:

• میں نہیں جانتی کس سے کونسی غلطی ہوتی ہے۔ تمہاری سردار [illegible] ہے، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

• تم دونوں شیطان ڈہانٹ کے شکار ہو:

• میں کچھ نہیں جانتی: گلوریا چیخ پڑی۔

• جاننا پڑے گا تمہیں، تمہیں اس بوڑھے پر رحم کھانا چاہئے جو [illegible] میں تمہارے غم میں پھر رہا ہے:

• بکواس ہے، یہ سب بکواس ہے۔ اسے بیٹی کی نہیں، ہیروں [illegible] ہے۔ سمجھے۔ وہ ہیروں کے لئے روتا ہوگا، صرف ہیروں کے لئے۔ [illegible] فہمی کا شکار ہو:

بوڑھا اسٹوکر خاموش تھا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے

• تم بولتے کیوں نہیں اسٹوکر، خاموش کیوں ہو؟ میں نے کہا۔

• شاید وہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ شاید وہ — ٹھیک ہی کہتی ہے: اسٹوکر نے کہا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

• ان سب کو واپس لے جاؤ ڈوبو: میں نے کہا۔

• سنو: اچانک ڈہانٹ نے مجھے مخاطب کیا۔

• کیا بات ہے؟ میں نے اسے گھورا۔

• کیا تم کسی وقت، تنہائی میں مجھے ملاقات کا موقع دو گے؟

• میں تمہیں بہت جلد موقع دوں گا ڈہانٹ۔ تمہارا تو کافی قرض میرے اوپر باقی ہے: میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

• شکریہ: ڈہانٹ بولا، اور ڈوبو نے اسے باہر دھکا دیا۔ پھر وہ سب ایک ایک کر کے چلے گئے، اور میں ایک طویل سانس لے کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈوبو میرے پاس آ گیا۔

• ڈوبو، اسٹوکر کہاں ہے؟

• اپنے جھونپڑے میں چلا گیا ہے:

• وہ بددل ہو گیا ہے، اس کی نگہبانی کرو، کہیں خودکشی نہ کر لے:

• او کے باس:

• کسی سے کہہ آؤ، پھر باتیں کریں گے: میں نے کہا اور ڈوبو باہر نکل گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آ گیا۔

• میں نے جیکوس کو اس کے پاس بھیج دیا ہے اور اسے ہدایات دے دی ہیں:

• ٹھیک ہے، بیٹھ جاؤ: میں نے کہا اور ڈوبو بیٹھ گیا: کیا خیال ہے ڈوبو اب کب تک یہاں رہو گے؟

• تم میری بستی والوں کی پیشکش مسترد کر چکے ہو چیف؟

• کونسی پیشکش؟

• وہ تمہیں ہیرے بھی دینا چاہتے تھے:

• ہاں:

• پھر —؟

• لیکن یہ تمہاری بستی ہے، میں یہاں سے کچھ نہیں لوں گا:

• تم نے میرا سر اتنا بلند کر دیا ہے چیف، میں کیا بتاؤں؟

• صرف یہ بتاؤ اب کیا پروگرام ہے؟

• جو تمہارا:

• چلو گے نہیں یہاں سے؟

• کیوں نہیں باس:

• کب؟

• جب حکم دو:

• ان لوگوں کے لئے کیا کیا جائے؟

• تمہاری مراد ڈہانٹ وغیرہ سے ہے:

• ہاں:

• ان کا معاملہ تو بہت الجھا ہوا ہے باس، اسٹوکر کی لڑکی تو اس سے نفرت کرتی ہے:

• پھر ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

• کچھ بھی ڈوبو، بہرحال ہم ساری زندگی تو ان لوگوں کے جھمیلوں میں نہیں پھنسے رہیں گے، ہمیں یہاں سے آگے بڑھنا ہے، میں اب ان سے نجات چاہتا ہوں: میں نے کہا۔

• ٹھیک ہے باس، جو حکم کرو:

• یہ ڈہانٹ بہت بڑا فتنہ ہے:

• میرے منہ کی بات چھین لی باس، یہ حقیقت ہے:

• بس اس کے لئے بندوبست کرو، اسٹوکر کی بیٹی اور اسٹوکر خود نمٹ لیں گے:

• ویری گڈ باس، تو پھر ڈہانٹ کو صاف کر دیا جائے:

• ایسے نہیں، میں اس سے بات کروں گا: میں نے کہا اور پھر اسی شام میں اسٹوکر سے ملا۔ غمزدہ بوڑھا خاموش بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے گردن اٹھائی اور پھر زبردستی مسکرانے لگا۔

• مسٹر اسٹوکر!

• میرے دوست: اس نے بڑی چاہ سے کہا۔

• اب کیا پروگرام ہے؟

• میرا کوئی پروگرام نہیں ہے، میں بس تم سے اجازت کا طلبگار ہوں، واپس جانا چاہتا ہوں: بوڑھے نے کہا۔

• کہاں جاؤ گے؟

• اپنی دنیا میں چلا جاؤں گا، کہیں بھی چلا جاؤں گا۔ دراصل۔ دراصل اب میں کہاں جاؤں گا۔ پوری دنیا اب میرے لئے خالی ہے، میری زندگی کا محور گلوریا تھی۔ لیکن ٹھیک ہے، وہ اب باپ کو بھول گئی ہے، کوئی بات نہیں، انسان کو غلطیوں کا خمیازہ مختلف شکلوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔ کوئی بات نہیں ہے: بوڑھے کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

اس کی اس کیفیت پر میرا دل بہت کٹا، میں چند منٹ سوچتا رہا، پھر میں نے کہا۔

• بہرحال مسٹر اسٹوکر، آپ ابھی آرام کریں۔ بے شک جب میں یہ قبیلہ چھوڑوں، آپ بھی چھوڑ دیں:

• ٹھیک ہے، جو حکم: بوڑھے نے کہا۔

• لیکن تم ایسی کوئی حرکت نہ کرنا، جس سے مجھے تکلیف ہو:

• میں نہیں سمجھا:

• تم خود کو اذیت نہیں دو گے، کوئی ایسا کام نہیں کرو گے؟

• نہیں۔ میں خودکشی نہیں کروں گا، وعدہ کرتا ہوں:

• شکریہ: میں نے جواب دیا اور باہر نکل آیا۔

دوسرے دن میں مکار ڈہانٹ کے قید خانے پہنچ گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی اور گلوریا بھی وہیں موجود تھے، ڈہانٹ مجھے دیکھ کر مسکرایا، ڈوبو بھی میرے ساتھ تھا۔

• ہیلو جیالے۔ کیا نام بتایا تھا تم نے: ڈہانٹ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ میں اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے لاؤ: میں نے ڈوبو سے کہا اور ایک کونے کی طرف بڑھ گیا۔ ڈہانٹ نے شانے ہلائے اور میرے پیچھے چلا آیا۔ ڈوبو بھی اس کے پیچھے تھا۔

• یس سر: ڈہانٹ جھٹکے دار آواز میں بولا۔

• میں تم سے تمہارا آئندہ پروگرام پوچھنا چاہتا ہوں ڈہانٹ: میں نے کہا۔

• فی الحال تو میں تمہارا قیدی ہوں۔
• کیا تم جیسے مکار انسان کی زندگی مناسب ہے؟ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
• زندگی کے خواہشمند تو سبھی ہوتے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔
• لیکن تم نے مجھ سے فریب کیا۔
• زندگی کے لئے۔ اس نے ترنت سے جواب دیا۔
• کیا میں تم سے اس فریب کا انتقام نہ لوں؟
• حق رکھتے ہو۔
• معاف بھی کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا۔
• اوہ شکریہ، کچھ شرائط ہوں گی؟
• ہاں۔
• جلدی بتاؤ، میں نے زندگی کے سارے تار سنبھال رکھے ہیں۔ ابھی میرے دل میں موت کا خوف بیدار نہیں ہوا۔
• اسٹوکر کی لڑکی اس کے حوالے کر دو، اسے یہاں سے نکل جانے دو، اور اس کے بعد — ایک طویل عرصہ کے بعد میں تمہیں بھی جانے کی اجازت دے سکتا ہوں۔
• گلوریا؟ وہائٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔ یار زندگی میں کچھ حادثے بڑے انوکھے ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی پوری زندگی تنہا میں گزاری ہے۔ یوں سمجھ لو، جوانی میں عورت سے دور رہا۔ بات یہ نہیں ہے کہ عورت میری زندگی میں نہ آئی ہو۔ بہت سی عورتوں سے میں متاثر ہوا، بہت سی عورتیں مجھ سے متاثر ہوئیں، لیکن میں کسی کو قریب نہیں لایا۔ یہ لڑکی مجھے کچھ ایسا متاثر کر گئی کہ میں خود کو اس کے سحر سے آزاد نہ کر سکا۔ بس یوں سمجھ لو، اس وقت یہ بھی میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔
• گویا تم اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو؟
• ایک بات کہوں۔ وہ مسکرایا۔
• ہوں۔
• تم یہ بات خود اس سے پوچھ لو۔
• کس سے؟
• گلوریا سے۔
• اوہ۔ تو کیا وہ ......
• کوشش کرو میری جان، کوشش کرو۔ اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ اور میں حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لی۔
• ٹھیک ہے کوشش کروں گا، لیکن تم نے جس طرح اس پر قبضہ جمایا، وہ ٹھیک تھا؟
• قسم کھا کر کہتا ہوں، دل سے غلط سمجھتا ہوں، لیکن دل ہی کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اگر اسٹوکر میرے ساتھ تعاون کرتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔
• بہرحال کچھ بھی ہو مسٹر وہائٹ، میں گلوریا کو اسٹوکر کے ساتھ واپس بھیج دوں گا، تم یہیں قید رہو گے۔
• گلوریا نہ جانا چاہے تب بھی؟
• ہاں۔
• یہ ظلم ہو گا۔
• تمہارے ساتھ سب کچھ جائز ہے۔

• اتنا برا نہیں ہوں یار۔ زندگی میں خواہشات ہوتی ہیں، اور کون خواہشات پوری نہیں کرنا چاہتا۔ میں بھی انہیں کمزوروں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔
• ڈوبو، اسے لے جاؤ۔ میں نے کہا، اور ڈوبو وہائٹ کو دھکیلتا ہوا لے گیا۔ میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ڈوبو واپس آیا تو میں نے اسے دوسرا حکم دیا:
• اب گلوریا کو لے کر میرے جھونپڑے پر پہنچ جاؤ۔
• یس چیف۔ ڈوبو نے کہا اور میں وہاں سے چلا آیا، صورت حال کافی الجھی ہوئی تھی، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس گتھی کو کیسے سلجھاؤں۔
تھوڑی دیر کے بعد ڈوبو گلوریا کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے بڑی نرمی سے گلوریا کو بیٹھنے کی پیشکش کی، اور وہ بیٹھ گئی۔ تب ڈوبو کو میں نے جانے کا اشارہ کیا اور ڈوبو باہر چلا گیا۔ تب میں نے گلوریا کی طرف دیکھا۔ گلوریا میری شکل دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے نگاہ ملنے پر اس نے آنکھیں جھکا لیں۔
• مس گلوریا! میں نے اسے مخاطب کیا۔
• براہ کرم مجھے مس نہ کہیں۔
• کیوں؟
• کہنا ہی چاہتے ہیں تو مسز وہائٹ کہہ لیں۔
• کیا وہائٹ نے تم سے شادی کر لی ہے؟
• نہیں۔
• پھر —؟
• کیا آپ لوگ مجھے اتنا بھی حق نہیں دے سکتے کہ میں ذہنی طور پر خود کو کسی سے منسوب کر لوں۔ وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔
• میں نہیں سمجھا۔
• فاحشاؤں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ بے غیرت باپ کے نطفے سے جنم لینے والی لڑکی بھی ایک طرح کی فاحشہ ہوتی ہے۔ باپ کیسا مقدس نام ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ایک طرح کی دیوار کا احساس ہوتا ہے، جو پتھروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ جب اس دیوار میں ہی بڑے بڑے سوراخ ہوں تو انسان کس کی پشت پناہی حاصل کرے۔ اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔
• گوشت پوست کے پتلے، انسان غلطیوں کے مرکب ہوتے ہیں۔ کیا تم اپنے باپ کی محبت پر شک کرتی ہو؟
• ہاں۔
• تمہارا خیال غلط ہے گلوریا، اب وہ ہیروں کی نہیں، تمہاری تلاش میں سرگرداں تھا۔
• ہاں، کیونکہ میرے مل جانے کے بعد اسے ہیرے مل جانے کی بھی امید ہے۔
• ہرگز نہیں گلوریا اب اسکے ذہن میں ہیروں کا کوئی تصور نہیں ہے۔
• میں نہیں مان سکتی۔
• گلوریا تم نے میرا تعارف حاصل نہیں کیا۔ میں نے اچانک موضوع بدل دیا۔
• بتا دو۔
• میرا نام سرفراز ہے۔
• ایشیائی ہو؟
• ہاں۔

• دلکش شخصیت کے مالک ہو۔ خدا ٹوٹنے سے محفوظ رکھے۔ اس نے گہری سانس لے کر کہا۔
• شکریہ، اپنے بارے میں کچھ اور نہیں بتاؤ گی؟
• سب کچھ تو جان گئے ہو۔ اور کیا بتاؤں، یوں سمجھ لو، ایک فاحشہ ہوں جس شخص کی داشتہ ہوں جس نے دوسروں کے لئے پابندی لگا دی ہے۔
• وہائٹ تم سے شادی نہیں کر سکتا؟
• کیوں کرے؟
• کیوں؟
• ایک چیز اسے انتہائی سستے داموں مل گئی ہے، پھر وہ اس پر زیادہ رقم کیوں خرچ کرے۔
• یہ اس کی محبت تو نہ ہوئی۔
• میرے لئے کسی کے دل میں محبت نہیں ہے۔ وہ انوکھا انسان نہیں ہے۔
• پھر تم اس سے کیوں چپٹے رہنا چاہتی ہو؟
• کہاں جاؤں، بتاؤ۔
• تمہارا باپ موجود ہے۔
• وہ باپ نہیں، دکاندار ہے، میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔
• گلوریا، میری درخواست ہے ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ اسٹوکر تنہا انسان ہے بے شک وہ لالچی ہے، لیکن تمہارے علم میں یہ بات ہے کہ اس نے وہائٹ سے تمہارا سودا نہیں کیا۔ اگر وہ سودے پر تیار ہو جاتا تو وہائٹ اسے اس طرح نہ نکال دیتا۔ بلکہ وہ بھی اسی طرح وہائٹ کے ساتھ شامل ہوتا جیسے راسنگیتا اسٹوڈو۔
• آہ۔ تم کیوں میرے سینے پر زخم لگا رہے ہو۔
• نہیں گلوریا، تمہاری آنکھیں کھولنا چاہتا ہوں۔
• میں بے حد کھلی ہوئی ہوں۔
• مجھے احساس ہے، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بے غیرت تمہارا باپ نہیں، اسٹوڈو ہے۔ تمہارے باپ نے وہائٹ کی بات نہیں مانی حالانکہ وہ بوڑھا تھا، لیکن تمہارا بے غیرت منگیتر ......
• آہ — ایسی باتیں مت کرو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، ایسی باتیں مت کرو۔
• وہائٹ تم سے محبت کرتا ہے؟
• میں نہیں جانتی۔
• تم اسی کے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟
• ہاں۔ اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔
• کیوں؟
• اس لئے کہ وہ میرا محافظ ہے۔ اس دوران کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ مجھے بری نگاہ سے دیکھے، اس نے اپنی مردانگی کا بھرم رکھا ہے۔
• اس نے تم سے کوئی وعدہ کیا ہے؟
• کیسا وعدہ؟
• اگر وہ تم سے محبت کرتا ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتا؟
• میں نے خود کو اس قابل نہیں سمجھا۔
• کیا مطلب؟
• میں نے کبھی اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا۔
• کیوں؟

• اس لئے کہ وہ میرا فاتح ہے۔
• اوہ۔ گلوریا۔ تم انتہا پسند ہو۔ سنو۔ تمہارا باپ مجبور تھا۔ اگر وہ طاقتور ہوتا تو تمہیں وہائٹ کے ہاتھوں میں نہ جانے دیتا۔ میں وہائٹ سے زیادہ طاقتور ہوں، اسے شکست دے چکا ہوں۔ اگر تم نے اپنے باپ سے اپنا رویہ نہ بدلا تو میں وہائٹ کو قتل کر دوں، سمجھیں۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔
اور گلوریا خاموش ہو کر میری شکل دیکھنے لگی، نہ جانے اس کے ذہن کی کونسی گرہ متاثر ہو گئی تھی۔ پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی دہشت ابھر آئی۔
• نہیں نہیں، تم اسے قتل نہ کرنا، اگر وہ بھی مارا گیا تو پھر میرا کوئی سہارا نہ رہے گا۔ پھر میرا کوئی بھی سہارا نہیں رہے گا نہیں۔ خدا کے لئے اسے قتل مت کرنا۔
• تمہیں میری شرط پوری کرنا ہو گی۔
• جو کہو گے، کروں گی، اسے معاف کر دو۔ گلوریا بری طرح نروس ہو گئی۔
• تم یہاں آرام کرو، مجھے چند فیصلے کرنے ہیں۔ میں نے کہا۔
• نہیں، مجھے جانے دو۔ وعدہ کرتی ہوں تمہارے کسی قدم سے اختلاف نہیں کروں گی۔
• ہوں۔ میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی، درحقیقت صورت حال انوکھی تھی۔ یہ لڑکی نفسیاتی مریضہ بن گئی تھی۔ ایک طرح سے ناقابل علاج۔ اور اس کا علاج صرف وہائٹ تھا۔
• نہیں گلوریا، تم یہیں رہو، میں وعدہ کرتا ہوں، تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ تمہیں وہائٹ کی زندگی کی ضمانت بھی دیتا ہوں۔ میں نے کہا۔ اور پھر میں نے وہاں چند جنگلیوں کا پہرہ لگا دیا۔ اس کے بعد میں ڈوبو کو تلاش کرنے لگا۔ ڈوبو مل گیا تو میں نے اسے ساری صورتحال بتائی۔
• بڑی الجھی ہوئی کہانی ہے ڈوبو۔
• ہاں چیف۔
• اور اب میں زیادہ الجھنیں نہیں پال سکتا۔
• یقیناً، ہم اپنے کام میں دیر کر رہے ہیں۔
• اس سلسلے میں مجھے اپنے چند فیصلوں میں ترمیمیں بھی کرنا ہیں۔
• وہ کیا چیف؟
• ان میں کچھ تمہاری ذات، اور تمہارے قبیلے سے بھی متعلق ہیں۔
• مجھے بتاؤ چیف۔
• مجھے کچھ ہیروں کی ضرورت ہو گی۔
• وہ تمہارا حق ہے چیف۔
• بس تو مجھے میرے حق کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔
• میں آج ہی حاصل کر لوں گا۔
• بلکہ ابھی۔
• تب مجھے اجازت دو۔ ڈوبو نے کہا اور پھر وہ چلا گیا، میں اس کا انتظار کرنے لگا۔ ڈوبو نے واپسی میں کافی وقت لگایا تھا۔ بہرحال جب وہ آیا تو اس کے ساتھ ایک اور قوی ہیکل سیاہ فام تھا، جو کسی جانور کی کھال اٹھائے ہوئے تھا۔ کھال کی مشک سی بنی ہوئی تھی۔ مشک میرے سامنے کھول دی گئی اور میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔
بڑے قیمتی ہیرے تھے۔ میں نے انہیں اٹھا کر دیکھا۔ اس سے زیادہ ہیرے تو خود میری طلب بھی نہیں تھے، ذہن کے کسی گوشے سے آواز ابھری۔

چھوڑ سارے جھگڑوں کو، تیری زندگی کا مقصد پورا ہوگیا۔ واپس اپنی دنیا میں لوٹ جا، یہی تو زندگی ہے، اسی کے لئے تو تو نے یہ طویل سفر کیا ہے۔

درحقیقت یہ چمکدار پتھر بڑے پُراسرار ہوتے ہیں، ان سے ابھرنے والی آوازیں عجیب ہوتی ہیں۔ میں نے ان آوازوں کو سنا، اور پھر میری نگاہوں میں بوڑھے اسٹوکر کی داڑھی پر بہتے ہوئے آنسو آگئے، پانی کے قطرے۔ لیکن ان کی چمک ــــ اور اب میری آنکھوں میں دو چیزوں کی چمک تھی۔

اور پھر صرف ایک چمک رہ گئی، یہ بوڑھے اسٹوکر کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کی چمک تھی، ہیروں کا طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ تب میں نے ٹوبو سے کہا:

• ٹوبو، ہیرے تھیلے میں بھر دو۔ اور ٹوبو نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ ہیرے تھیلے میں بھر دیئے گئے۔ تب میں نے ٹوبو کو دوسرا حکم دیا۔ دہائٹ اور اسنوڈو کو لے آؤ، اور بوڑھے اسٹوکر کو بھی۔

"یس چیف۔ ٹوبو نے مستعدی سے کہا اور میں واپس جھونپڑی میں پہنچ گیا۔

• گلوریا۔ میں نے گلوریا کو مخاطب کیا، اور وہ میری طرف دیکھنے لگی، "گلوریا، ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ڈرامہ کرنے والا ہوں، کیا تم میرے ساتھ تعاون کرو گی؟"

• کیسا ڈرامہ مسٹر سرفراز؟

• آپ اس حصے میں چلی جائیں، خاموشی سے وہاں رہیں اور اس طرف جو کچھ ہو اسے غور سے سنیں۔

• کیا ہوگا مسٹر سرفراز؟

• میں کچھ چہروں سے نقاب الٹنا چاہتا ہوں۔

• میں اب بھی نہیں سمجھی؟

• میں تمہارے بارے میں ایک فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں گلوریا اور اس بات پر بھروسہ رکھو کہ میں اس فیصلے میں جانبداری سے کام نہیں لوں گا، کیونکہ مجھے ان سارے کرداروں میں سے کسی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف ایک فیصلہ کرلینا چاہتا ہوں، اور اس فیصلے میں تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔

• مجھے کیا کرنا ہوگا؟

• صرف وہ آوازیں سننا ہوں گی جو اس جھونپڑے میں ابھریں گی۔

"اچھا!"

• لیکن تم اس دوران کسی بھی قیمت پر خود کو ظاہر نہیں کرو گی۔"

• میں ایسا ہی کروں گی۔"

• اگر تم نے اس کے خلاف کیا گلوریا تو پھر میں اپنے طور فیصلے کردوں گا کسی کے حق میں ہوں یا کسی کے خلاف۔ جاؤ، اب تم اس ملحقہ جھونپڑی میں چلی جاؤ۔"

اور گلوریا آہستہ قدموں سے جھونپڑی میں چلی گئی۔

میرے ذہن میں اس وقت سینکڑوں خیالات تھے۔ درحقیقت میں نے جو پروگرام بنایا تھا وہ بڑے ظرف کی بات تھی۔ میں نے خود کو بھی کئی بار متزلزل پایا تھا، لیکن بہرحال ایک پروگرام بنا چکا تھا، اور اب اس پر عمل بھی کرنا ہی تھا لیکن۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی کام کی بات نہ ہوئی تو ــــ تو پھر ــــ

اور میرے ذہن میں بہت سے سوالات کوندگئے۔

اسی وقت ٹوبو اندر داخل ہوا، میں سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

• تینوں موجود ہیں چیف۔ اس نے کہا۔

• اسنوڈو کو اندر بھیج دو۔

• یس باس۔

• اور تم ان دونوں کو لے جاکر تھوڑی دور بیٹھو۔

• یس باس۔ ٹوبو باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اسنوڈو اندر داخل ہوا۔

◇

ماحول بڑا بوجھل بوجھل سا تھا، نہ جانے کیوں میرے تمام جذبات و احساسات کسی سرد خلاء میں جا سوئے تھے۔ میری حیثیت خود میری نظر میں ایک کٹھ پتلی کی سی ہو رہی تھی۔ جو کچھ ابھی پیش آنے والا تھا وہ میری نگاہوں میں تھا۔ ایک ڈرامہ جس کا مرکزی کردار نہ جانے کون تھا۔؟

اسنوڈو بونقوں کی مانند میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"بیٹھو۔" میں نے پیال کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"سنا ہے گلوریا تمہاری منگیتر ہے۔"

"ہے نہیں، تھی۔" اسنوڈو نے جلدی سے تصحیح کی۔

"تھی ــــ؟" میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔ "کیوں کیا اس نے تمہیں ٹھکرا دیا؟"

"اسنوڈو اتنا گیا گذرا ابھی نہیں کہ گلوریا جیسی لڑکیاں اُسے ٹھکرانے کی جرأت کرسکیں۔" اُس کے لہجے میں حقارت تھی۔

"کیوں کیا تم نے اُسے چھوڑ دیا ہے؟"

"بس یوں ہی سمجھ لو۔"

"اگر تم بتانا نہیں چاہتے تو خیر۔" میں نے موضوع کا رُخ بدل دیا۔ "بائی دے وے تم نے یہاں آنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟ ہیروں کی خاطر یا گلوریا کی خاطر۔ گلوریا کے باپ کا کہنا یہ ہے کہ تم صرف گلوریا کی وجہ سے یہاں آئے تھے؟"

"وہ بڈھا بے وقوف ہے۔" اسنوڈو نے ہنستے ہوئے کہا۔ بھلا اسکی بیٹی مجھے کیا دے سکتی ہے، ایک بہترین چانس میرے آگے تھا اگر اس سے فائدہ نہ اُٹھاتا تو دُنیا کا احمق ترین شخص ہوتا۔ میں نے سوچا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ جاکر ہیرے لانے میں کامیاب ہوگیا تو میرا مستقبل سنور جائے گا۔"

"لیکن افسوس کہ کامیابی نہ ہوئی۔" میں نے جلدی سے اُسکا جملہ پورا کردیا۔

اسنوڈو نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "لیکن سب سے زیادہ خوش نصیب تم نکلے، نی تیکا کی سرزمین تمہارے قدموں تلے ہے اور تم یہاں کے سردار ہو۔"

"تم چاہو تو میں تمہیں بھی خوش نصیب بنا سکتا ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"میں تمہیں اتنے ہیرے دے سکتا ہوں کہ تم باقی زندگی بڑے عیش و آرام سے گذار سکتے ہو۔"

اسنوڈو کے چہرے پر دنیا بھر کا لالچ سمٹ آیا۔

"واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟" اُس کی آواز میں لرزش تھی۔

"میں اجنبیوں سے اتنی جلد بے تکلف نہیں ہوتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر تم واقعی سچ کہہ رہے ہو تو میں ابھی سے تمہارا احسان مند ہوں۔" "احسان مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، تمہیں ہیروں کے عوض ایک کام کرنا ہوگا۔"

• ارے میں دنیا کا ذلیل ترین کام کرنے کو تیار ہوں لیکن میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ آخر وہ کام کونسا ہے جو تم نہیں کرسکتے؟"

اسنوڈو خوشی سے بے تاب ہو رہا تھا۔

"معمولی سا کام ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ہیرے لیکر گلوریا سے دست بردار ہوجاؤ۔"

اسنوڈو کا چہرہ حیرت کی زیادتی سے بگڑ گیا۔ اُس کا حیرت زدہ ہونا درست تھا۔ جس لڑکی کو وہ خود چھوڑے بیٹھا تھا اُسکے بارے میں اُس سے ہی کہا جا رہا تھا کہ ہیرے لیکر اُس کا خیال چھوڑ دے لیکن اُسے یہ علم نہیں تھا کہ اُس کا واسطہ سرفراز سے پڑا ہے۔ میں اپنی اس پیشکش سے جو فوائد حاصل کرتا وہ اُن سے لاعلم تھا۔

"مسٹر سرفراز کیا آپ سنجیدہ ہیں؟ اسنوڈو 'تم' سے 'آپ' پر آگیا۔ واقعی انسان مطلب کے وقت بڑے بڑے کام کرگزرتا ہے۔

"میرا جواب اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔" اسنوڈو اُلجھ کر رہ گیا۔ "مم۔ مم۔ میرا مطلب ہے مسٹر سرفراز میں تو خود گلوریا کو پسند نہیں کرتا۔ پھر آپ کیوں یہ پیش کش کر رہے ہیں۔؟"

"بالفرض اگر گلوریا یا گلوریا کا باپ یا کوئی اور تم سے یہ درخواست کرے کہ اُسے اپنالو تو تمہارا جواب کیا ہوگا۔؟ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم دوبارہ گلوریا سے وابستہ ہو۔ اِسی لئے میں تمہیں ہیرے دیکر چپ چاپ یہاں سے مہذب دنیا تک پہنچا سکتا ہوں۔ بولو، تمہاری کیا مرضی ہے۔؟"

"میں ایک ایسی عورت کے ساتھ وابستہ ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا جو میرے ہی سامنے علانیہ طور پر کسی دوسرے مرد کے ساتھ راتیں گزار چکی ہو۔ اور پھر مسٹر سرفراز؟ ہیروں میں بڑی کشش ہے، اُن کے لئے تو دنیا کی عفت مآب ترین لڑکی ٹھکرائی جا سکتی ہے۔" "گڈ! تمہارا جواب سُن کر مجھے ذاتی طور پر بہت خوشی ہوئی ہے۔" میں نے آگے بڑھ کر اسنوڈو کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسنوڈو نے غور سے میری طرف دیکھا اور ایک آنکھ دبا کر بڑی بے حیائی سے بولا۔

"غالباً مسٹر سرفراز، گلوریا آپ کو پسند آگئی ہے۔ جب ہی آپ اتنے بے چین ہیں۔" غصے کے مارے میرا خون کھول اُٹھا لیکن میں نے بڑی مشکل سے اپنی حالت پر قابو پالیا۔ اسنوڈو نے ایک اور جملہ داغا۔

• مسٹر سرفراز، دہائٹ بھی گلوریا کا طلب گار ہے اُس کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟ وہ بے غیرتی کی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "تم اُسکی فکر مت کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

اسنوڈو نے میرے لہجے میں چھپی ہوئی تلخی محسوس کرلی، چند لمحے خاموشی رہی، پھر میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی لیکن میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ میرے حکم پر دہائٹ کو اندر بلایا گیا۔

اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، اندر داخل ہوتے ہی وہ میری طرف بڑھا لیکن میرے چہرے پر دوستانہ جذبات پاکر اُسکے قدم ٹھٹک گئے۔

"آؤ دہائٹ۔" میں نے خوشدلی سے مُسکراتے ہوئے کہا۔

وہائٹ کا منہ حیرت سے کھُل گیا۔ یہ انقلاب اُس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ بے یقینی کی کیفیت آنکھوں میں لئے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، میرا اشارہ پاتے ہی وہ سُدھائے کتے کی طرح زمین پہ بیٹھ گیا۔ میں نے ایک کونے میں رکھا ہوا ہیروں کا تھیلا اُٹھایا اور لے جاکر دہائٹ کے قدموں میں اُلٹ دیا۔ جھونپڑی کی نیم تاریک فضا میں رنگ برنگ روشنیوں کا طوفان اُمڈ آیا۔ دہائٹ بھونچکا رہ گیا۔ حیرت کی زیادتی سے اُس کے چہرے کے نقوش بدل گئے تھے۔ دیوانوں کی مانند اُس نے اپنے دونوں ہاتھ ہیروں کے ڈھیر میں داخل کردیئے اور خوشی سے قلقاریاں لگانے لگا۔ اُس کی حالت دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ پاگل نہ ہوجائے۔ میں نے آگے بڑھ کر دہائٹ کے گریبان پر ہاتھ ڈالا اور ایک جھٹکے سے اُسے اُٹھا کر کھڑا کردیا۔

"دیوانے مت بنو۔" میں نے اُسے جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔ دہائٹ نے ایک جھرجھری سی لی اور سنبھل کر کھڑا ہوگیا لیکن اُسکی نظریں بدستور ہیروں کی طرف تھیں۔

"آہ! میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو۔ میرے قدموں میں ہے لیکن افسوس وہ میری ملکیت نہیں ہے۔" دہائٹ نے ایک سرد سانس بھر کر کہا۔ مجھے اُسکی حالت پر ہنسی آرہی تھی۔ میرے پاس وقت کم تھا اور میں اس ڈرامے کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا میں نے دہائٹ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "سن اے لالچی انسان! اگرچہ تو نے مجھے ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور تو اس بات کا مستحق ہے کہ اس جُرم کے بدلے تجھے کتے کی موت مارا جائے لیکن ابھی مشرق، مغرب کی طرح اتنا ظالم نہیں ہوا ہے۔ ان ہیروں کو سمیٹ، اور اپنی منحوس شکل لیکر یہاں سے نکل جا۔ کہیں ایسا نہ ہو میرا ارادہ بدل جائے اور آنے والی صبح کا سورج تیری لاش دیکھے۔"

دہائٹ کی بُری حالت تھی، وہ پاگلوں کی طرح ہیروں کی طرف لپکا اور اُس کے ہاتھ مشینی انداز میں تھیلا بھرنے میں مصروف ہوگئے۔ میں دلچسپ نظروں سے اُسے تھیلا بھرتے دیکھتا رہا۔ تھیلا بھرنے کے بعد اُس نے مٹی میں ہاتھ چلانے شروع کردیئے۔

"او لالچی انسان! یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اُسے تحقیر آمیز انداز میں مخاطب کیا۔

"دیکھ رہا ہوں کہیں کوئی ہیرا تو نہیں رہ گیا۔" اُس نے بے وقوفوں کی مانند میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے اِس لالچی انسان کے اِس انداز پر بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"تمہارا ایک سب سے بڑا ہیرا تو یہیں رہ گیا۔"

"ایک۔ کہاں۔" دہائٹ نے ہونقوں کی طرح زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اِن بے جان پتھروں کی بات نہیں کر رہا۔ میری مُراد اُس ہیرے سے ہے جسے تم گلوریا کہتے ہو۔"

دہائٹ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے کشمکش کے آثار نظر آئے۔ میں اُس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر گویا اُس نے کوئی فیصلہ کر لیا۔ وہ ہیروں کا تھیلا اپنے سینے سے لگا کر تن کر کھڑا ہو گیا۔ میں اُس کی بات سُننے کا منتظر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے میری طرف بڑھا۔ نزدیک آ کر اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور بولا۔

"شریف ایشائی نوجوان! تم نے مجھے اتنے ہیرے دیئے ہیں کہ اب مجھے مزید کسی ہیرے کی خواہش نہیں۔ تمہاری باتوں سے مجھے پہلے اندازہ ہوا تھا کہ تم گلوریا کو پسند کرنے لگے ہو۔ چنانچہ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ!" میں نے یہ تمام انجان بن کر پوچھا حالانکہ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اُس کا فیصلہ کیا ہے اور مجھے اِس ذلیل خود غرض انسان پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ اُس کی گردن پکڑ لوں اور اُس وقت تک دباتا رہوں جب تک اُس کی جان نہ نکل جائے۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری عنایتوں کے شکریے میں گلوریا کو تمہارے حوالے کر دوں۔ میرا خیال ہے تمہیں اِس سلسلے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اعتراض!" میرے جبڑے بھینچ گئے۔ میں ایک ہاتھ ہیروں کے تھیلے پر ڈالا اور ایک لات دہائٹ کے رسید کر دی۔ میرے اِس اچانک حملے سے وہ دُور جا گرا۔ اِس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا میں نے دوسری ٹھوکر رسید کی اور وہ بے جان پتھر کی طرح لڑھکتا ہوا جھونپڑی کے دروازے سے باہر جا گرا۔

جھونپڑی کے باہر کھڑے ہوئے ٹوبو نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور آگے بڑھ کر دہائٹ کو اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔

"اِس ذلیل انسان کو لے جا کر کسی اذیت ناک جگہ بند کر دو۔ کل صبح اِس کے مستقبل کا آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔" بوڑھا اسٹوکر حیران کن نظروں سے یہ تمام کاروائی دیکھ رہا تھا۔ ٹوبو دہائٹ کو لیکر ایک طرف چلا گیا۔ میں نے اسٹوکر کو بلایا اور جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ اسٹوکر خاموشی سے چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ میں اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔ میری سانس اعتدال پر آ چکی تھی۔ اسٹوکر کے اندر آنے کے بعد میں نے ہیروں کا تھیلا اُٹھا کر اسٹوکر کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اسٹوکر نے ہیرے دیکھے تو اُس کا منہ حیرت سے کُھل گیا۔

"یہ کیا ہے ماسٹر!" ٹوبو کی دیکھا دیکھی اُس نے بھی مجھے ماسٹر کہنا شروع کر دیا تھا۔

"تم نے اِن تاریک جنگلات میں جو اذیت ناک دن گزارے ہیں یہ ہیرے اُن کا معاوضہ ہیں۔ یہ ہیرے لو اور اپنی مہذب دُنیا میں واپس لوٹ جاؤ۔"

اسٹوکر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے ہیروں کا تھیلا ایک طرف اُچھال دیا اور روتا ہوا مجھ سے لپٹ گیا۔

"مجھے ہیرے نہیں چاہئیں ماسٹر نہیں چاہئیں بس تم مجھے میری بیٹی واپس دلا دو۔ اگر وہ مجھے مِل جائے تو میں سمجھ لوں گا کہ میں نے سب سے بڑا خزانہ پا لیا ہے۔ اِن ہیروں سے مجھے کیا سکون ملے گا۔ میری زندگی کا سب سے بڑا سکون میری بیٹی ہے۔ خدا کے واسطے ماسٹر! میں تمہارے قدموں میں گرنے کو تیار ہوں۔ مجھے میری بیٹی دلا دو۔"

بوڑھا اسٹوکر بچوں کی طرح زار و قطار رو رہا تھا۔ خود میری آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

بھاگتے قدموں کی آواز سُن کر ہم فوراً ہی چونک اُٹھے۔ گلوریا بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اسٹوکر سے لپٹ گئی۔

"ڈیڈی آپ کتنے عظیم ہیں اور میں کتنی پست آہ مجھے اس کا ابھی علم ہوا۔" گلوریا نے روتے ہوئے کہا۔

"خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے۔"

اسٹوکر کی عجیب حالت تھی اُس نے دیوانوں کی طرح گلوریا کو بھینچ بھینچ کر پیار کرنا شروع کر دیا۔

"میری بیٹی۔" وہ آنسوؤں کے درمیان اُسے پیار کرتا رہا، معافی تو مجھے مانگنی چاہیئے کہ میں تیری حفاظت نہیں کر سکا۔ بوڑھے بازو تیرے لئے چٹان نہیں بن سکے۔ میں تجھ سے بہت شرمندہ ہوں میری بیٹی۔"

• ڈیڈی، پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔ غلطی میری ہے جو میں اپنے باپ کے بڑھاپے کا خیال نہ کر سکی، مجھے کیا پتہ تھا کہ جسے میں اپنا محافظ سمجھ رہی تھی وہی مجھے فروخت کرنے کی کوشش کرے گا۔"

• زمانے کے سرد و گرم کا تجربہ اتنی آسانی سے نہیں ہوتا بیٹی۔" اسٹوکر نے بڑی شفقت سے کہا۔ "اس کے لئے بڑے تجربے کی ضرورت ہے، تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر ایسے افراد ملیں گے جو بظاہر تمہارے بہی خواہ ہوں گے، لیکن ایک وقت آئے گا جو وہ بھوکے بھیڑیوں کی مانند تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی نوچ لیں گے۔"

• آہ ــ ڈیڈی! آپ سچ کہتے ہیں۔" گلوریا نے گلوگیر آواز میں کہا۔

• یہ میری نادانی تھی کہ آپ کو اپنا دشمن سمجھ بیٹھی۔"

• بس بیٹی: اب پُرانی باتوں کو یاد کر کے اپنے دل کو تکلیف نہ دو۔"

نہیں ڈیڈی، تکلیف کیسی؟ یہ کیا کم ہے کہ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔"

• آنکھیں تو میری بھی کھل گئیں۔" میں نے جن ہیروں کے لیے اپنی دنیا تو چھوڑا تھا اور اب دیکھو وہی ہیرے میرے قدموں میں بکھرے ہوئے ہیں۔" اسٹوکر نے زمین پر پڑے ہوئے بے شمار ہیروں کی طرف اشارہ کیا۔ گلوریا نے زمین پر بکھرے ہوئے لاتعداد بیش قیمت ہیرے دیکھے تو اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

• آہ ــ ڈیڈی! اتنے بے شمار ہیرے، میرے خدا کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔"

• ہیرے نہیں، پتھر کہو۔" اسٹوکر نے لاپرواہی سے کہا۔ "انہیں نہ ہم کھا سکتے ہیں نہ پہن سکتے ہیں۔ یہ ہمارے کس کام؟ البتہ تم اگر انہیں صرف ان کے رنگوں اور چمک کی وجہ سے چھونا چاہو تو میں انکار نہیں کروں گا۔ انہیں دیکھو، اچھی طرح دیکھو اور ٹھکرا دو، اس سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں۔" گلوریا اسٹوکر کا بازو پکڑ کر زمین پر بکھرے ہوئے ہیروں پر جھک گئی۔

میں اُن دونوں کو چھوڑ کر باہر نکل آیا، ایک درخت سے ٹیک لگا کر ٹوبو کا انتظار کرنے لگا۔ اندر نہ جانے باپ بیٹی میں کیا گلے شکوے ہوئے لیکن جب وہ دونوں باہر نکلے تو ان کے چہرے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اب باپ بیٹی کے درمیان کوئی خلیج حائل نہیں رہی۔ لیکن نجانے کیوں میرے دل میں ہلکا ہلکا سا درد اُٹھنے لگا، مجھے اپنے گھر والے یاد آ گئے، کتنی ہی خلیجیں میرے اور اُن کے درمیان حائل ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں جو اِن خلیجوں کو پاٹ سکے۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ آ گیا۔ کچھ عجیب سی ذہنی کیفیت ہو رہی تھی۔

میں نے سر جھٹک کر اندر آنے والے خیالات کو منتشر کیا اور اسٹوکر اور گلوریا کو دیکھنے لگا جو میری ہی طرف آ رہے تھے۔

• مسٹر سرفراز! میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعے آپ کا شکریہ ادا کیا جا سکے۔"

گلوریا نے نزدیک آ کر کہا۔ "واقعی آپ سچ کہتے تھے اور میں بہت بے وقوف تھی کہ تمہاری باتوں کا اعتبار نہ کیا۔ آج تم نے جس انداز سے میری آنکھیں کھولی ہیں اس کے لئے میں ساری زندگی تمہاری شکر گزار رہوں گی۔" اُن رسمی باتوں سے مجھے سخت وحشت ہو رہی تھی، لیکن میں نے اپنے آپ کو پُرسکون رکھا۔ وہ دونوں اس وقت تک میرا شکریہ ادا کرتے رہے جب تک ٹوبو واپس نہ آ گیا۔

ٹوبو کو اپنے ہمراہ لے کر میں آگے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹوبو اسٹوکر اور گلوریا کو آپس میں باتیں کرتا دیکھ کر سخت حیران تھا۔

• ماسٹر! یہ میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں! کیا یہ وہی لڑکی ہے جسے اپنے باپ کے وجود سے ہی انکار تھا۔"

• ہاں ٹوبو، یہ وہی لڑکی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا

• ماسٹر سچ جانو، جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے، میں تمہارے کمالات دیکھ دیکھ کر دنگ ہو رہا ہوں، آخر دنیا کا کونسا کام ہے جو تم نہیں کر سکتے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اِن دونوں کے اختلافات دور ہو جائیں گے، اس کے لیے تم مبارکباد کے مستحق ہو۔"

• بس ٹوبو بس، اب آگے کچھ نہ کہنا۔ پہلے ہی اُن دونوں نے میرا دماغ شکریہ ادا کر کر کے خالی کر دیا ہے۔"

ٹوبو نے دانت نکال دیئے۔

دوسری صبح ہم سب کے لئے حیرت انگیز تھی۔ دہائٹ پُراسرار طور پر قید خانے سے نکل بھاگا تھا۔ ٹوبو کی عجیب حالت تھی۔ شرم کے مارے اس کی نظریں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ خود مجھے سخت غصہ تھا۔ آخر اتنی لاپرواہی کیوں برتی گئی کہ دہائٹ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ قبائلیوں نے اپنے قدیم ذریعہ پیغام رسانی سے کام لیتے ہوئے اس کے فرار کی اطلاع تمام پڑوسی قبائل تک پہنچا دی تھی، لیکن کسی کو یہ امید نہیں تھی کہ دہائٹ دوبارہ ہاتھ آ سکے گا کیونکہ وہ جس طریقے سے فرار ہوا تھا، وہ بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔ قبیلے میں پہرہ دینے والے کسی فرد نے اسے نہیں دیکھا، حالانکہ ان کی نظریں رات کے اندھیرے میں بلی کی طرح کام کرتی تھیں۔

اُن سے کڑی پوچھ گچھ کی گئی لیکن وہ بدستور یہی کہتے رہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے دہائٹ سے کسی قسم کی گفتگو کی تھی۔

میرا اپنا ذاتی خیال یہ تھا کہ دہائٹ پہرے داروں کو اپنی لچھے دار باتوں سے ورغلا کر بھاگنے میں کامیاب ہوا ہے، لیکن پُوچھ گچھ کے بعد مجھے اپنا یہ خیال ترک کرنا پڑا۔

میری تشویش سے ٹوبو کو بڑی فکر لاحق ہوئی اس نے مجھ سے کہا:

• چیف! دہائٹ اگر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو ہمیں اس سے کیا پریشانی ہو سکتی ہے، وہ اکیلا آدمی بھلا ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

• تمہیں اندازہ نہیں ہے ٹوبو، وہ کس قدر خطرناک آدمی ہے، میں نے پہلے ہی دن سوچ لیا تھا کہ اس کا زندہ رہنا ہم سب کے لئے خطرے کا باعث ہے، لہٰذا میں اُسے زندہ رہنے کا کوئی موقعہ فراہم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔"

ٹوبو نے میری طرف دیکھا، اس کی کشادہ پیشانی پر تفکرات کی شکنیں نمایاں تھیں۔ پھر گویا کسی خیال نے اُسے تفکرات سے نجات دلا دی، بڑے مطمئن لہجے میں بولا۔

• چیف! مجھے پوری امید ہے کہ دہائٹ اب تک زندہ نہیں ہوگا۔ یہاں قدم قدم پر اتنے خطرات ہیں کہ ایک عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ بظاہر بے ضرر نظر آنے والی ٹہنیاں انسان کو اپنے شکنجوں میں اس طرح جکڑ لیتی ہیں کہ موت سے پہلے اُن کی گرفت سے چھٹکارہ ملنا مشکل ہوتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ٹوبو۔ لیکن نجانے کیوں میری چھٹی حس خطرہ محسوس کر رہی ہے۔ دہائٹ جس سازشی ذہن کا مالک ہے، اسے نظرانداز نہیں کر سکتا، اور اب میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔"

• کیسا فیصلہ؟

• یہی کہ اگر کل تک دہائٹ زندہ یا مردہ ہمارے ہاتھ نہیں لگا تو میں بذاتِ خود اُسے تلاش کروں گا۔"

• چیف! کیا وہ سفید چمڑی والا سؤر اس قابل ہے کہ تم جیسا انسان

اس کی تلاش میں مارا مارا پھرے؟

• ہاں ٹوبو۔

• چیف! میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم ان جنگلات میں بھٹکو جو تمہارے لئے بالکل اجنبی ہے، ٹوبو تمہیں جانے نہیں دے گا۔ تمہاری جگہ ٹوبو اس ذلیل آدمی کو تلاش کرے گا اور یہ ٹوبو کا وعدہ ہے کہ وہ ناکام چہرہ لے کر تمہارے سامنے نہیں آئے گا۔

• میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں ٹوبو، لیکن میں تمہیں ہرگز اس کی تلاش کی اجازت نہیں دوں گا۔ وہ سفید چمڑی والا شیطان تمہارے بس کا روگ نہیں ہے، تم اس کے سازشی ذہن کا مقابلہ نہیں کرسکو گے لہٰذا یہ کام تم مجھ پر ہی چھوڑ دو۔

• چیف، اگر تم اتنے ہی بضد ہو تو میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گا لیکن تمہیں تنہا بھی نہیں جانے دوں گا۔ ٹوبو بھی تمہارے ساتھ جائے گا۔

میں سوچ میں پڑگیا، ٹوبو کا ساتھ میرے لئے بڑی آسانیوں کا باعث ہو سکتا تھا، لیکن میں اپنے ساتھیوں کو یہاں تنہا چھوڑنے میں تامل کا شکار تھا یہ بھی عین ممکن تھا کہ وہائٹ کہیں نزدیک ہی موجود ہو اور میری اور ٹوبو کی غیر موجودگی کی اطلاع پا کر گلوریا اور اسٹوکر کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائے۔

میں نے اپنے اس خدشے کا اظہار ٹوبو پر کردیا۔

• چیف! قبیلے میں ٹوبو سے کئی گنا بہتر جوان موجود ہیں ان کی موجودگی میں کسی کی مجال نہیں کہ وہ تمہارے ساتھیوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکے۔ ٹوبو نے جواب دیا۔

• تو پھر ٹھیک ہے ٹوبو، لیکن ہمارا مقابلہ ایک عیار دشمن سے ہے جو چھپ کر وار کرے گا، طاقت اور تدر آزمائی سازشی ذہن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

• کچھ بھی ہو چیف، یہ ٹوبو کا اٹل فیصلہ ہے، کیا وہ دن بھول گئے جب ٹوبو نے تمہارے خون کے ساتھ خون ملا کر ہمیشہ تمہارا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا؟ وہ تو ٹھیک ہے ٹوبو، لیکن میں تمہیں مزید کسی آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ بہتر ہوگا کہ تم مجھے تنہا جانے دو۔

• ٹوبو آپ کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔ ٹوبو نے عجیب سے لہجے میں کہا لیکن چیف آپ مجھے کبھی اپنے سے دور نہیں پائیں گے۔

• شکریہ ٹوبو، تم بھی مجھے ہر وقت یاد آتے رہو گے۔

اسی دن میں نے خاموشی کے ساتھ اپنی روانگی کی تیاری شروع کردی۔ میں نے بہترین قسم کی دو رائفلیں اپنے لئے منتخب کیں اور کارتوسوں کا ایک تھیلا بھر کر اپنی پشت پر باندھ لیا۔ ٹوبو نے چلنے سے قبل کچھ جڑی بوٹیاں میرے حوالے کیں جو بقول اس کے ہر قسم کے مرض کا مجرب علاج تھیں۔ اس سے قبل ٹوبو نے ایک مخصوص تیل سے میرے بدن کی مالش کی تھی، ٹوبو کا کہنا تھا کہ پورا جنگل عجیب و غریب حشرات الارض سے بھرا پڑا ہے جو اگر کسی انسان کو کاٹ لیں تو اس کا بچنا محال ہے، اس تیل کی موجودگی سے وہ مجھے کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا پائیں گے۔

ٹوبو نے ایک بہترین کام یہ کیا کہ پورے علاقے کا نقشہ بنا کر میرے حوالے کیا تاکہ مجھے اپنا سفر برقرار رکھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

ہر قسم کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر میں اپنے انجانے سفر کے لئے تیار ہوگیا، ٹوبو قبیلے کی سرحد تک مجھے رخصت کرنے آیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی جسے میں کوئی معنی نہیں دے سکا۔ چند الوداعیہ جملے کہنے کے بعد اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور میں اسے خدا حافظ کہہ کر آگے کی طرف بڑھ گیا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ٹوبو ابھی تک اسی جگہ کھڑا تھا۔ میرے دل پر ٹوبو کی بے لوث محبت کا گہرا اثر ہوا۔ جنگلوں میں رہنے والا سیاہ فام آدمی جس کا دل سفید فام لوگوں سے زیادہ بڑا اور جس کا خون ان سب سے زیادہ سرخ تھا۔

میرا دماغ پھر اپنے ماضی کی طرف لوٹ گیا، نواب فیروز الدین کوثر اور دوسرے افراد کسی متحرک فلم کی مانند میری آنکھوں کے سامنے تھے، ان کا خیال آتے ہی میں چونک اٹھا، میں قبیلے میں رہ کر ان لوگوں کو بالکل فراموش کرچکا تھا، نجانے ان لوگوں پر کیا گذری ہوگی، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کسی جنگجو قبیلے کے ہتھے چڑھ گئے ہوں یا وہ خوفناک دلدل انہیں نہ نگل گئی ہو جسے ہم اپنے عقب میں چھوڑ کر آئے تھے۔

جوں جوں میں سوچتا گیا، میری الجھنوں میں اضافہ ہوتا گیا میرے اندازے کے تحت انہیں اب تک ٹوبو کے قبیلے تک پہنچ جانا چاہئے تھا۔ لیکن ان کا نہ پہنچنا میرے خدشات کو یقین میں بدل رہا تھا، اچانک ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گیا، یہ عین ممکن تھا کہ نواب صاحب کے قافلے میں اسٹوکر جیسی کہانی دوہرائی گئی ہو۔

وہ لوگ لاکھ مہذب اور مالدار سہی، لیکن مزید دولت کی خواہش دنیا کے کس انسان کو نہیں ہوتی۔ میکنا کے مسئلے پر قافلے کے نوجوانوں کا رد عمل میں دیکھ چکا تھا، ہوسکتا ہے ہم لوگوں کے جانے کے بعد۔ ۔ ۔

اچانک میری آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا، ایک خیال نے میرے بدن میں سرد لہریں سی دوڑا دی تھیں۔

تو کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم لوگوں کے جانے کے بعد ان لوگوں نے اپنا غصہ نواب فیروز الدین پر اتارا ہو، اسٹوکر کی کہانی اس انداز میں بھی دوہرائی جاسکتی ہے، ضروری نہیں کہ ہر جذبے کی بنیاد عورت اور دولت ہو۔ انتقام بھی بذات خود سب سے بڑا جذبہ ہے۔

آہ — میں نے یہ کیا کیا، مجھے اپنے گذشتہ دنوں پر پچھتاوا ہونے لگا، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی، میرا دماغ سوچنے سمجھنے کی قوت کھو چکا تھا میرے قدم آہستہ آہستہ اٹھنے لگے۔ تنگ آکر میں صاف سی جگہ پر ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ خیالات منہ زور گھوڑوں کی مانند میرے دماغ میں دوڑ رہے تھے۔

پھر ایک نیا خیال میرے ذہن میں آیا، قافلے میں میکنا اور اس کے ساتھی ہی تو اصل قوت کے مالک نہیں، ان کے علاوہ بھی تو بہت سنجیدہ لوگ ہیں، کرنل ڈکسن — خوب یاد آیا، کرنل ڈکسن، نواب صاحب کا گہرا دوست ہے وہ ان پر کسی قسم کی زیادتی کیونکر ہونے دے گا۔

میرے دل کو ایک طرح کا سکون ہوگیا۔

لیکن پرانی الجھنیں بدستور باقی تھیں۔

آخر یہ سب کہاں گئے؟

فی تیکا؟

فی تیکا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لامحالہ انہیں ٹوبو کے قبیلے سے گذرنا پڑتا۔ ٹوبو کے قبیلے سے ہو کر جانے والا راستہ واحد راستہ ہے، کسی دوسرے راستے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، تو پھر ان کو کیا زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟

میں نے خود سے سوال کیا۔

لیکن اس سوال کا جواب مجھے نہیں مل سکا

اچانک ہی دہشت زدہ ہو کر اچھل کر کھڑا ہوگیا، کوئی پہاڑ تھا جو اچانک میرے اوپر آگرا تھا۔

اوہ، میرے خدا — وہ پہاڑ نہیں، ایک خوفناک اژدھا تھا جو درخت کی ایک شاخ سے لپٹا اپنا مہیب جبڑہ کھولے خلاء میں ادھر ادھر سر مار رہا تھا۔ وہ تو خیریت گذری کہ اس کا وار خالی گیا تھا، ورنہ اس کے بھیانک جبڑوں میں میرا سر ہوتا، اور اس سے آگے میں سوچ نہیں سکا، کیونکہ وہ خوفناک اژدہا درخت سے اتر کر میری طرف بڑھ رہا تھا، ایک لمحے کا توقف کئے بغیر میں نے اپنی کمر سے لٹکا ہوا پستول نکالا اور نشانہ لے کر فائر کردیا۔ گولی اپنے نشانے پر بیٹھی اور اس اژدہے کے سر کے پرخچے اڑ گئے۔

میں نے اب اطمینان سے اژدہے کا جائزہ لیا۔ اس کی لمبائی بلامبالغہ تیس فٹ سے کم نہ تھی اور جسم کی موٹائی کسی چھوٹے موٹے درخت کے تنے سے مشابہ تھی۔

میرا یہاں رکنا فضول تھا، لہٰذا میں نے اژدہے کو ایک بار نظر بھر کر دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

میرے ذہن میں ایک ہلکا سا خاکہ بن رہا تھا، وہائٹ کس طرف فرار ہوا ہوگا، میں نے دل ہی دل میں اس کا بھی تعین کرلیا۔

فی تیکا کی طرف۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا، ٹوبو کے مشورے پر میں نے یہ سوچا تھا کہ ہیروں کے حصول کے لئے فی تیکا جانے کی کیا ضرورت ہے، ہیرے خواہ فی تیکا سے ملیں یا ٹوبو کے ذریعے، ہیرے، ہیرے ہی ہوتے ہیں، مجھے ہیرے مل چکے تھے، لیکن ہیروں کے ساتھ ہی ایک نئی مصیبت بھی آکھڑی ہوئی تھی۔

وہائٹ کا فرار میرے لئے کسی مصیبت سے کم نہ تھا، گو میں چاہتا تو اس کی طرف سے بے فکر بھی رہ سکتا تھا لیکن نجانے کیوں اس کی طرف سے لاپرواہی برتنے کا تصور میرا ذہن قبول نہیں کررہا تھا، یہ تو مجھے اچھی طرح علم تھا کہ وہائٹ ٹوبو کے قبیلے کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ نجانے کتنے دن سے وہاں قید تھا، لیکن جو بات مجھے پریشان کررہی تھی وہ یہ تھی کہ وہائٹ نے فرار ہونے کے لئے آخر کونسا طریقہ اختیار کیا تھا؟

میں اپنے ساتھ ایک دوربین بھی لایا تھا، ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر میں نے اس کی مدد سے چاروں طرف دیکھا، لیکن مجھے کوئی مشتبہ چیز نہ دکھائی دی۔ البتہ افریقہ کا قدرتی حسن میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں اس وقت جہاں سفر کررہا تھا وہ ایک وسیع و عریض میدان تھا جس میں قدرت نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاتعداد درخت کھڑے کردیئے تھے، لیکن یہ درخت اتنی تعداد میں نہ تھے کہ سورج کی کرنوں کو روک سکتے۔ ٹوبو نے مجھے بتایا تھا کہ آگے جانے کے بعد یہ جنگل گھنا ہوتا جائے گا۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ مجھے اپنا راستہ بنانے کے لئے کلہاڑی سے کام لینا پڑے گا۔

میں چوکنا نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، یہاں ہر قدم پر کوئی خطرہ پیش آسکتا تھا۔ میں نے کلہاڑی سے ایک درخت کی شاخ کاٹ کر اسے ایک لاٹھی کی سی شکل دے دی تھی اور آگے قدم رکھنے سے قبل اس کی مدد سے جھاڑیوں کو ہٹا کر اپنے لئے راستہ بنا رہا تھا، میرا ایک ہاتھ پستول پر تھا اور نظریں اپنے چاروں طرف تھیں۔ یہ احتیاط میں نے اس لئے برتی تھی کہ اگر آدم خور جھاڑیاں ہوں تو ان سے محفوظ رہ سکوں۔

میں ایک ایک قدم پھونکتا ہوا رکھ رہا تھا اسلئے نہیں کہ مجھے اپنی زندگی سے لگاؤ ہے، بلکہ میں اپنی جان کھو کر دوسروں کے لئے موت کے دروازے نہیں کھولنا چاہتا، میرے ذہن نے پھر اچانک کروٹ بدلی اور اب دعا کے لئے اٹھتے ہوئے دو ہاتھ اور ایک پاکیزہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں اس چہرے کے گرد نور کا ایک ہالہ محسوس کررہا تھا۔

میرے خدا یہ سب کچھ کیا ہے؟ دعا کے لئے اٹھتے ہوئے یہ ہاتھ کیوں بار بار میری آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں، میں نے کبھی اس انداز میں نہیں سوچا لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ دو ہاتھ اور یہ پاکیزہ پُرنور چہرہ میری کمزوری بن گیا ہے، یہ کیوں میرا دل خود بخود اس کی طرف مائل ہوتا جارہا ہے۔ آخر کوثر بھی تو ہے، میریا ہے، باربرہ فونا ہے ایک میں ہر ایک، ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ چہرے میرے دل پر اثر نہیں کرتے اور یہ چہرہ کیوں میرا امتحان لے رہا ہے، اپنے محسن کی بیٹی، میرے لئے قابل احترام ہے، ہاں ٹھیک تو ہے، میں اس کا احترام کرتا ہوں، لیکن اس احترام میں کونسا ایسا جذبہ پوشیدہ ہے جسے میں اب تک کوئی نام نہیں دے پایا ہوں؟ اچانک ہی میرے قدموں تلے زمین لرزنے لگی، میں اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آیا۔

یہ زمین کیوں ہل رہی ہے، کیا زلزلہ آنے والا ہے؟ میں نے سوچا، پھر مجھے وہی منظر یاد آگیا جب ہاتھیوں کا ایک وحشت ناک گروہ ہمارے قافلے پر چڑھ دوڑا تھا۔

میرے جسم کا ایک ایک رواں کھڑا ہوگیا، پھر اسی مصیبت کا سامنا تھا، میں لپک کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور دوربین لگا کر اس مصیبت کا پتہ لگانے کی کوشش کی۔

میری آنکھوں نے جلد ہی اپنی منزل پالی، لیکن یہ ہاتھیوں کا بدمست گروہ نہیں تھا، بلکہ یہ گینڈوں کا ایک جوڑا تھا جو سر جھکائے اسی درخت کی طرف بھاگا چلا آرہا تھا، جہاں میں اپنے آپ کو پتوں میں چھپائے بیٹھا تھا۔ گینڈے کی تصویریں میں نے اب تک صرف کتابوں میں ہی دیکھی تھیں، لیکن آج حقیقت میرے سامنے تھی۔

میں نے دوربین آنکھوں سے ہٹالی اور اس مصیبت کے گذر جانے کا انتظار کرنے لگا۔

زمین کی لرزاہٹ مجھے درخت پر بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے مضبوطی سے شاخ کو تھام لیا۔

پھر مجھے خیال آیا کہ گینڈوں کا یہ جوڑا آخر کیوں بھاگ رہا ہے میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ گینڈا بڑا کینہ پرور جانور ہوتا ہے جو سبزی پر گذارہ کرتا ہے، لیکن عام الفاظ میں یوں کہہ لیجیے اس کے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتا، اور تو اور بعض اوقات شیر تک پر اپنے سینگ آزمانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے خوفناک سینگوں سے شیر بھی خوفزدہ رہتا ہے، اور حتی الامکان گینڈے کا سامنا کرنے سے بچتا ہے۔

میں نے ایک بار پھر دوربین آنکھوں سے لگائی اور اس شے کو تلاش کرنے لگا جو گینڈوں کے جوڑے کو بھگا رہی تھی۔

مجھے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی اور وہ چیز نظر آگئی۔

یہ ایک جسیم سیاہ رنگ کا ہاتھی تھا، اتنا بڑا ہاتھی میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ اپنی لمبی سونڈ آسمان کی طرف اٹھائے دیوانہ وار گینڈوں کے پیچھے بھاگ رہا تھا، اس کی سونڈ کے لہرانے سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ سخت طیش کے عالم میں ہے۔

گینڈے بڑی گھبراہٹ کے عالم میں اندھا دھند بھاگے چلے جا رہے تھے، میرے دیکھتے دیکھتے ہاتھی بالکل ان کے پاس پہنچ گیا۔ پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا، اور دو گوشت کے پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے تھے، ہاتھی نے ایک گینڈے کی پشت پر زور دار ٹکر رسید کی تھی، یہ ٹکر اتنی شدید تھی گینڈا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور قلابازی کھا گیا۔

دوسرا گینڈا اپنے ہمراہی کو اس مصیبت سے بچانے کے لئے نہیں رکا۔ وہ میری نظروں کے سامنے بھاگتا ہوا درختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہوگیا۔

میں نے دوربین کو فوکس کر کے بدمست ہاتھی کی طرف دیکھا۔ گینڈا زمین پر سے اٹھنے میں کامیاب ہوگیا تھا، لیکن اس نے راہ فرار اختیار نہیں کی، بلکہ کوئی چارہ نہ دیکھ کر وہ ہاتھی کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔

اس کے نتھنوں سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ گردن جھکا کر اپنے اگلے کھروں سے زمین کھود رہا تھا۔ بدمست ہاتھی کی سونڈ فضا میں بے چینی سے لہرا رہی تھی، اس نے ایک زور دار چنگھاڑ ماری اور تیزی سے گینڈے کی طرف بڑھا۔

اُسے بڑھتا دیکھ کر گینڈا پھرتی سے پیچھے کی طرف ہٹا۔ اس کی دہشت ناک پھنکاروں سے پورا جنگل گونج رہا تھا۔ پیچھے آنے کے بعد وہ ریل کے بے قابو انجن کی مانند ہاتھی کی طرف تیزی سے لپکا۔ اس کی گردن جارحانہ انداز میں جھکی ہوئی تھی۔ ماتھے پر اُگے ہوئے دو خطرناک سینگ دیکھ کر میرے بدن میں ٹھنڈک کی ایک لہر دوڑ گئی، میں دم سادھے اس خونی مقابلے کو دیکھتا رہا۔

گینڈا اپنے زور میں آگے کی طرف بڑھا، دوسرے ہی لمحے اس نے ہاتھی کے جسم میں اپنے خوفناک نوکیلے سینگ پیوست کر دیئے، ہاتھی کی خوفناک چنگھاڑ سے میرے کان جھنجنا اٹھے۔

گینڈے نے اسی پر اکتفا نہ کی، وہ ایک بار پھر پیچھے ہٹا، اور اپنی پوری قوت کے ساتھ ہاتھی سے جا ٹکرایا۔ اب اس کے سینگ ہاتھی کے پیٹ میں اتر چکے تھے۔

خوفناک آوازیں نکالتا ہوا ہاتھی بڑی تکلیف کے عالم میں تھا، لیکن اس کے باوجود وہ مقابلے سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔

گینڈا اس کے جسم میں سے سینگ نکال کر جیسے ہی پیچھے کی طرف ہٹا، ہاتھی نے آگے بڑھ کر اسے ایک ٹکر رسید کی، گینڈا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، ہاتھی زخموں کی شدت سے غضب ناک ہو کر بڑی بھیانک آوازیں نکالتا ہوا آگے بڑھا، گینڈا زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہاتھی اس کے سر پر جا پہنچا اور اسے روندتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

خوف و دہشت کی لہریں میرے پورے بدن میں دوڑ رہی تھیں۔ اور میں پلکیں جھپکائے بغیر اس مقابلے کو دیکھ رہا تھا۔

ہاتھی کے جسم سے خون فواروں کی طرح نکل رہا تھا۔ ارد گرد کی زمین پر اس کے خون سے گویا سیلاب سا آگیا تھا۔ گینڈے کو روندنے کے بعد وہ پھر واپس پلٹا اور گینڈے کے جسم پر اپنا بھاری بھرکم ستون نما پاؤں رکھ دیا کچھ کرب ناک آوازیں گینڈے کے حلق سے نکلیں، لیکن ہاتھی اُسے معاف کرنے پر تیار نہ تھا، وہ بار بار اس کو روندتا رہا۔

لیکن خود اُس کی حالت بہتر نہ تھی، مسلسل خون بہنے کے سبب اس کی رفتار میں سستی پیدا ہوگئی۔

مجھے یہ توقع نہ تھی کہ وہ زندہ رہ سکے گا، ایسا ہی ہوا۔ گینڈے کے ختم ہوتے ہی ہاتھی کی قوت برداشت جواب دے گئی اور وہ نڈھال ہو کر گینڈے کے مردہ جسم پر ڈھیر ہوگیا۔

میں نے درخت سے فوری طور پر اترنا مناسب نہ سمجھا دس پندرہ منٹ میں نے انتظار کی کیفیت میں گذارے اور جب مجھے اچھی طرح یقین ہوگیا کہ دونوں لڑاکے ختم ہو چکے ہیں تو میں درخت سے اتر کر ان دونوں کے مردہ جسموں کے قریب پہنچ گیا۔

ہاتھی تو ختم ہو چکا تھا، لیکن گینڈے میں ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی، یہ ممکن تھا کہ وہ زندہ رہتا لیکن ہاتھی کے گرنے سے اس کی رہی سہی قوت بھی جواب دے گئی تھی۔

مجھ سے گینڈے کی کرب ناک حالت نہ دیکھی گئی، میں نے رائفل اتار کر ہاتھ میں لے لی اور اس کی نال گینڈے کی پیشانی پر رکھ کر فائر کر دیا۔

افریقہ کے اسرار آہستہ آہستہ میرے سامنے آ رہے تھے، یہاں کا قانون صرف اور صرف طاقت تھا، جس کے پاس طاقت ہے وہی یہاں

کامیاب ہے، لیکن طاقت ور ہونا ہی کافی نہیں۔ دو طاقتور جانوروں کا انجام میرے سامنے تھا۔

میں نے اپنے ذہن کو مزید بھٹکنے سے روکا اور اپنے سامان کا جائزہ لے کر اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

ایک جنوں تھا جو مجھے کشاں کشاں لئے جا رہا تھا۔ میں سرفراز مہذب دنیا کا باسی، ان تاریک جنگلات میں اپنی زندگی ہتھیلی پر اٹھائے دیوانوں کی مانند آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے دل میں بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی، میں نے کتنا فاصلہ طے کیا، ٹوبو کا قبیلہ کتنا پیچھے رہ گیا۔ ان سب سوالوں نے سر ابھارا لیکن میرے دماغ نے ان سوالوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

کتنا فاصلہ طے کیا، یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہو، لیکن میرا سفر کسی منزل کے لئے نہیں تھا، میری منزل یہ نہ تھی کہ میں کسی مخصوص علاقے میں پہنچ جاؤں۔ میری منزل تو وائٹ تھا — صرف اور صرف وائٹ۔ وہ اگر مجھے ابھی مل جائے تو گویا میں نے منزل پالی، لیکن اس کے نہ ملنے کی صورت میں میں کامیابی کا دعویٰ کیسے کر سکتا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بجائے میں نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا دن ڈھل چکا تھا اور سورج کی کرنیں رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی تھیں۔

جانوروں کی بھانت بھانت کی آوازوں سے پورا جنگل گونج رہا تھا۔ جنگل کی زندگی میں شام ہی سب سے زیادہ ہنگامہ خیز ہوتی ہے یہی وہ وقت ہوتا ہے جب دن بھر اپنی خوراک کی تلاش میں پھرنے والے جانور اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی وقت رات کو اپنے شکار کی تلاش میں گھومنے والے خونخوار درندے دن بھر کے آرام کے بعد اپنے ٹھکانوں سے نکل کر جنگل کا رخ کرتے ہیں۔

میں نے اپنا سفر صبح تک کے لئے ملتوی کرنے کا ارادہ کیا اور رات گزارنے کے لئے کسی مناسب اور محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں اپنی نظریں ادھر ادھر ڈالیں۔

ایک بات واضح تھی، وہ یہ کہ میں کسی بھی صورت میں زمین پر رات نہیں کر سکتا تھا، رات گذارنے کے لئے سب سے محفوظ وہ بلند و بالا درخت ہی تھے جو میرے اطراف میں ایستادہ تھے۔

میں نے اُن میں سے ایک بلند اور گھنے درخت کا انتخاب کیا اپنے رسے اتار کر میں اس پر چڑھنے ہی والا تھا کہ ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں چمکا۔ افریقہ کے پراسرار جنگلات کے یہ درخت میرے لئے کون سے محفوظ تھے، وہ بھی تو ایک درخت ہی تھا جس پر سے مجھے اژدہے نے شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ خیال بروقت آگیا ورنہ میں تو خود ہی خطرے کے منہ میں جا رہا تھا۔

میں نے درخت کی گھنی شاخوں میں کسی امکانی خطرے کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ درخت اتنا گھنا تھا کہ اس کی شاخوں میں کسی کو دیکھنا ناممکن تھا۔

مجھے فوری طور پر ایک تدبیر سوجھ گئی۔

میں نے رائفل اتار کر اس کا رُخ درخت کی طرف کیا اور دو فائر کر دیئے۔ جنگل کی فضا میں ایک طوفان سا اُمڈ آیا۔ درختوں پر بسیرا کرنے والے لاتعداد پرندے گھبرا کر فضا میں بلند ہوئے اور بے تحاشہ شور مچانے لگے۔

فائروں کا اس کے علاوہ اور کوئی ردِعمل نہ ہوا، پھر بھی میں نے احتیاطاً دس پندرہ منٹ انتظار کیا اور جب کوئی خاص گڑبڑ سامنے نہ آئی تو میں درخت پر چڑھ گیا۔

کلہاڑی کی مدد سے میں نے کچھ شاخیں کاٹ کر دو ایسی شاخوں پر آڑی کر کے رکھ دیں، جن کا درمیانی فاصلہ کم تھا۔

کٹی ہوئی شاخیں رکھنے کے بعد میں نے پتے توڑ کر اُن کے اوپر اچھی خاصی تعداد میں ڈال دیئے۔

میرا بستر تیار تھا، اپنے سامان کا تھیلا میں نے سرہانے رکھا اور لیٹ گیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ دوربین سے ماحول کا جائزہ لوں چنانچہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور دوربین تھیلے سے نکالی اور آنکھوں سے لگالی۔

لیکن مجھے جانوروں کے گروہوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہ دکھائی دی مطمئن ہو کر میں نے دوربین رکھ دی اور اطمینان سے لیٹ گیا۔ لیکن سکون میرے نصیب میں کہاں تھا۔

مچھروں کا ایک لشکر جرار مجھ پر حملہ آور ہوگیا تھا۔

خدا کی پناہ! اتنے موٹے مچھر میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے، اُن کی بھنبھناہٹ — بس ایسے ہی لگ رہا تھا گویا پانی کا تیز جھرنا کسی چٹان پر گر رہا تھا۔

لیکن بھلا ہو ٹوبو کا۔ اپنی تمامتر کوشش کے باوجود مچھر مجھے کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا پائے تھے، اس کی واحد وجہ وہی تیل تھا جس کی مالش ٹوبو نے چلنے سے قبل میرے جسم پر کی تھی۔

مچھروں کا یہ طوفان بہت دیر تک میرے گرد منڈلاتا رہا لیکن اپنی سرتوڑ کوشش کے باوجود میرا خون چوسنا تو درکنار میرے جسم تک پر نہیں بیٹھ سکے۔

آخر کار یہ لشکر مایوس ہو کر دوسری جگہ کوچ کر گیا، میں نے ان کے جانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا۔

ان کی بھنبھناہٹ سے جو شور پیدا ہوا تھا، اس کے ختم ہوتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا گویا زمین کی گردش رک گئی ہو، میں پتوں کے بستر پر لیٹ گیا، نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی، خیالات بدستور دماغ میں چکرا رہے تھے۔

رات کا اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا پُرشور ماحول سناٹے میں ڈوب گیا تھا۔ البتہ دور کہیں شیر کے دھاڑنے کی آواز اس سناٹے کو کبھی کبھار مجروح کر رہی تھی۔

مجھے لیٹے ہوئے ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کہ اچانک میری چھٹی حس بیدار ہوگئی، کوئی ذی روح میرے آس پاس موجود تھا، میں نے آنکھیں کھول دیں اور اندھیرے میں گھور گھور کر اس نادیدہ شے کو دیکھنا چاہا لیکن میری آنکھوں میں بلی کی سی خصوصیات نہیں پائی جاتی تھیں، اس لئے اپنے مقصد میں ناکام ہی رہا۔

اچانک کسی نے میرے سرہانے رکھا ہوا تھیلا گھسیٹ لیا۔ میں جن بھوتوں پر اعتبار نہیں رکھتا، لیکن اس خوفناک ماحول میں مجھے جن بھوتوں کی حقیقت پر اعتبار کرنا ہی پڑا۔ خوف کے مارے میرے جسم پر پسینہ چھوٹ پڑا۔

میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اچانک کوئی چیز مجھ سے ٹکرائی۔ بس ایسے لگا جیسے کسی نے ہاتھوں سے ٹٹول کر مجھے دیکھنا چاہا ہو۔ دہشت سے برا حال تھا۔

نجانے میں کس مصیبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔ مجھے اپنی زندگی کچھ دیر کی مہمان ہونے لگی۔

بوکھلاہٹ میں مجھے اور کچھ نہ سوجھا، میں نے کمر سے بندھا ہوا پستول نکالا اور اندازے سے فائر کر دیا۔

ایک کربیہ سی چیخ سنائی دی۔ فائر کی آواز سے جنگل میں ہلچل سی برپا ہوگئی۔ پرندوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا، جیسے وہ اپنے آرام میں خلل پڑنے پر احتجاج کر رہے ہوں

اچانک مجھے خیال آیا، ایک ٹارچ بھی تو میرے تھیلے میں تھی لیکن تھیلا نہ جانے کہاں تھا۔

میں نے اندھیرے میں اِدھر اُدھر ہاتھ چلائے تو تھیلا مل گیا میں نے ٹارچ تلاش کی اور بٹن دبا کر اسے روشن کر دیا۔

میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس پراسرار ہستی کو تلاش کیا۔ وہ مردہ حالت میں درخت کے نیچے پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر بے اختیار میرے منہ سے لاحول کا نعرہ لگایا۔

کمبخت وہ ایک بندر تھا جو شاید میرے سامان میں کھانے کی کوئی چیز تلاش کر رہا تھا کہ مارا گیا۔

مجھے کچھ دیر پہلے کی اپنی بوکھلاہٹ پر ہنسی آگئی۔ میں کچھ دیر تک اپنی گھبراہٹ کا خیال کر کر کے دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتا رہا اور پھر مجھے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ پتہ نہیں مجھے سوئے ہوئے کتنی دیر گذری تھی کہ شیر کی خوفناک دھاڑ سے میری آنکھ کھل گئی۔ شیر نزدیک ہی موجود تھا، میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا

میں نے اپنی شکاری زندگی میں زیادہ نہیں صرف دو ہی شیروں کا شکار کیا تھا لیکن ایسا خوف کبھی محسوس نہیں کیا تھا، وہاں کی بات کچھ اور تھی، اپنے علاقے کا جنگل میرا دیکھا بھالا تھا، اس کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں میرے قدم نہ پہنچے ہوں۔

لیکن آج میں جس جگہ تھا، وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھی، مجھے یہ تک پتہ نہ تھا کہ اس جنگل میں کون کونسے جانور ہیں۔

شیر دوبارہ دھاڑا۔

اس کی دھاڑ میں نجانے کیا اثر تھا، ایک لمحے کے لئے میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں جواب دے گئیں، میرا ذہن وقتی طور پر معطل ہو چکا تھا۔

بڑی مشکل سے میں نے اپنی دگرگوں حالت کو سنبھالا اور دل مضبوط کر کے بیٹھ گیا اور اپنی نظریں اندھیرے میں جمادیں۔

جلد ہی مجھے شیر کی پوزیشن معلوم ہوگئی، میرے سامنے کچھ فاصلے پر دو دہکتے ہوئے انگارے روشن تھے جو ظاہر ہے شیر کی آنکھوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھے۔

میں نے رائفل اٹھا کر نشانہ لیا اور سنبھل کر اپنی نظریں ان انگاروں کی طرف جمادیں۔

درخت پر ہونے کی وجہ سے مجھے ویسے تو کوئی خطرہ نہ تھا لیکن پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔

کچھ شیروں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ بآسانی اونچی چھلانگیں لگا سکتے ہیں۔ میں نے کئی تجربہ کار شکاریوں سے سنا ہے کہ اکثر شیر ایک ہی جست میں درخت پر بیٹھے ہوئے شکاری کو کھینچ لیتے ہیں۔

بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ شیر مچان تک نہیں پہنچ پاتا لیکن شکاری ذہنی طور پر اتنے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ وہ خود ہی پکے پھل کی مانند زمین پر آگرتے ہیں۔

پہلے میں نے سوچا کہ میں اطمینان سے بیٹھا رہوں لیکن ایسا کرنا میرے لئے عملی طور پر ناممکن تھا۔

شیر دبے قدموں سے چلتا ہوا درخت کے عین نیچے آکھڑا ہوا تھا شاید اس نے اپنے شکار کی بو پالی تھی۔

ویسے تو مجھے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن میں کسی قسم کی غفلت نہیں برتنا چاہتا تھا۔

میں نے نشانہ لے کر ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ فائر کی آواز سے جنگل کا سکون درہم برہم ہوگیا۔

شیر بڑے خوفناک انداز میں دھاڑا تھا۔

میں نے حیرت سے اپنی رائفل کی طرف دیکھا۔

لیکن یہ فائر میری رائفل سے نہیں ہوا تھا۔

میرے کچھ سوچنے سے قبل دوسرا فائر ہوا۔

شیر بدستور دھاڑ رہا تھا لیکن دوسرے فائر کے ساتھ ہی اس کی آواز رفتہ رفتہ ختم ہوتی گئی۔

حیرت کے مارے میرا برا حال تھا۔

آخر اس جنگل میں میرے علاوہ اور کون شخص موجود تھا؟ اب تک میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس تاریک جنگل میں سفر کرنے والا میں واحد شخص ہوں، لیکن اب میری یہ خوش فہمی رفع ہو چکی تھی۔

اس جنگل میں میرے علاوہ بھی کوئی شخص موجود تھا۔

لیکن وہ کون ہے؟

اس کے بارے میں میں بالکل لاعلم تھا۔

جوں جوں میں سوچتا گیا، دماغ بھول بھلیوں میں الجھتا گیا۔

ایک بات بالکل واضح تھی۔

شاید وہائٹ بھی میرے ہی آس پاس موجود ہے، اس کے علاوہ کسی شخص کا اس جنگل میں کیا کام؟

مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ وہائٹ میرے ہی آس پاس موجود اور میں اسے تلاش کرنے سے قاصر ہوں۔

یہ اسرار میرے لئے ایک چیلنج تھا۔

رات کا نجانے کونسا پہر تھا، میرا دل یہی چاہ رہا تھا کہ درخت اتروں اور ہر اس جگہ پر فائرنگ شروع کردوں جہاں جہاں وہائٹ پہنچنے کا امکان ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت نہیں

... میں نے بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پایا اور رات گذرنے بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

انتظار کی اس کیفیت میں گھنٹے مجھے صدیوں کی مانند محسوس ہوئے میں بدستور اپنے عزم پر قائم رہا۔

بالآخر صبح کے آثار نمودار ہوئے، میرے بدن میں نئی چستی اور پھرتی اور میں بدبخت وہائٹ کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے ذہنی اور ... طور پر تیار ہوگیا۔

صبح کا منظر انتہائی دلکش تھا، لیکن میں اس منظر سے لطف اندوز ہونے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں نے فوری طور پر درخت سے اترنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں درخت سے اترا تو وہائٹ کی نظروں میں آجاؤں گا۔ میرا خیال اس مفروضے پر مبنی تھا کہ وہائٹ نے اب تک مجھے نہیں دیکھا ... اگر دیکھا ہوتا تو میں سلامت نہ رہتا۔

چنانچہ میں اطمینان سے درخت پر بیٹھا رہا لیکن میری نظروں ... زار نہ تھا، دوربین میری آنکھوں سے لگی ہوئی تھی، اور میں ایک ایک ... جھاڑی کو اپنی نظروں سے کھنگال رہا تھا۔

میں بہت دیر تک وہائٹ کو تلاش کرتا رہا، لیکن میری نظریں ... پانے میں ناکام رہیں۔ درخت سے اترنا میرے لئے بہت ہی خطرناک تھا۔ وہائٹ پتہ نہیں کہاں سے رائفل حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا ... اندیشہ یہی تھا کہ اگر میں درخت پر سے اترا تو وہائٹ جو یہیں کہیں چھپا ہوا ہے، بلا تاخیر اپنی گولی کا نشانہ بنا دے گا۔

صورت حال انتہائی سنگین تھی، میرا دماغ بڑی تیزی سے اس مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔

سوچ بچار کے بعد میں نے ایک چال چلنے کا فیصلہ کیا۔

درخت پر بیٹھے بیٹھے میں نے دونوں ہاتھوں کا حلقہ بنایا اور اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر چیخا۔

"وہائٹ! میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے، اپنی رائفل پھینک دو اور فوراً باہر نکل آؤ، تمہیں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لئے دو منٹ دیئے جاتے ہیں، دو منٹ گذرنے کے بعد میں فائرنگ شروع کر دوں گا۔"

میری آواز ہوا کے دوش پر پھیلتی گئی۔

مجھے مکمل یقین تھا کہ وہائٹ بوکھلا کر اپنی کمین گاہ سے نکل آئے گا۔ میں نے رائفل اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لی اور دوربین کی مدد سے اپنی آواز کا ردِ عمل دیکھنے لگا۔

لیکن وہائٹ بے حد چالاک تھا۔ دو منٹ گذر کر چار منٹ گذر گئے اور مجھے اپنی تدبیر فیل ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔

لیکن میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا، میں نے رائفل اٹھائی اور ہر اس جھاڑی کی طرف ایک ایک فائر جھونک دیا جہاں مجھے وہائٹ کی موجودگی کا شبہ تھا۔

جھاڑیوں میں ہلچل رونما نہ ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ میرے پانچ فائر رائیگاں گئے۔

"کیوں اپنے کارتوس ضائع کر رہے ہو چیف؟"

مجھے اپنے عقب میں سے ڈربو کی مخصوص آواز سنائی دی اور میں حیرت سے اچھل پڑا۔

میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

ڈربو میرے ہی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا دانت نکالے مجھے دیکھ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لئے مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ ڈربو کی موجودگی مجھے ایک خواب محسوس ہو رہی تھی جسے دن میں دیکھا جا رہا تھا۔

"کیوں چیف!" ڈربو نے مجھے مسکراتے ہوئے مخاطب کیا۔

"کیا میری یہاں موجودگی تمہارے لئے بڑی حیرت کا باعث بنی ہے؟"

"بے پناہ۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "مجھے گمان تک نہیں تھا کہ تم یہاں ہوگے۔"

"بھلا ڈربو تمہیں اس منحوس سفید فام کی تلاش میں اکیلا یہاں تک اتنی آسانی کے ساتھ آنے دیتا؟"

میں اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا، بات صاف ظاہر تھی کہ ڈربو میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔

اس کے جذبے کا احساس کر کے میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔

"تو ڈربو گویا تم میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔"

ڈربو نے دانت نکالے اور بولا۔

"یس چیف!"

"کمال ہے، میں تمہاری موجودگی کا احساس بھی نہیں کر پایا!"

"ڈربو کی موجودگی کا پتہ چلانا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"مجھے تمہاری بات پر سو فیصدی یقین ہے اور میں اسے جھٹلا نہیں سکتا۔"

• میرا خیال ہے، ہم آج کا دن اسی درخت پر گذاریں گے" ڈربو نے مجھے اکسایا۔
• تمہارے ساتھ کی خوشی میں یہ تو کچھ کم نہیں، اگر کہو تو" میں نے جواب دیا۔
• آؤ، یہاں بیٹھ کر کیا کرنا ہے" ڈربو نے کہا اور دھم سے زمین پر کود گیا۔
میں کودنے میں اس کی تقلید نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا میں بڑے آرام کے ساتھ درخت سے اترا اور ڈربو کے برابر میں کھڑا ہو گیا۔
ڈربو پرتجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔
• ڈربو، کیا بات ہے"
• کچھ نہیں چیف"
• مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو ڈربو، تم آخر کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو"
• دیکھ رہا ہوں کہ اب ہمارا رخ کس طرف ہونا چاہئے"
• تو کیا اب تک غلط راستے پر چل رہا تھا"
• نہیں چیف، تم آئے تو ٹھیک ہو، لیکن اب ہمارا اس راستے پر سفر جاری رکھنا فی الحال مناسب نہیں"
• کیوں"
• اس لئے کہ مجھے یہاں ایسے آثار دکھائی نہیں دیتے کہ جن سے ظاہر ہو کہ دہانٹے یہاں سے گذرا ہے"
• تو کیا وہ کسی دوسرے راستے پر سے گذرا ہے"
• یقیناً" ڈربو نے مضبوط لہجے میں کہا۔
• تو پھر تم ہی مشورہ دو کہ ہمیں اپنا سفر کس سمت سے شروع کرنا چاہئے"
• چیف پہلے میں ادھر ادھر گھوم کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ دہانٹے نے فرار ہونے کے لئے کونسا راستہ اختیار کیا ہے"
• لیکن ڈربو، تم یہ کس طرح معلوم کرو گے"
• تم دیکھتے رہو ماسٹر۔ ڈربو نے ابھی جنگلوں کی فضاؤں کو فراموش نہیں کیا ہے۔ میری آنکھیں یقیناً اس راستے کی نشاندہی کر سکتی ہیں، جس پر کسی کے قدم گذرے ہوں، ہم جس جگہ پر کھڑے ہیں، یہاں ہم سے پہلے کسی انسان کا گذر نہیں ہوا۔ میرا دل اور تجربہ یہ چیخ چیخ کر اس بات کا اعلان کر رہا ہے"

◇

• **تب** تو گویا میں نے ادھر آکر وقت ہی ضائع کیا" میں پرخیال انداز میں بولا۔
• کوئی بات نہیں ماسٹر، افریقہ کا ہر خطہ اپنے اندر ایک نئی کہانی رکھتا ہے، یہاں کا جو علاقہ بھی دیکھ لیا جائے وہ ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے"
• ہوں" میں نے ایک گہری سانس لی۔
• آؤ، یہاں سے چلیں" ڈربو نے کہا۔
• لیکن کس طرف"
• افریقہ تمہارے لئے اجنبی ہے، ڈربو کے لئے نہیں، بس چلتے آؤ۔ اب تو ڈربو تمہارے ساتھ ہے اور تم اس صحرائے اعظم میں اکیلے نہیں ہو"
اور میں ڈربو کے ساتھ چل پڑا۔ واقعی بڑا فرق تھا۔ ڈربو پر مجھے مکمل اعتماد تھا، اور کوئی قابل اعتماد شخص مددگار ہو تو انسان خود کو کسی قدر ہلکا محسوس کرتا ہے، کیسی مضبوطی کا سا احساس ہوتا ہے اسے۔ اب سے قبل میں اس ماحول سے خوفزدہ نہیں تھا لیکن بہرحال میرے دل میں تنہائی کا احساس تھا۔ محتاط رہنے کا خیال بھی ذہن پر مسلط تھا۔ گویا یہ کیفیت تھی کہ صرف خود پر بھروسہ کرو۔ اگر محتاط رہے تو زندگی پاؤ گے، ورنہ مشکلات میں پھنس جاؤ گے۔
لیکن اب جیسے میرا سارا بوجھ ڈربو نے سنبھال لیا ہو۔ میں اس کی محبت کا بھی دل میں اعتراف کر رہا تھا۔ اس نے میرے لئے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔
• ڈربو" میں نے اسے آواز دی۔
• ماسٹر"
• تمہارے دوسرے ساتھی کہاں گئے"
• قبیلے میں ہیں ماسٹر"
• کیا انہوں نے تمہارے ساتھ آنے کی کوشش نہیں کی"
• میں نے انہیں بتایا ہی نہیں ماسٹر" ڈربو نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں بچوں کی سی شوخی تھی۔
• کیوں نہیں بتایا"
• ماسٹر، محبت کرو، تو پھر درمیان میں کوئی چیز نہیں رہنی چاہئے۔ احتیاط، احساس، مشورے، محبت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، میں تمہیں چاہتا ہوں ماسٹر، بس میں تمہارے پیچھے چلا آیا"
• لیکن .....
• سمجھنے کی کوشش کرو ماسٹر، وہ جھجکا بھی سکتے تھے، سوچ بھی سکتے تھے، مجھے کوئی مشورہ دینے کی کوشش بھی کر سکتے اور میرے پاس ان کی سننے کے لئے وقت نہیں تھا"
• اوہ" میں ایک طویل سانس لیکر خاموش ہو گیا۔ ڈربو کی محبت نے میرے سوئے ہوئے جذبات جگا دیئے تھے۔ کچھ اپنے تھے اور کچھ بیگانے جو بیگانے تھے وہ آنکھیں بند کر کے محبت کرتے تھے، اور جو اپنے تھے انہوں نے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں، کیسی انوکھی بات ہے۔
• ماسٹر" اچانک ڈربو کی آواز سنائی دی۔
• ہوں" میں خیالات سے چونک پڑا۔
• کیا سوچنے لگے ماسٹر"
• کچھ نہیں ڈربو" میں نے کسی قدر اداسی سے کہا۔
• ماسٹر" ڈربو کی آواز میں بھی ایک عجیب سی کیفیت تھی، میں چونک پڑا۔
• اسے کیا بات ہے ڈربو" میں نے حیرت سے پوچھا۔

• شاید تم ناراض ہو گئے ماسٹر"
• کس بات پر ڈربو"
• شاید تم تنہا رہنا چاہتے تھے، میں نے تمہارے پیچھے آکر تمہیں پریشان کیا ہے"
• یہ اندازہ تم نے کیسے لگایا ڈربو" میں نے خشک انداز میں پوچھا۔
• تم کچھ سنجیدہ ہو گئے ہو ماسٹر"
• اور تم کچھ احمق ہو گئے ہو، تیرے آجانے سے تو میری ہمت بڑھ گئی ڈربو، تیری محبت نے دل کے زخم ہرے کر دیئے تھے اور بس" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
• ڈربو تمہارا غلام ہے ماسٹر"
• نہیں ڈربو، دوست، بھائی۔ ہم نے اپنے خون ملائے ہیں"
• وہ تمہاری بڑائی ہے ماسٹر" ڈربو نے متاثر انداز میں کہا۔
• اچھا اب فضول باتوں کو ذہن سے نکال دو۔ دہانٹے کی تلاش کے لئے کوئی قدم اٹھاؤ" میں نے کہا اور ڈربو ہنسنے لگا۔
• میں اپنی کوشش سے غافل نہیں ہوں ماسٹر۔ مگر آپ اس احمق کے لئے بے چین کیوں ہو گئے ہیں"
• وہ احمق نہیں ہے ڈربو"
میں جانتا ہوں، لیکن وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے" ڈربو نے کہا، میرے ذہن میں اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا، بس مجھے ایک احساس تھا اس شخص کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔
ڈربو اور میں سفر کرتے رہے اور پھر شام جھک رہی تھی، جب ڈربو رک گیا۔ اس کی ناک کچھ سونگھ رہی تھی اور پھر اس نے چاروں طرف چوہے کی طرح ناک چلاتے ہوئے گردن گھمائی، اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بڑھنے لگا۔ میں نے خاموشی سے اس کا ساتھ دیا تھا۔
ڈربو نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اس کی تیز نگاہیں شام کے اندھیروں میں تلاش کر رہی تھیں اور پھر وہ ایک جگہ رک گیا۔ جہاں جلی ہوئی راکھ کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر گوشت کی بچی ہوئی ہڈیاں بھی موجود تھیں۔ کسی چھوٹے جانور کی ہڈیاں تھیں۔
ڈربو نے ایک گہری سانس لیکر میری طرف دیکھا:
• کیا خیال ہے ماسٹر"
• ممکن ہے" میں نے کہا۔
• ممکن نہیں، یقیناً دہانٹے یہاں سے زیادہ دور نہیں"
• کیسے کہہ سکتے ہو"
• کمال ہے ماسٹر، جنگل کے لوگ گوشت اتنے اہتمام سے نہیں کھاتے۔ خرگوش کی ہڈیاں ہیں، صاف ظاہر ہے کہ دہانٹے یہاں رکا ہے اور یہ زیادہ دیر کی بات نہیں ہے"
• یہ کیسے کہہ سکتے ہو"
• ابھی بتاتا ہوں ماسٹر" ڈربو نے کہا اور پھر وہ راکھ کریدنے لگا چند لمحے کے بعد راکھ سے ایک ننھی سی چنگاری جھانکی اور سرد ہو گئی۔
• کیا خیال ہے ماسٹر"
• تمہارا خیال ہی درست معلوم ہوتا ہے، لیکن تم یہاں تک کس طرح پہنچے"
• ناک کا استعمال"
• کیا مطلب"
• گوشت بھننے کی خوشبو کافی دیر تک فضا میں چکراتی رہتی ہے"
• اوہ۔ گویا یہ تمہاری تیز ناک کا کمال ہے لیکن اب کیا خیال ہے، اسے تلاش کیا جائے"
• شام جھک آئی ہے ماسٹر، اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ دہانٹے کو ہمارے تعاقب کا علم ہے کہ نہیں، اگر اسے علم ہو گیا تو وہ وہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے کی کوشش کرے گا اور رات کی تاریکی میں ہم اسے آسانی سے نہ تلاش کر پائیں گے اس لئے میری رائے ہے کہ ہمیں کہیں قیام کیا جائے، دن کی روشنی میں ہم بہتر طور سے کام کر سکیں گے"
• اوکے ڈربو، میں تم سے متفق ہوں"
• ہم آگ بھی روشن نہیں کریں گے چیف کہ وہ ہوشیار ہو جائے"
• ٹھیک ہے"
تب ڈربو نے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی، کونسے انتظامات تھے ہمارے پاس، بے سروسامانی کی کیفیت تھی چنانچہ قیام کے لئے اہتمام کیا ہوتا۔ البتہ ڈربو مجھ سے زیادہ ہوشیار تھا، اس نے کھانے پینے کا کچھ سامان ساتھ لے لیا تھا جو اس وقت کام آگیا ورنہ بھوکا رہنا پڑتا کیونکہ دہانٹے کو دھوکہ دینے کی وجہ سے اس وقت شکار تو کیا نہیں جا سکتا تھا۔
کھانے کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔ ڈربو نے رات کے لئے کسی بھی خطرے سے نمٹنے کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں، کافی دیر تک ہم خاموش بیٹھے رہے، میں تو اپنے خیالات میں گم تھا لیکن ڈربو نہ جانے کیا سوچ رہا تھا جب مجھے اس کی طویل خاموشی کا احساس ہوا تو میں چونک پڑا:
• ڈربو" میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک پڑا۔
• چیف" وہ کہنیوں پر اٹھ کر بولا۔
"کیا سوچ رہے ہو"
• کچھ نہیں چیف"
• پھر بھی"
• بس یونہی ایک خیال ذہن میں الجھ رہا تھا"
• مجھے نہیں بتاؤ گے"
• کیوں نہیں ماسٹر، میں سوچ رہا تھا کہ آپ دہانٹے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، وہ ہمارا بگاڑ ہی کیا سکتا ہے"
• بس ڈربو، میں اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا، میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی سیدھے سادے شخص کے لئے خطرہ بن جائے"
• یہی سوچ رہا تھا باس، اور کچھ نہیں"
• تمہارے ساتھی تمہیں تلاش نہیں کریں گے"
• شاید کریں باس، لیکن کون کسی کا ساتھی ہے، بالآخر وہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں گے" ڈربو نے ایک گہری سانس لی۔

اور نہ جانے کیوں ٹوبو کے اس جواب سے میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور ذہن میں سناٹا پھیل گیا۔

- ہاں ٹوبو۔ میرے دل سے بے اختیار ایک آہ نکل گئی۔
- کیا ہوا ماسٹر؟
- کچھ نہیں۔
- پھر بھی؟
- تمہارے جواب پر غور کر رہا تھا، واقعی انسان کے پاس بھولنے کا فن سوچا ہے اگر وہ بھولنے کا عادی نہ ہو تو کتنی یادیں اس کے دل کا ناسور بن جائیں۔
- بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے ماسٹر۔
- تونے کبھی محبت کی ہے ٹوبو؟
- کسی لڑکی سے نہیں باس، باقی سب ٹھیک ہے۔ ٹوبو نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سوچنے کا انداز بدل گیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
- کیوں لڑکی سے کیوں نہیں؟
- وہ محبت کے جواب میں کیا دیتی ہے ماسٹر، صرف چند عدد بچے اور عمر بھر کی مصیبت، اس سے بہتر ہے انسان آزاد رہے اور اپنے ہی ہم جنس سے پیار کرے۔
- تیرا فلسفہ عجیب ہے ٹوبو۔
- جو بھی ہے ماسٹر، مگر اس پر قائم رہوں گا۔
- ٹھیک ہے۔ میں نے گہری سانس لی۔
- ہاں۔ ٹوبو چند ساعت کے بعد بولا۔
- ہوں۔
- کیا یہی سوال میں تم سے پوچھ سکتا ہوں۔
- اوہ۔ تو نے میری فطرت سے کیا اندازہ لگایا ہے ٹوبو؟
- بات صرف یہی نہیں ہے باس کہ تم اچھے نشانہ باز ہو، اچھی گفتگو کرتے ہو، دوستوں سے اچھی طرح پیش آتے ہو۔ بلکہ ٹوبو تمہارا غلام تمہارے کچھ اور اوصاف سے بھی واقف ہے۔
- مثلاً؟
- مثلاً تم بے حد شریف انسان ہو۔ تم عورت کو بھی دھوکہ نہیں دیتے۔
- ہاں ٹوبو۔ دھوکہ دینا اچھی بات نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا اور ٹوبو خاموش ہو گیا۔ میں بھی خیالوں میں گم ہو گیا تھا۔ میں نے کسی لڑکی کو دھوکہ نہیں دیا تھا۔ ہاں بات زلیخا سے شروع ہوئی تھی، میں نے زلیخا سے کبھی اس انداز میں بات نہیں کی تھی کہ وہ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاتی۔ زلیخا کے بعد ۔۔۔ زلیخا کے بعد کہکشاں۔

اور کہکشاں کے تصور سے میرے دل میں ایک درد جاگ اٹھا۔ الٰہی میں نے تو اس کے بارے میں اس مقدس جذبے کا اظہار کیا تھا۔ میں نے بڑے پیار سے بہن کہا تھا، پھر اس کا تصور دھڑکنوں میں تبدیل کیوں ہو جاتا ہے وہ کونسی دعا تھی جس نے دل کی دنیا ہی بدل دی اور اب جب کہ میں اس سے اتنا دور ہو گیا ہوں، اب وہ میرے تصور میں کیوں آ رہی ہے۔ میں وہ اٹھے ہوئے ہاتھ کیوں نہیں بھول پاتا۔

لیکن رہا دھوکے کا سوال، تو میں نے کہکشاں کو بھی دھوکہ نہیں دیا۔ اور نورجہاں جیسی کومل لڑکی کو بھی میں نے غلط فہمی کا شکار نہیں بنایا حالانکہ میں کوئی بد انسان ہوتا تو نورجہاں غلط راستے پر آسانی سے لگ سکتی تھی۔ بہرحال میرے ضمیر پر کوئی ایسا داغ نہیں تھا جو مجھے بے چین کرتا۔

یہاں تک کہ کرشی کی وجہ سے میں نے ساری آسائشیں چھوڑ دیں۔ نواب فیروز الدین جیسے مخلص انسان کو میں نے ناراض کر لیا کیونکہ میں اسے بھی مجبور نہیں دے سکتا تھا، میں نواب صاحب کی خواہش سے بھی واقف تھا۔ کرشی سے میرے سارے معاملات ہموار ہو سکتے تھے، لیکن میں کیا کرتا، میری تو منزل ہی دوسری تھی۔

یہ ساری لڑکیاں میرے لئے قابل احترام تھیں۔ ان میں سے کسی کو بھی زندگی کا ساتھی بنایا جا سکتا تھا، لیکن جس کی زندگی کا کوئی بھروسہ ہی نہ ہو وہ کسی دوسرے کی زندگی کو خود سے کس طرح منسلک کر سکتا ہے، میں تو ابتداء سے خود کو سب سے الگ تھلگ سمجھتا تھا۔ شاید اس کی وجہ والدین اور دوسرے لوگوں کی بے رخی تھی۔

خیالات کی ریل چلتی رہی، پھر مجھے ٹوبو یاد آیا، اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، ٹوبو ساکت تھا۔ شاید وہ سو چکا تھا۔ یا پھر یونہی خاموش کچھ سوچ رہا تھا۔

- ٹوبو ۔۔۔ میں نے اسے آواز دی لیکن جواب نہ ملا، تب ایک گہری سانس لے کر میں نے بھی کروٹ بدل لی اور خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ تب نیند کی دیوی مہربان ہو گئی اور ہم دونوں جنگلی درندوں اور زمین پر رینگنے والے، درختوں پر بسنے والے حشرات الارض کو بھول کر نیند کی آغوش میں ہچکولے لینے لگے پھر سورج کی کرنوں نے آنکھوں میں گدگدی کی اور ہم جاگ گئے۔ ٹوبو ایک گہری سانس لے کر اٹھ گیا۔ اس نے چاروں طرف کا ماحول دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا:
- ویری گڈ ماسٹر۔ ہم نے تو اس جگہ کو اپنی کوٹھی کا بیڈ روم سمجھ لیا۔
- واقعی بڑی گہری نیند آئی، رات کو ایک بار بھی آنکھ نہ کھلی۔
- اپنی بھی یہی کیفیت تھی ماسٹر۔
- لیکن بہرحال یہ بڑا خوفناک تھا۔
- کیا ماسٹر؟
- جنگل درندوں سے بھرا ہوا ہے اور نہ جانے رات کو کون کون کیڑے مکوڑے ہم سے ملاقات کو آئے ہوں گے اور مایوس واپس چلے گئے گے، حیرت یہ ہے کہ کسی نے ہم پر شفقت کیوں نہیں کی۔
- درندے انسانوں سے بہتر ہوتے ہیں ماسٹر۔ انہوں نے ہمیں دیکھا اور ہماری نیند کا احترام کیا، میں سچ کہہ رہا ہوں ماسٹر، کوئی بھی درندہ کتنا ہی بدفطرت کیوں نہ ہو، ساکت جسموں پر حملہ آور نہیں ہوتا۔
- شاید۔ میں نے طویل سانس لی۔
- اب کیا پروگرام ہے ماسٹر؟
- ناشتہ۔ میں نے جواب دیا۔
- اوہ۔ ہاں۔ ٹوبو اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا پسند کرو گے ماسٹر؟
- بھئی جو کچھ بھی ہو، ظاہر ہے شکار تو نہیں کر سکتے۔

- کیوں ماسٹر؟ ٹوبو نے حیرت سے کہا۔
- فائر کی آواز سے وائٹ ہوشیار ہو جائے گا۔
- تمہارا غلام اسے ہوشیار نہ ہونے دے گا۔ ٹوبو نے کہا اور پھر اس نے اپنے کوٹ کے اندرونی حصے کو کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ اس میں لاسٹک کے بکسوں میں ایک مخصوص انداز کی لمبی لمبی چھریاں لگی ہوئی تھیں۔
- یہ کیا ہے؟
- ٹوبو کا خفیہ ہتھیار۔ ٹوبو نے جواب دیا اور پھر چھلانگ لگا کر ایک طرف دوڑ گیا، میں اسے دیکھتا رہ گیا، اس ہتھیار سے شکار میری سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن میں نے تھوڑے ہی فاصلے پر ٹوبو کو رکتے پایا۔ شاید قدرت کی طرف سے ہی ناشتے کا بندوبست ہوا تھا۔ وہ ہرن کا ایک بچہ تھا، جو نہ جانے کس طرف سے نکل آیا تھا۔ اور ٹوبو کی نگاہ بھی اس پر پڑ گئی تھی، دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں چھری نظر آئی۔

لیکن ہرن نے اس کی آہٹ محسوس کر لی۔ چنانچہ دوسرے ہی لمحے اس نے جست لگائی اور اسی وقت ٹوبو کے ہاتھ سے چھری ایک تیز سنسناہٹ کے ساتھ نکلی، ہرن کے بچے نے قلابازی کھائی اور میں حیران رہ گیا۔ ٹوبو نے اس کے اگلے پاؤں کو نشانہ بنایا تھا اور پھر آن کی آن میں ٹوبو اس کے سر پر پہنچ گیا اس نے ہرن کی گردن کاٹ دی اور پھر اسے گھسیٹتے ہوئے واپس چل پڑا۔ چند ہی ساعت کے بعد وہ میرے پاس پہنچ گیا۔

- ناشتہ جیسے ہمارا انتظار کر رہا تھا ماسٹر۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔
- مگر تمہارا یہ ہتھیار خوب ہے ٹوبو۔
- ٹوبو ایسے چٹکلوں کا ماہر ہے، زیبر کا استعمال پورے قبیلے میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔
- اوہ۔ اچھا۔ میں نے حیرت سے کہا۔
- ہاں ماسٹر۔
- مجھے بھی سکھا دو ٹوبو۔
- ضرور ماسٹر، تم سے بڑھ کر کوئی چیز ہے میرے لئے۔ ٹوبو ہرن کی کھال ادھیڑتے ہوئے بولا۔
- محبت ہے تمہاری ٹوبو۔

ٹوبو نے ہرن صاف کر کے خشک لکڑیاں جمع کیں اور پھر وہ ہرن بھوننے لگا، تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتہ کر رہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے سفر کی تیاریاں کیں اور چل پڑے۔

ٹوبو کسی شکاری کتے کی طرح وائٹ کی بو سونگھ رہا تھا، اور میں نے افریقہ کے اس انوکھے انسان کی بے پناہ صلاحیتوں کا دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

بلاشبہ ایسے نشانات مل رہے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وائٹ ہمارے آگے سفر کر رہا ہے۔ رات ہوئی، پھر دن نکل آیا، وائٹ ہمیں نظر نہیں آیا تھا لیکن جگہ جگہ ایسے نشانات ضرور مل رہے تھے کہ ان سے اس کی موجودگی کا پتہ چلتا تھا، ٹوبو کی صلاحیتوں سے ہم اسے گم نہیں کر پائے تھے۔

اسی شام ٹوبو نے شکار تیار کرتے ہوئے کہا:

- تمہارا کیا خیال ہے ماسٹر، کیا اس شخص کو ہمارے تعاقب کا علم ہے؟
- میں اندازہ نہیں لگا سکا ٹوبو۔
- میرا خیال ہے نہیں ہے۔
- کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟
- سیدھی سی بات ہے ماسٹر، اگر وہ علم رکھتا تو ایسے نشانات نہ چھوڑتا جن کی مدد سے ہم اس کے پیچھے چلتے رہتے۔ ٹوبو نے کہا، بات واقعی سیدھی سی تھی۔
- واقعی تمہارا خیال ٹھیک ہے۔
- اگر وہ ایک سے زیادہ ہوتے تو ہم یہ بھی سوچ سکتے تھے باس کہ وہ ہمیں بھٹکانے اور غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
- ہاں تنہا وہ ایسا نہیں کر سکتا۔
- لیکن ایک بات واقعی سمجھ میں نہیں آتی ماسٹر۔
- کیا؟
- وہ کن لائنوں پر چل رہا ہے؟
- کیا مطلب؟
- مطلب یہ کہ کیا اس کے پاس کوئی نقشہ ہے، اگر نقشہ نہیں ہے تو وہ اس راستے پر کس امید کے تحت بڑھ رہا ہے؟
- تمہارے خیال میں یہ راستہ کس طرف جاتا ہے ٹوبو؟
- نی تیکا کی طرف۔ ٹوبو کے جواب نے میرے ذہن میں سنسنی پیدا کر دی۔

میں نے حیرت سے ٹوبو کی طرف دیکھا۔

- کیا یہ ممکن ہے ٹوبو؟
- ہاں ماسٹر۔
- لیکن کیسے ٹوبو؟
- افریقہ کی بھول بھلیاں ماسٹر، اور جو افریقی نہیں ہیں وہ بعض اوقات ان بھول بھلیوں میں ایسے پھنستے ہیں کہ پھر نکلنے کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔
- وہ کیا؟
- صرف یہ کہ وہ اپنا بدن وہیں چھوڑ جائیں اور روح کو لے کر افریقہ سے نکل جائیں۔ بدن کو تو وہیں گلنا سڑنا ہوتا ہے، زندہ واپسی کسی طرح ممکن نہیں۔
- اوہ۔ ٹوبو کے اس مذاق پر میں نے گہری سانس لی۔ اس کا مطلب ہے کہ تم اس راستے سے بھی واقف ہو۔
- ہاں باس، ہم تو ان علاقوں کے کیڑے ہیں۔
- تو کیا یہ راستہ بھی آسانی سے نی تیکا پہنچا دے گا؟
- آسانی سے ۔۔۔ ٹوبو استہزائیہ انداز میں ہنسا۔
- کیوں؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔
- نی تیکا والے اپنے قیدیوں کو جو فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں اس راستے سے بخوشی فرار کی اجازت دے دیتے ہیں، کیونکہ ادھر سے فرار ہونے والوں کے لئے زندگی کی راہ نہیں ہے۔
- اوہو ۔۔۔ آخر کیوں؟
- بس ماسٹر، راستہ تو میں نے بھی نہیں دیکھا، سنا ہے اس طرف خوفناک دلدلیں اور آدم خور درختوں کی بہتات ہے۔
- تب پھر وائٹ بھی موت کی طرف بڑھ رہا ہے۔

- ہاں چیف!
- اور ہم اس کا تعاقب کر رہے ہیں!
- میرا خیال ہے چیف، ہمیں تھوڑی دور تک اور اس کا تعاقب کرنا چاہیے، اس کے بعد میں تمہیں آگے جانے کی رائے نہیں دوں گا۔ لیکن اگر تم آگے جاؤ گے تو بہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں گا!
- ہوں! میں نے گہری سانس لی اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے گردن اٹھائی اور ٹوبو کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹوبو بھی میری طرف ہی متوجہ تھا۔

- میرا خیال ہے ٹوبو، ہمیں وہائٹ کو پکڑنے کے لئے خصوصی انتظامات کرنے چاہئیں!
- اگر کوئی ترکیب تمہاری سمجھ میں آئی ہے ماسٹر تو بتاؤ!
- ممکن ہے وہائٹ کو ہمارے تعاقب کا علم ہی ہو!
- فرض کر رہے ہو!
- چونکہ وہ مسلح نہیں ہے، اس لئے ہمارے قریب آنے سے ڈرتا ہے۔ ویسے اسے معلوم ہے کہ ہم دن میں اس کا تعاقب کرتے ہیں اور رات میں قیام کرتے ہیں!
- ٹھیک ہے چیف، پھر!
- رات میں وہ بھی قیام کرتا ہوگا!
- ہاں، یقیناً!
- آسمان صاف ہے!
- بالکل!
- چاند بھی ضرور نکلے گا!
- نکلے گا باس!
- پھر ہم چاندنی سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں!
- میں نہیں سمجھا ماسٹر!
- رات میں اسے تلاش کریں!
- اوہ! ٹوبو کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔
- تمہیں اعتراض ہے؟ میں نے پوچھا لیکن ٹوبو نے کوئی جواب نہیں دیا وہ غور سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔
- اگر تمہیں اعتراض ہے ٹوبو تو صاف صاف بتاؤ، بہر حال تم میرے دوست ہو اور تمہاری کوئی بھی رائے غلط نہیں ہوگی! میں نے صاف لہجے میں ٹوبو سے کہا۔

لیکن ٹوبو میری شکل دیکھتا رہا۔

- احمق آدمی کیا بات ہے! بالآخر میں نے جھلا کر کہا۔
- میں دوسری بات سوچ رہا ہوں باس!
- آخر کیا!
- یہی کہ تمہارے اندر ایسی کوئی پوشیدہ کشش ضرور تھی جو ہمارے دل تمہاری طرف کھینچے، ٹوبو نے پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے۔
- اس وقت اس بات کا کیا مطلب؟

- تم دھن کے پکے ہو، شکار کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک اس کا خون نہ پی لو، تم غیر معمولی انسان ہو باس، اور کسی غیر معمولی انسان پر بھی جان دی جاسکتی ہے!
- اچھا میری بات کا جواب دو!
- جواب کیا چیف، ابتداء کرو!
- یعنی تم تیار ہو!
- تیار نہ ہونے کا کیا سوال، میں دل و جان سے تیار ہوں!
- ویری گڈ، تب آج ہی۔ اس وقت جب چاند نکل آئے گا!
- او کے باس! ٹوبو نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے ٹوبو سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر جب کافی دیر کے بعد چاند نے سر ابھارا تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹوبو کے چہرے پر انوکھی چمک آ رہی تھی۔ چاندنی نے صحرائے اعظم کا جو روپ پیش کیا تھا، مہذب دنیا کا کوئی کمزور دل انسان اس وقت اسے دیکھ لیتا تو اسے چاندنی سے ہمیشہ کے لئے دہشت ہو جاتی۔ چاروں طرف پھیلے ہوئے درخت حشرات کے شکاری نکل پڑے تھے اور اپنا شکار حاصل کر رہے تھے یہ مختلف قسم کے حشرات الارض تھے جن میں سانپ بھی شامل تھے۔

عام حالات میں اگر ہم سانپ دیکھ لیتے ہیں تو اس وقت تک سکون سے نہیں بیٹھتے جب تک اس سے کسی بھی طرح نجات نہ حاصل کر لیں، لیکن اس وقت سانپ میرے لئے بے حقیقت تھا۔ مختلف قسم کے سانپ ہمارے سامنے سے گذر جاتے اور ہم ان کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، ہاں بعض سانپوں کے سامنے ٹوبو کا تجربہ کام آتا۔ چنانچہ اس وقت ہم ایک خود رو قطعے کے نزدیک سے گذر رہے تھے کہ اچانک ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گراری چل رہی ہو۔

ٹوبو ٹھٹھک گیا۔

- کیوں! میں نے بھی رک کر پوچھا۔
- خاموش باس، بالکل چپ رہو! ٹوبو نے کہا اور جھک کر ایک پتھر اٹھا لیا۔ سلامت باس، اپنی جگہ ساکت رہو! ٹوبو پھر بولا اور میں ساکت ہو گیا۔

ٹوبو جھاڑیوں کی طرف دیکھ رہا تھا، پھر اس نے پتھر کو ایک مخصوص انداز میں پکڑا اور اسے زمین پر اس طرح اچھالا کہ وہ رگڑ کھاتا ہوا دور تک جائے۔

اور میں نے جھاڑیوں سے ایک بجلی سی چمکتی دیکھی، پہلے تو میں سمجھ ہی نہ سکا کہ جھاڑیوں سے کیا چیز نکلی ہے لیکن چاندنی خاصی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہاں چاند کچھ زیادہ ہی نکھرا ہوا تھا۔ چاندنی میں سفید رنگ کا ایک خوبصورت سانپ نظر آیا جس کی پشت پر ایک سیاہ دھاری تھی۔ سانپ پتھر کی طرف لپکا تھا اور جونہی پتھر رکا، سانپ نے اس پر پھن مارا۔ ایک روشنی سی چمکی اور معدوم ہو گئی۔ اگر میری آنکھوں نے دھوکہ نہیں کھایا تھا تو پتھر لوہے کی طرح سرخ ہوا تھا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

میں دم بخود رہ گیا۔ اتنی دیر میں ٹوبو نے بغیر اپنے کوٹ کی جیب سے اپنی مخصوص چھری نکال چکا تھا اور پھر اس نے چٹکی میں چھری پکڑی اور دوسرے لمحے چھری اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

کوئی جواب نہیں تھا ٹوبو کے اس ہتھیار کا، چھری سانپ کے بدن

پیوست ہو کر زمین میں گڑ گئی تھی اور سانپ زبردست جدوجہد کر رہا تھا، سانپ کی جدوجہد نے اسے بری نقصان پہنچایا اور کئی منٹ کے بعد وہ ساکت ہو گیا۔

- شکر ہے! ٹوبو نے گہری سانس لی۔
- یہ کیا ہے ٹوبو!
- سنگورا! ٹوبو نے جواب دیا۔
- سانپ کی کوئی قسم ہے!
- ہاں، ایسی قسم جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے باس!
- کیا مطلب!
- یہ پتھر جس پر اس نے پھن مارا تھا، ہم اسے کپڑے میں لپیٹ کر رکھ لیں گے۔ اگر اسے دریا میں ڈال دیا جائے تو دریا کے اس طرف بہنے والے پانی کو کم از کم ایک ہزار میل تک جو کوئی پیئے گا ایک لمحے میں مر جائے گا!
- اوہ۔ اس قدر زہریلا ہے یہ! میں نے حیرت سے پوچھا۔
- تم تصور بھی نہیں کر سکتے چیف، افریقہ میں اس کے بارے میں بڑی عجیب روایات ہیں، بہت سے علاقوں میں تو اس کی پوجا ہوتی ہے، ویسے اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ متحرک چیزوں پر حملہ کرتا ہے۔ ساکت چیزیں اسے نظر ہی نہیں آتیں دوسرے معنوں میں اس کے صرف کان ہوتے ہیں آنکھیں نہیں!
- اوہ! میں نے ایک جھرجھری سی لے کر کہا۔
- کیا خیال ہے چیف، یہ پتھر اٹھا لیں!
- رہنے دو ٹوبو، ہمیں کیا کرنا ہے!
- اگر تم اجازت دو تو میں رکھ لوں یقین کرو چیف، بڑے بڑے ہیروں سے قیمتی ہے!
- اٹھا لو لیکن احتیاط سے!

اور ٹوبو آگے بڑھ گیا۔ اس نے پتھر اٹھا لیا تھا، اسے احتیاط سے کپڑے میں لپیٹ کر اس نے اپنے لباس میں چھپا لیا لیکن اس نے بھی سانپ کے بدن سے چھری نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے اس سے چھری کے بارے میں کچھ نہ کہا اور ہم آگے بڑھ گئے۔ حقیقت اس علاقے میں رات کا یہ عجیب سفر میرے لئے بڑا خوفناک تجربہ تھا۔ میں آج بھی سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسان عجیب چیز ہے۔ بڑے بڑے فلاسفروں نے اس کا تجزیہ کر کے اس کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں انسان کی فطرت کی مکمل تفصیل کا نکتہ جو گذرے ہوئے دور کے سارے مفکر مل کر بھی نہیں بتا سکتے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے صرف چند باتیں کہی ہیں، جبکہ انسان کائنات کی طرح پھیلا ہوا ہے، خود اپنے بارے میں، اپنی سوچ کے بارے میں، اپنی فطرت کی گہرائیوں کے بارے میں وہ کچھ نہیں جان سکا۔ خوف ایک فطری جذبہ ہے اور شاید انسان نے خود اپنے لئے خوف تشکیل کیا ہے۔ اس نے تعین کیا ہے کہ اسے ان چیزوں سے ڈرنا چاہئے اور بلاشبہ وہ چیزیں اس کے لئے ضرر رساں ہوتی ہیں۔

لیکن ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب وہ ان چیزوں سے خوف قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور بلاشبہ یہ جذبہ اس کے اندر سے ابھرتا ہے۔ دوسروں کے لئے ظاہر ہے وہ حیرت انگیز ہوتا ہوگا۔ لیکن خود اس کی نگاہوں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

یہی کیفیت ان دنوں میری تھی۔ میں نے ایسا خوفناک سانپ دیکھا تھا جسے عام حالات میں دیکھ لیتا تو شاید ہفتوں میرے ذہن پر سوار رہتا لیکن وہاں سے صرف چند قدم آگے بڑھنے کے بعد میں اس اندھے سانپ کو بھول چکا تھا۔ اور ہم آگے بڑھتے رہے، چاندنی ہماری رہنمائی کر رہی تھی اور ٹوبو کسی خونخوار شکاری کتے کی طرح چوکنا تھا۔

- "اپنی زمین کی بات ہی اور ہوتی ہے چیف۔" اچانک ٹوبو بول پڑا۔ اور میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔
- ہاں ٹوبو، اس میں کیا شک ہے، لیکن اس وقت یہ خیال کیسے آگیا!
- اپنے بارے میں سوچ رہا تھا!
- کیا!
- کچھ عرصے قبل یہی جنگلات، یہی وحشت خیز علاقے، میرے دن رات تھے، لیکن پھر میں نے مہذب دنیا کا رخ کیا باس اور بلاشبہ وہ دنیا بیحد رنگین تھی، ابتداء میں مجھے بیحد پسند آئی، بڑی خوبصورت لگی، یہ اس چیز کی مانند باس جو نئی ہوتی ہے، لیکن وہاں اکتاہٹیں ہیں، وہاں انسان زیادہ عرصے نہیں رہ سکتا، میں نے اپنی سرزمین ذہن سے نکال دی تھی، کیونکہ یہاں بھی میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوا تھا لیکن بہر حال اس کی یاد میرے دل میں چٹکیاں ضرور لیتی تھی، اور چیف پھر حالات مجھے وہاں دوبارہ لے آئے، میں نے اکثر وہاں کا اور یہاں کا تجزیہ کیا ہے!
- خوب، کیا پایا ٹوبو! میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
- صاف صاف کہوں چیف!
- ہاں۔ بالکل!
- وہ دنیا ٹھیک نہیں ہے!
- کیوں!
- وہاں کا انسان زیادہ خونخوار ہے، جنگل کے لوگ اگر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں تو خلوص دل سے ہوتے ہیں اور اگر دشمن ہوتے ہیں تب بھی ایک مخلص دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیت کے بارے میں شبہ نہیں ہوتا چنانچہ جب دشمن سامنے ہو تو انسان سوچ لیتا ہے کہ وہ دشمن کے سامنے ہے لیکن معاف کرنا چیف، مہذب دنیا کے لوگ سچے دشمن بھی نہیں ہوتے وہ اپنے آپ پر بے شمار لبادے ڈال لیتے ہیں۔ دور سے دوست نظر آتے ہیں قریب سے دشمن۔ قریب سے دوست نظر آتے ہیں دور سے دشمن۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں دوست سمجھا جائے یا دشمن، انسان اسی سوچ میں رہ جاتا ہے اور وہ وار کر دیتے ہیں، ایسی شکل میں اپنا بچاؤ بھی تو مشکل ہے!
- ہوں! میں نے ایک گہری سانس لی۔
- میں معافی مانگ چکا ہوں باس!
- نہیں ٹوبو، تمہارا خیال ٹھیک ہے!

"اس کے علاوہ باس، تمہاری دنیا بے حد تن آسان ہے، تم نے اپنے کو ترقی یافتہ کہہ کر مفلوج کر لیا ہے، تمہاری دنیا کے انسانوں کی کارکردگی ختم ہو گئی ہے، یوں سمجھ لو باس کہ وہ مشینوں کے غلام بنتے جا رہے ہیں ہر معاملے میں وہ مشینوں کا سہارا لیتے ہیں، کوئی کام خود کرنے کے اہل نہیں رہے، حالانکہ دنیا بہت پرانی ہے جس وقت مشینیں نہیں تھیں اس وقت بھی انسان اتنا ہی خوش و خرم تھا۔"

"بیشک۔"

"اور تندرست بھی۔"

"ہاں۔"

"بات یہ ہے باس کہ انسانی اعضاء مشقت مانگتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں، آنکھیں، ذہن ہر چیز حرکت میں رہنا چاہتی ہے، تم یوں سمجھو کہ بدن کی ساری مشینری چلنے کے لئے ہے لیکن اسے استعمال ہی نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ وہ ناکارہ ہو جائے گی، میں یہ ساری باتیں اس لئے سوچ رہا ہوں باس کہ اس خوفناک منظر نے میرے ذہن پر سرور طاری کر دیا ہے۔ اس تھوڑی سی جدوجہد نے مجھے پھر سے میری دنیا کا انسان بنا دیا ہے اور یقین کرو باس، اس وقت میں ہر خطرے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔"

"تو تو پورا فلاسفر ہے ٹوبو۔"

"صرف ایک بات بتا دو باس، جو کچھ میں نے کہا ہے غلط کہا ہے۔"

"نہیں۔ مجھے تجھ سے اتفاق ہے۔"

"تو اس بات کو ذہن میں رکھنا باس۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"میں تمہاری اس بات سے فائدہ اٹھاؤں گا۔"

"کیسا فائدہ؟"

"یہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔"

"نہیں۔ ابھی بتا دے ٹوبو۔"

"تھوڑا سا انتظار کر لو باس۔"

"بتا بھی دے ٹوبو، انتظار کی کیا بات ہے۔"

"میں تم سے درخواست کروں گا باس، یہاں جو کرنا چاہو کر لو، اور اس کے بعد میرے قبیلے کی سرداری کرو، میں تمہارا غلام رہوں گا۔"

ٹوبو کی بات سن کر میں کئی منٹ تک خاموش رہا، اس مخلص انسان کے خلوص پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن میرے لئے یہ کیسے ممکن تھا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے ماسٹر؟"

"تیری بات پر غور کر رہا ہوں ٹوبو۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ یہ قبل از وقت ہے۔"

"اوہ۔ نہیں ٹوبو، قبل از وقت کا مسئلہ نہیں ہے، تمہیں میرے نظریے کے بارے میں معلوم نہیں ہے، تمہیں میرے اس عزم کے بارے میں معلوم نہیں ہے، جس کی وجہ سے میں صحرا گردی کر رہا ہوں۔"

"ٹوبو کو مخلص سمجھتے ہو تو بتا کیوں نہیں دیتے اپنے بارے میں۔"

"تھوڑی بہت تفصیل تجھے معلوم ہے ٹوبو۔"

"بہت مختصر ماسٹر۔"

"یوں سمجھ لے ٹوبو، میں خود ایک بڑے گھرانے کا انسان ہوں، دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ پوری زندگی ہنسی خوشی گذار دیتا لیکن اگر ضمیر پر تھوڑا سا بوجھ رکھنا پڑتا، دوسروں کی نگاہوں میں ہلکا بننا پڑتا گوارہ نہ ہوا۔ باپ نے احسان کرتے ہوئے اپنی پسند کی لڑکی سے شادی لڑکی بُری نہیں تھی، لیکن وہ انسان، وہ تصور پسند نہ آیا جو لڑکی کے ساتھ کر دیا گیا تھا، بس گھر چھوڑ دیا اور ٹھوکریں کھانے لگا، لیکن گھر چھوڑنے کے پشت بھی ایک جذبہ کارفرما تھا، میں نے سوچا تھا کہ ان لوگوں کے ذہن میں یہ نقش برقرار رہے گا کہ میں ناکارہ انسان ہوں۔ ایک دن ان سے زیادہ دولت مند بن کر جاؤں اور ان سے اپنی حیثیت منواؤں گا۔ اگر میں واپس نہ جا سکا ٹوبو تو وہ سوچیں گے دیوانہ تھا، دیوانگی کی نذر ہو گیا تو افسوس نہ رہے گا، لیکن زندہ رہا تو خوش نہ رہ سکوں گا، اس تصور سے سوچا تھا اس میں ناکام رہا۔"

میں خاموش ہو گیا۔

ٹوبو بھی خاموشی سے میری شکل دیکھ رہا تھا، اور میرے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ کئی منٹ تک میری شکل دیکھتا رہا۔ جیسے چشم تصور سے کہانی کی مختلف تصویریں دیکھ رہا ہو۔

"کیا سوچنے لگے ٹوبو۔" میں نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

"کچھ نہیں چیف۔"

"کیا خیال ہے تمہارا؟"

"کس بارے میں۔"

"میری کہانی کے بارے میں۔"

"کوئی نام نہیں باس۔"

"اوہ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"باس کی عزت ٹوبو کو جان سے زیادہ عزیز، اچھا ہے تم نے میرے سپرد ایک کام کر دیا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرانی سے کہا۔

"اب ٹوبو کو بھی زندگی کا ایک مقصد مل گیا ہے۔"

"مقصد؟" اس فلسفی کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

"ہاں ہاں مقصد۔" ٹوبو نے مسرور لہجے میں کہا۔

"براہ کرم تفصیل سے بتاؤ ٹوبو۔"

"باس صرف اتنا کافی ہے کہ باس ٹوبو کی جان ہے۔ اور جب ٹوبو کی زندگی کا مقصد، میرا اپنا مقصد، کیا سمجھے ماسٹر، تم اس عزم میں تنہا رہے، ٹوبو کی گردن اپنے ہاتھ سے اتار دینا ورنہ اسے خود میں شامل رکھنا۔"

ٹوبو کے ان الفاظ نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔

یہ خلوص کی پہلی آواز تھی جس میں سچائی تھی۔ اور یہ سچائی میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی، [illegible] کا قائل لیکن ٹوبو کے اس خلوص کو ٹھکرانا درندگی تھی۔

گفتگو کرتے ہوئے ہم کافی سفر طے کر چکے تھے۔ راستے کی مبہم [illegible] ہم نے نظر انداز ہی کر دیا تھا۔ دفعتاً ٹوبو نے میرا شانہ دبایا اور میں چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ سامنے دیکھو چیف۔"

"کہاں؟"

"اس سیاہ جھاڑی کی اوٹ میں جو اوپر سے سفیدی نظر آ رہی ہے۔"

اور میں ٹوبو کے اشارے کی طرف دیکھنے لگا لیکن مجھے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی تھی۔

"کیا ہے وہاں؟"

"رک جاؤ ماسٹر۔" ٹوبو سرگوشی میں بولا۔

"خطرہ ہے کوئی؟"

"نہیں۔"

"پھر—؟"

"میں نے وہاں دھواں دیکھا ہے۔"

"دھواں؟"

"ہاں۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو ٹوبو؟"

"وہ دھواں ایسا تھا، جیسے آگ بجھائی گئی ہو، اور چیف تمہاری ناک اتنی تیز کام نہیں کر سکتی لیکن میں نے گوشت کی چراند محسوس کی ہے۔"

"میری نظر بھی اتنا تیز کام نہیں کر سکتی ٹوبو۔" میں نے اعتراف کیا۔

"بھروسہ کرو چیف، وہاں کوئی ضرور موجود ہے۔"

"وہائٹ؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم پورے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہو؟"

"اگر تم افریقہ کے باشندے ہوتے باس تو تم بھی اسی وثوق سے یہ بات کہہ سکتے تھے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے؟"

"وہ بھی افریقہ کا باشندہ نہیں ہے ٹوبو۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا

"لیکن مجرم ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جرائم عام لوگ نہیں کرتے ماسٹر، وہی کرتے ہیں جو اعلیٰ خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں اور عام لوگوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔ ان کی ساری حسیں تیز ہو جاتی ہیں۔"

"یار تو تو لیکچرار ہے پورا، تو نے یہ نفسیاتی باتیں کہاں سے سیکھیں؟"

"ہم لوگوں میں سیکھنے کی حس بھی کچھ تیز ہی ہوتی ہے ماسٹر۔"

"چلو مان لیا، لیکن آگ بجھانے کا مقصد یہی ہے کہ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

"پورے وثوق سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔"

"کیوں؟"

"ممکن ہے وہ محتاط ہو، اور اس نے گوشت بھوننے کے بعد آگ بجھا دی ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ٹوبو؟"

"یہی کہ ہم سیدھے نہیں چلیں گے باس۔"

"پھر—؟"

"آؤ—میں نے اس تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔" ٹوبو نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بائیں سمت چل پڑا، یہ بالکل مخالف سمت تھی، لیکن میں نے اس افریقی کیڑے سے اختلاف نہیں کیا، اور اس کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ ٹوبو نے صحیح رُخ اختیار کیا تھا۔ ہم نہایت خاموشی سے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہر حال ایک لمبا چکر کاٹ کر ہم جھاڑیوں کے عقب میں پہنچ گئے، لیکن یہ سفر اتنا دشوار گذار تھا کہ ہم بُری طرح تھک گئے، بہرحال بے حد محتاط تھے۔

پھر ایک سمت سے ٹوبو اور دوسری سمت سے میں نہایت احتیاط کے ساتھ آگے بڑھے اور دونوں انتہائی تیزی سے جھاڑیوں کے دوسرے رُخ پر پہنچے تھے، ایک رائفل ٹوبو کے پاس تھی، میرے ہاتھ میں پستول تھا، لیکن دوسری سمت جا کر ہمیں کافی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

جھاڑیوں کے دوسری جانب اب بھی لکڑیاں سلگ رہی تھیں، کسی جانور کی کھائی ہوئی ہڈیاں اور تھوڑا سا گوشت بھی موجود تھا، لیکن وہائٹ ندارد۔

"نکل گیا۔" ٹوبو نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا، یہاں تھوڑا سا گھاس کا میدان تھا۔ اور اس کے بعد درختوں کا سلسلہ۔ یقیناً وہائٹ انہیں درختوں میں ہو گا۔ لیکن اس وقت اس گھنے جنگل میں وہائٹ کو تلاش کرنے کے لئے داخل ہونا حماقت تھی۔ میں نے مایوسی کی ایک گہری سانس لی اور ٹوبو کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ درختوں میں داخل ہو گیا ہے چیف۔"

"ہاں ٹوبو۔"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"اس وقت ان درختوں میں داخل ہونا مناسب ہو گا ٹوبو؟"

"نہیں باس۔" ٹوبو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ان خوفناک درختوں میں وہ خود بھی محفوظ نہیں ہے، ویسے دو باتیں ہیں باس۔ یا تو وہ افریقہ کے ان جنگلوں کا زبردست ماہر ہے یا ان سے بالکل انجان۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مارا جائے بدبخت۔" ٹوبو گردن ٹیڑھی کر کے بولا، پھر کہنے لگا۔ "بہر حال میں تمہیں ان درختوں میں داخل نہ ہونے دوں گا باس، ہم اس احمق کے لئے زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے ٹوبو، ہم رات کو یہیں قیام کریں گے۔"

اور ٹوبو نے گردن ہلا دی، پھر ہم نے اسی جگہ کا انتخاب کیا، جہاں وہائٹ موجود تھا، اور ایک صاف ستھری جگہ آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ یہ جگہ پچھلی رات کی بہ نسبت زیادہ خوفناک تھی، اور پھر یہ احساس بھی تھا کہ بہرحال وہائٹ کو ہمارے تعاقب کا علم ہو چکا ہے، وہ راتوں رات دور

نکل جانے کی کوشش کرے گا اور پھر اس کی تلاش مشکل ہوگی۔
بہرحال ٹوبو بھی خاموش تھا۔ پھر میں نے ہی مخاطب کیا۔
"ٹوبو"
"یس باس"
"میرا خیال ہے یہ رات سکون سے نہیں گذارنی چاہئے"
"میں نہیں سمجھا باس"
"ہم میں سے ایک کو جاگنا چاہئے"
"تم آرام سے سو جاؤ باس، ٹوبو رات بھر جاگے گا"
"نہیں ٹوبو، یہ مناسب نہیں ہوگا"
"اوہ، نہیں باس، یہ بھی مناسب نہیں ہوگا کہ باس جاگے اور ٹوبو آرام سے سوئے"
"ٹھیک ہے۔ یہ میں کب کہہ رہا ہوں"
"پھر۔۔۔؟"
"آدھی رات ہم جاگیں گے اور آدھی رات تم"
"اس کی ضرورت نہیں ہے باس، میں۔۔۔"
"ضرورت ہے ٹوبو، کل ہم لوگوں کو تیزی سے سفر کرنا ہے اور اسکے لئے دونوں کا چاق و چوبند ہونا ضروری ہے"
"میں ایک رات آرام سے جاگ سکتا ہوں"
"ٹوبو فضول ضد مت کرو، تم سو جاؤ، میں باقی رات میں تمہیں جگا دوں گا" میں نے کہا اور ٹوبو نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"جو تمہاری مرضی باس" اس نے کہا۔ اور ایک طرف کروٹ بدل کر آنکھیں بند کرلیں، میں نے ایک رائفل لوڈ کر کے اپنے نزدیک رکھی اور بیٹھ گیا۔ ٹوبو بھی تھکا ہوا تھا، میں جانتا تھا کہ وہ بے حد پُرخلوص اور وفادار ہے، خود پر جبر کر کے وہ جاگ سکتا ہے، لیکن بہرحال وہ بھی انسان ہے، اسے بھی آرام کی ضرورت تھی، میں اس بدشکل لیکن خوبصورت دل والے انسان کو دیکھتا رہا۔ جو بے غرض تھا۔

اور پھر تنہائی کا بہترین مشغلہ خیالات ہوتے ہیں۔ میں خیالات میں گم ہوگیا۔ لیکن میں نے خود کو کھونے نہیں دیا تھا، اس وقت میں کوئی چوٹ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ماحول پر میری گہری نگاہ تھی۔ کئی بار میں نے اٹھ کر چہل قدمی بھی کی۔ لیکن زیادہ دور نہیں گیا۔

بمشکل آدھی رات گذری، چاند طویل سفر طے کر رہا تھا۔ میری پلکیں جڑی جا رہی تھیں۔ اس قدر شدید نیند آرہی تھی کہ الاماں۔ لیکن بہرحال میں نے اپنی ڈیوٹی پوری کرلی، اور پھر میں نے ٹوبو کو جگایا، ٹوبو جلدی سے اٹھ گیا
"کیا ہوا باس"
"آدھی رات" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اس" ٹوبو چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس پر ابھی تک نیند کا غلبہ تھا۔
"اٹھ جائیے حضرت، آپ کی ڈیوٹی کا وقت شروع ہوگیا ہے"
"اوہ۔ اچھا اچھا باس" ٹوبو نے ہوشیار ہوتے ہوئے کہا، اور پھر وہ پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا، میں نے رائفل اس کی طرف بڑھا دی، اور نے کارتوسوں کی پیٹی کمر سے باندھ لی۔
"میں لیٹ جاؤں؟"
"آرام کرو باس" ٹوبو نے بھاری آواز میں جواب دیا۔ بے پناہ نیند سے مغلوب ہو کر میں زمین پر لیٹ گیا اور نیند بھی کیا شے ہوتی ہے گدے ہوں یا کھردری زمین، خوبصورت بیڈ روم ہو یا افریقہ کا بھیانک ماحول، ہر جگہ یکساں لطف کی حامل۔

میں گہری نیند سو گیا، اور پھر نہ جانے کتنی دیر گذری ہوگی اچانک ٹوبو کی غراہٹ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی لگاتار دو فائر ہوئے، اچھل کر بیٹھ گیا۔

چاندنی مدھم پڑ چکی تھی، چاند اپنے طویل سفر کو ختم کر چکا، افریقہ کی نگاہ کے اختتام پر نظر آنے والی سیاہ پہاڑیوں کے پیچھے چھپانے کو کوشاں تھا۔
"رک جاؤ بے غیرت درند۔۔۔" ٹوبو پھر غرایا۔
"کیا بات ہے ٹوبو؟"
لیکن ٹوبو نے پھر ایک فائر کیا، رائفل کا رخ جس سمت تھا، میں اس سمت دیکھا، لیکن مجھے کوئی نظر نہ آیا۔
"ٹوبو" میں چیخا "کون ہے؟"
"اوہ ۔۔۔ وہی چور"
"کون؟"
"وہائٹ"
"کیا" میں اچھل پڑا۔
"غلطی ہوگئی باس" ٹوبو کے لہجہ میں ندامت تھی۔
"مگر ہوا کیا؟"
"میں شرمندہ ہوں باس، جو کچھ ہوا ہے بہت برا ہے"
"اوہ ۔۔۔ میں پوچھتا ہوں آخر ہوا کیا ہے؟"
"میں نے اپنے فرض سے کوتاہی کی ہے باس۔ دراصل بعض اوقات افریقہ کی سرزمین پر ایک مخصوص ہوا چلتی ہے جس میں شیپلا پتوں کی مہک شامل ہوتی ہے، اور یہ مہک ایسی خواب آور ہوتی ہے ہوش میں رہنا مشکل ہے۔ سو باس کچھ ایسی ہی گہری نیند آئی مجھے، جو مجھے تم سے شرمسار رکھے گی"
"سو گئے تھے تم؟"
"ہاں باس"
"تو پھر؟"
"وہ چور ہم سے زیادہ دور نہ تھا، جب اس بدبخت نے محسوس کیا میں بھی بے خبر ہوگیا ہوں تو وہ آیا، میرے پاس تو اس کے آنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن تم چونکہ باقاعدہ سو رہے تھے اس لئے وہ تمہاری طرف گیا، اور اس نے تمہاری رائفل اٹھالی۔ پھر نہ جانے کس چیز سے آہٹ ہوئی کہ میری آنکھ کھل گئی، میں نے اسے للکارا اور وہ نکل گیا۔ نیم غنودہ آنکھوں سے نشانہ لے کر میں فائر کر رہا تھا، اس لئے کمبخت نکل بھاگا"
"تت ۔ تت ۔ تو وہ رائفل لے گیا" میں نے چونک کر اپنی رائفل دیکھی جو وہاں موجود نہ تھی، اور پھر میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔
"کس طرف گیا وہ؟"
"درختوں میں۔ میں اسے تلاش کر کے دم لوں گا باس" ٹوبو دانت پیستا ہوا آگے بڑھا۔
"ارے ہو۔ رک جاؤ ٹوبو رک جاؤ"
"نہیں باس مجھے جانے دو"
"فضول ضد مت کرو ٹوبو، اب اس کا ہاتھ آنا مشکل ہے اور پھر ابھی صبح بھی نہیں پھیلی۔ اور اس کے پاس رائفل بھی موجود ہے"
"کوئی بات نہیں ہے باس، مجھے اس غفلت کی سزا ملنی چاہئے"
"بے وقوفی کی بات ہے، جہنم میں جائے، ابھی ہمارے پاس ایک رائفل اور پستول موجود ہے"
"کام چل جائے گا؟"
"ہاں۔ کیا وہ کارتوس بھی لے گیا؟"
"دیکھو باس" ٹوبو جلدی سے بولا۔
کارتوسوں کے تھیلے کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اور کارتوسوں کے چند پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔
"شکر ہے۔ کمبخت تھیلا ہی لے جاتا تو کیا ہوتا"
"جو کچھ ہوا میری وجہ سے ہوا ہے باس، میں ازحد شرمندہ ہوں"
"ٹوبو، میں نے کہہ دیا ہے فضول باتوں سے پرہیز کرو" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

ٹوبو ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گیا، ویسے اس کے چہرے سے شرمندگی کے آثار ٹپک رہے تھے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ وہائٹ اب ہمارے لئے خطرناک بن گیا ہے اس کے بعد نیند کسے آتی۔ میں ٹوبو کے ذہن سے یہ احساس کم کرتا رہا، اور پھر ٹوبو نے شکار کرنے کا فیصلہ کیا۔
"میں شکار لاتا ہوں باس، ان جنگلوں میں بہت کچھ مل جائے گا"
"تمہارے ذہن پر وہائٹ تو سوار نہیں ہے؟"
"اوہ۔ نہیں باس" ٹوبو نے عجیب سے انداز میں جواب دیا۔
"سنو ٹوبو، میری درخواست ہے اپنے طور پر کچھ مت کرنا" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور ٹوبو چلتے چلتے رک گیا، اس نے بڑی بے بسی سے میری طرف دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
"اوکے باس" اور پھر وہ آگے بڑھ گیا، میں اس کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹوبو واپس آگیا، میں نے فائر کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ لیکن ٹوبو کے ہاتھوں میں تین خرگوش لٹکے ہوئے تھے جن کے جسموں سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ ظاہر ہے ٹوبو نے انہیں اپنے مخصوص انداز میں شکار کیا تھا۔

ٹوبو ضرورت سے زیادہ ہی خاموش تھا، اس نے خرگوش صاف کئے، انہیں بھونا اور پھر ہم ناشتہ کرنے لگے، بچا ہوا گوشت حفاظت سے رکھ لیا گیا۔ پھر ہم جنگلوں میں داخل ہوگئے۔ گھنے درختوں میں کافی دور تک ٹوبو آگے بڑھتا رہا، پھر کسی قدر محتاط ہوگیا۔

میں اس کی حرکات پر غور کر رہا تھا، ٹوبو کئی جگہ رکا۔
"کیا بات ہے ٹوبو؟"
"میں اس کی بو سونگھ رہا ہوں باس"
"کیا خیال ہے؟"
"اسی راستے سے گذرا ہے"
"چلتے رہو" میں نے کہا اور اس طرح ہم نے درختوں کے درمیان طویل سفر کیا، پھر ایک جگہ ٹھٹک گیا، وہ ناک اٹھا کر کچھ سونگھ رہا تھا۔
"خیریت؟"
"کچھ محسوس کر رہے ہو باس؟"
"وہ ۔۔۔ ادھر آؤ باس" وہ ایک طرف لپکا، اور میں نے بھی وہ قمیض دیکھ لی جو وہائٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے اس طرف پڑی ہوئی تھی۔ میں بھی ٹوبو کے پیچھے دوڑتا ہوا اس قمیض تک پہنچ گیا۔ ٹوبو نے قمیض اٹھالی تھی اور پھر وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

یہاں گندھک کی سی بو اور تیز ہوگئی تھی، اس میں کوئی اور بو بھی شامل تھی لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ بو کیسی ہے۔ ٹوبو بڑے غور سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔
"یہ قمیض تو اسی چور کی ہے باس"
"ہاں لیکن اس کے یہاں پڑے ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی"
"یہاں کہیں دلدل موجود ہے" ٹوبو بولا۔
"دلدل؟" میں چونک پڑا۔
"ہاں پرانی اور خوفناک دلدل، جو طویل عرصہ سے سڑ رہی ہے"
"اوہ ۔۔۔ تو یہ بو اسی کی ہے"
"سو فیصدی باس"
"مگر کہاں ہے؟"
"شاید آپس میں ملے ہوئے درختوں کی اس دیوار کے پیچھے"
"خطرناک جگہ ہے"
"ہاں باس میں بتا چکا ہوں نا کہ یہ علاقہ تقریباً ناقابل عبور ہے"
"لیکن کیا وہائٹ دلدل کی طرف گیا ہے؟"
"پتہ نہیں باس، وہ اس طرف کیا کرنے گیا ہوگا" ٹوبو نے کہا۔ اس کی نگاہیں پرخیال انداز میں زمین کرید رہی تھیں، دفعتاً وہ چونک کر زمین پر جھک گیا۔
"کیا ہے؟" میں بھی اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔
"جوتے کا نشان ہے ماسٹر"
"ہاں" میں نے بھی اس نشان کو دیکھ لیا۔
"آؤ ۔۔۔ آگے بھی ان نشانات کو تلاش کریں" ٹوبو نے کہا، اور ہم دونوں

نشانات تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جوتوں کے نشانات درختوں کے جھنڈ کی طرف ہی چلے گئے تھے اور پھر ان کے درمیان ایک رخنہ بھی نظر آیا، جس سے گذر کر دوسری طرف جایا جا سکتا تھا۔

• تم رکو باس، میں دوسری طرف دیکھ لوں :

• اوہ۔ چلو، میں بھی چلتا ہوں ؛ میں نے کہا، ٹوبو کسی قدر ہچکچا یا تھا۔ اور میں اس کی جان نثاری کے جذبے کو سمجھ رہا تھا۔ اسے شاید دوسری طرف خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس لئے پہلے وہ خود ادھر جا کر دیکھنا چاہتا تھا تاکہ میں محفوظ رہوں، لیکن میں بھی ایسی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا، جو کسی دوسرے کی قربانی دے کر حاصل کی جائے، اگر ایسا ہو گیا تو ضمیر کے بوجھ کو اٹھائے اٹھائے کہاں پھروں گا۔

ٹوبو درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔ خاصی لمبی لمبی جھاڑیاں تھیں۔ جو خطرناک بھی ہو سکتی تھیں لیکن بہر حال ہم انہیں عبور کر گئے، اور درختوں کے دوسری طرف نکلتے ہی ٹوبو رک گیا۔ اس نے تیزی سے میری کمر پکڑ لی تھی۔ میں بھی چونک کر رک گیا۔

• بس ماسٹر، اب ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے ؛ ٹوبو چڑھے ہوئے سانس کے ساتھ بولا۔

• دلدل ؛ میں نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

• ہاں باس، دلدل ؛

درختوں سے صرف دو ڈھائی گز دور کی زمین نرم ہو گئی تھی اور پھر نرم ہی ہوتی چلی گئی تھی، یہاں تک کہ صرف دس بارہ گز دور کی زمین سے بلبلے اٹھ رہے تھے اور اس سے آگے کا ماحول بھاپ کی چادر میں چھپا ہوا تھا۔

• کیا کنارے کی زمین بھی خطرناک ہے ؛

• جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، محسوس نہیں کر پا رہے باس ؛

• کیا مطلب ؛

• کنارے پر ہی اگر کوئی چلا جائے تو پھر واپسی مشکل ہے، بڑی خوفناک دلدل ہے ؛

• ہوں ؛ میں نے بھی ایک خوف کی سانس لی، افریقہ کے اس خوفناک منظر کے بارے میں پڑھ چکا تھا لیکن آج وہ میرے سامنے تھا اور درحقیقت یہ بے حد بھیانک۔ ذرا سی لغزش اور ایک خوفناک موت۔

• مگر باس ؛ ٹوبو نے مجھے مخاطب کیا۔

• ہوں ؛ میں خیالات سے چونک پڑا۔

• آخر وہ کہاں گیا ؟

• وہ اس دلدل کی نذر تو نہیں ہو گیا ٹوبو ؛

• مگر قمیض اتار کر کیوں رکھ گیا۔ اس نے دلدل میں کود کر خودکشی تو نہ کی ہو گی ؛

• اوہ۔ ٹوبو ؛ میں اچھل پڑا۔

• کیا ہوا باس ؛

• کہیں یہ اس کی چال نہ ہو، ہمیں بھٹکانے کے لئے اس لئے یہ حرکت نہ کی ہو ممکن ہے اس نے۔ ۔ ؛ ۔ ۔

• مگر دیر ہو گئی دوستو ؛ کہیں قریب ہی سے وہائٹ کی آواز دی اور ہم دونوں اچھل پڑے، میں نے نہایت پھرتی سے پستول نکالا دوسرے لمحے ہی رائفل سے فائر ہوا، اور نہ صرف پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا بلکہ میری دو انگلیاں بھی زخمی ہو گئیں، میں نے دوسرے ہاتھ سے ہاتھ پکڑ لیا تھا اور پستول دلدل میں جا پڑا تھا۔

"چلو کالے وفادار۔ ہاتھ اونچے کرو۔ ورنہ بھیجہ اڑا دوں گا۔ رائفل دلدل میں پھینک دو۔ وہائٹ کی آواز پھر سنائی دی، میں نے چاروں طرف دیکھا۔ نہ جانے کمبخت کہاں سے بول رہا تھا۔

• اوپر ہے باس۔ اوپر دیکھو۔ ؛ ٹوبو نے آہستہ سے کہا تب میری نگاہ پھیلے ہوئے درختوں کی طرف اٹھ گئی۔ ایک اونچے درخت کی شاخ پر وہائٹ اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ شاخ کافی موٹی اور مضبوط تھی اور بہت دور تک پھیل گئی تھی جس جگہ وہائٹ بیٹھا تھا۔ وہ دلدل سے بھی چند گز اندر تھی۔ لیکن وہائٹ بڑے اطمینان سے اس پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں شاخ کے دونوں طرف لٹکے ہوئے تھے اور کمر ایک گدے سے لگی ہوئی تھی۔ اس طرح اس کے دونوں ہاتھ آزاد تھے جن میں رائفل موجود تھی۔ • تم نے سنا نہیں۔ ؛ وہائٹ غرایا۔ اور اس نے ٹوبو کی پیشانی کا نشانہ لے لیا۔

• رائفل پھینک دو ٹوبو۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

• مگر باس پستول بھی۔ ٹوبو نے کہا۔ اسی وقت وہائٹ نے فائر کیا اور گولی ٹوبو کے لباس کو چھوتی ہوئی نکل گئی ؛ رائفل دلدل میں پھینک دو۔

• رائفل پھینک دو ٹوبو۔ میں نے کہا۔ اور ٹوبو نے مجبوراً رائفل دلدل میں اچھال دی۔ اب ہم دونوں نہتے ہو چکے تھے، وہائٹ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

• اب کیا خیال ہے ایشیا کے جیالے ؟ اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ • نیچے اتر و تو بتاؤں سفید چوہے، میں نے دانت پیستے ہوئے کہا اور وہائٹ نے قہقہہ لگایا۔

• تو واقعی بہادر ہے دوست۔ لیکن ہر بہادر عقلمند نہیں ہوتا اگر یہ دونوں چیزیں یکجا ہو جائیں تو زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ کیا تو نے حماقت نہیں کی۔ ؟

• کیسی حماقت ؟

"مجھے قید کرانے کے بجائے اگر تو قتل کرا دیتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔

• ہاں۔ سانپ کو مار دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔

• ورنہ پھر سانپ ڈس لیتا ہے۔ وہائٹ نے ہنستے ہوئے کہا پھر وہ ٹوبو کی طرف دیکھ کر بولا۔ اور تیرا کیا خیال ہے کالے بے وقوف۔

• تو نے شاخ کے اس حصے کا انتخاب کیوں کیا ہے سفید سور۔ ؛ ٹوبو غصے سے بولا۔

• کیوں۔ کیوں۔ کیا میں تیرے نزدیک ہوتا۔

• رائفل ہاتھ میں لے کر تو بہادر نہیں بن سکا۔ !

• نہیں میں ایک عقلمند بزدل ہوں۔ اور یہی میرے لئے ٹھیک ہے وہائٹ نے کہا۔ بہر حال تیرے لئے میرے پاس ایک پیشکش ہے۔ !

• کیسی پیشکش۔ ؟

• میں تجھے زندہ چھوڑ سکتا ہوں بشرطیکہ تو میرے لئے بھی وہی خدمات انجام دینے کا وعدہ کرے جو اس کے لئے دے رہا ہے ؛

• سفید کتے۔ ہم سیاہ ہیں اور با عزت ہیں۔ ٹوبو بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔

" تو ٹھیک ہے غیرت دار۔ یہ دلدل تمہارا انتظار کر رہی ہے وہائٹ ایک لہجے میں بولا۔ اور میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ میں وہائٹ کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اور اب میں سوچ رہا تھا کہ کونسی ترکیب سے اس خطرناک انسان سے نجات حاصل کی جائے۔ بظاہر کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

• ٹوبو۔ میں نے سرگوشی کی

• ماسٹر ؛

" چالاکی سے کام لو۔ اس سے معاہدہ کرنے کی کوشش کریں۔

معاہدہ۔ باس۔ یہ سب کچھ تم کرو۔ میں تو درخت پر چڑھنے کی سوچ رہا ہوں۔

" نہیں ٹوبو۔ ایسی کوئی حرکت مت کرنا جس سے ہمیں غیر متوقع نقصان اٹھانا پڑے۔

" کیا مشورہ کر رہے ہو دوستو۔ ؟ وہائٹ نے چہکتے ہوئے لہجے میں پوچھا

" ہم بھی تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتے ہیں وہائٹ۔ میں نے کہا۔

• ہاں۔ ہاں کرو۔ کرو۔ وہائٹ اسی انداز سے بولا۔

• تم یہاں ہیروں کے حصول کے لئے آئے ہو۔ ؟

• ظاہر ہے۔

• کیا تم نی تی کا جانا پسند کرو گے۔ ؟

• بے حد۔ ؛ وہائٹ بولا۔

" ٹوبو اسی علاقے سے تمہیں نی تی کا لے جا سکتا ہے۔ تم تنہا اس دلدل کو عبور نہیں کر سکو گے، ٹوبو کو ایک ایسا خفیہ راستہ معلوم ہے جہاں سے تمہیں نی تی کا لے جا سکتا ہے۔

• بہت عمدہ بات ہے یہ تو۔ ؛ وہائٹ نے کہا۔

کیوں نہ ہم مل کر یہ کوشش کریں۔ ؟

" ہم سے کیا مراد ہے۔ ؟

" تم۔ میں اور ٹوبو۔ ہیروں کے تین حصے کریں گے ؛

• تم خود کو کیوں شامل کر رہے ہو دوست۔ تم کس مرض کی دوا ہو۔ ؟

• ٹوبو میرے بغیر تمہارا ساتھ نہ دے گا !

" نہ دے۔ میں خود بھی وہ خفیہ راستہ تلاش کر سکتا ہوں ؛

" تب تم جہنم میں جاؤ۔ میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

• میں نہیں۔ تم دونوں دوستو۔ یہ دلدل جہنم سے کم نہ ثابت ہو گی۔ اور اب وقت ضائع نہ کرو۔ دلدل کی طرف بڑھو۔ ! چلو جلدی کرو ورنہ میں تم پر جہنم کھول دوں گا !

• ایک بار پھر سوچ لو وہائٹ۔ میں نے کہا۔

" تمہاری موت کے بعد سوچوں گا۔ اس سے پہلے میں صرف تمہاری موت کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔ وہائٹ نے خونخوار لہجے میں کہا اور پھر اس نے رائفل کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔ " ایک۔ اس نے خونخوار لہجے میں کہا اور میں نے کسی حد تک بے بسی محسوس کی۔ " دو ؛ وہائٹ پھر بولا اور ٹریگر کسی حد تک دب گیا۔

• آؤ ٹوبو۔ ؛ میں نے کہا۔ اور ٹوبو نے قدم آگے بڑھا دیئے میرے ذہن میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ شاخ اتنی اونچی تھی کہ اچھل کو اسے پکڑا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ورنہ میں جان کی بازی لگا دیتا۔ اور بہر حال دلدل میں غرق ہونا بھی مجھے منظور نہیں تھا ! میں نے ایک بار پھر وہائٹ کی طرف دیکھا۔ اس وقت تو کوئی غیبی قوت ہی ہمیں بچا سکتی تھی۔ اور تب میری آنکھوں کے سامنے دو سفید ہاتھ لہرائے۔ سفید لمبی لمبی انگلیوں والے نازک ہاتھ جو دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے۔ ان ہاتھوں پر آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

• اور اس وقت یہ تصور عجیب سا لگا۔ جیسے ایک تصویر سی آ گئی ہو اور۔ دعائیں ضرور پوری ہوتی ہیں، غیبی قوتیں آزاد ہیں۔ ان کا ظہور اس وقت ہوتا تو جب انسانی عقل کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔

میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین نہیں تھا لیکن اس وقت اس کا ظہور بلاشبہ غیبی امداد تھی۔ وہ پیلے رنگ کا ایک لمبا سانپ تھا جو درخت کی شاخ سے لٹکا ہوا تھا عین وہائٹ کے سر پر آہستہ آہستہ وہ وہائٹ کی گردن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اور پھر ٹوبو کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ دوسرے لمحے وہ ۔ اور میں نے پوری قوت سے ٹوبو کے بازو کو کھینچ لیا۔ ٹوبو۔ خود پر کنٹرول رکھو !

• تم نے۔ تم نے دیکھا۔ ؛ ۔ ۔ ۔ ۔

• ہاں۔ میں نے اس کا جملہ درمیان سے کاٹ لیا۔ وہائٹ ہنس پڑا تھا دیکھا دوستو۔ کیا تمہارے قدم نہیں اٹھ رہے۔ بیشک دلدل کی موت بڑی ہی خوفناک ہو گی۔ ! اس نے کہا اور ہم ٹھہر گئے۔ اب میں وہائٹ کو چند لمحات باتوں میں لگانا چاہتا تھا اور یہ لمحات بڑے قیمتی تھے۔

• وہائٹ۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔

• بڑھتے رہو۔ بڑھتے رہو۔ وہائٹ نے کہا۔

• میں تمہیں آخری بار ایک اور پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔ !

" مجھے تم سے بے پناہ نفرت ہے مسٹر۔ میں تمہاری موت کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔ زندگی مل سکتی ہے تو صرف اس سیاہ فام کو جو تمہارے بعد میرے کام آئے گا !

" لیکن تم دولت کے بھی تو خواہشمند ہو۔ ؟ میں نے کہا۔

" میں فقیر نہیں ہوں۔ تم جیسے دس بیس لوگوں کو ملازم رکھ سکتا ہوں۔ دولت ضرور حاصل کروں گا لیکن تمہاری مدد سے نہیں۔

"تمہاری مرضی وہائٹ۔ میں تو تمہیں ایک عمدہ پیشکش کرنا چاہتا تھا" میں نے چور نگاہوں سے سانپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جواب وہائٹ کے جسم پر چھپا گیا تھا۔

"چلو آؤ۔ وہائٹ نے ہم سے کہنا چاہا۔ لیکن اچانک اسے اپنے بدن پر سانپ کے رینگنے کا احساس ہو گیا۔ اس نے بیساختہ پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کے حلق سے کریہہ چیخ نکل گئی۔ اس نے بدحواسی میں سانپ کو پکڑ کر نیچے پھینکنا چاہا۔ اور سانپ نے اس کی گردن میں کاٹ لیا۔

اب وہائٹ دیوانہ وار چیخ رہا تھا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دلدل میں گر چکی تھی۔ اور وہ ہمیں بھول کر سانپ کو دور کرنے کی فکر میں تھا! بے حد خوفناک منظر تھا۔ ہم تحیر اور خوف سے اسے دیکھ رہے تھے سانپ بار بار وہائٹ کے بدن کے مختلف حصوں میں کاٹ رہا تھا۔ وہ بھی بپھرا ہوا معلوم ہوتا تھا اور اب اس نے وہائٹ کی ٹانگوں میں بل بھی ڈال لئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہائٹ نڈھال ہو گیا اور پھر درخت کی شاخ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس کی چیخ بے حد دلدوز تھی۔ لیکن اس کی ایک ٹانگ سانپ کی گرفت میں تھی۔ اور سانپ کی مضبوط گرفت میں وہ دلدل کے اوپر کسی پنڈولم کی طرح لٹک رہا تھا۔ نیچے سے دلدل کی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

وہائٹ کی چند چیخیں اور سنائی دیں اور اس کے بعد وہ ساکت ہو گیا۔ پتہ نہیں سانپ کے زہر نے اثر کیا تھا یا اس خوفناک سچویشن سے اس کے دل کی حرکت بند ہو گئی تھی۔

میں اور ٹوبو دم بخود کھڑے تھے۔ وہائٹ چند منٹ تک لٹکا رہا اور پھر سانپ نے اس پر گرفت ہلکی کر دی اور وہ دلدل میں جا پڑا لیکن اس کے بدن میں کوئی تحریک نہیں تھی اور آہستہ آہستہ وہ دلدل میں چھپ گیا اور میرے بدن میں جھرجھری آ گئی۔ میں نے ٹوبو کی طرف دیکھا۔ ٹوبو اب بھی اس گڑھے کو دیکھ رہا تھا جس میں وہائٹ غروب ہوا تھا۔ دلدل آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر گڑھے کو پر کر رہی تھی۔ اور پھر گڑھا بھی معدوم ہو گیا۔

"آؤ ٹوبو۔ واپس چلیں۔ میں نے کسی قدر نڈھال لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ ہاں باس۔ مگر کہاں۔؟

"ابھی کچھ نہیں سوچیں گے ٹوبو۔ درختوں کے اس طرف آرام کریں گے۔ میں ذہنی طور پر بہت الجھ گیا ہوں۔ میں نے جواب دیا۔!

"میری بھی یہی کیفیت ہے باس۔ ٹوبو نے جواب دیا۔

ہم لوگ اپنی جگہ واپس آ گئے۔ اور پھر خاموش بیٹھ گئے۔ وہائٹ اچھا آدمی نہیں تھا۔ اگر وہ نہ مرتا تو ہمیں اسی وقت مرنا ہوتا۔ دلدل کی موت کم بھیانک نہیں تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہائٹ کی موت نے متاثر کیا تھا بہرحال سنبھلتے سنبھلتے بھی وقت لگ گیا۔ وہ رات ہم نے اسی بھیانک علاقے میں گذاری۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر رات کو ٹوبو نے مجھ سے پوچھا۔

"وہائٹ مر چکا ہے باس۔ اب کیا پروگرام ہے۔؟

"واپسی۔ میں نے جواب دیا۔

"باس۔ ٹوبو پرخیال انداز میں بولا۔

"ہوں۔

"کیا ہم واپسی کا طویل سفر طے کر کے پھر اسی جگہ پہنچیں اور وہاں سے سفر کریں۔؟

"دوسری کیا صورت ہے ٹوبو۔؟

"دوسری صورت یہ ہے باس کہ ہم اسی دلدل کے کنارے کنارے چلیں۔ اوہ۔ تو کیا اس طرح ہم نی تی کا تک پہنچ سکتے ہیں۔

"راستہ وہی ہو گا۔

"کیا مطلب۔؟

"میں نے رخ کا تعین کر لیا ہے۔ بس معاملہ خطرات کا ہے۔

"خطرات۔ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ہر خطرہ موت کا پیغام ہوتا ہے ٹوبو۔ اور موت کی اب میری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیا موت ہمارے قریب سے آ کر نہیں نکل گئی؟

"ہاں باس درست ہے۔

"بس تو پھر چلو۔ میں نے کہا اور ٹوبو نے گردن ہلا دی۔ ہم چل پڑے اب ہمارے پاس نہ رائفلیں تھیں نہ پستول۔ کارتوسوں کا تھیلا بھی پھینک کر میں نے بوجھ ہلکا کر لیا۔ ٹوبو کے پاس اس کی مخصوص چھریاں تھیں اور میرے پاس کلہاڑی۔ فی الحال ہماری حفاظت کے لئے اور شکار کے لئے یہی سامان موجود تھا۔

اور ہم اس سے بخوبی کام لے رہے تھے۔ دن گذر رہے تھے چھوٹے چھوٹے حادثات پیش آتے رہے۔ میں نے اپنی فطرت میں ایک وحشت محسوس کی تھی۔ موت سے بے پرواہ ہو کر اب کوئی کام مشکل نہیں نظر آتا تھا۔ ہر چیز ہیچ نظر آتی تھی۔ آپ یقین کریں کہ ایک رات چیتا نظر آ گیا۔ صرف چند فٹ کا فاصلہ تھا۔ ٹوبو اب بھی محتاط تھا۔ وہ گھبرا گیا لیکن میں نے اس کی پرواہ کئے بغیر کلہاڑی سے آگے بڑھ کر چیتے پر وار کر دیا تقدیر ساتھ تھی ورنہ ٹارزن تو نہ تھا۔ کلہاڑی نے چیتے کا سر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور وہ ڈھیر ہو گیا ٹوبو نے ایک گھنٹے تک میرے گرد مہاورہ ی کا رقص کیا تھا اور میری شان میں قصیدے گائے تھے۔

اور درحقیقت اب زندگی میں ایک انوکھی امنگ پیدا ہو گئی تھی بے خوفی کی یہ منزل ان شدید حالات میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت زندگی میں بھی لطف آنے لگتا ہے۔

ہم اس طرح سفر کر رہے تھے جیسے مہذب دنیا کے ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہے ہوں۔ راستے میں کوئی الجھن نہ ہو۔ دلدل کب کی ختم ہو چکی تھی اور اب ہم نے دلدل کے حصے کو کراس کرنا شروع کر دیا تھا۔!

پھر ایک طویل سفر طے کیا۔ اور ایک دوپہر کو ٹوبو نے دور سے کوئی چیز چمکتی دیکھی اور چیخ پڑا۔

"باس۔ ب

"کیا ہوا ٹوبو۔

"نی تی کا۔! اس نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔؟ میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ دیکھو۔ وہ کیا ہے۔

"اوہ۔ دریا ہے ٹوبو۔

"کونسا دریا۔؟

"مجھے کیا معلوم۔ اوہ۔ تو کیا۔؟

"ہاں۔ وہ نی تی کا ہے۔ جس کے کنارے سفر کرتے ہوئے ہمیں نی تی کا قبائل تک پہنچنا تھا۔

"خوب۔ میں نے بھی دل میں مسرت محسوس کی!

"آؤ باس سفر تیز کر دیں۔

"کیا یہ نی تی کا کا وہی راستہ ہے جہاں سے ہم آنے والے تھے۔

"یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ وہی دریا ہے۔

ہم دونوں دوڑنے لگے تھے۔ جس جگہ ہم کھڑے تھے وہ بلندی پر تھی۔ سامنے ایک جنگل پڑتا تھا جو زیادہ پھیلا ہوا نہیں تھا اس کے دوسری طرف دریا نی تی کا تھا۔ ہمیں یہ جنگل عبور کرنا تھا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد ہم جنگل کے کنارے کھڑے تھے۔

"خدا کی پناہ۔ ان درختوں کے درمیان تو راستہ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا۔

"راستہ بنا لیں گے باس۔ تم کلہاڑی مجھے دو۔

اوہ۔ میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں۔

"میری موجودگی میں نہیں باس۔ ٹوبو نے کہا۔

"ٹھہرو ٹوبو۔ جب میں تھک جاؤں تب کلہاڑی تم لے لینا میں نے کہا۔ اور پھر میری کلہاڑی درختوں کے درمیان گذرنے کا راستہ بنانے لگی۔

ابتدائی طور پر زیادہ محنت کرنا پڑی۔ اس کے بعد کسی قدر صاف راستہ مل گیا اور ہم آگے بڑھتے رہے۔ اگر عام حالات میں خوفناک درختوں کا یہ سفر کرنا ہوتا تو نہ جانے دل کی کیا حالت ہوتی لیکن اس وقت تو ہم نے ان پر توجہ دینے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی تھی حالانکہ نہ جانے کیسے کیسے درخت تھے۔ ہمارے دل میں تو اس وقت ایک ہی لگن تھی نی تی کا کا دوسری طرف کا راستہ۔

گھنے جنگلوں کے خوفناک سفر کے بعد ہم کسی قدر کھلے علاقے میں نکل آئے۔ یہاں تھوڑے درخت تھے اور دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور بہت دور سے چمکدار دریا نظر آنے لگا تھا۔

"دیوتاؤں کی قسم۔ یہ نی تی کا ہی ہے باس۔ اور شاید قبیلہ نی تی کا یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ٹوبو پرخیال انداز میں بولا۔!

"یہ تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو ٹوبو۔؟ میں نے پوچھا۔

"میں کہہ سکتا ہوں ماسٹر۔

"لیکن کس طرح۔ کیا تم نے کبھی نی تی کا دیکھا ہے۔؟

"نہیں۔ لیکن اس کی کہانیاں سنی ہیں۔ ان لوگوں کی زبانی جو اسے دیکھ چکے تھے۔

"اوہ!

"پھر میں پورے طور سے کچھ نہیں کہہ سکتا ماسٹر۔ صرف اس بات کا دعویٰ کروں گا کہ بہرحال ہم اس سے زیادہ دور نہیں ہیں ٹوبو نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"خیر۔ آؤ۔ آگے بڑھیں۔ اور ہم آگے چل پڑے۔ بے حد ویران علاقہ تھا۔ نہ جانے کیوں اس حصے کی ویرانی کچھ زیادہ ہی بڑھی ہوئی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے یہاں جانور بھی نہ ہوں، دوپہر کا وقت تھا لیکن ایسی بھیانک دوپہر کہ بس۔ چاروں طرف جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ہوائیں بھی ایسا لگتا تھا جیسے دبے پاؤں گذر رہی ہوں۔

ہم آہستہ آہستہ چھدرے درختوں کے درمیان سے گذرتے رہے۔ یہ خاموشی خود ہمیں ہی عجیب محسوس ہو رہی تھی اور پھر جب یہ ناقابل برداشت ہو گئی تو میں نے ٹوبو کو مخاطب کیا۔

"ٹوبو۔! اور ٹوبو چونک پڑا۔

"یس چیف۔! اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"یہ علاقہ کچھ زیادہ ہی ویران نظر آ رہا ہے۔

"میں خود بھی یہی غور کر رہا ہوں۔ ماسٹر۔!

"حالانکہ ہم اتنے گھنے اور خطرناک درختوں کے درمیان سے گذر کر آئے ہیں۔ لیکن یہاں زندگی اس طرح مفقود نہیں تھی۔

"بیشک باس۔ ٹوبو نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ یہاں پرندوں کی آوازیں بھی نہیں ہیں۔

"اوہ۔ ٹوبو ایک دم رک گیا۔

"کیا ہوا۔؟ میں بھی چونک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے۔ مجھے کچھ یاد آ رہا ہے ماسٹر۔ تمہارے ان الفاظ سے مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔ میرے بزرگ ایسے علاقوں کا تذکرہ کرتے ہیں جہاں پرندے ہوتے ہیں نہ دوسرے جانور۔ یہاں تک کہ حشرات الارض بھی نہیں ہوتے

"لیکن کیوں۔؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔ ٹوبو نے بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں ٹوبو سے گفتگو کرتے ہوئے چمکدار دریا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں وہی یاد کر رہا ہوں چیف۔ ٹوبو نے عجیب انداز میں اپنا ہاتھ میرے کندھے سے پیچھے بغل کی طرف لاتے ہوئے کہا اور پھر اچانک ٹوبو چیخ پڑا۔

"یاد آ گیا۔ یاد آ گیا چی۔ چی۔ اوہ۔

ٹوبو کے الفاظ کٹ جانے کی وجہ سے میں چونک کر اس کی طرف پلٹا اور ایک وحشتناک منظر نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے جس چیز کو

میں نے ٹوبو کا ہاتھ سمجھا تھا وہ ہمارے عقب میں پھیلے ہوئے ایک درخت کی بھی شاخ تھی۔ جو اپنے پورے پھیلاؤ میں پھیل چکی تھی۔ اگر اس کی لمبائی تھوڑی سی اور بڑی ہوتی تو شاید وہ میری گردن میں لپٹ چکی ہوتی۔ جس جگہ ہم کھڑے ہوئے تھے وہ درخت سے خاصی دور تھی اور درخت کی ساری شاخیں شاید دیر سے ہماری طرف لپک رہی تھیں لیکن ہم ان کی پہنچ میں نہ تھے۔

لیکن ٹوبو بے خیالی میں پیچھے چلا گیا تھا اور درخت کی ایک شاخ اس کی گردن پکڑنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اب میری سمجھ میں آیا۔ کہ ٹوبو کو کیا یاد آگیا تھا۔ اسے یاد آگیا تھا شاید۔ کہ ایسے علاقے ہر قسم کے جانداروں سے خالی ہوتے ہیں جہاں آدم خور درخت موجود ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں، کسی جاندار کی گنجائش کہاں۔ لیکن ٹوبو عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا۔

میں اچھل کر اس شاخ کے سرے سے دور ہو گیا جو میرے کندھے کو چھو رہی تھی۔ مجھ سے مایوس ہو کر وہ ٹوبو کی کمر سے لپٹ گئی اور ٹوبو جو گردن میں پھنسی ہوئی شاخ سے کسی حد تک نجات حاصل کر چکا تھا اس بار بری طرح جکڑ گیا۔ اس کے چہرے پر دہشت تھی۔

"ان۔ ان کی پہنچ سے دور رہنا ماسٹر۔ آدم۔ آدم خور۔ درخت ہیں۔ میں شاید۔ اب۔ نہ بچ سکوں۔ میں۔ میں۔"

اور میرے پورے بدن میں چنگاریاں بھر گئیں۔ ٹوبو نے یہ کیا کیا۔ میں زندگی دینے کی کوشش کروں اور اسے موت کا شکار ہو جانے دوں۔

میں نے درخت کی طرف دیکھا۔ بلاشبہ اس کی شاخیں طاقتور ہوں گی لیکن ہماری خوش بختی یہ تھی کہ ہم اس سے دور تھے اس کے بھوکے ہاتھ ہماری طرف لپک رہے تھے لیکن ان کے سرے کمزور تھے اور ہمیں مضبوط گرفت میں نہیں لے سکتے تھے۔ ایسی ہی بچت تھی لیکن جس شاخ نے ٹوبو کی کمر پر گرفت کی تھی وہ آہستہ آہستہ اسے پیچھے کھینچ رہی تھی اور ٹوبو اپنی پوری قوت صرف کرنے کے بعد بھی پل پل پیچھے کھسک رہا تھا۔

"تم۔ تم ان کی پہنچ سے دور رہنا باس۔ باس۔" ٹوبو بھنچی ہوئی آواز میں بولا اور میرے دانت بھنچ گئے۔ میں نے کلہاڑی کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور پھر میں صورت حال کا اندازہ لگانے لگا۔ میں نے دیکھا کہ کونسی شاخ اس وقت میرے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔

اور میں ٹوبو کی طرف بڑھا۔

"باس۔ نہیں باس۔" ٹوبو چیخا۔

"بکومت۔ خاموش رہو۔" میری غراہٹ بلند ہوئی۔ اس وقت میرے بدن میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ٹوبو کے بدن پر لپٹی ہوئی شاخ کے بجائے میں نے اس دوسری شاخ پر حملہ کیا تھا جو میری طرف لپکی تھی کیونکہ اس شاخ کے علاوہ اور کوئی شاخ اتنی لمبی نہیں تھی جو مجھ تک پہنچتی۔

کلہاڑی کا اتنا شاندار استعمال میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کیا تھا۔ شاخ دور جا پڑی اور اس کے فوراً بعد میں نے ٹوبو کی شاخ پر حملہ کر دیا۔ میری کلہاڑی پوری قوت سے شاخ پر پڑی اور وہ آدھی سے زیادہ کٹ گئی۔ لیکن اس کے عقب میں حملہ کرنے کے لئے مجھے خاصا اندر جانا پڑا تھا چنانچہ میں کئی چھوٹی شاخوں کی زد میں آگیا او۔ مجھے اس کا پہلے سے احساس تھا اور اس کے لئے میں تیار بھی تھا چنانچہ میرا کلہاڑی والا ہاتھ مشینی انداز میں چلنے لگا اور میں نے انتہائی پھرتی سے حملہ آور شاخوں کو کاٹ دیا اس کے بعد میں نے دوسرا بھرپور وار اس شاخ پر کیا جو ٹوبو کو لپیٹے ہوئے تھی اور اس بھرپور وار کا کوئی جواب نہیں تھا۔

شاخ کٹ گئی۔ اور ٹوبو اوندھے منہ گر پڑا۔ میں نے جھک کر اس کا کالر پکڑا اور بری طرح گھسیٹتا ہوا درخت کی زد سے دور لے آیا۔

ٹوبو کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ زمین پر چت پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

درخت کی ندیدی شاخیں اب بھی ہماری طرف لپک رہی تھیں لیکن ہم ان کی پہنچ سے خاصے دور تھے۔ میں نے مضحکہ خیز نگاہوں سے درخت کو دیکھا اور ٹوبو کو۔ جو عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"ان کی کیفیت اس بوڑھے یہودی کی سی ہے۔ جو آخری عمر میں بھی دولت کے خواب دیکھتا رہتا ہے اور بہت سی دولت سمیٹنا چاہتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"باس۔" ٹوبو نے اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہوں۔"

"تو کیا سے کیا بن گیا ہے باس۔ دیوتاؤں کی قسم تیرے جیسے انوکھے تیرے جیسے نڈر انسان روئے زمین پر کم ہی ہوں گے۔" اس نے کہا۔

"بیشمار ہوں گے ٹوبو۔ یہ بات نہ کر۔"

"نہیں ماسٹر ٹوبو کا دل نہ توڑ۔ ٹوبو نے دنیا کم ہی دیکھی ہے میرے خون کا ایک ایک قطرہ اب تیرا غلام ہو گیا ہے باس۔ ٹوبو کا ماں جایا بھی اسے اس حالت میں دیکھتا۔ تو اتنی دور ہٹ جاتا کہ اس کی محبت جوش نہ مارے وہ اس درخت کے اتنے نزدیک بھی نہ آتا کہ اس سے مس ہو کر چلنے والی ہوا اس کے بدن کو چھو سکے۔ لیکن تو۔ تو نے اپنی زندگی ٹوبو کے لئے وقف کر دی تو نے سوچا کہ ٹوبو کی زندگی ضروری ہے۔ اور۔ اور۔ تو اسے موت سے چھین لایا کتنے احسان کرے گا میرے اوپر میرے آقا۔ غلام تو میں تیرا ہوں۔"

"ٹوبو میری جان۔ میں تیری ماں کا بیٹا نہیں ہوں۔"

"لیکن میرے لئے اس سے زیادہ ہے۔"

"ہاں۔ زیادہ ہوں۔ کیونکہ میں تیرا دوست ہوں۔"

"تو میرا مالک ہے باس۔ تو۔ تو۔"

"نہیں ٹوبو۔ میری دوستی کو مت بھول؟"

"کیسے بھول سکتا ہوں مالک؟"

"میں نے سوچا ٹوبو۔ زندہ رہیں گے تو ٹوبو اور سرفراز دونوں زندہ رہیں گے۔ ورنہ سرفراز اکیلا زندہ نہیں رہے گا ٹوبو۔ اس لئے میں نے اپنی زندگی بچانے کی جدوجہد کی۔ اس میں تیرے اوپر کوئی احسان نہیں ہے۔"

اور ٹوبو کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

"بس میری خوش نصیبی ہے مالک۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

"آ یار۔ یہاں سے دور نکل چلیں۔ بلکہ میرا خیال ہے اب دریائے نی تی کال کے نزدیک ہی چل کر دم لیا جائے۔ کیا تیری قوت بحال ہو گئی۔؟"

"تیرے الفاظ سے باس۔ نہ صرف بحال ہو گئی بلکہ کئی گنا بڑھ گئی۔"

"ہاں ٹوبو۔ کسی اپنے کا تصور بڑی قوت ہے۔"

"ٹھیک کہا باس۔"

اور پھر ہم دونوں چل پڑے۔ دریائے نی تی کا جتنا قریب نظر آرہا تھا۔ اتنا قریب نہ نکلا۔ نہ جانے یہ کیسا علاقہ تھا کہ وہ زیادہ دور نہ معلوم ہو رہا تھا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو شام ہو گئی تھی لیکن ہمیں دریا کے کنارے سے کافی دور رک جانا پڑا۔

دریا کے کنارے پڑے ہوئے سیاہ پتھر دراصل سیاہ پتھر نہ تھے دور سے ہم نے یہی سمجھا تھا لیکن دراصل وہ قوی ہیکل گھڑیال تھے، جو دریا کے کنارے ٹھنڈی ریت میں پڑے ہوا کھینچ رہے تھے۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا خیال ہے ٹوبو۔؟"

"بڑے خطرناک جانور ہیں باس۔"

"ظاہر ہے ان سے دوستی نہیں ہو سکتی۔"

"یہ وحشی دوستی نہیں جانتے۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے۔ کیا ہمیں دریا پار کرنا تھا؟"

"یہاں سے تو نہیں کریں گے۔"

"پھر۔؟"

"چلو آگے چلیں۔"

"تھک گیا ٹوبو۔"

"اوہ۔ تو پھر آرام کریں باس۔ میری جان۔"

"اس کھلے علاقے میں خوب نیند آئے گی۔ ہاں کیا یہ جانور کنارے سے دور بھی نکل آتے ہیں۔؟"

"نہیں باس۔ جتنی دور یہ آسکتے تھے آگئے۔ اس سے دور جانا پسند نہیں کریں گے۔"

"خوب۔ تو پھر اس خاندان سے تھوڑی دور ہم آرام کر سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ یقیناً۔"

"ٹوبو۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کی جائے۔" نہ جانے میرے ذہن پر کیوں کھلنڈرا پن سوار تھا۔

"کیا باس۔؟"

"یہ تو تم بتاؤ گے۔"

"اوہ۔ تو بس شرارت کی جا سکتی ہے باس؟"

"کیا۔؟"

"سب کو اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے باس۔ بظاہر یہ بے حد خطرناک ہیں۔ لیکن بزدل بھی۔ ٹھہرو میں ایک پتھر تلاش کر لوں۔" ٹوبو نے کہا اور تھوڑے فاصلے پر اسے ایک پتھر مل گیا۔ اچھا دو ڈھائی سیر وزن کا ہو گا۔ ٹوبو نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پھر گھومنے لگا پھر اس نے پتھر گھڑیالوں کی طرف اچھال دیا۔

پتھر کسی ایک گھڑیال کے سر پر لگا اور وہ خوفزدہ ہو گیا اور پھر بھاری بھرکم بدن والے یہ دیو قامت اتنی پھرتی سے پانی میں اترے کہ حیرت ہوتی تھی۔ آن کی آن میں ان کی پوری قوم پانی میں اتر گئی اور کنارے پر جیسے روشنی اتر آئی۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سیاہ چٹانوں نے اچانک جگہ چھوڑ دی ہو۔ ہاں پانی میں بیشمار کشتیاں تیرتی نظر آنے لگی تھیں۔

"بزدل کہیں کے۔" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں بیٹھ کر رات کا انتظار کرنے لگے۔ کھانا کھایا اور اتنے آرام سے سو گئے جیسے اپنے گھر میں ہوں خوفناک واقعات کے درمیان اتنا وقت گزار لیا تھا کہ اب کسی خطرے کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ گئی تھی اور کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ کسی بھی خطرے سے مقابلہ روزمرہ کا شغل معلوم ہوتا تھا۔

صبح اٹھے تو چاق و چوبند تھے۔ ٹوبو نے بھنے ہوئے باسی گوشت کا ناشتہ کرایا۔ اور پھر ہم آگے بڑھنے لگے۔ گھڑیال رات کے حادثے کو بھول کر ہوا خوری کے لئے نکل آئے تھے اور دریا کے کنارے ان کے غول کے غول نظر آرہے تھے۔ کہیں کہیں دریائی گھوڑے بھی نظر آجاتے تھے کئی جگہ انہیں گھڑیالوں سے جنگ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔

بہرحال شام تک سفر کیا۔ کوئی صاف جگہ نہیں ملی تھی جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا۔ بہرحال جہاں تک جا سکتے تھے جانے کے لئے تیار تھے ایک طرح سے زندگی بے مقصد ہو گئی تھی۔ ابھی ذہن میں کوئی بڑی بات نہیں تھی آرام۔ اور پھر حسب معمول سفر۔

تیسری شام ٹوبو کسی حد تک الجھا ہوا تھا۔ اس نے پرخیال انداز میں کہا۔ "ماسٹر۔ میرے خیال میں ہمارا سفر اتنا لمبا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

"ہوں۔ لیکن ابھی تو آبادی کے آثار نہیں ہیں۔"

"وہ سیاہ لکیر میرے خیال کی آخری حد ہے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"دریائے نی تی کا ایک پہاڑ سے گزرا ہے۔"

"اوہ۔ یہ بھی اسی کہانی کی بات ہے۔؟"

"ہاں۔ لیکن سچی کہانی کی۔"

"تب پھر۔"

"اگر ان پہاڑوں کے نزدیک پہنچ کر بھی ہم ناکام رہے تو پھر میں نئے سرے سے سوچوں گا۔"

"ضرور سوچنا ٹوبو۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"مجھے جلدی ہے باس۔"

"کیوں۔؟"

"ٹوبو کی زندگی کا اہم مقصد باس کی قسم پوری کرنا ہے۔"

• اوہ۔ ! میں ہنس کر رہ گیا۔ نہ جانے کیوں ان حالات میں میری طبیعت میں بے توجہی پیدا ہو گئی تھی۔ اب تو اپنے مقصد سے بھی مجھے کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ ہم خاموش ہو گئے۔

سیاہ لکیر پہاڑوں کا ایک عظیم سلسلہ تھا۔ یہاں تو جو چیز تھی نرالی تھی۔ یہ پہاڑیاں زیادہ اونچی نہیں تھیں لیکن ایسی سپاٹ دیواروں کی طرح تھیں جنہیں عبور کرنا سخت مشکل تھا۔

• باس۔ دیوتاؤں کی قسم۔ ہم بالکل ٹھیک راستے سے آئے ہیں ان پہاڑوں کے دوسری طرف نی تی کا آباد ہے۔ ایک ایک نشانی ٹھیک مل رہی ہے۔ ٹوبو خوش ہوتا ہوا بولا۔

" دریا پہاڑ میں داخل ہو رہا ہے نا۔ ؟"

" ہاں باس۔ اور دریا کے اس طرف سے پہاڑوں میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔"

• اوہ۔ میرا خیال ہے یہاں سے دریا بھی آسانی سے عبور کیا جا سکتا ہے۔"

• ہاں باس یہاں والے یقیناً یہ راستہ عبور کرتے رہے ہوں گے۔"

" کیا ان پہاڑوں کے دوسری طرف فوراً ہی آبادی شروع ہو جاتی ہے۔ ؟" میں نے پوچھا۔

• اس بارے میں مجھے نہیں معلوم۔"

اور میں خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم پہاڑوں کے دامن میں تھے۔ دریا کا پاٹ کافی چوڑا تھا لیکن اس کی تہہ نظر آ رہی تھی اور یہ ہی منظر سحر انگیز تھا۔ تہہ میں ہیرے چمک رہے تھے۔ رنگ برنگے قیمتی پتھر۔ جو بے قدری سے پانی میں بہہ رہے تھے میں خاموش نگاہوں سے ان پتھروں کو دیکھنے لگا۔

" ہیرے باس۔ ؟" ٹوبو بولا۔

" ہاں۔

• لیکن نی تی کا میں بڑے اعلیٰ ہیرے ہوں گے۔"

" شاید۔ !"

" پھر کیا خیال ہے۔ دریا عبور کیا جائے۔ ؟"

• چلو۔ میں نے کہا۔ اور ٹوبو نے بے دھڑک دریا کے اندر پاؤں رکھ دیا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا اور اس وقت میں نہ جانے کیا تھا۔ قیمتی ہیرے میرے پیروں تلے روندے جا رہے تھے۔ ہم نے نہایت آسانی سے دریا عبور کر لیا۔ اور پھر ہم دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے ہی تھے کہ اچانک ایک عجیب سی آواز کانوں میں پڑی۔ ٹوبو نے میرا شانہ دبوچ لیا۔

• یہ کیسی آواز ہے ٹوبو۔ !

• گڑبڑ ہے باس۔ ٹوبو آہستہ سے بولا۔ اور پھر اچانک ہمیں ایک قوی ہیکل شخص نظر آیا جس کے پیروں اور ہاتھوں میں زنجیریں کھنک رہی تھیں۔ ان زنجیروں کے باوجود وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت تھی اور اس کا رخ ہماری طرف ہی تھا۔

◇

قوی ہیکل شخص نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط زنجیریں تھیں لیکن اس کے باوجود وہ نہایت برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ چہرے پر دہشت کے آثار لئے وہ سیاہ فام وحشی درندے کی مانند لگ رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے ٹوبو کو آواز دی۔

• یس باس : ٹوبو نے فوراً جواب دیا۔

• لگتا ہے جیسے یہ ہم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔"

• میرا بھی یہی خیال ہے باس :

• تب پھر سنبھالو : میں نے رکتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں اس قوی ہیکل سے نمٹنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ سیاہ فام ہم سے صرف چند گز کے فاصلے پر تھا، اچانک اسے زبردست ٹھوکر لگی اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ لیکن وہ اسی تیزی کے ساتھ دوبارہ اٹھا اور دہشت زدہ نگاہوں سے پیچھے دیکھنے لگا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ کسی سے خوفزدہ ہے۔ • اوہ۔ باس دیکھو : اچانک ٹوبو بولا، اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ وہ چار سیاہ فام تھے۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ وہ تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ دوڑتے دوڑتے سب سے آگے والے نے اس سیاہ فام کی طرف نیزہ پھینکا۔ مگر اتفاق سے نیزہ نشانے پر ٹھیک سے نہ بیٹھا۔

• ہمارا خیال غلط تھا باس :

• ہاں : میں نے کہا۔

• کیوں کہ اس کی مدد کی جائے ؟

• بالکل : میں نے آہستہ سے جواب دیا، اور ٹوبو نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی، وہ سیدھا اس نیزے پر جا پڑا جو تعاقب کرنے والے نے پھینک مارا تھا۔ دوسرے لمحے نیزہ ٹوبو کے ہاتھ میں تھا۔ اور ٹوبو دوڑنے والوں کے راستے میں آ گیا۔ اس نے نیزہ دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا تھا۔

• رک جاؤ : میں نے دہشت زدہ سیاہ فام سے کہا۔

• وہ ۔۔۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے : سیاہ فام دہشت زدہ انداز میں بولا۔

• نہیں ماریں گے، رک جاؤ : میں نے اس کا شانہ دبوچ لیا۔ اور وہ رک گیا لیکن اس کی خوفزدہ نگاہیں پیچھے ہی لگی ہوئی تھیں۔

• نیزے پھینک دو : ٹوبو غرایا۔

• ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ وہ کولاکا، کا قیدی ہے۔ جب سے آنے والے نے کہا۔

• اگر تم نے دوسری بار اس پر حملہ کیا تو میں تم میں سے دو کو ختم کر دوں گا :

• مارو۔ اسے بھی مارو : تیسرے شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور دوسرے لمحے ان تینوں نے ٹوبو پر حملہ کر دیا۔ اور ٹوبو کی پھرتی قابل دید تھی، وہ بجلی کی طرح ان کے درمیان سے نکل گیا۔ اور پھر اس کے نیزے کی انی ان میں سے ایک کی کمر چھید گئی سیاہ فام کی کریہہ چیخ سنائی دی۔

میں ایسے موقع پر ٹوبو کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا، حالانکہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن بہرحال ان معمولی تربیت یافتہ لڑاکوں سے لڑنے کے لئے ہتھیار کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں ان میں سے ایک کے سامنے آ گیا اور اس نے بے تکان میرے اوپر حملہ کر دیا۔ لیکن بس نیزہ گھومنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا احمق۔ نیزہ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے نہتے آدمی کو چھوڑ کر اس پر حملہ کر دیا جس کے پاس نیزہ تھا۔ اور دو ہی تین وار اسے زمین پر لے آئے دوسری طرف ٹوبو نے بھی اپنا مقابل زیر کر لیا تھا۔ جسے اس نے زخمی کیا تھا وہ شاید دم توڑ چکا تھا۔ نیزے کی انی عقب سے کسی خطرناک مقام کو چھید گئی تھی۔

وحشی قیدی ایک طرف کھڑا خوفزدہ نگاہوں سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ متعاقب اب زمین پر پڑے پلکیں جھپکا رہے تھے۔ ان کے چہروں پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ گویا وہ منتظر تھے کہ اب ہمارے ہاتھوں کے نیزے ان کے سینوں میں اتر جائیں گے۔

" صرف یہ چار تھے یا ان کے پیچھے دوسرے بھی ہیں ؟" ٹوبو نے قیدی سے پوچھا۔

• نہیں۔ صرف یہی تھے : قیدی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

• اب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ؟" ٹوبو نے پوچھا۔

• قتل کر دو۔ انہیں قتل کر دو۔ دیوتاؤں کے لئے انہیں کر دو ورنہ۔ یہ۔ یہ۔"

• کیا حکم ہے باس ؟

• یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے ان سے۔ پھر بھی اس کی تسلی کے لئے انہیں کس لیا جائے۔ معلومات کریں گے، پھر جو بھی مناسب ہوا : میں نے کہا۔

• نہیں نہیں، ان کی زندگی ہم سب کے لئے خطرناک بن جائے گی۔ دیوتاؤں کے لئے میرے اوپر ایک احسان اور کرو۔ انہیں قتل کر دو : سیاہ فام قیدی نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

• باس : ٹوبو نے پھر میری شکل دیکھی۔

• تمہارا کیا خیال ہے ٹوبو ؟

• میں تو کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا باس :

• ایک بات بتاؤ ؟

• ہاں باس :

• کیا یہ انسان نہیں ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں کہ ایک آدمی کے کہنے سے ہم انہیں قتل کر دیں۔ معاملہ سمجھ میں آنے دو، اگر یہ ہماری زندگی کے لئے بھی خطرناک ہوئے تو پھر ان کے بارے میں سوچیں گے، ایسی صورت میں کسی طور پھر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا :"

• او کے باس : ٹوبو نے گردن ہلائی، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے ان تینوں کے ہاتھ پیچھے کر کے کس لئے۔ اور پھر اس نے نیزے کی انی سے انہیں آگے دھکیلا۔

• چلو : وہ بولا۔ اور میں نے قوی ہیکل قیدی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

• تم بھی چلو، ان لوگوں کا فیصلہ بعد میں کر لیں گے : اور وہ خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑا۔ اس کی زنجیریں توڑنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی ضرورت تھی۔ ویسے بھی یہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ ممکن ہے کچھ دوسرے لوگ بھی ان کے پیچھے آئیں۔ ایسی صورت میں ہم نقصان بھی اٹھا سکتے تھے۔

ہم اس جگہ سے کافی دور نکل آئے جہاں یہ ہنگامہ ہوا تھا۔ اس جگہ بڑی بڑی چٹانیں تھیں۔ ایک اونچی چٹان کے عقب میں اپنا مسکن بنا لیا، اور پھر میں نے قیدی کی طرف دیکھا۔

• تمہارا نام کیا ہے ؟

• زوالا : اس نے جواب دیا۔

• کونسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہو ؟ ٹوبو نے پوچھا۔

• رکھشنہ : زوالا نے جواب دیا۔

• اوہ ۔ باس یہ تو نی تیکا کا پڑوسی قبیلہ ہے : ٹوبو میری طرف دیکھ کر بولا۔

• کیا تم لوگ نی تیکا کے باشندے ہو ؟ سیاہ فام نے پوچھا۔

• نہیں۔ تمہاری یہ زنجیریں تمہیں تکلیف دے رہی ہوں گی ؟

• مجھے آزاد کر دو۔ میں تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا :

• کیا حکم ہے باس :

• کوئی حرج نہیں : میں نے جواب دیا اور پھر ہم نے سارے سوالات اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیئے جب تک وہ سیاہ فام قیدی زنجیروں سے آزاد نہ ہو گیا۔ آزاد ہونے کے بعد اس نے اپنے کلائیوں پر پڑے ہوئے زخموں کے جو کھرنڈ بن کر خشک ہو چکے تھے، ملتے ہوئے کہا :

• آہ۔ پورے گیارہ سال کے بعد میرے ہاتھ زنجیروں سے آزاد ہوئے ہیں :

• تم گیارہ سال سے قید تھے ؟ ٹوبو نے حیرت سے پوچھا۔

• ہاں۔ پورے گیارہ سال سے :

• اس دوران تم نے نکل بھاگنے کی کوشش نہیں کی ؟

• لاتعداد مرتبہ۔ تم نے شاید میرے جسم پر ان بے شمار زخموں کے نشانات نہیں دیکھے۔ دیکھو میرے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو اپنی اصل شکل رکھتا ہو۔ میرے دشمن نے میرے جسم سارے نقش و نگار تبدیل کر دیئے ہیں، اور یہ سزائیں زیادہ تر میرے فرار پر مجھے ملی ہیں۔ اور شاید بڑوں کی یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ انسانی سانس جب تک برقرار ہے اسے کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ زندگی کا اگر کوئی مقصد بن جائے تو پھر زندگی اسی کے لئے وقف کر دینا ہی زندگی ہے، مقصد حاصل نہ ہو تو موت بہتر ہے اور میں بار بار زندگی کی بازی لگاتا رہا، موت کا متلاشی رہا۔ آخر آج کامیابی مل گئی۔ جس کا ذریعہ تم ہو :

• خوب : میں نے دلچسپی سے کہا : کیا تم بھوکے ہو ؟

• ہاں۔ کھانے کو کچھ مل سکے گا ؟

میں نے ٹوبو کی طرف دیکھا اور ٹوبو نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ کھانے کے انتظامات کرنے لگا۔

واقعات و حادثات کی یہ سرزمین انوکھے تماشے پیش کرتی تھی۔
صحیح معنوں میں یہاں زندگی پر جمود نہیں تھا۔ متحرک و رواں دواں زندگی، نت نئے واقعات سے تحیر۔ درحقیقت اگر مقصد نہ بھی مل سکے تو اس انوکھی زندگی کی کہانی، اس انوکھی سرزمین پر خاصی دلچسپ و دلکش تھی۔ کوئی بھی واقعہ کیسی ہی انوکھی اہمیت کا حامل ہو، ذہن کو زیادہ متاثر نہیں کرتا تھا۔ طبیعت ہر عجیب واقعہ کے لئے تیار رہتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ سیاہ فام قیدی کا ملنا، اس کے دشمنوں کو زیر کرنا اور پھر یہ گفتگو خاصی اہمیت رکھتی تھی۔ لیکن ذہن کو کوئی شدید تجسس نہیں تھا۔
ٹوبو نے کھانا تیار کر لیا۔ ہم نے گرفتار شدہ لوگوں کو بھی کچھ پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے گردن ہلا کر انکار کر دیا۔
البتہ سیاہ فام قیدی خاصا خوش خوراک تھا یا پھر قید کے دوران وہ کھانا پینا بھول گیا تھا اور اس وقت گیارہ سال کی کسر پوری کر رہا تھا۔
ہم دلچسپی سے اسے کھاتے دیکھتے رہے۔ خوب سیر ہونے کے بعد اس نے ممنون نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔
• جب میں چھوٹا سا تھا تو میری ماں مجھے جنگل کی کہانیاں سناتی تھی۔ وہ ان دیوتاؤں کا ذکر کرتی تھی جو جنگلوں میں رہتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں جو مظلوم ہیں۔ بڑے ہونے کے بعد یہ کہانیاں مجھے جھوٹی معلوم ہوئیں کیونکہ دیوتا مجھے کبھی نہ ملے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ میری ماں نے مجھے جھوٹی کہانیاں کیوں سنائی تھیں لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ دیوتا ملتے ضرور ہیں لیکن دور نکل آنے کے بعد۔ مگر کیا کروں قصور میرا نہیں تھا۔ میری نگرانی کرنے والے مجھے دور نکل آنے سے پہلے ہی پکڑ لیا کرتے تھے۔ شاید مجھے تیز دوڑنے کی مشق نہیں ہے۔"
اس کی اس مضحکہ خیز گفتگو پر ہم لوگ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔
• تو تمہارے خیال میں ہم دیوتا ہیں؟"
ہاں۔ اور میری ماں سچی" اس نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔
• باس، اب تو ایسا لگتا ہے۔ جیسے یہاں خاصی دیر قیام کرنا ہوگا بلکہ شاید پوری رات۔ کیا تم اس احمق کی پوری کہانی نہ سنو گے؟" ٹوبو نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔
• کیا حرج ہے ٹوبو، ہمیں کونسا راتوں رات منزل تک پہنچ جانا ہے۔ ایک رات یہاں بھی سہی" میں نے جواب دیا۔
• گڈ، باس! میری بھی یہی رائے ہے۔ لیکن پھر اس کی کہانی سننے کے انتظامات بھی کر لینے چاہئیں۔ میرا مطلب ہے رات کے قیام کا بندوبست۔"
• جیسی تمہاری مرضی" میں نے کہا۔
• ہاں بھئی تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم ہماری تھوڑی دیر کی رفاقت پسند کرو گے مسٹر زوالا؟"
• میں احسان فراموش نہیں ہوں، تم نے میری زندگی بچائی ہے میں تمہارا خادم ہوں۔"
• تب آؤ، تھوڑی سی لکڑیاں جمع کر لیں۔ رات خنک بھی ہوتی ہے، اور خوفناک بھی۔ دونوں کام ہو جائیں گے۔"

• ضرور" سیاہ فام بھی اٹھ گیا۔
تب میں نے ان تینوں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ بغیر سہارا لئے نہ اٹھ سکیں اور سہارا دینے والا انہیں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ تینوں خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ مجھ سے نگاہیں ملتے ہی ان میں سے ایک بولا۔
• تم افریقی نہیں معلوم ہوتے جوان؟"
• ہاں۔ میں افریقی نہیں ہوں۔"
• سیاح ہو؟"
• یہی سمجھ لو۔"
• سونے کی تلاش میں آئے تھے؟"
• یہ بھی ٹھیک ہے۔"
• تب پھر سونا حاصل کرو۔ ان علاقوں میں زندگی بھی کھو سکتے ہو۔ ہمارے معاملے میں مداخلت کیوں کرتے ہو؟"
• خوب۔ سونا حاصل کرنے کا کوئی طریقہ بتاؤ دوست؟"
• تمہارے ساتھ یہ افریقی کون ہے؟"
• میرا ملازم سمجھ لو۔"
• سمجھ لیا" وہ مسکرایا "اور سونا حاصل کرنے کا بہترین طریقہ بھی تمہیں بتایا جا سکتا ہے۔ کولاکا وہ دوستوں کا دوست ہے اور دشمنوں کا بدترین دشمن۔ اگر قیدی کے کہنے سے تم نے ہمیں قتل بھی کر دیا تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا اور مفت میں جان جائے گی۔ کولاکا کے آدمی بالآخر تمہارا پتہ چلا لیں گے اور پھر تمہارے جسم کی بوٹی بوٹی کر کے آگ میں جلا دیا جائے گا۔ جو ہم کہہ رہے ہیں وہی ہوگا۔"
• تب پھر تم کوئی ترکیب بتاؤ؟"
• سیدھی سی بات ہے ہمیں آزاد کر دو اور زوالا کو قید کر کے ہمارے ساتھ ہی کولاکا کی خدمت میں چلو۔ کولاکا تمہیں سونے سے لاد دے گا یہ ہمارا وعدہ ہے۔"
• لیکن کیا کولاکا کے لئے اس قیدی کی وہی اہمیت ہے؟"
• ہاں بالکل۔ کولاکا ہر قیمت پر اسے قید میں دیکھنا پسند کرے گا۔ اور اگر تم نے یہ کام کیا تو تمہیں اپنے دوستوں میں شمار کرے گا۔"
• لیکن قیدی کون ہے؟"
• یہ قبیلے کی باتیں ہیں ہمارے بالکل خانگی راز۔ جن سے تمہیں کچھ نہ ملے گا اور یہ تمہارے لئے کسی دلچسپی کے حامل بھی نہیں ہو سکتے۔"
• لیکن میں انہیں جاننا چاہتا ہوں۔"
• تم صرف سونے سے دلچسپی رکھو سیاح۔ ایسے راز تمہارے لئے خطرناک بھی ہو سکتے ہیں۔"
• تم اس کی پرواہ نہ کرو، مجھے بتاؤ۔"
• کولاکا اسے پسند نہ کرے گا" مجھ سے گفتگو کرنے والے نے سوالیہ انداز میں اپنے دوسرے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
• لیکن وہ ضد کر رہا ہے؟" اس کے ساتھی نے آہستہ سے کہا۔

• سونے کے خواہشمند تم یوں کرو کہ ہمارے ہاتھ ہماری پشت پر ڈھیلے کر دو۔ ایسے کہ بندھے ہوئے معلوم ہوں۔ لیکن ہمیں کھولنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ سو اس انداز میں ہم تمہیں اپنی کہانی سنائیں گے اور اگر وہ دونوں اس دوران واپس آ گئے تو تمہیں کوئی دقت نہ ہوگی۔"
• میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تم یوں سمجھو کہ جب ہم دو افراد تم چار پر قابو پا سکتے ہیں تو ہمیں نہتے آدمیوں کو دوبارہ گرفتار کرنا مشکل نہ ہوگا۔ تم بے فکر ہو کر اپنی کہانی سناؤ۔ اگر وہ درمیان میں آ بھی گئے تو میں خاموشی سے اپنا کام کر لوں گا۔"
اور وہ تینوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔
• عجیب افریقی اور ضد کرنے والے یہ کہانی قبیلے کا راز ہے، لیکن تو نے شرط عائد کی ہے تو سن۔ کولاکا قبیلے کا سب سے طاقتور انسان ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ پشتوں سے سرداری کرنے والے سرداری کو اپنی میراث سمجھ لیں۔ حالانکہ جو طاقتور ہے وہی سرداری کا اہل ہوتا ہے۔ لیکن قبیلوں کی رسموں کا فائدہ اٹھا کر زوالا کا باپ بینرک خود بھی سردار بن بیٹھا جب کہ اس میں سرداری کی کوئی شان نہیں ہے۔ ہاں اس کا بیٹا زوالا اگر طاقت رکھتا تو سرداری حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ چھوٹا تھا سو وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔
یعنی کولاکا نے بینرک، اس کی بیٹی اور بیٹے زوالا کو قید کر دیا اور خود سردار بن گیا۔ بینرک تو بوڑھا ہو گیا ہے، لیکن سردار کولاکا نہیں چاہتا کہ زوالا آزاد ہو، اور اس کی سرداری میں دخل انداز ہو۔ سو یوں سمجھ کہ زوالا کولاکا کے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اب اگر تو اسے گرفتار کرنے میں مدد دے گا تو کولاکا اس کے عوض کیا کچھ نہ دے گا۔"
وہ خاموش ہو گیا۔
یوں یہ دلچسپ کہانی میرے علم میں آئی اور میں نے مسکراتے ہوئے ان تینوں احمقوں سے پوچھا۔
• کیا کولاکا کے پاس بہت سونا ہے؟"
• پیلے سونے کے انبار ہیں اس کے پاس، اور ان میں بے شمار جگمگاتے پتھر بھی شامل ہیں اور تم سیاحوں کی طرح یہ بھی چیزیں ہوتی ہیں۔ جو ہمارے لئے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتیں۔ چنانچہ کولاکا کو کیا اعتراض ہوگا کہ تمہیں سب کچھ دے دے۔"
• بات تو ٹھیک ہے دوستو۔ لیکن میرے ذہن میں ایک اور ترکیب بھی آئی ہے، بھئی زوالا اب جوان ہو چکا ہے اور سرداری کے قابل ہے میرا خیال ہے اگر زوالا بستی میں واپس جائے اور اپنے لوگوں کے سامنے سرداری کی خواہش ظاہر کرے تو اس کی بستی والے اس کا ساتھ دیں گے۔ اور اپنے چوڑے بدن کی قوت سے کام لے کر وہ کولاکا کو شکست دے سکتا ہے تو پھر تم ایسے بڈھے آدمی کو سردار کیوں بنائے رکھنا چاہتے ہو۔ جو اب سرداری کے قابل نہ رہا ہو۔ کیوں نہ ہم سب مل کر زوالا کو اس کی سرداری دلا دیں۔ اس کے باپ اور اس کی بہن کو آزادی دلا دیں۔ مجھے سونا مل جائے گا اور تم لوگ بھی وفاداروں میں کہلاؤ گے۔"

• کیا بکواس ہے۔ ہم کولاکا کے خادم ہیں" وہ تینوں بگڑ کر بولے
• اور میں زوالا کا دوست۔ اس لئے اب تم سب بکواس بند کرو۔ زوالا کے آنے کے بعد تم تینوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔"
اور ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، وہ کچھ نہ بول سکے۔
سامنے سے زوالا اور ٹوبو آ رہے تھے۔ اور زوالا نے تو گویا اپنے سر پر سوکھی لکڑیوں کا پورا درخت اٹھایا ہوا تھا۔ وہ دونوں قریب پہنچ گئے، اور زوالا نے لکڑیاں زمین پر ڈال دیں۔ ٹوبو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔
"یہ زوالا تو بڑے کام کی چیز ہے صاحب۔ پورے پورے درخت اکھاڑ سکتا ہے۔" ٹوبو بولا۔
• میں دیکھ رہا ہوں۔"
• اگر تم اجازت دو باس، تو میں ان تینوں کو صرف گھونسے مار مار کر ہلاک کر دوں۔ دراصل میں ان سے ڈرتا نہیں، لیکن کولاکا نے میرے اوپر اتنے مظالم ڈھائے تھے کہ بچپن میں ہر چیز سے ڈرنے لگا تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ میرے لئے کولاکا کا کیا حکم تھا؟"
• ہاں مجھے نہیں معلوم۔"
• اس کا کہنا تھا کہ ہمیشہ میرے بدن پر زخم رہیں اور ان میں تکلیف پیدا کی جاتی رہے تاکہ میں ان کی وجہ سے پریشان رہوں اور فرار کے بارے میں نہ سوچ سکوں۔"
• اوہ۔ میں نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔ زوالا کی کہانی کافی حد تک مجھے معلوم ہو چکی تھی۔ اور یہ بھی کہ کولاکا خاصا ظالم انسان ہے۔"
• لیکن میرے بدن میں حیرت انگیز خوبی ہے۔ میری پیدائش پر میری ماں نے پتھر میں اگنے والی خاص بوٹی میرے منہ میں رکھ دی تھی اور میرا باپ اسے نہ جانے کہاں سے تلاش کر کے لایا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بدن میں زخم لگنے کے فوراً بعد بھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن زیادہ دیر نہیں۔ دیکھو، میں ٹھیک ہوں۔ ان لوگوں سے پوچھو انہوں نے میرے بدن پر کتنے زخم لگائے تھے۔"
میں ہمدردی سے اس معصوم سیاہ فام کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی کہانی مجھے معلوم ہو گئی تھی۔ چنانچہ اب اسے مظلوم سمجھنا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔
ٹوبو نے ایک چوڑے دائرے میں الاؤ بنایا۔ ویسے خنکی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر الاؤ کو آگ لگا دی گئی۔
• راستے میں زوالا سے تمہاری گفتگو ہوئی تھی ٹوبو؟" میں نے ٹوبو سے پوچھا۔
• ہاں چیف۔"
• اس نے اپنے بارے میں کچھ بتایا؟"
• میں نے اس کے بارے میں خاص طور سے نہیں پوچھا باس۔ بس ایسی ہی ملتی جلتی باتیں اس نے بتائی تھیں۔"
• آؤ اب زوالا سے اس کی کہانی سنیں۔" میں نے کہا اور پھر ہم نے زوالا سے اس کی کہانی کی فرمائش کر دی۔ نہایت معصوم انداز میں زوالا

نے وہی کہانی سنا دی جو اس سے قبل ان لوگوں نے سنائی تھی۔ اس کے انداز میں معصومیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

• "تم فرار کیوں ہوئے تھے زوالا؟" میں نے پوچھا اور زوالا حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

• "کیوں، قید میں کیا مزہ آتا ہے؟"

• "میرا مطلب ہے، تمہارے ذہن میں کوئی خیال تو ہوگا؟"

• "کیسا خیال؟"

• "یہی کہ اگر تم کولاکا کے پنجے سے آزاد ہو گئے تو کیا کرو گے۔ تم نے قید کے دوران اس بارے میں ضرور سوچا ہوگا زوالا؟" میں نے کہا اور زوالا کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

• "کیا سوچا تھا؟"

• "یہی کہ اگر آزاد ہو گیا تو اپنے باپ اور بہن کو کولاکا کی قید سے ضرور چھڑاؤں گا۔ پوری پوری کوشش کروں گا، خواہ اس میں جان چلی جائے۔ تم خود بتاؤ۔ میں چھوٹا سا تھا جب کولاکا نے مجھے میرے باپ اور بہن سے جدا کر دیا تھا۔ کیا جوان ہو کر بھی میں ان سے ملنے کی آرزو نہیں کروں؟"

• "ضرور کرنی چاہیے۔"

• "لیکن ایک بات بتاؤ۔"

• "ہاں۔ ضرور پوچھو۔"

• "تم نے میرے ساتھ احسان کیا ہے، بلکہ میری زندگی بچائی ہے، کیا تم مجھے غلام بنا لو گے یا مجھے کولاکا سے جنگ کی اجازت دے دو گے؟"

• "نہیں زوالا، ہم تمہیں غلام نہیں بنائیں گے بلکہ ہم تمہیں نہ صرف آزادی دیں گے بلکہ کولاکا سے جنگ کرنے میں تمہاری مدد بھی کریں گے۔" میں نے کہا اور زوالا حیرت سے ہمیں دیکھنے لگا۔

• "کیوں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

• "تم میری مدد کیوں کرو گے؟"

• "ہم نے ان لوگوں کے خلاف تمہاری مدد کیوں کی۔ جب کہ ہمارے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے۔"

• "اس وقت میرا خیال تھا کہ میری زندگی بچا کر تم مجھے اپنا غلام بنا لو گے لیکن تم نے ابھی کہا ہے کہ تم مجھے اپنا غلام نہیں بناؤ گے۔" زوالا نے بڑی معصومیت سے کہا۔

• "تم ہمارے دوست بھی تو بن سکتے ہو زوالا۔"

• "اوہ — واقعی۔" زوالا بے حد خوش ہو گیا۔ "کیا میں بھی اس قابل ہوں کیا مجھے بھی کوئی دوست بنا سکتا ہے۔ بولو۔ جواب دو۔ کیا تم مجھے دوست بناؤ گے؟"

• "بناؤ گے کیا — تم ہمارے دوست بن گئے۔"

• "ٹوبو — ٹوبو اٹھ۔ دوستی کا رقص کر۔ آہ۔ میں نے یہ رقص کبھی نہیں کیا۔ مجھے دوستی کا رقص کرنے کی بے حد آرزو تھی۔ آج میری آرزو پوری ہو گئی ہے۔ میں زندگی میں پہلی بار دوستی کا رقص کروں گا۔" زوالا اٹھا۔ اور بے ہنگم طریقے سے اچھلنے لگا۔

تب ٹوبو بھی اس کے ساتھ شریک ہو گیا، تینوں قیدی کینہ توز نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہونٹ سکڑ گئے تھے۔ دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا، اور پھر دونوں ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔

• "افسوس میرے دوست، میں دوستی کا کوئی تحفہ پیش نہیں کر سکتا۔ مجھے اس کے لئے معاف کر دینا۔ ہاں اگر کبھی اس قابل ہوا تو تحفہ ادا کر دوں گا۔"

• "تیری دوستی، تیری محبت بذات خود ایک تحفہ ہے۔ دیکھ ٹوبو میرا دوست ہے اور ہم دونوں کتنی محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔"

• "آہ معلوم ہوتا ہے، میری تقدیر کا سورج دلدل سے نکل آیا ہے اب روشنیاں پھوٹ رہی ہیں۔ یقیناً میری تقدیر کی روشنی میرے باپ اور بہن تک پہنچ جائے گی۔"

• "یقیناً زوالا، یقیناً۔" میں نے جواب دیا، اور پھر میں نے ٹوبو کو اشارے سے قریب بلا کر کچھ سمجھایا، ٹوبو نے گردن ہلا دی تھی۔ چند منٹ تک وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا، پھر ٹوبو نے کہا۔

• "تو نے تقدیر کی بات ٹھیک کہی زوالا۔ تجھے معلوم ہے کہ ہمارا دوست کون ہے؟"

• "مجھے نہیں معلوم۔"

• "اوہ۔ تو نے آسمان سے چمکتے تارے ٹوٹتے دیکھے ہیں؟"

• "ہاں۔ وہ جو ایک لکیر سی چھوڑ جاتے ہیں۔"

• "سو ایک تارہ ٹوٹا، دریا میں گرا اور ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔ پھر وہ مچھلی کنارے پر آ گئی اور اس نے ایک چمکدار موتی اگل دیا۔ لیکن یہ موتی جاندار تھا، اور پھر اس جاندار کی عمر اور جسامت بڑھتی گئی، اور تو سمجھ گیا کہ آسمان سے گرنے والا کون ہے، ہمارا دوست۔"

میں نے ٹوبو کو یہ کہانی نہیں سنائی تھی۔ یہ صرف ٹوبو کی اختراع تھی۔ لیکن اس کا اثر ان تینوں پر اور زوالا پر حیرت انگیز ہوا تھا۔

• "تب تو — تب تو یہ ابو کا ہے، طاقت کا دیوتا ابو کا۔"

• "ہاں۔ اور ابو کا جس کے ساتھ ہو، تو سمجھتا ہے فتح اس کے ساتھ چلتی ہے۔"

• "میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔" زوالا اوندھے منہ گر گیا اور پھر وہ زور زور سے کہنے لگا۔ "اے بڑی طاقت والے، اے آسمان کے باسی تو نے زوالا کے مقدر کی تاریکیوں کو بالآخر دلدل میں ڈبو دیا۔ اب زوالا کا سورج ضرور چمکے گا۔ ضرور چمکے گا۔"

رات گئے تک اسی قسم کی اوٹ پٹانگ باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ہم نے سونے کی سوچی۔ ٹوبو میرے نزدیک ہی سو گیا۔ قیدیوں کو خوب کس کر باندھ دیا گیا تھا تاکہ وہ فرار نہ ہو سکیں، یا ایسی کوئی کارروائی نہ کر سکیں جو ہمارے لئے نقصان دہ ہو۔ پھر جب دوسرے سو گئے تو ٹوبو نے کہا۔

• "اب تمہارے کیا ارادے ہیں ماسٹر؟"

• "تو نے وہ کہانی خوب سنائی۔"

• "افریقی قبائل کی لوک کہانی ہے ماسٹر، ان لوگوں کے دل دہل گئے ہوں گے، مگر تم کیا ارادہ رکھتے ہو ماسٹر؟"

• "اس طرح ان لوگوں کی جان نہیں لیں گے ٹوبو۔ بہرحال ہمیں ان سے دشمنی نہیں ہے، ہم صبح انہیں آزاد کر دیں گے۔"

• "ٹھیک ہے اور زوالا؟"

• "اس کی مدد تو کرنا ہی ہوگی ٹوبو، تم خود بتاؤ۔ کیا ایسے معصوم اور مظلوم آدمی کی مدد نہیں کرو گے جس نے پوری زندگی دشمن کی قید میں گزار دی ہو، اور اس کی سب سے بڑی آرزو یہ ہو کہ وہ اپنے باپ اور بھائی کو آزاد کرائے۔ کیسی یاس کیسی مظلومیت ہے اس کی آرزو میں۔"

• "ٹھیک کہتے ہو باس۔"

• "اس کے علاوہ ٹوبو ہماری زندگی تو خود ایک طرح سے بے مقصد ہے، ہمیں ہیروں کی تلاش ہی ہے نا۔ سو ہیرے یہاں موجود ہیں۔ مل ہی جائیں گے، لیکن وہ سچے موتی بلاشبہ ان ہیروں سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔ جو کسی کی آرزو پوری ہونے پر خوشی سے اس کی آنکھوں میں چمکنے لگتے ہیں۔"

• "تو عظیم ہے ماسٹر۔ اور تیری عظمت تیری پیشانی پر سجی ہوئی ہے، ٹوبو کوئی بڑی چیز نہیں ہے، وہ بڑے علم والا نہیں ہے لیکن تو اس کی بات نوٹ کر لے، ایک دن تجھے بڑی عظمت ملے گی۔ ایک انوکھا دن ضرور آئے گا ماسٹر، جب بہت سی زبانوں پر تیرے گیت ہوں گے۔"

میں خاموش ہو گیا۔ درحقیقت میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی زندگی کا مقصد پیچھے ڈال دیا تھا اور اس وقت صرف زوالا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اور زوالا — وہ نہ جانے سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔ بہرحال وہ معصومیت سے بالکل کسی بچے کی مانند زمین پر ہاتھ پاؤں پھیلائے لیٹا تھا۔ پھر رات کے کسی حصے میں مجھے بھی نیند آ گئی۔

اور دوسری صبح حسب معمول تھی۔ قیدی بھاگنے کی کوشش ضرور کرتے، اگر انہیں موقع مل جاتا۔ لیکن ہم نے انہیں بے بس کر دیا تھا۔ اس لئے وہ اسی طرح موجود تھے۔

زوالا بھی جاگ گیا تھا اور اب خاموش بیٹھا ان قیدیوں کو گھور رہا تھا۔ الاؤ کی لکڑیاں اب بالکل راکھ ہو گئی تھیں بہرحال انہوں نے ساری رات اپنا فرض انجام دیا تھا۔

صبح کو ہم نے جو مل سکا اس کا ناشتہ کیا۔ اور پھر میں نے ان تینوں قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ وہ حیران نظر آ رہے تھے۔

• "اور اب تم لوگ اپنے علاقے کی طرف بھاگ جاؤ۔ زوالا آزاد ہے، اور اب وہ کبھی قید نہیں ہوگا۔ جاؤ اپنے سردار کو بتا دینا کہ اب ابوکا زوالا کا ساتھی ہے۔"

تینوں قیدیوں نے پوری بات بھی نہیں سنی۔ انہوں نے شاید رات گزرتا تھا کہ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہے اور صبح ہوتے ہی انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ شاید انہیں کس کر باندھنے سے انہوں نے یہی تاثر لیا تھا۔ ہم لوگ انہیں بھاگتے دیکھتے رہے۔

اور پھر میں نے گہری سانس لی، اور زوالا کی طرف دیکھنے لگا۔ زوالا خاموش کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔

• "کیا خیال ہے زوالا، تم ان کی آزادی سے خوش نہیں ہوئے؟"

• "ناخوش بھی نہیں ہوں آقا۔" زوالا نے کہا۔

• "آقا نہیں — دوست۔"

• "دوست۔" زوالا نے کہا اور خوشی سے مسکرا پڑا۔

• "ہاں دوست۔ تو تم ان کی آزادی سے خوش ہو؟"

• "نہیں۔"

• "پھر؟"

• "ناخوش بھی نہیں ہوں کہ انہیں میرے دوست نے آزاد کیا ہے، اور میرے مہربان نے جو کام کیا ہے وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ اسے میری موٹی عقل سمجھ نہ سکے۔"

• "بہت عمدہ زوالا، بلاشبہ تمہارے اندر عمدہ دوست بننے کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے زوالا، اور اطمینان رکھو تمہارا دوست ایسا کوئی کام نہیں کرے گا جو تمہارے لئے غلط ہو۔"

• "مجھے یقین ہے۔" زوالا نے پورے اعتماد سے کہا۔ تب میں ٹوبو کی طرف مخاطب ہوا۔

• "ٹوبو، اب مجھے تم سے مشورہ کرنا ہے۔"

• "حکم باس۔"

• "اب کیا کرنا چاہیے؟"

• "میرے خیال میں سب سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینا چاہیے۔ اور یہاں سے اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ کولاکا کے آدمی ہمیں نہ پا سکیں۔ ابھی ہم زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ اگر وہ لوگ آ گئے تو ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

• "بالکل ٹھیک خیال ہے۔"

• "نی تیکا کی جانب ہی چلتے ہیں باس۔"

• "ہاں۔ لیکن اب ہماری منزل نی تیکا نہیں ہے۔"

• "ٹھیک ہے باس۔ لیکن کوئی قیام گاہ ضروری ہے۔"

• "ہاں۔" میں نے ٹوبو کی بات سے متفق ہو کر کہا۔ اور ہم چل پڑے ہم نہایت تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے، اب ہم تینوں کے پاس نیزے تھے۔ کاش اگر ہمارا ایمونیشن نہ ضائع کر دیا تو ہمیں اتنی فکر لاحق نہ ہوتی، لیکن بہرحال جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔ اب اس کے بارے میں کیا سوچنا۔ پورا دن ہم نے نہایت برق رفتاری سے سفر کیا۔ راستہ بھی صاف تھا اور پھر اتفاق سے موسم بھی ابر آلود رہا۔ جس کی وجہ سے ہمیں سفر میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اس وقت ہم جس علاقے میں تھے، وہ پہاڑی علاقہ تھا لیکن پہاڑوں کے دامن میں گھنے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔

• "نہایت عمدہ جگہ ہے باس۔ یہاں پانی بھی ضرور ہوگا۔" ٹوبو نے کہا۔

• "شاید۔"

• اور اگر پہاڑوں میں غار بھی ہوں تو ۔۔۔ اوہ تب تو مزہ ہی آجائے باس، اندھیرا جھک آیا ہے، اس وقت غار تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔

• ہاں۔ لیکن قیام یہیں کیا جائے۔

• یوں بھی ہم اس علاقے سے کافی دور نکل آئے ہیں۔

• بے شک باس۔ اور اب اتنی جلدی بھی نہیں، ان لوگوں کو واپس پہنچنے میں، اپنا حال کہنے میں، اور پھر کولا کا کو جوش آنے میں کچھ وقت لگے گا۔ آپ نے مناسب فاصلہ طے کر لیا ہے۔" ٹوبو نے کہا اور اس کے جملوں پر مجھے زور کی ہنسی آگئی۔

• کولا کا کے ہوش میں آنے کی بات تم نے خوب کہی ٹوبو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا، اور ٹوبو بھی ہنسنے لگا۔

• تم بھی ہماری گفتگو میں حصہ لو زوالا، تم کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے زوالا سے کہا اور زوالا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

اس کے اس فرمائشی قہقہے پر ہم دونوں پھر ہنس پڑے۔

• میں بہت خوش ہوں دوست۔"

• اچھا؟

• ہاں۔ تم یقین نہیں کرو گے، رات کو مجھے بہت دیر میں نیند آئی میں خاموش لیٹا خود کو یقین دلاتا رہا کہ میں درحقیقت آزاد ہوگیا۔ لیکن منحوس کمبخت بڑی ظالم نکلی۔ نہ جانے کہاں سے میری آنکھوں میں کولا کا آگھسا اس نے مجھے گرفتار کر لیا، اور پھر کیا ہی کوڑے پڑے ہیں میرے دوست میری ساری پشت کی کھال اڑ گئی، اور میں نے خوب شور مچایا تب آنکھ کھلی اور روشنی نظر آئی۔ میری پشت سے خون ٹپک رہا تھا۔ لیکن جب میں نے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو خون نہ تھا ۔۔۔ اب تو مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے سوچا یہ خون اچانک کہاں گیا۔ سارے زخم اتنی جلدی کیسے بھر گئے۔ تب میری نگاہ ان تینوں پر پڑی جو بندھے ہوئے تھے اور پھر مجھے بڑی مشکل سے یقین آیا کہ میں گرفتار نہیں ہوا ہوں، اور پھر جانتے ہو دوست کہ میرا دل کیا چاہا؟

• کیا چاہا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

• میرا دل چاہا کہ ایک کوڑا مجھے مل جائے، اور میں ان تینوں کو اتنا ہی ماروں، جتنا رات کو پٹ چکا ہوں۔ بڑا ہی دل چاہ رہا تھا۔ لیکن میں نے خود کو باز رکھا۔"

زوالا کی باتیں مضحکہ خیز بھی تھیں اور درد انگیز بھی۔ یہ وہ شخص تھا جو قید کے عالم میں جوان ہوا، وہ آزادی کا تصور ہی کھو بیٹھا تھا۔ ہاں یہ اس کے خون کی گرمی تھی جس نے اسے بار بار فرار پر اکسایا تھا۔ یہ اس کی خصوصی ہمت تھی۔

اور اس سے بہرحال زوالا کی ہمت کا اندازہ ہوتا تھا۔

• میں نے ایک اور فیصلہ کیا ہے دوست۔" زوالا نے کہا۔

• وہ کیا؟

• اب میں رات کو سوؤں گا ہی نہیں۔"

• ارے ۔ کیوں؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

• سوجاتا ہوں تو گرفتار ہو جاتا ہوں۔" زوالا نے معصومیت سے کہا، ہم دونوں ہنس پڑے۔

• نہیں زوالا، خود کو یقین دلا لو کہ تم آزاد ہوگئے ہو اور اب کبھی گرفتار نہیں ہوگے اور پھر آرام سے سو جاؤ۔"

• اوہ۔ ترکیب اچھی ہے۔" زوالا نے گردن ہلائی۔

• اب دوسرے مسئلے کی طرف آؤ۔" میں نے کہا۔

• وہ کیا باس؟" ٹوبو بولا۔

• خوراک ۔۔۔ اس بارے میں کیا سوچا ہے؟

• اوہ۔ باس میرا خیال ہے ان علاقوں میں پیٹ کا مسئلہ زیادہ نہیں ہے، گھنے جنگلات میں گھومتے ہوئے جانور انسان کی خدمت کے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔"

• لیکن اس وقت؟

• ارے انہیں پتہ تھوڑی ہوگا کہ ہمیں اس وقت ان کی ضرورت ہے۔ آؤ زوالا شکار تلاش کریں۔ اور تم باس، میرا خیال ہے تم اس چٹان کے پاس چلے جاؤ، ہم وہیں آجائیں گے۔"

• اوکے۔" میں نے گردن ہلائی اور وہ دونوں اپنے اپنے نیزے لے کر آگے بڑھ گئے۔ میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اور پھر میں نے اپنے لئے ایک منتخب کر لیا۔

پہاڑی پتھروں میں سوکھی ہوئی جھاڑیاں ۔۔۔ تھیں۔ میں ان کی لکڑیاں توڑنے لگا، تاکہ آگ روشن کی جا سکے۔ تیزے سے میں ان لکڑیوں کو جھاڑیوں سے علیحدہ کر لیتا تھا تاکہ اگر جھاڑیوں میں کوئی جانور ہو تو مجھے نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں نے چٹان کے گرد الاؤ بنایا، اور موٹی لکڑیاں ایک جگہ جمع کر کے ان میں آگ روشن کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد اندھیرا مکمل طور پر چھا گیا۔ آگ کے شعلے ماحول کو منور کر رہے تھے اور میں ان شعلوں پر نگاہیں جمائے اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔

چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ میں ۔۔۔ یعنی میں افریقہ کے ان ویران حصے میں آگ روشن کئے بیٹھا تھا۔ کبھی گمان میں بھی نہیں تھا کہ حالات پیش آسکتے ہیں۔ دربدر کرنے والوں نے مجھے دربدر کر دیا کیا کبھی وہ بھی میرے بارے میں سوچتے ہوں گے؟

تبھی ٹوبو کی آواز سنائی دی۔

• واہ باس۔ درحقیقت اس آگ نے اس وقت ہمیں راستہ دکھایا۔ ورنہ ہم تو اندھیرے کا شکار ہوگئے تھے۔"

میں نے جلدی سے آنکھیں خشک کر لیں اور کھڑا ہوگیا۔ زوالا کی پشت پر ایک ہرن لٹکا ہوا تھا۔ اس نے اسے زمین پر ڈال دیا۔

• اس وقت یہی شریف جانور تیار ہو سکا۔ ورنہ ایسا لگتا تھا جیسے ہماری آمد سے باخبر ہوگئے ہوں۔" ٹوبو نے کہا اور پھر وہ اور زوالا مل کر ہرن کی کھال وغیرہ اتارنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد گوشت بھننے کی بو چاروں طرف پھیل رہی تھی اور پھر ایک ہرن ہم تینوں آسانی سے

اس کے بعد لیٹنے کی تیاریاں ہوئیں اور چٹان کے گرد پھیلا ہوا الاؤ روشن کر دیا گیا۔

• ہاں بھئی زوالا، آج تو تم آرام سے سوؤ گے۔" میں نے کہا۔

• جو میرا دوست کہے۔"

• تم اپنے ذہن سے قید کا خیال نکال دو۔ اب کولا کا تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا، بلکہ اب تو اس کی شامت آرہی ہے۔"

• راستے میں زوالا مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہمارا دوست واقعی آسمان سے گرا تھا؟" ٹوبو نے کہا۔

• ہاں لیکن کھجور میں نہیں اٹکا۔" میں نے جواب دیا۔ یہ محاورہ خود ٹوبو کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا، چنانچہ وہ میری شکل دیکھتا رہا۔

• اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے باس کہ ہم کریں گے کیا؟

• کیا مطلب؟

• تین آدمیوں کی یہ فوج ظاہر ہے رکھشنے پر حملہ آور نہیں ہو سکتی۔"

• کچھ کرنا ہی ہوگا ٹوبو۔ بہرحال زوالا سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ضروری ہے۔"

• مگر کیسے باس؟

• چند پوائنٹ میرے ذہن میں ہیں۔"

• اوہ ۔۔۔" ٹوبو دلچسپی سے بولا۔

• نمبر ایک، کولا کا ظالم ہے، اور ظالموں سے اس کی رعایا خوش تو نہیں ہوتی۔"

• ظاہر ہے۔"

• اس کے برعکس مجھے یقین ہے کہ رکھشنے کے عوام بیزک کو یاد کرتے ہوں گے۔"

• بالکل ٹھیک۔

• ممکن ہے ٹوبو کہ لوگوں کو ان کی زندگی کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو، اور اگر لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ ان کا پرانا سردار بیزک زندہ ہے تو وہ بیزک کی مدد پر آمادہ ہو جائیں۔"

• اوہ۔ میں سمجھ رہا ہوں باس۔"

• یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کھلے حملوں سے ہم زوالا کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ نہ ہی ایسی کسی کوشش میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ ممکن نہیں۔"

• بے شک باس۔ تم نے ٹھیک کہا۔"

• چنانچہ کوئی ایسا عمل ہی کارآمد ہو سکتا ہے ٹوبو، جو چالاکی پر مشتمل ہو اسی طرح ہم زوالا کی مدد کر سکتے ہیں اور اسی طرح اس کی خواہش پوری کر سکتے ہیں۔"

• بالکل ٹھیک، میرا خیال ہے باس، زوالا سے اس بارے میں معلومات کی جائیں۔"

• کس بارے میں؟

• یہی کہ قبیلے میں بیزک کی مقبولیت کیا تھی؟

• بیکار ہے ٹوبو۔" میں نے جواب دیا۔

• کیوں باس؟

• تمہارے خیال میں زوالا کی عمر کیا ہوگی؟

• عمر ۔۔۔ زیادہ نہیں ہے باس۔"

• یہی میں کہنے والا تھا، جب اسے گرفتار کیا گیا تو وہ اتنا سمجھدار نہیں ہوگا کہ ان باتوں کا اندازہ لگا سکے۔ اس لئے اس سے کچھ پوچھنا فضول ہے۔"

• تمہارا خیال ٹھیک ہے باس۔"

• ہماری کوشش یہی ہوگی ٹوبو۔ چند روز تو انہیں دیں کہ وہ ہمیں تلاش کریں، اور ناکام ہو جائیں۔ پھر ہم رکھشنے کی طرف سفر کریں گے۔"

• اوہ۔"

• رکھشنے میں داخل ہوں گے انتہائی خفیہ طریقے سے اور قیدیوں کا سراغ لگائیں گے، سب سے پہلا کام یہی ہوگا کہ بیزک کا پتہ لگائیں۔ اور اسے آزادی دلائیں۔"

• بہترین خیال ہے استاد۔ سردار بیزک ممکن ہے اپنے کچھ ہمدرد رکھتا ہو، جن کی نشاندہی وہ خود ہی کر سکتا ہے۔"

• یقیناً۔

• بات کچھ اور ہوتی ہے باس، واقعی بات کچھ اور ہوتی ہے۔" ٹوبو نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

• ہم کچھ کامیاب لوگوں کو دیکھتے ہیں، ان کے بارے میں سوچتے ہیں کہ آخر، یہ ہماری طرح کے ہیں بلکہ بعض چیزوں میں ہم سے پیچھے ہیں۔ پھر ہم سوچتے ہیں وہ ہم پر فوقیت کیوں رکھتے ہیں تو باس ۔۔۔ ان کے پاس خصوصی قوت ہوتی ہے سوچنے کی، اور یہی قوت انہیں فوقیت دلاتی ہے۔ تم نے جو کچھ سوچا، وہ کس قدر الگ ہے، اور اس میں کامیابی کی روشنی بھی ہے، ہمارے ذہن میں یہ بات نہ آتی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ہم دونوں نے بیک وقت ہی زوالا کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں ہماری طرف ضرور تھیں۔ لیکن اس دوران وہ کسی دیوار کی مانند لگ رہا تھا۔

• تمہارا کیا خیال ہے زوالا؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔

• کس بارے میں دوست؟" وہ چونک کر بولا۔

• یہی گفتگو، جو ہم کر رہے ہیں۔"

• سچ بات تو یہ ہے دوست کہ میرے پاس سوچنے کی قوت بہت کم ہے۔ یوں سمجھ لو، اب میری سوچ صرف اس حد تک رہ گئی تھی کہ مجھے آئندہ کس چیز سے مارا جائے گا۔" زوالا نے جواب دیا۔ اور میں افسردہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

• یہ ٹھیک کہتا ہے ٹوبو، صعوبتیں صلاحیتوں کی قاتل بھی بن جاتی ہیں۔ بہرحال زوالا میری جان، تم کسی بات کی فکر مت کرو، ہم جو کچھ کریں گے، تمہاری بہتری کے لئے کریں گے۔"

• مجھے یقین ہے ماسٹر، اور میں اس بارے میں کچھ نہیں سوچتا۔" زوالا نے سکون سے کہا۔

کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے اور پھر سو گئے۔

رات نہایت پُرسکون گذری تھی، صبح کو ہم جاگے تو نہایت خوشگوار کیفیت محسوس کر رہے تھے، رات کا کچھ گوشت بچا ہوا تھا۔ زوالا نے بتایا کہ اس نے کچھ پھل دیکھے ہیں جو استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اسے پھل لانے کے لئے بھیج دیا گیا۔

اور تھوڑی دیر میں وہ سبز رنگ کے سیب جیسے پھلوں کا ایک پورا ڈھیر اٹھا لایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ درخت ہی اکھاڑ لایا ہو۔ درحقیقت پھل بے حد مزیدار تھے، اور ناشتہ خوب عمدہ ہوا۔ اس کے بعد ہم پہاڑوں میں کسی غار کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

چھوٹے چھوٹے بہت سے غار پہاڑوں میں موجود تھے۔ لیکن کسی ایسے غار کی ہمیں تلاش تھی جسے ہم آسانی سے اپنا مسکن بنا سکیں ان غاروں کی تلاش میں ہم پہاڑوں کی بلندیاں ناپتے رہے اور پھر ہم پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے، ابھی تک اپنے مطلب کا کوئی غار نہیں ملا تھا۔

میں نے ڈوبو اور زوالا کو الگ الگ راستے دے دیئے تھے، یوں ہم تینوں بیک وقت غاروں کی تلاش میں مصروف تھے۔ سورج کافی چڑھ چکا تھا اور دھوپ تیز ہونے لگی تھی۔ بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگی تھیں اور پسینہ نکل آیا تھا، میں اور ڈوبو ایک جگہ جمع ہو گئے اور اب پہاڑ کی دوسری طرف نگاہیں دوڑانے لگے۔

• سردار کہاں ہے؟ ڈوبو نے کہا۔

• اوہ ہاں۔ وہ نظر نہیں آ رہا: میں نے بھی زوالا کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، لیکن وہ نظر نہیں آیا۔ "آؤ۔ دیکھیں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ دوسری طرف ایک کنٹوپ نما بڑی چٹان تھی، ہم اسی کی طرف بڑھے اور جب اس کے قریب پہنچے تو دوسری طرف سے زوالا کی آواز سنائی دی۔

• بولتی تو خوب ہے بھئی، لیکن قصہ کیا ہے؟

ڈوبو نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور ہم چٹان کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ زوالا کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پتھر تھا جس سے وہ اپنا سر کھجا رہا تھا۔ ہماری آہٹ پر اس نے چونک کر دیکھا، اور پھر جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا۔

• کیا حال ہے سردار؟ مجھے ڈوبو کے الفاظ بہت پسند آئے تھے اس لئے میں نے بھی زوالا کو سردار ہی کہہ کر مخاطب کیا، لیکن اس نے ان الفاظ پر کوئی توجہ نہیں دی۔

• بولتی ہے، اور خالی بولتی ہے: وہ پُرخیال انداز میں بولا۔

• بول پڑی نا آخر: میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• ہاں ماسٹر: زوالا نے کہا۔

• کہاں بول رہی ہے زوالا؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا بس زوالا کی معصومیت تھی جس نے مجھے محظوظ کیا تھا۔

• یہاں باس، تم سنو: زوالا نے کہا، اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتھر کو زور زور سے چٹان کے دوسرے حصے پر مارا۔ چٹان سے آواز ابھری لیکن ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

• بول رہی ہے باس: زوالا نے خوش ہو کر کہا۔

• ہاں بول رہی ہے: میں نے کہا۔

• تم سمجھے نہیں باس: ڈوبو نے غور سے چٹان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

• کیا مطلب؟

• میں زوالا کی بات سمجھ گیا ہوں۔

• میں واقعی نہیں سمجھ سکا۔

• اس کا مطلب ہے چٹان اندر سے خالی ہے۔

• اوہ۔ غار؟

• ہاں باس، یقیناً: ڈوبو نے کہا اور ہم چٹان کو ٹٹولنے لگے، درحقیقت چٹان کے کنارے خالی تھے، ایک سل نے اسے بند کر دیا تھا۔ لیکن سل میں کوئی رخنہ نہیں تھا۔

• اس کے پیچھے کوئی غار بھی ہو سکتا ہے: ڈوبو نے پھر کہا

• لیکن ڈوبو،

• اور باس۔ یقیناً یہ محفوظ ترین غار ہوگا۔

• وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اسے کھولنا آسان نہ ہوگا۔

• ایک منٹ: ڈوبو نے کہا، اور پھر اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نیزے کی انی دراڑ میں پھنسا دی اور زور لگانے لگا، لیکن انی ٹیڑھی ہو گئی

• اوہ باس۔ ایک نیزہ برباد ہو گیا۔

• مجھے دو۔ دوسرا نیزہ خراب کرنا ٹھیک نہیں ہے: زوالا نے کہا اور ڈوبو کے ہاتھ سے نیزہ لے لیا۔ پھر وہ مڑی ہوئی انی کو پتھر میں پھنسانے کے بجائے اس سے چٹان کے سرے کو کھرچنے لگا۔ میں دلچسپی سے زوالا کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ یہاں تو وہ عقلمندی کا ثبوت دے رہا تھا۔ لیکن بہرحال چٹان کا دروازہ اس طرح جما ہوا تھا کہ ہم تینوں مل کر بھی اسے نہیں ہلا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد زوالا نے خاصی چٹان کھرچ لی۔

اور اس کے بعد اس نے نیزہ پھینک دیا۔

• کیوں سردار، کیا ہوا؟ میں نے کہا۔

زوالا نے میری طرف دیکھا، مسکرایا۔ اور پھر اس نے مڑ کر انگلیاں اس کھرچی ہوئی چٹان کے اندر پھنسا دیں اور قوت صرف کرنے لگا۔

اب ہم نے غور سے اسے دیکھا تھا۔ اس دیو ہیکل آدمی کی بہت سی قوتیں ابھی پوشیدہ تھیں۔ یہ وزنی چٹان جسے ہم لوگ ہلا بھی نہیں سکتے تھے اسے وہ اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور اس وقت ہم اچھل پڑے جب ہم نے دیکھا کہ چٹان اپنی جگہ سے کھسک رہی تھی۔ پھر جب وہ تھوڑی سی کھسک گئی تو زوالا نے اس میں دونوں ہاتھ پھنسا لئے اور پھر اس نے ایک زوردار آواز منہ سے نکالی اور چٹان کی سل اکھاڑ کر پھینک دی۔ سنسان پہاڑوں میں خاصی زوردار آواز ہوئی تھی۔ میں نے اکھڑی ہوئی سل کو دیکھا، اور پھر اچانک میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ سل کے کناروں پر جگہ جگہ اسٹیل کے ہک لگے ہوئے تھے۔ گویا چٹان غیر قدرتی ذرائع سے بند کی گئی۔ یہ زوالا کی ہی طاقت تھی جس نے اسٹیل توڑ دیا تھا۔ انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ میں نے چٹان کے کھل جانے والے سوراخ کو دیکھا اور اس کے کنارے دیکھے۔ درحقیقت میرا اندازہ درست تھا۔

لیکن یہ غیر قدرتی سل ـــ یہ جگہ۔ یہ خوفناک ویرانہ۔ اور میں وہ سوچ رہا تھا جو شاید ڈوبو نہیں سمجھ سکا تھا۔

• آؤ باس۔ اندر چلیں: ڈوبو نے کہا۔

• رک جاؤ ڈوبو: میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

• کیوں باس؟

• اسے دیکھو: میں نے کہا، اور ڈوبو کو ان ہکوں کی طرف متوجہ کیا۔ جو ٹوٹ چکے تھے۔

• یہ۔ یہ کیا ہے باس؟ اس نے حیرت سے پوچھا

• غار قدرتی ہے ڈوبو، لیکن یہاں کوئی پہنچ چکا ہے۔

• کون؟

• یہ کوئی نہیں جانتا۔

• تو ـــ تمہارے خیال میں۔۔۔ ڈوبو بھی سخت حیران تھا۔

• ممکن ہے کوئی اب بھی اندر ہو۔

• اوہ ـــ پھر باس؟

• ضرور دیکھیں گے ڈوبو، اندر کون ہے، میرا خیال ہے۔۔۔ میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

• میرا بھی یہی خیال ہے: زوالا بولا۔

• کیا؟ اس کی غیر متوقع مداخلت پر ہم نے چونک کر اسے دیکھا۔

• میرا خیال ہے یہ غار ضرور کشادہ ہے: زوالا نے جواب دیا۔

• اوہ: میں نے طویل سانس لی، اور پھر میں نے اندر قدم رکھ دیا۔ ڈوبو اور زوالا میرے ساتھ تھے۔

ہم لوگ ایک تاریک سرنگ میں آگے بڑھنے لگے۔ میرے ذہن میں شدید تجسس تھا۔ آخر یہاں کون ہو سکتا ہے اور پھر ایک اور خیال اچانک ذہن میں پیدا ہوا اور میں رک گیا۔ تاریکی کی وجہ سے ڈوبو اور زوالا مجھ سے ٹکرا گئے تھے۔ ڈوبو نے فوراً کہا:

• رک کیوں گئے باس؟

• ٹھہرو ڈوبو،

• کوئی ہے کیا؟

• ہونا چاہیئے۔

• مگر کون؟

• کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی اقدام نہ کر بیٹھے۔

• اوہ: ڈوبو نے آہستہ سے کہا۔

• تم نے دیکھا۔ اگر غار کشادہ نہ ہوتا تو یہاں گھٹن ہوتی: زوالا اپنی اُدھیڑ بن میں مست تھا۔ اسے ہماری گفتگو سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

تب میں نے منہ کے آگے دونوں ہاتھوں کا بھونپو بنایا، اور پھر زوردار آواز میں چیخا۔

• اگر یہاں کوئی ہے تو ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ ہم کسی بُرے ارادے سے یہاں نہیں آئے۔

میں رکا۔ اور پھر میں نے دوبارہ یہی الفاظ کہے۔ انگلش زبان استعمال کی تھی۔ پھر میں وہیں رک کر اپنی بات کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ زوالا اب حیرانی سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ اور میرا اندازہ درست نکلا۔ اچانک ہی سرنگ میں ایک تیز گھوں گھوں کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ آواز خاصی تیز تھی۔ ڈوبو اور زوالا اچھل پڑے۔

• یہ ـــ یہ کیا ہے باس؟ ڈوبو خوف سے لرزتی آواز میں بولا۔ اس نے میرا شانہ دبوچ لیا تھا، جس سے اس کے اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا۔

میں نے ڈوبو کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور خاموشی سے اس آواز پر غور کرنے لگا۔ اور پھر میں نے اس کے بارے میں فیصلہ کر لیا۔ یہ بجلی پیدا کرنے والا جنریٹر تھا۔

اور اس خیال کی تصدیق بھی فوراً ہو گئی۔ کیونکہ اچانک ہم تیز روشنیوں میں نہا گئے۔ پوری سرنگ روشن ہو گئی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن ڈوبو اور زوالا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

• بب ـــ باس۔ ڈوبو آہستہ سے بولا۔

• فکر کی بات نہیں ڈوبو۔ سب ٹھیک ہے۔

• مم ـــ مگر ـــ

• چند سیکنڈ خاموش رہو: میں نے کہا۔ اور پھر میں نے دوبارہ آواز لگائی۔

• شکریہ۔ تم جو کوئی بھی ہو، کیا مجھ سے ملنا پسند کرو گے؟

• سیدھے چلے آؤ: دوسری طرف سے ایک بھاری آواز گونجی۔ لہجہ انگریزوں کا سا ہی تھا۔ زبان انگریزی۔ لیکن اب دیو قامت زوالا کے ہوش گم ہونے لگے۔

• یہ ـ یہ کیا ہے باس۔ یہ کس کی آواز ہے؟ اس نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

• آؤ۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے: میں نے کہا اور ہم پھر آگے بڑھنے لگے۔ تقریباً دس گز کے فاصلے پر سرنگ کا دوسرا سرا نظر آ رہا تھا۔ دوسری طرف بھی تیز روشنی تھی۔

میں بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔ بہرحال غار کے بارے میں ہمارا اندازہ درست تھا۔ وہ کافی کشادہ تھا لیکن اندر کا منظر دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ بہت سی کہانیاں میرے ذہن میں ابھر آئیں۔ پورے ہال میں چاروں طرف مشینیں لگی ہوئی تھیں۔

ان کے علاوہ تین آدمی اندر کھڑے تھے۔ ان کی کمر میں پستول بندھے ہوئے تھے اور چہرے کافی حد تک خشک تھے۔

• ہتھیار پھینک دو: ان میں سے ایک نے بھاری آواز میں کہا، اور میں نے نیزہ دور پھینک دیا۔ ڈوبو نے بھی میری تقلید کی تھی۔

• تم افریقی نہیں ہو: ان میں سے ایک نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

• تمہارا اندازہ درست ہے: میں نے جواب دیا۔

• کہاں کے باشندے ہو؟

• ایشیائی ہوں۔

• اوہ! اس نے گردن ہلائی۔ یہ دونوں ـ؟

• میرے دوست ہیں۔

• کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی اور ہتھیار ہے؟

• نہیں۔

• ہم تمہاری تلاشی لے سکتے ہیں؟

• ضرور! میں نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے دوسرے کو تلاشی لینے کے لئے کہا۔ اور اس نے ہمارے قریب آکر ہماری تلاشی لی۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر گردن ہلائی۔

• شکریہ۔ اب تم اپنے یہاں آنے کا مقصد بتاؤ؟

• صرف رہائش کے لئے کسی عمدہ سے غار کی تلاش تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں۔

• کیا اوپر کی چٹان تمہیں مشتبہ معلوم ہوئی تھی؟

• ہاں۔ میرے افریقی ساتھی کا خیال تھا کہ اس کے پیچھے غار ہے۔

• تمہارا ساتھی بے پناہ طاقتور ہے۔ اس نے دروازے کا سیل ہی توڑ دیا؟ ہاں۔ اس کی بے پناہ قوت کا علم مجھے بھی نہ تھا۔ میں نے جواب دیا۔

• تم یقیناً ان دونوں سے ممتاز حیثیت رکھتے ہو۔ تم اگر ہمارے باس سے ملنا چاہو تو مل سکتے ہو۔ اس نے کہا۔

• میں ضرور ملوں گا، لیکن ...! میں نے ٹربو اور ندالا کی طرف دیکھا۔

• یہ دونوں آرام سے یہاں رہیں گے، ان کی فکر مت کرو۔

• ٹھیک ہے۔ میں نے کہا۔ اور پھر میں نے ٹربو کو مخاطب کیا۔ ٹربو ان لوگوں سے تعاون کرو، ہمارے ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

• اوکے چیف! ٹربو نے کہا

• رینا! اس شخص نے ایک طرف رخ کر کے کہا، اور ایک چٹانی دروازے سے ایک نوجوان عورت باہر نکل آئی۔

• انہیں باس کے پاس لے جاؤ۔

عورت نے خاموشی سے گردن جھکا دی، اور پھر اس نے میری طرف دیکھا۔

• آئیے! وہ شائستگی سے بولی اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا اسی چٹانی دروازے سے داخل ہو کر ہم ایک سرنگ میں پہنچ گئے انوکھے غار تھے۔ چاروں طرف غاروں اور سرنگوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ سرنگ سے گذر کر ہم ایک اور دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں اسٹیل کا ایک گول دروازہ لگا ہوا تھا۔

عورت نے نہ جانے کونسی کل دبائی۔ دروازہ کسی ڈھکن کی طرح کھل گیا، اور عورت ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

• باس اندر موجود ہے۔

میں نے گردن ہلائی، اور دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ بڑا غار بھی بے حد کشادہ تھا۔ اندر ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر چاروں طرف مشین اور ڈائل لگے ہوئے تھے، درمیان میں نہایت شاندار فرنیچر موجود تھا اور انتہائی قیمتی صوفوں پر ایک بوڑھا مرد اور ایک نوجوان اور بے حد حسین لڑکی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان شطرنج رکھا ہوا تھا۔

دونوں شطرنج چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے۔

• آؤ! بوڑھے کی بھاری آواز گونجی۔ وہ چھریرے بدن کا لیکن بے حد اسمارٹ تھا۔ سفید داڑھی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں بے پناہ زندگی تھی۔ لڑکی یقیناً اس کی بیٹی تھی کیونکہ اس کے چہرے پر بوڑھے کی شباہت جھلکتی تھی۔

میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

• بیٹھو نوجوان!

• شکریہ! میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

• لورین! بوڑھے نے لڑکی کو مخاطب کیا، لیکن اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

• یس پاپا!

• تمہیں میری قیافہ شناسی پر بھروسہ ہے نا؟

• سو فیصد پاپا!

• تو اس نوجوان کے بارے میں سنو! بوڑھے نے مجھ سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔ ایشیا کے کسی ملک کا باشندہ ہے، غالباً ہندوستان۔ فطرتاً شریف الطبع ہے۔ پختہ عزم کا مالک ہے۔ دلیر ہے۔ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور ـــــ اور اس کے چہرے پر کرب کی لکیر۔ کہیں سے چوٹ کھائے ہوئے ہے۔

بوڑھا رک رک کر بولتا رہا۔ اور میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ بلاشبہ اس کا قیاس درست تھا۔ میری آنکھوں میں تحسین ابھر آئی۔

• اور اسے میری باتوں سے اختلاف نہیں ہے۔ بوڑھا آخر میں مسکراتے ہوئے بولا۔

• کیا خیال ہے مسٹر؟ لڑکی بھی ایک دلکش مسکراہٹ سے بولی۔

• جو باتیں میری تعریف میں ہیں، ان پر انکساری سے کام لوں گا سب ٹھیک ہے۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

• ویری گڈ! لڑکی نے گردن ہلائی۔

• چنانچہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم تمہیں دوستوں میں شمار نہ کریں۔

• میری بھی یہی درخواست ہے۔

• تفصیلی گفتگو سے پہلے یہ بتاؤ، کیا کھاؤ گے، کیا پیو گے؟

• ناشتہ کر چکا ہوں، البتہ افریقہ میں چائے یا کافی سے محروم ہوں۔ میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ اور بوڑھے نے قریب ہی رکھے ایک آلے میں بٹن دبا دیا۔

• انشیا! اس نے کہا۔

• یس باس!

• کافی۔ نہایت عمدہ!

• یس باس!

• اور سنو، دونوں افریقیوں کی بھی خاطر کی جائے۔

• یس باس!

• اوکے! بوڑھے نے بٹن آف کر دیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ قدرتی بات ہے، جب دو افراد، دو اجنبی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے کے بارے میں تجسس ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقابل کی شخصیت معلوم کر لینا چاہتے ہیں اور ہم بھی انہیں میں سے ہیں۔

• یقیناً جناب! میں نے جواب دیا۔

• تب پھر رسم تعارف ہو جائے، پہلے نام اور اس کے بعد ہم دونوں باری باری اپنے بارے میں بتائیں گے، میرا مطلب ہے ایک بات میں، ایک بات تم۔

• عمدہ! میں نے کہا۔

• تو ابتدا میں کرتا ہوں، میرا نام ہل لین ہے، اور یہ میری لورین! بوڑھے نے کہا اور سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ نہایت دلچسپ انسان تھا۔

• میرا نام سرفراز ہے، اور میں ہندوستان کا باشندہ ہوں۔

• ایکسیلنٹ۔ میں امریکی ہوں، ایک پرائیوٹ سائنسدان۔ یہ نہیں بتاؤں گا کہ ان پہاڑوں میں کیا کر رہا ہوں۔ ہاں صرف اتنا بتا دوں کہ انسان دوست ہوں، اور انسان کی فنا کے منصوبے نہیں رکھتا۔

• میں آپ کی شریفانہ طبیعت، اور طرز گفتگو سے بے حد متاثر ہوں اور مجھے آپ کی بات پر یقین ہے۔ اس لئے میں یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کروں گا کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

• میں بھی ایسے لوگوں کی عزت کرتا ہوں۔ دراصل میں دنیا سے الگ تھلگ اس مقام پر اسی لئے آیا ہوں کہ خاموشی سے اپنا کام کروں میں یہاں کسی کی مداخلت نہیں چاہتا تھا، اپنے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ تم پہلے انسان ہو جو ان غاروں میں آئے ہو۔ دراصل تمہیں رات کو ہی دیکھ لیا گیا تھا۔ تمہیں باہر کچھ کام بھی کرنے تھے جنہیں تمہاری وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ بالکل خاموشی اختیار کریں اور تمہیں یہاں سے گذر جانے دیں۔ لیکن دوسری صبح سے تمہیں عجیب کارروائیوں میں مصروف دیکھا گیا۔ پھر تم نے دروازہ ہی اکھاڑ ڈالا۔ چنانچہ مجبوری تھی۔

• آپ جانتے ہیں مسٹر ہل کہ میں بھی لاعلم تھا۔

• ہاں اور تمہیں معذرت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔

• بہت بہت شکریہ!

• اب اپنے بارے میں بتاؤ؟

• عام سا شخص ہوں۔ دولت مند تھا۔ لیکن دولت باپ کی تھی، دوسرے لوگوں نے مجھے ناکارہ سمجھا، اور میری غیرت کو چیلنج کر دیا۔ چنانچہ میں بھی دولت مند بننے نکل پڑا۔ جائز ذرائع سے ان کے چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے دولت کے اس خطے کی طرف رخ کیا اور ہیروں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

• میرا بھی یہی اندازہ تھا، یہ دونوں افریقی تمہارے ملازم ہیں؟

• دوست ہیں۔ ان میں ایک، ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے۔ مظلوم ہے۔ اور اس وقت میں دولت کے حصول کے بجائے اس کی مدد کا عزم رکھتا ہوں۔

• میں نے کہا تھا لورین، یہ نمایاں خصوصیات رکھتا ہے۔

• درست ہے پاپا! لڑکی نے جواب دیا۔

• افریقی نوجوان کی کیا الجھن ہے؟ ہل لین نے پوچھا اور میں نے مختصراً ندالا کی کہانی دہرا دی۔ ہل لین اور لڑکی دلچسپی سے یہ کہانی سن رہے تھے۔

• اوہ پاپا کیسی حسین کہانی ہے! لڑکی مسرت سے بولی۔

• اور تم کہانیوں کی رسیا!

• تم جانتے ہو پاپا، انہیں کہانیوں نے میرے دل میں افریقہ کا تجسس جگایا تھا۔

• ہاں میں جانتا ہوں! بوڑھا ہل لین مسکراتے ہوئے بولا۔ پھر سنجیدگی سے کہنے لگا۔ اپنے بارے میں بھی مختصراً سنو جوان!

• امریکہ کی ایسوسی ایشن آف سائنٹسٹ کا ممبر تھا لیکن ساری زندگی حکومت کی ملازمت قبول نہیں کی۔ مجھے تخریب سے نفرت تھی اور میں ان لوگوں کا حامی تھا جو کہتے تھے کہ مہلک ہتھیاروں کو سمندر کی تہہ میں پہنچا دو انسان کی زندگی کے لئے کام کرو، موت کے لئے نہیں۔

چنانچہ میں پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اور پھر مجھے احساس ہو گیا کہ اگر میں اسی طرح حکومت کے کاموں کی مخالفت کرتا رہا تو ایک دن مجھے گولی مار دی جائے گی، چنانچہ خاموشی سے ترک وطن ہو گیا۔ اور ان پہاڑوں میں آ گیا۔ یہاں بڑی محنت اور جانفشانی سے یہ سب کچھ تیار ہے۔ میرے دوست، اپنے کام کے بارے میں تفصیل نہیں بتاؤں گا۔ ہاں اتنا مزید کہوں گا کہ کسی نازک موقع پر، جب دنیا انسانیت دشمنوں کے ناپاک عزائم کا شکار ہونے لگے۔ جب چاروں طرف موت کے بادل چھا رہے ہوں گے، کچھ انسانوں کی زندگی بچانے کی کوشش کروں گا۔ یہی میری زندگی کا نصب العین ہے اور اسی کوشش میں دن رات مصروف ہوں۔

• تم عظیم ہو ہل لین! میں نے کہا۔

• نہیں۔ ایک حقیر انسان ہوں، جس نے اپنی مختصر زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر دی ہے۔

• میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔

• میں نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں کسی کو علم ہو سکے، لیکن تم ...

• ہل لین، سنو۔ ہمارے ہاں سرخ خون کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون۔ شرافت کا خون ہے۔ اسی شرافت کے واسطے سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا راز زندگی کے آخری لمحات تک میرے سینے میں دفن رہے گا۔

• اور میں یقین کر لیتا ہوں!

• شکریہ ہل لین ۔
• میرا خیال ہے ہم ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جان چکے ۔
• ہاں تقریباً ۔
• ایک بات اور پاپا ۔ لڑکی نے درمیان میں دخل دیا ۔
• ہاں ہاں کہو ۔ بوڑھا بولا ۔
• مسٹر سرفراز شریف انسان ہیں، لیکن دو لوگ اور بھی ہیں ۔
• ان میں سے ایک اس حد تک سیدھا ہے کہ کچھ نہیں جانتا اور دوسرا میرا دوست اور قابل اعتماد ۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ وہ یہ سب کچھ بھول جائے گا ۔
• تمہاری ذمہ داری ہے ۔
• ہاں ۔
• میں اس اچھے کام میں تمہاری مدد کروں گا ۔ ہل لین نے کہا ۔
• میری بھی دلی خواہش یہی ہے مسٹر ہل لین ۔ دراصل یہاں میں ایک پارٹی کے ساتھ آیا تھا، لیکن بعد میں میرے اس سے کچھ اختلافات ہو گئے، اور میں نے اسے چھوڑ دیا ۔ میرے پاس اسلحہ بھی نہیں رہا ۔ نعالا ایسے وقت میں مجھے ملا، جب میں اس کی بھرپور مدد نہیں کر سکتا تھا ۔
• کوئی بات نہیں ہے میرے دوست، میں تمہیں مضبوط کر دوں گا اور ان لوگوں سے نمٹنے کے گر بھی بتا دوں گا ۔ میں طویل عرصے سے یہاں ہوں ۔ اس دوران کچھ ایسے واقعات پیش آئے جو خاصے پریشان کن تھے، لیکن بھروسہ کرو سرفراز، میں نے ان لوگوں کے جسم کو کوئی خراش بھی نہیں پہنچائی ۔ صرف دانشمندی سے کام لے کر انہیں خوفزدہ کر دیا ۔ میں تمہیں کچھ ایسی چیزیں دوں گا، جن کی مدد سے تم زوالا کی مدد کر سکتے ہو ۔
• میں انتہائی شکر گذار ہوں گا مسٹر ہل لین ۔ میں نے خوش ہو کر کہا اپنی تقدیر سمجھتا یا زوالا کی قسمت ۔ اتفاق سے اس ویرانے میں بھرپور مدد مل گئی تھی جس شخص نے اتنا عظیم الشان کارخانہ تعمیر کر لیا تھا ۔ وہ یقیناً کچھ ایسی چیزیں بھی رکھتا ہو گا جو ہمارے کام آ سکتیں ۔
• بہرحال دو چار روز میں تمہیں اپنا مہمان ضرور رکھوں گا، تمہیں اعتراض تو نہ ہو گا ۔
• نہیں مسٹر ہل لین، یہ تو میری خوش بختی ہے ۔
• تم مجھے مہذب دنیا کے تازہ ترین واقعات سناؤ گے ۔ میرا مطلب ہے اس وقت سے قبل کے جب تم نے وہ دنیا چھوڑی تھی ۔
• کوشش کروں گا ۔
• کیوں لورین ۔
• اوہ یقیناً پاپا ۔ طویل عرصے کے بعد ہم بیرونی دنیا کے کسی شخص سے مل رہے ہیں ۔
• چنانچہ مسٹر سرفراز، آپ اپنے دوستوں کو مطمئن کر دیں ۔ میں ہدایات جاری کئے دیتا ہوں ۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، مجھے اعتراض نہیں ہو گا ۔
• بہتر ۔ میں کافی ختم کر کے اٹھ گیا ۔
• الشیا ۔ بوڑھے نے آنے کا بٹن دباتے ہوئے کہا ۔
• یس باس ۔
• آؤ ۔ مسٹر سرفراز کو ان کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دو ۔
• یس سر ۔ جواب ملا، اور چند ساعت کے بعد نوجوان عورت نے دروازہ کھولا ۔
• تشریف لائیے جناب ۔ اس نے ادب سے کہا ۔
• مسٹر سرفراز دوست ہیں، ان سے دوستوں کا سا سلوک کیا جائے ۔ باقی ہدایات میں نیومن کو دے دوں گا ۔ ہل لین نے کہا اور الشیا نے گردن جھکا دی ۔ ہم واپس اسی ہال میں پہنچ گئے ۔ ٹوبو اور نعالا کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ ان کے سامنے کافی کی پیالیاں اور خشک میوے پڑے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر دونوں خوش ہو گئے ۔
• لوگ تو برے نہیں ہیں باس ۔ ٹوبو آہستہ سے بولا ۔
• مسٹر ہل لین میرے پرانے دوست ہیں ۔ یہاں کسی ریسرچ کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے، اب واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ہم سے ملاقات ہو گئی ۔
• ارے واہ ۔ یہ تو بہت عمدہ بات ہے لیکن یہ مشینیں ۔
• یہ سب وہ واپس لے جائیں گے ۔
• مگر ریسرچ کس چیز پر کر رہے تھے باس ۔
• وہ ڈاکٹر ہیں ۔ جڑی بوٹیوں کی خصوصیات دریافت کر رہے تھے تاکہ بہت سے لاعلاج امراض کا علاج دریافت کر سکیں ۔ بہرحال ہم چند روز ان کے مہمان رہیں گے ۔
• اوہ ۔ ٹھیک ہے باس ۔ ویسے بہت عمدہ جگہ ہے ۔ ٹوبو نے خوش ہوتے ہوئے کہا ۔ زوالا بالکل خاموش اور بے تعلق بیٹھا تھا ۔ بہرحال ہم اسے دوش نہیں دے سکتے تھے ۔ اس بے چارے نے ایسی ہی زندگی گذاری تھی کہ اس نے اسے دنیا سے بے تعلق کر دیا تھا ۔ اب خاصے عرصہ کے بعد اس کی اصل شخصیت واپس آ سکتی تھی، چنانچہ ہم نے اسے معاف کر دیا ۔ تاہم پھر بھی میں نے اسے مخاطب کرنا ضروری سمجھا اور اسے آواز دی ۔
• نعالا ۔
• ہاں ۔ وہ چونک پڑا ۔
• کیا سوچ رہے ہو ۔
• کچھ نہیں باس ۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ۔
• پھر بھی ۔
• میں تو بس — ایسی ہی باتیں سوچتا رہتا ہوں ۔
• ہمیں نہیں بتاؤ گے ۔
• تم مجھے بیوقوف سمجھو گے ۔
• ہرگز نہیں زوالا، اگر ہم تمہیں بے وقوف سمجھیں گے تو پھر تمہارا دوست کہاں سے رہے ۔
• تم بہت پیارے ہو باس ۔ سچ سچ تم اتنے اچھے ہو کہ میں حیران رہ جاتا ہوں ۔
• کیوں، حیرانی کی کیا بات ہے ۔
• میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد ایسے لوگوں کو دیکھا ہے باس

ں پر رحم نہیں کرتے، جو صرف درندے ہیں، جو نفرت کرتے ہیں اور ے ہیں، ان سے صرف خوف کھایا جا سکتا ہے، میں تو محبت کا تصور ھو بیٹھا تھا باس ۔ تمہارا دیا ہوا یہ خزانہ مجھ سے سنبھالا نہیں جا رہا ہے میں کیسے برداشت کروں ۔
• اوہ ۔ نعالا ۔ وہ میرے لوگوں کی دنیا تھی ۔ بہرحال اب تم اس دنیا سے نکل آئے ہو ۔ کیا تم اب بھی نہیں بتاؤ گے کہ کیا سوچ رہے تھے ۔
• بتادوں ۔ اس نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا ۔
• ہاں ۔ بتاؤ ۔
• باس ۔ یہاں میں نے عورت دیکھی ہے باس ۔ میں تو عورت کو بھول گیا تھا ۔ میری ماں بچپن میں ہی مر گئی تھی بس چھوٹی سی بہن تھی ۔ اس عورت کو دیکھ کر مجھے اپنی بہن یاد آ گئی ۔ وہ بھی تو اب بڑی ہو گئی ہو گی ۔ زوالا نے حسرت بھرے لہجے میں کہا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔
• بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے زعالا ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تمہاری بہن تمہیں مل جائے گی، میں کوئی دوسرا کام نہیں کروں گا ۔ تمہاری بہن تمہیں ضرور ملے گی ۔ میں نے کہا ۔
• آہ کیسا روح پرور وقت ہو گا وہ باس ۔ میرے دوست ۔ تم نے میرے دل میں شمعیں روشن کر دی ہیں ۔ میں تو صرف تاریکیاں دیکھنے کا عادی تھا ۔
• فکر مت کرو زوالا ۔ تھوڑے عرصہ کے بعد تمہارے گرد روشنیاں ہی روشنیاں ہوں گی، ہاں ٹوبو میرے دوست کی خواہش ہے کہ ہم لوگ چند روز اس کے ساتھ گذاریں ۔
• کیا حرج ہے باس، ہمیں ویسے بھی یہاں کسی غار کی تلاش تھی ۔
• زوالا تمہیں تو یہاں رہنے پر اعتراض نہیں ۔
• تمہاری کسی بات پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ زوالا بولا ۔
• ٹھیک ہے آرام سے رہو، میرا خیال ہے یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی ۔
• تکلیفیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں باس ۔ بہرحال ان پہاڑوں میں چند روز کی یہ زندگی انوکھی ہو گی ۔ ٹوبو نے کہا ۔

ہاں ۔
اسی وقت الشیا ہمارے پاس پہنچ گئی ۔
• آپ لوگ اگر پسند کریں تو میں آپ کو آپ کی آرام گاہ میں پہنچا دوں ۔
• ضرور پسند کریں گے ۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔ اور ہم تینوں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑے اور غاروں کی اس دنیا کو دیکھ کر میں عش عش کر اٹھا ۔ ہل لین نے ان پہاڑوں کو اندر سے کیا تیار کیا تھا حالانکہ باہر سے دیکھنے پر یہ آب و گیاہ نظر آتے تھے ۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان کے اندر دنیا اس قدر حسین ہو گی ۔
ہماری آرام گاہ بھی بے حد شاندار تھی ۔ یہاں آرام دہ بستر لگے ہوئے تھے ۔ ٹوبو تو مہذب دنیا میں رہ چکا تھا ۔ اس نے یہ ساری چیزیں دیکھی تھیں لیکن زوالا کے لئے تو یہ سب کچھ انوکھا تھا ۔ اگر جنگل کا یہ باسی ساری چیزوں سے بے نیاز نہ ہوتا تو اچھا خاصہ تماشہ بن جاتا ۔
وقت گذرتا رہا، ہمارے لئے کھانے پینے کا سامان وقت آ گیا، پھر اس وقت کے آٹھ بجے تھے جب الشیا میرے پاس آئی ۔
• مسٹر سرفراز ۔ باس نے کہا کہ اگر پسند کریں تو ان کے ساتھ کافی پئیں ۔
• اوہ ۔ ہاں ۔ کیا حرج ہے ۔
• تب براہ کرم میرے ساتھ چلیں ۔
• ٹھیک ہے ٹوبو، تم کوئی احساس مت کرنا ۔ میں نے کہا اور الشیا کے ساتھ ہل لین کی طرف چل پڑا، ہل لین اور اس کی بیٹی لورین اسی طرح اور اسی جگہ بیٹھے تھے ۔ شطرنج کی بساط ان کے سامنے موجود تھی ۔ مجھے دیکھ کر دیکھ کر دونوں مسکرائے ۔
• ہیلو سرفراز ۔ مائنڈ مت کرنا میرے دوست ۔ ہم دونوں باپ بیٹی ایک ایسے کام میں مصروف ہے جسے ہم دونوں ہی ختم کرنا چاہتے تھے، لیکن تمہاری آمد کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اسے آج ہی ختم کر لیں تاکہ کل پورا دن تمہارے ساتھ گذارا جا سکے ۔
• اوہ — شکریہ مسٹر ہل لین ۔
• تم نے ہمیں بداخلاق تو نہیں سمجھا ۔
• نہیں ۔ میرا خیال ہے یہ اصول پرستی ہے ۔
• اور اصول پرستی بری چیز نہیں ہوتی ۔
• ہرگز نہیں ۔
• بہرحال ہم فارغ ہو چکے ہیں اور اب باقی وقت تمہارے ساتھ سکون سے گذرے گا ۔ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی، کیا خیال ہے ۔
• ٹھیک ہے ۔
• میری خواہش ہے کہ تم یہاں اجنبیت نہ محسوس کرو ۔ ہم لوگ ملنا بھر تمہارے بارے میں گفتگو کرتے رہے ہیں، لورین اس بات پر مجھ سے متفق ہے کہ تم نہایت شریف انسان ہو اور تم سے ہر طرح کا تعاون کیا جائے ۔ خود میرا بھی یہی خیال ہے ۔ چنانچہ ہم نے کئی فیصلے کئے ہیں ۔
• کیا آپ مجھے ان فیصلوں سے آگاہ کریں گے مسٹر ہل لین ۔
• ابھی نہیں ۔ اور ایسی جلدی بھی کیا ہے ۔ تم کسی قسم کی تفریحات میں حصہ نہیں لیتے مسٹر سرفراز ۔
• زندگی معروف رہی ہے مسٹر ہل لین ۔ کبھی وقت نہیں ملا ۔
• اوہ ۔ ہم تو باپ بیٹی فاضل وقت میں شطرنج کو اپنا مشغلہ بنا لیتے ہیں ۔ لورین کا خیال ہے کہ شطرنج کا اس سے بڑا چیمپئن دنیا کے کسی ملک میں نہ ہو گا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ بین الاقوامی مقابلوں میں حصہ لے چکی ہے اور مقابلے جیت چکی ہے ۔ لیکن بہرحال ہمیشہ مقابلے پر آیا ہے تو اس کا باپ ۔
• لیکن ڈیڈی ۔ آپ کبھی مجھے ہرا نہیں سکے ۔
• انتظار کرو بھئی، ہرا ہی دیں گے ایک دن ۔
• ناممکن ۔ لورین نخرے سے بولی ۔

• اور ہاں مسٹر سرفراز، تم شکاری تو ہو گے۔ ظاہر ہے جنگلوں کی زندگی میں آدمی کچھ نہ بنے، شکاری ضرور بن جاتا ہے۔"

• جی ہاں، شکار کھیل لیتا ہوں۔ لیکن اب تو عرصہ سے رائفل ہی نہیں ملی۔" میں نے جواب دیا۔

• "اوہ۔ ہاں۔ ویسے نشانہ وغیرہ تو عمدہ ہوگا؟"

• "بس گزارہ کر لیتا ہوں۔"

• "خوب۔ آؤ بیٹھو۔ آج اس لڑکی نے مجھے چیلنج کر دیا ہے۔ لیکن بساط نئی لگے گی لورین۔ تاکہ کھیل مسٹر سرفراز کے سامنے شروع ہو۔"

• "اس گیم میں آپ گھر گئے ہیں پاپا۔ سوچ لیں۔"

• "اس کی بات چھوڑو۔ نیا کھیل۔ نئی بات۔"

• "چلئے آپ بھی کیا یاد کریں گے۔ ارے ہاں۔ کافی وغیرہ بن جائے تو عمدہ ہے۔ اشیا سے کہو۔ کافی کے دوران کھیل ہوگا۔"

• "اوہ۔ مگر ایک بات تو سوچو۔"

• "کیا پاپا؟"

• "مسٹر سرفراز کو بھی اس سے دلچسپی ہے یا یہ اخلاقاً ہی برداشت کریں گے؟"

• "اسے ہاں۔ سوری مسٹر سرفراز — پلیز کیا آپ؟"

• "میں پوری پوری دلچسپی لے رہا ہوں مس لورین۔"

• "ویسے آپ کو آتا ہے یہ کھیل؟"

• "ہاں۔ بہت تھوڑا۔"

• "ونڈرفل۔ پھر تو ایک بازی آپ سے بھی ہوگی۔ ذرا پاپا کو ہرا دوں۔" لورین نے کہا اور مسکرانے لگی۔

• "خوش فہمی کا شکار نہ ہوں محترمہ۔ آپ جانتی ہیں مقابل کمزور نہیں ہے۔" ہل لین نے کہا اور لورین ہنسنے لگی۔

اور پھر کھیل شروع ہو گیا۔ چالیں چلی جانے لگیں۔ بلاشبہ دونوں اچھا کھیل رہے تھے۔ لیکن آپ کو یاد ہوگا، شطرنج کے معاملے میں، میں نے اچھے اچھوں سے لوہا منوا رکھا تھا۔ میں خاموشی سے کھیل دیکھتا رہا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ کون کتنا اچھا کھیل سکتا ہے۔

اور اتفاق سے لورین ہل لین کی ایک چال میں پھنس گئی۔ اس نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر لوکھلائے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔

• "کیا گڑبڑ کر دی پاپا آپ نے؟"

• "چلو۔ چلو۔ چال چلو۔ ہونہہ ہل لین کو چیلنج کیا تھا؟"

• "اوہ — مسٹر سرفراز آپ مدد کریں نا۔" لورین نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

• "نہ جانے کیوں آپ کی نگاہ اس گھوڑے پر کیوں نہیں پڑی؟" میں نے ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔

• "کیا مطلب؟"

• "آپ اسے آگے بڑھا سکتی ہیں؟"

• "اوہ۔ میرا خیال ہے سرفراز صاحب، معاف کیجئے گا۔ آپ عجیب چال بتا رہے ہیں۔"

• "کیوں مس لورین؟"

• "اس کا کیا حشر ہوگا؟"

• "آپ فراخدلی سے کام لیں۔"

• "یعنی —؟"

• "پٹوا دیں اسے۔ کس کام آئے گا۔"

• "مگر فائدہ کیا ہوگا؟"

• "انسان کو پُرامید رہنا چاہیے۔ ممکن ہے فائدہ ہو ہی جائے۔"

• "اوہ نہیں۔ یہ مناسب نہ ہوگا۔"

• "پلیز مس لورین۔"

• "ارے۔ مگر۔" . . . لورین اخلاقاً ہنسنے لگی۔ اس کے خیال میں یہ ایک احمقانہ چال تھی۔ "ان کے کہنے سے پاپا۔ اگر ہار گئی تو مسٹر سرفراز آدھے ذمہ دار ہوں گے۔" لورین نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ہل لین نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

• "تھینک یو مسٹر سرفراز۔ اس ایک عدد گھوڑے کا شکریہ۔" ہنستے ہوئے بولا۔ اور اس نے فوراً اسی مہرے سے گھوڑا پٹیا جس میں چاہتا تھا۔

• "ہائے۔ میرا معصوم گھوڑا۔" لورین نے افسوس سے گھوڑے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور میں انتظار کرنے لگا کہ لورین کی اس چال پر نگاہ پڑ جائے جو میں چاہتا ہوں۔

لیکن لورین کے ذہن میں وہ چال نہ تھی۔

• "کھیل کچھ گڑبڑ ہو گیا ہے پاپا۔"

• "ہاہا . . . ہل لین دی گریٹ کے سامنے یہی ہوتا ہے۔ مجیب سرفراز۔ مجیب میرے دوست اس ساتھی کو بھی۔" ہل لین بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔

• "مس لورین۔ آپ اسے کیوں بھول رہی ہیں جس کے لئے آپ نے ایک گھوڑا قربان کیا ہے۔" میں نے ایک پیادے کی طرف اشارہ کیا۔

• "اس — اسے — ارے — ارے۔ اوہ۔" لورین مسرت سے چیخ پڑی اور پھر اس نے نہایت پھرتی سے پیادہ اس جگہ رکھ دیا جہاں میں چاہتا تھا۔

• "کیا مطلب؟" ہل لین نے منہ پھاڑ کر کہا۔

• "یہ ادھر سے شہ۔ شہ لیجئے پاپا۔ اوہ سرفراز دی گریٹ۔ سرفراز دی گریٹ۔" وہ بے ساختہ اٹھی اور زبردستی میرے ہونٹ چوم لئے پھر وہ تالیاں بجا بجا کر اچھلنے لگی۔

میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں ہل لین کی طرف دیکھا لیکن اس نے گردن نہیں اٹھائی تھی۔ وہ بدستور گردن جھکائے اس انوکھی چال کو دیکھ رہا تھا۔ اور کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔

• "شہ ہو گئی پاپا۔ اب بچئے، ورنہ مات۔" لورین بدستور اچھل اچھل کر تالیاں بجاتے ہوئے بولی۔

• "کیسے ہو گیا؟" وہ ٹھوڑی کھجاتے ہوئے بولا۔

• "بہت دیر ہو گئی پاپا۔ جلدی کریں۔"

• "اب کیا کروں۔ کوئی چال ہی نہیں رہی۔"

• "تو مات؟"

• "ٹھیک ہے لورین۔ مگر سرفراز . . ."

• "ہاں۔ اسے۔ مسٹر سرفراز۔" اب لورین پر بھی حیرت کا بھوت سوار ہو گیا۔ "کیا آپ نے جان بوجھ کر گھوڑا پٹوایا تھا؟"

• "جی نہیں۔"

• "سرفراز۔ انوکھی چال تھی۔ لورین۔ ان کے ساتھ کھیلو۔ میں نہیں سمجھ سکتا یہ اتفاق تھا یا پھر بہت ہی گہری چال۔ مہرے پٹوا کر کھیل کر دینا بہرحال زبردست اعتماد کا ثبوت ہے۔"

• "بازی لگاؤں سرفراز صاحب؟" لورین نے پوچھا۔

• "لگا لیجئے۔" میں نے کہا۔

• "ونڈرفل۔ میں ابھی تک حیران ہوں۔ کیا میں لورین کی مدد کر سکتا ہوں سرفراز؟"

• "ضرور۔ اس میں کیا حرج ہے؟"

• "تیار ہو جاؤ لورین۔ بس ایک چال سے تم مقابل کی قوت کا اندازہ لگا سکتی ہو۔"

• "ایک اجازت چاہتا ہوں مسٹر ہل لین۔"

• "ہاں ہاں ضرور۔"

• "مس لورین کو شکست کا احساس تو نہیں ہوگا۔ میں ان کی مسکراہٹ پھیکی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

• "دیکھا۔ دیکھا۔ یہ خوفزدہ کرنے والی حرکتیں شروع ہو گئیں۔ یہ نفسیاتی حربے کہلاتے ہیں۔" ہل لین نے لورین کو چڑھایا۔

• "نہیں مسٹر سرفراز۔ میں ایک اچھے سپورٹس مین کی طرح شکست قبول کروں گی۔" اس نے سارے مہرے لگاتے ہوئے کہا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

اس دوران کافی آ گئی، اور ہل لین نے اشیا کو واپس بھیج دیا۔ اور خود کافی بنا کر سب کو پیش کی۔ بڑا ہی نفیس انسان تھا۔ اور کھیل شروع ہو گیا۔

لورین نے خوب سوچ سمجھ کر چال چلی تھی۔ میں نے جوابی چال چل دی اور لورین سوچنے لگی۔ پھر اس نے کافی کے کئی گھونٹ لئے، اور پھر چال چل دی۔

وہ بہت سوچ سمجھ کر چال چل رہی تھی۔ لیکن پوری بساط پر میری نگاہ تھی۔ میں اس کے سوچنے کے دوران یہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ یہ چال چلے گی تو میں کونسی چال چلوں گا۔ چنانچہ میں تو فیصلہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ میں نے دوسرے سیکنڈ میں دوسری چال چل دی اور مخالف کا یہ انداز مقابل کے لئے کافی خوفناک ہوتا ہے۔

لورین نے پوری طرح سوچ سمجھ کر تیسری چال چلی اور میں نے پھر دوسرے سیکنڈ چال چل دی۔ اس بار لورین کو میرا ایک مہرہ پیٹنے کا موقع مل گیا لیکن اس نے جلد بازی نہیں کی اور میری چال کو سوچنے لگی۔ بہرحال اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ میں ایک انتہائی سنسنی خیز بازی بنانا چاہتا تھا۔ اور اس کے لئے مجھے مسلسل تین مہرے پٹوانے تھے۔ ہاں اگر لورین میری مرضی کے مطابق چال نہ چلتی تو مجھے سوچنا پڑتا۔

لیکن بہرحال لورین کو کوئی نقصان نہیں نظر آیا۔ اور اس نے میرا مہرہ پیٹ دیا۔ تب میں نے پورے اعتماد سے چال چل دی۔

• "بڑا خوفناک انداز ہے۔ بائی گاڈ۔ بڑا ہی خوفناک انداز ہے۔" ہل لین نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ لورین نے ایک خوبصورت چال چلی، اور کسی قدر مطمئن نظر آنے لگی۔

• "چلئے مسٹر سرفراز۔" وہ بولی اور میں نے سکون سے ایک اور چال چل دی۔

"اوہ۔" ہل لین نے ایک گہری سانس لی۔ "اتفاق تھا۔ صرف اتفاق۔ مجھے شکست دلانے کے لئے صرف ایک چال تمہارے ذہن میں آ گئی تھی۔ نہیں ڈیئر سرفراز۔ لورین خاصے اسٹینڈرڈ کی کھلاڑی ہے۔"

• "یقیناً۔ ایسا ہی اندازہ ہوتا ہے۔"

• "میرا خیال ہے چند چالوں میں فیصلہ ہو جائے گا۔"

• "ہاں مس لورین میرا ایک اور مہرہ پٹیں گی اور اس کے بعد ان کے لئے کوئی چال نہ ہوگی۔"

• "چیلنج؟"

• "اگر آپ کی اجازت ہو تو۔"

• "ہاں ہاں چلئے مسٹر سرفراز۔"

• "یہ پیدل پیش خدمت ہے۔" میں نے سکون سے چال چل دی اور لورین سوچنے لگی۔ لیکن ابھی تک وہ میرے بچھائے ہوئے جال کو نہیں سمجھی تھی۔ چنانچہ پوری طرح سوچنے کے بعد اس نے میرا پیدل ہلاک کر دیا اور اس کے بعد میں نے ایک چال چلی۔

• "ایں — یہ کدھر سے؟" ہل لین بولا۔

• "غلط تو نہیں ہے۔"

• "نہیں۔ لیکن — لیکن اس سے تمہیں کیا فائدہ؟"

• "چلئے مس لورین۔"

• "بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی مسٹر سرفراز۔" لورین الجھن میں پھنس گئی۔ درحقیقت میری یہ چال کافی غیر متوقع تھی۔

لورین سوچتی رہی، لیکن دونوں باپ بیٹی کی نگاہ میں میری یہ چال احمقانہ تھی۔ لورین نے جوابی چال چلی اور میں نے خود ایک اور غیر متوقع چال چل دی۔

• "ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہو؟" ہل لین چیخا۔

لیکن اچانک لورین سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

• پپا!
• چلو — چلو تمہارے پاس ایک عمدہ چال ہے۔ اسے آگے بڑھاؤ" ہل لین نے ایک مہرے کی طرف اشارہ کیا اور لورین نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا
• نہیں پپا۔ آپ دیکھئے۔ یہ تو میں بُری طرح پھنس گئی"
ارے — اب بساط ہل لین کی سمجھ میں آئی تھی۔ وہ دلچسپی سے مہروں پر جھک گیا اور چند منٹ کے بعد اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
• تمہاری یہ چال تمہارے لئے تباہ کن ہے لورین"
• مگر پپا۔ کیا شطرنج کا جادو نہیں ہے؟
• ہے۔ خدا کی قسم ہے۔ اوہ سرفراز۔ تم واقعی شہنشاہ ہو، اور بادشاہوں کی طرح چالیں چلتے ہو۔ نقصان برداشت کرتے ہو لیکن تمہارے اندر زبردست اعتماد ہوتا ہے۔ لورین کیا تم نے سرفراز کے چال چلنے کا انداز دیکھا"
• ہاں پپا!
" کیا یہ شطرنج کا شہنشاہ نہیں ہے"
" ایک بازی اور مسٹر سرفراز" لورین نے کہا۔
• حاضر" میں نے شانے ہلائے۔ اور اس بار بھی میں نے ایک دوسری خوبصورت تکنیک سے لورین کو مات دی، اور اس نے میرے ... چوم لئے۔
سرفراز۔ خدا کی قسم۔ اگر تم بین الاقوامی کھیل میں حصہ لو تو تمہارا ... نہیں ... گا۔ اچھا سنو۔ ہم تمہیں استاد تسلیم کرتے ہیں۔ اس بار ہمیں ... خامیوں سے آگاہ کرتے رہو"
• منظور" ... نے مسکراتے ہوئے کہا۔
• اس ... آپ نے دوسری تکنیک استعمال کی تھی؟
• ہم ... بار آپ سے کھیلوں گا مس لورین اور ہر بار ایک نئی تکنیک ہوگی۔ آپ ... میں ... لیکن دو چالوں کے بعد آپ کو آپ کی خامیوں اور اپنے پروگرام سے آ ... دوں گا"
• بالکل ٹھیک" ... بار پھر ... ازی شروع ہوگئی۔ لورین اور ہل لین پوری جانفشانی سے کھیل رہے ... دو چالیں ہوگئیں تو میں نے کہا۔
• دیکھئے مس لورین۔ اب جو چال چلیں ... ہمارا قربانی کا بکرا ہے۔ آپ چال چلیں"
• فرض کریں، میں یہ پیدل آگے بڑھا دوں تو؟
• میرے گھوڑے کی زد میں آجائے گا"
• وہ کس طرح؟
• اس کے بعد آپ کو اس پیادے کو ہٹانا پڑے گا"
• اس۔ ہاں یہ ضروری ہے"
• اور میرا یہ دوسرا گھوڑا شاہ کی تاک میں لگ جائے گا"
• ارے ہاں۔ مگر ٹھیک ہے۔ میں اسے نہیں بڑھاتی۔ یہ چال لورین نے شرارت سے دوسرا مہرہ آگے بڑھا دیا۔
• اس طرح تو میرا کام اور آسان ہوگیا۔ میں نے نتائج بھی سوچ لئے تھے، ان دونوں چالوں کے علاوہ کوئی چال نہیں چل سکتیں۔ اس لئے میں دو طرفہ بندوبست کر لیا تھا"
• ہائے اب بھی گڑبڑ ہوگئی۔ لورین بولی۔
• ہاں"
• مگر کس طرح۔ میری سمجھ میں نہیں آیا"
• یہ لیں۔ میں نے اپنے ایک پیدل کو ہٹا لیا۔
• اس سے کیا فرق پڑا"
• چال چلیں" میں نے کہا۔ اور لورین نے سوچ سمجھ کر چال چل دی، اور میں نے فوراً جوابی چال چل دی۔
• بس بس لورین۔ اب مان لو۔ یہ دیکھو۔ یہ گھوڑا کیا تباہی مچا رہا ہے۔ اس کے ڈھائی گھر پورے ہیں اور اس کے بعد جب یہ مارا جائے گا تو شاہ کی شامت آجائے گی"
اور لورین سوچتی رہی، پھر اس نے گردن ہلا دی۔" مسٹر سرفراز میں نے آپ کو شطرنج کا شاہ مان لیا۔ واقعی آپ کا کھیل لاجواب ہے"
" شکریہ مس لورین"
• ابھی تو ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ نہ جانے یہ کون کونسے کھیل کے شاہ ہوں گے۔ بھئی لطف آگیا اور یہ کس سادگی سے کہہ رہے تھے تھوڑا بہت کھیل آتا ہے۔ یار تم یہ ساری مشینری پہچان تو نہیں گئے ممکن ہے سائنسدان بھی ہو" ہل لین نے کہا اور ہنسنے لگا۔

دیر تک میں ان لوگوں کے ساتھ رہا اور پھر اجازت لے کر واپس آگیا۔ دوسرا دن بھی ان کے ساتھ گذارا اس دن ہل لین سے کافی باتیں ہوئی تھیں۔ ہل لین نے میرا مقصد پوچھا، اور میں نے اسے تفصیل سے بتا دیا۔ ہل لین کافی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
• بہرحال میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مسٹر سرفراز۔ یہ حقیقت ہے کہ تم بہت نفیس انسان ہو اور تمہاری مدد کر کے مجھے دلی خوشی ہوگی لیکن میری درخواست — میں دوبارہ کہہ کر شرمندہ ہوں"
• کوئی بات نہیں ہے مسٹر ہل لین۔ بہرحال میں ہر اس عمل کے لئے تیار ہوں جس سے آپ مطمئن ہوسکیں"
• بس میں مطمئن ہوں، میں چاہتا ہوں میرے بیٹے کر جو کچھ کر ... اسے تکمیل تک پہنچا لوں۔ انسان دیوانہ ہو رہا ہے۔ کون جانے ... یہ انگی دنیا کو تباہی کے کنارے پہنچا دے"
• ... اور نیک مقاصد کے راستے میں کوئی پتھر پھینک کر انسان ... کا ثبوت نہیں دوں گا مسٹر ہل لین" میں نے سنجیدگی سے کہا، اور ... ن گردن ہلانے لگا۔
بہرحال پھر میں واپس آگیا۔ آج کا کھیل کافی دلچسپ تھا میں ... بہت دنوں کے بعد تھوڑی سی تفریح کر کے لطف اندوز ہوا تھا۔ ٹولو ... زوالا سونے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ میں کافی دیر تک بستر پر لیٹا ... خیالات میں الجھا رہا۔ آج طویل عرصے کے بعد مجھے کوثر اور ... فیروز الدین اور دوسرے لوگ یاد آئے تھے۔ نہ جانے بدبخت ... ہوں گے، کسی حادثے سے دوچار نہ ہوگئے ہوں۔
او نہہ — ہو جائیں۔ خود نواب فیروز الدین ہی خراب ہوگئے ... میں کیا کرتا۔ انہیں تو میرے اوپر اعتماد کرنا چاہئے تھا۔
خاصی رات گئے تک میرا ذہن خیالات کی آماجگاہ بنا رہا اور ... میں سو گیا۔ دوسری صبح بھی حسب معمول خوشگوار تھی۔ ناشتے پر ہل لین ... طرف سے بلاوا آگیا۔ صرف میں ہل لین کے پاس پہنچ گیا اور میں نے اس کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ٹولو اور زوالا کو دوسرے لوگوں نے سنبھال ... ہوا تھا۔ یہاں جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں مسٹر ہل لین۔ وہ یقیناً تمہارے اعتماد کے لوگ ہوں گے" میں نے ناشتے کے دوران ہل لین سے پوچھا
• قطعی، میں نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اہل دل ہی کو پکارا تھا۔ اور جو لوگ میری آواز پر میرے پاس پہنچے وہ دکھی انسانیت کے ہمدرد تھے، میں نے ان کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا اور انہوں نے خلوص دل سے اسے تسلیم کیا، میں نے ساری تفصیلات انہیں بتا دی تھیں۔
اور پھر وہ اپنی فیملی کے ساتھ یہاں منتقل ہوگئے۔ یہاں ان کی بیویاں موجود ہیں، اور وہ سکون سے کام کر رہے ہیں"
• میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں مسٹر ہل لین"
• شکریہ — ہاں مسٹر سرفراز۔ میں نے مسلسل لورین سے مشورے کئے ہیں۔ بہرحال تمہارے بارے میں ہم متفق ہوگئے ہیں، اس بات پر کہ تمہیں ... کی مدد کے لئے کیا کیا چیزیں دی جائیں۔ چنانچہ آج ہم اپنے ہتھیار تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں، تم انہیں اپنے قبضے میں لے لو، اور اس کے بعد آرام سے جب تک چاہو یہاں رہو"
• میں شکر گذار ہوں گا مسٹر ہل لین۔ میں خود بھی جلد از جلد اپنے مشن کی تکمیل کا خواہشمند ہوں۔ بس آپ کا انتظار کر رہا تھا"
• اور مشن کی تکمیل کے سلسلے میں میں تمہیں دیر نہ کرنے دوں گا" ہل لین نے کہا اور پھر لورین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
• آؤ لورین ہم یہ چیزیں مسٹر سرفراز کو دے دیں۔ ہمیں اس کا عملی مظاہرہ بھی کرنا ہوگا"
• او کے پپا"
وہ مجھے لئے ہوئے ایک دوسرے کمرے میں آئے اور یہاں بے شمار سائنسی آلات رکھے ہوئے تھے۔ ہل لین نے ایک فولادی الماری کھولی اور اس میں سے ایک ڈبیہ نکال لی۔ ڈبیہ میں دو چھوٹے ہلکے شیشے رکھے ہوئے تھے، ہل لین نے دونوں شیشے نکال لئے اور پھر اپنے ہاتھ سے میری آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر دونوں شیشے میری آنکھوں میں فٹ کر دیئے۔ ہلکی سی سوزش ہونے لگی تھی۔
لیکن ہل لین نے سیال کے چند قطرے میری آنکھوں میں ٹپکا دیئے۔ جس کی وجہ سے سوزش ختم ہوگئی اور شیشوں نے اپنی جگہ بنالی۔
• یہ شیشے تمہاری بینائی میں بے پناہ اضافہ کر دیں گے ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم ان کا تجربہ کر سکتے ہو۔ ان کی مدد سے تم دن اور رات میں میلوں دور کی چیز دیکھ سکتے ہو، رات کو ان شیشوں سے تیز نیلی روشنی پھوٹے گی جو قرب و جوار کی ہر چیز کو منور کر دے گی۔ بہرحال یہ انوکھی چیز ہوگی ان وحشیوں کے لئے"
• بیشک" میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔
• اب میں تمہاری داہنی کلائی کا آپریشن کروں گا۔ اس میز پر آجاؤ" ہل لین نے کہا اور میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔
یہ انوکھے تجربے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ لورین ہل لین کی مددگار تھی۔ میری کلائی کو سن کر کے اس میں گہرا شگاف دیا گیا اور پھر انگلیوں تک میری کھال ادھیڑ دی گئی۔ ایک سیاہ رنگ کی شے اس شگاف میں رکھی گئی اور اس سے منسلک مصنوعی رگیں میری ادھڑی ہوئی کھال میں انگلیوں تک لائی گئیں اور پھر کھال کو کسی چپکانے والی چیز سے پیسٹ کر دیا گیا۔ شگاف کو ٹانکے لگا کر برابر کر دیا گیا۔ یہ کام نہایت مشاقی سے ہوا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ فارغ ہوگئے۔
• کیا تم کسی قسم کی تکلیف محسوس کر رہے ہو؟" ہل لین نے پوچھا
• ہرگز نہیں"
• کوئی الجھن؟
• صرف ایک" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
• اوہ۔ کیا؟
• شیشوں کے بارے میں تو تم نے بتا دیا، لیکن یہ کیا چیز تھی؟
• انتہائی نایاب چیز"
• وہ تو مجھے یقین ہے"
• کل تم اس کا تجربہ کر سکو گے"
• اس سے پہلے نہیں جان سکتا؟
• کیوں نہیں، بس ذرا سسپنس تھا"
• اوہ۔ جیسی آپ کی مرضی"
• نہیں نہیں۔ میں مذاق کر رہا تھا یہ ایک انتہائی طاقتور ایٹمی بیٹری ہے جو سالہا سال کام کر سکتی ہے، اس بیٹری نے تمہارے اس ہاتھ کو انتہائی عظیم قوت بخش دی ہے، تم انگلیاں سیدھی کرو گے تو اس سے انتہائی تباہ کن شعاعیں نکلیں گی جن کی پہنچ تقریباً بیس گز تک ہوگی۔ ساری انگلیوں

کو ملا کر تم سو گز کے فاصلے تک پڑی ہوئی پانچ سو پونڈ وزنی چیز تک اٹھا سکو گے اور انتہائی قوت تک جتنی دور چاہو پھینک سکتے ہو۔ اس ہاتھ کی مٹھی بنا کر چٹانیں تک توڑ سکتے ہو، درخت کے تنے درمیان سے توڑ سکتے ہو۔"
میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ یہ خوفناک قوت مجھے مل گئی تھی اور اس کی مدد سے تو میں بہت کچھ کر سکتا تھا۔ بہت کچھ۔ اتنا کچھ جس کا تصور بھی مشکل تھا۔

میرے منہ سے الفاظ نہ نکل سکے۔

• چنانچہ میری طرف سے یہ دو تحفے قبول کرو میرے دوست۔"

• بہت بہت شکریہ مسٹر ہل لین، اس سے زیادہ میں کچھ نہ کہہ سکوں گا۔" میں نے کہا۔

• تمہارے دوستوں کے لئے میں نے ان دو گنوں کا انتخاب کیا ہے، یہ ایٹمی گنیں ہیں۔ صرف یہ دو گنیں زبردست تباہی پھیلا سکتی ہیں۔ ان سے شعاعیں دائرے سے نکلیں گی اور ان کی لپیٹ میں جو چیز آئے گی فنا ہو جائے گی۔"

• بہت خوب۔"

• میرا خیال ہے کافی ہے۔"

• ہاں مسٹر ہل لین۔ آپ نے بہت کچھ دے دیا ہے۔"

• آپ دوست بھی تو بہت اچھے ہیں مسٹر سرفراز۔" لورین بولی۔

• اچھے آپ لوگ ہیں جو دوسروں کی مدد کا ایسا عظیم جذبہ رکھتے ہیں۔"

• اچھا بھئی اب تعریف و توصیف کا دور ختم، آؤ یہاں سے چلیں۔" ہل لین نے کہا اور ہم تینوں کمرے سے نکل آئے۔

• میرا خیال ہے آج پورا دن شطرنج رہے، دراصل سرفراز، میں باہر نہیں نکلتا، کوئی خاص ہی کام ہو تو دوسری بات ہے، ورنہ جہاں تک ہوتا ہے میں انسانی نگاہوں سے روپوش رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

• ہمیں اسی دن دیکھ لیا گیا تھا مسٹر ہل لین جس دن ہم نے یہاں قیام کیا تھا۔" "ہاں۔"

• اگر آپ ہمیں رات کو قتل کر دیتے تو شاید آپ کو یہ الجھن نہ ہوتی۔"

• ہاں ٹھیک کہا لیکن مذہبی انسان ہوں۔ زندگی خدا دیتا ہے۔ پھر انسان کو کیا حق ہے کہ کسی سے خدا کی دی ہوئی نعمت چھینے اور جو لوگ یہ کرتے ہیں وہ خدا سے جنگ کے دعویدار ہیں۔"

• کاش مسٹر ہل لین، دنیا آپ کی قدر کر سکتی۔"

• تم کرتے ہو؟" ہل لین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

• دل و جان سے۔"

• یہی میری محنت کا ثمر ہے، آؤ۔" اور ہم کمرے سے نکل آئے۔ "اچھا بھئی لورین، تم جب تک مسٹر سرفراز سے دو تین بازیاں ہار دو۔ میں ان لوگوں کو ہدایت دے آؤں۔"

• او کے پاپا۔" لورین نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ساتھ اسی کمرے میں آ گئی، جہاں ہم لوگ رات کو شطرنج کھیلے تھے۔

• آئیے مسٹر سرفراز۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی اور پھر چونک کر کہنے لگی۔ "آپ کا موڈ بھی ہے یا ہم آپ سے زبردستی کر رہے ہیں۔"

• نہیں مس لورین، موڈ نہ ہونے کی کیا بات ہے۔"

• مجھے شطرنج سے بے حد دلچسپی ہے، اور آپ یقین کریں، اس میں کبھی نہیں ہاری۔ لیکن آپ کی چالیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے ابھی ہم تو ابتدا سے بھی واقف نہیں ہیں۔"

• میں نے پوری زندگی مختلف تفریحات میں گذاری ہے مس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا اور جس کام کو میں نے پسند کیا پورا کمال حاصل کیا۔"

• یقیناً۔ میں معترف ہوں، ویسے اگر آپ اجازت دیں تو کچھ سوالات پوچھوں۔"

• "ہاں۔ ہم دوست ہیں مس لورین۔"

• آپ نے شادی نہیں کی؟"

• نہیں۔"

• کیوں؟"

• بس اس کے بارے میں سوچا نہیں کبھی۔"

• اوہ۔ محبت کی ہے کبھی؟"

• کسی لڑکی سے؟"

• تو اور کیا؟" لورین مسکرا پڑی

• مس لورین میں الجھا ہوں۔ فیصلہ نہیں کر پایا اس بات کا۔"

• اوہ۔ وہ کیوں؟"

• طویل داستان ہے، یوں سمجھ لیں، بہت سی لڑکیاں سامنے آئیں۔ میں نے انہیں پسند کیا۔ لیکن انہیں وہ درجہ نہ دے سکا جو وہ چاہتی تھیں۔"

• آخر کیوں؟"

• میری ذات کو چیلنج کر دیا گیا تھا۔ میں نے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور باقی سب کچھ بھول گیا۔"

• اوہ۔ لیکن کیا کسی بھی لڑکی نے؟"

• نہیں مس لورین۔ ایک تصویر میری آنکھوں میں چھپی رہ گئی۔ کبھی کبھی وہ ابھر آتی ہے اور میرے دل میں ایک خلش بیدار ہو جاتی ہے۔" "بہت حسین تصویر ہوگی وہ۔"

• ہاں۔ بے حد حسین۔"

• اپنا مشن پورا ہونے کے بعد آپ اسے ضرور اپنا لیں مسٹر سرفراز۔" لورین عجیب سے لہجے میں بولی۔

• کچھ کہہ نہیں سکتا مس لورین۔ زندگی کون کون سے رخ اختیار کرے۔"

• میری دعا ہے کہ آپ زندگی کی ہر کامرانی سے ہمکنار ہوں۔"

• شکریہ مس لورین۔" میں نے آہستہ سے کہا، اور لورین کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی جسے اس نے پی لیا اور مسکرانے لگی۔

• تو آئیے، بازی لگائیں۔"

• ہاں۔ ضرور۔" میں نے مہرے سجاتے ہوئے کہا۔

• کاش آپ مزید چند روز یہاں رہ سکتے۔" وہ بولی۔ "آپ کے آجانے سے اس خشک ماحول میں ایک زندگی کی لہر سی دوڑ گئی ہے اور اب آپ چلے جائیں گے تو پھر وہی مشینیں، وہی زندگی۔"

• آپ بھی یہاں سے کہیں نہیں جاتیں مس لورین؟"

• نہیں۔ جب اکتا جاتی ہوں تو پاپا مجھے سیر کرنے بھیج دیتے ہیں۔ لیکن ہم لوگ پوری دنیا میں تنہا ہیں۔ کہیں بھی دل نہیں لگتا۔" لورین نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا۔ عورت کے جذبے کیا ہیں، یہ تاثرات اب میرے لئے اجنبی نہیں تھے، میں لورین کے چہرے پر حماقت کے سائے لہراتے دیکھ رہا تھا۔ لیکن میں نے اس کے جذبات کو اہمیت نہیں دی۔ میں نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا۔ میں کسی بھی الجھن میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ لوگ بہت نیک تھے، میں یہاں ایسے داغ نہیں چھوڑ سکتا تھا جو ان لوگوں کو دکھ دیتے، جنہوں نے میری بھرپور مدد کی تھی۔

لورین اس وقت بددلی سے کھیل رہی تھی، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن کہہ نہیں پا رہی تھی۔ پھر ہم دونوں کی مشکل ہل لین کی آمد نے حل کر دی۔

• کیوں لورین، پھنسی ہوئی ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

• ہاں پاپا لیکن اب میرے کھیلنے کا انداز مقابلے کا سا نہیں ہے، میں مسٹر سرفراز سے سیکھ رہی ہوں۔"

• ضرور۔ ضرور سیکھو۔" ہل لین ہنستا ہوا ہمارے پاس بیٹھ گیا اور پھر وہ لورین کی مدد کرتا رہا۔ لیکن لورین جم کر نہ کھیل سکی۔ لنچ تک شطرنج بچھا رہا لورین کی حالت کسی حد تک بہتر ہو گئی تھی۔ لنچ کے بعد ہل لین نے میرا ہاتھ دیکھا۔ میرا ہاتھ حیرت انگیز طور پر ٹھیک ہو گیا تھا۔ زخم میں تکلیف تو ابتدا میں بھی نہیں تھی۔ لیکن اب تو زخم ٹھیک ہو گیا تھا۔

• کیا خیال ہے سرفراز، تم اپنی قوت کا تجربہ کرو گے؟"

• اگر آپ پسند کریں مسٹر ہل لین۔"

• تب پھر آؤ۔ میں نے بھی طویل عرصہ سے کھلی فضا میں سانس نہیں لیا۔ آؤ لورین، ایک گن بھی اٹھا لو۔" اور لورین نے ان میں سے ایک گن اٹھا لی جو ہل لین نے مجھ کو تحفے کے لئے دی تھیں۔ اور پھر ہم تینوں باہر نکل آئے۔ میری آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بالکل نارمل تھا۔ سرنگ سے باہر نکل کر ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے، تب ہل لین نے کہا۔

• اب اپنے ذہن میں کسی دور دراز حصے کا تصور کرو، اور اپنی آنکھیں اس سمت مرکوز کر دو جہاں تم دیکھنا چاہتے ہو۔"

میں نے ہل لین کے کہنے کے مطابق کیا۔ انتہائی فاصلے پر مجھے ایک ننھا سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ کسی طور اسے دیکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ وہ کیا ہے؟ میں نے سوچا اور اپنی نگاہیں اس دھبے پر مرکوز کر دیں۔ اور دھبہ برق رفتاری سے میری طرف آنے لگا۔ نزدیک اور نزدیک۔ اور یہ کانٹوں دار جھاڑیوں کا ایک ڈھیر تھا جس میں سانپ کلبلا رہے تھے۔ ایک ایک چیز صاف نظر آنے لگی، اور میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

• کیا پوزیشن ہے؟" ہل لین نے پوچھا۔

• حیرت انگیز۔"

• ویری گڈ، اب ہاتھ کی ٹرائی بھی کرو۔"

• کس طرح؟"

• دونوں چیزوں میں ذہنی قوت شامل ہے۔ وہ سامنے کی چٹان دیکھو، ہاتھ کی انگلیاں ملا کر اس کی طرف کرو اور محسوس کرو جیسے تم اسے اٹھا رہے ہو۔ پھر اسے اٹھا کر پھینک دو۔"

میں نے ہل لین کے کہنے کے مطابق کیا۔ درحقیقت مجھے ایسا ہی احساس ہوا جیسے وہ بڑی چٹان چھوٹی ہو کر میری گرفت میں آ گئی ہو۔ اور پھر میں نے ایک فاصلے کا تعین کر کے اسے پھینک دیا۔ میری آنکھوں نے کیا دیکھا، وزنی چٹان اتنی ہی دور جا پڑی تھی۔

میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ یہ خوفناک قوتیں اب میری تھیں۔ پھر دوسرا تجربہ کیا گیا۔ ہم نے ایک پتھر ہی کو نشانہ بنایا تھا۔ میں نے انگلیاں سیدھی کیں، اور میری انگلیوں سے رنگین شعاعیں خارج ہو کر پتھر پر پڑیں، پتھر کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

• مسٹر ہل لین۔" میں نے فرط جذبات سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

• صرف ایک بات میرے دوست، یہ ان تمام چیزوں کی قیمت ہوگی۔" ہل لین نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

• کیا مسٹر ہل لین؟"

• تم ان قوتوں کا استعمال ضرور کرو گے، لیکن اپنی انا، اپنی برتری کے لئے نہیں۔ کسی مظلوم کی مدد کے لئے، اور کسی ظالم کی سرکوبی کے لئے۔"

• میں وعدہ کرتا ہوں۔"

• اور مجھے تمہارے وعدے پر مکمل اعتبار ہے۔" ہل لین نے کہا۔ پھر اس نے گن چلا کر دکھائی، جو نشانے کے پرخچے اڑا دیتی تھی اور اس کے قرب و جوار میں آگ لگ جاتی تھی۔

• میرا خیال ہے زعالا کو اس کی سرداری واپس دلانے کے لئے اب تمہیں کسی اور قوت کی ضرورت نہیں ہے، تم ایک طاقتور فوج بن گئے ہو، اور تین آدمیوں کی یہ فوج کسی دوسری فوج سے جنگ کرنے کے لئے کافی ہے۔" ہل لین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ہم واپس غار کی طرف چل پڑے ہل لین بہت خوش تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم لوگ

کسی طور اس کے لئے ضرر رساں ہوسکتے۔ مجھے اپنی یہ توقیں رہنے پر بھی اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میری خوشی کی وجہ یہ ہے مسٹر سرفراز، کہ میں نے ان چیزوں کو ایجاد کرتے وقت ان کے مصرف کے بارے میں سوچا تھا۔ ذہن میں یہی خیال تھا کہ اگر جنگل کے باشندوں نے میرے کام میں بے مقصد رکاوٹ ڈالی تو یہ ہتھیار صرف انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے استعمال کروں گا۔ ان معصوم باشندوں کو قتل کرنا تو سب سے بڑا گناہ ہے کیونکہ ان تک تو تہذیب کی روشنی ہی نہیں پہنچی۔ یہ زیادہ قابل قدر ہیں کیونکہ وہ لوگ جو تہذیب اپنا چکے ہیں۔ ان سے بڑے درندے بن چکے ہیں۔

"بیشک مسٹر ہل مین — میں نے تائید کی۔

"لیکن یہ سب چیزیں، ایک نیک مقصد کے لئے استعمال ہونگی اور شکر ہے یہ ایسے ہاتھوں میں نہیں ہیں۔ جو کم ظرف ہیں۔

"آپ بھروسہ رکھیں مسٹر ہل مین۔"

نہیں میرے دوست مجھے بھروسہ ہے۔ شطرنج کا شہنشاہ۔ دل کا بھی شہنشاہ ہے۔ ویسے سرفراز، شطرنج میں واقعی بہت کمال حاصل ہے۔ یہ تم نے کہاں سے سیکھا ہے:

"آپ بھروسہ کریں میرا کوئی اُستاد نہیں ہے۔

"کمال ہے۔ واقعی کمال ہے۔ لورین کو بھی شطرنج سے لگاؤ ہے۔ وہ تو تمہاری شیدا ہوکر رہ گئی ہے۔ ہر وقت تمہارے کمال کے بارے میں گفتگو کرتی رہتی ہے۔

"ہاں — وہ معصوم لڑکی ہے۔

"میں اُس کے مستقبل کے لئے پریشان ہوں۔ مسٹر سرفراز۔" ہل مین نے فکر مندی سے کہا۔

"یہ سوال میرے ذہن میں بھی آیا مسٹر ہل مین۔

"اوہ۔ کیا۔ کیا سوچا تھا تم نے — ہل مین نے کسی قدر دبے دبے جوش سے پوچھا۔ ہل مین کے اس انداز کو میں نے بُری طرح محسوس کیا۔ لیکن میں تو اُس نیک انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے میں پریشان ہوگیا۔ میرے الفاظ سے ہل مین کو غلط سمت میں تبدیل کر لیا تھا۔ بہرحال میں نے کافی محتاط ہو کر گفتگو کی۔

"یہی سوچا تھا مسٹر ہل مین — کہ آپ نے سب سے اچھا کام یہ کیا۔ کہ جن لوگوں کو یہاں لانے کے لئے منتخب کیا، وہ شادی شدہ ہیں۔ اور ان کی بیویاں ان کے پاس ہیں۔

"ہاں۔ یہ ضروری تھا۔ ورنہ تمہارے خیال میں یہ لوگ دلچسپی سے کام کر سکتے تھے؟"

"ناممکن!"

"میں نے یہی سوچا تھا اور خوبی کی بات یہ ہے کہ یہاں ان کے بچوں کا مستقبل بھی محفوظ ہے۔ میں نے ساری باتوں کا خیال رکھا ہے۔ تمہیں یہ سنکر مسرت ہوگی کہ یہاں جدید ترین زچگی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ساری عورتیں۔ جو لیاں ہیں تجربہ کار ڈاکٹر ہیں اور اس کے ساتھ ہی تربیت یافتہ ٹیچر بھی۔

"ونڈر فل — آپکی سوچ بہت وسیع ہے۔ میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ہیں — لیکن بات لورین کی ہو رہی تھی:

"اس کے بارے میں آپ نے کیا سوچا — مسٹر ہل مین؟

"اُلجھا ہوا ہوں ابھی تک۔ ہل مین نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

"کچھ سوچا تو ہوگا آپ نے؟

"ہاں — میرا خیال ہے کہ اس کے لئے کوئی نوجوان مل جائے جو دوسرے لوگوں کی مانند۔ مجھ سے متفق ہو۔ میرے کاموں میں دلچسپی لے۔ ظاہر ہے اس کا مستقبل میرے پاس محفوظ رہے گا۔ وہ اگر سائنسداں نہ ہو۔ میرے ساتھ تعاون نہ کرسکے۔ لیکن ذہنی طور پر بھی میری بیٹی اسے پسند کرتی ہو۔

"لیکن معاف کریں مسٹر ہل مین۔ آپ نے اس کی تلاش کے لئے کیا بندوبست کیا ہے؟"

"بندوبست — میرے پاس کوئی بندوبست نہیں ہے۔"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا — میرا خیال ہے آپ اس لورین کو اس وقت تک مہذب دنیا میں رہنے دیں جب تک آپ اس کے شریک حیات کا انتخاب نہ کرلیں۔ اس میں آپ لورین اور اپنی پسند کا لحاظ رکھیں۔

"ہل مین کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ وہ گردن جھکا کر سوچنے لگا۔ پھر ایک طویل سانس لیکر مسکرانے لگا۔ "ہاں مسٹر سرفراز دوسری بڑی فکروں میں ایک بڑی فکر یہ بھی ہے میرے لئے بہرحال ..... اُس نے ایک بار عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ یہی مناسب تھا اس سلسلہ میں، میں بےچارے ہل مین کی کیا مدد کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے۔ پھر میں ہل مین سے اجازت لیکر باہر نکل آیا۔ ٹولو اور زدالا آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر خاموش ہوگئے۔

"کیا ہو رہا ہے بھائی —؟ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں، بس جنگلوں کی باتیں کر رہے تھے۔ ٹولو ہکلاتے ہوئے بولا۔

"بڑی اہم باتیں ہوتی ہیں ان جنگلوں کی۔ میں نے بھی ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں یہ بات بھی کہہ رہا تھا باس۔"

"کیا — میں نے پوچھا۔

"زدالا کو میں بتا رہا تھا — کہ نہ جانے اپنا پاس کسی اجنبی خطہ میں کیوں پیدا ہوگیا — اس کا خمیر تو افریقہ ہی کی مٹی سے اٹھا ہے۔ اس کی ساری باتیں ہماری جیسی ہیں۔ ٹولو نے جواب دیا۔ اور میرا ذہن

"ہاں ٹولو۔ کاش میں پیدا بھی افریقہ میں ہوا ہوتا کسی خوبصورت جھونپڑے میں۔ میری پیدائش پر مخلص لوگ رقص کرتے۔ میرے بدن پر لباس نہ ہوتا۔ میرے ذہن میں سوچ نہ ہوتی۔

ٹولو اور زدالا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں خاموش ہوگئے اور میں بھی خیالوں کی دنیا سے نکل آیا۔ پھر میں نے چونک کر کہا۔

"ہاں بھئی — تم اُکتا تو بہت رہے ہوگے۔

"میری مت پوچھو باس — میں تو ہر اُس جگہ خوش ہوں جہاں آپ ہوں۔" ٹولو نے جواب دیا۔

"میں بھی تمہاری خوشی میں خوش ہوں — زدالا نے کہا۔

"تم دونوں بہت ہی پیارے، بیحد مخلص ہو۔ یہ نہ سوچو زدالا مجھے تمہارے دل کی پیاس کا احساس نہیں۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل آزاد ہونے کے بعد اپنے باپ اور بہن کی آزادی کے لئے تڑپ رہا ہوگا۔ میں بہت جلد ان دونوں کو بھی آزاد کرا لوں گا۔ ہل مین نے ہماری بہت مدد کی ہے۔ اس مخلص انسان کی خواہش تھی کہ میں کچھ روز اس کے ساتھ اور قیام کروں۔ لیکن بہرحال میں اس سے اجازت لے لوں گا۔

"تم یہ احساس کرتے ہو باس — اس کے علاوہ ہمیں کچھ اور نہیں چاہئیے۔ زدالا نے کہا۔ اسی وقت دروازے پر لورین کی آواز سنائی دی۔ — اگر گفتگو ضروری نہ ہو تو میں اندر آجاؤں؟"

"اوہ۔ لورین آؤ۔ میں نے کہا اور لورین مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔ اس نے ایک چست لباس پہنا ہوا تھا اور بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں" اس نے پوچھا

"بس کچھ نہیں، ہم لوگ یہاں سے جانے کے بارے میں سوچ رہے تھے"

"ابھی نہیں" لورین نے کہا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی ملاہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ شگفتگی جو وہ چہرے پر سجائے یہاں آئی تھی کسی قدر ماند پڑ گئی تھی۔ لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ اور بولی

"تو آپ مصروف ہیں مسٹر سرفراز"

"ارے نہیں، بالکل نہیں، کیا بات ہے؟"

"تھوڑا وقت مجھے دے سکیں گے؟"

"یقیناً۔"

"تب پھر آئیے" اس نے کہا اور میں لورین کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے لورین؟" میں نے محبت سے پوچھا

"کچھ نہیں مسٹر سرفراز، دراصل میں نے آج ڈیڈی سے اجازت لے لی تھی کہ باہر جاکر شوٹنگ کروں۔ دراصل ہم لوگ شکار وغیرہ بھی نہیں کرتے تاکہ دوسرے ہماری طرف متوجہ نہ ہوں لیکن کبھی کبھی ڈبوں کا خشک گوشت کھاتے کھاتے اور ان زمین دوز غاروں کی دنیا میں طبیعت اکتا جاتی ہے۔ تب ڈیڈی دور دور کا جائزہ لینے کے بعد تھوڑا بہت وقت باہر صرف کر دیتے ہیں۔ میں نے آج بھی بمشکل ان سے اجازت لی ہے۔"

"ویری گڈ" تو پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

"بسر و چشم۔ کیا مسٹر ہل مین بھی تیار ہوگئے؟"

"نہیں۔ ڈیڈی ساتھ نہیں جائیں گے۔"

"گویا صرف ہم دونوں۔"

"ہاں۔"

"اوکے — مجھے کیا اعتراض ہے" میں نے کہا اور لورین میرے ساتھ غار کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دو جدید ترین رائفلیں اور میگزین لے لئے تھے۔ ہم دونوں اوپری چٹان سے باہر نکل آئے۔ اور پھر پہاڑ کے دوسری طرف کا راستہ اُترنے لگے۔ لورین نہایت سبک روی سے نیچے اتر رہی تھی۔ تب میری نگاہ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوئے سیاہ رنگ کے دو گھوڑوں پر پڑی، اور میں چونک پڑا۔

"ارے لورین، یہ گھوڑے —؟"

"ہمارے لئے ہیں۔"

"مگر میں نے پہلی بار گھوڑے یہاں دیکھے ہیں۔"

"ایک پہاڑی غار میں جس کا تعلق ہمارے غاروں سے بھی ہے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ تقریباً بارہ تیرہ گھوڑے ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ گھوڑے یہیں سے پکڑے گئے تھے اور یہیں انہیں پرورش کیا گیا ہے" لورین نے کہا۔

"بہت خوب — تب تو پھر میں خود بھی مسٹر ہل مین سے اپنے لئے گھوڑے طلب کر سکتا ہوں۔"

"مسٹر سرفراز" لورین آہستہ سے بولی۔ اس کے لہجہ میں لرزشیں تھیں۔ میں نے غور سے اس کی جانب دیکھا۔ لورین کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"کیا بات ہے لورین؟"

"آپ بار بار اس قدر جلد جانے کی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

"جانا تو ہوگا ہی لورین" میں نے جواب دیا۔

"کیوں، آخر کیوں —؟ لورین بےساختگی سے بولی۔

"لورین —" میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم بیحد

پیاری لڑکی ہو۔ ایک مخلص باپ کی شریف بیٹی۔! انسانی جذبات بڑے نازک ہوتے ہیں لورین۔ تمہارے چہرے کے تاثر سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تم بے حد حسین اور اس قابل ہو کہ کوئی بھی نوجوان تمہیں چاہے۔ میں نے تمہیں مختصراً اپنے بارے میں بتایا تھا۔ ایک بار پھر میں تمہیں بتاؤں کہ اگر میری زندگی کا مشن اتنا اہم نہ ہوتا تو شاید پھر ہل مین جیسے نیک دل انسان کی بیٹی کو اپنانے میں مجھے کوئی مجبوری مانع نہ ہوتی۔ تم یوں سمجھو لورین میری اپنی زندگی پر میرا اپنا حق کوئی نہیں۔ یہ ایک مشن کے تابع ہے اور اگر میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا تو اپنی سانسوں پر غور کر دوں گا۔ اپنے احساس پر توجہ دوں گا اور اپنی خواہشات کا جائزہ لوں گا۔ یوں سمجھو میں اس وقت خود کو ایک زندہ اور سانس لیتا انسان سمجھوں گا۔ ابھی تو میں کچھ نہیں ہوں لورین۔ تمہاری آنکھوں کی اس طلب پر میں کچھ نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں یہ پسند کروں گا کہ ان آنکھوں میں سج جائیں۔"

"سرفراز۔" لورین رکی، آگے بڑھی اور میرے سینے سے لپٹ گئی۔ "سرفراز مجھے معاف کر دینا۔ سرفراز مجھے معاف کر دینا۔ ڈیڈی کے ساتھ گزرنے والی زندگی پریشان کن تو نہیں تھی، لیکن انتہائی محدود تھی۔ ذہن کبھی کبھی ایسے ساتھی تلاش کرتا ہے جو دل کے قریب بھی ہوں۔ جن سے کھل کر سب کچھ کہا جا سکے اور اس کہنے میں خوف یا احترام کا کوئی احساس نہ ہو۔ اور سرفراز دل کی اس طلب کو تم غیر فطری تو نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کوئی انوکھی بات تو نہیں چاہی۔ میں نے کوئی اجنبی چیز نہیں طلب کی۔"

"بیشک لورین۔ لیکن کسی سائے کو منزل نہ سمجھو۔ گوشت پوست کا انسان تمہارے ساتھ اگر ان پہاڑوں میں ہو، تو تم خوشی محسوس کرو۔ میں تو ایک سایہ ہوں۔ سورج نکلا، تو نکل پڑا اور جب سورج چھپے گا تو روپوش ہو جاؤں گا۔ سایوں کے پیچھے دوڑنا کیا مناسب ہے؟"

"تم خود کو بھلا نہیں سکتے سرفراز۔ تم ایک نئی زندگی میں آ کر ماضی بھول نہیں سکتے۔ ان پہاڑوں کو اپنا لو، میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ کھلی آزاد فضا، معصوم لوگوں کی معیت، تمہارے لئے یہاں سب کچھ موجود ہے۔ ماضی کی ان یادوں کو فراموش کر دو جس نے جیتے جاگتے انسان کو سائے میں بدل دیا ہے۔"

"لورین یوں سمجھو کہ میرا ماضی بھی میرا اپنا نہیں ہے۔ بات صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھی جاتی تو میں زندگی کا وہ دور بھول سکتا تھا لورین میرے وجود کو چیلنج کیا گیا ہے۔ مجھے بنجر زمینوں کو اگانے والے ایک کو ایسے کونے کا مالک سمجھا گیا ہے جو بالکل بے مصرف ہوتا ہے۔ لوگ جسے خشک ہونے پر جلانا بھی پسند نہیں کرتے۔ میں نے اپنے بارے میں ان کا یہ تصور تسلیم نہیں کیا۔ میں ایک جیتی جاگتی حقیقت ہوں اور ایک دن سائے کی زندگی سے لوٹ جاؤں گا دنیا کہے گی کہ میں ازل سے ابد تک انسان ہوں۔ میرے وجود کو مٹی کا ڈھیر ثابت نہ کرو۔ اس ڈھیر میں سسکتی ہوئی شکست کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ شکست کراہتی رہے گی اور وہ کراہیں تمہیں محبت کا نغمہ نہ سنا سکیں گی۔"

"تب لورین آہستہ سے میرے سینے سے علیحدہ ہو گئی۔

"تم عظیم ہو سرفراز — میں نے تمہیں تسلیم کیا۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "تم نے جس خلوص سے اپنی مجبوری کا اظہار کیا ہے اس آواز کو اپنے دل میں محسوس کرتی ہوں۔ تم اگر چاہتے تو میری طلب سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ سرفراز مشرق کا … مجھے بہت پسند آیا۔ بیشک انسان کی زندگی کا کوئی مشن ہو تو ساری زندگی اس مشن کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی بات نہیں سرفراز۔ میں تم سے متاثر ہوئی تھی۔ لیکن تمہاری عظمت اب میرے دل میں احترام بن چکی ہے۔ تم نے مجھے صحیح راستے سے نہیں ہٹنے دیا۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔"

ہم دونوں پہاڑی کے دامن میں گھوڑوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ لورین بھی گھوڑے پر سوار ہوئی اور میں نے بھی تقلید کی۔ گھوڑے تیز رفتاری سے دور نظر آتے ہوئے جنگلات کی طرف چل پڑے۔ جنگلات کا سلسلہ پہاڑی غاروں سے بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مگر ہم تیز رفتاری سے چٹیل میدان عبور کر گئے۔ درختوں کے قریب پہنچ گئے۔

"تم تو پہلے بھی ان علاقوں میں شکار کرتی رہی ہو گی۔"

"صرف تین یا چار بار — میں نے بتایا نا کہ ڈیڈی کو اپنی … سے باہر آنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور میں تنہا ہوں۔ باہر اکیلی آ نہیں سکتی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔ اور پھر ہم شکار کے لئے نگاہیں دوڑانے لگے۔ شکار سے جنگل بھرا ہوا تھا۔ میں نے ہرنوں کی ایک ڈار دیکھی، اور اسی وقت لورین کی نگاہ بھی ان پر جا پڑی۔

"اوہ۔ سرفراز — سرفراز۔ ہرن۔ ہرن۔" وہ بچوں کی مانند پرجوش لہجے میں بولی۔

"ہاں، میں نے دیکھ لئے۔"

"تو مارو۔ مارو۔ مارو۔ میں ماروں؟" اس نے رائفل سیدھی کر لی۔

"صرف ہرن مارنا ہے۔ یا؟" میں نے روکتے ہوئے کہا۔

"ہم دوسرے جانور بھی شکار کریں گے۔ لیکن پہلے یہ ہرن۔"

"اس ڈار پر گولی چلاؤں تو کوئی نہ کوئی مر ہی جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ بات نہیں! میرا نشانہ بہت عمدہ ہے۔ چلو میں ان میں سے کسی کو نہیں مارتی۔ اب تو کسی تنہا ہرن کو ہی شکار کروں گی۔" لورین نے کہا۔

ہرنوں کی ڈار نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گئی۔ لورین کے چہرے پر ایسے ہی تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے اب وہ کسی تنہا ہرن کا شکار کر کے دم لے گی۔ پھر ایک بوڑھا ہرن اسے نظر آ گیا۔ لورین نے رائفل سیدھی کی اور نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ اور جلد ہی ہرن ڈھیر ہو گیا۔ تب اس نے فخریہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"خوب۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ ہم قریب پہنچ کر تڑپتے ہوئے ہرن کو ذبح کر دیا۔

"لورین ہرن بوڑھا ہے —"

"تو پھر —؟"

"یہ بیچارہ بھاگنے کی عمر کھو چکا ہے اور اپنی سست رفتاری کی بنا پر مارا گیا۔" لورین نے ذبح کیا ہوا ہرن وہیں چھوڑ دیا اور بچکانہ انداز میں اکھڑی ہو گئی۔"

"ارے ارے کیوں —؟"

"بس میں اسے نہیں لے جاؤں گی۔"

"اوہو۔ آخر کیوں؟"

"بوڑھا جو ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم نے شکار تو کیا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"جناب میں نوجوان ہرن بھی شکار کر سکتی ہوں۔"

"مگر اس بیچارے نے کیا خطا کی تھی۔"

"بس آپ آئیے۔" لورین گھوڑے پر سوار ہوئی اور اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

"وہ دیکھو لورین خوبصورت پرندوں کی ڈار۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تھوڑے فاصلے پر ایک جھیل ہے جہاں یہ پرندے اترتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ ڈار وہیں اترے گی۔"

"کیا تم اس میں سے چوتھے نمبر کے پرندے پر نشانہ لگا سکتی ہو؟"

"یہ تو مشکل ہے۔"

"پر یہ تو بہت قریب ہیں۔"

"میں کوشش کر دوں۔"

"خوب تو تم بندوق سے بھی شطرنج کی مانند کھیلو گے۔" لورین مسکرائی۔

میں نے رائفل کی نال پرندوں کی طرف کی اور پرواز کرتے ہوئے چوتھے پرندے پر نشانہ لگایا۔ پرندہ ڈار سے کٹ گیا۔ اس کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے ہوں گے۔

لورین کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ پرندوں کی ڈار منتشر ہو گئی۔ لیکن پھر وہ ترتیب میں آ گئے۔

"اب تم کوئی دوسرا نمبر بتاؤ۔"

"نمبر ۶۔" لورین نے کہا اور میں نے دوسرا فائر کر دیا اور لورین کی نگاہیں پرندوں کی لائن پر جمی ہوئی تھیں۔ چھٹے نمبر کا پرندہ نیچے آ رہا۔ اور لورین کے حلق سے تحیر آمیز چیخ نکل گئی۔ پھر اس نے کتنی نمبر بتائے اور ہم یہ وحشیانہ کھیل کھیلتے رہے۔

"کمال ہے یہ مسٹر سرفراز کمال ہے۔ پتہ نہیں آپ رائفل کا کھیل بھی شطرنج کی مانند کھیلتے ہیں۔" لورین آہستہ سے بولی

اس کے بعد ہم نے دو ہرن شکار کئے اور واپس غاروں کی طرف چل پڑے۔ لورین کا سانس پھول رہا تھا اس نے جاتے ہی ہل مین کے سامنے میری تعریفوں میں وہ زمین و آسمان کے قلابے ملائے کہ توبہ۔ ہل مین بے حد متاثر ہوا تھا۔ اور پھر اس نے آہستہ سے کہا سرفراز کے بارے میں ہم کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتے لورین۔ خدا جانے وہ کیا ہے۔ اور خدا جانے اس کی کون کون سی باتیں ہم سے پوشیدہ ہیں۔

"ایک بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں پپا۔" لورین بولی۔

"سرفراز کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن وہ بحیثیت انسان بے حد عظیم ہے۔"

"بیشک!" ہل مین نے تائید کی۔

"تم نے میرا تجربہ نہیں پوچھا پپا۔"

"اوہو! تم نے کوئی تجربہ بھی کیا ہے۔"

"ہاں!"

"چلو بتا دو۔" ہل مین نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا

"پپا میں ان سے بے حد متاثر ہوں۔ جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں انہیں چاہنے لگی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں ان سے اپنی چاہت کا اظہار کروں۔ اور پپا۔ آج میں اس سے باز نہ رہ سکی۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں پپا کہ اگر میری نسل کا کوئی نوجوان ہوتا تو میرے اس جنون سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کرتا لیکن مسٹر سرفراز نے اس خلوص اور سچائی سے مجھے راستہ دکھایا۔ پپا۔ کہ میں کیا بتاؤں۔"

سچی بات یہ ہے کہ لورین کی اس بیباکی اور اس … سے مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ہل مین کو دیکھا۔ ہل مین بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "سرفراز۔"

"جی مسٹر ہل مین۔" میں نے مجرمانہ انداز میں کہا

"تم تو بہت انوکھے انسان نکلے۔ میرے … ان کو احسان تو پہلے دیتے۔"

"میں نہیں سمجھا مسٹر ہل مین۔"

"میرے عظیم بیٹے۔" ہل مین نے جذباتی انداز میں آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ "میں نے یہ چیزیں دے کر رہا تھا کہ میں نے کوئی بڑا کام کیا ہے۔ لیکن تو نے میری عزت کی پاسبانی کر کے مجھے ان سارے احسانات کی قیمت ادا کر دی۔ میرا … تجھ پر کوئی احسان نہیں۔"

"نہیں مسٹر ہل مین، یہ آپ کی نیک نفسی ہے کہ آپ ایسا سمجھتے ہیں

رہی میری بات، تو مسٹر ہل مین لورین ایک معصوم لڑکی ہے۔ میرے دل کے سیاہ داغ میں مجھے کیا مل جاتا۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اور یہ فرض کی ادائیگی آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔

"صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ تیرے سُرخ خون میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور یقین کر میرے بچے، تیرے اوپر میرا اعتماد کچھ اور بڑھ گیا ہے۔"

کافی دیر تک ہم خوبصورت اور جذباتی الفاظ کا تبادلہ کرتے رہے اور پھر میں نے ہل لین سے دل کی بات کہہ دی: "مسٹر ہل مین، آپکو علم ہے کہ میری زندگی کا ایک مشن ہے۔"

"ہاں! اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔"

"میں اب یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"ہوں!" ہل مین نے اداسی سے کہا۔

"زندگی بہت مختصر شے ہے مسٹر ہل لین، ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب آخری وقت آجائے۔ ہاں اگر جدوجہد کرتے ہوئے موت آجائے تو انسان کو افسوس بہت رہتا ہے میں زندگی کے چند لمحات کو قرض سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ قرض کی ادائیگی بخوبی ہو۔"

"بیشک میرے بیٹے۔"

"زوالا نے میرے اوپر بھروسہ کیا ہے۔ میں اس کے بدلے پر بھی پورا اترنا چاہتا ہوں۔ میں اسے اس کی حکومت واپس دلوانا چاہتا ہوں۔ اس میں نہ جانے کتنا وقت صرف ہو۔ اس لئے خوشی کے ساتھ مجھے اجازت دی جائے۔"

"میں تجھے اجازت دیتا ہوں سرفراز۔"

"شکریہ مسٹر ہل لین۔ ایک درخواست اور ہے۔"

"ہاں، ہاں کہو۔"

"مجھے تین گھوڑے درکار ہوں گے۔"

"تمہاری نذر۔" ہل لین نے خلوص سے کہا۔

"تب مجھے اجازت، میں نے اجازت چاہی۔ اپنے ساتھیوں کو بھی بتاؤں۔"

"بالکل۔ ایک پیشکش اور کرنا چاہتا ہوں سرفراز۔"

"فرمائیے۔"

"ان پہاڑوں میں میں طویل عرصہ تک رہوں گا۔ تمہیں علم ہے کہ میرا مشن کیا ہے۔ وعدہ کرو، یہاں سے واپسی میں تم مجھ سے مل کر جاؤ گے۔" "میں وعدہ کرتا ہوں مسٹر ہل لین کہ اگر وقت اور زندگی نے مہلت دی تو آپ سے ملاقات کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

اس کے علاوہ۔ ان ویران علاقوں میں بیشمار ان دیکھی قوتیں بکھری ہوئی ہیں۔ تم ان کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ لیکن اگر کبھی کسی مشکل میں پھنس جاؤ۔ تو ادھر کا رُخ کرنا۔ تاکہ میں تمہاری مدد کر دوں۔

"بہت بہت شکریہ۔ مسٹر ہل لین۔"

میں ہل لین سے رخصت ہو کر زوالا اور ٹولو کے پاس گیا۔ مجھے احساس تھا کہ دونوں مروت والے بیزار زندگی گذار رہے ہیں ظاہر ہے کہ وہ جنگل کے شیر پنجرے میں قید تھے۔ انہیں اس پنجرے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ دونوں مجھے دیکھ کر خلوص سے مسکرائے کی نگاہوں میں کوئی شکایت نہ تھی۔

"ٹولو"۔ میں نے سنجیدگی سے کہا:

"یس مسٹر"۔

"تیاری کرو۔ ہم چل رہے ہیں۔" اور دونوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے زوالا کے چہرے پر مسرت کی لہریں نظر آرہی تھیں۔ اس نے خوشی سے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"کہاں باس۔"

"بس اب یہاں سے چلو گے یا نہیں؟ ابھی یہیں تمہارا کام بھی کرنا ہے۔"

"اوہ۔ باس۔" زوالا نے مسرت آمیز انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دونوں تیار ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہل لین کا ایک آدمی ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"گھوڑے تیار ہیں جناب۔"

"آؤ"۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ اور ہم تینوں اس شخص کے ساتھ غار کے دہانے پر نکل آئے۔ تھوڑی سی اترائی میں ہل لین اور لورین تین شاندار گھوڑوں کے نزدیک کھڑے ہوئے تھے گھوڑوں پر زین کسی ہوئی تھیں اور ان کے دونوں سمت خرجین تھے۔ نہ جانے ان میں کیا تھا۔

ہل لین نے پہلے مجھے گلے سے لگایا پھر زوالا اور ٹولو سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد لورین آگے بڑھی اور اس نے میرے گالوں کو بوسہ دیا۔

"لائٹر کا شعلہ یا گندھک کی رگڑ سے پیدا ہونے والی روشنی لمحاتی ہوتی ہے۔ لیکن وہ ایسی شعاعیں اور روشن کر دیتی ہے جو ایک عالم کو منور کر دیتی ہیں۔ ہم لائٹر کو یا ماچس کو اہمیت نہیں دیں گے بات اس شعلہ کی ہے۔ جو روشنی کرتا ہے۔ مسٹر سرفراز آپ اسی شعلہ کی حیثیت ہیں گو آپکے ساتھ گذرنے والا وقت مختصر تھا لیکن محبت کی جو شمعیں آپ نے روشن کی ہیں وہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں منور رہیں گی۔ خدا حافظ" لورین نے کہا۔ اور دوسری طرف رُخ کر لیا۔

"لورین"۔ میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ "میری طرف دیکھو۔"

"نہیں مسٹر سرفراز۔ میری آنکھوں پر پانی ہے۔ پانی روشنیاں بجھا دیتا ہے۔ میں آپ کے چہرے کی دمک قائم رکھنا چاہتی ہوں بس اب میں آپ کی طرف نہیں دیکھوں گی۔"

میں نے اپنے دل میں کوئی چیز نیچے کو سرکتی ہوئی محسوس

پھر میں نے اس جذباتی لڑکی کو مخاطب نہ کیا۔ ہل لین کی طرف جا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میرے ساتھیوں نے بھی میری تقلید کی۔ تب ہم نے آخری بار دونوں باپ بیٹوں کی طرف ہاتھ ہلائے اور گھوڑوں کو گہرائیوں کی طرف چھوڑ دیا۔

ہل لین کی دی ہوئی سوغات گھوڑوں پر تھیں۔ ہم وہاں سے کافی دور نکل گئے اور شام جھک گئی۔ ایک مختصر سے جنگل کے قریب ہم نے قیام گاہ بنائی اور رات وہاں گذارنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں سیاہ فام خوش تھے۔ انہوں نے شکار کیا، گوشت بھونا اور ہم تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ تب میں نے ٹولو سے کہا۔

"تم نے یہ رائفلیں دیکھیں ٹولو۔۔؟"

"یس باس۔ مسٹر ہل لین نے ہمارے اُوپر مہربانی کی ہے۔" "لیکن صرف دو۔؟"

"مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔"

"اُوہ۔ ٹولو آہستہ سے بولا۔ نظر تو نہیں آرہا ہے باس؟"

"آجائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ان رائفلوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

"انوکھی ساخت کی ہیں۔ میں نے پہلے نہیں دیکھیں؟"

"ان کی کارکردگی بھی انوکھی ہے۔"

"کیا مطلب باس۔؟"

"دیکھنا چاہتے ہو؟"

"ضرور۔"

"تب پھر آؤ۔" میں نے انہیں ساتھ لیا اور تھوڑے سے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ "کیا تم اس موٹے اور تناور درخت کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا چاہتے ہو؟"

"ہو ہو ہو۔ ٹولو بے تکے انداز میں ہنس پڑا۔ چاہوں تو کیا ہو گا باس؟"

"ہٹ جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب تو پھر یہ کلہاڑیاں ہوئیں۔ اور ہمارے دس دن یہیں ضائع ہو گئے۔ درخت بہت موٹا ہے باس۔ دس دن پہلے نہ کٹے گا" ٹولو نے مسخرے پن سے کہا۔

"بس یہی ان رائفلوں کی خوبی ہے۔ درخت کا نشانہ لو مگر اس کی زد سے ہٹ کر۔"

"مگر باس۔ کیا اس میں درخت کاٹنے والی گولیاں ہیں۔" ٹولو حیرت سے بولا۔

"تجربہ کرو۔ پھر بات کرنا۔"

"اچھا باس۔ مگر کمال کا تجربہ ہو گا یہ۔" ٹولو پیچھے ہٹا اور اُس نے درخت کے تنے کی طرف نشست باندھ لی۔ پھر اس نے عام انداز میں رائفل کا ٹریگر دبایا۔ زوں کی آواز نکلی اور سفید شعاع درخت کے تنے پر پڑی۔ ایک تڑاخہ ہوا اور تنے میں آگ لگ گئی۔ خاصے علاقے میں پھیلا ہوا درخت درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا تھا اور پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ دوسری طرف گر گیا۔

زوالا زور زور سے دعائیں پڑھنے لگا اور پھر اس نے عجیب سی اچھل کود شروع کر دی۔

"ارے نہیں۔ ارے نہیں زوالا۔ نہ باس کوئی بلا ہے نہ یہ بندوق شیطانی۔ باس یہ بھوت پریت کو بھگانے والی دعائیں پڑھ رہے ہیں۔" ٹولو ہنستے ہوئے بولا اور مجھے بھی ہنسی آگئی۔

"نہیں زوالا۔ ان ہتھیاروں سے تو ہم گولا کا کو شکست دیں گے۔ آؤ تم بھی لڑائی کرو۔" بمشکل تمام میں زوالا کو راضی کر سکا۔ ایک درخت اس نے بھی گرایا اور پھر دونوں مزے میں آگئے۔ انہوں نے کئی فائر کر کے درختوں میں آگ لگا دی۔ اور پھر رات ہم نے اسی روشنی میں بسر کی۔

اور دوسری صبح ہمارا رُخ رکشینے کی طرف تھا۔

زوالا کی کیفیت اچانک بدل گئی تھی۔ وحشی نوجوان اس سے قبل شاید گومگو کے عالم میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تین آدمیوں کی فوج رکشینے کو فتح کر سکے گی۔ کوئی اور ترکیب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہو گی۔ لیکن اب خود اپنے ہاتھ میں اتنی بڑی قوت دیکھ کر وہ مسرت سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔

ہم متعین کردہ راستے پر سست روی سے سفر کر رہے تھے ہمارے شاندار گھوڑے شایان شان سے چل رہے تھے۔ پھر ہم نے پہلا قیام کیا ٹولو اور زوالا گھوڑوں کی مالش کرنے لگے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے رات کے قیام کا انتظام کیا اور پھر ہم خوانخور جیبوں سے کھانا نکالنے لگے۔

ہل لین نے کھانے کا معقول بندوبست کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری چند چیزیں بھی تھیں جو مخصوص ضرورت پر کام آسکتی تھیں۔ مثلاً دوائیں وغیرہ۔ ہل لین اور لورین کے ذہن پر کافی اثر چھوڑا تھا۔ بیشک زندگی کے راستے میں عجیب ہوتے ہیں۔ ہم چلتے رہتے ہیں۔ مختلف کردار ہماری زندگی میں آتے ہیں۔ کچھ کردار اچھے ہوتے ہیں۔ کچھ بُرے۔ ہماری زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، خود بخود آنے والے کردار۔ لیکن ان کے سائے ہمارے ذہن پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ اور نہ جانے کب تک یادیں کسکتی رہتی ہیں۔

لورین اور ہل لین بھی ایسے کردار تھے ان جنگلوں میں جہاں انسانیت بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔ جہاں مہذب لوگوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہل لین جیسے شخص سے ملاقات ہوئی۔ کتنے عظیم مقاصد ہیں اس کے دل میں۔ کیسا عظیم جذبہ ہے۔

انسان کا ہمدرد۔ انسان کو، انسان دشمنی سے بچانا چاہتا ہے۔ سچی لگن کی ایک منہ بولتی تصاویر۔ اس کے دل میں اپنے جیسے انسانوں کا کتنا درد ہے۔ حالانکہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ کتنے لوگوں کو بچا سکتا

ہے لیکن ایک لگن ہے۔ ایک سچا جذبہ ہے۔ جو اسے ان ویرانوں میں کھینچ لایا ہے۔

"باس۔" نوبری آواز پر میں اُچھل پڑا۔

"ہوں ۔۔"

"کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو باس۔"

"کچھ نہیں ٹوبو۔ ہل لین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"سفید چمڑی والوں میں بھی ایسے انسان نکل آتے ہیں باس۔ ان کے بارے میں تو میری رائے کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔" ٹوبو نے کہا ۔۔ "ہل لین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ٹوبو؟"

"یہی کہہ رہا ہوں باس ۔۔ گوری چمڑی کے پیچھے عموماً سیاہ دل ہوتے ہیں۔ نہ جانے دشمن کے دل میں یہ سفیدی کہاں سے اتر آئی۔"

"بات چمڑی کی نہیں ہے ٹوبو۔ رنگ قدرتی ہوتے ہیں۔ انسان اگر انسان بن جاتا تو۔ آہ ٹوبو ۔۔ غور کرو۔ ساری دنیا کے انسان اگر ایک دوسرے کے بارے میں اسی طور سوچتے۔ ان کے دلوں میں صرف یہی جذبہ ہوتا کہ ہمارے خدا نے یہ حسین کائنات ہمیں بخش دی ہے اس نے ایک باغ ہمیں مرحمت کر دیا ہے جہاں سب کچھ موجود ہے۔ پھر اس نے اس باغ کی حفاظت ہمیں سونپ دی کہ یہ باغ ہمارے لئے ہے۔ ہم اسے جتنا خوشنما بنا سکیں۔ ٹوبو انسان اس انداز میں کیوں نہیں سوچتا۔ اس نے اپنی صلاحیتیں اپنے جیسے دوسرے انسان پر فوقیت لے جانے پر کیوں صرف کر دی ہیں۔ وہ انفرادی طور پر کیوں زندہ رہنا چاہتا ہے۔ وہ کیوں نہیں سوچتا کہ تنہا وہ کبھی اس زمین پر نہیں رہ سکتا۔ اسے تو قدم قدم پر پھول کھلانے چاہئیں وہ اس گلشن کا دشمن کیوں بن گیا ہے۔ کاش انسان صرف پیار کے جذبات رکھے۔ وہ جب بھی سوچے پیار بھرے انداز میں سوچے۔ وہ ان حسین رنگوں کو اور رنگین کرنے کے لئے کیوں نہیں سوچتا۔ تو بات صرف گوری چمڑی کی نہیں ہے۔ سینے میں چھپے ہوئے دل کی ہے۔"

"ہاں باس ۔۔" ٹوبو نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا "نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں سب انسان اپنے انداز میں کیوں نہیں سوچتے۔"

اور پھر زوالا کے گیت نے ہماری توجہ ہٹا لی۔

"میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ زوالا بہت خوش ہے" ٹوبو نے کہا۔

"ہاں باس۔ اس کی کیفیت بڑی دردناک ہے۔"

"اُوہ ۔ کیا مطلب"

"تم یہ گیت سمجھ رہے ہو یا نہیں۔"

"نہیں ٹوبو ۔۔ زبان بدلی سی ہے۔"

"تھوڑی سی۔ رکشینہ کی زبان میں لہجہ لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ غور کرو باس۔" ٹوبو نے کہا۔ اور میں زوالا کی زبان کے گیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ٹوبو نے مجھے افریقہ کے مختلف خطوں کی زبان اچھی طرح سکھادی تھی۔ اور اب اس سے روانی سے افریقی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ زوالا کا گیت اچھا تھا۔

"میری ماں ۔۔ تیری آغوش کیسی تھی۔

میں نہیں جانتا ۔۔

میں نے تجھے دیکھا بھی نہیں ۔۔ لیکن تیری خوشبو میرے بدن میں رہی۔ میں نے تجھے محسوس کیا۔

جب بھی میرے زنجیروں میں کسے بدن کو۔ سکون کی طلب ہوئی۔ کوئی میرے پاس نہ آیا ۔۔

میرے بدن کے چھپتے زخموں کو۔ مرہم کی طلب تھی۔

پھر جب آنکھیں بند ہوئیں ۔۔ تو ۔۔

ہمیشہ سکون کے لمس میرے پاس آئے۔ سفید لباس خوشبوئیں لئے ہوئے۔

دل نے کہا۔ یہ ماں ہے۔ یہ ماں ہے۔ یہی تو ماں۔

یہ تیری لمبی سیاہ انگلیوں نے میرے زخم سہلائے اور کافور ہو گیا ۔۔

ماں۔ زخموں کے نشانات مٹ گئے۔ ماں کی آغوش میں بہت ہوتا ہے ۔۔

ہمارا ایمان ہے۔

تب میری نگاہوں میں ۔۔ تیرا پیر تو جاگ اٹھتا ۔۔

الوشا ۔۔

میری بہن ۔۔

تیری شبیہ ۔۔

آہ کتنا مجبور تھا میں۔ کیسا بے بس تھا۔ دشمن کے ہاتھوں تیری تصویر ۔۔ زنجیروں میں تھی۔

تیرا پیر تو۔ پتھریلی دیواروں میں مقید تھا۔

سب پوچھتا تھا۔ سب جانتا تھا۔ لیکن دشمن کی نگاہ میری پر تھی۔ پھر دیوتا آئے دیوتا۔ ایک کالا ایک سفید۔

اور میں آزاد ہو گیا۔

ماں ۔۔ اب میں تیری تصویر آزاد کراؤں گا۔ میرے باپ سردار بزرگ۔ تیرے کندھوں سے قید کا جوا اتر جائے گا۔ ہم سب رہا ہو جائیں گے۔ آزاد ۔۔ دیکھ۔ سن آزادی کا گیت۔ آزادی کا رقص۔"

زوالا اچھلنے کودنے لگا۔ اس کے چہرے پر مسرت رقصاں تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ بے خود ہو گیا تھا۔ ساری دنیا کو بھول گیا اور میرے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے جن کا احساس بہت دیر بعد ہوا۔ ٹوبو نے بھی وہ آنسو دیکھ لئے تھے۔

"باس ۔۔" وہ آہستہ سے بولا اور میں چونک پڑا۔

"رو رہے ہو باس ۔۔" ٹوبو نے لرزتی آواز میں کہا:

"نہیں ٹوبو ۔۔ خوشی آنکھوں سے بہہ نکلی ہے۔ کیا اس" کی تمناؤں پر زندگی قربان نہیں کی جا سکتی۔ کیا اس کی خوشیاں لانے کے لئے جان نہیں دی جا سکتی ۔۔

"زندگی ۔۔ صرف ایک مقصد ہے باس۔ بے مقصد زندگی ان بادلوں کی مانند ہے جن کی شکلیں کوئی تاثر نہیں چھوڑتیں۔ بامقصد زندگی پھل آور درخت ہوتی ہے۔ جو توجہ کا مرکز ہوتا ہے ۔۔" ٹوبو نے کہا۔

"بیشک ٹوبو ۔۔ تو نے بڑی اچھی مثال دی۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا اور پھر میں کافی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے زوالا کو اپنے قریب بلایا۔

زوالا مسکراتا ہوا میرے پاس آ بیٹھا ۔۔ وہ بہت خوش تھا۔ "حکم دو باس۔ غلام زوالا کی ہڈیاں اور گوشت کس کام آ سکتا ہے ۔۔"

"ہڈیاں اور گوشت ۔۔ میرا خیال ہے یہ دونوں چیزیں رکشینہ کی حکومت کے لئے محفوظ رکھی جائیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اُوہ ۔۔ ہاہاہا۔" زوالا نے قہقہہ لگایا۔ "ہاں تم نے ٹھیک ہی تو کیا باس۔ بے جاؤں کولا کا جب راکھ کی ڈھیری میں بدل جائے گا۔ تو بہرحال رکشینے کے لئے کسی حکمران کی ضرورت ہوگی ہی۔"

"بالکل ۔۔ اور وہ حکمران تیرے علاوہ کون ہوگا زوالا۔"

"نہیں باس ۔۔ میرا باپ اب بھی مضبوط ہڈیاں رکھتا ہوگا ۔۔" زوالا نے کہا۔

"اس کے بعد سہی زوالا ۔۔ اس کے بعد تو۔ تم ہی رکشینے کے حکمران ہو گے۔"

"یہی سمجھ میں نہیں آتا باس۔" زوالا جھینپے ہوئے لہجے میں بولا

"کیا ۔۔ ؟"

"میں سردار بنکر کیسا لگوں گا؟"

"شاندار ۔۔ اتنا شاندار کہ رکشینہ کا کوئی سردار اتنا شاندار نہیں ہوگا" میں نے پیار بھری نظروں سے زوالا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں ۔۔" زوالا عورتوں کی طرح شرمانے لگا۔ ٹوبو بھی ہنس پڑا تھا اور ہم زوالا کے اس انداز میں دلچسپی لینے لگے۔

"آخر کیوں نہیں زوالا ۔۔" ٹوبو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم خود سوچو ۔۔ میں تو اب تک قیدی رہا ہوں۔ مجھے تو حکمرانی کرنا بھی نہیں آتی ۔۔"

"تمہارا باپ سکھا دے گا!"

"ہاں ۔۔ وہ دوسری بات ہے ۔۔ مگر !"

"مگر کیا ۔۔ ؟"

"حکمران تو بہت سخت ہوتا ہے۔ جیسے کولا کا۔ بولا چہرہ ۔۔" زوالا نے دونوں گال پھلا لئے۔ نیوں آنکھیں۔ اس نے دونوں آنکھیں باہر نکال دیں اور پھر چیخ کر بات کرنے والا ہر ایک سے نفرت کرنے والا۔ سب ہی تو اس سے ڈرتے ہیں ۔۔ مجھ سے تو اگر کوئی ڈر سے بات کرے تو میں اسے کھینچ کر گلے سے لگا لوں گا۔ بھلا ان مظلوم انسانوں کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اصل حکمران تو، تو ہی ہے زوالا ۔۔ وہ سب تو وحشی ڈاکو ہوتے ہیں جو اس انداز سے حکمرانی کرتے ہیں تیری حکمرانی تو سب سے اچھی ہوگی!"

"تو ۔۔ اس طرح بھی حکمرانی چل جاتی ہے۔"

"ہاں۔ حکمران بھی انسان ہوتا ہے۔ وہ آقا نہیں خادم ہوتا ہے۔ سب کا خادم اسے دینی ذمہ داریاں پوری کرنا ہوتی ہیں۔"

"خدمت تو میں خوب کروں گا باس ۔۔ مگر" اچانک زوالا کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔

"مگر کیا ۔۔ ؟"

"مگر یہ سب ۔۔ یہ سب اس وقت ہو سکتا ہے باس۔ جب میرا باپ اور بہن مل جائے گی۔"

"وہ دونوں ضرور مل جائیں گے زوالا ۔۔" میں نے اسے تسلی دی ۔۔ "اس سے پہلے میں کچھ نہیں سوچ سکتا باس ۔۔ اس سے پہلے مجھے کچھ سوچنا بھی نہیں چاہئے مجھے قبیلے کی سرداری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس میرا باپ اور میری بہن مل جائے۔"

"وہ دونوں ضرور مل جائیں گے زوالا۔" میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ اور ہم دونوں بھی اس کی اچانک اداسی سے اداس ہو گئے۔

کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر میں نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ "رکشینے کا راستہ تمہاری نگاہوں میں ہے زوالا؟"

"کیوں نہیں باس ۔۔ یقیناً ہے۔"

"یعنی اس جگہ سے تم اس کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہو؟"

"یقیناً ۔۔"

"تمہارے خیال میں وہ یہاں سے کتنی دور ہوگا؟"

"اگر کل صبح ہم ۔۔ سورج نکلنے پر سفر شروع کریں اور سورج کے ساتھ سفر کرتے رہیں تو سورج جب سر سے گذر کر آسمان کی نچلی سطح تک پہنچے گا۔ تب ہم رکشینے میں ہوں گے۔"

"گھوڑوں پر بھی سفر اتنا طویل ہوگا۔" میں نے تعجب سے کہا

"میں گھوڑوں کی بات نہیں کر رہا باس۔" زوالا سادگی سے بولا ۔۔ "اُوہ ۔۔ لیکن ہم تو گھوڑوں پر چلیں گے۔"

"میں کبھی گھوڑے پر نہیں چلا باس۔" زوالا نے جواب دیا اور ایک بار پھر اس کی سادگی پر پیار آ گیا۔

"بہرحال پیدل سفر اتنا ہے تو گھوڑوں کا سفر اس سے چوتھائی بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ ہم دوپہر کے بعد سفر شروع کریں گے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"دوپہر کے بعد کیوں چیف ۔۔" ٹوبو نے پوچھا۔

"تاکہ سورج چھپے رکشینہ پہنچیں۔"

"اُوہ — ! ٹوبو نے گردن ہلائی — اس کا مطلب ہے کہ باس تم نے دل میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔

"ہاں ٹوبو — میرے ذہن میں ایک اور پروگرام ہے۔"

"کیا باس — ؟"

ہم چاہیں تو اب ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ براہ راست کولاکا کو چیلنج کردیں — مجھے یقین ہے ٹوبو کہ کولاکا کتنی ہی قوت لیکر آجائے ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔ لیکن اس طرح یہ ہو سکتا ہے کہ کولاکا گھبراہٹ میں زوالا کے باپ اور بہن کو کوئی نقصان پہنچائے سب سے پہلے ہمیں رکھشنبہ جاکر خاموشی سے اس قید خانے کا پتہ چلانا ہے جہاں وہ دونوں قید میں ہیں۔"

پہلے انہیں قبضہ کرلیا جائے۔ اس کے بعد کولاکا سے نمٹ لیں گے۔ "ونڈرفل باس — عمدہ ترکیب ہے۔"

"اس لئے رات کو وہاں پہنچنا ہی مناسب ہوگا۔"

"بالکل باس —"

"زوالا خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا —

"کیوں زوالا — ؟ پروگرام ٹھیک ہے نا۔"

"بالکل ٹھیک باس۔"

چنانچہ اب سو جاؤ — میں نے کہا اور ہم سب سونے کے لئے لیٹ گئے۔ کون سویا کون جاگا۔ یہ بات تو مجھے نہیں معلوم۔ البتہ رات کو جب آنکھ کھلی۔ زوالا کو کروٹ بدلتے دیکھا۔ میں اس کے دل کی کیفیت جانتا تھا لیکن میں نے اُسے خیالات کی دنیا سے نکالنا مناسب نہ سمجھا — تب صبح ہوگئی ٹوبو بھی جاگ گیا — سب سے گہری نیند وہی سویا تھا۔ ظاہر ہے اس مست آدمی کو کسی بات کی پرواہ ہی نہیں تھی —!"

"ہم سب ضروریات سے فارغ ہوگئے اور پھر مختلف تفریحی مشاغل میں حصہ لیتے رہے — زوالا کھویا ہوا تھا — نہ جانے کس طرح اس نے بقیہ وقت گذارا۔ اور پھر مقررہ وقت پر ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر رکھشنبہ کی طرف چل پڑے۔

"ٹوبو — میں نے راستے میں ٹوبو کو پکارا — ؟

"یس باس —"

"تم نے کبھی یہ بستی دیکھی ہے — ؟"

"نہیں باس۔ بس اس کے بارے میں سنا تھا —

"علاقے سے واقف ہو — ؟

"تھا — اب نہیں ہوں —"

"اُوہ میں نے گردن ہلائی —

کیوں باس — یہ کیوں پوچھ رہے تھے۔

"بس ایسے ہی — میں چاہتا ہوں کہ ہم لمبا راستہ طے کرکے اس کے عقبی حصے میں پہنچ جائیں — سامنے کے حصے میں اس طرح جانا مناسب نہیں ہوگا۔

"ٹھیک ہے باس — جیسا تم کہو گے۔"

"زوالا سے بات کرو — میں نے کہا اور ٹوبو نے زوالا کو مقصد اچھی طرح سمجھا دیا۔

"گھوڑے برق رفتاری سے دوڑ رہے تھے۔ اور تقریباً گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ایک پہاڑ کے دوسری جانب چوڑی ندی کے قریب پہنچ گئے — یہ ندی زیادہ گہری نہیں تھی۔ شفاف پانی اس کی تہہ نظر آرہی تھی لیکن چوڑی بہت تھی زوالا نے اپنا ندی میں ڈال دیا، اور کسی قدر سست رفتاری سے ہم نے ندی کا چوڑا پاٹ طے کیا۔

دوسرے کنارے پر جاکر زوالا نے گھوڑا روک لیا شام آئی تھی۔ سورج کی نارنجی کرنیں۔ اب افق کے آخری سرے پر رنگ بکھیرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھیں — تاریکی کے عفریت کے محیط دہانے میں سورج کا گولہ آدھے سے زیادہ داخل ہو چکا تھا اور وہ کسی خوفناک اژدہے کی مانند اپنے شکار کو تیزی سے نگلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"باس — زوالا نے مجھے پکارا —"

"ہاں زوالا — رک کیوں گئے۔"

اگر ہم سیدھے چلتے رہیں باس تو تھوڑی دیر میں رکھشنبہ پہنچ جائیں گے — لیکن وہ اس کے سامنے کا رُخ ہوگا۔

"مگر ہم سامنے سے ہی نہیں جائیں گے زوالا۔

"ٹھیک ہے باس۔ تب ہمیں اس ندی کے کنارے کنارے سے ایک چکر کاٹنا ہوگا۔ اس طرح ہم آگے سے جب گھومیں گے تو وہ رکھشنبہ کی پشت ہوگی۔ اور باس چونکہ پشت پر ناقابل عبور پہاڑ اور پہاڑوں کی دوسری جانب کوئی قبیلہ آباد نہیں بس وہاں کی زمین دلدلی ہے اس لئے اس طرف سے بستی والوں کو کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا چنانچہ وہاں پہرہ بھی نہیں ہوتا زوالا نے بتایا —

"تب پھر ٹھیک ہے زوالا — وہ ہی جگہ عمدہ ہے۔ میں نے کہا۔

اور گھوڑے گاڑی کے کنارے کنارے دوڑنے لگے۔

"زوالا کی کیفیت کا اندازہ کر رہے ہو ٹوبو — !

"ہاں باس — ٹوبو نے ٹھنڈی سانس لی۔ طویل عرصہ سے جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہا تھا — میرا تو خیال ہے اتنا عرصہ اس انداز میں گذارنے کے بعد آدمی کو خود کو آدمی سمجھنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے پھر اس کے دل میں تو ایک لگن تھی اور یقین تھا کہ یہ لگن کبھی پوری نہ ہوگی۔ اور جب ہم مایوسی کی حدوں کو چھو لیتے ہیں — اس چیز سے نا اُمید ہو جاتے ہیں جو ہماری طلب ہوتی ہے پھر اس کے ملنے کے امکانات اتنے نزدیک آجائیں تو یقین آنے میں بڑی دشوار یاں پیش آتی ہیں باس —"

"ٹھیک کہتے ہو ٹوبو — میں نے کہا

"زوالا بھی اسی کشمکش میں گرفتار ہے لیکن مجھے یقین ہے باس کہ اس کا اچھا وقت شروع ہوگیا ہے —

"بالکل — ہم اس کے لئے آخری کوشش تک کر ڈالیں گے۔

بالآخر ندی کے بعد سے شروع ہونے والا موڑ آگیا — سامنے ہی زوالا کی بتائی ہوئی بلند و بالا پہاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ جن کے دوسری جانب بقول زوالا کے خوفناک دلدل تھی اور اب رات ہو چکی تھی — ایک جگہ میں نے گھوڑے کی رفتار سست کی اور اُن دونوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔ دونوں گھوڑے میرے گھوڑے کے قریب آکر رک گئے — "

بستی میں داخل ہونے کے بعد ممکن ہے ہمیں کچھ ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے کہ ہم مصروفیت کا وقت گذاریں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ کچھ کھا پی لیا جائے — "کیوں زوالا — ؟ میرا خیال ہے تمہارے کہنے کے مطابق بستی زیادہ دور نہیں ہے —

"ہم قریب پہنچ چکے ہیں باس — بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ ہے۔"

"پھر میرے مشورے کے بارے میں کیا رائے ہے۔"

"بالکل مناسب باس — ٹوبو گھوڑے سے اُتر پڑا۔ زوالا بھی جلدی سے گھوڑے سے اُتر آیا۔

ہم نے وہاں رک کر کھانا کھایا — کچھ دیر انتظار کرتے رہے اور اس کے بعد بستی کی جانب سفر شروع کردیا۔ فاصلہ واقعی بہت کم تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آئیں۔

"یہ رکھشنبہ تھا —"

گھوڑوں کی رفتار سست کردی گئی۔ زوالا کی آنکھیں مشعلوں کی طرح چمک رہی تھیں اس کے چہرے پر بڑے عجیب تاثرات تھے۔ طویل عرصہ کے بعد اس نے اپنی بستی کی روشنیاں دیکھیں تھیں۔ تب ہم نے بستی کے پہلے مکان کا رُخ کیا —

گول چھت کا اُونچا جھونپڑا۔ ہمارے نزدیک آتا گیا چاروں طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ بستی والے سو چکے تھے۔ ہم نے گھوڑے جھونپڑے سے کچھ دور چھوڑ دیئے — ان کی لگامیں پتھروں سے دبا دی گئی تھیں — اور پھر ہم تینوں جھونپڑے کی طرف بڑھ گئے بانسوں کا دروازہ بند تھا۔ بائیں سمت احاطہ تھا جس میں بھیڑیں بند تھیں اور اس کے قریب ہی دو گھوڑے رسی سے بندھے بیٹھے تھے گویا جس کا یہ مکان تھا وہ صاحب حیثیت تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر بانس کا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور پھر میں آہستہ سے ٹوبو سے بولا۔ "تو جانتا ہے ٹوبو — اندر سے آنے والے سے تجھے کیا گفتگو کرنا ہے — تیری گڑھی ہوئی کہانیاں واقعی خوب ہوتی ہیں :

"بے فکر رہو باس — سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا ٹوبو نے کہا اور دروازہ زور سے کھٹکھٹایا — تب اندر سے ایک بوڑھی غراہٹ سنائی دی۔

"کون ہے اس وقت آنے والا — یہ سب بڑے غیر ذمہ دار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بھلا یہ بھی دروازہ بجانے کا وقت ہے ٹھہرو بے وقوف اس طرح دروازہ نہیں بجاتے۔ کیا تم اسے توڑنے کے خواہشمند ہو اور پھر کسی نے دروازہ کھول دیا۔

"کون ہے — کیا چاہیئے —

"ہم کچھ دینے آئے ہیں لینے نہیں — ٹوبو مخصوص آواز بنا کے بولا۔ "تو ہے کون مدبر — ؟ اور کیا دینے آیا ہے — بوڑھے نے پوچھا

"میں تنہا نہیں ہوں — کچھ اور بھی ہیں جو میرے ساتھ ہیں۔

"مگر تم سب ہو کون —"

"سکون کے تاجر — ہم تمہارے لئے سکون لائے ہیں۔

"اتنی رات گئے سکون صرف بستر پر آتا ہے — تم تو یوں کہو کہ سکون چھیننے والوں میں سے ہو اور اب جلد کا ہے بتادو کیوں آئے ہو — ؟ ارے ہاں — میری بینائی اب ایسی کمزور تو نہیں کہ تمہاری شکل نہ دیکھ سکوں — مگر تم اس بستی کے تو نہیں ہو — ؟ اور ہاں دوسرے کہاں ہیں جن کا تم نے ذکر کیا —

بوڑھا ایک قدم آگے بڑھا اور اُس نے زوالا کی اور میری شکل دیکھی — سب کے سب اجنبی — ہاں دیوتاؤں کی قسم ان میں ایک شکل بھی ایسی نہیں جسے پہلے دیکھا ہو — ارے کیا تم لوگ اس بستی میں نہیں رہتے —

"بابا اوکاس — زوالا عجیب سے لہجے میں بولا۔

"ہاں — میں ہی ہوں — مگر تم لوگ میرے پاس کیوں آئے ہو — اُوہ۔ میں سمجھا — مگر میں اس وقت کہیں جاؤں گا نہیں۔ اسے یہیں لے آؤ جسے سانپ نے کاٹا ہے۔

"وہ میں ہوں بابا — زوالا نے درد بھری آواز میں کہا۔

"ارے اُوہ — تب اندر آجاؤ۔ مگر خوب۔ بہت خوب جوان یعنی تمہیں سانپ نے کاٹا ہے۔ اور تم اپنے قدموں سے چل کر یہاں تک آئے ہو۔ واہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے کسی کا سہارا بھی نہیں لیا — مگر احمق لڑکے اندر تو آؤ — وہاں کیوں کھڑے ہو۔ تم دونوں بھی اندر آجاؤ —

"بوڑھا راستے سے ہٹ گیا اور ہم تینوں اندر داخل ہوگئے۔

"کب کاٹا تھا — بوڑھے نے پوچھا۔ میرا مطلب ہے کتنی دیر گذر گئی — "بارہ سال پہلے بابا — زوالا نے اسی انداز میں کہا۔ اور بوڑھا چلتے چلتے رک گیا۔

"کیا — ؟ اس نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ بارہ سال پہلے۔ یاد کرو بابا —

"شیطانو — مذاق کرنے آئے ہو — ؟ بوڑھا دھاڑا۔

"مشعل قریب لاؤ بابا — میری شکل دیکھو۔ کیا تمہاری بینائی پر اثر پڑا ہے۔ مجھے غور سے دیکھو۔ زوالا نے کہا۔ اور بوڑھا اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک طرف دیوار میں لگی مشعل اتاری اور اسے زوالا کے چہرے کے قریب لایا۔ اور پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"اور وہ سانپ کون تھا — ؟

"کولاکا — زوالا نے جواب دیا۔ تب بوڑھے نے زوالا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تو زوالا ہے — ؟

"ہاں بابا — زوالا نے جواب دیا — اور بوڑھے نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ کئی منٹ تک وہ زوالا کو سینے سے لگائے رہا۔ پھر بولا۔

آؤ — جلدی سے اندر آجاؤ — تم دونوں بھی آؤ میرے بچو — مگر — یہ — یہ کون ہے۔ یہ افریقی تو نہیں معلوم ہوتا۔

"بڑا نہر دل کا مالک۔ میرا آقا — میرا دوست۔ زوالا نے کہا — "اوہ — آجاؤ — آجاؤ۔ گیتا را — سوئیلا، اٹھو۔ جلدی جاگو دیکھو کون آیا ہے — اس نے جھونپڑے میں داخل ہو کر کہا — اور سوتی ہوئی دو لڑکیاں اور ایک بوڑھی عورت آنکھیں ملتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔

"کون ہے"۔ بوڑھی نے پوچھا۔

"بیزک کا بیٹا زوالا۔

"زوالا — بوڑھی کے ساتھ دونوں لڑکیاں بھی چونک پڑیں۔"

"ہاں بیزک کا بیٹا — مرشالہ کی پیشن گوئی۔ کولاکا کی ضد۔ بوڑھے نے جواب دیا —

تینوں عورتیں زوالا کی طرف لپکیں۔ اور پھر بوڑھی کپکپاتی آواز میں بولی۔ اوکاس۔ اسے دیکھو۔ غور سے دیکھو اوکاس، بیزک پھر جوان ہو گیا ہے۔ دیکھو بیزک اتنا ہی جوان ہے — آہ۔ مرشالہ نے کیا غلط کہا تھا۔ دیکھ لے ظالم کولاکا۔ مرشالہ کی کوئی پیشن گوئی کبھی غلط نہیں ہوئی —

"ہاں — میری آنکھیں رات کی تاریکی میں اسے نہیں پہچان سکی تھیں۔ لیکن مشعل کی روشنی میں، میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ تو واقعی بیزک کی جوانی ہے۔ اوکاس نے کہا۔

"آؤ — میرے بچو۔ کیسے نصیب کی بات ہے کہ تم نے میرے گھر کو روشنی بخشی — اس بستی میں کب آئے۔ اوہ میں بھی کیسی احمق ہو گئی ہوں۔ ارے لڑکیو! آنکھوں سے نیند بھگا دو۔ جاؤ ان کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔

"ہم کچھ نہیں کھائیں گے ماں — ہم کھا چکے ہیں"۔ زوالا بولا۔

"اوہ۔ تب بھیڑ کا گرم دودھ لاؤ۔ ان تینوں کے لئے۔ عورت نے بیٹیوں سے کہا۔ اور دونوں لڑکیاں باہر نکل گئیں۔

"بستی میں کب آئے میرے بچے۔ اوکاس نے پوچھا۔

"ابھی کچھ لمحے پہلے۔"

"اوہ — تو کیا تم نے پہلی بار میرے جھونپڑے کو رونق بخشی ہے"

"ہم سیدھے یہیں آئے ہیں۔"

"میرے نصیب۔ بوڑھے نے خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ ہمیں پناہ دیں گے بابا — ؟

"پناہ — تم پناہ کی بات کیوں کہتے ہو میرے بچے۔ بوڑھا اوکاس تم پر جان قربان کرنے کو تیار ہے۔ بھول گئے زوالا، میں نے تمہیں آغوش میں پناہ دی ہے۔

"مجھے یاد ہے بابا۔ اسی لئے تو میں نے ایک نگاہ میں پہچان لیا تھا حالانکہ تمہارا کرال پہلے یہاں نہیں تھا۔

"ہاں مجھے شبہ کی بنا پر ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور میرا کرال بستی کے عقب میں ڈال دیا گیا — نہیں — بوڑھے اوکاس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی — لیکن دیوتاؤں کے کھیل، وہی باتیں۔ اب یوں سمجھو — میرا کرال اس لئے پیچھے لایا گیا تھا کہ — بیزک کی آنکھوں کی بینائی اس میں پناہ لے۔

"بابا — عظیم بابا — تیرے محبت بھرے الفاظ۔ میرے لئے عظیم قیمت رکھتے ہیں۔ بابا — برسوں سے میں نے محبت کے الفاظ نہیں سنے تھے۔ لیکن میری محرمیوں کا وقت ختم ہوا تو اس طرح — کہ میں صرف محبت کرنے والوں میں رہ گیا۔ زوالا بوڑھے اوکاس سے لپٹ گیا۔

میں اور ٹوبو خاموش تھے۔ اور پرسکون انداز میں ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

تب لڑکیاں دودھ کے برتن لے آئیں۔ جن سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ انہوں نے وہ برتن ہم تینوں کو پیش کر دیئے اور دودھ اس وقت کافی لذیذ محسوس ہوا۔

"اور تم میرے دوستو۔ تم میرے زوالا کے ساتھی ہو۔ میں تمہاری اس محبت، تمہاری دوستی کو سلام کرتا ہوں۔ میں تمہارا شکر گذار ہوں۔ مگر سیاہ نوجوان تم کون ہو —

"انہیں علاقوں کا باسی — میرا نام ٹوبو ہے۔"

"اور باہر کے اجنبی — تم کون ہو؟

"ایک آوارہ گرد — میرا نام سرفراز ہے۔

"اور میرا آقا — ! ٹوبو جلدی سے بولا۔

"اور میرا بھی — زوالا نے کہا۔

"اوہ — اس کا مطلب ہے کہ سفید اجنبی ایک پسندیدہ شخصیت ہے۔ بوڑھا مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے کانوں نے زوالا کے کامیاب سنی ہے۔ میری آنکھوں نے کولاکا کا اضطراب دیکھا ہے اور بھی بہت کچھ ہوا ہے۔ کاش میں جان سکوں۔ کاش میں سمجھ سکوں۔

"ہم یہاں سکون کی رات گذار سکیں گے بزرگ اوکاس۔ ؟ میں نے پوچھا۔

"یہ سوال نہ کرو۔ آہ۔ یہ سوال نہ کرو — !

"آپ بیحد نیک دل اور مہربان ہیں۔ اگر ہمیں آپ کے آرام کا خیال نہ ہوتا۔ تو ہم آپ سے بہت سی باتیں کرتے۔

"آرام — زوالا آ گیا ہے۔ آرام کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اور خوشیوں کی رات۔ سونے کی رات نہیں ہوتی۔ بوڑھے نے خلوص سے کہا — "تمہارے لئے نیک شگون ہے زوالا۔ کہ بستی میں داخل ہوتے ہی تمہاری ملاقات، ایک ایسے انسان سے ہوئی ہے جو تمہارا ہمدرد ہے — اور تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔

"ہاں — اب تو خوش بختی سمیٹے نہیں سمٹ رہی۔ میرے دونوں ہاتھ بھر گئے ہیں۔ زوالا نے کہا۔

"قابل احترام بزرگ اوکاس — آپ سے گفتگو بیحد ضروری ہے میں آپ سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے قبل آپ اگر کچھ پوچھنا چاہیں تو پوچھ لیں۔

"یقیناً! بوڑھے اوکاس نے کہا۔ پھر بولا۔ زوالا کے فرار کی خبر عام نہیں ہے۔ لیکن مخصوص لوگ جانتے ہیں کہ کولاکا پر نیم بدحواسیاں طاری ہیں۔ اس نے ان لوگوں کو قید کر لیا ہے — جو زوالا کے فرار کی اطلاع لائے تھے۔ اور اس کے بعد سے اس پر چین حرام ہو گیا ہے۔ مجھے یہ بات محافظ دستے کے ایک جوان نے بتائی جو میرا معتقد ہے۔

"بہت خوب! میں نے گردن ہلائی۔

"اجنبی نوجوان — کیا اس فرار میں تو نے زوالا کی مدد کی تھی؟"

"نہیں — زوالا خود فرار ہوا تھا۔ لیکن اس کا تعاقب کرنے والے اس پر دوبارہ قابو پانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ لیکن میں نے اور میرے دوست نے اس کی مدد کی اور پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ زوالا کو اس کی حکومت واپس دلائیں گے۔

"مرشالہ حق گو تھا — بلاشبہ مرشالہ حق گو تھا۔ ٹوبو نے عقیدت اور افسوس سے کہا۔

"اور کوئی سوال بزرگ۔۔۔ ؟

"نہیں میرے بچے — سوال تمہارے ضروری ہیں۔ کیونکہ تم ایک اہم مشن پر آئے ہو۔

"تم اس علاقے کے پرانے آدمی ہو۔ مجھے ابتدا سے تفصیل بتا سکو گے؟

"ہاں بہت سی اہم باتیں میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ میں تمہیں بہت کچھ بتاؤں گا! ٹوبو نے کہا۔

"تب میں تمہیں ماضی میں لیجاؤں گا اوکاس مجھے اس وقت کی باتیں بتاؤ۔ جب کولاکا نے بیزک کو گرفتار کیا تھا۔

ممکن ہے کولاکا کے بارے میں زوالا نے مجھے تفصیل نہ بتائی ہو۔ یوں جان کہ کولاکا۔ اپنی ماں کی ناجائز اولاد ہے۔ اس کا باپ نامعلوم ہے یعنی وہ اپنے نام کے ساتھ اپنی ولدیت نہیں بتا سکتا اور اسی بات نے اسے سخت جنونی بنا دیا۔ اس کے نانا اور نانی نے اسے پرورش کیا۔ کیونکہ ناجائز پیدائش کے سلسلہ میں قبیلے کے سردار نے اس کی ماں کو موت کی سزا دیدی تھی لیکن اس کے نانا اور نانی نے کہا کہ بچہ بے قصور ہے۔ اور اس بات کو تسلیم کر لیا گیا —

"کولاکا کو جوان ہونے کے بعد یہ بات معلوم ہوئی۔ اس کے سینے میں نفرت کا لوتھڑا تھا۔ وہ ہر انسان سے نفرت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ چالاک اور ظالم بھی تھا اس نے خفیہ طور پر اپنی قوت بڑھائی — اسے احساس تھا کہ بیزک کے باپ نے اس کی ماں کو موت کی سزا دی تھی۔ چنانچہ ایک رات اس نے موقع پا کر بیزک کے خلاف بغاوت کی اور اسے گرفتار کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ شاید اس جیسی ناجائز اولاد کا ایک گروہ تھا جو بیحد ظالم تھا۔ انہوں نے ظلم و بربریت کے ایسے نمونے پیش کئے کہ لوگ دہل کر رہ گئے۔

ایک اکثریت بیزک کی ہمدرد تھی۔ لیکن جس نے بیزک کی ہمدردی میں ایک لفظ کہا۔ اس کی زبان باہر نکال لی گئی۔ چنانچہ لوگ خاموش ہو گئے۔ اور آہستہ آہستہ کولاکا نے اپنی حیثیت مضبوط کر لی۔

زوالا اس کی قید میں تھا۔ بیزک اور الوشا بھی اس کی قید میں تھے۔ کسی سردار کو زندہ رکھ کر قید رکھنا۔ فاتح کے لئے بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے اور بیزک ہر سال اپنے قیدیوں کی نمائش کرتا ہے۔

"لیکن اب لوگوں میں ہمت نہیں کہ بیزک کے لئے رحم کا ایک لفظ بھی کہیں — بوڑھا خاموش ہو گیا اور ہم اور ٹوبو کافی دیر تک اس کہانی میں کھوئے رہے۔ پھر میں نے پوچھا۔

"تم کولاکا کی نظروں میں کچھ مشکوک ہو گئے ہو بابا۔"

"میں بیزک کے وفاداروں میں تھا۔ گو میں نے کولاکا کے سامنے زبان نہ کھولی۔ لیکن کولاکا پھر بھی مجھ سے خوش نہ تھا اور۔ اس نے مجھے صرف یہی سزا دی کہ بستی کے آخری سرے پر پہنچا دیا۔

"مرشالہ کون تھا —"

"ایک بوڑھا غیب داں۔ اس کی پیشگوئیاں درست ہوتی ہیں۔

"اور اس نے کوئی پیشن گوئی کی تھی۔۔۔ ؟

"ہاں۔"

"کیا پیشگوئی تھی وہ — "

"اس نے اپنے الفاظ پوشیدہ رکھے تھے۔ کہا تھا اس نے کہ سردار کولاکا کا سورج غروب ہوتا ہے۔ تاریکیاں ضرور پھیلتی ہیں۔ سو ایک نیا سورج نکلے گا۔ اس وقت تو مغرب میں ہوگا۔ اور پھر کبھی نہ ابھرے گا۔ تب — کولاکا نے مرشالہ کا سر اس مانند توڑ دیا جیسے انڈا ٹوٹتا ہے اور وہ آواز نکالے بغیر مر گیا۔

"ہوں — میں نے پر خیال انداز میں کہا۔ آخری بات بابا۔

"ضرور میرے بچے — ضرور۔

"الوشا اور بیرک کہاں قید ہیں؟"

"اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ لیکن سنو آج سال کے ختم ہونے میں صرف تین دن باقی ہیں تیسرے دن کولاکا اپنی فتح کے نشان کی نمائش کرے گا۔ یعنی وہ الوشا اور بیرک کو عوام کے سامنے لائے گا۔ تم اس دن ان دونوں کو دیکھ سکو گے۔"

"اوہ — یہ بھی دلچسپ اتفاق ہے۔" میں نے کہا

"ہاں —"

"کیا وہ زوالہ کے خوف کے ڈر سے اپنا مشغلہ ملتوی تو نہیں کر دے گا —؟" میں نے کہا۔

"کولاکا دیوانہ ہے۔ وہ ایسا نہیں کرے گا۔"

"تب ہمیں ضرور انتظار کرنا چاہیئے زوالا —" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"یس باس کی مرضی سے جدا کب بیٹھا۔" زوالا نے جواب دیا۔

"لیکن ہم یہ تین دن کہاں گذاریں گے؟"

"اوکاس کے جھونپڑے میں ٹھہرے رہو — یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" بوڑھے نے پیش کش کی۔

"لیکن تمہیں تکلیف ہوگی بابا —"

"مجھے ذلیل مت کرو —" بوڑھا اوکاس خود کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ بے بس تھا اور اس نے دیکھا تھا کہ جس نے بیرک کے لئے کچھ کرنے کی کوشش کی وہ موت کا شکار ہو گیا — میں نے سوچا وقت کا انتظار کروں اور کسی مناسب وقت میں بیرک کے لئے جان دوں سو آج میں تیار رہتا —

"تیرا جذبہ عظیم ہے بیرک کے دوست —" میں نے عقیدت سے کہا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی بقیہ رات آرام کرو۔"

"کیا ہم پوشیدہ رہ سکیں گے —؟"

"مکمل طور سے —"

"لیکن باہر ہمارے گھوڑے بھی موجود ہیں۔"

"اوہ —" بوڑھے نے گردن ہلائی — کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا "کیا وہ گھوڑے غیر معمولی ہیں —"

"ہاں یقیناً —" سب نے جواب دیا —

وہ کچھ دیر سوچتا رہا — پھر اس نے گردن ہلائی۔ "ٹھیک ہے میں نے ترکیب سوچ لی ہے۔"

"کیا —"

"میں دونوں رات تینوں گھوڑے۔ اپنے تین عقیدتمندوں کے حوالے کر دیتا ہوں۔ انہیں کوئی کہانی سنا دوں گا۔ وقت پر ہم ان سے گھوڑے لے لیں گے۔"

"مناسب۔" اس نے کہا۔

"بس تو میں چلتا ہوں — اور ہاں لڑکیوں تم مردار نے اپنی بیوی سے کہا۔ بڑے مہمانوں کے لئے جھونپڑا خالی کر دو۔ کیا تم کوئی تکلیف محسوس کرو گی۔"

"ہرگز نہیں —" دونوں لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"سب باہر جاؤ — مہمانوں کو آرام کرنے دو۔ تم آرام سے سو، میرے بچو — اور ہاں — یہ اپنی بندوقیں یہیں چھپا لو انوکھی شکلیں ہیں ان کی۔" بوڑھے نے کہا۔ لڑکیوں نے ہمارے آرام کے لئے جگہیں بتا دیں۔ اور پھر وہ سب باہر نکل گئے۔ بوڑھے نے چلتے ہوئے ہم سے گھوڑے کا پتہ پوچھ لیا تھا۔

ٹوبو، میں اور زوالہ نزدیک ہی نزدیک لیٹے ہوئے تھے رات کافی گذر چکی تھی۔ لیکن نیند ہماری آنکھوں سے دور تھیں میں نے محسوس کیا کہ سب جاگ رہے ہیں۔ تب میں نے زوالا کو آواز دی۔

"زوالا —"

"یس باس۔" زوالا نے جلدی سے کہا۔

"نیند نہیں آرہی —؟"

"نیند —" زوالا نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہاں —"

"نیند کیسے آئیگی۔" باس۔

"ہاں مجھے احساس ہے — ویسے زوالا، تم اوکاس کو اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں باس —"

"قابل اعتماد ہے۔"

"ہاں باس۔ اس نے بچپن میں میری پرورش میں حصہ لیا ہے۔"

"گویا قابل اعتماد ہے۔"

"یقیناً۔"

"ٹھیک ہے۔ بہر حال ہمارے لئے بڑی حوصلہ افزا باتیں ہیں۔ یوں سمجھو۔ یہاں آنے کے بعد جو سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ وہ حل ہو گیا ہے۔"

"کون سا مسئلہ باس۔" ٹوبو نے درمیان میں دخل دیا۔

"ہمارے پاس گو بہت کچھ ہے ٹوبو — لیکن اس کے باوجود یہ دشمنوں کی بستی ہے۔"

"یقیناً —"

"ہمیں یہاں آتے ہی تو جنگ نہیں شروع کرنا تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"میرے ذہن میں کچھ اور خیال تھا۔"

"وہ کیا باس۔"

"میں نے سوچا تھا کہ — اس جھونپڑے میں جو بھی ہوگا۔ اسے قیدی بنا لیں گے اس جھونپڑے پر قبضہ کر لیں گے بلکہ اگر ضرورت پڑی تو ان لوگوں کو قتل کر دیں گے۔ لیکن ان ساری باتوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کے علاوہ بہر حال ہر قدم ہمارے خلاف بھی ہو سکتا تھا اور خطرناک بھی۔"

"ہاں باس۔"

"ایسی صورت میں ہمیں زوالا کے ایک ہمدرد کا مل جانا یوں سمجھو ہمارے لئے نیک شگون ہے۔"

"اچھا ہوا ٹوبو، بہت ہی اچھا ہوا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی باس۔" ٹوبو نے کہا۔

"کیا —؟"

"ہمارے پاس بہترین قوت ہے، میں نے ایسی خوفناک بندوقیں نہیں دیکھی تھیں، لیکن تم اس کے باوجود احتیاط سے کام لے رہے ہو — آخر کیوں؟"

"تم خود غور کرو ٹوبو۔"

"نہیں سمجھ سکا باس۔"

"میرا خیال ہے خود زوالا یہاں کے قید خانوں کے بارے میں نہیں جانتا ہوگا۔"

"قید خانے؟" زوالا چونک کر بولا۔

"ہاں۔ جہاں خطرناک قیدی رکھے جاتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا باس۔"

"تب پھر بات صاف ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سردار بیرک اور الوشا کہاں قید ہیں۔ اگر ہم انہیں حاصل کئے بغیر کولاکا سے جنگ شروع کر دیں تو کولاکا جنونی ہے۔ ممکن ہے وہ سردار بیرک اور الوشا کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ اس طرح ہم ان کی کیا مدد کر سکیں گے۔ جبکہ ہمیں ان کا قید خانہ بھی نہیں معلوم۔"

"اوہ۔ سیدھی سی بات ہے، واقعی۔" ٹوبو نے کہا۔

"اور دماغ کی بھی۔ اوہ میرے دیوتاؤ، تم نے میری مدد کے لیے سنود میں سے ایک بھیج دیا ہے۔ دماغ بڑی چیز ہے۔" زوالا بولا۔

"واقعی۔ ہم اس باریکی پر غور نہ کرتے۔"

"اور آتے ہی کولاکا کو خاکستر کر دیتے۔"

"یقیناً۔"

"لیکن عظیم دماغ والا ہمارے ساتھ ہے۔"

"مگر باس، اب کیا کرو گے؟"

"حالات ہمارا ساتھ دے رہے ہیں ٹوبو۔ تم نے دیکھا کہ کولاکا کی موت نے اسے کس طرح چاروں طرف سے گھیرا ہے۔ اگر وہ اپنی برتری کی خاطر آج سردار بیرک کو زندہ نہ رکھتا تو بات ختم ہو گئی ہوتی۔ اس نے نعلالا کو بھی زندہ رکھا، اور زوالا اس کی موت بن کر آگیا۔ اس طرح اس کی رسم جس میں وہ سردار بیرک کو اپنی دانست میں ذلیل کرتا رہا۔ لیکن وہ رسم اس کے لئے کس قدر خوفناک بن گئی۔"

"تمہارے ذہن میں کیا ہے باس؟"

"صرف تین دن — اس بار جب سردار بیرک قید خانے سے نکلے گا تو واپس قید خانے میں نہیں جائے گا۔ وہ دن اس کی آزادی کا دن ہوگا۔"

"آزادی؟" زوالا اچھل کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔

"ہاں زوالا۔ ہم پرسوں سردار بیرک کو آزاد کرائیں گے۔ پرسوں ہی کولاکا کی زندگی کا سورج غروب ہو جائے گا۔ پرسوں ہماری لڑائی ختم ہو جائے گی۔"

"آہ — آہ — میں اس خوشی کو کیسے باؤں میرے معبود — میرے دیوتاؤ تم نے خوشیوں کے جس دور کو میرے لئے شروع کیا ہے۔ اسے برداشت کرنے کی تاب بھی میرے دل کو دو، کہیں یہ خوشی سے پھٹ نہ جائے۔" زوالا نے سینہ مسلتے ہوئے کہا اور میں اور ٹوبو زوالا کو تسلیاں دینے لگے۔

میرے پروگرام کے کچھ حصوں میں روکاس بھی شریک تھا۔ بلاشبہ بوڑھا جاں نثار تھا۔ وہ خوشی سے زندگی دینے پر تیار ہو گیا تھا۔ اور یہ تین دن خوب پرسکون گذرے تھے۔ سوائے زوالا کے اضطراب کے اور کوئی خاص بات نہیں تھی اور زوالا کا اضطراب فطری تھا۔ اس وقت جب وہ اپنے والدین کی شکل تک بھول گیا تھا۔ اسے بچھڑے ہوئے ملنے والے تھے اور وہ بھی بڑے سنسنی خیز انداز میں۔

آج وہ دن تھا، جب وہ سردار بیرک کو رکھشنبے کے بازاروں میں ذلیل کیا جانے والا تھا۔

"ماسٹر۔" بوڑھے روکاس نے مجھے پکارا۔

"بابا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں جاؤں؟"

"ہاں بابا۔ تم اپنا کام جانتے ہو؟"

"اچھی طرح۔"

"تب ٹھیک ہے۔"

"ایک بات کہوں ماسٹر۔"

"ضرور۔"

"جوانی کا جوش جانتے ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"میری مراد زوالا سے ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"رکھشنبے کے بازاروں میں زوالا تمہارے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے۔"

"اوہ۔ کیوں؟"

"جوان ہے، برداشت نہیں کر سکے گا۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"تم خود خاموشی سے دیکھ لینا۔ لیکن زوالا ...."

"میں اسے عورتوں کے پاس چھوڑ دوں گا۔"

"یہی بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا، تم جاؤ" میں نے کہا اور بوڑھا ادکاس ایک مخصوص پروگرام کے تحت چلا گیا۔ میں ادکاس کی ہدایت پر غور کرنے لگا تھا تاکہ میں دوسروں کی نگاہوں میں نہ آؤں۔ اس کے لئے بھورے رنگ کی باریک پسی ہوئی مٹی، تھوڑی سی کالک اور تیل ہی کام آ سکتا تھا۔ زوالا اور ٹوبو نے مجھے دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑے۔

"یہ تم ہو باس۔ دیوتاؤں کی قسم کس قدر حسین نظر آ رہے ہو۔ اوہ باس تم تو ہم میں سے ہی معلوم ہو رہے ہو اب" ٹوبو نے پرجوش انداز میں کہا۔ "تم تیار ہو ٹوبو؟"

"ہاں باس"

"زوالا۔ تمہیں کچھ دیر ان عورتوں کے پاس رہنا ہے۔ ادکاس جا چکا ہے، میں اور ٹوبو ضروری انتظامات کرنے جا رہے ہیں۔ جب تک ہم واپس نہ آ جائیں تم یہیں رہو گے"

"اوہ۔ اچھا۔ مجھے کب تک انتظار کرنا ہو گا باس؟" زوالا نے پوچھا

"جب تک ہم واپس نہ آ جائیں"

"جو تیرا حکم"

"یہ ضروری ہے میرے دوست، تم دیکھو گے ہمارے اقدامات کتنے درست ہوں گے"

"ٹھیک ہے باس، میں تمہارے احکامات کی تعمیل کروں گا" زوالا نے کہا اور ہم جھونپڑے سے نکل آئے۔ بستی کے اندرونی حصے میں پہنچنے میں ہمیں کافی فاصلہ طے کرنا پڑا تھا پھر وہاں سے لگی کہ پیدل تھے ویسے بوڑھا ادکاس گھوڑوں کو ایک مخصوص جگہ چھوڑ گیا تھا، جو ہم سے دور نہیں تھی۔

یہاں تک کہ ہم بازار میں پہنچ گئے۔ بازاروں میں بہت رش تھا۔ کافی دور زبردست مجمع نظر آ رہا تھا۔ ٹوبو نے اس مجمعے کو دیکھا اور مجھے اس طرف اشارہ کیا۔

"وہ دیکھو باس"

"کیا ہو رہا ہے"

"میرا خیال ہے کھیل شروع ہو چکا ہے"

"اوہ۔ آؤ ——— دیکھیں" میں اور ٹوبو اس طرف بڑھ گئے۔ لوگوں کا گروہ کسی کے گرد گھیرا بنائے ہوئے تھا اور وہ بہت آہستہ آہستہ آگے کھسک رہا تھا

بمشکل تمام ہم لوگ لوگوں کے مجمعے میں گھستے ہوئے آگے آئے۔ اور پھر ایک روح فرسا منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

لمبے لمبے بالوں والی ایک نوجوان لڑکی، جس کے بھورے بدن پر کوڑوں کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ بدن پر سیاہ گھنے بالوں کے سوا کوئی لباس نہیں تھا، سر جھکائے آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ اور اس کے پیچھے ایک دراز قامت بوڑھا، شیر کی مانند صعوبتوں سے بگڑا چہرہ، اور کاندھوں پر انتہائی وزنی لکڑی کا شہتیر جو رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے پیروں میں فولادی بیڑیاں تھیں۔ ہاتھ بھی زنجیروں سے کسے ہوئے تھے۔ اس کی گردن بھی جھکی ہوئی تھی۔ مگر وہ کاندھوں پر وزنی بوجھ سنبھالے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

"باس" ٹوبو نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں ٹوبو"

"دیکھ رہے ہو"

"ہاں"

"دیوتاؤں کی قسم، اس سے بری درندگی نہیں ہو سکتی"

"ہاں"

"ان دونوں کو پہچان گئے باس"

"ظاہر ہے"

"آہ ——— یہ زوالا کی بہن ہے اور وہ باپ"

"تم ایک بات محسوس کر رہے ہو ٹوبو"

"کیا باس"

"دیکھنے والوں کی نگاہوں میں خوشی یا دلچسپی نہیں ہے، سوائے چند لوگوں کے، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی اور چہرے اداس ہیں، جیسے وہ سب مجبور ہوں"

"اوہ۔ میں نے غور نہیں کیا باس"

"غور کرو"

"ہاں۔ میں محسوس کر رہا ہوں"

"اس کا مطلب ہے کہ بستی والے بیزک سے ہمدردی رکھتے ہیں" زوالا کو دیکھ کر اس کے باپ کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے باس"

"ادکاس واقعی سمجھدار ہے ٹوبو"

"کیا مطلب باس"

"اگر زوالا ہمارے ساتھ ہوتا۔؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا ——— تو کیا"

"ہاں۔ ادکاس نے منع کر دیا تھا کہ زوالا کو ساتھ نہ لاؤں"

"مگر اب یہ جلوس کہاں تک جائے گا باس"

"شکارا کے میدان تک"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے تنہائی میں تمہاری ادکاس سے کافی گفتگو ہوئی ہے"

"ہاں"

"وہاں کیا کیا جائے گا"

"خود کولا کا وہاں موجود ہو گا۔ وہ بیزک کا مذاق اڑائے گا اور پھر وہاں سے یہ لوگ ان دونوں کو خوب ذلیل کر کے واپس لے آئیں گے"

"آہ۔ انسان کتنا بڑا درندہ ہے۔ آہ انسان کتنا نیچ ہے۔ کیا فرق ہے دونوں میں مگر دیکھو انسان انسان کی کیسی تذلیل کر رہا ہے"

"بہت ہی بہتر ہوا زوالا ہمارے ساتھ نہیں ہے ورنہ"

خون تو میرا بھی ٹھنڈا نہیں ہے باس، بیزک میرا بھی باپ ہے، الوشا میری بھی بہن ہے، خدا کی قسم، میں ان بے غیرتوں کو خون میں نہلا دینا چاہتا ہوں"

"ہمیں صبر کرنا ہو گا ٹوبو"

"مگر کب تک باس"

"انہیں شکارا کے میدان میں پہنچ جانے دو"

"ہم ان بے غیرتوں کے ساتھ چلیں گے باس"

"یوں سمجھو یہ ان کا آخری سفر ہے"

"چلو باس" ٹوبو مردہ سی آواز میں بولا اور پھر ہم ان دونوں مظلوموں کے ساتھ چل پڑے۔ خون تو میرا بھی کھول گیا تھا۔ اب کچھ سوچنے کی گنجائش نہیں تھی۔ شکارا کا میدان زیادہ دور نہیں نکلا۔ جب میدان سامنے آ گیا تو ہم نے ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور تیزی سے بستی کے آخری سرے کی طرف چل پڑے۔

ہدایات کے مطابق زوالا آیا تھا میں نے اپنے چہرے کو اسی طرح رہنے دیا۔ ٹوبو اور زوالا نے بندوقیں سنبھال لیں اور پھر ہم گھوڑوں پر بیٹھ کر چل پڑے۔ ادکاس نے مجھے بہت کچھ سمجھایا تھا اور راستے میں میں نے زوالا کو مخاطب کر کے کہا،

"زوالا میرے بھائی میرے دوست۔ کیا تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ تیرا باپ میرے باپ کی مانند ہے"

"تیری محبت ہے باس"

"نہیں زوالا۔ وہ قابل احترام شخص مجھے بھی اپنے باپ کی مانند محترم ہے" اور تیری بہن میری بہن"

"عظیم باس"

"اور تو یہ بھی جانتا ہے زوالا کہ موت کے قریب پہنچ کر دشمن کتنا بڑا بن جاتا ہے"

"ہاں باس"

"تب حق زوالا، تو جو کچھ دیکھے گا۔ جو کچھ سنے گا، اسے سن کر دیوانہ مت بننا۔ اس وقت بھی مجھے یاد رکھنا اور سوچنا تیرا بڑا بھائی تیری بھلائی چاہتا ہے"

"میں نہیں سمجھا باس"

"ہم شکارا کے میدان چل رہے ہیں۔ جہاں کولا کا ہو گا۔ اس کے وحشی ساتھی ہوں گے وہاں شیر بیزک بھی ہو گا جو ابھی کمینے دشمن کا قیدی ہے۔ اور تمہاری بلکہ ہماری بہن الوشا بھی۔ دشمن نے آج تک ان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کا حساب اسے شکارا کے میدان میں ہی دینا ہو گا۔ لیکن میرے دوست وقت ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے"

"مجھے بتاؤ دوست، کیا کہنا چاہتے ہو"

"تم ایسے مناظر بھی دیکھو گے جو تم سے برداشت نہ ہوں گے"

"ہاں"

"مثلاً الوشا، جو ان کے درمیان بے بس ہو گی"

"میری بہن" زوالا تڑپ اٹھا۔

"اور بیزک جس کے ساتھ وہ بدترین سلوک کر رہے ہوں گے"

"ہاں۔ ہاں باس"

"لیکن تم اس وقت تک صبر کرو گے جب تک صبر کی ضرورت ہو گی"

"میں سمجھ رہا ہوں باس"

"وعدہ کرنا ہو گا زوالا"

"کیسا وعدہ آقا"

"ہر حالت میں خود پر قابو رکھو گے ورنہ پھر تم ہمارے دوست نہیں رہو گے" "وعدہ کرتا ہوں، تمہاری دوستی، زندگی سے زیادہ عزیز ہے"

"شکریہ زوالا، جب میں نے تمہارے باپ کو باپ کہا ہے، تمہاری بہن کو بہن کہا ہے تو میرا دل بھی ان کے لئے اتنا ہی تڑپے گا، جتنا تمہارا۔ لیکن ہمیں صبر سے کام لینا ہو گا"

"میں صبر سے کام لوں گا باس"

"ٹھیک ہے، مجھے تمہارے وعدے پر اعتبار ہے"

"لیکن شکارا کا میدان شاید اس طرف ہے"

"ہم اس کے عقبی ٹیلے پر چلیں گے اور وقت کا انتظار کریں گے"

"جیسی تمہاری مرضی" زوالا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے، ہمیں گھوم کر جانا پڑا تھا۔ لیکن تیز رفتار گھوڑوں کے سامنے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ٹیلے پر پہنچ گئے، سامنے پوری بستی امنڈ آئی تھی۔ بیزک اور الوشا میدان میں کھڑے تھے۔ لکڑی کا ایک اونچا تخت شاید کولا کا کے لئے لایا گیا تھا۔ کولا کا ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔

زوالا نے سامنے کا منظر دیکھا اور اس نے دونوں ہاتھ اپنے چوڑے سینے پر رکھ لئے، اس کے ہونٹ بھینچ گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں پھوٹ نکلیں اس پر بھی اس سے برداشت نہیں ہوا تو اس نے اپنا بازو چبا ڈالا، اس کے سیاہ بازو سے سرخ خون بہہ نکلا تھا۔

"زوالا" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"باس۔ میں خاموش ہوں، دیکھ لو باس۔ میں کہاں بول رہا ہوں۔ دیکھ لو" وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"زوالا" میری آواز میں خوفناک غراہٹ تھی" پانی سے تمہاری آنکھیں دھندلا جائیں گی، چنگاریاں بجھ جائیں گی زوالا۔ آنسو خشک کرو۔ دشمنوں کو پہچان لو تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے" میری آواز کی غراہٹ، میرے الفاظ نے زوالا پر جادو کا اثر کیا تھا۔

اچانک اس نے سنبھالا لیا اور بولا:

"تم نے ٹھیک کہا میرے دوست، میرے آقا تم نے ٹھیک کہا، اب میں ٹھیک ہوں، دیکھا، وہ میرا مظلوم باپ ہے اور وہ میری بہن"

"غیرت نہ کر تو زوالا، میرا باپ نہیں، ہمارا باپ، میری بہن نہیں، ہماری بہن"

"ہاں بابس، ہمارا باپ ہماری بہن۔ اور جس باپ کے تین تیر ایک ساتھ گرج رہے ہوں، جس بہن کے تین محافظ ہوں۔ ان کی تکلیفیں لمحاتی تو ہو سکتی ہیں، دائمی نہیں۔"

تبھی اچانک بہت سے گھوڑے میدان میں داخل ہو گئے۔ ان پر بہت سے لوگ سوار تھے۔ پھر سردار کولاکا کا گھوڑا آیا۔ وحشی درندہ صورت سے ہی خوفناک معلوم ہوتا تھا۔

تمام گھوڑے لائن سے کھڑے ہو گئے۔ تب کولاکا شیطانی انداز میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے تین چکر دونوں قیدیوں کے گرد لگائے، وہ بڑے مضحکہ خیز انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور پھر وہ تخت کے قریب ہی گھوڑے سے اتر گیا۔ ایک غلام اس کا گھوڑا لے کر ایک طرف بڑھ گیا۔

"رکھشنبے کے رہنے والو، تم نے دیکھا سرداری کا تخت کیسا خراب ہوتا ہے۔ یہ کبھی تخت ہوتا ہے، کبھی تختہ۔ سردار بیزک کو دیکھو، اور اس کی رس بھری بیٹی الوشا۔ لیکن اس کے بدن کا کوئی خریدار نہیں ہے، ارے تم میں سے کوئی ہے جو اس حسین لڑکی کے ہونٹوں کا ایک بوسہ ہی لے لے۔ بکھی ناگن کے ہونٹوں سے زہر ہی خارج ہوتا ہے۔ چنانچہ جو دشمن معزز سوار کی جوان بیٹی کا ایک بوسہ لینا چاہے وہ آگے آئے، بوسہ لے اور جان دے دے کوئی ہے؟" شیطان نے چاروں طرف دیکھا۔

لیکن ساری گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

"افسوس، کیسی بدنصیب ہے بے چاری۔" سردار کولاکا نے کہا۔ "لیکن رکھشنبے والو، تم نے کچھ بھی نہیں سنا ہے، ارے سنو، میں تمہیں ایک خوشخبری دینے جا رہا ہوں، سنو گے؟" اس نے پھر سب کی طرف دیکھا۔ "تو سنو۔ بیزک کا بھگوڑا بیٹا زوالا۔ اس بار بچ بچ جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ سنا ہے اس کی مدد کو امبوکا آیا ہے، لیکن امبوکا دیوتا دنیا میں کہاں۔ وہ تو آسمانوں میں رہتا ہے اور میری اس سے خوب گہری دوستی ہے۔ یونہی جنگل میں گھومنے والے آوارہ گرد ہوں گے۔ لیکن نافرمان، کیسا منحوس بیٹا ہے، کیسا کمینہ جانی ہے کہ آخر اپنے باپ اور بہن کی موت کا سبب بن گیا۔"

"ارے بستی والو، سنا تم نے؟ بڑے احمق ہو۔ اپنے سردار کی قدر نہیں کرتے، کیسے کیسے دلچسپ تماشے دکھاتا ہوں تمہیں۔ بتاؤ کیا تمہیں میرے اس انکشاف سے مسرت نہ ہوگی کہ آج کے بعد مظلوم بیزک اور اس کی بیٹی اس طرح تمہارے سامنے نہ آئیں گے؟"

لوگوں کے منہ سے ایک آواز نکل گئی جس کا کوئی مفہوم نہ تھا۔

"ہا ہا ہا۔ مزہ آیا نا؟ تو سنو میرے پیارے دوستو، چونکہ میں بہت ڈرپوک ہو گیا ہوں، بڑا ہی بزدل ہوں میں کہ زوالا کے فرار سے خوفزدہ ہو گیا ہوں۔ اب وہ روحوں کا ایک لشکرِ جرار لے کر میرے مقابلے پر آئے گا۔ اور مجھ سے جنگ کرے گا۔ ہاں روحوں سے جنگ بے حد خوفناک ہوتی ہے، کیسے لڑوں گا ان سے؟"

کولاکا نے خوفزدہ سی شکل بنائی۔

"اور سنو، وہ روحوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں لا سکتا۔ کیونکہ جیتے جاگتے انسان تو کولاکا کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتے، ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں تو بستی والو، میں نے سوچا کہ کیوں نہ دشمنوں میں سے کچھ کو حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی قتل کر دوں۔ مثلاً بیزک، زوالا کا باپ اور اس کی بہن الوشا، ٹھیک ہے نا؟"

کولاکا کے ساتھی ہنس پڑے، باقی لوگ خاموش رہے۔

"اپنے سردار کا آخری دیدار کر لو، اس کے بعد وہ تم سے جدا ہو جائے گا۔ اور ٹھیک بھی ہے، اب کھیل بدل جانا چاہئے۔ ہر سال اس کھیل سے میں بھی اکتا گیا ہوں۔"

اور پھر اس نے خوفناک آواز میں پکارا۔

"ماروکا"

ایک خوفناک شکل کا سیاہ فام آگے بڑھ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چوڑا کلہاڑا تھا۔

"پیارے سردار، سردار بیزک کی گردن اتار دو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اور سیاہ فام نے گردن جھکا دی۔ چند لوگ بیزک کو گھسیٹ کر لے آئے۔

"ارے ارے، ایسی بھی کیا بے مروتی، کسی مرنے والے کا احترام تو کرو۔ اس کے شانوں سے یہ وزن اتار دو۔" کولاکا نے کہا اور بیزک کے کندھوں سے شہتیر اتار دیا گیا۔

تب ادکاس آگے بڑھا اور کولاکا کے قریب پہنچ گیا۔ کولاکا اسے دیکھ کر ہنس پڑا تھا۔

"آہا۔ بیزک کا پرانا وفادار، بڑا فاصلہ طے کر کے آیا ہے، لیکن نہیں میرے دوست، بیزک سردار ہے، اس کی لاش کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے، تم شاید اس کی لاش کا مطالبہ کرو گے، لیکن اس کی لاش تو تبرک کی طرح ان لوگوں میں تقسیم ہوگی؟"

"میں بیزک کی لاش مانگنے نہیں آیا سردار۔" ادکاس نے وقار سے کہا۔

"پھر ___؟"

"میں نے پچھلی رات ایک خواب دیکھا ہے اور اس خواب کو حقیقت ہوتے دیکھ کر میں آیا ہوں۔"

"آہا۔ خواب ___ بھلا کیا خواب تھا؟"

"میں نے یہی سب کچھ دیکھا تھا کولاکا، میں نے دیکھا تھا کہ تو بیزک اور اس کی بیٹی کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"واہ۔ پھر کیا ہوا؟"

"تب میں نے دیکھا سردار کہ ایک طرف سے تین سیاہ گھوڑے آئے، اور انہوں نے نقشہ بدل دیا۔"

"تین سیاہ گھوڑے، مگر ان پر کون تھا؟"

"ایک پر سردار بیزک کا بیٹا زوالا، ایک پر امبوکا دیوتا اور تیسرے پر اس کا ساتھی، اور انہوں نے وہ کیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"یعنی۔ یعنی کیا کیا انہوں نے؟"

"میری آنکھوں نے دیکھا کہ خود سردار کولاکا کا سر اس کے شانوں پر نہیں ہے۔" ادکاس نے کہا، اور کولاکا کا چہرہ بگڑ گیا، اس نے قہر آلود

نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھا۔

"منحوس بوڑھے کا منحوس خواب، مگر ایسی آنکھوں میں روشنی نہیں رہنی چاہئے، جنہوں نے ایسا منحوس خواب دیکھا ہو۔ چنانچہ اسے بھی پکڑ لو اور جب یہ اپنی آنکھوں سے اپنے خواب کی الٹی تعبیر دیکھ لے تو اس کی آنکھیں بھی نکال دی جائیں، مگر احمق بوڑھے وہ تینوں کس طرف سے آئے تھے؟"

"میدان کے عقبی ٹیلے سے۔" ادکاس کے منہ سے نکلا، اور میں نے ہاتھ ہلا دیا، جس کا مطلب تھا چلو۔ تب ہمارے گھوڑے ٹیلے سے نیچے اترنے لگے اور ان کے سموں کی چاپ کافی زور دار تھی۔ ساری نگاہیں ہماری طرف اٹھ گئیں، تین سیاہ گھوڑے والے جن کی شان ہی نرالی تھی۔

اور ساری آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ زوالا کو ہم نے سب سے آگے رکھا تھا۔ زوالا کا چہرہ اس وقت ہمیں بھی اجنبی اجنبی لگا تھا۔ ایسی خوفناک سنگینی شاید ہی انسانی چہروں پر دیکھی گئی ہوگی، وہ آہستہ آہستہ میدان کی جانب بڑھ رہا تھا اور ہم دونوں اس کے پیچھے تھے۔

کولاکا کا چہرہ بھی تھوڑی دیر کے لئے ہونق بن کر رہ گیا تھا لیکن پھر سنبھل گیا، اور اس نے خوفناک آواز میں کہا۔

"آؤ۔ تو سانپ کا بیٹا آ ہی گیا، اپنے باپ اور بہن کی موت کا منظر دیکھنے۔ اسے بھی گرفتار کر لو، اور یہ کیا اچھی بات ہے کہ بیزک کی کہانی کا مکمل اختتام ہو جائے۔"

میری نگاہ بیزک کی طرف اٹھ گئی۔ بوڑھا باپ ساری عمر کی تکلیفیں بھول گیا تھا، اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی اور جوان بہن کی نگاہیں بار بار برہنگی پر شرم سے جھک گئی تھیں۔ آج اس کے سامنے اس کا بھائی تھا۔

"کولاکا۔" زوالا کی سرد آواز سنائی دی۔

"سردار کولاکا کہہ بے وقوف انسان، کیا تجھے موت کی آہٹ نہیں سنائی دے رہی؟"

"ہاں تیری پیش گوئی درست ثابت ہوئی بستی والو، لیکن ذرا غور سے دیکھو اس کے ساتھ کون ہے، ہاں امبوکا، عظیم امبوکا، فتح کا دیوتا۔ اور جس کے ساتھ امبوکا ہو اسے کون شکست دے سکتا ہے۔ آ ___ عظیم امبوکا، سامنے آ تاکہ لوگ تیری زیارت کر سکیں۔"

"گرفتار کر لو ان تینوں بہروپیوں کو۔" کولاکا چیخا اور دس بارہ آدمیوں کا ایک گروہ آگے بڑھا، تب میں نے پل ٹین کی ایجاد سے فائدہ اٹھایا۔ میں نے اپنے ہاتھ کی مٹھی پھیلائی اور ان سب کو خیالی گرفت میں لے لیا اور پھر میں نے مٹھی کس لی۔

نتیجہ حیرت انگیز تھا۔ کربناک چیخیں گونج رہی تھیں۔ پسلیاں ٹوٹ رہی تھیں۔ پھر ان کے منہ اور ناک سے خون کے فوارے بہہ نکلے اور اس بار کولو اور زوالا بھی حیران رہ گئے تھے۔ کولاکا گھبرائے ہوئے انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"حملہ کرو، حملہ کرو۔" اس نے پریشان لہجے میں کہا اور ایک گروہ سیلاب کے ریلے کی مانند آگے بڑھا۔ تب صرف دو فائر ہوئے، ایک کولو کی رائفل سے، دوسرا زوالا کی رائفل سے۔ چیخ پکار کی آوازیں ابھریں اور انسانی اعضاء خون کی چھینٹوں میں بٹ کر چاروں طرف بکھر گئے۔ وہ جنونی آدمی اس طرح غائب ہو گئے کہ خون اور پسی ہوئی ہڈیوں کے علاوہ اور کچھ نہ رہا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے ایک اور حیرت انگیز مظاہرہ دیکھا۔ اس خوفناک اور بھیانک واقعے سے لوگ دہشت زدہ ہو گئے تھے، لیکن کسی نے بھاگنے یا جان بچانے کی کوشش نہیں کی۔ جبکہ ایسے بھیانک مواقعوں پر لوگوں کو اپنی زندگی کی فکر زیادہ ہوتی ہے، لیکن کہانی کے اختتام کو سب دیکھنا چاہتے تھے۔

تب کولاکا پاگلوں کے انداز میں آگے بڑھا اور اس نے خوفزدہ جلاد کے ہاتھ سے تیشہ لے لیا اور بیزک کی طرف بڑھا۔

"میں تجھے سرخرو نہ ہونے دوں گا بیزک۔" اس نے تیشہ بلند کیا۔ لیکن اسی وقت میرے ہاتھ سے نکلی ہوئی غیر مرئی شعاعوں نے کولاکا کی گردن پکڑ لی، اور میں اسے گھسیٹتا ہوا زوالا کے گھوڑے کے نزدیک لے آیا۔ پھر میں نے اس کے ہاتھ سے تیشہ گرا دیا اور زوردار آواز میں بولا۔

"زوالا۔ تیرا دشمن تیرے سامنے ہے۔"

اور زوالا گھوڑے سے اتر آیا۔

"بستی والو، دیکھو میرے باپ کا دشمن میرے سامنے ہے، کوئی ہے جو اپنے آقا کی مدد کو آئے۔"

"آؤ ___ آؤ پکڑ لو اسے۔ یہ ___ یہ وحشی ہے۔ مار ڈالو اسے مار ڈالو۔ میں تمہارا سردار ہوں۔"

"تو کتا ہے کولاکا۔ تو شیطان ہے اور بالآخر شیطانی قوتیں ماند پڑ گئیں۔" بے شمار آوازیں ابھریں اور کولاکا نے خونی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ "ٹھیک ہے، دیکھ لوں گا، تم سب کو دیکھ لوں گا قتل عام کراؤں گا تمہارا۔" وہ گھونسہ دکھا کر بولا۔

زوالا نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پکڑ لی، اور اس کا خنجر اس کی پیٹی سے نکال لیا۔

"میرے باپ، عظیم بیزک ___ تیرا بیٹا ___ تیرے قدموں کی خاک، تیرے نام پر تیرے دشمن کی گردن اتارتا ہے۔" زوالا نے بیزک کی طرف خنجر اٹھا کر کہا۔

بیزک کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے۔ زوالا کی بے پناہ قوت کے سامنے کولاکا حقیر چیونٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے کولاکا کو پکڑ کر نیچے گرا دیا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کسی انسان کو اتنی بے دردی سے ذبح کرے، تصور سے باہر ہے لیکن زوالا نے کولاکا کو کسی بکرے کی طرح ہی ذبح کیا تھا اور پھر اس نے اس کی گردن بالکل علیحدہ کر کے ایک طرف رکھ دی۔

کولاکا کا بدن بری طرح اچھل رہا تھا، اس کا خون اچھل اچھل کر اس کے قیمتی لباس کو رنگین کر رہا تھا۔ تب زوالا نے اس کے پھڑکتے ہوئے بدن پر پاؤں رکھ دیا۔

پھر زوالا نے کولا کا کا دوشالہ اتار لیا اور اس نے کولا کا کی گردن ایک ہاتھ میں اور دوشالہ دوسرے ہاتھ میں لیا، آگے بڑھا اور پہلے بینرک کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کولا کا کی گردن باپ کے قدموں میں رکھ دی۔

"اپنے زوالا کی طرف سے یہ حقیر تحفہ قبول کر بابا" اس نے کہا، اور بینرک شدتِ جذبات سے چیخ پڑا۔

"زوالا۔ زوالا"

"صرف ایک لمحے صبر کر بابا۔ میں اپنی بہن کو بھی کچھ دے دوں"

اور زوالا الوشا کے پاس پہنچ گیا۔

"تو برہنہ ہے الوشا، لیکن میں نے دیکھا ہے، دیوتاؤں کی قسم میں نے دیکھا ہے۔ تیری بستی کے لوگوں کی شرم آلود نگاہیں۔ غم میں ڈوبی نگاہیں تیری عریانی پر ماتم کناں تھیں، اور ان نگاہوں نے پاکیزگی کے اتنے پردے تیرے بدن پر ڈال دیئے تھے کہ تیرا رواں رواں ان میں چھپ گیا تھا۔ تجھے کسی نے برہنہ نہیں دیکھا۔ اور آج میں تیرے دشمن کے خون میں ڈوبا ہوا دوشالہ تیرے بدن پر ڈال کر تیرے تقدس کا اعلان کرتا ہوں۔"

اس نے دوشالہ الوشا کے بدن پر ڈال دیا، اور پھر اس نے الوشا کو زنجیروں سے آزاد کر دیا۔

الوشا بے طرح اس سے لپٹ گئی تھی۔

"آؤ الوشا، اپنے باپ کی زنجیریں کاٹ دیں۔" زوالا نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور جونہی بینرک آزاد ہوا، بستی کے لوگ دوڑ کر اس پر نثار ہونے لگے۔

یہ خطرناک صورتحال تھی، دشمن فائدہ اٹھا سکتے تھے اس لئے میں اور ٹولبو سخت نگرانی کرنے لگے تب بینرک نے چیخ کر کہا۔

"بستی والو! آخر وہ دن آ ہی گیا، جس کے لئے باپ بیٹے کی پیدائش پر خوش ہوتے ہیں۔ ہاں بستی والو، تمہاری دعائیں، تمہاری وفائیں میری نگاہوں میں ہیں، لیکن سنو، بستی کا ایک ایک کونہ بند کر دو۔ ایک بھی دشمن بستی سے باہر نہ نکلنے پائے، جاؤ۔ اب یہ تمہارا کام ہے۔"

اور لوگ چاروں طرف دوڑ گئے۔

تب ان لوگوں کو فرصت ملی، زوالا میرے پاس آیا اور میرے پاؤں سے لپٹ گیا۔

"عظیم دوست، میرے لئے تو دیوتا ہی ہے، میرے دوست۔ میرے دوستو!" وہ ٹولبو سے بھی لپٹ گیا۔ اور پھر ہم سردار کے کرال کی طرف چل پڑے۔

بعد کے حالات میرے لئے زیادہ دلچسپ نہیں تھے۔ نہ میں نے ان میں کوئی حصہ لیا۔ کولا کا اور اس کے ساتھی اس قدر ظالم تھے کہ ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جا سکتی تھی، اور پھر زوالا اور بینرک کے ذہن کی آگ آسانی سے سرد نہیں کی جا سکتی تھی۔

چنانچہ میں اپنے کرال میں پڑا رہتا۔ میں ٹولبو کو بھی نہیں روک سکتا تھا جس نے بینرک کے دشمنوں کے قتل عام میں حصہ تو نہیں لیا تھا لیکن وہ بھی بہرحال وحشی فطرت کا مالک تھا۔ انسانی زندگی کے زیاں کے مناظر اسے بہت محظوظ کر رہے تھے اور وہ ان کی کہانیاں سناتا رہتا۔

"واہ باس، اس قوم میں ایک ہی خوبی ہے"

"کیا ٹولبو"

"انتقام لیتی ہے تو بھرپور۔ اوہ۔ تم تصور تو کرو۔ ان کے جسم پر تیل ڈال کر مشعلیں دکھا دی جاتی ہیں اور پھر چاروں طرف مشعلیں نظر آتی ہیں۔ چیختی مشعلیں اور یہ کھیل عموماً رات کو ہوتا ہے۔ اور جو کھیل ہوتا ہے وہاں مکمل تاریکی کر دی جاتی ہے اور تاریکی دوڑتی آگ کا رقص، وہ بھی ایک دائرے میں۔ جس نے دائرے سے نکلنے کی کوشش کی اس کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا"

"نہیں ٹولبو۔ انسانی زندگیوں کے ساتھ یہ مذاق کسی طور جائز نہیں ہے" میں نے کرب سے کہا۔

"مگر باس، ان لوگوں نے بھی کس قدر غیر انسانی سلوک کئے تھے"

"ہاں ٹولبو۔ لیکن پھر بھی تم مجھے یہ سب مت بتایا کرو"

"اوہ۔ اچھا باس" ٹولبو نے شرمندگی سے کہا اور بہرحال اس کے بعد اس نے مجھے کچھ نہ بتایا۔ میں اب یہاں سے چل دینا چاہتا تھا۔

بینرک کو سرداری دوبارہ ملے پانچ دن گذر گئے، اور ان پانچ دنوں میں زوالا بے حد مصروف رہا۔ مصروفیت صرف دشمنوں سے انتقام لینے کی تھی۔

اس وقت بھی ٹولبو میرے پاس سے اٹھ کر گیا تھا اور میں خاموشی سے کرال میں لیٹا اپنی سوچوں میں گم تھا کہ ایک آواز آئی اور میں چونک پڑا۔

"امبوکا"

کرال کے دروازے میں الوشا کھڑی تھی۔ حسین اور معصوم لڑکی۔

"آؤ الوشا، اندر آؤ" میں نے پیار سے کہا اور وہ اندر آ گئی۔

"کیسی ہو"

"ٹھیک ہوں"

"کیسے آئیں"

"تمہیں دیکھنے"

"اچھا تو آؤ بیٹھو"

اور وہ میرے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"دیکھ لیا" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں"

"کیسا ہوں میں"

"جیسے آسمان سے اترنے والے ہو سکتے ہیں"

"اوہ۔ نہیں الوشا نہیں، میں بھی تمہاری زمین کا آدمی ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح ہوں"

"بابا اور بھیا بھی یہی کہتے ہیں مگر میرا دل نہیں مانتا"

"تم معصوم سی جو ہو"

"تم یہاں سے چلے جاؤ گے امبوکا"

"ہاں الوشا، زمین بہت وسیع ہے اور یہاں رہنے والے اپنی مرضی کے پابند نہیں ہوتے"

"تم یہاں رہ نہیں سکتے امبوکا"

"نہیں"

"کیوں"

"مجھے بہت سے کام ہیں الوشا، تمہاری زمین تمہیں مبارک، تم یہاں خوش رہو، اور میں جہاں بھی رہوں گا تمہاری خوشی سے خوش ہوتا رہوں گا"

"میرا دل چاہتا ہے امبوکا، تم یہاں رہو، اور میں تمہاری خدمت کرتی رہوں، ساری عمر"

"نہیں الوشا۔ یہ ممکن نہیں ہے" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ میں نے اس کے دیکھنے میں خطرات محسوس کر لئے تھے۔

"تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو امبوکا"

"تم بھی بہت پیاری ہو الوشا، مگر یہ ممکن نہیں"

"ممکن نہیں" وہ مایوسی سے بولی۔

"ہاں یہ کسی طور ممکن نہیں ہے" میں نے جواب دیا اور الوشا خاموش ہو گئی۔ گردن جھکائے بیٹھی رہی اور پھر چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد زوالا ٹولبو اور بینرک آئے۔

"عظیم بیٹے۔ کیا تم ہمارے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟" بینرک نے کہا۔ "کہاں سردار بابا۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہم اس منحوس قید خانے چل رہے ہیں جہاں میرے زوالا نے بارہ سال قید کی صعوبتیں اٹھائی ہیں" بینرک نے جواب دیا۔

"میں جا کر کیا کروں گا بابا۔۔۔" میں گھبرا کر بولا۔۔۔ ظاہر ہے وہاں بھی انتقام کے مظاہرے ہوں گے۔۔۔ میں نے دل میں سوچا۔ میں وحشیانہ کھیل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔

"ہماری خواہش ہے کہ تم بھی چلو۔ دیکھ تو لو۔ میرے بیٹے نے کہاں پر درشتگی پائی ہے"

"لیکن۔۔۔۔"

"ہماری خواہش پوری کر دو۔ ہمیں خوشی ہوگی" بینرک نے کہا۔ اور میں مجبور ہو گیا۔۔۔ تب میں بھی تیار ہو کر ان کے ساتھ چل پڑا۔

بینرک ہمارے ساتھ تھا۔ اور زوالا ہمارے پیچھے، وہ ہم لوگوں کا اسی طور احترام کرتا تھا۔ اور خود بینرک بھی۔۔۔ اس وقت تو الوشا بھی گھوڑے پر سوار تھی۔ پیچھے فوجی دستے کے بہت سے جوان۔ بینرک بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک طویل زندگی، موت کے مترادف صعوبتوں میں گذاری تھی۔ لیکن وہ آج بھی سینکڑوں جوانوں پر بھاری تھا۔۔۔ اس کے دم خم کا وہی عالم تھا۔

قید خانہ بستی سے کافی دور پہاڑیوں میں تھا۔ طویل فاصلہ طے کر کے ہم ان پہاڑیوں کے نزدیک پہنچ گئے۔۔۔ قید خانے کے محافظوں کو بدلے ہوئے حالات کا علم ہو چکا تھا۔۔۔ وہ استقبال کے لئے تیار تھے اور جن کے کوڑے زوالا کی پشت پر برستے تھے۔ آج وہی زوالا کے استقبال کے لئے بچھے جا رہے تھے۔

بے شمار قیدی پر مشقت کاموں میں مصروف تھے۔ محافظوں نے زوالا کی شان میں قصیدے پڑھے۔۔۔ لیکن زوالا کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔۔۔

قید خانہ بے حد وسیع تھا، بس پہاڑوں میں گھرا ایک طویل میدان تھا۔۔۔ اور پہاڑ تقریباً ناقابلِ عبور تھے۔ سپاٹ اور سیدھی دیواروں کی مانند۔۔۔ نہ جانے زوالا نے ان پہاڑوں کو کیسے عبور کیا تھا۔۔۔ بینرک نے ایک لائن میں کھڑے ہو کر محافظوں کو اپنے سامنے طلب کیا۔۔۔ اور سارے محافظ سامنے آ گئے۔ ان کے چہرے فق تھے۔ بینرک کے خشک سلوک نے انہیں خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔۔۔ بینرک خشمگیں نگاہوں سے انہیں گھور رہا تھا۔۔۔

"کمزور کے گھوڑو۔۔۔ تمہیں یاد ہے سردار زوالا تمہارے ہاتھوں قید میں تھا۔۔۔؟" بینرک کی آواز ابھری۔۔۔

"ہاں۔۔۔ ہاں سردار۔" محافظوں کے سردار نے جواب دیا۔

"کیا تم نے اس بات کا خیال کیا تھا کہ وہ بینرک کا بیٹا ہے۔؟"

"سردار ہم کولا کا کے غلام تھے۔۔۔ ہم۔۔۔ ہم۔۔۔" محافظ گڑگڑانے لگے۔۔۔ "کولا کا ہر وقت اس قید خانے میں نہیں رہتا تھا۔۔۔ تم نے اس کی غیر موجودگی میں زوالا کے ساتھ کیا سلوک کیا۔۔۔ تم نے اسے فرار میں مدد دینے کے بجائے اسے کیوں روکا"

"ہم کولا کا سے ڈرتے تھے۔"

"بکواس مت کرو۔ یوں کیوں نہیں کہتے، کہ تم اپنی موت سے ڈرتے تھے۔ لیکن موت اب بھی تمہارے سامنے آ گئی ہے اس وقت تم کولا کا کے وفادار تھے۔ آج ہمارے سامنے گڑگڑا رہے ہو۔ ناقابل اعتبار لوگوں کی موت بہتر ہوتی ہے"

"نہیں۔۔۔ نہیں سردار۔۔۔ نہیں سردار" وہ سب رونے لگے۔ اور بینرک کہنے لگا۔

"میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔۔۔ ہاں اگر زوالا تمہیں معاف کر دے تو میں اسے نہیں روکوں گا" بینرک نے کہا اور وہ لوگ زوالا سے زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔

"کیوں بھئی۔ کیا خیال ہے۔؟" زوالا نے ٹولبو سے پوچھا۔

"میں تمہیں تجویز پیش کرتا ہوں" ٹولبو دلچسپی سے بولا۔

"کیا۔۔۔؟" زوالا نے پوچھا۔

"تم ایک نیزہ پوری قوت سے فضا میں اچھالو۔۔۔ اگر نیزہ انی کے بل نیچے گرے تو ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ اور اگر وہ دستے کی جانب سے زمین پر گرے تو پھر ان سب کو معاف کر دیا جائے۔"

"واہ۔۔۔" زوالا نے ایک قہقہہ لگایا "کیا عمدہ ترکیب ہے بابا۔ بابا، میرے دوست نے کیا عمدہ کھیل بتایا ہے" زوالا نے کہا اور وہ بینرک کو اس کھیل کی تفصیل بتانے لگا۔

سب ہی وحشی تھے۔ بیزک نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ لیکن میں اس درندگی کے خلاف تھا۔ جب سردار بیزک انہیں معاف کر سکتا ہے تو انہیں معاف کیوں نہیں کر دیتا۔ بہرحال میں نے اس معاملے میں براہ راست مداخلت نہیں کی۔ لیکن ان لوگوں کی زندگیاں بچانے کے لئے میں تیار ہوگیا۔

محافظوں کو بتا دیا گیا کہ ان کی زندگی کے تار نیزے کے رُخ سے بندھے ہوئے ہیں۔ اور پھر زوالا گھوڑے سے دوڑ آیا۔ اُس نے ایک نیزہ فضا میں اُچھالا اور نیزہ ہوا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ پھر وہ واپس پلٹا۔ اور محافظوں کے منہ سے دلدوز چیخیں نکل گئیں۔ نیزہ انہی کے بل نیچے آرہا تھا۔ تب میں نے ہاتھ اُٹھایا۔ سب نیزے کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے اُسے خیالی گرفت میں لیا۔ اور اس کا رُخ بدل دیا۔ محافظوں کی چیخیں خوشیوں کی چیخوں میں بدل گئی تھیں۔

میں نے نیزہ زمین میں سیدھا کھڑا کر دیا۔ اور محافظ خوشی سے اُچھلنے لگے۔

تب بیزک نے گردن ہلائی۔ "ٹھیک ہے۔ اگر دیوتاؤں کو تمہاری زندگی پسند ہے۔ تو ٹھیک ہے۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب جاؤ سارے قیدیوں کو میدان میں لے آؤ۔"

اور محافظ خوشی خوشی دوڑ گئے۔ تب بیشمار خستہ حال انسان ہمارے سامنے کھڑے ہوگئے۔ اور بیزک نے زوالا کو اشارہ کیا۔ زوالا ان کے سامنے آگیا۔

"میرے ساتھیو۔ میری نگاہوں میں تم قیدی نہیں ہو۔ ہاں۔ میرے بارہ سال کے آنسو، تم نے دکھ کے وقت میں میرا خیال رکھا ہے۔ ہاں۔ تم تو ہر طرح میرے ساتھی رہے ہو۔ میں آزاد ہوگیا ہوں تو اب تم کیوں قید میں رہ جاؤ۔ ہم نے تم سب کو آزاد کیا۔ جہاں بستے ہو۔ جس بستی سے تعلق رکھتے ہو۔ لوٹ جاؤ۔ اور کوشش کرنا کہ یہ قیدخانہ دوبارہ آباد نہ ہوسکے۔ یہی میری خوشی ہوگی۔"

قیدیوں کی خوشیوں بھری آوازوں سے میدان گونج اٹھا تھا اور پھر وہ نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ پڑے۔ بڑا عجیب منظر تھا۔

تب تھوڑی دیر کے بعد صرف محافظ رہ گئے۔

"تمہیں چونکہ آزادی دے دی گئی ہے۔ زندگی دے دی گئی ہے اس لئے تم بھی اپنے گھروں میں جاؤ۔ بیزک جب سردار تھا تو اس کی حکومت میں قیدخانہ نہیں تھا۔ اب زوالا حکمران ہے تب بھی کوئی قیدخانہ نہیں رہے گا۔"

اور پھر ہم واپس بستی کی طرف چل پڑے۔

اسی رات اپنے کرال میں میں نے ٹوبو سے کہا۔ اب کیا پروگرام ہے ٹوبو؟"

"باس کا غلام باس کے اشاروں کا منتظر۔" ٹوبو شانے اُچکا کر بولا۔ "زوالا کا مشن پورا ہوگیا۔ اب اس کی بستی میں ٹھہرنا مناسب ہے۔"

"بالکل ٹھیک باس۔ ہمیں اس سے رخصت ہو جانا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کل یہاں سے نکل چلیں۔"

"بہت ہی مناسب خیال ہے باس۔" ٹوبو نے کہا۔

چنانچہ دوسرے دن ہم نے زوالا اور بیزک کو طلب کیا۔ الزہ بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔

"عظیم ابوکا۔" بیزک نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"معزز سردار ہمیں واپسی کی اجازت دی جائے۔"

"واپسی۔" بیزک حیرت سے بولا۔

"ہاں سردار۔"

"مگر کہاں۔؟"

"ہماری زندگی کا بھی ایک مشن ہے سردار۔ زوالا جانتا ہے ہم نے کچھ عرصہ کے لئے اپنے مشن کو روک دیا تھا۔ ہمیں ابھی طویل سفر طے کرنا ہے۔"

"مگر تم کہاں جاؤ گے۔"

"نی تی کا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کیوں۔"

"بس سردار ان معاملوں کو رہنے دو۔"

"مگر میری خواہش تھی میرے بچو! کہ اب تم بقیہ زندگی رکشہ میں گزارتے۔"

"زوالا کی دوستی اور تمہاری محبت ہمارے دلوں میں رہے گی سردار۔ ہمیں ہمارے مشن پر جانے دو۔" بالآخر ہم نے ان لوگوں کو تیار کر ہی لیا۔ اور اس دوپہر ہم نے اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر سوار ہو کر بستی سے باہر نکل آئے۔ زوالا بیزک آلوشا اور اوکاس ہمیں چھوڑنے آئے تھے۔ ہل لیبی کی دی ہوئی دونوں بندوقیں ہم نے اپنے قبضہ میں کرلی تھیں۔ یہ ایک مقدس وعدہ تھا جسے پورا کرنا میرا فرض تھا۔ سب نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ہمیں الوداع کہا۔ اور ہم نے اپنے گھوڑے نی تی کا کے راستے کی طرف چھوڑ دیئے۔

سب ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ہم نے بھی ان کی طرف ہاتھ لہرائے اور گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ یہاں تک کہ رکشہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ ٹوبو بالکل خاموش تھا۔ کافی دور آکر میں نے اُسے مخاطب کیا۔

"کس سوچ میں ڈوبے ہو ٹوبو۔؟"

"کچھ نہیں باس۔ بس ان بستیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ان بستیوں کی کہانیاں کبھی نہیں بدلیں گی باس۔ کاش باہر کی دنیا کی مانند یہاں بھی تہذیب کی روشنی اس حد تک آجاتی کہ یہ لوگ درندگی چھوڑ کر محبت کی فضا میں آجاتے اور ان حسین جنگلوں کو حسین بنا دیتے۔ یہاں کی زندگی اور آسان ہوجاتی۔ بس تہذیب کی حد مناسب ہے۔ اس سے آگے درندگی کے دور شروع ہوگئے ہیں"

میں نے ٹوبو کی سچی بات پر گردن ہلائی اور گھوڑوں کی رفتار کچھ اور تیز ہوگئی۔

اور پھر وہی سفر۔ یوں لگتا تھا جیسے نی تی کا نام صرف ایک حیثیت ہو۔ ہم کبھی اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ راستے میں بیشمار آفات اور حادثات سے سابقہ پڑتا رہے گا اور اس میں زندگی تمام ہو جائے گی۔ پھر انہیں جنگلوں کے کسی تاریک گوشے میں زندگی کی شام ہو جائیگی۔ اور پھر برسوں کے بعد ہمارے جیسے کسی سرپھرے سیاح کو ہمارے خشک ڈھانچے ملیں گے اور وہ ان کے بارے میں تحقیقات کرے گا۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ ان ڈھانچوں کو وہ فرعون دوم کا ڈھانچہ ثابت کر دے جو کسی طرح افریقہ آگئے تھے۔

پہاڑوں اور جنگلوں کا لامتناہی سلسلہ۔ سفر۔ سفر سفر۔ کبھی ختم ہونے والا سفر۔ دن ہو جاتا۔ شام ہو جاتی۔ سیاہی پھیل جاتی۔ اور جس جگہ ہوتے وہیں قیام کر لیتے۔

انسان مکان بناتا ہے۔ اس میں ضروریات زندگی کی ہر سہولت کا خیال رکھتا ہے۔ دھوپ، ہوا روشنی۔ ولیٹ اوپن ہو۔ ڈرائینگ روم کشادہ ہو۔ لیکن یہ ساری چیزیں زندگی کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ زندگی ہر حال میں گذر جاتی ہے۔ ہاں خود کو جس قدر عیش طلب بنا لیا جائے۔ میں اور ٹوبو اب زندگی کے ان لوازمات کو بھول چکے تھے۔ جس جگہ ہماری شام ہوتی وہیں قیام کر دیتے۔ ہمیں اس بات کی پرواہ نہ ہوتی کہ ہم سے چند قدم کے فاصلے پر کیا ہے۔

بیشمار بلائیں آئیں۔ خوفناک جنگل آئے۔ اس میں آدم خور درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوتے۔ لیکن ہمارے لئے اب ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ چند قدم کے فاصلے پر کوئی بھیانک درندہ ہماری تاک میں ہوگا۔

ان جنگلوں میں ہمارے لئے کچھ نہ تھا۔ دل کو کوئی چیز بہلا سکتی تھی تو وہ یادیں تھیں صرف یادیں۔ جو ماضی کے دریچوں سے منہ نکالتیں اور پھر دل و دماغ کی گرفت میں سے آجاتیں اور اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ یادیں بھی نہ ہوتیں تو شاید کلیجہ سینے سے نکل پڑتا۔ رات کی تنہائیاں ہوتیں۔ اور یادوں کا ہجوم۔ سبھی ہوتے دن میں۔ اب تو سب ہی ہمارے لگتے تھے۔ کسی سے نفرت نہ تھی، کیونکہ یہ سب کہانیوں کی باتیں تھیں۔ سب کہانیوں کے، کردار معلوم ہوتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کا کوئی وجود نہ ہو سب تصویریں ہوں جو آنکھوں میں گھوم جاتی ہوں۔

ایک رات میں حسب معمول یادوں میں کھویا ہوا تھا کہ ٹوبو نے مجھے پکارا۔

"باس۔" اور میں چونک پڑا۔

"تم نے مجھے آواز دی ٹوبو۔"

"ہاں باس۔"

"کیا بات ہے۔"

"آجکل تم مجھے زیادہ اچھے نہیں لگ رہے ماسٹر۔" ٹوبو نے کہا۔ اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں۔؟" میں نے بالآخر پوچھا۔

"بس تمہاری شکل خراب ہوگئی ہے۔" ٹوبو نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"میرا کچھ اور خیال ہے ٹوبو۔" میں نے کہا۔

"کیا خیال ہے تمہارا۔"

"تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"دماغ خراب بھی ہوجاتا باس۔ تو کم از کم تمہاری شکل بدلی نہ لگتی۔" ٹوبو نے بدستور ناک چڑھاتے ہوئے بولا۔ اور اس کی شکل دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔

"تو کہنا کیا چاہتا ہے ٹوبو۔" بالآخر میں نے کہا

"یہی کہ تمہاری شکل خراب ہوگئی ہے۔"

"پھر میں کیا کروں۔"

"اور آجکل تم مجھے بالکل اچھے نہیں لگ رہے۔" ٹوبو نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا اور میں اسے اس انداز میں دیکھنے لگا جیسے اس کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے میری جان۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور کیا میرا قصور ہے۔" ٹوبو بولا۔

"دیکھو ٹوبو۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہہ۔ میرا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔"

"بس یہی میں کہنا چاہتا تھا باس۔" ٹوبو جلدی سے بولا۔

"کیا مطلب ہے۔"

"کیا ٹوبو کو نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا دماغ کیوں ٹھیک نہیں ہے۔"

"اوہ۔ یہ معاملہ ہے۔" میں نے گردن ہلائی۔

"بالکل یہی معاملہ ہے۔ شیروں کے شیر۔ باغیوں کے شکاری قبیلوں کے تحت بدل دینے والے کے چہرے اسے یہ تاثرات اچھے نہیں لگتے ہیں جن پر مایوسی ہو۔"

"میں مایوس تو نہیں ہوں باس۔"

"یہ تمہیں آجکل کیا ہوگیا ہے۔ مجھے جواب دو۔"

"کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"اُداس اُداس۔ پریشان، کھوئے ہوئے۔ یہ سب کیا ہے۔"

"کیا ان جنگلوں میں طبیعت نہیں اُکتاتی ٹوبو۔"

"مشن سامنے ہو تو اُکتاہٹ کا کیا سوال ہے۔ ہم یہاں زندگی گزارنے تو نہیں آئے۔ اس لحاظ سے تمہاری پوزیشن تو اور مضبوط ہے باس۔ تمہارے سامنے تمہارا مشن ہے۔ جس کی تکمیل نے تمہارے دل میں سیکڑوں چراغ جلا رکھے ہوں گے۔ لیکن ٹوبو کی دلچسپیاں تو صرف تم تک محدود ہیں۔ ٹوبو کی خوشیاں تو صرف تمہاری خوشیوں سے قائم ہیں۔ تم غور کرو ٹوبو اگر تمہیں اُداس دیکھے گا تو اُس کے پاس کیا رہ جائے گا۔"

"اُوہ — میرے دوست۔ میرے بھائی۔ تیرا شکوہ درست ہے۔" میں نے فرطِ مسرت سے ٹوبو کو کھینچ کر سینے سے لگالیا۔

"دیوتاؤں کی قسم باس — ٹوبو کی ساری زندگی ان جنگلوں میں کیسے بھٹکتے رہے۔ ٹوبو کی پیشانی پر ایک بھی شکن نہیں آئے گی۔ تم اسے کبھی ملول اور افسردہ نہیں دیکھو گے۔ لیکن ..... اسی شکل میں باس جبکہ تم زندگی سے بھرپور رہو۔ ورنہ ٹوبو بھی اُداس ہوجائے گا۔"

"میں اُداس نہیں ہوں میری جان، یہ صرف تیرا احساس ہے ہاں اس طویل سفر سے کسی حد تک اُکتایا ہوا ضرور ہوں۔" میں نے کہا۔

"اُکتاہٹ دور ..." ٹوبو کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک جنگل فائروں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ ہم دونوں چونک کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"آیا باس — زندگی جاگ اُٹھی۔" ٹوبو نے آواز لگائی۔

"لیکن — کون ہوسکتا ہے۔"

"کوئی پارٹی۔" ٹوبو نے کہا۔

"ہیروں کی متلاشی — ؟"

"ظاہر ہے۔" ٹوبو نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر یہ آپس میں۔" میں نے کہا۔ فائروں کی آواز سے کوئی اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ دو پارٹیوں میں آپس میں جنگ ہورہی ہے یا۔

لیکن اس کا مقصد بھی ہوگیا۔ اچانک گیدڑوں کی سی آوازیں اُبھریں۔ اور پھر یہ آوازیں اتنی تیز ہوئیں کہ فائرنگ کے شور پر بھاری ہوگئیں۔

"آیا باس۔ اس علاقہ والے جو کوئی بھی ہیں۔ بڑی مصیبت میں گھر گئے ہیں۔" ٹوبو نے کہا۔

"کیا مطلب ؟"

"اور ان آوازوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہم اس وقت افریقہ کے سب سے خطرناک بستے ریکالوستا میں ہیں۔ کیا تم نے ان علاقوں کے بارے میں پڑھا ہے باس — ؟"

"نہیں ٹوبو۔"

"آدم خوروں کی زمین۔"

بیچارے بدنصیب۔ میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا۔ جو فائرنگ کر رہے تھے۔

"ہم بھی ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتے ہیں۔"

"کیوں — ؟"

"بہت بڑا قبیلہ ہے۔ اور اُس کا طرزِ رہائش بڑا عجیب ہے۔"

"وہ کیسے — ؟"

"یہ لوگ جھونپڑیاں بناکر نہیں رہتے۔ آگے ایک عجیب و غریب چٹانی علاقہ ملے گا ویران اور سنسان علاقہ۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ ان چٹانوں کے نیچے کونسی آفت پوشیدہ ہے۔"

"چٹانوں کے نیچے — ؟"

"ہاں باس — اور بے حد گہرائیوں میں یہ لوگ زمین میں سوراخ کرکے رہتے ہیں۔ اور یہ سوراخ اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ سارے سوراخ زمین کے نیچے ہی نیچے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور اُنہوں نے زیرِ زمین ایک دنیا آباد کر رکھی ہے۔ بے خبر انسان ان چٹانوں میں دامن گیر ہوتے ہیں مطمئن و پرسکون، وہ سوچتے ہیں وہاں کچھ نہیں یہاں ہیں اور علاقہ ایسا کر دو اب ہے کہ سانپ اور دوسرے ملائم جسم والے حشرات الارض بھی نہیں ہوتے لیکن جب وہ مکانی سوراخوں سے چیونٹیوں کی طرح نکلنے والے ان بھیانک شکلوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے حواس گم ہوجاتے ہیں۔ بڑے ہی خوفناک ہیں یہ لوگ !"

"واقعی —" میں نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

فائرنگ بدستور جاری تھی فائر کرنے والوں کی تعداد بھی کافی معلوم ہوتی تھی اور ان کے پاس ایمونیشن بھی کافی معلوم ہوتا تھا وہ بڑی بے جگری سے جنگ کر رہے تھے۔

"ٹوبو۔" میں نے ٹوبو کو آواز دی۔

"باس۔"

"کیا ہم ان کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔"

"کوئی ترکیب تو نہیں ہے باس۔ اور تم ان پر فائر کرو گے تو کتنے مار لوگے۔ ان کے ہاں زندگی موت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"مگر وہ بے بس لوگ۔"

"تم ان سے صرف ہمدردی کرسکتے ہو۔"

"ہوں۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور پھر ہم خاموشی سے فائرنگ کی آواز سنتے رہے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ تیزی سے ان لوگوں میں پہنچ جاؤں اور ان کی مدد کردوں۔ لیکن عقل مانع تھی۔ رات کا وقت تھا اور نامعلوم علاقہ تھا۔ زندگی بہرحال ابھی اتنی بے حقیقت نہیں تھی کہ یوں ضائع کردی جاتی۔

پھر فائرنگ سست ہونے لگی۔ مداخلت کرنے والے سست پڑ رہے تھے۔ آدم خوروں کا شور اب بالکل مدھم ہوگیا تھا۔ ممکن ہے وہ چٹانوں میں چلے گئے ہوں۔

"کیا خیال ہے ٹوبو۔"

"مداخلت سست پڑ رہی ہے۔" ٹوبو آہستہ سے بولا۔

"لیکن ان کا شور بھی تو نہیں ہے۔"

"انسان کے خون کے شوقین بے حد چالاک ہوتے ہیں باس۔"

"اُوہ — کیا مطلب۔"

"اُنہوں نے ان کا پلہ بھاری دیکھا ہوگا تو پیچھے چلے گئے ہوں گے اور رات کا وقت ہے۔ سرچیان انسان معلوم ہوتی ہوئی۔ چنانچہ چارسے پیروں کے بجاری پتھروں پر فائرنگ کرتے رہے ہوں گے۔" ٹوبو نے کہا۔

"خدا کی پناہ !" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اور وہ اپنا ایمونیشن ضائع کرتے رہیں گے اور اس کے بعد اطمینان سے ان کے قبضے میں چلے جائیں گے۔"

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے باس ؟"

"نہیں ہونا چاہیئے ٹوبو — ؟"

"ہاں باس۔ اس سے قبل میں ان ساری باتوں سے آگاہ نہیں تھا۔ اب ہوگیا ہوں۔" ٹوبو نے گہری سانس لیکر کہا۔

"کیا مطلب۔"

"جس طرح میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ آخر کیوں ؟"

"ہاں ٹوبو۔ جس طرح بل لین جیتی جاگتی زندگی چھوڑ کر ان پہاڑوں میں آ بسا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو باس۔"

"فائرنگ بند ہوچکی ہے ٹوبو۔"

"لیکن ابھی وہ گرفتار نہیں ہوئے۔" ٹوبو نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔"

"وہ حملہ کرتے وقت چیخیں گے ضرور۔"

"اُوہ ٹوبو۔ تب چلو۔ ہم ان کی مدد کریں۔ انہیں پیچھے ہٹائیں۔"

"میں تمہارے حکم کو ٹالنے کی جسارت نہیں کرسکتا باس مشورہ دیتا ہوں ابھی رک جاؤ۔ رات کا وقت ہے ہم ان پر حملہ بھی کریں گے تو ان لوگوں کی لپیٹ میں آجانے کا خطرہ ہے۔ دن کی روشنی میں ہم انہیں تلاش کریں گے۔"

میں گردن جھکا کر ٹوبو کی بات پر غور کرنے لگا۔ یہ بات ٹوبو تقریباً ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لیکر گردن ہلادی۔ اور میں خاموش ہوگیا۔

ٹوبو بھی کافی دیر تک خاموش رہا۔ پھر وہ اچانک آہستہ سے بولا "ری کا۔ "بوستا" ری کا۔ بوستا۔ اس لفظ کے معنی جانتے ہو باس۔"

"نہیں۔ اجنبی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے تمہیں اس قبیلے کے بارے میں، اس علاقے کے بارے میں اتنی تفصیل بتائی ہے۔ تمہیں حیرت نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"کیوں باس۔"

"افریقہ تمہارا وطن۔"

"میرے خیال میں افریقہ کے سب سے قدیم بوڑھے بھی تمہیں اسے افریقہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے باس۔ افریقہ تو بہت سے رازوں کا ملک ہے۔"

"پھر تم ہی بتادو۔"

"میں ایک بات تمہیں بتاچکا ہوں مسٹر۔ وہ یہ کہ سرداری کا پہلا وارث تھا اور سردار کو تمام لوگوں سے زیادہ ہوشیار ہونا ہوتا ہے۔ اسے بچپن سے ہی بہت سی باتیں بتائی جاتی ہیں جو اسے زندگی بھر یاد رہتی ہیں اور اس طرح وہ دوسروں سے ممتاز رہتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات تم بتاچکے ہو۔"

"اسی ضمن میں مجھے اس علاقے کی پوری تفصیلات بتائی گئی تھیں۔ مجھے ان کی آوازیں بھی سنادی گئی تھیں اور باس ری کا بوستا ہی کے نام سے منسوب ایک کہانی مجھے یاد آرہی ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"ری کا بوستا ہی کی بات تھی۔"

"مگر بات کیا تھی ؟"

"ایک رات، ایک دن — ہاں یقیناً ایک رات۔ اور ایک دن۔ نہ جانے کون سی رات اور کونسا دن۔ جب یہاں دن میں سورج اُتر آتا ہے اور رات کو چاند۔"

"کیا مطلب۔"

"بڑی بھیانک کہانی ہے باس۔ سورج دن کی روشنی میں ان پہاڑوں میں اُتر آتا ہے۔ اور جب سورج نیچے اُتر آئے تو کیا ہوسکتا ہے تم خود سوچ سکتے ہو۔ اور اس طور چاند۔ تب یہ سنا ہے یہ پہاڑ ہیروں کی طرح چمکتے ہیں اور انسان آنکھوں کی بینائی برقرار نہیں رکھ سکتا۔"

"واقعی عجیب کہانی ہے۔ تو کیا یہ وہی پہاڑ ہیں ؟"

"جہاں تک میری یادداشت ساتھ دیتی ہے باس۔" ٹوبو نے جواب دیا۔ "اس سلسلے میں کچھ مخصوص دن ہوتے ہیں — ؟"

"یقیناً ورنہ یہاں ایک بھی ذی روح نہ رہے۔ اور باس ان لوگوں کے زمین میں سوراخ بناکر رہنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"ہوں۔" میں خاموش ہوگیا — نیند کا مارا ٹوبو تھوڑی دیر کے بعد وہ حسبِ معمول خراٹے لینے لگا — مگر میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ بھی نہ تھا ان دنوں عجیب زندگی گذر رہی تھی۔ رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا۔ چاروں طرف سناٹے کا راج تھا۔ بالکل یوں لگتا تھا جیسے کوئی خوفناک طوفان آنے والا ہو۔ اور ان دنوں میری چھٹی حس کچھ زیادہ ہی تیز ہوگئی تھی۔ کیونکہ طوفان آیا اور اچانک آیا۔

گیدڑوں جیسی آوازوں کا شور اچانک ہی اُٹھا اور جنگل کا سکوت مجروح ہوگیا ایسا بھیانک شور تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جارہے تھے۔

میں اُچھل کر کھڑا ہوگیا ٹوبو نے بھی کروٹ بدلی تھی اور پھر وہ آنکھیں ملتا ہوا جماہی لیکر اُٹھ بیٹھا۔

"آگیا باس۔" اُس نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیا۔" میں سرسراتی آواز میں بولا۔

"ان بیچاروں کی شامت ۔۔۔"

"فائرنگ کرنے والوں کی نا ۔۔۔؟"

"ہاں میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ اچانک حملہ آور ہونگے، کمبخت ان کے سونے کا انتظار کرتے ہونگے مگر ان احمقوں کو چاہیے تھا کہ رات کو یہاں نہ آتے۔ بلکہ جتنی دور نکل سکتے تھے نکل جاتے۔" "سو جاؤ باس تم کیوں اُٹھ بیٹھے۔" ٹوبو پھر اپنی جگہ لیٹ گیا۔

میں نے حیرت سے اس جنگلی احمق کو دیکھا۔ میں اس کی طرح وحشی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی گردن پکڑ کر اُسے اُٹھا دیا۔

"اس شور میں نیند آ رہی ہے بے وقوف ۔۔۔؟ اُٹھ کے بیٹھو۔"

"جنہیں پکڑا جانا تھا وہ تو پکڑے گئے باس۔ دیوتاؤں کی مرضی ہم تم کیا کر سکتے ہیں۔" ٹوبو بیٹھ گیا۔ وحشیوں کی چیخیں بدستور سنائی دے رہی تھیں اور ان میں ان گرفتار ہونے والے قیدیوں کی آوازیں بھی شامل تھیں وہ دردناک آوازوں میں چیخ رہے تھے۔

میں خاموشی سے ان آوازوں کو سنتا رہا۔ خوف یا دہشت نام کی کوئی چیز تو اب قریب سے نہیں گزرتی تھی ہاں افسوس ضرور تھا کاش ان کی مدد کی جا سکتی۔

لیکن اب افسوس بیکار تھا۔ ہم ان کی مدد کے بارے میں سوچتے بھی تو کچھ نہیں کر سکتے تھے پھر آوازیں معدوم ہو گئیں اور میں خاموشی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ٹوبو اب میری شکل دیکھ رہا تھا میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔

"نیند آ رہی ہے ٹوبو۔" میں نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں باس۔"

"کیوں ۔؟"

"بات ٹالنے کی کوشش مت کرو باس۔ میں تمہارے جذبات کو سمجھ لیا ہے لیکن تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس وقت ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔"

"دن میں بھی کیا مدد کر سکیں گے ٹوبو ۔۔"

"کوشش کریں گے باس۔"

"ایک کوشش کریں گے۔ ہم زیر زمین ان کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکیں گے۔"

"یہ دن میں سوچیں گے۔ بہرحال ہم پوری کوشش کریں گے۔" ٹوبو نے کہا۔ اور میں خاموش ہو گیا پھر بقیہ رات یونہی گذری۔ دوسری صبح بڑی بوجھل تھی۔ اُلٹا سیدھا ناشتہ کیا پھر ٹوبو تیار ہو گیا۔

"چلو باس ۔۔" اس نے کہا۔

"کیا کرو گے تیس مار خاں ۔۔۔؟"

"انہیں تلاش کریں گے۔" ٹوبو نے بڑے عزم سے کہا۔ اور میں نے ٹھنڈی سانس لیکر گردن ہلا دی اور پھر ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ رات ہونے کی وجہ سے آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں ورنہ جس علاقے میں واردات ہوئی تھی وہ کافی دور تھا اتنا دور کہ چٹانوں میں پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی اور میں بہرحال ٹوبو کی بات کا قائل ہو گیا کہ ہم کوشش بھی کرتے تو حماقت ہوتی۔

اور اس خیال سے میرا ضمیر کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

عجیب و غریب علاقہ تھا۔ چٹانیں پتلی پتلی سیدھی کھڑی تھیں بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی عظیم الشان قبرستان ہو جہاں سیدھے کتبے نصب ہوں۔ ان کے درمیان خشک بھوری زمین تھی۔ دور کافی دور ایک پتلی سی ندی نظر آ رہی تھی: ظاہر ہے پانی کے بغیر کسی آبادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ۔۔۔

چٹانوں پر گولیوں کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے اس کے علاوہ خالی بلٹ بھی جا بجا پڑے ہوئے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ رات کے معرکے کی جگہ یہی ہے۔

"ان چٹانوں میں پانی کی موجودگی حیرت انگیز ہے۔" میں نے تبصرہ کیا۔

"ہاں باس۔ یہاں بیشمار باتیں حیرت انگیز ہوتی ہیں۔"

لیکن ان وحشیوں کے لئے یہ ضروری بھی تھا۔

"نہیں باس۔ انہیں اس ندی سے زیادہ دلچسپی نہیں ہو گی۔"

"کیوں ۔۔۔؟"

"وہ جتنی گہرائیوں میں چلے جاتے ہیں وہاں انہیں پانی کی کوئی دقت نہیں ہوتی ہو گی۔ پانی ان کے قریب ہوتا ہے۔"

"اوہ ۔۔۔ یہ بات بھی تم نے سنی ہے؟"

"ہاں باس۔"

"کمال ہے ۔۔۔ مگر چٹانوں میں سوراخ تو نظر نہیں آ رہے؟"

"تم نے غور نہیں کیا باس۔"

"کیا مطلب ۔۔۔؟"

"میں کئی روز سے دیکھ چکا ہوں ۔۔"

"اوہ ۔۔ مجھے بھی بتاؤ۔" میں نے کہا۔ اور پھر میں خود ہی چونک پڑا۔ میں نے ایک سائے کو ایک چٹان سے دوسری چٹان کی طرف لپکتے دیکھا تھا۔

"دیکھا باس۔" ٹوبو بولا۔

"ہاں۔ ہمیں دیکھ لیا گیا ہے۔"

"اوہ باس۔ ندی کی طرف چلو ۔۔۔ دوڑو ۔۔۔ ورنہ چٹانوں میں ہم ان کے گھیرے میں آ جائیں گے۔" ٹوبو نے کہا اور بات میری سمجھ میں بھی آ گئی۔ ندی کے نزدیک کھلی جگہ تھی۔ اور کھلی جگہ میں ہم ان سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ بہرحال چٹانوں میں نقل و حرکت شروع ہو چکی تھی لیکن ہم برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل آئے اور پھر ہم ندی کے قریب پہنچ گئے۔

ہم رکے ہی تھے کہ ہم سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک عجیب شخص دوڑتا نظر آیا۔ وہ مادر زاد برہنہ تھا اور اس کے بدن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ غالباً وہ ندی سے نکل کر بھاگا تھا اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ ہو گا۔ رنگ مٹی کے رنگ جیسا بھورا تھا جسم فربہ اور ٹھوپا تھا اور وہ اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے بہت تیز بھاگ رہا تھا میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

اور دوسرے لمحے میں نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ میں نے اس کا رخ بھاگتے ہوئے بونے کی طرف کیا اور اسے گرفت میں دبوچ لیا ۔ بھاگنے والا اب میری گرفت سے آزاد ہونے کے لئے قوت صرف کر رہا تھا اور اس کے حلق سے دہشت زدہ آوازیں نکل رہی تھیں کیونکہ اسے وہ گرفت نظر نہیں آ رہی تھی جس نے اسے جکڑ رکھا تھا تب میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ٹوبو حیرت سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ بونا ہمارے قریب آ گیا۔ میں نے اب بھی اسے گرفت میں رکھا تھا اس کے چہرے پر دہشت منجمد تھی۔

"تم اس کی زبان بول سکتے ہو ٹوبو ۔۔۔؟"

"کچھ نہیں سکتا باس۔"

"اس سے گفتگو کر کے اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرو۔" میں نے کہا۔ اور ٹوبو تیار ہو گیا۔ پھر اس نے افریقی زبان میں اس سے اس کے بارے میں پوچھا ۔۔۔

لیکن بونا خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں اب نفرت اور حقارت کے آثار تھے۔ ٹوبو نے کئی بار مختلف لہجے اور مختلف انداز میں اس سے بات کی۔ اس دوران میں بونے کے چہرے کے تاثرات دیکھتا رہا تھا۔ میں نوٹ کر رہا تھا کہ ٹوبو کے الفاظ سے اس کے چہرے پر فرق پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ ممکن ہے بونا اس کی بات سمجھنے کے باوجود انجان بننے کی کوشش کرے۔

لیکن بونا خوف دہشت اور نفرت سے ہم دونوں کو دیکھتا رہا ۔۔۔ تب ٹوبو نے مایوسی سے شانے ہلائے اور بولا۔ "اب کوئی ایسی زبان مجھے یاد نہیں ہے باس۔ جس سے میں اس کے بارے میں معلوم کروں ۔۔۔"

"ہوں ۔۔۔" میں نے گردن ہلائی۔ "پھر کیا کرنا چاہئے ٹوبو؟"

"اشاروں کی زبان باس۔" ٹوبو اچانک اچھل پڑا ۔۔۔

"اوہ ۔۔۔ ہاں۔" میں نے کہا۔ اور پھر میں بونے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن اچانک۔ اچانک ہم نے فضا میں ایک عجیب قسم کی گرمی محسوس کی ۔۔۔ ہوا کے جھونکے آ گئے تھے۔ لیکن ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ جہنم سے گذر کر آ گئے ہوں یا قریب ہی کہیں زبردست آگ لگ گئی ہو ۔۔۔ میں نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا اور اچانک ہی بونا اس طرح چیخا جیسے اسے ذبح کر دیا گیا ہو۔ میں اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ جبکہ وہ میری گرفت سے نکل گیا اور وہ اتنی تیزی سے دوڑ کر چٹانوں میں غائب ہو گیا کہ میں حیران رہ گیا۔

ٹوبو بھی بیوقوفوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ گرم اور جھلسا دینے والی ہواؤں کے جھکڑ تیز ہونے جا رہے تھے۔

"نہیں نہیں ۔" اچانک ٹوبو کپکپاتی انداز میں بولا۔

"کیا ۔ کیا ہوا ٹوبو ۔۔"

"ہو گیا ۔۔۔ بوستا ۔" ٹوبو کی دہشتناک آواز ابھری۔

"کیا ۔۔"

"باس۔ باس ۔ باس ۔" ٹوبو کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ اور اچانک پورا ماحول ایک دہکتی بھٹی میں تبدیل ہونے لگا ۔ میں نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا ۔۔ پہاڑ عجیب سے انداز میں چمکنے لگے تھے۔ اور ان سے آگ سی نکلنے لگی تھی ۔۔۔

"جو ۔۔ ہو گا دیکھا جائے گا ٹوبو ۔۔۔ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے بھی بمشکل آواز نکالی۔ اور ڈوبتے ذہن میں ایک اور خیال آیا ۔ تب میں نے ٹوبو کا ہاتھ پکڑا۔ "آؤ ٹوبو۔ کوشش کرو بھاگنے کی کوشش کرو۔"

"کہاں ۔ باس۔" ٹوبو نے پوچھا ۔۔۔

"ندی پر ۔۔ ندی پر ۔۔۔ ممکن ہے پانی میں کود کر ۔۔۔ ہم ۔ ہم ۔" میں نے منہ بند کر لیا۔ ٹوبو حتی الامکان میرے ساتھ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا ۔ حقیقت ۔۔ یہ دنیا کی سب سے بھیانک سچویشن تھی۔ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں اب ختم ہو گئی تھیں ۔۔ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی بندوقیں سنبھالنے کا خیال کسے آتا، ہم نے اطمینان سے انہیں پھینک دیا۔ اور نہ جانے کس طرح ندی کے قریب پہنچ گئے۔

لیکن ندی کے کنارے پہنچ کر حواس جواب دے گئے۔ بہتا پانی بھی کھولتا ہوا سمندر بنا ہوا تھا ۔۔۔ اس میں سے تیز بھاپ بلند ہو رہی تھی اور بلبلے اُٹھ رہے تھے۔ ایک تیز سنسناہٹ فضا میں پھیلی ہوئی تھی اور یہ ہمارا آخری احساس تھا۔ اس کے بعد حواس ساتھ جواب دے گئے اور ہم ندی کے کنارے ہی زمین پر گر پڑے۔ موت کے انتظار میں ۔۔۔ جواب مرف چند ساعت دور تھی ۔۔۔

لیکن انسان تو اپنی موت پر بھی قادر نہیں ہے۔ جب دل چاہتا ہے آتی ہے۔ نہیں چاہتا ہے نہیں آتی ہے۔ ٹھوکر لگ جاتی ہے مر جاتا ہے۔ راہ چلتے مر جاتا ہے۔ کرسی پر بیٹھا مر جاتا ہے۔ بستر پر بیٹھا مر جاتا ہے کنوئیں میں گرتا ہے نہیں مرتا۔ آگ میں گر جاتا ہے نہیں مرتا ۔۔۔ پانی میں ڈوبتا ہے نہیں مرتا۔ چنانچہ یہ سب انسان کے بس میں نہیں ہے۔

ہمارے بس میں بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ہم بھی نہیں مر سکے۔ ٹوبو کو اور مجھے ایک ساتھ ہی ہوش آیا تھا۔ بدن کے نیچے کرداری زمین تھی چاروں طرف تاریکی تھی۔ مکمل تاریکی اور خاموشی۔

کافی دیر کے بعد مجھے اپنے وجود کا احساس ہوا اور پھر میں نے اپنے بارے میں سوچا۔ اور اپنی حیثیت اور گذرے ہوئے واقعات کو یاد کرنے میں بھی کافی دقت پیش آئی۔ اور پھر چونک پڑنا قدرتی

بات تھی۔ میں نے متحیرانہ انداز میں ہاتھ پاؤں مارے اور ہاتھ ٹوبو کے بدن سے لگا۔

"کون —؟" میں بول پڑا۔

"اوہ۔ میرے خدا — آواز تو باس کی ہے۔" ٹوبو کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یہ تم ہو ٹوبو۔" میں نے تاریکی میں ٹوبو کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہاں باس۔ کیا تم بھی زندہ ہو۔"

"شاید۔" میں نے کہا۔

"اور میری طرح اندھے ہو چکے ہو۔" ٹوبو نے پھر پوچھا۔

"اندھے۔"

"تو — تو کیا تمہیں نظر آ رہا ہے باس۔" ٹوبو نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"کیوں — کیا بات ہے ٹوبو —؟"

"میں تو اندھا ہو چکا ہوں باس۔" ٹوبو بھرائی آواز میں بولا۔

"نظر تو مجھے بھی نہیں آ رہا ہے ٹوبو مگر یہ تاریکی بھی ہو سکتی ہے"

"تاریکی —؟" ٹوبو اچھل پڑا — "ارے ہاں۔ یہ تاریکی بھی تو ہو سکتی ہے۔ مگر دریا کے کنارے اتنی گہری رات۔ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"ٹوبو —" میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"یس باس۔"

"کیا تجھے سب کچھ یاد آ گیا ہے —؟"

"اچھی طرح۔"

"تب — دریا کہاں ہے ٹوبو — کیا ہم اندھے ہونے کے ساتھ ساتھ بہرے بھی ہو گئے ہیں کہ پانی بہنے کی آوازیں نہیں سن سکتے۔" میں نے کہا۔ اور ٹوبو خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے حواس بحال کرنے میں کوشاں تھا اور کئی منٹ تک اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی۔

"ٹوبو —" میں نے اسے پھر مخاطب کیا۔

"ہاں ہاں باس۔ سوری۔ میں کچھ سوچنے لگا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے ٹوبو —"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو باس۔ ہم دریا کے کنارے نہیں ہیں۔ اور گویا اس جگہ نہیں ہے جہاں ہمارے حواس جواب دے گئے۔"

"اور یہاں تاریکی بھی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" ٹوبو نے کہا۔

"پھر یہ کونسی جگہ ہو سکتی ہے ٹوبو —؟"

"کوئی — کوئی زیر زمین سوراخ —" ٹوبو نے پورے سکون سے کہا۔ اور میرے بدن میں عجیب سی سنسنی دوڑ گئی۔ یہی بات ہے۔ یہ ممکن تھا لیکن — میں کئی منٹ تک کچھ نہ بول سکا۔ میں اپنی کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ جسم میں کوئی خاص نقاہت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی تکلیف بھی نہیں تھی —

"تمہیں یقین ہے ٹوبو —؟" میں نے کہا۔

"یقین کر لیں گے باس۔"

"اوہ — تب اٹھو —" میں نے اس کا ہاتھ دبایا۔ اور ٹوبو بھی کھڑا ہو گیا۔ جس جگہ ہم تھے وہ بہرحال اتنی کشادہ ضرور تھی کہ ہم کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد ٹوبو نے قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ لیکن ہمارے ہاتھ خلا میں جھول کر رہ گئے۔

اس کا مطلب تھا کہ جگہ کافی کشادہ ہے۔ پھر میں اور ٹوبو ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چلنے لگے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ دوسرا قدم کہاں لیجائے گا۔ لیکن بہرحال ہم چل رہے تھے۔ پیروں کے نیچے کھردری زمین تھی اور آنکھوں کے سامنے پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔

"تم نے ایک بات محسوس کی باس؟"

"کیا —؟"

"اب میں تمہارا ہیولا سا دیکھ رہا ہوں۔ اس کا مطلب ہے ہماری بینائی برقرار ہے۔ اور تاریکی ہی کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پا رہے۔"

"ہاں ہم اندھے نہیں ہوتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر باس یہ جگہ تو کافی کشادہ معلوم ہوتی ہے۔ دیوار ہی نہیں ہے۔"

"چلتے رہو — دیکھیں کہاں پہنچتے ہیں۔" میں نے کہا۔ اور ہم دونوں آگے بڑھتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد احساس ہوا کہ جگہ تنگ ہو رہی ہے۔ کئی بار ہاتھ دیواروں سے ٹکرائے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اب ہم کسی سرنگ میں چل رہے ہیں۔

اور پھر تھوڑی دور پر روشنی کا ایک دھبہ نظر آیا۔ اور ٹوبو چیخ پڑا — "روشنی۔"

"اوہ۔ خاموش رہو ٹوبو — خاموشی سے حالات کا جائزہ لو۔"

"سوری باس۔ نہ جانے کیسی کیفیت ہو رہی ہے۔ ویری سوری۔" ٹوبو نے کہا۔ اور پھر ہم دبے قدموں روشنی کی طرف چل پڑے۔ یہ شاید سرنگ کا اختتام تھا۔ لیکن یہاں لکڑی کا ایک فریم لگا ہوا تھا۔ جو باہر سے بند تھا۔ گویا یہ قید خانے کا دروازہ تھا دروازے کے دوسری طرف دیوار میں ایک مشعل روشن تھی اور مشعل کے نیچے تھوڑے فاصلے پر چار ویسے ہی بونے آدمی اونگھ رہے تھے۔ جیسا ایک آدمی میں دیکھ چکا تھا۔

اب اس بات میں شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ ہم آدم خور بونوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے اور ان کی قید میں تھے۔

ٹوبو نے ایک گہری سانس لی۔ اور بولا۔ کیا خیال ہے باس؟

"ہم زیر زمین ہیں ٹوبو۔"

"یقیناً!" ٹوبو نے تشویش سے کہا۔

"آؤ — واپس چلیں —"

"ایں۔" ٹوبو چونک پڑا — "مگر باس — یہ میرا مطلب ان کی قید مناسب نہیں ہے —"

"آؤ تو سہی یار — تمہارے اعصاب ابھی تک کشیدہ ہیں۔"

"اور یہ حقیقت ہے باس —" ٹوبو نے شرمندگی سے کہا بہرحال اس کے بعد واپسی کے راستے میں اس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ اور پھر ہم اسی جگہ واپس آ گئے جہاں سے چلے تھے۔ اب آنکھیں تاریکی سے کسی حد تک مانوس ہو گئی تھیں اس لئے وہ کیفیت نہیں تھی۔ ہم دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"ہاں مسٹر ٹوبو — آپ کیا فرما رہے تھے —؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا —

"جو کچھ فرما رہا تھا — اس پر خود شرمندہ ہوں باس۔"

"وضاحت کرو —!"

"ظاہر ہے ہم قیدی ہیں۔ مناسب نامناسب کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

"اور ایسی شکل میں جبکہ بندوقیں بھی ہمارے پاس نہیں رہیں۔"

"اوہ — ارے باس — کہیں وہ ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہوں —"

"خدا جانے —" میں نے کہا — "لیکن کیا یہ بندوقوں کے استعمال سے واقف ہوں گے!"

"مشکل ہے باس۔ یہ کافی پسماندہ ہیں۔"

"تب تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"لیکن ہمارے لئے تو بے حد ضروری تھیں باس۔ خاص طور سے اس وقت۔ ان آدم خوروں کے درمیان ہم ان سے کافی مدد لے سکتے تھے —" ٹوبو افسوس سے بولا۔

"بہرحال اب وہ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ہمیں ان کے بارے میں افسوس سے کیا حاصل —"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ٹوبو نے گہری سانس لی۔ اور پھر چونک کر بولا: "مگر یار وہ —"

"ہاں ہاں۔ کہو —"

"میں نے تمہارے اندر ایک انوکھی بات محسوس کی تھی۔ حالات ایسے ہی تھے کہ میں کبھی اس کے بارے میں پوچھ ہی نہ سکا۔"

"کیسی انوکھی بات۔" میں نے انجان بننے کی کوشش کی لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ ٹوبو کا اشارہ کس انوکھی بات کی طرف ہے۔

"زوالا کی بستی میں — لوگوں کے بدن پس گئے تھے — وہ کونسی قوت تھی باس۔ اور اس بونے کو کیا ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی اسے اٹھا کر لے آیا ہو۔"

"تم سے کوئی چیز چھپانے کی ضرورت نہیں ٹوبو — یہ قوت بھی ہمارے محسن ہڑلیمینا نے ہمیں دی ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں یہ قوت بھر دی ہے۔"

"اوہ — باس — اس کا مطلب ہے ہم نہتے نہیں ہیں۔"

"ہاں — میرا یہی خیال ہے۔"

"مگر کیسی انوکھی قوت ہے باس — افوہ۔ تم کتنے عجیب ہو گئے ہو۔" ٹوبو کا ذہن تیزی سے پلٹا اور وہ مسکرا کر بولا۔ "تب تو ہم توپوں سے خوب نمٹ لیں گے۔"

"یقیناً۔ خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اور پھر یہ بات تو ان کے لئے بہت عجیب ہو گی۔"

"ہاں —۔"

"بہرحال تم نے دیکھا باس۔ دیکابوستا کے بارے میں میری معلومات غلط تو نہیں تھیں —"

"نہیں۔ لیکن مگر بھیانک منظر تھا۔"

"ہم زندہ کیسے بچ گئے باس؟"

"ویسے باہر موسم ٹھیک ہو گیا ہو گا۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں اٹھا کر کیسے لائے۔"

"ہاں سورج ڈھلنے کے بعد موسم بدل گیا ہو گا۔" میں نے کہا۔ میں سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اور میرا ذہن اب اس پارٹی میں الجھ گیا تھا جو ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی۔ نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ حالانکہ کچھ وقت پہلے خود ہماری زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ لیکن بہرحال میں ان لوگوں کو فراموش نہیں کر سکا۔ نہ جانے کیوں رہ رہ کر ان کا خیال آ رہا تھا — "اب کیا پروگرام ہے باس۔"

"رات ہو گئی ہے ٹوبو — اور پھر جو کیفیت ہے۔ اس کے تحت آرام کرنا ضروری ہے۔ رات گزارو۔ دن کی روشنی میں سوچیں گے۔ یوں بھی ابھی ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں —"

"ہاں باس۔ میں بھی ٹھیک نہیں ہوں — لیکن —"

"لیکن کیا —؟"

"بس ان لوگوں کا خیال آتا ہے جو بیچارے ان کے ہاتھوں پھنس گئے۔ بہرحال اگر موقع ملا تو ہم ان کی مدد ضرور کریں گے۔"

"یقیناً" میں نے مضبوط آواز میں کہا۔ اور ہم کھردری زمین پر لیٹ گئے۔ ہماری ہمت تھی کہ ان خوفناک حالات میں بھی اس قدر پرسکون تھے ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو اسے حواس بحال رکھنا مشکل ہوتا — نیند بھی خوب آئی۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی بے خبر ہو گئے۔ اور نہ جانے کب تک سوتے رہے۔

بہرحال آنکھ کھلی تو ایک احساس ضرور ہوا۔ وہ یہ کہ نہ جانے ہم کتنی گہرائیوں میں تھے۔ لیکن یہاں بھی ان ارادات کا تعین ہو سکتا تھا۔ اس وقت مناسب روشنی تھی جس سے ان کا احساس ہوتا تھا۔ بہرحال ان لوگوں نے زندہ رہنے کے انتظامات تو کئے ہی ہوں گے۔

میں نے ٹوبو کی طرف دیکھا۔ ٹوبو سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگا دیا۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔

"اوہ — باس۔ یہ نیند بھی کیا شے ہوتی ہے۔"

"آرام سے سوئے۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"نہایت آرام سے۔" ٹوبو بھی مسکرا دیا۔
"صبح ہو چکی ہے۔"
"ہاں احساس ہوتا ہے باس۔"
"ممکن ہے ہم زیادہ گہرائیوں میں نہ ہوں۔"
"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے باس۔"
"ویسے یہ وحشی اخلاقیات سے تو واقف نہیں ہوں گے۔ میرا مطلب ناشتہ وغیرہ۔"
"مشکل ہے باس۔" ٹوبو گردن گھماتے ہوئے بولا۔
"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بیچارے جو دو دن سے بھوکے ہوں گے؟" "پتہ نہیں باس۔ ہوں گے بھی کہ نہ ہوں گے۔"
"کیا مطلب؟"
"ممکن ہے اب وہ بھوک سے بے نیاز ہو چکے ہوں۔" ٹوبو نے کہا۔ اور میرے بدن میں گرم لہریں دوڑ گئیں۔ ایک شدید اذیت کا احساس ہوا۔ "نہیں ٹوبو۔ ایسا مت کہو۔ ایسی بے دردی سے ان کی موت کی بات مت کرو۔"
"سوری باس۔" ٹوبو شرمندگی سے بولا۔
"آؤ۔ اب انتظار بیکار ہے۔ کچھ کریں۔" میں نے کہا۔ اور ٹوبو بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن ہم سرنگ کے آخری سرے پر پہنچے بھی نہیں تھے کہ دوسری طرف سے بے شمار آدم خور وحشی آتے نظر آئے۔ میں نے کہا۔ "دیکھنا چاہیے ان کا۔ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"
وہ سب ہمارے گرد پھیل گئے۔ ان کے پاس ہتھیار تھے۔ لیکن نہایت ناقص۔ پتھر اور لکڑی کے ہتھیار جو صرف پھینک کر مارے جا سکتے تھے یا پھر قریب سے۔ ویسے ان کی تعداد ہی ان کی قوت تھی۔ وحشیانہ انداز میں مسکراتے اور قہقہے لگاتے ہوئے وہ ہمارے گرد پھیل گئے۔ اور پھر وہ ہمیں آگے دھکیلنے لگے۔ سرنگ کا دروازہ کھل چکا تھا۔ ہم خاموشی سے باہر نکل آئے۔
لیکن وہ تو ہمارے بدن ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہے تھے۔ گوشت کا اندازہ کر رہے تھے۔ میں نے ابھی خاموشی اختیار کی تھی وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ ٹوبو ان کی زبان نہیں سمجھ پا رہا تھا۔
"ٹوبو۔ کوئی اندازہ لگا سکے؟"
"نہیں باس۔ سالوں کی زبان میرے لئے اجنبی ہے۔"
"دیکھتے ہیں یہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ ٹوبو خاموش تھا۔ وحشی ہمارے آگے پیچھے چل رہے تھے اور ہم سرنگوں کے دس حال کو دیکھ رہے تھے جو کبھی گہرائیوں میں جاتا کبھی بلندیوں کی طرف۔ اور پھر ہم ایک انوکھی جگہ پہنچ گئے۔ بند پیالے نما جگہ تھی۔ جیسے دو پیالے ایک دوسرے پر رکھ دیئے گئے ہوں۔ وہاں کچھ لوگ بندھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کچھ زمین پر پڑے ہوئے تھے۔
اور اچانک میں ایک شکل کو پہچان گیا۔ میرے بدن کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور دوسرے لوگوں کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔
جس شکل کو میں پہچانا تھا وہ کرنل ڈکسن تھا۔ میں نے وحشیوں کا حصار توڑ دیا اور دوڑتا ہوا کرنل ڈکسن کے پاس پہنچ گیا۔ ڈکسن کی بری حالت تھی۔
"کرنل۔" میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھورنے لگا۔ بڑی مشکل سے اس نے مجھے پہچانا۔ اور پھر اس کی کمزور آواز ابھری۔
"تم۔ تم۔ سرفراز۔؟"
"ہاں کرنل۔ آپ۔؟"
"اوہ سرفراز۔ میرے بیٹے۔ تم بھی۔"
"نواب فیروزالدین کہاں ہیں کرنل۔؟" میں نے ہذیانی انداز میں پوچھا۔
"وہ۔ وہ اب ہمارے ساتھ نہیں ہے۔"
"کیا۔؟" میں سناٹے میں آ گیا۔ "کیا ہوا انہیں کرنل۔"
"لمبی کہانی ہے سرفراز۔ کیا کرو گے سن کر۔ اب کیا فائدہ؟" کرنل ڈکسن نے مایوس لہجے میں کہا۔
"وہ زندہ ہیں کہ نہیں۔؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں۔ جب ہم سے جُدا ہوئے تھے تو زندہ تھے۔"
"اور کوثر۔؟"
"فیروز کی بیٹی۔؟"
"وہ بھی زندہ تھی۔"
"تو کیا۔ یہاں وہ آپ کے ساتھ نہیں آئے۔؟"
"نہیں۔!" ڈکسن نے جواب دیا۔
اوہ۔ میں نے گہری گہری سانس لیں۔ میری حالت سنبھل گئی تھی۔ نواب فیروزالدین جس حال میں بھی ہوں بہرحال ان آدم خوروں کے قبضے میں نہیں آئے تھے۔
وحشیوں نے مزید کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ شاید وہ ہمیں یہاں تک پہنچانے ہی آئے تھے۔ چند منٹ کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے۔ گویا یہ پیالہ قید خانہ تھا۔ تب میں نے کرنل ڈکسن کی طرف دیکھا۔ پھر دوسرے لوگوں کی طرف۔ سب شکلیں جانی پہچانی تھیں۔ اینجلا بھی ان میں شامل تھی۔ وہ زمین پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ دوسرے چند لوگ بھی نیم مردہ حالت میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔
میں نے ایک طویل سانس لی اور کرنل ڈکسن کو دیکھنے لگا۔ "بھوکے ہوں گے آپ۔؟" میں نے کہا۔
"اوہ تم نہیں جانتے سرفراز، تم نہیں جانتے، تم نہیں جانتے تم ان لوگوں کے چنگل میں کب آئے۔؟" کرنل ڈکسن سرسراتی آواز میں بولا۔
"آپ لوگ پرسوں رات کو قید ہوئے تھے نا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ تمہیں کیسے معلوم۔"
"آپ نے ان لوگوں پر فائرنگ کی تھی۔"
"ہاں۔ کیا تم اس وقت آزاد تھے۔؟"
"ہاں۔ مگر افسوس۔ میں کسی طور آپ کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔"
"تمہارے دوسرے ساتھی۔؟"
"آپ کی مراد سیاہ فاموں سے ہے۔؟"
"ہاں۔ وہی تو تمہارے ساتھ تھے۔"
اب صرف ٹوبو رہ گیا ہے۔
اوہ۔ باقی لوگ۔؟
"نہیں وہ خیریت سے ہیں۔ ہم نے ہی انہیں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن کرنل ڈکسن آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی یہ حالت میرے لیے حیرت انگیز ہے۔ نواب فیروزالدین آپ سے کیوں جُدا ہو گئے اور بھی چند لوگ تھے جو نظر نہیں آ رہے تھے۔ احمد آفندی بھی نہیں ہیں۔"
"طویل کہانی ہے سرفراز۔ سنو گے۔؟"
"کیا حرج ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔؟"
"نہیں۔" کرنل ڈکسن نے پھیکے لہجے میں کہا۔ لیکن اب ساری کہانیاں بے مصرف ہیں۔ ہم زندگی کی بازی ہار چکے ہیں۔
"اوہ۔ کرنل ڈکسن۔ آپ تو ایک باہمت انسان ہیں۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔ اس کے ساتھ ہی حقیقت شناس بھی۔"
"کیا مطلب۔"
"وہ دیکھو۔ اس کونے میں، خون کے کچھ دھبے اور بکھری ہوئی ہڈیاں، وہ کھوپڑی، جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں۔؟" کرنل ڈکسن نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے چونک کر پیالے نما قید خانے کے اس کونے کی طرف دیکھا۔ جس طرف کرنل ڈکسن اشارہ کر رہے تھے۔
"وہ۔ وہ کیا ہے۔؟" میں نے خوفزدہ آواز میں پوچھا؟
باورڈ۔ میکلین، گلڈر۔ اور سیکی۔ کرنل ڈکسن پر اسرار آواز میں بولا۔ یہ چاروں ہمارے ساتھ تھے۔ ہمارے سامنے انہیں زمین پر گرایا گیا تھا۔ ان کی گردنیں کاٹ کر خون کی اُبلتی ہوئی دھاروں کے گھونٹ بھرے گئے اور پھر ان کے گوشت کی بوٹیاں بوٹیاں آپس میں تقسیم کر لی گئیں۔ دیکھو انہوں نے اپنے تیز دانتوں سے ان ہڈیوں سے گوشت کس طرح صاف کر لیا ہے۔ اور یہ سارا ڈرامہ ہمارے سامنے ہی ہوا تھا۔ کرنل ڈکسن نے بتایا۔
میری آنکھیں بند ہو گئیں تھیں، کیا خوفناک تصور تھا، کافی دیر تک میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا ان لوگوں کے چہرے کی مردنی، زمین پر پڑی ہوئی بے اوسان لڑکیاں ان کی یہ کیفیت اب پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ وحشی آدم خوروں کی طرف سے میرے دل میں بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی اور میں نے نفرت کی نگاہوں سے ان سب کی طرف دیکھا۔!
اور کچھ عرصے کے اندر ہم سب بھی اسی حالت کو پہنچ جائیں گے ہماری ہڈیوں کے ڈھیر بھی کسی کونے میں پڑے ہوں گے۔ چنانچہ کہانی سننے سے کیا فائدہ۔ کرنل ڈکسن نے کھوکھلی آواز میں کہا۔
"اوہ مسٹر ڈکسن، اس طرح ہمت نہ ہاریں۔" میں نے دلاسہ دیا۔
"میرے بچے۔ تم نے وہ منظر نہیں دیکھا جو میں دیکھ چکا ہوں۔"
"اس کے باوجود میں آپ سے استدعا کروں گا کہ اس قدر ہمت نہ ہاریں۔ جب تک زندہ ہیں، زندہ رہنے کی جدوجہد کریں گے۔"
کرنل ڈکسن نے میری بات پر تبصرہ نہ کیا۔ لیکن ان کے چہرے کی مایوسی احساس دلا رہی تھی کہ میری باتوں سے انہیں کوئی تقویت نہیں پہنچی۔ چند ساعت میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔ کرنل ڈکسن خاموشی سے خلاء میں گھور رہا تھا، پھر میں نے ٹوبو کو اشارہ کیا اور ٹوبو میرے نزدیک پہنچ گیا۔
"میرا خیال ہے ٹوبو ہمیں کچھ کارروائی شروع کرنی چاہئے ورنہ یہ لوگ بھوک سے ہی مر جائیں گے۔ اب وقت ضائع کرنا بے کار ہے۔"
"جو حکم باس۔" ٹوبو نے کہا۔
کرنل ڈکسن ہماری بات سُن رہا تھا۔ اس نے نگاہیں اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور پھر کمزور آواز میں بولا۔
"کیا کر سکتے ہو تم ان لوگوں کے خلاف۔ یہ چیونٹیوں کی طرح بھرے پڑے ہیں۔ اگر تم ان سے جنگ بھی کرو گے تو کتنوں کو مار سکو گے۔"
"کرنل ڈکسن، میرا نام سرفراز ہے۔" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "براہ کرم آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔"
"ہم نیم جاں ہو چکے ہیں۔ کیا کر سکیں گے؟"
"آپ ان سب کو اپنے قدموں پر تو کھڑا کر دیں۔ ٹوبو کرنل کی مدد کرو۔" میں نے کہا اور ٹوبو زمین پر پڑے ہوئے لوگوں کو تھپتھپا تھپتھپا کر کھڑا کرنے لگا۔ نیم مردہ چہرے لئے سب اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ لیکن ان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک نہ تھی۔ مجھے دیکھ کر بھی کسی کے چہرے پر کوئی تاثر پیدا نہیں ہوا۔ خالی خالی نگاہیں، سونے سونے چہرے۔
میں نے اس پیالے نما قید خانے کے ایک حصہ کی طرف دیکھا اور پھر میرا خیالی ہاتھ پتھر کی دیوار سے جا ٹکا۔ میں نے اس پر قوت صرف کی اور ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ پتھر کی ایک سل نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"آؤ۔" میں نے اپنے پیچھے والوں کو اشارہ کیا۔
بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ لوگ یہ غور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ غیر مانوس دروازہ کس طرح بنا۔ ہاں بھورے رنگ کے آدم خور بو نے اس غیر متوقع آواز پر دوڑ پڑے تھے۔ تب میری انگلیاں پھیلنے لگیں اور میں نے ٹوٹی ہوئی سل کو خیالی شکنجے میں جکڑا اور دونوں

پر دے مارا۔

بے شمار چیخیں بلند ہوئیں تھیں۔ بچنے والوں کا خوفزدہ گروہ پلٹ کر بھاگا اور میرے ساتھی ٹوبو نے مردانہ وار قہقہہ لگایا۔

"آؤ۔ آؤ کرنل ڈکسن۔ ان لوگوں سے کہو ٹوبو کی پشت پناہ پر چلے آئیں۔ ارے ان آدم خوروں کی ایسی تیسی۔"

کرنل ڈکسن اور کچھ دوسرے لوگوں کو احساس ہوا تھا کہ کوئی خاص بات ہے۔ کیا خاص بات ہے اس سلسلے میں کوئی نہ جانتا تھا نہ جان سکتا تھا۔ بہرحال سب خوفزدہ انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ زندگی کی طلب ہر تصور پر حاوی ہوتی ہے۔ بھوک، خوف سب کچھ تھا لیکن زندگی اب بھی پیاری تھی اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی تھا۔ سامنے لمبی سرنگ تھی، نہیں معلوم تھا کہاں جاتی ہے۔ لیکن یونہیں کرنا تھا، جہاں بھی نکل جائیں، میرے لوگ میری تقلید کر رہے زندگی کی تلاش میں۔

ہم سرنگوں میں دوڑتے رہے اور بالآخر جدوجہد رنگ لائی ایک سرنگ کا دہانہ مل گیا۔ ویسے مجھے حیرت تھی، جس قدر آدم خور یہاں آباد تھے، اسے دیکھتے ہوئے بہت کم مقابلے پر آئے تھے۔ لیکن یہ خام خیالی تھی۔ بہرحال دشمن بیوقوف نہیں ہوتا۔ غار کے تنگ دہانے سے ایک ایک کر کے تمام افراد باہر نکل آئے لیکن چٹانی سوراخوں سے نکلنے والے ہم تنہا نہ تھے۔ چاروں طرف کی چٹانیں انسان اُگل رہی تھیں چیونٹیوں کی طرح قطاریں باندھے بھورے آدم خور باہر نکل کر چاروں طرف باہر پھیلتے جا رہے تھے، جسے جو ہتھیار ملا تھا اُٹھا لایا تھا۔ اور ہم سے جنگ پر آمادہ تھا۔

کرنل ڈکسن اور دوسرے لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر دہشت زدہ ہو رہے تھے۔ ایسے وقت میں اگر ہمارے پاس ہل مین کی دی ہوئی بندوقیں ہوتیں تو کیا ہی عمدہ بات ہوتی۔ لیکن بندوقیں تو ہم نے ایسی بدحواسی کے عالم میں پھینکی تھیں کہ ان کی جگہ کا تعین بھی نہیں کر سکتے تھے۔

بہرحال، اس وقت مجھے صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا تھا۔ اور اس قوت کو ایسے انداز سے استعمال کرنا تھا جو بھرپور ہو اور وحشیوں کو پوری طرح خوفزدہ کر دے۔ لیکن کرنل ڈکسن اور دوسرے لوگوں کے سامنے میں یہ تماشا نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے بعد ان کو اس سلسلہ میں مطمئن کرنا پڑتا۔ اور ہل مین کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔

چنانچہ میں نے ٹوبو کو اشارہ کیا، اور ٹوبو میرے اشارے کو سمجھ گیا۔ اس نے دوسرے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا، اور میں خاموشی سے ایک چٹان کے پیچھے کھسک گیا۔ یہاں سے میں نے ان لوگوں کے ایک بڑے جتھے کو نشانہ بنایا۔ ان کے نزدیک ہی ایک اونچی چٹان کھڑی تھی۔ میری پوری توجہ چٹان کی طرف ہو گئی — اور یکایک چٹان اپنی جگہ سے بلند ہوئی اور لوگوں پر جا پڑی۔

بے شمار وحشی چٹان کے نیچے دب گئے تھے اور دوسرے لمحے میں نے ایک دوسری چٹان اُٹھائی۔ اور نہایت سخت قوت صرف کرنی پڑ رہی تھی اور وحشیوں میں دہشت پھیل گئی تھی۔ کرنل ڈکسن اور دوسرے لوگ چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہے تھے۔

میں اس پہلے ہی حملے میں بھرپور تاثر چھوڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں ایسی جگہوں کو نشانہ بنا رہا تھا جو ہمارے قریب تھیں اور بلاشبہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا — وحشیوں میں دہشت پھیل گئی اور وہ دور دور بھاگنے لگے۔

"تب میں نے ٹوبو کو آواز دی۔ ٹوبو ندی کی طرف چلو۔ اور ٹوبو نے کرنل ڈکسن کو اشارہ کیا وہ لوگ ندی کی طرف بڑھنے لگے۔

میں راستہ صاف کرنا چاہتا تھا اور اب ان لوگوں کی شکلوں پر کسی قدر سکون کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اور اب میں ان لوگوں کے سامنے آ گیا۔ کرنل ڈکسن تیزی سے میرے قریب پہنچ گیا۔ یہ — یہ کیا ہو رہا ہے سرفراز — اُس نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا —

"آپ پیچھے ہٹتے رہیں کرنل، ان لوگوں سے جتنی زیادہ دور نکل سکیں۔" میں نے کہا اور کرنل ڈکسن نے میری ہدایت پر عمل کیا، یوں ہم چٹانوں سے دور ہوتے گئے، اور تھوڑی دیر میں کافی دور نکل آئے۔ وحشیوں کی طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی، وہ دور ہی رہے اور ہم پیچھے ہٹتے رہے، لڑکیاں بُری طرح نڈھال تھیں، پھر چٹانی سلسلہ ختم ہو گیا اور ہمارے بھاگنے کی رفتار سست ہو گئی۔ لڑکیاں گری پڑ رہی تھیں، ان کی حالت کافی خراب تھی۔ اب بھی ان کی آنکھوں میں دہشت منجمد تھی، انہیں اپنی زندگی کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

لیکن اب وحشی آدم خور بہت دور رہ گئے تھے اور ان کے نزدیک آنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے، اس لئے کافی سکون ہو گیا تھا، کرنل ڈکسن تھک کر رک گیا۔

"میں۔ میں اب زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا۔" اس نے کہا۔

"بس تھوڑی دور اور کرنل، اس کے بعد ہم نسبتاً اچھے علاقے میں پہنچ جائیں گے، اب تیز دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اور ہم سست رفتاری سے چلنے لگے

اس دہشت ناک علاقے سے کافی دور نکل آئے تھے اور اب جگہ جگہ سرسبز جھاڑیاں نظر آنے لگی تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر وہ ندی نظر آ رہی تھی، یہ اسی علاقے سے آتی تھی جہاں سے ہم نکل آئے تھے۔ ندی کے دوسری طرف درختوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ بمشکل تمام ندی کے کنارے پہنچے اور اب سب کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔ سب اوندھے سیدھے گر پڑے۔ خاص طور سے لڑکیوں کی بُری حالت تھی۔

کرنل ڈکسن نے بھی زمین پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں نے ان سب کی کیفیت دیکھی اور ایک گہری سانس لی۔

"ٹوبو!" میں نے آہستہ سے ٹوبو کو آواز دی۔

"یس باس!" ٹوبو نے مستعدی سے کہا۔

"تم ان کی کیفیت سمجھ رہے ہو؟"

"کسی حد تک باس!"

"اگر غذا کا بندوبست نہ ہوا تو ان میں سے بہت سے کم ہو جائیں گے۔"

"بندوبست ممکن ہے باس!"

"اوہ۔ تو تمہارا بھی یہی خیال ہے؟"

"کیا باس؟"

"جانور مل سکیں گے؟"

"ہاں باس، پانی بھی ہے، اور سبزہ بھی ہے۔ جانور آسمان پر نہیں ہوتے۔"

"تب آؤ، تلاش کریں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں چل پڑے۔ درخت چھدرے تھے۔ گھاس وغیرہ بھی تھی۔ اور پھر ہمیں ایک جنگلی گائے نظر آ گئی "باس!" ٹوبو نے اس طرف اشارہ کیا اور میں نے دوڑتی ہوئی گائے کی طرف دیکھا۔ وہ قلانچیں بھر رہی تھی۔ دوسرے لمحے میں نے ہاتھ بلند کیا اور گائے اپنی جگہ اچھلنے لگی، لیکن میری گرفت سے کہاں بچ سکتی تھی، میں اسے ٹوبو کے نزدیک گھسیٹ لایا۔ اور پھر ہم نے گائے کو گرا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹوبو اس کی کھال صاف کر رہا تھا اور میں کسی دوسرے جانور کی تلاش میں تھا۔

بھنے ہوئے گوشت کی بُو نے ان لوگوں میں زندگی دوڑا دی۔ کرنل ڈکسن دوڑا آیا تھا، حالانکہ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ہماری کاوشیں دیکھیں، اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کرنل، آپ پریشان کیوں ہیں؟"

"یوں لگتا ہے سرفراز، اس مہم میں تمہاری موجودگی، ہم لوگوں کی بہتر زندگی کی علامت تھی۔ خدا کی قسم، ان دنوں ہم بڑے بڑے خطروں سے کیسے گذر گئے تھے، لیکن تمہاری علیحدگی کے بعد ....."

"ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے کرنل، آپ میری مدد کریں، ان لوگوں تک یہ گوشت پہنچائیں، پانی ہمیں ندی سے پینا پڑے گا، کیونکہ ہمارے پاس برتن نہیں ہے۔"

"جو حکم سرفراز!" کرنل نے انکساری سے کہا۔

دل مسرت ہو رہی تھی ان لوگوں کو دیکھ کر، سب میں نئی زندگی عود کر آئی۔ گوشت کے ٹکڑے ان سب میں تقسیم کر دیئے گئے تھے، اور اس وقت ان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ گوشت نے ان کے جسموں میں طاقت بھر دی۔ اور پانی پینے کے بعد ان کے چہروں پر رونق نظر آنے لگی۔

سب سے آخر میں ہم نے گوشت کھایا، مقدار کافی تھی۔ سب نے خوب پیٹ بھر لیا تھا اور پھر سب ایک جگہ بیٹھ گئے۔

"میرے خیال میں دوستو، ہمارے قیام کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے، اب آپ لوگوں کی حالت بہتر ہے، ہمیں تھوڑا سا سفر اور کر لینا چاہئے۔"

"ہم تیار ہیں۔" سب نے کہا اور ہم چل پڑے۔ اس کے بعد رات تک سفر جاری رہا۔ راستے میں مزید گوشت کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ کرنل ڈکسن نے شکار کا وہ عجیب طریقہ دیکھا، جب دوڑتے ہوئے جانور اچانک تکلیف میں مبتلا ہو جاتے، گر پڑتے، اور ٹوبو ان پر قابو پا لیتا۔ اس طرح رات کی خوراک کا بھی معقول بندوبست ہو گیا۔ اس میں اب دوسرے لوگوں نے بھی مدد کی تھی، اور پھر جب ایک پرسکون اور خوشگوار ماحول میسر ہو گیا تو میں نے انجیلا کو جا لیا۔

"ہیلو ڈینیلا انجیلا!" میں نے اسے پورے نام سے مخاطب کیا۔

"خوابوں کے آدمی!" ڈینیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسی ہو؟"

"جیسی ہوں تمہارے سامنے ہوں، مگر تم کہاں گم ہو گئے تھے؟"

"جنگلوں میں، پہاڑوں میں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یوں لگتا ہے، جیسے تمہارے ساتھ آسانیاں سفر کرتی ہوں، جونہی تم ہمارے درمیان سے ہٹے، مصیبتوں کا دور شروع ہو گیا اور اب جب تم دوبارہ ملے تو زندگی ساتھ لائے۔"

"مجھے خوشی ہے ڈینیلا کہ میں تمہارے کام آ سکا۔"

"تم تو کچھ اور پراسرار ہو گئے سرفراز۔"

"مطلب کیا؟"

"سب تمہارے بارے میں دبی دبی سرگوشیاں کر رہے ہیں۔"

"اوہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بس میری خوش بختی ہے کہ میری کاوشیں تمہاری زندگی بن گئیں۔"

"تم ٹھیک ہو سرفراز؟"

"ہاں ڈینی، بالکل ٹھیک۔"

"سیاہ فام تمہارے ساتھ ہے؟"

"ہاں، میرا ساتھی، میرا دوست ..." میں نے ٹوبو کی طرف دیکھا۔

"اور دوسرے لوگ؟"

"وہ سب چھوٹ گئے۔"

"تم درحقیقت اس وقت بھی انوکھے تھے سرفراز، اب بھی انوکھے ہو۔ تم اس دوران کہاں بھٹکتے رہے؟"

"بس انہیں جنگلوں میں، تمہارے لئے، ممکن ہے تمہیں کبھی میری مدد کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"اُف خدایا! زندگی کیسی بھیانک ہو گئی تھی، سرفراز، نہ جانے ہمارے دل دہشت سے رک کیوں نہیں گئے، شاید زندگی باقی تھی۔ اُف۔ ہمارے سامنے ہمارے ساتھیوں کا گوشت آپس میں تقسیم ہوا تھا۔ خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔" ڈینیلا کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔

"بہرحال تم بچ گئیں۔"

"مگر ہوا کیا سرفراز، کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ اچانک ان پر چٹانوں کی بارش کیسے ہو گئی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دھماکے بھی نہیں ہوئے تھے جس سے اندازہ ہوتا کہ شاید بارود

استعمال کیا گیا ہے "۔

پھر تم کیا سوچ رہی ہو؟

" صرف میں نہیں، سب کا ایک ہی خیال ہے "۔

" اوہو، کیا؟ "

" یہی کہ تم پراسرار قوتوں کے مالک ہو، پہلے بھی تمہاری وجہ سے کامیابیاں شریک سفر تھیں اور اب بھی جب تمہاری شکل نظر آئی تو موت کے جبڑے کھل گئے اور ہم اس کے حلق سے نکل آئے "۔

" اوہ "۔ میں نے اس کی بات کو غور سے سنا، میں اس لطف اندوز نہیں ہوا بلکہ میں نے سنجیدگی سے اس کے الفاظ پر غور کیا، ہل لین کے دیئے ہوئے تحفے بہرحال اس کی امانت تھے، میں اس کا راز کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ان سے کام لینا بھی ضروری تھا، اس لئے اگر یہ افواہ کوئی حیثیت اختیار کر جائے تو کیا حرج ہے۔

ڈینیلا میری شکل دیکھ رہی تھی۔

" کیا ہم سب کا خیال غلط ہے؟ " اس نے پوچھا۔

" اوہ۔ ڈینیلا، یہ اتفاقات بھی ہو سکتے ہیں۔ "

" کتنے اتفاقات ہوں گے؟ "

" بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے کام آ سکا "۔

" اقرار نہیں کرو گے؟ "

" تم میری دوست ہو ڈینیلا، بہرحال میں خاموشی اختیار کئے لیتا ہوں "۔

اسی وقت کرنل ڈکسن میرے پاس پہنچ گیا، اس کے انداز سے عقیدت ٹپک رہی تھی۔ " مصروف ہیں مسٹر سرفراز؟ " اس نے اپنائیت سے پوچھا۔

" نہیں آیئے مسٹر ڈکسن۔ بس ڈینیلا سے باتیں ہو رہی تھیں "۔ اور کرنل ڈکسن ہمارے پاس ہی بیٹھ گیا۔

" کاش میں اس محفل میں آپ حضرات کو چائے پیش کر سکتی "۔ ڈینیلا نے ظریفانہ لہجے میں کہا، اور کرنل ڈکسن مسکرانے لگا۔

" یوں سمجھ لیں ڈینیلا، ہمارے ہاتھوں میں چائے ہے "۔

" اوہ۔ ہاں "۔ ڈینیلا بھی مسکرا دی۔

" میں آپ سے بہت سی باتیں کرنے کا خواہشمند ہوں سرفراز "۔

" ضرور۔ میں حاضر ہوں "۔

" میرے بیٹے، میں بھی ان شرمندہ لوگوں میں شامل ہوں جو تمہاری جدائی کے بعد پشیمان ہوئے تھے، لیکن بعض زبانوں نے کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ جس دن سے تم گئے، پارٹی کا شیرازہ منتشر ہو گیا "۔

" گزری بات ہے کرنل، جانے دیں "۔

" میں نے اعتراف کیا ہے "۔

" اب اس بات کو ذہن سے نکال دیں "۔

" یہ تمہاری بڑائی کا ایک اور ثبوت ہے، میں نے دیکھا، تم نے شطرنج کھیلی اور یوں کھیلی کہ بات عقل سے باہر ہو جاتی، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کونسی چالیں چلی جا رہی ہیں۔ پھر ہم سب نے دیکھا کہ تمہاری وجہ سے ایسی آفات ٹلیں جن میں ہلاکت لازمی تھی، مثلاً ہاتھیوں کا طوفان۔ اور پھر اس وقت جب شکار سے مایوس ہوئے تو تم نے شکار کے ڈھیر لگا دیئے۔ تمہاری کونسی بات کا اعتراف کیا جائے "۔

" بہرحال شکریہ "۔

" نہیں ۔۔۔ اس کے بعد تم عزتوں کے محافظ بنے۔ لیکن ہر دل احساس کمتری کا شکار ہو چکا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی تم جیسا نہیں تھا "۔

" مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی کرنل، لیکن نواب فیروز الدین ۔۔ "۔

" بدقسمت انسان تھا "۔

" خیر جانے دیں، میں ان کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں "۔

" ہیروں کی چمک، انسان کو سارے رشتے فراموش کرنے پر مجبور کر دیتی ہے سرفراز، فیروز الدین نے بھی دوست کھو دیئے "۔

" کیا آپ لوگوں میں کوئی اختلاف ہو گیا؟ "

" ہاں، اور اس کا روح رواں فرزان عامری تھا "۔

" اوہ۔ جس کی کہانی سنی گئی تھی "۔

" ہاں، اسی کی بات کر رہا ہوں "۔

" تو آپ اس تک پہنچ گئے تھے؟ "

" ہاں اور اس وقت تک ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، بظاہر فرزان ایک اچھا انسان تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کی فطرت میں عصبیت گھل گئی، اس کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک نہ رہا، اور بالآخر اس نے ہم لوگوں میں دو گروہ کرا دیئے۔ بڑا دکھ ہوا تھا فیروز الدین کو چھوڑ کر "۔

" اوہ "۔ میں نے تاسف سے کہا۔

" ہم لوگوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا، بس طے پایا تھا کہ ایک دوسرے سے دور رہ کر قسمت آزمائی کریں، ہاں فیروز نے یہ ضرور کہا تھا کہ اگر مستقبل میں ہمارے راستے ملے تو ہم دشمن کی طرح ملیں گے "۔

" کیا ہو گیا نواب صاحب کو؟ "

" دوستوں کا بچھڑ جانا بڑی بدقسمتی ہوتی ہے "۔

" فرزان عامری کے وحشی لڑکے کا کیا ہوا؟ "

" وہ بھی ساتھ تھا، انہوں نے نی تیکا کی روانگی کی تیاریاں کر لی تھیں، اب یہ تو خدا ہی جانے کہ وہ کہاں تک پہنچے "۔

" ہوں "۔ میں نے ایک گہری سانس لی، اور کرنل ڈکسن بھی غمزدہ شکل بنائے بیٹھا رہا۔ " بہرحال کرنل ڈکسن، حالات ہمارے تابع نہیں ہوتے "۔

" میں جانتا ہوں میرے بچے "۔

" اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟ "

" یقین کرو، اکتا گیا ہوں، اگر حالات ساتھ دے سکے تو واپسی کا سفر کرنا چاہتا ہوں، درحقیقت ہیروں کی چمک زندگی سے بہت دور کر دیتی ہے "۔

" مجھے بے حد افسوس ہوا ہے۔ آپ کے ساتھیوں کا بھی یہی پروگرام ہے؟ "

" کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن میرا خیال ہے ان کی زندگی تو اب ایک نئی حیثیت رکھتی ہے، یقین کرو ہم میں سے کسی کو زندگی کے چند لمحات سے زیادہ ہونے کا احساس نہیں تھا "۔

" یہ حالات قدرت کے بس میں ہوتے ہیں، ویسے میں آپ لوگوں کو ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں "۔

" کیا؟ "

" یہ طویل عرصہ میرے لئے بھی گوناگوں تجربات کا رہا ہے لیکن میں نے حالات سے شکست نہیں قبول کی، میں اس منبع تک پہنچنا چاہتا ہوں جو میرا نصب العین ہے، اگر آپ میرا ساتھ پسند کریں تو میری پیشکش قبول کر لیں "۔

کرنل ڈکسن نے میری بات پر سر جھکا لیا، پھر بولا۔

" میرے سامنے میرا متعین کردہ کوئی راستہ نہیں ہے "۔

" میں آپ کی ہر طرح مدد کر سکتا ہوں "۔

" مجھے آگے لے جانا چاہتے ہو سرفراز؟ " کرنل ڈکسن نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

ہاں میں نے جواب دیا اور کرنل ڈکسن کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا

" میں یہ کہہ کر خواہ مخواہ بننے کی کوشش نہیں کروں گا کہ میں ہیروں کا تصور چھوڑ چکا ہوں۔ اور اب صرف تمہارے کہنے پر تمہارے ساتھ چلوں گا۔ لیکن بیٹے ایک بات ضرور میرے ذہن میں ہے۔ "

" کیا کرنل ڈکسن؟ "

" تم انوکھے انسان ہو، میں تمہیں بے پناہ پسند کرتا ہوں۔ اور تم میرے اور ان سب کے باس بھی ہو۔ میں یہ چاہتا ہوں سرفراز کہ ہم اس بارے میں کھل کر گفتگو کر لیں۔ "

" نہایت مناسب بات ہے "۔ میں نے کہا۔

" تم اسے میرا توہین محسوس کرو گے؟ "

" نہیں میرا خیال ہے یہ ایک اچھی بات ہو گی۔ "

" میں ان لوگوں کا عندیہ لے لوں گا۔ ان میں سے کون کون ہمارے ساتھ جائے گا اور انہیں تمہاری پیشکش بھی بتا دوں گا تم مجھے اس بارے میں بتاؤ۔ "

" آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کرنل "۔ میں نے کہا

" تو پھر سنو سرفراز ۔۔۔ اس مہم کے سلسلے میں جو تمہارا مشن ہے وہ تو حیثیت ہی دوسری رکھتا ہے۔ ہم یا اور کوئی اس میں مداخلت کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ویسے یہ پارٹی جس وقت چلی تھی اس وقت سے لے کر اب تک تمہاری پوزیشن سب سے زیادہ مضبوط رہی تم نے پارٹی کی مدد کی اور پارٹی سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی کامران رہے۔ جبکہ ہم زندگی کے راستوں سے ہٹ کر موت کے جبڑوں میں داخل ہو گئے تھے۔ "

" وہ تو تقدیر کی بات ہے کرنل "۔ میں نے کہا۔

" بیشک۔ لیکن فہم و فراست بھی ایک ٹھوس حقیقت رکھتے ہیں ۔۔۔! "

" ہاں ہر کام کے لئے تھوڑی سی کوشش تو ضروری ہوتی ہے۔ ہم سب نی تی کا چلیں گے۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو کامران ہوں گے۔ ہیروں کے حصول کے بعد ان کے دو حصے ہوں گے ایک حصہ تمہارا ہو گا اور دوسرا ہم سب آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ "

" میرے خیال میں یہ کافی ہے "۔

" تم ہم سب کی رہنمائی کرو گے۔ "

" ٹھیک بزرگ کی حیثیت سے میں آپ کو ترجیح دوں گا۔ کرنل ۔۔۔ "

" لیکن اس کے لئے تم بہتر ہو "۔

" مجھے اعتراض نہ ہو گا! "

" تمہارے ساتھ جانے والے تمہارے احکامات کی تعمیل کریں گے جن میں، میں بھی شامل ہوں گا "۔ کرنل ڈکسن نے پرخلوص لہجے میں کہا

" ٹھیک ہے کرنل۔ میرے احکامات ہی کیا ہوں گے سوائے اس کے کہ پارٹی میں کوئی ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش نہ کرے، ہر شخص ڈسپلن کا پابند ہو، اسی میں ہم سب کی بہتری اور بھلائی ہو گی، اور اسی بات پر مجھے کوئی اختلاف ہو سکتا ہے۔ "

" نہایت مناسب ہے "۔

" اس کے علاوہ میں نے بھاری آواز میں کہا، ہمیں خوراک کی فراہمی کے لئے جدوجہد کرنا ہو گی۔ پانی کا بندوبست رکھنا ہو گا۔ دراصل میں چاہتا ہوں ہم سفر کریں۔ لیکن ان مردہ انسانوں کو مانند میں انہیں دیکھ کر احساس ہو کہ وہ زندگی سے بیزار ہیں اور کوئی بڑی مصیبت اس صحرا میں انہیں گھسیٹ لائی ہے اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کرنل ڈکسن "۔

" میں تمہاری ایک بات سے متفق ہوں۔ "

" مردہ دلی جدوجہد کی مقابل ہوتی ہے ہم سب زندہ ہیں اپنی مرضی سے یہاں آئے ہیں تو پھر ہم اداس کیوں رہیں "۔ میں نے کہا

" بالکل ٹھیک "۔ کرنل نے اعتراف کیا۔

" بس تو کرنل آپ ان تمام لوگوں سے بات کر لیں۔ اس کے بعد ہم نی تی کا سفر شروع کر دیں "۔

" بس تو مجھے اجازت دو۔ کرنل ڈکسن نے کہا۔ اور میں نے گردن ہلا دی پھر میں نے مسکراتے ہوئے ٹولو کی طرف دیکھا اور ٹولو بھی مسکرا دیا۔

" کیا خیال ہے ٹولو ۔۔۔ میری جان "۔

" بالکل ٹھیک باس۔ "

" تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ "

" ارے نہیں باس۔ میں آدم بیزار تو نہیں۔ یہ لوگ ساتھ رہیں گے ہنگامے ہوں گے۔ قہقہے لگیں گے۔ جیسے کہ پہلے۔ "

" بالکل ٹھیک۔ میں نے کہا۔ اور پھر کرنل ڈکسن نے میرے پاس آ کر سب کی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اس نے کہا۔ " کہ جتنے افراد اس ٹیم میں شامل ہیں سب تمہارے اوپر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور تمہارے ہر حکم کی تعمیل کے لئے

تیار رہیں۔ یوں مجھو سرفراز کریں نے انہیں تمہارے الفاظ سنائے نوانو کے جسموں میں نئی زندگی دوڑ گئی۔

اور پھر ہم نے ایک متعین کئے ہوئے راستے پر سفر طے کرنا شروع کیا۔ میں نے پہلا حکم یہ دیا کہ جہاں شکار نظر آئے اسے شکار کرنے کی کوشش کی جائے۔ خوراک کا معقول ذخیرہ ہمارے ساتھ ہونا چاہئے۔ بس پھر کیا تھا، جوانوں کی آنکھیں صحراؤں میں بھٹکنے لگیں۔ رفتار تیز ہو گئی اور جب دور سے درختوں کا سلسلہ نظر آیا تو گویا سب دوڑ پڑے۔ کرنل ڈکسن اور لڑکیاں میرے ساتھ تھیں۔

"انوکھی بات ہے۔ سرفراز تم یقین کرو، یہ سب اس طرح زندگی گذر بسر کر رہے تھے جیسے ان کے جسموں کی جان نکل چکی ہو۔ لیکن اب تو ان کی کیفیت ہی دوسری ہے، میں بیحد خوش ہوں۔"

"میں بھی خوش ہوں کرنل۔" میں نے کہا۔

"او ہو۔ دیکھو شاید انھوں نے کچھ کیا۔" کرنل ڈکسن نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ سب کے سب بیچارے ہنستے تھے۔ شکار کرنا ظاہر ہے اسوقت کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن وہ جس انداز میں کوشش کر رہے تھے وہ بیحد دلچسپ تھا۔ انہوں نے ایک بڑی سینگوں والی نیل گائے کے گرد حصار بنا لیا تھا۔ نیل گائے کافی خونخوار تھی، تندرست بھی تھی، لیکن اتنے سارے آدمیوں کو دیکھ کر گھبرا رہی تھی۔ وہ جس طرف دوڑتی وہ لوگ شور مچاتے وہ گھبرا کر دوسری طرف بھاگنے لگتی۔ اور وہ یوں اپنا حصار تنگ کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ نیل گائے تھک گئی اور وہ سب اس پر پل پڑے۔ نہ جانے کس طرح انھوں نے اسے ذبح کیا اور یوں انھوں نے اپنا پہلا شکار ہمارے قبضے میں دیا۔

تین چار جوان نیل گائے کو لٹکائے ہوئے لا رہے تھے اور دوسرے جوان مزید شکار کی تلاش میں آگے بڑھ رہے تھے۔

شام ہوئی تو شکار کا ایک بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود تھا کرنل ڈکسن اور ٹوبوا ان لوگوں کو گوشت محفوظ کرنے کے مشورے دے رہے تھے۔ اور رات کے کھانے پر اس ویرانے میں خصوصی ڈش کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔ جو بغیر مرچ مسالے کی تھی۔ لیکن یہ پھیکا گوشت بھی خدا دے گیا۔

رات کے کھانے کے بعد کرنل ڈکسن میرے پاس آ گیا۔ اسکی آنکھیں جوش کا اظہار کر رہی تھیں

"ہیلو۔ بگ باس۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو کرنل۔ سب ٹھیک ہے نا۔"

"بالکل۔" کرنل ڈکسن دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "وہ رات کا کھانا کیا ہی عمدہ تھا۔ لیکن ہم چائے نہیں پی سکتے۔"

"پی سکتے ہیں کرنل۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب"

"بس آپ سے کچھ اور باتیں کرنا تھیں"

"ہاں ہاں، میں تیار ہوں۔"

"تو آئیے اس طرف بیٹھیں۔ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں،" میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"انھوں نے لکڑیوں کا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ آپ انھیں جلائیں گے" کرنل نے جواب دیا۔

"عمدہ جا رہے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔

بھئی امنگ ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ اور پھر ان کا رہنما تمہارے جیسا انسان ہو تو اس کے بعد، ہمتیں جس قدر بڑھ جائیں کم ہے"

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں کرنل۔"

"نہیں حقیقت کہہ رہا ہوں۔"

ہم دونوں پتھر پر بیٹھ گئے "ہاں آپ چائے کی بات کر رہے تھے؟"

"ہاں بھئی۔ اب جب زندگی سے قریب لوٹ آئے ہیں، تو نہ جانے کیا کیا ضرورتیں محسوس ہو رہی ہیں۔" کرنل نے جواب دیا۔

"تیمال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔" کرنل نے بڑے پرلطف انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"یہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے، سوکھی سوکھی لکڑیاں۔ ہمارے ہاں بعض علاقوں میں خاص طور پر ان کو استعمال کیا جاتا ہے اور وہ چائے کی حیثیت سے پی جاتی ہے۔"

"مزہ کیسا ہوتا ہے؟"

"نہ صرف مزہ نہایت عمدہ بلکہ اس کا استعمال بے شمار بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

"ویری گڈ، کیا وہ ان جنگلوں میں مل سکے گی؟"

"یقیناً ملے گی، میں دیکھ چکا ہوں۔"

"او ہو، تو پھر بسم اللہ۔"

"کچھ اور باتیں بھی تو ہیں کرنل

"وہ کیا؟"

"انہی کے لئے میں آپ سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"دراصل میں چاہتا ہوں کرنل کہ ہم سفر میں اتنی تیز رفتاری نہ کریں، بلکہ ان ساری چیزوں کا بندوبست کریں جو اس سفر میں ہماری معاون ہوں۔"

"بہت اچھی بات ہے لیکن وہ کیا چیزیں ہوں۔"

"میں آپ کو ان کی فہرست بتا دوں گا۔"

"تو پھر بتاؤ۔"

"ہم ان جنگلات میں وہ جانور پکڑیں گے جو سواری کے کام آ سکیں"

"او ہو۔ مثلاً۔" کرنل ڈکسن نے اشتیاق سے پوچھا۔

"گھوڑے۔ زیبرے اور اس قسم کے جو بھی جانور مل جائیں ان جنگلوں میں سے۔"

"مگر پکڑیں گے کیسے؟"

"عزم و ہمت سے۔ میں پہلے آپ کو ایک عملی تجربہ دکھاؤں گا اس کے بعد ہم کوشش کریں گے۔"

"بالکل۔ تم ان لوگوں کی کیفیت دیکھ ہی چکے ہو۔ جو کچھ تم بتاتے ہو اس پر عمل کرنے کے لئے دل و جان سے تیار رہتے ہیں، میرا خیال ہے تم نے انھیں زندگی سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ ان کے ذہنوں سے خوف دور کر دیا ہے۔ انھیں زندہ رہنے کی امنگ تم نے ہی دی ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس کام میں بھی پوری پوری دلچسپی لیں گے۔"

"ہم ان جنگلوں میں قیام کریں گے۔ مجھے یہ جگہ کافی دلچسپ محسوس ہوئی ہے۔ یہاں ہماری ضرورت کی بہت سی چیزیں مل سکتی ہیں۔"

"مثلاً"

"بس میں آپ کو بتا دوں گا۔" میں نے کہا۔

"اور وہ چائے۔"

"مہذب دنیا میں ہم چائے پینے کا تصور کرتے تھے اور عمدہ قسم کی چائے یا کافی ہمارے سامنے ہوتی تھی۔ بہرحال یہ جنگلوں کی دنیا ہے اور یہاں کی سروس بہت سست ہے۔ اس کے لئے کل تک انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔" کرنل ڈکسن ہنس پڑا۔ "کوئی زیادہ وقت نہیں ہے سروس والوں کو جو ٹھیری۔" بہرحال دوسرے دن صبح کو کرنل ڈکسن نے میرے ارادے کا اعلان کر دیا اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔ ڈینلا، لوسیا بھی ان ساری باتوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

"مس ڈینلا۔ آپ کے، لوسیا کے اور دوسری لڑکیوں کے سپرد ایک کام کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جی۔ ضرور۔"

"یہ چھوٹی سی جھیل ہمارے لئے نعمت ہے۔ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ جھیل کے کنارے گھڑیال یا ایسے جانور نہیں ہیں جن سے خطرہ ہو۔ چنانچہ فی الحال آپ یہ شکار کی کھالیں لے جائیں انھیں خوب صاف کر کے دھولیں اور پھر انھیں چھوٹے چھوٹے مشکیزوں کی شکل میں سی لیں۔"

"اوہ۔ ویری گڈ۔" ان میں پانی بھریں گے۔" ڈینلا دلچسپی سے بولی۔ "ہاں۔ یہ جھیل ہمارے ساتھ تو نہیں جائے گی۔"

"لیکن مسٹر سرفراز۔"

"جی۔ فرمائیے۔"

"ہم انھیں سئیں گے کیسے۔"

"عقل سے۔"

"او ہو۔ اس سے قبل یہ بات معلوم نہ تھی کہ عقل سلائی کے کام بھی آتی ہے۔" لوسیا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"عقل تو ہر کام آتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے استعمال کا طریقہ آتا ہو۔" "تب پھر آپ ہی بتا دیں۔" لوسیا نے کہا۔

"کیوں مس ڈینلا۔ کیا خیال ہے۔"

"شرمندہ ہوں، میں بھی نہیں سمجھ سکی۔" ڈینلا نے کہا

اس کھال میں ایک پتلی سی پٹی اتار دی جائے۔ پتھروں کی یہاں کمی نہیں ہے چند نوکیلے پتھر لے کر کھال کے کناروں پر سوراخ کئے جائیں اور مشکیزوں کو اس طرح سیا جائے کہ ان میں رخنہ باقی نہ رہے۔ ویسے کھال میں یہ خصوصیت ہے کہ خشک ہو کر رخنے بند کر لیتی ہے۔"

"نہایت آسان بات ہے۔" کرنل ڈکسن ہنس پڑا، اور لڑکیاں بھی ہنس پڑیں، سوائے لوسیا کے۔ اس نے حسب عادت ناک چڑھائی تھی۔ "کرنل آپ لڑکیوں کے ساتھ رہیں۔ ان میں سے دو تین آدمی آپ رکھیں، باقی کو میں لے جا رہا ہوں۔"

"اوکے، اوکے۔" کرنل نے کہا اور میں نے نوجوانوں کو ساتھ لیا۔

"ہمیں جانوروں کی ہڈیاں تلاش کرنی چاہئیں سوکھی ہوئی مضبوط اور نوکیلی۔" میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا

"اوہ۔ بہتر مسٹر سرفراز۔" لیکن ان کا کیا کریں گے۔"

"بھئی دیکھو۔ ہم بالکل نہتے ہیں۔ درختوں کی لکڑیوں سے ہتھیار بنائے جا سکتے ہیں، لیکن انھیں توڑنے کے لئے بھی ہتھیار کی ضرورت ہے۔ کیوں نہ ایسی کچھ چیزیں ہمارے پاس ہوں۔"

"بالکل ٹھیک۔" اور پھر میری ہدایت پر عمل شروع ہو گیا۔

صرف چند ہڈیاں ایسی ملی تھیں جو ہمارے کام آ سکتی تھیں۔ بہرحال انھیں ہی غنیمت سمجھ لیا۔ لڑکیوں اور کرنل ڈکسن کے پاس ہم کافی خوراک لے آئے تھے۔ خود ہم نے جنگل میں شکار کیا اور کھایا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ شام تک ہم جنگل میں مصروف رہے اور شکار بھی کیا، پھر واپس چل پڑے۔

ویسے کرنل سے اتنی دور نہیں گئے تھے کہ کسی خاص دلفعے پر کرنل کے بارے میں پتہ نہ چل سکتا۔ کرنل اور دوسرے لوگ خیریت سے تھے ویسے اس دوران کرنل نے بھی کام کیا تھا۔ میری طرح اس نے بھی جانوروں کی ہڈیوں کی مدد سے درختوں کی چھال اتار دی اور دو لڑکیوں کو رسیاں بنانے پر لگا دیا۔

"واہ۔ کرنل۔ عمدہ۔ دیکھو میں بھی چھال لایا ہوں۔" میں نے کہا

"یہاں کئی رسیاں تیار ہیں۔ کرنل نے اپنی تیار کردہ مصنوعات دکھائیں۔

"بہت عمدہ کرنل۔ اس چھال کی موٹی رسیاں تیار کرنا ہیں، خوب مضبوط۔"

"آج مشعلوں کی روشنی میں اور ڈرامہ ٹائم ہوگا۔" کرنل نے کہا

"اور مسٹر ٹوبوا اپنا قومی گیت سنائیں گے۔"

"اور ذو۔ دو نوجوان رقص کریں گے" کرنل ڈکسن نے کہا۔ نوجوان شور مچانے اور تالیاں بجانے لگے۔ ٹوبو بھی خوش تھا۔ آگ جلا کر شکار تیار کیا گیا، لیکن چائے ہم آج بھی نہیں بنا سکتے تھے۔ کیونکہ پانی گرم کرنے کے لئے کوئی برتن موجود نہیں تھا۔

اور پھر رسیاں بٹی جانے لگیں۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ کس مقصد کے لئے ہیں، لیکن سب کام کر رہے تھے۔ ٹوبو کہیں سے لکڑی کا ایک جس میں تھا اور دو لکڑیاں اُٹھا لایا تھا اور پھر وہ اسے بجا بجا کر گیت گانے لگا۔ اور دو نوجوان تھر کنے لگے۔ چاروں طرف آگ روشن تھی جس کے شعلے خوب بلند تھے اور انھوں نے ماحول گرم کر دیا تھا۔ کرنل ڈکسن بھی بچوں میں بچہ بن گیا تھا۔ نہ جانے کتنی مدت گئے تک سب کے سب شور مچاتے ہنستے گاتے رہے، پھر پوری رات کے لئے تین جوانوں کا تعین کر لیا گیا۔ جنہیں ایک ایک کر کے پہرہ دینا تھا۔

پھر دوسری صبح دوسرے کام شروع ہو گئے۔ جانوروں کو پکڑنے کا پروگرام آج بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ لیکن ہم نے اس کار آمد جگہ کو چھوڑنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ رسیاں دن بھر سوکھتی رہیں۔ مشکیزے بھی بن کر تیار ہو گئے۔ شکار کے اسٹاک کا بھی معقول بندوبست کر لیا گیا تھا سب لوگوں کو میری تبدیلیوں کا احساس تھا اور درحقیقت راستے کی، صعوبتوں سے یہ بہتر تھا کہ ایک جگہ رک کر مکمل انتظامات کر لیے جائیں دن بھر مصروفیت رہی۔ اور پھر رات ہو گئی

"آج رات کا کیا پروگرام ہے؟" کرنل ڈکسن نے پوچھا۔

"وہی جو کل رات تھا—" میں نے کہا۔

"خوب۔" کرنل ڈکسن مسکراتے ہوئے بولا۔ اور پھر چاروں طرف مصروف نوجوانوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے مسرت ٹپک رہی تھی—

"کیوں کرنل۔ کیا آپ میری بات سے متفق نہیں ہیں؟"

پوری طرح متفق ہوں بھئی متفق نہ ہونے کی کیا بات ہے۔ کرنل محبت سے بولا۔ بہرحال اپنی تفریحات راہیں۔ گانا بجانا۔ شور و غل۔ ٹوبو زندہ دل انسان تھا۔ اور ان جنگلوں سے جتنا وہ مانوس تھا، ظاہر ہے ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔

اسے اس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ حالات کیا ہیں اور یہ سب جو مہذب دنیا چھوڑ کر ان جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں ان کی ذہنی کیفیت کیا ہے وہ تو مست ہو کر افریقی گیت گا رہا تھا بستیوں کے رسم و رواج اپنا رہا تھا ان کے ہر موقع کے رقص دکھا رہا تھا۔

رات گئے تک ہنگامے جاری رہے اور پھر سب تھک کر سونے کے لئے لیٹ گئے۔ اور دوسری صبح حسب معمول پرسکون تھی۔

لیکن آج میں کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ ہم نے رسیاں سنبھال لیں۔ نوجوانوں کے ایک گروہ کو میں نے شند میں شامل کیا اور پھر انہیں جنگلی گھوڑوں کو قابو میں کرنے کی ترکیبیں بتانے لگا۔ نوجوان اس عمدہ پروگرام سے بہت خوش ہو گئے تھے۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں نے ان میں زندگی کی روح پھونک دی تھی اور جب دل زندہ ہوں تو سارے کاموں سے دلچسپی محسوس ہوتی ہے

رسیوں کے مخصوص قسم کے پھندے بنائے گئے تھے۔ اور پھر کرنل ڈکسن حسب معمول وہاں چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ چل پڑے۔

"مسٹر کرسٹوفر—" میں نے اپنے ساتھی ایک قوی ہیکل نوجوان کو مخاطب کیا۔

"یس چیف—؟"

"اوہ نہیں میرے دوست۔ تم مجھے سرفراز کہو۔" میں نے کہا۔

"دل سے کہہ رہا ہوں جناب۔"

"پھر بھی مجھے عجیب لگتا ہے۔ ہم سب دوستوں کی حیثیت رکھتے ہیں مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔

"اوکے مسٹر سرفراز— فرمایئے۔" کرسٹوفر نے مسکراتے ہوئے کہا

"کیا ضروری ہے کہ ہم گھوڑوں پر ہی قناعت کریں۔"

"کیا مطلب؟"

"سواری کے لئے جو کچھ مل جائے۔"

"مثلاً؟" کرسٹوفر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جنگلی بھینسے بھی کام آ سکتے ہیں۔"

"اوہ— لیکن انہیں ہینڈل کرنا سخت مشکل ہو گا۔

"جب دیکھیں گے کرسٹوفر۔

"تم چیت جیالے ہو سرفراز— بائی گاڈ۔ بعض اوقات تمہیں دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ ہم اپنا طور تمہارا موازنہ کرتے ہیں تو خود میں نمایاں کمی پاتے ہیں۔

"کوئی کمی نہیں ہے کرسٹوفر۔ یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ میں نے کہا اور کرسٹوفر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جانے گا۔ مسٹر سرفراز—"

"کس بات سے—؟"

"ہم تو بالکل جنگلی بن جائیں گے۔ درحقیقت آدم خوروں سے نجات پانے کے بعد جو زندگی ملی ہے وہ انوکھی ہے۔

"کس لحاظ سے—؟"

"مصلحت کا خوف۔ آپ غور کریں۔ ہمارے کئی ساتھیوں کی بوٹیاں ہماری نگاہوں کے سامنے تکا بوٹی کر ڈالی گئی۔ ہماری ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔

"بیشک۔ میں نے گردن ہلائی—"

مجھے تو ان لڑکیوں پر حیرت ہے مسٹر سرفراز— نہ جانے انہوں نے یہ منظر کیسے برداشت کر لیا۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ وہ ضرور خوف سے پاگل ہو جائیں گی۔

"ہاں۔ حالات ایسے ہی تھے۔"

"لیکن۔ اس کے بعد کی زندگی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔

لے شامل ہو جانے سے دل میں ایک عجیب سی روشنی پھیل گئی ہے ندگی میں ایک نئے پن کا احساس جاگ اٹھا ہے۔

"تمہارا خیال درست ہے کرسٹوفر۔ میرا بھی یہی نظریہ ہے۔ ہم اپنی مرضی سے ان صحراؤں میں رہے ہیں۔ اس سے قبل ہمیں ان موتوں کا پورا پورا احساس تھا۔ اگر ہم یہ سوچتے کہ افریقہ یا سرفند کے دریاں دولت ہماری منتظر ہو گی ہم اُٹھائیں گے اور واپس کئے جائیں لے تو کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔ ہمیں جرأت اور بھرپور جدوجہد کرنا ہو گی۔ اس طرح ہم کامیاب ہوں گے۔

"بیشک—؟"

"جب زندگی داؤ پر ہی لگا دی۔ تو پھر موت کا خوف کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہمیں تو قدم قدم پر موت سے...... بس اچانک خاموش ہو گیا۔ ان لوگوں نے شاید نہیں دیکھا تھا۔ لیکن میری نگاہ ایک گھوڑے پر پڑی تھی۔ نہایت خوبصورت دور نگا گھوڑا تھا۔ لمبے لمبے بال جھول رہے تھے دُم پھولی ہوئی تھی۔

کرسٹوفر نے بھی میری اچانک خاموشی محسوس کی۔ اور میری طرف دیکھا—؟

"گھوڑا—" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ۔ کہاں—؟"

"وہ دیکھو۔ وہ اس طرف میں نے انگلی سے اشارہ کیا اور کرسٹوفر اس طرف دیکھنے لگا۔"

"آہا— کیا شاندار گھوڑا ہے۔ جنگل کا حسن، لیکن مسٹر سرفراز۔ کیا اسے پکڑنا آسان ہو گا—؟

کوشش کریں گے۔ میں نے کہا اور پھر میں نے اُدھر سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں اس گھوڑے کو پکڑنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ دیکھو۔ تاکہ میرے انداز میں کام کر سکو۔ اور پھر سب اکٹھے ہو گئے میں نے ایک رسی تھامی اور برق رفتاری سے گھوڑے کی طرف دوڑنے لگا۔ انتہائی حیرت انگیز طور پر دوڑتا ہوا میں گھوڑے کے قریب پہنچ گیا۔ گھوڑے کو میری آہٹ مل گئی، اس نے گردن اُٹھا کر دیکھا اور پھر وہ دوڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

میرے لئے یہ تجربہ بھی بہت دلکش تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے رسی تھامی۔ اور دوسرے ہاتھ سے دوڑتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالنے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے سرکش گھوڑے کی گردن خیالی گرفت میں لے لی۔ اور گھوڑا اُچھلنے کودنے لگا۔ وہ گردن چھڑانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بہت معمولی سی حیثیت رکھتا تھا وہ میری گرفت میں۔ میں نے اسے خوب تھکایا اور جب وہ نڈھال ہو گیا تو میں نے رسی اس کی گردن میں ڈال دی۔ گھوڑے نے مجھ سے سمجھوتہ کر لیا تھا میں نے رسی اس کی گردن میں ڈالی اور اُچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ دور سے مجھے اپنے ساتھیوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سب خوش ہو کر تالیاں بجا رہے تھے اور میں نے گھوڑے کا رُخ ان کی طرف کر دیا۔

"ونڈرفل— ویری گڈ— زندہ باد جیالے۔" میرے ساتھی چیخ رہے تھے۔ خوبصورت گھوڑا بالکل بے بس ہو گیا تھا۔ میں ان لوگوں کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُتر گیا—

"انتہائی حیرت انگیز سرفراز— بے حد شاندار۔" کرسٹوفر بولا۔

"ہم خود کو تم سے کمتر محسوس کرتے ہیں۔"

"بلاشبہ۔ یہ آسان بات نہیں ہے۔" وہ کہہ رہے تھے لیکن شام تک مصروف رہ کر میں نے یہ بات بہت آسان بنا دی۔ ہم نے پانچ گھوڑے دو بھینسے پکڑے اور یہ بوڑھے کر ہم چل پڑے۔ جنگلی بھینسے گھوڑوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ لیکن انسان سے زیادہ خطرناک کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ بھینسوں کی سواری میں میرے دو ساتھی معمولی سے زخمی ہو گئے لیکن کسی نے ہمت نہیں ہاری۔ اور جب ہم کامیاب و کامران اپنے کیمپ پر پہنچے تو دوسروں کی حالت دیکھنے کے قابل تھی—

"ارے— یہ غول بیابانی۔ کرنل ڈکسن کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے ایک گھن گرج قہقہہ لگایا۔ "ارے دیکھو بھئی۔ یہ جیالے سوار کہاں سے چلے آ رہے ہیں۔ اور پھر وہ قہقہے لگانے لگا۔

گھوڑے تو قابو ہو گئے تھے۔ لیکن بھینسے قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ لیکن جانے کیسے۔ مار مار کر دماغ درست کر لیا گیا ان کا اور پھر انہیں گھاس اور پانی فراہم کیا گیا۔ گھوڑوں کی بھی خاطر مدارت کی جانے لگی۔ اور پھر رات کو تمام لوگوں کی میٹنگ ہوئی۔

"میری رائے ہے اب یہاں سے آگے بڑھا جائے۔ میں نے کہا۔" بالکل۔ اب ہم کیل کانٹے سے لیس ہیں۔ کرنل ڈکسن نے میری تائید کی—

پانی کی ایک اچھی مقدار ہمارے ساتھ ہو گی۔ اس کے باوجود پانی کفایت سے خرچ کیا جائے گا۔ بجا کیفیت گوشت کی ہو گی۔ یہ گوشت زیادہ عرصہ سے نہ چل سکے گا، لیکن ہم کوشش کریں گے کہ اسے زیادہ سے زیادہ وقت تک استعمال کیا جائے۔ راستے میں ہمیں جہاں کہیں شکار مل سکا۔ ہم شکار کر کے گوشت محفوظ کریں گے۔ پانی کی کمی پوری کر لیں گے۔ جانور اگر کچھ اور ہاتھ لگ گئے تو انہیں بھی پکڑیں گے میرے خیال میں اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

"بالکل ٹھیک۔ کرسٹوفر نے تائید کی۔"

چنانچہ آج کی رات جلدی سونے کی کوشش کی جائے اور صبح سورج نکلنے سے قبل سفر شروع کر دیا جائے۔ تاکہ دوپہر کی دھوپ سے بچنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش کر لی جائے

بالکل ٹھیک مسٹر سرفراز— سب نے تائید کی۔ اور میٹنگ ختم ہو گئی حسب معمول بڑے بڑے الاؤ روشن کر لیئے گئے اور پہرہ دینے والے مستعد ہو گئے۔ اس وقت ابتدائی ڈیوٹی میری ہی تھی۔ حالانکہ میرے دوستوں نے مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش

کی تھی۔ لیکن بات میرے اُصول کے خلاف تھی۔ میں نے ان کو چند ہی اُصول بتائے تھے یا پھر آدم خوروں سے انہیں بچالیا تھا لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ اس کا صلہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور خود کو کچھ سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ ڈیوٹی تو کرنل ڈکسن کو بھی دینی تھی۔ صرف عورتیں اس سے مستثنیٰ تھیں۔ لوگ سونے کی کوشش کر رہے تھے۔"
"میں ایک طرف بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ٹوبو میرے پاس آ گیا۔"
"ہیلو چیف۔"
"ہیلو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔
"کیا سوچ رہے ہو۔؟"
"یہ — کہ تم نے دوسروں کی طرح سونے کی کوشش نہیں کی۔"
"اوہو — نیند نہیں آ رہی ہے۔"
"لیکن دوسری ڈیوٹی تمہاری ہے۔"
"اس سے کیا فرق پڑے گا۔"
"اُصول کے خلاف ہے ٹوبو۔ تمہیں سو جانا چاہیئے۔"
"ہوئی نا وہی بات۔" ٹوبو تنتنے جھلا کر بولا۔
"کیا — ؟" میں نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔
بس زیادہ جھگڑے میں اس لئے پسند نہیں کرتا۔ فوراً اُصول بننے لگتے ہیں۔
"اُصول تو بُری چیز نہیں ہیں ٹوبو —"
"لیکن جب ہم تنہا تھے تو کوئی اُصول نہیں تھا۔
"اوہ وہ اچھی بات نہیں تھی۔"
"ٹھیک ہے باس۔ جا رہا ہوں مگر خوش نہیں ہوں۔ میرا دل تم سے بات کرنے کو چاہ رہا ہے اور تم اُصولوں کے گیت گا رہے ہو" ٹوبو بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔
چنانچہ مس لوسیا پھر لکیر بنتے چلی آئیں۔ خیالات میں گم تھا کہ قدموں کی چاپ سن کر چونک پڑا۔ پھر لوسیا کو دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی اور بہت سارے وہی ڈائیلاگ سننے کے لئے تیار ہو گیا۔
اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ آج تھوڑی سی تفریح کی جائے۔ یہ ڈھیٹ لڑکی کسی طور باز آنے کو تیار نہیں تھی میں نے کس کس طریقے سے اسے انسان بنانے کی کوشش کی۔ لیکن ڈھاک کے وہی تین پات۔
"ہیلو — لوسیا نے اپنی آواز میں شہد کا چھتا سموتے ہوئے کہا — "اوہ — لوسی ڈیئر — میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور لوسیا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئی جیسے سوچ رہی ہو کہ اچانک میرا دماغی توازن بگڑ گیا۔ مگر میں اسے اتنے پیار بھرے انداز میں ڈیئر کہہ سکتا ہوں تو اُچھل کر اسے کاٹ بھی سکتا ہوں —
"رک کیوں گئیں لوسی — آؤ۔" میں نے پھر اسی انداز میں کہا —!"

"سرفراز — " لوسیا کی آواز میں لرزش تھی۔ اور وہ چند قدم آگے ہٹ گئی۔
"بیٹھو باس۔" میں نے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔
"سرفراز —" وہ بھرائی انداز میں بولی۔
"ہاں — کہو — کوئی خاص بات ہے ؟
"ہاں۔ بے حد خاص۔"
"کیا بات ہے ڈیئر — ؟
"تم نے اپنی آواز پر غور کیا — ؟" لوسیا بولی۔
"نہیں — " میں نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیا — "کیا زنانی ہو گئی ہے — ؟
"مذاق نہ کرو — اس لہجے کے بعد مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیئے
"ارے ارے۔ کیوں — ؟ کیا بہت بُرا لہجہ ہے۔"
"نہیں بہت اچھا بہت ہی اچھا — "
"پھر واپس مڑ کیوں جانا چاہتی ہو ؟"
"اس لئے کہ ممکن ہے اس کے بعد تمہیں یہ لہجہ یہ انداز یاد نہ رہے — "اوہ۔ کیا تم مجھے اتنا بُرا انسان سمجھتی ہو؟"
"نہیں سرفراز — نہیں — تمہیں بُرا انسان سمجھنے والا تو کافر
"پھر یہ کیوں سوچتی ہو ؟"
"ماضی اس پر مجبور کرتا ہے۔"
"اصل میں لوسیا۔ تم نے ماضی میں بھی کبھی مجھ پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی — "
"کیا مطلب — ؟"
"میرے دل میں تمہاری عزت، تمہاری محبت ہمیشہ سے یکساں ہے تم نے اسے مختلف رنگ دینے کی کوشش کی۔ اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ میں اپنی فطرت سے باز نہ رہ سکا۔
"میں تو تمہیں ہمیشہ سے چاہتی ہوں سرفراز۔"
"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے کوئی چاہنے والا ملا۔"
"میں تمہیں روح کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں۔" لوسیا جذباتی ہو گئی "یہ اس سے بھی اچھی بات ہے۔" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔
"میں تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنانا چاہتی ہوں۔ لوسیا کچھ اور قریب کھسک آئی۔ اس انداز میں کہ اس کا بدن میرے جسم سے چھونے لگا تھا — "یہ البتہ غیر مناسب ہے۔" میں جلدی سے پیچھے کھسک کر بولا۔
"کیوں — آخر کیوں — ؟"
"کیا یہ خود غرضی نہیں ہے لوسیا۔"
"خود غرضی — ؟ کیوں — ؟
"تم مجھے چاہتی ہو نا — ؟"
"ہاں — بے پناہ —
"تو پھر میری آزادی سے بھی پیار کرو۔"
"کیا مطلب۔"

"ہم کسی خوبصورت بازار کے خوبصورت شوکیس میں ایک حسین مجسمہ رکھا دیکھتے ہیں۔ وہ مجسمہ اس جگہ رکھا ہوا اتنا دلکش لگتا ہے کہ ہم پورے دل سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ ہم اسے اُٹھا کر اپنے ڈرائینگ روم میں رکھ لیں۔ کیا یہ سوچ اچھی ہے لوسیا — ؟ ممکن ہے وہ مجسمہ تمہارے ڈرائینگ روم میں اتنا خوبصورت لگے اور پھر ظاہر ہے۔ اس تک پہنچنے والی نگاہیں محدود ہو جائیں گی۔ صرف وہ لوگ اسے دیکھ سکیں گے جو تمہارے ملنے والے ہونگے۔ اس طرح کیا وہ مجسمہ بے حیثیت نہیں ہو جائے گا۔ جس کے حسن سے بہت سے لوگ مستفیض ہوتے ہیں۔ مجھے ڈرائینگ روم میں سجانے کی کوشش مت کرو لوسیا۔ اگر چاہتی ہو تو میری آزادی بھی پاس رہنے دو لوسیا — " میں نے کہا اور لوسیا میری شکل دیکھتی ہوئی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ میں چند ساعت اس کی شکل دیکھتا رہا — پھر بولا۔
"کیوں — میری بات ناگوار گذری ہے۔؟"
"نہیں۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔
"پھر کیا سوچ رہی ہو ؟"
"تمہاری منطق نے میرا ذہن اُلجھا دیا ہے۔" لوسیا تھکی تھکی آواز میں بولی۔ "اگر میں نے غلط کہا ہے تو مجھے سمجھاؤ — ؟"
"ہاں — میرا خیال ہے تم نے غلط ہی کہا ہے ؟"
"کیوں — ؟"
"شوکیس میں سجے ہوئے مجسمے آخر بکنے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔ وہ وہاں رکھے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھیں، پسند کریں اور خرید لیں — ان کی صحیح جگہ ڈرائینگ روم ہی ہوتی ہے۔" لوسیا نے کہا — "گویا تم مجھے خریدنا چاہتی ہو — " میں نے کہا۔
"ہاں۔" لوسیا نے جواب دیا۔
"کس قیمت پر — ؟"
"محبت کی قیمت پر — اور محبت اس کا صحیح مول ہے۔"
"لیکن لوسیا میں بازار میں نہیں سجا اور تم مجھے خرید نہیں سکتیں۔ اگر تم مجھے اتنا ہی بے حیثیت سمجھتی ہو تو اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو۔ تم مجھے کبھی نہ خرید سکو گی۔"
"ارے ارے میرا یہ مقصد تھوڑی تھا"
"تم صرف ساہوکار ہو — قیمت لگائی ہو اور قبضہ جما لینا چاہتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ اور لوسیا جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
"کل صبح کرنل ڈکسن کے سامنے میری قیمت کا اعلان کر دینا۔" میں نے غرّاتی ہوئی آواز میں کہا اور لوسیا جلدی سے پیچھے کھسک گئی۔
"تم۔ تم ناراض ہو گئے — میں، میں، میں پھر تم سے بات کروں گی۔" وہ واپس جاتے ہوئے بولی اور پھر دوڑ لگا دی۔
"آؤٹ — " میں نے دل ہی دل میں قہقہہ لگایا۔ اور گھڑی میں وقت دیکھنے لگا۔ ابھی میری ڈیوٹی کا خاصہ وقت باقی تھا۔

ٹوبو وقت سے پہلے ہی میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کا منہ چڑھا ہوا تھا۔
"اوہو ٹوبو — ابھی تمہاری ڈیوٹی کا وقت نہیں ہوا۔"
"جاؤ۔ سو جاؤ باس — بے فکر رہو میں تمہارے کان نہیں کھاؤں گا۔" ٹوبو نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔
"ارے ناراض ہو گیا میری جان" — میں نے اس کے دونوں گال تھپتھپائے۔
"ہو گیا تھا — مگر اب ٹھیک ہوں۔ تو تم سے باتیں کروں باس ٹوبو نے کہا اور میں ہنس پڑا۔
"کر لے یار — جو کچھ باقی بچا ہے تو کھا جا۔"
"یہ بلی کیوں آئی تھی — ؟"
"اسے میرے کان چھیچھڑے محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی بھوک لگتی ہے میرے پاس آ جاتی ہے۔" میں نے کہا اور ٹوبو ہنس پڑا۔ "بے وقوف بنا رہے ہو باس"۔ وہ دانت نکال کر بولا۔
"ابے، ابے کیا مطلب ہے تیرا — ؟"
"وہ تمہیں چاہتی ہے۔"
"کالے بھائی۔ تم ان چاہت کے چکروں سے دور رہو۔ اچھے خاصے آدمی ہو۔ دوسروں کی ٹوہ میں رہتے رہتے خود بھی خراب ہو جاؤ گے۔ بس اب اپنا کام کرو، میں چلا۔"
میں اُٹھ کر سونے کے لئے چلا گیا۔ دوسری صبح روانگی کی صبح تھی۔ جلدی جلدی سارا سامان پیک کیا گیا اور بھینسوں کی پشت پر اس انداز میں رکھا گیا کہ درمیان میں بیٹھنے کی جگہ محفوظ ہو جائے گھوڑے کم تھے اور افراد زیادہ — چنانچہ لڑکیوں کو قابل اعتماد مردوں کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔
ٹوبو اور کرسٹوفر نے بھینسے سنبھال لیئے تھے کیونکہ بھینسوں کو ڈرائیو کرنا زیادہ مشکل تھا۔ خوب اُچھل کود مچائی تھی اُنہوں نے۔ ٹوبو تو خیر اُستاد تھا ہی۔ اُس نے بھینسے کا دماغ درست کر دیا۔ لیکن کرسٹوفر بھی پھرتیلا اور زندہ دل نوجوان تھا۔ دو دفعہ بھینسے سے گرا لیکن اس کی جان نہیں رہی اور پھر ناک میں پڑی ہوئی رسیاں رگڑنے سے بھینسے درست ہو گئے اور یہ قافلہ تی کاکی طرف چل پڑا —
سفر، سفر، راستے کا کوئی تعین نہیں تھا بس چل رہے تھے اگر کوئی راہبر تھا تو ٹوبو — جس نے سنی سنائی کہانیوں کے مطابق چند نشانیاں بتائی تھیں۔ جو تی کاکی راہنمائی کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں سفر کے چوتھے دن پہاڑی مینار نظر آیا۔ اور ٹوبو اُچھل پڑا۔ وہیں سے اس نے اپنی بے دلی کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا۔
"باس۔" اس نے اپنا بھینسا میرے گھوڑے کے قریب لا کر آہستہ سے کہا۔
"کیا بات ہے ٹوبو — ؟"

"یہ زمین کی انگلی دیکھ رہے ہو۔؟"

"کیا بکواس ہے؟"

"میں اس پتلے اور لمبے پہاڑ کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ ٹوبو نے کہا اور میں نے مینار نما پہاڑ کی طرف دیکھا۔ ہواؤں کی تراش نے درحقیقت ایک سیدھا مینار تعمیر کر دیا تھا، جو قوس تھا۔ چکنا تھا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں تھا۔

"انوکھا پہاڑ ہے ۔۔" میں نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا ۔۔ "ہاں۔ اور شاید صدیوں سے یونہی ہے"۔ ٹوبو نے کہا۔

"صدیوں سے کیوں ؟"

"اس کی کتائیں پشت در پشت سے چلی آ رہی ہیں۔ سنا ہے سال کی ایک رات کو اس پہاڑ کی چوٹی پر جشن ہوتا ہے اور بلندیوں پر دیوتا رقص کرتے ہیں۔

"اوہ ۔۔ ان نوکدار بلندیوں پر ۔۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"دیوتا جو ٹھہرے"۔ ٹوبو بولا۔

"اور کبھی پھسل پڑے تو ۔۔"

"تو ۔۔ تو دیوتا ہی جانیں"۔ ٹوبو نے پُر خیال انداز میں جواب دیا ۔۔ "خیر وہ تو جب پھسلیں گے تب دیکھا جائے گا۔ لیکن تو اس مینار کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔؟"

"اوہ ۔۔ ہاں اصل بات تو وہ گئی ہے۔ یہ مینار نی تیکا کے راستے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور باس تمہیں ایک بات اور بتا دوں نی تی کا اب زیادہ دور نہیں ہے"۔

"کیا مطلب ؟"

"دوپہر تک یہاں رک جاؤ۔ اور نی تی کا کی صحیح سمت کا تعین کرنا ہے تو سورج کو ڈھلان کی طرف جانے دو۔ اس پہاڑ کا سایہ نی تی کا کی طرف ہوگا۔"

"اوہ ۔۔" میں نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔!

"کیوں باس ۔۔؟" ٹوبو بھی اپنے بھینسے کو دیکھتے ہوئے بولا اور اس نے بھینسے کو روک لیا۔

"یہ کونسا مشکل کام ہے ٹوبو۔؟"

"کیا مطلب ۔۔ ؟"

"نی تی کا کی صحیح سمت معلوم کرنے کے لئے ہم یہاں رک بھی سکتے ہیں۔"

"تو پھر رک جاؤ۔ کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

"ویسے تمہیں یقین ہے ؟"

"بہت اچھی طرح باس تم سمجھ لو یہ بات بھی ان بہت سی کہانیوں کے ساتھ میرے ذہن میں محفوظ ہے جو میں نے تمہیں ریکا بوستا کے بارے میں سنائی تھی اور ریکا بوستا کے بارے میں۔ میں نے جو کچھ کہا اس کا تجزیہ تم کر چکے ہو باس۔

"ہاں ۔۔"

"تو سمجھ لو میں نے اس بارے میں بھی تم سے غلط نہیں کہا ہے"۔

"اوہو ۔۔ غلط کی بات نہیں ہے۔ دراصل میں چاہتا تھا کہ یہاں رکنے کا جواز صحیح ہو"۔

"تم بے فکر رہو باس۔ پہاڑ کا سایہ ہمیں نی تی کا کا صحیح رخ بتلائے گا!"

"ہائے ۔ کیا بات ہے۔ رک کیوں گئے"؟ کرنل ڈکسن نے نوجوانوں کے سے انداز میں کہا۔ اور اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"دوپہر ہم یہاں گذاریں گے کرنل"۔

"اوہ ۔۔ لیکن یہاں تو کوئی اچھی جگہ بھی نہیں ہے"؟ کرنل نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی خراب جگہیں بھی بہت کارآمد ہوتی ہیں کرنل۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے"۔ کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ہم نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ دوسرے لوگ بھی اس بے تکی جگہ قیام پر حیران تھے۔ لیکن سب کو میرے اوپر اعتماد تھا۔ اس لئے کسی نے اعتراض نہیں کیا اور اسی جگہ ٹھہر گئے۔

سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ لیکن کرنل ڈکسن میرے نزدیک ہی منڈلا رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر تجسّس کے آثار تھے۔

"ہیلو کرنل ۔۔ کیا ہو رہا ہے ۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"جاسوسی کر رہا ہوں ۔ کرنل نے ہنستے ہوئے کہا

"کیا مطلب۔ کیسی جاسوسی ؟"

"یہ بات مان ہی نہیں سکتا، کہ یہاں بلا وجہ ٹھہرا گیا ہے"۔

"آپ کا خیال درست ہے کرنل"۔ میں نے کہا۔

"اوہو ۔۔ کچھ راز معلوم ہوتے ہیں۔

"چھپانے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل دوپہر تک یہاں رک کر نی تی کا کی صحیح سمت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

"دوپہر کو معلوم ہو جائے گی ؟"

"ہاں ۔۔"

"اس وقت کوئی حرج ہے۔ کرنل نے مسخرے پن میں کہا۔

"ہاں کرنل۔ اس وقت حرج ہے۔"

"کیا ۔۔ ؟"

دراصل سورج ہماری مرضی کا تابع نہیں ہے۔ ہم اسے تیز رفتاری پر مجبور نہیں کر سکتے بس اتنی سی بات ہے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

لیکن کرنل سنجیدہ ہو گیا تھا ۔۔ اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اوہ ۔ اس کا مطلب ہے کہ سورج کوئی سمت بتائیگا۔ لیکن میرے عزیز۔ اتنی بات بتا دی ہے تو یہ بھی بتا دو کس طرح ۔۔ ؟" "آپ یہ پہاڑی مینار دیکھ رہے ہیں ۔۔ ؟"

"ایں ۔ ہاں ۔ کرنل ڈکسن نے مینار نما پہاڑ کو دیکھتے ہوئے کہا ہواؤں کا کھیل ہے۔ لیکن خوب ہے ۔ کیا مینار تراشا ہے ۔ لیکن۔

"یہ مینار نی تی کا کی چوٹی ہے۔

"اوہ ۔ کرنل گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ اور سورج کی سمت چلتی ہے

"ہاں کرنل ۔۔"

"ویری گڈ ۔۔ میں سمجھ گیا۔ کرنل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بتائیے ۔۔ ؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"غالباً سورج کسی مخصوص وقت پر روشنی ڈالے گا اور اس کا سایہ اسی رخ پر پڑے گا۔ جدھر نی تی کا ہو گا۔ کرنل ڈکسن نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک کرنل ۔۔" میں نے مسکراتے ہوئے تعریفی انداز میں کہا۔ "لیکن سوال یہ ہے۔ کہ تمہیں یہ بات کس طرح معلوم ہوئی؟"

"ٹوبو افریقی انسائیکلو پیڈیا ہے"۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ ۔ بڑا قیمتی انسان ہے۔ کرنل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر ہم مختلف مشاغل میں وقت گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ دوپہر کو ہم سب ہی مینار کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ سورج تیزی سے رخ بدل رہا تھا اور پھر وہ وقت آ رہا تھا جس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مینار کا سایہ سیدھا پڑ رہا تھا۔ اور نی تی کا کی رہنمائی ہو رہی تھی۔

سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے ۔۔ اور پھر جب مینار مکمل ہو گیا تو ہم نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اور ایک نئی اُمنگ اور نئے حوصلے کے ساتھ سفر کرنے لگے۔

"شام تک یہ سفر جاری رہا۔ اور پھر ہم نے دور سے ایک دریا دیکھا۔ ٹوبو کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔ تب ٹوبو پھڑپھڑاتا میرے پاس لے آیا ۔۔"

"سرفراز ۔۔" اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"ہوں ۔۔"

"نی تی کا ۔۔"

"کیا مطلب ۔۔" میرے بدن میں بھی سنسنی دوڑ گئی تھی۔

"یہ دریائے نی تی کا ہے جس کے بارے میں تم سن چکے ہو"۔

"اوہ ۔۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور وہ پہاڑی دبولا۔ نی تی کا ہے۔

"یعنی ۔۔ ؟"

"اس کے دوسری طرف نی تی کا زیادہ ہے"۔

"تو پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہے ٹوبو ۔۔"

"تمہارے سامنے کوئی ایسی بات نہیں کہتا۔ جس پر بعد میں، شرمندگی ہونا پڑے۔ ٹوبو نے جواب دیا۔

"تب کیوں نہ اس دریا کی۔ رات کو سیر کی جائے۔

"ہاں ابھی اتنی روشنی باقی ہے کہ ہم دریا تک پہنچ سکیں۔ ٹوبو نے جواب دیا اور پھر اس نے گردن ہلا دی۔ سفر جاری رہا۔ اور پھر ہم دریا کے نزدیک پہنچ گئے!

"جنگل کا علاقہ تھا۔ دریا کے بالکل کنارے پر نہ گئے۔ ممکن ہے گھڑیال ہوں اور رات میں نقصان پہنچائیں اور یہ خیال درست ہی تھا۔ دور سے سیاہ دھبے رینگتے نظر آ رہے تھے۔

ہم نے دریا سے فاصلے پر کیمپ بنا دیا۔ اور اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ لیکن ایک اور سرد سی سنسنی رگ میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی کھانا وغیرہ بھی ٹھیک سے نہیں کھایا گیا! اور اس بات کو کرنل ڈکسن نے خاص طور سے محسوس کیا۔ چنانچہ سارے کاموں سے فارغ ہو کر وہ کرسٹوفر کے ساتھ میرے پاس آ گیا۔

"سرفراز ۔۔" اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"آئیے۔ کرنل۔ آؤ کرسٹوفر، بیٹھو ۔۔ ٹوبو ۔۔ میں نے دور کھڑے ٹوبو کو آواز دی۔ جو کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ اور ٹوبو چونک کر میری طرف بڑبڑایا۔

"کیا بات ہے سرفراز ۔۔" بہت سنجیدہ ہو۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے کرنل۔ میں خود ہی آپ کے پاس آنے والا تھا۔

"اس کا مطلب ہے خاص بات ہو گی"۔

"ہاں۔ کسی حد تک۔"

"جلدی۔ جلدی۔ میں انتظار نہیں کر سکتا"۔

"ہم نی تی کا پہنچ چکے ہیں۔

"کچھ کچھ۔ مجھے بھی احساس تھا۔"

"مگر وہ کہاں ہے؟" کرسٹوفر نے پوچھا۔

"پہاڑوں کے دوسری طرف ۔۔"

"اوہ ۔۔ اتنا نزدیک ۔۔؟" کرنل نے بھی تعجب سے کہا۔

"ہاں کرنل ۔۔"

"بھئی میں تو بڑی سستی محسوس کر رہا ہوں"۔

"اب ہمیں آئندہ لائحہ عمل سوچنا ہے کرنل"۔

"بالکل ۔۔"

"یہ دریا۔ دریائے نی تی کا ہے۔ ہم اسے عبور کر کے وہاں تک پہنچیں گے اور پھر پہاڑوں کو طے کریں گے۔ ان کے دوسری جانب، نی تی کا کی بستی ہے۔

"لیکن سرفراز ۔۔ دریا میں گھڑیال معلوم ہوتے ہیں۔ کرنل نے کہا ۔۔ "آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟"

"میں نے سیاہ دھبے رینگتے ہوئے دیکھے ہیں۔ کرنل ڈکسن نے جواب دیا ۔۔

"ٹھیک ہے باس۔ کنارے پر گھڑیال موجود ہیں۔ ٹوبو نے تائید کی۔

"بہر حال دن کی روشنی میں دریا عبور کرنے میں مشکل پیش آئے گی۔ رات تو بہر حال ہمیں یہیں گذارنی ہے۔

"بیشک ۔۔"

"لیکن بہرحال چند ضروری امور پر گفتگو کرنی ہے کرنل۔"

ضرور۔

"آئندہ کیا پروگرام ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کیا نی تی کا کی آبادی میں داخل ہونا ضروری ہے۔ ہیروں کے ذخیرے پر ہم پہنچ چکے ہیں کیا ضروری ہے کہ ہم آبادی میں بھی جائیں۔"

"اوہ — ہاں یہ تو سوچنے کی بات ہے۔ لیکن، میرے خیال میں ہمیں ٹوبو سے مشورہ کرنا چاہیئے۔"

"میری معلومات کے مطابق — نی تی کا کے اطراف کچھ پہاڑوں میں بیش قیمت ہیرے بکھرے پڑے ہیں۔ نی تی کا کے لوگوں کی نگاہوں میں ان چمکدار پتھروں کی صرف اتنی سی حیثیت ہے جیسی ہم کسی ویران ساحل پر پانی سے تراشے ہوئے پتھروں کو دیتے ہیں جو سمندر کی لہروں کے ساتھ عجیب عجیب شکلیں اختیار کر کے کناروں پر آ پڑتے ہیں۔ گویا ہم انہیں خوبصورت تو سمجھتے ہیں۔ لیکن انہیں اپنے ساتھ لینا پسند نہیں کرتے۔"

"اوہ —" وہ کرنل مضطربانہ انداز میں بولا۔

"لیکن یہ پہاڑ نی تی کا سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"ہوں — پھر —" میں نے ٹوبو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسی شکل میں، ہمیں نی تی کا والوں سے واسطہ ضرور پڑے گا۔"

"بیشک!"

"تب کیوں نہ ہم خود آبادی میں جائیں۔ اور ان لوگوں سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کریں۔ اور اگر ہم انہیں دوست بنا سکے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"اور اگر وہ دوست نہ بن سکے؟" کرنل خوف زدہ انداز میں بولا۔

"تب ہمارا کام آسان نہ ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس میں داخل ہونا ضروری ہے۔"

"میرے خیال میں تو ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہم انہیں دوست کیسے بنا سکیں گے۔"

"کوشش کرنا پڑے گی۔ ہمارے پاس تو کچھ تحائف بھی نہیں ہیں جو ہم انہیں دیں گے۔"

"سنا ہے کرنل — نی تی کا اتنا پیچھے نہیں ہے۔ اندرونی بستیوں میں وہ ایک کافی ترقی یافتہ بستی ہے۔ بہرحال ہمیں ان میں جانا تو ضروری ہوگا —"

"ٹھیک ہے کرنل۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہمیں چلنا چاہیئے۔" میں نے کہا۔ آخری بار میں ہل لین کی عطیے سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو — دیکھا جائے گا۔

"اور یہ بات طے پا گئی کہ کل صبح اپنی زندگی کی اہم ترین منزل کی طرف پیش قدمی ہوگی۔"

"یہ رات عجیب عالم میں گذری۔ صرف میں ہی الجھا ہوا نہیں تھا کرنل بھی نہیں سو رہا تھا کرسٹو فر اور دوسرے لوگ بھی جاگ رہے تھے —"

"ہاں سکون کی نیند سونے والا صرف ٹوبو تھا اور اس سے اچھے خاصے انسان پر واقعی رشک ہونے لگتا تھا۔ مال، دولت موت، زندگی سب سے بے نیاز۔ کیسی سکون کی زندگی تھی اس کی۔"

"رات آہستہ آہستہ گذرتی رہی۔ اور پھر تاریکی چھٹنے لگی، پوری رات نیند نہیں آئی تھی — لیکن صبح کی روشنی ہنگامہ خیز تھی۔ درحقیقت رات کے کسی بھی لمحے میں یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ ہمیں گھیرا جا رہا ہے۔ ہاں صبح ہوئی تو دراز قامت لوگوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آیا۔ جو کھالوں کے لباسوں میں ملبوس تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے اور کلہاڑیاں تھیں وہ کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"شاید رات کو ہی ہمیں محصور کر لیا گیا تھا۔ اور وہ صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب میں نے انہیں دیکھ لیا اور ہر شخص کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"کرنل ڈکسن میرے نزدیک آ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ ان کے چہروں کے تاثرات اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

"ٹوبو —" میں نے ٹوبو کو آواز دی۔

"یس باس۔" ٹوبو بے وتوقی سے بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جو کرنل کا —" اس نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ اور میں نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"نی تی کا کے باشندے ہیں —"

"سو فیصد —"

"پھر اب کیا کیا جائے —؟"

"انتظار —" ٹوبو نے کہا۔ اور میں نے گردن ہلائی۔ ٹوبو کا کہنا ٹھیک ہی تھا میں نے کرنل سے کہا۔

"تمام لوگوں سے کہدیں کرنل۔ بالکل خاموش کھڑے رہیں۔ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے کوئی گڑبڑ ہو۔ خوف زدہ ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہم حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کریں گے۔

"ٹھیک ہے۔ میں کہے دیتا ہوں۔ کرنل نے کہا اور آگے بڑھ گیا اور پھر اس نے دوسرے کو مکمل صبر کی تلقین کی۔ اور واپس میرے پاس پہنچ گیا۔

"بڑی عجیب کیفیت تھی۔ ہم سب خاموش کھڑے تھے۔ اور تھوڑے فاصلے پر وہ لوگ بھی ساکت و جامد کھڑے تھے وقت جیسے تھم گیا تھا

"تم ان کی خاموشی کی وجہ سمجھ رہے باس؟" ٹوبو نے کہا

"نہیں" میں نے ٹوبو کی طرف دیکھا۔

"وہ ہمارے حملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہماری طرف سے کسی تحریک کے منتظر ہیں۔

"اوہ! تب پھر کیا کیا جائے، ان کی غلط فہمی کیسے دور کی جائے؟"

"بس ایک منٹ انتظار کرو۔ پھر میں تم اور کرنل ان کی طرف بڑھیں گے۔ ہم تینوں اپنے ہاتھ سر سے اونچے اٹھا دیں گے، تاکہ امن کا نشان بن جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے شاندار لوگ ہیں ٹوبو۔"

"ہاں باس۔ ان کے رنگ بھی زیادہ سیاہ نہیں ہیں۔ اور چہروں کے نقوش بھی افریقیوں سے مختلف ہیں۔ میں خود انھیں دیکھ کر حیران ہوں۔" ٹوبو نے کہا، اور میں خاموش ہو گیا۔

دوسری طرف وہی سکوت تھا۔

"یس باس، یہ پتھر کے بت تو آگے نہیں سرکیں گے۔ آؤ۔" اچانک ٹوبو نے کہا اور پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ کرنل ڈکسن نے اور میں نے بھی اس کی تقلید کی اور ہم تینوں آگے بڑھ گئے۔ ہم خاموش تھے۔ ہمیں گھورنے والے اسی انداز میں کھڑے رہے۔

اور پھر جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ریچھ کی سیاہ کھال پہنے دو قوی ہیکل جوان آگے بڑھ آئے۔ ان کے چہرے چوڑے اور گردنیں موٹی تھیں "سیاہ آدمی کیا تم افریقی زبان بول سکتے ہو؟" ان میں سے ایک نے بھاری آواز میں کہا۔

"نہ صرف یہ۔ بلکہ میں بھی بول سکتا ہوں دوست۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ شاید مجھے اپنی زبان بولتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

وہ میرے سامنے آ گیا لیکن اس کے چہرے کی کرختگی برقرار تھی "کیا تمہارے پاس آگ اگلنے والے اور شور مچانے والے ہتھیار ہیں؟" اس نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"نہیں" میں نے جواب دیا۔

"سچ بول رہے ہو؟"

"ہاں دوست۔ بالکل سچ۔ ہم کسی برے ارادے سے نہیں آئے۔"

"پتھروں کی تلاش میں آئے ہو؟" پہلی بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر کھنچ گئی۔

"ہاں یہ جھوٹ نہیں ہے۔"

"لیکن ہمیں کیسے معلوم کہ تمہارے پاس جسموں میں سوراخ کر لے والے ہتھیار نہیں ہیں؟"

"تم ہم میں سے ہر ایک کی تلاشی لے سکتے ہو۔"

"کوئی ہے!" اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور اسے حکم دیا وہ چند لوگوں کے ساتھ آگے بڑھے اور ہمارے سامان کی تلاشی لے۔"

"کرنل،" میں نے کرنل ڈکسن کو مخاطب کیا۔ "یہ لوگ تلاشی لیں گے آپ سب کو ہدایت کریں کہ کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اسی میں امن ہے۔"

اور پھر کرنل تلاشی لینے والوں کے ساتھ میں تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا تلاشی لینے والے مطمئن ہو گئے تھے۔ انھوں نے واپس آ کر اپنے لیڈر کو اطلاع دی کہ آتشیں ہتھیار نہیں ہیں۔ تب لیڈر نے پیچھے مڑ کر ہاتھوں کو ہوا میں لہرا کر کچھ اشارہ کیا، اور محاصرہ ختم کیا گیا۔

وہ لوگ ایک جگہ سمٹ گئے تھے۔ "چلو" لیڈر نے ہمیں اشارہ کیا۔

"مگر کہاں دوست —؟"

"بستی نی تی کا میں۔ تم ملکہ نی تی کا کے قیدی ہو۔"

"اوہ، تو تم ہمیں قیدی بنا کر لے جاؤ گے؟"

"ہاں!"

"کیا نی تی کا والے اتنے بد اخلاق ہو گئے کہ امن پسند مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتے ہیں، میں نے کہا۔

"یہ بات تم ملکہ سے کرنا۔"

"نی تی کا کی ملکہ سے —؟"

"ہاں —"

"تو کیا نی تی کا کا کوئی حکمران نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے مرد۔"

"نہیں —"

میں نے ٹوبو کی طرف دیکھا، ٹوبو نے شانے ہلا دیئے تھے اور پھر ہم ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے، ریچھ کی کھال والا قوی ہیکل جوان ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے کرخت خدوخال اب کسی حد تک نرم پڑ گئے تھے.. اور وہ کسی سوچ میں کھویا محسوس ہوتا تھا۔ ہم دریا کی طرف ہی بڑھ رہے تھے۔ لیکن اوپر کی طرف، شاید ان لوگوں کو کوئی ایسا راستہ معلوم تھا جہاں دریا میں گھڑیال نہ تھے۔

اس سے پہلے نی تی کا کے لوگوں کا یہ اصول نہ تھا۔ چلتے چلتے ریچھ کی کھال والا اچانک بول پڑا۔

"کیا مطلب —"

"ہم مہمانوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے تھے۔ شاید وہ اس دوران میری بات کے بارے میں ہی سوچتا رہا تھا

"پھر اب کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ملکہ نی تی کا اجنبی لوگوں کو پسند نہیں کرتی۔ قبیلے میں داخل ہونے والوں کو کوئی آزادی نہیں دی جا سکتی۔ ہمارے مخبروں نے رات ہی کو تمہاری آمد کی اطلاع دے دی تھی اور ہم نے تمہیں گرفتار کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دریا کے ایک ایسے کنارے پر پہنچ گئے، جہاں گہرائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ دور تک نوکیلے پتھر لگے ہوئے تھے اور یہ پتھر یقینی طور پر خود لگائے گئے تھے اور ان کی وجہ بھی سمجھ میں آتی تھی۔ آبی جانوروں کے جسم کی کھال بے حد نرم ہوتی ہے، اس لئے وہ نوکیلے پتھروں پر بمشکل آ سکتے تھے۔ اور یہاں سے دریا آسانی سے پار کیا جا سکتا تھا، لیکن جس چیز نے کرنل ڈکسن اور دوسرے لوگوں کو ششدر کر دیا۔ وہ ان پتھروں میں چمکنے والے ہیرے تھے۔

ہیروں کے بے شمار چھوٹے بڑے ٹکڑے پتھروں میں

"میرے خدا۔ میرے خدا" یہ کرنل کے منہ نکلا۔

"کیا ہوا کرنل؟" میں نے پوچھا

"ارے ادھر دیکھو"

"ہیرے ہیں" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ بخدا۔ ہیرے ہی ہیں۔ اُفوہ اگر یہ ہیرے جمع کئے جائیں تو بے اندازہ تجارت ہو سکتی ہے" لیکن ان کی یہاں کیا بے قدری ہو رہی ہے۔

"ابھی تو بہت کچھ ہے کرنل، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔"

ہم لوگ دریا میں اتر گئے۔ قوی ہیکل شخص ہم لوگوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ دریا باآسانی پار کر لیا گیا۔ میری نگاہ اچانک لڑکیوں پر جا پڑی۔ میں نے ان کے چہروں میں سراسیمگی کے آثار دیکھے تھے۔ اور میں جان بوجھ کر دوسرے لوگوں سے پیچھے ہو گیا۔ لڑکیاں بھی گرتی پڑتی چلی آ رہی تھیں۔

"ہیلو ڈینی" میں نے ڈینیلا کو مخاطب کیا۔

"یہ تو۔ یہ تو بڑا پراسرار سرفراز" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا

"اوہو ڈینی، کیا تم خوفزدہ ہو؟"

"یہ لوگ آدم خور ہیں؟"

"اوہ نہیں۔۔ یہ ہمارے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کریں گے، یہ ہمیں اپنے ساتھ مہمان بنا کر لے جا رہے ہیں"

"مہمان۔؟ اس طرح؟"

"یقیناً وحشی ہیں، تم بالکل خوف نہ کرو، میں جو کہہ رہا ہوں"

"تو یہ آدم خور نہیں ہیں"

"بالکل نہیں، اب افریقہ کے ہر خطے میں آدم خور تو نہیں بستے"

"تب تو ٹھیک ہے، ہم لوگ تو بہت ڈر رہے تھے"

پہاڑی تک کا راستہ بغیر کسی دقت کے عبور کر لیا گیا۔ اور پھر ہم سب ایک پہاڑی سرنگ میں داخل ہو گئے۔ بلاشبہ یہ سرنگ ایسی جگہ تھی کہ اگر ہم دوسری طرف جانے کے لئے اسے تلاش کرتے تو ملنا مشکل تھا۔ ایسی صورت میں ہمیں اس بلند پہاڑ کی چڑھائیاں ہی ناپنا ہوتیں۔

سرنگ کافی چوڑی اور کشادہ تھی، اس میں تاریکی بھی نہ تھی ایک دوسرے کی شکلیں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ بڑے بڑے سوراخوں سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ البتہ وہ ناہموار تھی۔ اور جگہ جگہ گڑھوں سے بچنا ہوتا تھا۔ بہرحال سرنگ طے ہو گئی اور دوسرے دہانے سے "نی تی کا" کی عظیم الشان بستی نظر آئی۔

ایک مخصوص طرز کے اونچے اونچے گول جھونپڑے جن کے چاروں طرف احاطے تھے۔ لکڑیوں اور گھاس سے مضبوط طور پر بنائے ہوئے احاطے۔ خوبی یہ تھی کہ سارے کام نہایت پلاننگ سے کئے گئے تھے۔ جھونپڑے قطار میں تھے، ان کے ایک طرف چوڑی اور دوسری طرف تپلی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ گویا ان میں سے کسی نے مہذب دنیا کی مکانی ترتیب دیکھی تھی اور اسی کے مطابق اس بستی کو آباد کیا گیا تھا۔ یا پھر یہ ان کی اپنی اختراع تھی اور وہ لوگ بہتر زندگی گزارنے کے لوازمات سے واقف تھے۔

ہمارا راہبر ہمیں لئے ہوئے ایک چوڑے راستے سے گزر کر ایک احاطے کے نزدیک پہنچ گیا جو انتہائی وسیع و عریض تھا۔ موٹی موٹی بلیوں سے باڑیں بنائی گئی تھیں اور انھیں موٹی ٹہنیوں والی کانٹوں دار گھاس سے چھپا دیا گیا تھا۔ اوپر مچان بنے ہوئے تھے، جن پر جنگلی مسلح محافظ نگراں تھے۔ گویا یہ قید خانہ تھا۔

دروازہ کھلا اور ہمارے راہبر نے کہا۔ تم لوگ اندر جاؤ اور وہاں تم نے امن کا ثبوت دیا ہے، یہ بات ملکہ نی تی کا تک پہنچائی جائے گی ممکن ہے تمہارے ساتھ برا سلوک نہ ہو۔ جب کہ تم سے پہلے آنے والے اور دھماکوں کی زبان میں بات کرنے والے ملکہ کے حکم سے موت کے قریب ہیں"

اس شخص کی اس بات پر ہم چونک پڑے۔

"تو کیا، تو کیا کچھ اور قیدی بھی ہیں؟"

"ہیں۔ لیکن وہ تمہاری طرح نہیں تھے۔ اس لئے نقصان میں رہے۔ انھوں نے ہم پر دھماکے کئے، شعلے برسائے اور نی تی کا کے ان معصوم لوگوں سے نفرت کا سلوک کیا۔

"وہ کہاں ہیں"

"اندر۔۔ اسی قید خانے میں" اس نے جواب دیا۔ اور پھر محافظوں کو ہمارے بارے میں ہدایت کی اور واپس ہو گیا"

"آؤ" کرنل ڈکسن نے کہا۔ اور پھرتندی سے اس احاطے میں پہنچ گئے جو بیحد وسیع تھا۔ میرے اور کرنل ڈکسن کے ذہن میں ایک ہی بات آئی تھی جسے کرنل ڈکسن نے کہہ دیا "سرفراز۔ کہیں وہ۔ وغیرہ نہ ہوں۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ہم تیزی سے اندر داخل ہو گئے۔

احاطے کے سروں پر بارش وغیرہ سے بچاؤ کے لئے پناہ گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ ایسی ہی ایک پناہ گاہ میں کچھ لوگ نظر آ رہے تھے۔ اور دور سے ہی ان کے بارے میں اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

میں نے کرنل ڈکسن کا بازو پکڑ لیا۔ "کرنل" میں آہستہ سے بولا

"ہاں۔ کرنل کے سرسراتی آواز میں کہا

"نواب فیروزالدین۔

"کہاں ـــــــ" کرنل ڈکسن نے کہا

"تو یہ لوگ بھی آ پھنسے" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں۔ اور تم نے اس کے الفاظ بھی سنے تھے۔ ملکہ نی تی کا انھیں سزا دینے کا ارادہ رکھتی ہے

"بہت برا ہوا کرنل، احمقوں نے گولیاں چلائی ہوں گی" میں نے کہا

"یقیناً، کرنل ڈکسن نے جواب دیا۔

احاطے کے دوسری طرف سے ہمیں بھی دیکھ لیا گیا تھا۔ اور شاید پہچان بھی لیا تھا، کیونکہ ایک کے بعد ایک باہر نکلنے لگا۔ اور تقریباً سبھی اپنی پناہ گاہ سے نکل آئے تھے۔

ہم لوگ آہستہ آہستہ دوسری پناہ گاہ کی طرف بڑھ گئے اور اندر

داخل ہو گئے۔ تمام لوگوں کے چہروں پر فکرمندی کے آثار تھے، لڑکیاں سب ہی خوفزدہ نظر آ رہی تھیں، لیکن میں دوسرے انداز میں سوچ رہا تھا۔ حالات ہمارے لئے بگڑے ہوئے نہیں تھے۔ یہ ملکہ نی تی کا کون تھی، صرف انھیں دیکھنا تھا۔

اس کے علاوہ میں نواب فیروزالدین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہاں رہ کر ان سے بھی ملاقات ضرور ہو گی۔ میرا ان کے ساتھ رویہ کیا ہونا چاہئے۔ یوں تو کوئی بات نہیں تھی، لیکن ان لوگوں کی زندگی بھی خطرے میں تھی اور بہرحال میں یہ کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن اس اجنبی جگہ ان کی زندگی کیونکر بچا سکوں گا۔ نی تی کا کے لوگ وحشی ضرور تھے، لیکن بہرحال وہ ذہین بھی تھے۔ ان کے طرز رہائش سے پتہ چلتا تھا کہ وہ افریقہ کے اندرونی علاقوں میں ہونے کے باوجود کسی حد تک جدید طرز رہائش سے واقف تھے۔ بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر کرنل ڈکسن کا معاملہ بھی تھا۔ بہرحال میں ان لوگوں سے ایک اخلاقی معاہدہ بھی کر چکا تھا۔ مجھے ان کا ساتھ دینا تھا، جبکہ کرنل ڈکسن سے ان کی چل رہی تھی ان دونوں کے درمیان اس کشمکش کا اثر بھی پڑ سکتا تھا۔

بہرحال خاصی الجھا دینے والی صورت حال درپیش تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے دیکھ لیا گیا ہے تو، نواب فیروزالدین کا ردعمل کیا ہو گا۔ اس بارے میں میں نے ٹوبو سے مشورہ ضروری سمجھا اور اسے ایک طرف بلا لیا۔ اس گفتگو میں، میں نے کرنل ڈکسن کو مدعو نہ کیا تھا۔ حالانکہ کرنل ڈکسن نے میری طرف دیکھا تھا۔ اور یہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس سے ہٹ کر کوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں"

ٹوبو نے اس فطری بے فکری سے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں ٹوبو۔ تم بالکل لاپرواہ ہو۔

"تو پھر۔ کیا کروں، میں۔ ٹوبو نے پوچھا

"کیا یہ فکر کی بات نہیں ہے؟"

"ہے" ٹوبو نے اعتراف کیا۔

"پھر۔؟"

"جو حکم دو باس۔ ویسے ہماری پوزیشن زیادہ خراب نہیں ہے بلکہ نواب صاحب اور ان کے ساتھی خطرے میں ہیں"

"اور تم میری عادت سے واقف ہو۔ میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"اچھی طرح باس، اچھی طرح۔ ٹوبو ہنس پڑا۔

"کیا جانتے ہو؟"

"تم انھیں کسی طور نہیں مرنے دو گے"

"ہاں، ہمیں خطرے کے وقت ان کی مدد کرنا ہو گی"

"کریں گے باس۔ فکرمند کیوں ہو" ٹوبو نے کہا۔

"اتنے سرسری انداز میں نہ سوچو۔ حالات زیادہ اچھے نہیں نظر آ رہے ہیں" میں نے کہا۔ اور ٹوبو حیرت سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"ارے باس، خیریت۔ تمہیں کیا ہو گیا؟

"کیوں"

"تم اتنے فکرمند، یقین نہیں آ رہا"

"ہاں ٹوبو۔ ان میں سے ایک کی بھی زندگی نہیں جانی چاہئے۔ ان سب کی زندگی کی حفاظت کرنا ہمارا سب سے بڑا فرض ہے"

"تو ہم اپنا فرض پورا کریں گے" ٹوبو نے کہا۔

"لیکن ہمیں پروگرام بنانا ہو گا"

"پروگرام؟"

"ہاں ٹھوس اور جامع پروگرام۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دیر سے سوچیں۔

"ہاں باس یہ تو ہے۔ ٹوبو نے جواب دیا۔ اور پھر ہم دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔ کافی دیر کے بعد ٹوبو نے کہا "باس۔ کرنل ڈکسن کی نواب فیروزالدین سے چل رہی ہے"

"ہاں" میں نے ٹوبو کو دیکھا

"تب پھر کرنل ڈکسن تو اس پروگرام میں کوئی دلچسپی نہیں لے گا"

"یہ اس کی مرضی ہے لیکن اگر کرنل ڈکسن اس وقت بھی خودغرضی سے کام لے گا تو یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہو گی۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ٹوبو نے کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔ کرنل ڈکسن دور سے دیکھ رہا تھا اور بے چین تھا۔ میرے ذہن میں نواب فیروزالدین کا بھی خیال تھا۔ یہ اندازہ تو ہو چکا تھا کہ ان لوگوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے اور پہچان بھی گئے ہیں۔ سب لوگوں کے نکل آنے سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ لوگ خود بھی آتے ہیں یا نہیں۔ ڈینلا کے کہنے کے مطابق میری طرف تو ان کا ذہن صاف ہو چکا تھا۔ باقی رہ گئے تھے کرنل ڈکسن وغیرہ

ٹوبو اٹھ گیا۔ اس موضوع پر کرنل ڈکسن سے بھی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی کہ اب میں فری ہو چکا ہوں، کرنل ڈکسن میری طرف دوڑ آیا۔

"اوہ کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے سرفراز" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا

"نہیں کرنل" فرمائیے"

"اس نئی صورت حال کے بارے میں کیا خیال ہے سرفراز۔" کرنل نے کہا۔ "خاصی الجھی ہوئی ہے"

"یہ لوگ تو خاصے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں انھیں رام کرنا سخت مشکل ہو گا"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے"

"پھر اب۔؟"

"دیکھیں گے کرنل کیا حالات ہوتے ہیں"

"اس کے علاوہ نواب پارٹی مجھ سے بھی زیادہ خطرے میں ہے"

"ان لوگوں نے شاید فائرنگ کی ہے۔ ممکن ہے کچھ وحشی مارے بھی گئے ہوں"

"ہاں ممکن ہے۔ لیکن یہ بہت خطرناک بات ہے سرفراز" کرنل ڈکسن تشویش سے بولا۔ اور مجھے اس کی بات سے بے حد خوشی ہوئی۔ بہرحال کرنل ڈکسن انسانیت سے عاری شخص نہیں تھا۔

"ہاں خطرناک تو ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا
"پھر ممکن ہے ہم سے پہلے ان لوگوں پر کوئی مصیبت آ جائے۔"
"نواب صاحب نے اس بارے میں سوچا ہی ہوگا۔"
"اور اگر نہ سوچا ہو تو۔۔؟"
"تب پھر۔ ہم کیا کر سکتے ہیں کرنل۔"
"وہ تو ٹھیک ہے سرفراز۔ لیکن بہرحال نواب فیروز کو اس سلسلہ میں باخبر تو ہونا ہی۔ ممکن ہے اسے اتنے خطرناک حالات کا احساس نہ ہو۔"
"ان سے کون بات کریگا کرنل۔"
"میں کروں گا بھئی۔ وہ میرا دشمن بن گیا ہے۔ میں تو نہیں۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے اور وہ بہرحال میرا دوست رہ چکا ہے۔ میں اپنی انا توڑ دوں گا۔"
"ونڈرفل کرنل۔ بہرحال آپ ایک نفیس انسان ہیں۔ بالکل ٹھیک ہے ہم خود ہی نواب فیروز الدین سے گفتگو کریں گے۔ نواب صاحب خطرے میں نہ ہوتے تو ہم ایسی کوشش نہیں کرتے۔"
"تب پھر کب گفتگو کرو گے۔"
"تھوڑی دیر رک جائیں۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لے لیں، اسکے بعد نواب صاحب کے پاس جائیں گے، ممکن ہے۔ اس وقت کوئی روک ٹوک کی جائے۔"
"ٹھیک ہے۔ لیکن دیر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"
"حالات کا جائزہ لئے بغیر کوئی کوشش کرنا بھی ٹھیک نہیں ہوگا کرنل۔" میں نے کہا اور کرنل نے مجھ سے اتفاق کیا۔ ہم انتظار کرتے رہے۔ اور وقت گزرتا گیا۔ بہرحال ان لوگوں کے کسی قدر مہذب ہونے کے ثبوت ملے۔ جس میں سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ انھوں نے وقت پر ہمیں عمدہ کھانا مہیا کیا اور ہم سے ہماری دوسری ضرورتوں کے بارے میں بھی پوچھا گیا۔ چوڑے چہرے والے شخص نے ہمارے ساتھ عمدہ سلوک کیا تھا۔
لیکن ٹوبو نہ جانے کیوں باہر چلا گیا تھا۔ اچانک واپس آیا اور اس نے ایک تشویشناک اطلاع دی۔ باس۔ ایک بری اطلاع لایا ہوں۔"
"کیا۔۔؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"ان سب کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔"
"کب؟" میں اچھل پڑا۔
"ابھی۔ احاطے کا دوسرا دروازہ یہی ہے۔ میں نے کچھ گڑبڑ محسوس کی۔ غالباً وہ لوگ جانا نہیں چاہتے تھے۔"
"اوہ، آؤ۔۔" میں نے کہا اور ٹوبو کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر میں نے احاطے کے دوسرے حصے کی طرف دیکھا۔ صاف احساس ہوتا تھا کہ وہ حصہ سنسان ہے۔ میں پریشانی سے اس طرف دیکھتا رہ گیا۔ پھر میں نے بھاری آواز میں کہا "ٹوبو ہمیں معلوم کرنا ہوگا۔"
"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"
"کیا تم ان میں سے کسی کو دوست نہیں بنا سکتے؟"
"ابھی تک کوشش نہیں کی باس۔ لیکن میرا خیال ہے یہ لوگ محتاط ہیں۔"

"کوئی ترکیب کرو۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔
"وہ توانا شخص، اس احاطے کا منتظم معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر چالاک بھی بہت ہے۔ بمشکل سے پھنسے گا۔" ٹوبو نے کہا۔
"نظر آجائے تو میرے پاس لے آؤ۔" میں نے کہا اور ٹوبو نے گردن ہلا دی۔ بہرحال ٹوبو مہذب دنیا میں رہ چکا تھا اور کافی چالاک انسان تھا۔ میں واپس اندر آگیا۔ اور میں نے کرنل ڈکسن وغیرہ کو بھی یہ اطلاع دی۔ کرنل کو بھی سخت تشویش ہوئی تھی۔
کافی دیر تک ٹوبو واپس نہیں آیا۔ پھر میں نے جھونپڑے کے پاس اس کی آواز سنی۔ "بات یہ ہے ماسٹر کہ میرا باس ایک انوکھا انسان ہے۔ ستاروں کا بادشاہ۔ ارے میں تمہیں اسکے بارے میں کیا بتاؤں۔ ایسی انوکھی قوتوں کا مالک ہے وہ کہ بس دیکھتے رہو۔
"کیا وہ میرے بارے میں بھی بتا سکتا ہے۔" ایک کرخت آواز نے پوچھا اور سب نے پہچان لیا۔ منتظم ہی کی آواز تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ٹوبو نے اسے گانٹھ لیا تھا۔
"بتانا کیا معنی رکھتا ہے، اس کے قبضہ و قدرت میں نہ جانے کیا کیا ہے۔ تم یقین کرو اس نے خود ہی گرفتار ہونا پسند کیا ہے۔ ورنہ تمہارے لئے بڑی مشکلات پیش آئیں۔"
"اوہو۔ کیوں۔"
"بس یہ نہ پوچھو۔ کسی طرح اس سے دوستی کر لو۔ اس کے بعد اسکے کھیل دیکھو۔"
"تم اس سے میری دوستی کرا دو۔" بھاری آواز والے نے کہا۔
"واقعی۔۔ کیا تم دل سے چاہتے ہو۔؟
"ہاں۔ تم نے اس کی جتنی تعریفیں کی ہیں۔ اس سے تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ تم تو افریقہ کے ہی باشندے ہو، لیکن وہ اجنبی ہو کر ہماری زبان کس عمدگی سے بول لیتا ہے۔
"اس کی بات نہ کرو۔ وہ تو دیوتا ہے۔ نہ جانے کس کس کی زبان بول لیتا ہے۔ میں نے اسے جنگلی جانوروں سے گفتگو کرتے دیکھا ہے۔" حیرت ہے۔ تو تم مجھے اس سے کب ملا رہے ہو۔؟
"ابھی اسی وقت۔ میں نے کہا نا کہ وہ اچھا انسان ہے۔ اور پھر تمہاری تو وہ تعریف بھی کر رہا تھا۔
"اچھا۔۔ کیا کہا تھا۔؟
"کہہ رہا تھا کہ نہایت اچھا انسان ہے۔ مجھے اس کی پیشانی کی چمک کچھ اور بتا رہی ہے۔
"کیا بتا رہی ہے۔؟
"یہ تو اس نے مجھے نہیں بتایا۔
"اوہ۔ تم اس سے معلوم کرو۔ بھاری آواز والے نے اشتیاق سے کہا۔" تم رکو۔۔ میں اسے یہاں بلا کر لاتا ہوں۔ پھر تم خود ہی معلوم کرنا۔" ٹھیک ہے۔ ٹوبو نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ ان

باتوں میں ٹوبو اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ کرنل جو مجھے اچانک خاموش دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا تھا بولا۔۔۔۔
"کیا بات ہے سرفراز۔!
"کوئی خاص بات نہیں کرنل
"تم باہر کس کی گفتگو سن کر خاموش ہو گئے ہو۔؟
"ہاں۔ ٹوبو کس سے باتیں کر رہا ہے
"تم نے ان کی زبان بھی سیکھ لی۔ کرنل ڈکسن نے تعریفی لہجہ میں کہا۔ میں اس سے قبل کہ میں اسے کوئی جواب دیتا ٹوبو اندر داخل ہو گیا۔
"باس کیا تم چند منٹ کے لئے باہر آؤ گے؟
"میں ابھی حاضر ہوا کرنل۔ میں نے کرنل سے کہا اور کرنل نے گردن ہلا دی۔ میں ٹوبو کے ساتھ باہر نکل آیا۔
"میں نے۔۔ ٹوبو نے کہنا چاہا۔۔ لیکن میں نے ہاتھ اٹھا دیا۔
"ٹھیک ہے ٹوبو۔۔ میں نے تمہاری اور اس کی گفتگو سن چکا ہوں
"ویری گڈ۔۔ میری ترکیب کامیاب رہی۔ ٹوبو نے کہا۔ اور ہم دونوں توی ہیکل شخص کے پاس پہنچ گئے۔
وہ ہیں۔ یہ ساترا ہے۔ شیر دل کا فیر ساترا۔ اور ساترا۔ یہ میرا پراسرار باس۔ ساترا جھک رہا تھا۔ وہ مرعوب نظر آرہا تھا۔
۔میں نے اس کی چمکدار پیشانی کے بارے میں بتایا تھا
میں نے کہا
"ساترا تم سے ملاقات کا خواہشمند ہے باس۔
"کیا چاہتا ہے۔؟ میں نے پوچھا
"بس۔ صرف ملاقات۔ اور اپنی خوش بختی کا حال بھی جاننا چاہتا ہے۔" کیوں۔ ٹھیک ہے ٹوبو۔ میں اس چمکدار پیشانی والے سے گفتگو کروں گا، تو اندر جا۔ ! میں نے ٹوبو سے کہا اور ٹوبو گردن ہلا کر اندر چلا گیا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا
"زیا۔ دوست کے جیالے باپ کے نامور بیٹے۔ کیا جہاں والے تیری حیثیت سے بے خبر ہیں۔ کیا چمکدار پیشانیوں کی شناخت یہاں کسی کو نہیں ہے۔
"کیا مطلب وہ احمقانہ انداز میں بولا
"کیا وہ نہیں جان سکے کہ کس عروج و اقبال کو انھوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ لوگ تجھے نہ پہچانیں لیکن ہم تجھے پہچانتے ہیں۔
"میں نہیں سمجھا اجنبی۔ مجھے سمجھاؤ۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔؟ اس کے لہجے میں بے حد اشتیاق چھپا ہوا تھا۔ اور آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔" تب زیا دوست اس پتھر تک چلیں، ہم وہاں بیٹھ کر گفتگو کرینگے۔ اور ہاں کیا تو دوستی کی گفتگو کو پسند کرتا ہے۔ میں نے پوچھا۔
"کیوں نہیں۔ تو تو دوسروں سے الگ ہے۔ تو نہ صرف امن پسند ہے بلکہ ہماری زبان میں بھی گفتگو کرتا ہے۔ مجھے تو تیری یہ بات بڑی عجیب لگ رہی ہے۔

"کونسی بات۔؟
"وہ بھی رنگ و نسل میں ہم سے جدا تھی۔ مگر ہماری رہبر بنی اور تو بھی انوکھا ہے۔ وہ پُرخیال انداز میں بولا
"کون کس کی بات کر رہا ہے۔؟ میں نے پوچھا۔ ہم دونوں پتھر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور پھر دونوں ہی بیٹھ گئے۔
"تجھے کوئی ضروری کام تو نہیں ہے۔؟ میں نے پوچھا۔ اس کی بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ لیکن میرے ذہن میں تو بے شمار باتیں چبھ رہی تھیں۔ کوئی ایک چبھن تو نہیں تھی۔ پہلے میں اس کو پوری طرح قبضے میں کرنے کی ترکیب کرنا چاہتا تھا اس کے بعد تو بہت کہانیاں خود بخود شروع ہو جاتیں۔
"اس کے سوا کچھ نہیں کہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی خدمت اور نگرانی کروں۔
"خوب۔ نزدیک رہ کر یہ کام بخوبی ہو سکتا ہے۔
"میں سا اور دوستانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے بھی۔۔ وہ مسکرایا۔
"بے شک۔!
"لیکن تو میرے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا اجنبی
"تیری چمکدار پیشانی مستقبل کی تحریر ہے۔ میرے کچھ کہنے سے کیا ہو سکتا ہے۔ بالکل اس کی مانند جیسے وہ لکڑی کا ستون اب سے چند ساعت کے بعد اپنی جگہ چھوڑ دے گا، کیونکہ یہ ستاروں کا کہنا ہے۔ اس طرح ستارے تیرے بارے میں بھی کچھ کہتے ہیں۔
"کونسا ستون۔؟ اس نے حیرت سے پوچھا
"وہ جس پر وہ موٹی لکڑی کی چھت رکی ہوئی ہے۔ کیا اس چھت کے نیچے کوئی نہیں ہے۔؟
"نہیں۔۔ اس کے رہنے والے جا چکے ہیں۔ اس نے جواب دیا
"تیرا نام ساترا ہے نا۔؟
"ہیں۔ وہ ستون کی طرف دیکھتے ہوئے بولا
"اور تیر دیپ۔۔ کیا بستی کا شیر نہیں تھا۔ کیا وہ بستی کا سب سے بہادر انسان نہیں تھا۔ میں نے اس کی جسارت کو سامنے رکھ کر اندھیرے میں تیر پھینکا۔
"ہاں۔۔ مگر تو اسے کیسے جانتا ہے۔؟
میں نہیں جانتا۔ ستارے جانتے ہیں۔ اور ستارے کہتے ہیں
"اوہ۔۔ اس کے ہر ستون کی طرف دیکھا جدھر میں نے اشارہ کیا تھا اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ستون اپنی جگہ سے ہٹا لیا جائے تاکہ دوستی گہری عقیدت پکی ہو جائے۔ ان معصوم انسانوں کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی خیالی گرفت ستون پر قائم کر کے اسے جھٹکا دیا۔ اور ستون کی حیثیت ہی کیا تھی۔ تنکے کی طرح اکھڑ گیا۔ اور اس کی چھت زور زور آواز کے ساتھ نیچے آپڑی۔
ساترا کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ مضطربانہ

انداز میں کھڑا ہوگیا۔ چھت اور ستون گرنے سے کافی زوردار آواز پیدا ہوئی تھی چنانچہ ایک طرف تو کرنل وغیرہ باہر نکل آئے۔ اور دوسری طرف احاطے کے دروازے پر کھڑے محافظ اندر آگئے۔

" اوہ۔ اوہ۔ کوئی بات نہیں ہے، جاؤ۔ آرام کرو ——! سماترا نے محافظوں سے کہا

• کوئی بات نہیں ہے کرنل۔ صرف ایک ستون گر پڑا ہے۔ سب نے کرنل سے کہا۔ اور وہ سب اندر چلے گئے۔ لیکن سماترا پر خاطر خواہ عمل ہوا تھا۔

• تو تو واقعی انوکھا ہے اجنبی، آہ کیسی بروقت بات بتاتا ہے۔ تو نے تیرے بارے میں بتادیا تھا سماترا۔ تیری چمکدار پیشانی پر چمکنے والے ستارے، آسمانی ستاروں سے رابطہ قائم کر رہے ہیں اور جونہی دونوں کا ملاپ ہوا۔ تیری تقدیر بدل جائے گی۔

• بدل جائے گی ——؟ وہ احمقانہ انداز میں بولا

• ہاں۔ یقینی بات ہے بالکل اسی طرح جیسے میرے کہنے کے بعد یہ ستون گرا۔

• ہاں —— تیری بات جھوٹ نہیں ہوتی، مگر ——"

تیری تقدیر ضرور بدلے گی۔ میں نے زوردار آواز میں کہا۔

• مگر ہوگا کیا؟

• ممکن ہے تو نی تی کا حکمران بن جائے۔ ممکن ہے قرب وجوار کے دوسرے علاقے بھی تیرے تحت آجائیں۔ ممکن ہے تو ان دُور دُور تک کے جنگلوں کا شہنشاہ کہلائے۔ میں نے کہا اور نوجوان کا سینہ فرطِ مسرت اور فرطِ جذبات سے پھولنے اور پچکنے لگا۔

• اوہ۔ اوہ۔ مگر یہ سب کچھ کیسے ہوگا۔؟

• جیسے بھی ہو۔ ہوگا ضرور۔

• اوہ میرے دوست سچ کہنے والے، تو نے انوکھی خوشخبری دی ہے مجھے۔ کاش یہ سب کچھ ہو جائے۔ لیکن میرے لئے یہ بہت مشکل ہے۔

• کیوں؟ مشکل کیوں ہے۔؟

• حالات۔ ایسے حالات کیوں ہیں۔

• کیا ستون کمزور تھا۔؟ میں نے پوچھا

• پھر وہ کیسے گر گیا۔؟

• اندازہ نہیں ہوسکتا؟

• اس طرح حالات کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔ نہ جانے وہ کس طرح بدلیں۔ کچھ ہوگا ضرور۔ اُسے آنے والے وقت پر چھوڑ دیا جائے۔

• دیوتا کریں تو کچھ سے دیکھی ہو۔ آہ تو تو بڑا ہی انوکھا دوست نکلا۔ تو نے یہ خوش خبری مجھے سنائی، میں تیرے لئے کیا کروں ... آہ میں کیا کروں۔؟

• کچھ نہیں۔ مجھے تو تجھ سے دلچسپی ہے۔ اور کسی بات سے نہیں۔ ہاں تو اگر چاہے تو سارے حالات مجھے بتا تاکہ میں اندازہ لگا سکوں کہ تو کس طرح اپنا اصل مقام پاسکتا ہے۔ مگر یہ صرف اندازہ ہوگا ستاروں کی بات نہیں۔

• ہاں میرے دوست میں اس بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں شہ پر جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دے "؟

• ضرور دوں گا، پوچھ"

• موجودہ حکمران کون ہے۔؟

• یہ بات تو ہم بھی نہیں جانتے "

• کیا مطلب۔؟

• وہ ہم میں سے نہیں ہے

• اوہ۔ یہ ممکن ہے۔" میں نے کس قدر تعجب سے پوچھا

• بس یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ وہ اچانک پہاڑوں میں نمودار ہوئی اور روشنیاں پھیل گئیں ... تب اس کی آواز پہاڑوں میں اس طرح پھیل گئی جیسے آسمان پر بادل گرج رہے ہوں۔ اور بستی والے خوفزدہ ہوگئے۔ تب اس نے بستی والوں سے کہا کہ اس کی طرف آئیں اور اس کی بات سنیں۔ سب خوف زدہ ہوگئے تھے اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا کہ اس نے کہا کہ وہ ان کی دوست ہے دشمن نہیں۔ انہیں اس کی بات ضرور سننا چاہیئے وہ ان پہاڑوں میں آئیں اور اس کی بات سنیں۔ یہ سب راضی ہوئے انھوں نے سوچا اس پراسرار قوت کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ سب اس کے پاس پہنچ گئے جہاں تک کہ بھی جو کا حکمران اور سردار تھا۔ وہ بھی اس سے خوف زدہ تھا۔ سو اُس نے کہا کہ وہ ان کے لئے خوش حالی کا پیغام لائی ہے اور جہاں وہ ہوتی ہے وہاں کوئی سردار نہیں ہوتا اس کے سوا۔ اور وہ مارے جاتے ہیں جو اس کے حکم کی تکمیل نہیں کرتے اور اپنی آواز اس کی آواز سے ملاتے ہیں۔ تب اس نے سردار تیشک کو بُلایا۔ اور اس سے کہا کہ سرداری اس کے حوالے کردے۔

لیکن سردار تیشک بزدل نہیں تھا، اس نے کہا کہ انوکھی تو تو والی اسے قبول۔ لیکن سرداری کے لئے ضروری کہ سفید ہاتھی شکار کیا جائے۔ اور یہ قبیلہ کا شگون ہے، تب وہ ہنس پڑی اور اس نے کہا کہ وہ سفید ہاتھیوں کا پورا غول مطیع کرسکتی ہے۔ تو اجنبی دوست۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ حسب وعدہ۔ یعنی جب تک کی اس نے مہلت طلب کی تھی واپس آئی اور وہ ایک سفید ہاتھی کی گردن پر سوار تھی۔ اور بلند قامت ہاتھی اس کا مطیع و فرمانبردار تھا۔ پھر کس کی مجال تھی کہ اسے تسلیم نہ کرتا۔ چنانچہ وہ حکمران بن گئی۔ اور اب وہ حصّہ فی تی کا ہے ؟ سماترا نے بتایا اور پھر خاموش ہوگیا۔

کہانی بے حد دلچسپ تھی۔ اور میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ کافی دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سماترا سے پوچھا۔

• وہ کوئی عورت ہے۔؟

• ہاں۔ دیوی ہے"

• تم میں سے کس نے اسے دیکھا ہے"

• سب نے دیکھا ہے۔

• کیا مطلب۔ وہ لوگوں کے ساتھ عام طور سے آتی ہے۔!

• ہاں۔ وہ سفید ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر بستی کا چکر لگاتی ہے۔ اور تو نی تی کا کو بستی کے لوگ اس سے محبت کرنے لگے ہیں۔ وہ سب سے ی ہے" ہوں —— میں نے گردن ہلائی۔ ایک بات اور بتاؤ"

• جی۔؟"

• کیا تمہاری بستی کے کچھ لوگ اس کے مخالف بھی ہیں۔؟"

" ہاں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اسے قبول نہیں کرتے"

• کیا کہتے ہیں وہ۔؟"

• بس وہ نہیں چاہتے کہ کوئی بیرونی عورت ان کی حکمراں ہو"

• وہ اس کے خلاف سازشیں بھی کرتے ہوں گے۔؟"

• ابتدا میں کی تھیں۔ لیکن اس نے ان سب کو پکڑ لیا نہیں اعزازات اور کرامات سے نوازا۔ پھر واپس کردیا جب کہ وہ ہاتھی تو خاموشی سے انھیں ختم کرسکتی تھی "

• کیا اس کا رنگ سیاہ نہیں ہے۔؟

• نہیں —— وہ سفید ہے اور بہت خوبصورت ہے "

" اس کے ساتھ اس نسل کے اور لوگ بھی ہیں؟

• صرف دو آدمی ہیں۔ لیکن وہ پہاڑوں میں رہتے ہیں"

• کیا وہ پہاڑوں میں اپنی رہائش گاہ بھی بنا رہی ہے۔

• بستی کے نوجوان وہاں کام کر رہے ہوں گے۔؟

• رہائش گاہ تیار ہوچکی ہے"

• بہت خوب۔ اب مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ جنہیں گرفتار کیا گیا ہے۔

• پتھروں کی تلاش میں آنے والے ہیں۔ نہ جانے یہ لوگ چمکدار پتھروں کے لئے زندگی کی بازی کیوں لگا دیتے ہیں۔

• کیا انھوں نے دھماکے والے ہتھیار استعمال کئے تھے۔

• ہاں۔ جب ہم نے انھیں گرفتار کیا تو ان لوگوں نے ہتھیار استعمال کئے

• تمہارے کچھ آدمی مارے تو نہیں گئے"

• چار جوان مارے گئے"

" اوہ، تو اب ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔؟ میں نے تشویش سے پوچھا

• کل۔ سفید ہاتھی اُنھیں ہلاک کردے گا"

• ہاں"

• تو کیا تم انھیں اسی لئے قید کرکے لے گئے ہو"؟

• ہاں" سماترا نے جواب دیا"

• اوہ۔ سماترا۔ انھیں معاف نہیں کیا جاسکتا"؟

• ملکہ ان کی موت کا حکم صادر کرچکی ہے"

• کیا اس سے قبل بھی اس نے کسی کو سزا دی ہے۔

• ہاں۔ چار آدمی تھے۔ وہ بھی پتھروں کی تلاش میں آئے تھے۔ انھوں نے ہمارے دو آدمی ہلاک کردیئے، اور ملکہ نے انھیں سفید ہاتھی کا شکار بنا دیا۔ سفید ہاتھی ملکہ کے حکم سے بے حد خطرناک ہوجاتا ہے۔ پھر کون ہے جو اُسے روک سکے۔ وہ انتہائی بے دردی سے انسانوں کو ہلاک کردیتا ہے۔

• تو ان لوگوں کو سزا دے دی جائے گی۔؟

• ہاں"

• مگر تم انھیں کہاں لے گئے ہو"؟

• موت کے احاطے میں۔ صبح کو انھیں وہاں سے نکالا جائے گا اور ملکہ انھیں سزا دے گی"

• اگر ہاتھی انھیں ہلاک نہ کرسکا تو کیا ہوگا"؟

• اوہ۔ نہیں۔ سفید پہاڑ موت کا پہاڑ ہے۔ اس سے بچنا ناممکن ہے۔

• اور اگر کوئی اس ہاتھی کو سفید پہاڑ میں شکست دے دے۔

• ایسی باتیں نہ کرو۔ سفید ہاتھی کا شکاری سردار بنتا ہے اور پھر دیوی سے ہاتھی کو شکار کرنا آسان بات نہیں ہے۔ اگر کوئی سفید ہاتھی کو شکار کرلے تو پھر کوئی انسان اسے کبھی نہیں قتل کرے گا، کیونکہ پوری اس کی موت سے نحوست کی شکار ہوجائے گی —— یہ ہمارا صدیوں کا عقیدہ ہے۔ ہاں وہ اپنی موت مرجائے تو کوئی حرج نہیں ہے"

• سماترا۔ میرے دوست۔ تم میرا ایک کام کرسکتے ہو"؟

• کیا ——؟ کہو

• میں ان لوگوں کی موت کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں"

• تمہیں تو دکھایا جائے گا۔ یہ تو اصول ہے۔ ہر فرد ان کی موت کا منظر دیکھے گا!"

• اوہ، بہرحال مجھے ضرور دکھانا۔ وعدہ کرو۔

• میں وعدہ کرتا ہوں، سماترا نے کہا سرفراز یہ تو ملکہ کا حکم بھی ہے کہ ان قیدیوں کو بھی دوسرے قیدیوں کی موت کا منظر دکھایا جائے سماترا نے کہا —— اور تھوڑی دیر کے بعد وہ رخصت ہوگیا اور میں اندر آگیا۔

یہاں کرنل ٹوکسن اور دوسرے لوگ میرا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

• کیا کیا گفتگو ہو رہی تھی اس سے۔؟ کرنل نے پوچھا

• میں نے اُسے جال میں پھانس لیا ہے کرنل"

• میں اندازہ لگا چکا تھا"

• مگر بہت ہی منحوس خبریں ہیں"

• کیا ——؟

• ان لوگوں کی زندگی کل صبح ختم کردی جائے گی!"

• ارے ــــ کرنل اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی جذباتی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔۔۔ اور پھر وہ سرسراتی آواز میں بولا

• کیا مطلب۔۔۔

• سرفراز۔ مجھے اجازت دو۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گا، یا پھر کم از کم میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوجاؤں گا"

• کیا کریں گے کرنل۔ ہمارے ہاتھ میں ہے بھی تو نہیں"

• جان تو دے دوں گا۔ وہ کمینہ ذلیل ہے، لیکن میرا دوست تو ہے۔ کرنل ڈکسن جذباتی لہجے میں بولا۔ اور میں اس کے جذبے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

• کچھ کریں گے کرنل"۔ میں نے کہا

" اوہ ــــ کیا ــــ اور کب ــــ" کرنل نے پوچھا۔

• کل اس وقت۔ جب تمہیں ہلاک کیا جائے گا۔ میں نے جواب دیا اور میرے ذہن میں پھریری دوڑ گئی ــــ اپنے دوست۔ اپنے محسن ہل مین کے عطیے کو آزمانے کا ایک اور موقع ملا تھا۔ بہرحال میں نے ابھی تک اسے کسی غلط سلسلہ میں نہیں استعمال کیا تھا۔ ایک بار پھر آزمائش پڑی تھی۔

• اس وقت کیا کروگے سرفراز۔ کرنل بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا ــــ • کریں گے کرنل۔ آپ بے فکر رہیں۔

• پھر بھی۔ میری جان۔ میرے عزیز مجھے بتاؤ تو سہی۔

• تفصیل سے بتانا ہوگا کرنل۔ آپ اطمینان رکھیں"

• مجھے اطمینان نہیں ہوگا۔ اس وقت تک جب تک ان کی زندگی نہ بچ جائے۔ آہ سرفراز۔ نہیں۔ وہ برا انسان نہیں ہے کاش میں جذباتی نہ ہوتا۔!

• ملکہ نی تی کا ایک سفید فام عورت ہے۔ میں نے کہا۔ اور کرنل ڈکسن میری طرف متوجہ ہوگیا۔ تب میں نے اسے سماترا سے حاصل کی ہوئی پوری تفصیل بتائی۔ کرنل غور سے سن رہا تھا۔

پوری کہانی ختم ہونے کے بعد اس نے کہا

• لیکن اب تم کیا کروگے"!

• میں اس ہاتھی کو ہلاک کردوں گا!

• ہاتھی کو ــــ" کرنل اچھل پڑا"۔

• ہاں۔ اور ان کی روایت سے پورا فائدہ اٹھاؤں گا!

• مگر کس طرح۔ ہمارے پاس تو ہتھیار بھی نہیں ہیں۔

• اللہ مالک ہے کرنل۔ اور۔ آپ کو معلوم ہے، کہ میری قوم سخت ترین وقت میں ہتھیار کی کوئی پرواہ نہیں کرتی۔ ہم اپنے جذبہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

• سرفراز ــــ پھر بھی میرے بچے"۔

• بس کرنل ــــ اب آپ کو صبح تک صبر کرنا ہوگا۔

• بس میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کوئی ٹھوس بات سوچو۔

• براہِ کرم کرنل۔ کل صبح تک صبر کریں۔ میں نے کہا۔ و

میں کرنل کی اس کیفیت سے بہت متاثر ہوں۔ وہ بے چارہ را بھر پریشان رہا تھا۔ پوری رات اس نے کروٹیں بدلتے گذار ! میں بھی نہیں سو سکا تھا۔ اور تعجب کی بات یہ تھی کہ اس سار ٹوبو بھی جاگتا رہا تھا۔ خلاف معمول۔ جبکہ یہ شخص کسی حالت میں ن کرنے کا عادی نہیں تھا۔ بہرحال میں نے اسے نہیں ٹوکا۔ لڑکی نارمل تھیں۔ انہیں صورت حال سے باخبر نہیں کیا گیا تھا۔

بالآخر صبح ہوگئی۔

کرنل ڈکسن تو روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اٹھ گیا تھا بھی جاگ گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد باقی سب لوگ بھی۔ اور ہی ہوا۔ کیونکہ سورج اچھی طرح ابھرا بھی نہیں تھا کہ ہمارا بلاوا آ ہمارا منتظم سماترا ہی تھا، لیکن اس کے ساتھ اور بھی بہت لوگ تھے۔

تب ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر مقامی زبان میں کہا۔ دنیا چھوڑ کر ہماری پرسکون زندگی میں مداخلت کرنے والو، ہم تمہاری آمد پسند نہیں کرتے کیونکہ تم ظالم مکار اور فریبی ہوتے تمہاری نگاہوں میں ہماری زندگیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں ہمیں کمزور جانوروں کی طرح قتل کردیتے ہو ــــ اس کے باوجو انسان دشمن نہیں ہیں۔ ہم اس پر بھی تمہاری نسل کے ان لوگو ر نقصان نہیں پہنچاتے، جو ہمیں نقصان نہیں پہنچاتے۔ تم سے پہلے والوں نے ہماری زندگی کی کوئی قیمت نہیں سمجھی تھی، جس کی ہمیں س دی جارہی ہے۔ انھوں نے ہمارے چار ساتھیوں کو دھماکوں ذریعہ موت دی ہے تو دیکھو ــــ سفید ہاتھی ان کی موت لا رہا ہے وہاں چلو، تم بھی دیکھ لو۔ تاکہ اس وقت تک کبھی ظلم کے بارے نہ سوچو جب تک ہمارے درمیان ہو۔ اور خاموشی سے یہاں دن تو گذار دو۔ بوڑھا خاموش ہوگیا۔

• کیا کہہ رہا ہے یہ۔ "کرنل ڈکسن نے رازدارانہ اندا پوچھا ! اور میں نے کرنل ڈکسن کو بوڑھے افریقی کی پوری بات دی۔ کرنل نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر ہم ان ک کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگئے۔

سماترا ہمارا رہبر تھا، نیزہ بردار وحشی پیچھے پیچھے چل تھے اور میرے ذہن میں سناٹے ابھر رہے تھے۔ خاصا طویل ف طے کرنا پڑا اور ہم بستی کے عقبی حصے میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک بہت اسٹیڈیم بنا ہوا تھا۔ درختوں کو تراشنے کا کوئی معقول انتظام تھا۔ لیکن ان کے خشک تنوں کو سوراخ کرکے اور میخیں ٹھوک عمدگی سے استعمال کیا گیا تھا۔ اسٹیڈیم کے درمیان میں بے جگہ تھی۔ جڑے ہوئے تنوں کی اونچی دیواروں کے بعد بن گیا

اتنی کشادہ تھیں کہ پوری بستی کے لوگ ان میں سما سکتے تھے۔

نواب فیروز الدین اور ان کے تمام ساتھی کھڑے ہوئے تھے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے اور ان کے چہرے بالکل سفید ہے تھے۔ کوثر کی صورت دیکھ کر میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ زدہ تھی اور خشک ہونٹوں پہ زبان پھیر پھیر کر چاروں طرف رہی تھی۔

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ایک عجیب سا جوش سینے میں ہوگیا۔ ٹوبو نے میری اس کیفیت کو محسوس کرلیا تھا ہم لوگوں کو گیلری میں پہنچا دیا گیا۔ گویا ہم محفوظ تھے۔

• سرفراز، سرفراز۔ بتاؤ کیا کروگے۔ کرنل ڈکسن نے پریشانی

• چند منٹ صبر کریں کرنل"

• میں خودکشی کرلوں گا سرفراز"

• نہیں کرنل، براہ کرم خاموش رہو، میں نے سرد لہجے میں کہا گیلریاں بھرتی جارہی تھیں، موت کا تماشہ دیکھنے والے جمع ہوگئے تھے۔

تب اسٹیڈیم کے عظیم الشان دروازے سے سفید پہاڑ اندر داخل ہوا، اس کی گردن پر سرخ لباس میں ملبوس ایک شعلہ دہک رہا دودھ جیسا رنگ، چمکدار چہرہ، سیاہ بال اور روشن آنکھیں ــــ سڈول بدن، اس کا لباس نہایت خوبصورت تھا۔ میں بھونچکا رہ گیا اندازہ نہ تھا کہ جس عورت کا ذکر سماترا نے کیا ہے وہ ایک نوجوان کی ہوگی۔

تو یہ ہے نی تی کا کی ملکہ۔ میں نے دل میں سوچا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اس خونخوار ہاتھی کو دیکھا بلاشبہ انتہائی بلند قامت اور خونخوار ہاتھی تھا۔ اس قسم کے ہاتھی نظر نہیں آتے، لیکن جس نے اسے کنٹرول کیا تھا وہ بھی اپنے آپ میں یکتا تھی۔

ہاتھی نے پورے اسٹیڈیم کا ایک چکر لگایا اور وحشی ملکہ کے نام نعرے لگانے لگے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ یہاں کافی مقبول ہے۔ پھر ہاتھی اسٹیڈیم کے درمیان کھڑا ہوگیا اور ملکہ نے پہلے افریقی زبان میں بتایا کہ بستی والوں کو اس سزا دی جانے والی تھی۔

بس یہاں سے میرا کام شروع ہوتا تھا، میں گیلری سے نیچے کود آیا اور ہاتھی کے سامنے آکھڑا ہوا۔

• نی تی کا کی ملکہ طاقت ور اور عظیم میں تیری خدمت میں درخواست پیش کرنا چاہتا ہوں میں نے کہا اور وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی ــــ کئی منٹ تک کچھ نہ بولی اور پھر جیسے چونک پڑی"۔ تو ان میں سے ہے جو عدم تشدد والے ہیں اور جنہوں نے خاموشی سے خود کو ہمارے حوالے کردیا تھا۔!

• ہاں ! میں انہی میں سے ہوں۔

• تب تو نے موت کی اس وادی میں کود کر حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ یہاں صرف مرنے والوں کو موجود ہونا چاہیئے۔

• میں تیرے سامنے آیا ہوں ملکہ، مجھے تجھ سے کام ہے۔ کیا تو ان لوگوں کی بھی حفاظت نہیں کرسکتی جو تیرے سامنے ہوں۔

• ٹھیک ہے یہ تجھے کچھ نہ کہے گا، مگر تو نے کچھ کہنے کے لئے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے۔

• اگر تو میری بات سنے تو میری آمد کو غلط نہ کہے گی"۔

• کیا کہنا چاہتا ہے !

• میں ان لوگوں کے لئے معافی کا طلب گار ہوں"

• نہیں۔ یہ ممکن نہیں"۔ ملکہ نے بے رحمی سے کہا۔

• میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں ملکہ، انھیں معاف کردے۔

• افسوس میں تیری درخواست قبول نہیں کرسکتی، کیونکہ انھوں نے بستی کے چار معصوم نوجوانوں کو ہلاک کردیا ہے۔

• تو ان وحشیوں میں سے نہیں ہے اس لئے ان کی ذہنی کیفیت سے واقف ہوسکتی ہے، جو ان وحشیوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے ہوں گے"

• جرأت مند نوجوان اس سے قبل کہ سورج بلند ہو، ان لوگوں کی زندگی کا چراغ بجھ جانا چاہیئے، میں بعد میں تجھ سے اس موضوع پر بات کروں گی"

نہیں ملکہ، اگر یہ بات ہے تو پھر میری موت بھی ان لوگوں کے ساتھ آئے گی۔ ٹھیک ہے تو کوشش کر میں تجھے تیرے قدم سے باز رکھوں گا"

• یہ گستاخی ہے۔ اور تو دیکھ رہا ہے کہ ان میں سے نہ ہونے کے باوجود یہ لوگ کس طرح میری عزت کرتے ہیں"

• میری بات مان لے، اس کے علاوہ میں اور کچھ نہ سنوں گا"ــــ میں نے کہا"ــــ

• تب اپنی موت کا تو خود ہی ذمہ دار ہے، ملکہ عشرت سے بولی۔ اور اس نے ہاتھی کو ایک طرف موڑ دیا۔ ایک مخصوص جگہ پہنچ کر ہاتھی نے اسے سونڈ میں لپیٹا اور نہایت احتیاط سے ایک نشست پر بٹھا دیا ملکہ نے میری درخواست رد کردی تھی اور اب میں اپنے جارحانہ اقدام کے لئے آزاد تھا۔ نواب فیروز الدین اور دوسرے لوگ میری گفتگو سن رہے تھے، لیکن ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ میں آہستہ آہستہ ان کے سامنے جا کھڑا ہوا، لیکن اس طرح کہ میری پشت ان کی جانب تھی اور چہرہ سامنے کی طرف۔

• سرفراز۔ عقب سے نواب فیروز الدین کی بھرائی آواز سنائی دی۔ "سرفراز بیٹے للہ ہمارے لئے جان نہ دو، تمہیں خدائے قدوس کی قسم، آخری بار شرمندہ نہ کرو۔ موت کے وقت ذلیل نہ کرو، تمہاری زندگی ضائع ہوسکتی ہے لئے نہ گئی آؤ۔ للہ۔ للہ۔ ان کی آواز بھرا گئی، اور وہ بچوں کی طرح رونے لگے لیکن میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

وحشیوں کی سفید ملکہ ہاتھی کو احکامات دے رہی تھی، نہ جانے اس کم بخت نے کس طرح اس سفید درندے کو قابو میں کیا تھا۔

ہاتھی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور دُور بیٹھی ہوئی ملکہ اسے ہدایات دے رہی تھی، پھر ہاتھی نے سونڈ اٹھالی اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا تب میں نے ہاتھ اٹھایا اور ہاتھی کی سونڈ کو اپنی خیالی گرفت میں لے لیا۔ ہاتھی کی جسمانی پوزیشن تبدیل ہوتی تھی، اسے اس گرفت کا احساس ہوگیا تھا تب میں نے سوچا کہ ہاتھی کو دُور نہیں رہنا چاہئے، ورنہ دوسرے لوگ میری طرف سے مشکوک ہوجائیں گے، میں قریب سے بھی وہی عمل کرسکتا ہوں جو یہاں کھڑے ہوکر، چنانچہ لوگوں کو صرف یہی حیرت رہے گی کہ ایک نہتے انسان نے ایک دیو پیکر انسان کو زیر کرلیا کم از کم وہ مجھے مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تو نہ سمجھیں گے۔ ہاتھی جس انداز میں رُک گیا تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ کافی بے چین ہے اور آگے بڑھنے کی قوت نہیں پارہا۔ گویا یہ کیفیت میرے لئے اطمینان بخش تھی، چنانچہ میں نے اس پر سے اپنی گرفت ہلکی کردی اور ہاتھی ایک خوفناک چنگھاڑ کے ساتھ ہماری طرف لپکا، اس نے وحشیانہ انداز میں ہمیں رَوندنے کی کوشش کی، لیکن میں نے اس کی پیشانی پر خیالی پنجہ گاڑ دیا۔ اور اس پر قوت آزمائی کرنے لگا۔

ہاتھی کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اس نے جھلائے ہوئے انداز میں سونڈ جھکائی اور یہ موقع زریں تھا۔ میں نے ان کی سونڈ دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لی، بظاہر یہ عام ہاتھ تھے لیکن ان کی اندرُونی قوت کسی کو معلوم نہیں تھی۔

بے شمار حیرت زدہ اور خوف زدہ چیخیں اُبھریں، خوفزدہ چیخیں میرے ساتھیوں کی تھیں اور حیرت زدہ چیخیں ان وحشیوں کی، جو موت کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔

نواب فیروز الدین اور ان کے ساتھی دہشت سے سمٹ گئے تھے، میرے دل میں مسرت کی لہریں اُمڈ رہی تھیں، کیونکہ ہاتھی میری گرفت میں کافی بے بس نظر آرہا تھا، تب میں نے اس کی سونڈ مروڑنی شروع کردی اور ہاتھی تکلیف سے چنگھاڑنے لگا۔ وہ بار بار اپنی جگہ بدل رہا تھا۔ پاؤں جما جما کر سونڈ چھڑانے کے لئے اپنی قوت صرف کررہا تھا، زمین میں اس کے پیروں سے گرتے پڑتے چلے جارہے تھے اور دیکھنے والے دہشت زدہ دیکھ رہے تھے کہ سونڈ پر میری گرفت کسی طور کمزور نہ تھی۔ جب کہ ہاتھی پریشان نظر آرہا تھا۔

اور پھر کسی نے شاذ ہی ایسا منظر دیکھا ہوگا جب کھڑے پہاڑ بے سہارا نیچے گرتے ہیں، بس یونہی دھماکہ ہوتا ہے جیسے توپ نے گولہ اُگل دیا ہو۔

ہاتھی زمین پر گر پڑا اور یہ انہونی بات تھی، بے شمار آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں میں نے ایک خیالی گھونسہ پوری قوت سے ہاتھی کی پیشانی پر رسید کیا اور اس کی پیشانی تڑخ گئی۔ تب میں نے اس کی پیشانی کے قریب جاکر کئی اور گھونسے براہ راست اُسے رسید کئے اور ہاتھی کا بھیجہ باہر نکل آیا۔

بلاشبہ! خود میں بھی کسی عام انسان کو یہ سب کچھ کرتے دیکھ تو سر کے بل کھڑے ہوجانے کو دل چاہتا۔ یقیناً دوسروں کی بھی یہ کیفیت ہوگی۔

ایک لمحہ کے لئے وہاں ایک سکوت پھیل گیا جیسے اس پورے میدان میں کسی ایک انسان کا وجود نہ ہو اور پھر ایک زبردست شور بلند ہوا، ملکہ اپنی جگہ کھڑی ہوگئی اور باریک زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہنے لگی۔ لیکن وحشی بے قابو ہوگئے تھے، وہ پاگلوں کی طرح گیسلر پورا سے کُود کُود کر میری طرف لپکے اور میرے قریب آکر انھوں نے مجھے کاندھوں پر اٹھالیا۔

سفید ہاتھی کا شکاری نی تی کا والو، سفید ہاتھی کا شکاری، دیکھو یہ کیسا انسان ہے، کہاں سے آیا ہے یہ، اور بہت عرصہ کے بعد تم میں ایک ایسا شخص آیا جس نے سفید پہاڑ خالی ہاتھوں زمین پر گرالیا، لوگ کیا اس سے قبل کسی نے ایسا کیا ہے۔ ہاں وہ سردار بما کا تھا جس نے اپنی قوت اور اپنے نیزے کی چوڑی انی سے سفید ہاتھی شکار کیا تھا اور جب وہ ختم ہوا تو اس کے ساتھ برکتیں بھی چلی گئیں۔ یوں نی تی کا بہت طویل عرصہ کے بعد ایک شخص نمودار ہوا ہے جس نے جو کیا وہ ناقابل یقین ہے۔ وحشی چیخ رہے تھے۔ اور ملکہ نی تی کا حسین گڑیا جیسی، اس وقت بے بس نظر آرہی تھی۔

●

اس وقت تقریباً سارے وحشی میرے طرفدار ملکہ نی تیکا بے بسی سے ان سب کو دیکھ رہی تھی، وحشی نعرے لگا رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے۔

"ہاں دیکھو، برکتوں والا آگیا ہے، جادُو کے زور سے سفید ہاتھی کو بے بس کرکے اس کی گردن پر سواری کرلینا اور بات ہے اور میدان میں نہتے ہاتھوں سے سب کے سامنے اسے قتل کردینا دوسری بات ہے۔ نی تیکا کا اصل حکمراں یہ شخص ہے، ہاں یہ ہم میں سے نہیں ہے، لیکن یہ ہمارے انداز میں بولتا ہے، اور دیکھو وہ رحمدل بھی ہے، وہ ظالم یا جابر نہیں ہے، ہم تیرے مطیع ہیں، تو ہمارا سردار ہے۔"

وہ نعرے لگاتے رہے۔ نی تیکا خاموش رہی، اب اس کے چہرے پر اضطراب بھی نہیں تھا، وہ پُرسکون نگاہوں سے ہم سب کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے وحشیوں سے ان کی زبان میں کہا۔

"میرے دوستو! میرے ساتھیو! میں نے تمہاری محبت قبول کی۔ اب مجھے نیچے اتار دو۔"

اور انھوں نے نہایت احترام سے مجھے نیچے اتار دیا۔

سماترا بلجوحتما میرے پاس موجود تھا، وہ بڑھ چڑھ کر میری مدح سرائی کررہا تھا، میں نے اسے آواز دی اور سماترا میرے قریب آگیا۔

"میرے عظیم دوست، نی تیکا کی سرداری مبارک۔" اس نے کہا۔

"ان قیدیوں کو کھول دیا جائے۔" میں نے سماترا سے کہا اور سماترا نے سب سے پہلا حکم ان لوگوں تک پہنچا دیا، چاروں طرف سے دوڑے اور چشم زدن میں نواب فیروز الدین اور ان کے ساتھیوں کو کھول دیا گیا۔ نواب فیروز الدین اور ان کے ساتھی شرمندہ سے اپنی جگہ کھڑے تھے۔

اور میں ان وحشیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ افریقہ کے دُوردراز علاقوں میں کس قدر مہذب ہوگئے تھے لیکن ذہنی طور پر بہت پیچھے تھے، ایک جانور کی ہلاکت ان کے لئے بہت بڑی مذہبی رسم تھا اور اس رسم کو پورا کرنے والے کے لئے وہ سب کچھ بھول گئے تھے۔ یہ بھی بھول گئے تھے کہ جن لوگوں کو رہا کیا ہے، وہ ان کے دشمن تھے۔

بہرحال سب کو رہا کردیا گیا، ملکہ اس وقت بالکل بے حقیقت ہوگئی تھی، جب وحشیوں کا شور تھم گیا تو اس کی آواز گونجی۔

"نی تیکا کے بیوقوف انسانو! کیا اس طرح میری نافرمانی کرکے تم زندہ رہ سکتے ہو، کیا تم یہ بھول گئے کہ تم آواز نہیں دے رہے، بولو! کیا میں ان کڑکتی بجلیوں کو آواز دوں جو تمہارے جھونپڑوں کو جلاکر خاکستر کردیں؟"

اس کی آواز میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔

تب چار ضعیف آدمی آگے بڑھے اور ان میں سے ایک نے کہا، "بیشک تو پُراسرار قوتوں کی مالک ہے، ہاں تو یقیناً ان بجلیوں کو آواز دے سکتی ہے جو ہمارے جھونپڑوں کو آگ لگاکر خاکستر کردیں، لیکن اے عورت، سفید ہاتھی کا شکاری، جس نے سرِمیدان ہمارے سامنے ہاتھی کو شکار کیا ہو، ہمارے لئے اتنا مقدس ہے کہ ہم اس کے لئے بڑے سے بڑا نقصان، بڑی سے بڑی تباہی برداشت کرسکتے ہیں۔ یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے ہم ہر قیمت پر پورا کریں گے۔"

"لیکن جب تم زندہ ہی نہ رہوگے تو کسے پُوجوگے، کس سے برکتیں لوگے۔" ملکہ نے کہا۔

"زندگی موت خود ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے، نہ تیرے ہاتھوں میں، اب وہ ہمارا سردار ہے، ہمارا رہبر ہے، ہم صرف اس کی سنیں گے، وہ کہے گا مر جاؤ تو ہم مرجائیں گے، وہ کہے گا ماردو تو ہم ماردیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔"

"تو پھر اس سے کہو مجھ سے بات کرے۔" ملکہ نی تیکا نے کہا۔

"ہم اسے مجبور نہیں کریں گے۔"

"لیکن میں اس سے بات کروں گا۔" میں نے درمیان میں مداخلت کی اور ملکہ میری طرف دیکھنے لگی۔ "لیکن ابھی نہیں، اسے اپنے ساتھ احترام سے لے چلو، میرے لئے مناسب قیام کا بندوبست کرو، وہاں میں اس سے گفتگو کروں گا۔" میں نے کہا۔

اور وہ تو صرف تعمیل کرنے والے تھے۔ انھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ تھوڑی دیر قبل وہ اس عورت سے خوفزدہ تھے، ملکہ کو اٹھالیا گیا اور وہ اسے نہ جانے کہاں لے گئے۔

"سماترا!" میں نے سماترا کو پکارا اور اس نے میرے سامنے گردن جھکادی، پھر میں نے چیخ کر کہا:

"لوگو! سماترا میرا نائب ہے، میرے احکامات اس کے ذریعہ ہی تم تک پہنچیں گے، اب میں جو کچھ کہوں گا۔ وہ سماترا کی زبانی تم سب سنوگے۔"

اور سماترا کا سر فخر سے بلند ہوگیا۔ وہ ایک بار پھر میرے سامنے جھک گیا۔

"سماترا!" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"آقا!" اس نے گردن جھکاکر کہا۔

"ان سارے قیدیوں کو نہایت احترام سے کسی مناسب جگہ رکھا جائے، انہیں کوئی تکلیف نہ ہو، یہ میرا حکم ہے۔"

"تعمیل ہوگی آقا!"

"بس اب مجھے سفید ملکہ کے پاس پہنچادو۔" میں نے کہا۔ اور سماترا دوسروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔

کرنل ڈکسن اور دوسرے لوگ مجھ سے ملاقات کے خواہشمند تھے، لیکن اس وقت میں ان سے نہیں مل سکتا تھا۔ سفید فام عورت کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل تھیں، مجھے شبہ تھا کہ وہ سائنسی ہتھیاروں سے لیس تھی، اس کے آدمی بھی ان پہاڑوں میں تھے، میں نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے ان پر مصیبت آئے۔ اس لئے میں پہلے اس سے گفتگو کرکے کوئی معاملے کی بات کرنا چاہتا تھا۔

ایک طویل و عریض جھونپڑے کے سامنے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ سماترا میرے ساتھ تھا۔

"ملکہ اندر موجود ہے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔

چند ساعت کے بعد میں اندر تھا، تب پہلی بار میں نے سرخ لباس

میں ملبوس اس حسین عورت کو دیکھا جو واقعی بہت خوبصورت تھی۔ اس وقت بھی وہ سکون سے ایک موٹی کھال پر دراز تھی۔

"ملکہ نی تیکا کو میرا اسلام پہنچے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ملکہ کر رہے ہو؟" اس نے حقارت سے کہا۔

"نہیں۔ کیوں۔ یہ احساس کیوں ہوا؟"

"میں اب ملکہ تو نہیں رہی۔"

"اوہ۔ کیا تمہیں ملکہ رہنے کا شوق تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ مجھے سردار بنا دیا گیا ہے؟"

"ہاں۔ اب تم ان کے سردار ہو۔"

"لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ملکہ، ویسے تمہیں ملکہ کہتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے، کیا تم مجھے اپنا نام بتاؤ گی؟" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ وہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ چند ساعت وہ خاموش رہی، پھر بولی۔

"نائرہ — نائرہ ولیکم۔"

"مجھے سرداز کہتے ہیں۔"

"ایشیائی باشندے ہو؟"

"ہاں۔"

"اور غالباً مسلم۔"

"بیشک، تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟"

"یہ نہیں بتا سکتی۔"

"کوئی بات نہیں ہے، ویسے ایک بات تو بتاؤ گی؟"

"کیا؟"

"مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو گی؟"

"ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔"

"شکریہ، ویسے اگر تم میرے ساتھیوں کو معاف کر دیتیں تو اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ایسے انوکھے انسان نکلو گے، لیکن وہ تمہارے ساتھی کہاں سے ہو گئے؟ وہ تو پہلے گرفتار ہوئے تھے۔"

"وہ میرے ہی گروہ سے تھے، ہم لوگ بٹ گئے تھے۔"

"اوہ، تم افریقہ کیوں آئے ہو؟"

"بتانے میں کوئی حرج نہیں — ہیروں کی تلاش میں۔"

"مجھے یقین تھا۔" وہ مسکرا کر بولی، اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے، اور وہ اب زیادہ پرسکون ہوتی جا رہی تھی، چند منٹ خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"ہم لوگ بھی کوئی مقصد لے کر یہاں نہیں آئے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ ان وحشیوں کو مہذب بنا کر یہاں، افریقہ کی ان گہرائیوں میں ایک چھوٹا سا خوشنما شہر آباد کریں۔"

"خوب" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک ایسا مثالی شہر، جسے خوابوں کی جنت کہا جا سکے، اور جب مہم جو یہاں پہنچیں تو حیران رہ جائیں" اس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"عمدہ خیال ہے۔"

"ایک بات بتاؤ" وہ پھر بولی۔

"ضرور، پوچھو۔"

"ہاتھی کس طرح مر گیا؟"

"کیا مطلب؟"

"کیا میں اسے صرف انسانی قوت کا کرشمہ سمجھوں؟"

"اس میں کچھ اعتراض ہے؟"

"سو فیصد، یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ایشیا کے بارے میں زیادہ نہیں جانتیں شاید؟"

"کیا مطلب؟"

"مختصر، صحرائے اعظم جس طرح قدرت کے بے شمار راز ہائے سربستہ خود میں سمیٹے ہوئے ہے، سرزمین ایشیا بھی پراسرار علوم کی زمین ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ تو کیا؟" نائرہ نے پرجوش انداز میں پوچھا۔

"اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

"خدا کی پناہ۔ ہاں میں نے ایشیا کے جادو کے بارے میں بہت سنا ہے، لیکن اس کا مطلب ہے کہ تم بے حد خطرناک آدمی ہو۔"

"خوبصورت عورتوں کے لئے نہیں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے کئی بار خوبصورت کہا ہے، اس کے لئے شکریہ۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"حالانکہ اس کی ضرورت نہیں۔"

"عورتوں کے رسیا معلوم ہوتے ہو۔"

"صرف اس حد تک کہ انہیں حسین کہہ دوں اگر وہ ہوں۔"

"اس کے بعد؟"

"صفر" میں نے برجستہ جواب دیا۔

"صفر؟"

"بالکل صفر۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"جس طرح بھی ممکن ہو۔"

"تم خود بھی تو کافی خوبصورت ہو، ظاہر ہے لڑکیاں تمہارے معاملے میں صفر نہ ہوں گی۔"

"ابھی تک اس کا کوئی خاص تجربہ نہیں۔"

"بہرحال، میرا خیال ہے ہم فی الحال غلط موضوع پر آ گئے ہیں۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔"

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"بدستور" میں نے جواب دیا۔ بہرحال میں بہت سوچ سمجھ کر

گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ ایک بات تو یقینی تھی کہ نائرا یہاں نہتی نہ ہو گی۔ یقیناً اس کے پاس کچھ ایسی تباہ کن چیزیں ہوں گی جن کی مدد سے وہ ان معصوم باشندوں کو کافی نقصان پہنچا سکتی ہو گی، ورنہ وہ اس طرح بے دھڑک ان کے درمیان نہ آ جاتی اور انہیں اپنا مطیع نہ کر لیتی۔ چنانچہ اگر میں اس سے تعلقات خراب کر لیتا تو یقیناً مجھے بھی الجھنوں کا شکار ہونا پڑتا۔ میرے ساتھیوں کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی اور یہ معصوم جنگلی بھی بے موت مارے جاتے اور یہ صرف میری وجہ سے ہوتا۔ چنانچہ ایسا کام کرنا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

"یعنی؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں نے صرف اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے سفید ہاتھی کو ہلاک کیا تھا۔ مجھے ان کا سردار بننے سے کوئی رغبت نہیں ہے۔"

"تب تو ہمارے اور تمہارے درمیان سمجھوتہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"سمجھوتہ؟"

"ہاں۔"

"کس سلسلہ میں؟"

"تم ہمارے کام میں رخنہ اندازی مت کرو، اور ہم تمہارے کام میں مداخلت نہیں کریں گے، صرف یہ کہ مداخلت نہیں کریں گے بلکہ ہیروں کے حصول میں تمہاری مدد بھی کریں گے۔"

"میرا خیال ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم سوچ لو۔"

"سوچ لیا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر طے؟"

"میری طرف سے طے۔ تم بتاؤ۔"

"میری طرف سے بھی طے سمجھو۔ ویسے میں تمہیں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد جواب دوں گی۔"

"او کے مس نائرا" میں کہا۔

"اب مجھے اجازت دو" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"بائی" میں نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ ٹب مین میں اور اس میں نمایاں فرق تھا، اب انسانیت کے سارے درد مند افریقہ میں ہی تو نہیں آ گئے، ٹب مین کی دوسری بات تھی۔ وہ اپنے قول میں صاف نظر آتا تھا، جبکہ نائرا ولیکم کی بدنیتی صاف جھلک رہی تھی، اس نے تو نواب فیروز الدین اور ان کے گروہ کو قتل کر دیا تھا، اگر میں ان کی مدد نہ کرتا تو۔ جبکہ ٹب مین اس علاقے کے جانور دوں کو بھی نہ ستانے کا روادار نہیں تھا۔

چنانچہ یہ بات حلق سے نہیں اترتی تھی نائرا اور اس کے ساتھی ضرور کسی خصوصی پروگرام کے تحت یہاں آئے تھے، چنانچہ ان سے چالاکی کرنے کی ضرورت تھی، اور میں اپنی اور اس کی گفتگو سے بہرحال مطمئن تھا۔ میری انوکھی طاقت نے اسے مجھ سے گفتگو کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ جنگلی میرے دائرے میں آ گئے تھے۔ ظاہر ہے ابھی وہ ان سے جنگ کر کے اپنا برا کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے مجھ سے تعاون ضروری سمجھا۔

نائرا کے جانے کے بعد میں کافی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ کرنل ڈکسن اور نواب فیروز الدین سے بھی اس بارے میں مشورہ کروں۔ بہرحال یہ بزرگ تھے، میرے ساتھی تھے اور مجھے بہتر مشورہ دے سکتے تھے، اس کے علاوہ نواب فیروز الدین سے ملاقات بھی مقصود تھی۔ باہر نکلا تو آٹھ آدمیوں کو مستعد پایا۔ انہوں نے میرے سامنے سر جھکا دیا۔

"سماترا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سامنے والے جھونپڑے میں، میں اسے بلاؤں کیا؟" ایک وحشی نے کہا۔ ان لوگوں کی زبان میرے کافی کام آئی تھی۔ میں نے سر ہلا دیا۔ اور وحشی جھونپڑے کی طرف دوڑ گیا، اور چند منٹ کے بعد سماترا میرے سامنے موجود تھا۔

"سارے کام ٹھیک ہیں سماترا؟"

"ہاں، سردار۔"

"میرا ساتھی ٹوبو کہاں ہے؟"

"میرے جھونپڑے میں۔"

"اسے بلاؤ، ہم اپنے ساتھیوں سے ملیں گے۔"

"جو حکم سردار" سماترا نے کہا، اور تھوڑی دیر کے بعد ٹوبو میرے قریب تھا، پھر ہم اس طرف چل پڑے جدھر دوسرے لوگ موجود تھے۔

میں نے اپنے حکم کی پوری پوری تعمیل دیکھی، ان لوگوں کو ایک ایسی جگہ رکھا گیا تھا جہاں جھونپڑے ایک لائن سے بنے ہوئے تھے، وحشیوں نے غالباً عارضی طور پر انہیں خالی کر دیا تھا، میں نے کرنل ڈکسن کو آواز دی اور میری آواز سن کر تقریباً سارے لوگ جھونپڑوں سے نکل پڑے۔

کرنل ڈکسن اور نواب فیروز الدین بھی نکل آئے تھے، کرنل میرے پاس پہنچ گیا، لیکن میں نے دیکھا نواب فیروز الدین جھجک کر کھڑے رہ گئے تھے۔ مجھے بہت دکھ ہوا، میں کرنل ڈکسن کو نظر انداز کر کے ان کے پاس پہنچ گیا، اور میں نے نواب صاحب کو سلام کیا۔

نواب صاحب نے میرے سلام کا جواب دیا تھا، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"کیسے ہیں نواب صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں" انہوں نے جواب دیا۔

"مجھے آپ سے اور کرنل ڈکسن سے ضروری کام ہے، کیا آپ لوگ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے؟"

"ایں — ہاں ضرور" نواب صاحب نے مستعدی سے کہا، وہ میرے اس انداز سے ایک دم سنبھل گئے تھے

"تب ہمیں یہیں بیٹھنا چاہیے۔" میں نے کہا
"میرے جھونپڑے میں آجاؤ، کشادہ جگہ ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔
"چلئے، آئیے کرنل۔" میں نے کرنل ڈکسن سے کہا اور کرنل ڈکسن فراخ دلی سے تیار ہو گیا، دوسرے لوگ منتظر کھڑے تھے، میں آگے بڑھا تو کرنل ڈکسن نے کہا "سرفراز، ان سب سے نہیں ملو گے؟ یہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"
"ضرور کرنل، کیوں نہیں، ایسی کیا بات ہے۔" میں نے کہا اور نواب صاحب کے گروہ کے لوگ شرمندہ شرمندہ سے میرے پاس آگئے۔ میں نے خلوص دل سے ان سب سے مصافحہ کیا۔ سب کی زبانیں گنگ تھیں۔ اور کوشر بھی کھڑی ہوئی تھی، میری نگاہ اس پر پڑی تو وہ ایک دم واپس مڑ گئی، وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے، نہ ہی بعد میں کسی نے توجہ کی، میں نے دل میں سوچا کہ وہ کتے کی دُم ہے، جو کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔
پھر نواب صاحب اور میں کرنل ڈکسن کے ساتھ جھونپڑے میں آگئے۔ نواب صاحب کی تو کیفیت ہی بدل گئی تھی، بڑے ہی محجوب محجوب سے نظر آرہے تھے، بہرحال ہم لوگ بیٹھ گئے۔
"صورتحال کچھ عجیب سی ہے نواب صاحب۔" میں نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "یہ عورت، جسے ہم ملکہ نی تیکا کے نام سے جانتے ہیں، بے حد خطرناک ہے۔"
"ہمیں احساس ہے۔" نواب صاحب بولے۔
"اس کا نام نائرا ہے، اپنے ملک کے بارے میں اس نے کچھ نہیں بتایا۔"
"ہوں۔" کرنل نے کہا۔
"وہ یہاں تنہا بھی نہیں ہے، نہیں کہا جا سکتا، اس کے کتنے آدمی یہاں ہوں۔"
"صحیح اندازہ ان جنگلیوں کو بھی نہیں ہو گا۔"
"میرا خیال ہے نہیں۔"
"اچھا، تمہاری اس سے بات ہوئی؟" کرنل نے پوچھا
"ہاں، تفصیلی۔"
"کیا کہتی ہے؟"
"بظاہر اس نے کہا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے تنگ آکر یہاں آئی ہے، وہ کہتی ہے کہ یہاں وہ ایک خوبصورت شہر آباد کرے گی اور وحشیوں کو مہذب بنائے گی۔"
"اوہ۔ بہت خوب۔" کرنل ڈکسن مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا آپ کے خیال میں اس نے درست کہا ہے نواب صاحب؟"
"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"
"اس کی فطرت میں خیر ہی نہیں ہے، اس نے فوراً آپ لوگوں کے خلاف انتقامی کارروائی کی، اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ ہوتا۔" "ہاں، یہ تو ہے۔"
"اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہرحال اس کے دل میں انسانیت کا اتنا درد نہیں ہے۔"
"بیشک، لیکن سرفراز، اب تو وہ بے بس ہو چکی ہے۔"
"وہ کیسے کرنل؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"اب تو ان وحشیوں نے تمہیں سردار بنا لیا ہے۔"
"اوہ کرنل، آپ کا کیا خیال ہے، کیا میں نے اس بستی کا سردار بننے کے لئے یہاں تک کا سفر کیا ہے؟"
"نہیں، لیکن میرا مطلب ہے، میں اس کی بات کر رہا ہوں۔"
"کیا وہ ان وحشیوں میں اتنی ہی بے بس ہو گی کہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ سفید ہاتھی کا شکار ان کی مذہبی رسم ہے، سفید ہاتھی اس کے ہاتھوں میں بے بس تھا، وہ چاہتی تو خود بھی اسے ہلاک کر سکتی تھی۔"
"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"
"وحشی مجھ سے متاثر ہو گئے تھے، ٹھیک ہے ان سب کو کنٹرول کرنا مشکل ہے، لیکن نائرا ولیکم نے اس بستی میں قدم رکھا ہو گا تو یہ سوچ کر ہی رکھا ہو گا کہ یہاں اس کی مخالفت بھی ہو سکتی ہے۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ یہ وحشی اس کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔"
"ہاں۔"
"یقیناً اس نے سوچا ہو گا۔"
"ایسی شکل میں کیا اس نے ان کے لئے بندوبست نہ کیا ہو گا؟"
"مگر، کس قسم کا بندوبست؟"
"سیدھی سی بات ہے ڈکسن، سرفراز میاں کا کہنا ہے کہ وہ نہتی نہ ہو گی، اس کے پاس ضرور ایسے ہتھیار ہوں گے جن سے یہ وحشی قابو میں کئے جا سکیں۔"
"ہاں، یہ تو ظاہر ہے۔" ڈکسن نے کہا۔
"میں یہی کہنا چاہتا تھا کرنل۔" میں نے کہا۔
"لیکن میرے خیال میں وہ سب کو ختم نہ کر سکے گی۔" کرنل ڈکسن نے کہا۔ "ان میں سے آدھے تو مار دے گی۔" میں نے کہا۔
"ہاں، ظاہر ہے۔"
"تو ہم ان لوگوں کی جان سے کیوں کھیلیں۔" میں نے کہا۔
"ہم — ہم کیا کر سکتے ہیں؟" کرنل ڈکسن بولا۔
"یہی تو بات ہے کرنل۔"
"لیکن کیا...؟"
"وحشیوں کے تعاون سے ہم نے آزادی تو حاصل کر لی ہے، لیکن نائرا کو نظر انداز کرنا حماقت ہے۔
"اس کے علاوہ سرفراز، اس کی بات پر یقین بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔" نواب فیروز الدین بولے۔
"کون سی بات؟"

"یہی کہ وہ صرف انہیں آباد کرنے آئی ہے۔"
"قطعی نہیں کیا جا سکتا۔"
"ممکن ہے وہ کوئی سائنسی تجربہ کر رہی ہو۔"
"یقیناً۔"
"تب وہ سائنسی ہتھیاروں سے لیس بھی ہو سکتی ہے۔"
"میرے ذہن میں یہی خیال ہے۔" میں نے جواب اور کرنل ڈکسن اور نواب فیروز الدین سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر نواب صاحب چونک کر بولے۔
"تم نے اس سے گفتگو کی ہے؟"
"ہاں۔"
"اس سے کوئی نتیجہ بھی اخذ کیا ہو گا۔"
"ہاں نواب صاحب۔"
"کیا...؟"
"میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں۔"
"خود وہ کیا کہتی ہے۔"
"میں نے اس سے دوسرے انداز سے بات کی ہے، میں نے اسے بتایا ہے کہ مجھے ان وحشیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو اپنے گروہ کے ساتھ یہاں ہیروں کی تلاش میں آیا تھا۔"
"اوہ۔ پھر؟" کرنل ڈکسن کے لہجے کی دلچسپی چھپی نہ رہ سکی۔
"اس نے مجھ سے کہا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہے۔ وہ ہیرے حاصل کرنے میں میری مدد کرے گی۔ میں نے اس سے آمادگی ظاہر کر دی ہے۔"
"بہت خوب۔"
"اس نے کہا ہے کہ وہ بہت جلد اپنے آدمیوں سے مشورہ کر کے مجھے جواب دے گی۔"
"ہوں۔" نواب فیروز الدین نے گہری سانس لی۔
"پھر سب ٹھیک ہو گیا، اس میں قباحت کیا ہے۔" کرنل ڈکسن جلدی سے بولا، اور میں خاموش ہو کر نواب صاحب کی شکل دیکھنے لگا۔ نواب صاحب نے بھی کرنل ڈکسن کے جواب پر میری طرف دیکھا تھا، اور ایک بار پھر ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔
"مجھ سے جواب دلوانا چاہتے ہو سرفراز۔" انہوں نے جھکی جھکی نگاہوں سے کہا۔ "ہاں نواب صاحب۔"
"تو کرنل ڈکسن، میرے خیال میں سرفراز کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔"
"کیوں؟" کرنل ڈکسن حیرت سے بولا۔
"ان وحشیوں کو ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔"
"نہ جانے ان کے ارادے کیا ہیں؟"
"کچھ بھی ہوں، ہمیں اس سے کیا۔ اور پھر اس حالت میں ان سائنسی ہتھیاروں سے لیس لوگوں کا بگاڑ بھی کیا سکتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ ان کے تعاون سے فائدہ اٹھایا جائے۔"
"سرفراز کے لئے یہ ممکن نہیں ہے ڈکسن۔" نواب صاحب نے کہا۔
"کیوں، آخر کیوں؟"
"میرا خیال ہے وہ انسانوں کو ہیروں پر فوقیت دیتا ہے۔"
"کیا کہہ رہے ہو فیروز، الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟" کرنل ڈکسن نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"میں سرفراز کی بات کر رہا ہوں۔"
"اوہو، تم اچانک سرفراز شناس کب سے ہو گئے؟" کرنل ڈکسن طنزیہ انداز میں بولا، اور فیروز الدین تلملا کر رہ گئے، درحقیقت ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔
"وہ سرفراز شناس ہیں کرنل ڈکسن، ان کا خیال درست ہے۔" میں نے کہا۔
"وہ دوسری بات ہے، لیکن...."
"براہ کرم کرنل ڈکسن، آپ جانتے ہیں کہ میں نواب فیروز الدین کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں، میں اپنے مالک کے لئے کوئی ایسا لہجہ برداشت

نہیں کرسکتا، اور پھر اگر ان کے اور میرے درمیان کوئی معاملہ ہے تو اس کا تعلق ہماری ذات سے ہے۔

• اوہ: کرنل ڈکسن نے گردن ہلائی "تمہارے اندر نمایاں تبدیلی ہوئی ہے سرفراز"

• کیا مطلب؟ میں نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

• سوری، میرا خیال ہے، میں ہی غلطی پر ہوں۔ کرنل ڈکسن نے گردن ہلاتے ہوئے کہا، اور پھر ان کا چہرہ کسی قدر اداس ہوگیا: بہر حال آپ ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

• قریب آپ بھی ہیں کرنل۔ لیکن بس سوچنے کے انداز میں تھوڑا سا فرق ہے: میں نے کہا۔

• میں اب کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا سرفراز، بہر حال تم نے ہم پر بھی احسان کئے ہیں۔ کرنل ڈکسن نے کہا اور نواب فیروز الدین نے دوسری طرف چہرہ کر لیا۔

• پھر— اب کیا پروگرام ہے کرنل؟ میں نے پوچھا۔

• خود تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کرنل ڈکسن نے پوچھا۔

• میں بھی ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرسکا ہوں، لیکن سوچ رہا ہوں کہ فی الحال اس سے تعاون کیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ اس کی قوت کا اندازہ بھی لگایا جائے، وہ کیا حیثیت رکھتی ہے:

• مناسب خیال ہے:

• اگر ہم اس پر قابو پا سکے تب؟

• تب اسے پیش کش کریں گے کہ وہ یہ علاقہ چھوڑ دے:

• اور اگر وہ تیار نہ ہوئی؟

• تب پھر دیکھا جائے گا: نواب صاحب نے جواب دیا۔

• لیکن اس سے پہلے اس کا اصل مقصد تو معلوم کرنا ہوگا نواب صاحب: میں نے کہا۔

• ہاں، یہ تو ہے:

• چنانچہ اس وقت تک ہم کسی تبصرے سے گریز کریں گے، اور اگر درحقیقت اس نے جو کچھ کہا ہے اس کا مقصد یہی ہے اور یہ بات ثابت ہوگئی تو...:

• تو پھر— تو پھر...۔ کرنل ڈکسن کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

• پھر ہمیں اس سے کوئی بغض نہ ہوگا: میں نے کہا۔

• اور ہم اس کی بات مان لیں گے:

• یقیناً:

• اوکے، اوکے: کرنل ڈکسن مطمئن انداز میں بولا، لیکن میری آنکھوں میں تشویش کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ کرنل ڈکسن پھر بچہ بن گیا تھا۔ ہیروں کے قریب پہنچ کر اس کی عقل پھر سلب ہوتی جا رہی تھی، وہ کچھ عرصہ قبل کے بھیانک واقعات بھول چکا تھا، اس لئے میرے لئے باعث تشویش ہوگیا تھا، وہ حماقت میں کوئی ایسا قدم بھی اٹھا سکتا تھا جو ہم سب کے لئے نقصان دہ ہوتا۔

اور غالباً اس وقت نواب صاحب کو بھی اس کے لہجے میں چھپی دلچسپی کا احساس ہوگیا تھا، لیکن وہ خاموش رہے۔

• اچھا بھئی، اب مجھے اجازت: بالآخر کرنل ڈکسن نے کہا۔

• اوکے کرنل: میں نے جواب دیا، اور پھر خود بھی اٹھتے ہوئے نواب صاحب سے اجازت مانگی، نواب صاحب کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے تھے۔

• وہ— سرفراز— اگر مناسب سمجھو تو— تو چند منٹ مجھے دو— میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں: انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

• ابھی چند منٹ میں حاضر ہوا: میں نے کہا۔

• ہاں ہاں— ضرور: نواب صاحب جلدی سے بولے، کرنل ڈکسن تیزی سے اپنے خیمے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ میں نے ٹربو کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، دو ایک سے معلوم کرنے کے بعد ٹربو مل ہی گیا اور میں اسے ایک طرف تنہائی میں لے گیا۔

• جو کچھ کر رہا ہوں ٹربو، تمہیں اس سے اختلاف تو نہیں؟ میں نے پوچھا۔

• کونسی بات سے اختلاف ماسٹر؟ ٹربو نے بدستور چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

• نی تکا کی آمد کی بات سے:

• تم یہاں کے سردار بن گئے، مجھے اختلاف ہوگا باس؟

• میں جانتا ہوں، نہیں۔ لیکن کچھ دوسرے مسائل بھی ہیں ٹربو:

• ذرا سے کھو، اپنے غلام سے کہو:

• اس عورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

• عورت ہمیشہ [illegible] رہے اور ہمیشہ ناقابل اعتبار رہے گی، خواہ [illegible]

• میری مراد [illegible]

• وہ [illegible]

• اور شاید خطرناک بھی۔

• ہر عورت مرد کے لئے خطرناک ہوتی ہے:

• اسے ذرا سنجیدگی سے [illegible] سنجیدگی سے نہیں سنے گا؟ میں جھلا کر بولا۔

اور ٹربو جلدی سے سنبھل گیا، اور مؤدب ہو کر بولا۔

• سنجیدہ۔ بالکل سنجیدہ باس، حکم:

• میرا خیال ہے وہ ان پہاڑوں میں کوئی خطرناک کھیل کھیل رہی ہے:

• ممکن ہے باس:

• میری اس سے گفتگو ہوئی تھی، وہ کچھ اور کہہ رہی تھی، لیکن میں نے اس پر یقین نہیں کیا:

• یہ تمہاری خوبی ہے باس، عورت پر یقین نہیں کرتے، اس لئے مرد ہو:

• پھر پیٹری سے اترا: میں نے آنکھیں نکالیں۔

• اوہ۔ سوری باس، سچی باتیں ہیں، خود بخود زبان سے پھسل پڑتی ہیں:

• اب نہ پھسلیں:

• نہیں پھسلیں گی:

تب میں نے ٹربو کو مختصراً اپنی اور ناٹرا کی گفتگو کے بارے میں بتایا اور پھر کرنل ڈکسن اور نواب صاحب سے مشورے کے بارے میں بھی تفصیل بتائی، پھر کرنل ڈکسن کا رویہ بتایا۔

• خوب: ٹربو دلچسپی سے بولا۔

• مجھے ڈکسن پر شبہ ہوگیا ہے ٹربو:

• سفید چمڑی کے نیچے مکاری کے سوا کچھ نہیں ہوتا باس:

• اس کی وجہ سے کام خراب نہ ہو جائے ٹربو:

• سو فیصدی امکان ہے:

• چنانچہ سماترا کو اس بات پر تیار کرو، کہ کرنل ڈکسن پہاڑوں کی طرف نہ جائے، تم اس بات کی نگرانی کروگے، اس وقت وہ اپنے خیمے کی طرف گیا ہے:

• اس کی ایسی تیسی باس:

• میں نے اسی لئے تمہیں تکلیف دی ہے:

• بالکل ٹھیک، لیکن سماترا سے کہہ دوں کہ یہ سردار کا حکم ہے:

• ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے:

• اوکے، تب مجھے اجازت دو، ظاہر ہے وہ جلدی کرے گا:

• اجازت: میں نے مسکرا کر کہا، اور ٹربو بھی مسکراتا ہوا چلا گیا۔

بہر حال ٹربو کی صلاحیتوں پر مجھے اعتبار تھا، وہ اب کرنل ڈکسن کو سنبھال لے گا۔ چنانچہ میں واپس نواب فیروز الدین کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کے خیمے پر پہنچ گیا۔

نواب صاحب میرا انتظار کر رہے تھے، مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے انداز میں پھر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

دفعتاً وہ آگے بڑھے اور پھر انہوں نے بیٹھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔

• مجھے معاف کردو سرفراز، مجھے...۔

• ارے، ارے نواب صاحب: میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور پھر میں نے انہیں اٹھا لیا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں نواب صاحب؟

• میرے دل میں آگ سلگ رہی ہے سرفراز۔ خدا کے لئے مجھے معاف کردو:

• بزرگ، بچوں کو اس طرح شرمندہ نہیں کرتے نواب صاحب: میں نے کہا۔

• نہیں سرفراز، بس تم مجھے معاف کردو: وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگے۔

• میری درخواست ہے نواب صاحب، مجھے شرمندہ نہ کریں:

• میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے:

• آپ کو احساس ہوگیا؟

• ہاں۔ میں۔ میں تمہارے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتا:

• ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی تھی، وہ دور ہوگئی۔ میں آپ کا بچہ ہوں، آپ نے مجھے گلے لگالیا، بس بزرگوں اور بچوں کے درمیان اتنا ہی مسئلہ ہوتا ہے:

• میرے بچے، میرے عظیم بیٹے: نواب صاحب نے مجھے گلے لگا لیا۔

• آپ کو خدا کی قسم، اپنے اور میرے اختلاف کو ذہن سے کھرچ دیں۔ اور اس کے بعد اس مسئلے پر کچھ اور نہ کہیں، بس:

• تو عظیم ہے سرفراز، بس اور کیا کہوں: نواب صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

• بس چھوڑیئے نواب صاحب۔ فضول باتیں ہیں:

• ہاں، تمہارے جیسے عظیم انسان کے لئے یہ فضول باتیں ہی ہو سکتی ہیں:

• براہ کرم، بس اگر آپ مجھے اچھا انسان سمجھتے ہیں تو میرے لئے کافی ہے، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا:

• سرفراز، اگر تم مجھے نہ ملتے تو— تو میں اپنے ضمیر کی عدالت میں ہمیشہ زنجیروں میں جکڑا کھڑا رہتا۔ بہر حال تمہارے احسانات سے میری گردن ہمیشہ جھکی رہے گی، اب میں مزید کچھ نہ کہوں گا:

• شکریہ نواب صاحب: میں نے کہا، کچھ دیر خاموش رہی، پھر میں نے پوچھا: موجودہ حالات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

• تم ابھی کہاں گئے تھے:

• آپ کے خیال میں کہاں گیا ہوں گا: میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

• تم زیرک انسان ہو، تم ہی مجھے بتا دو:

• کرنل ڈکسن، آپ کا دوست ہے، برا آدمی نہیں ہے، لیکن ایک بات پوچھنے کی اجازت دیں:

• ہاں۔ پوچھو:

• آپ کا اس سے اختلاف ہوگیا تھا:

• ہاں؟

• اب کیا پوزیشن ہے:

• اس نے مجھ سے معافی مانگ لی ہے:

• آپ نے معاف کردیا؟

• ہاں سرفراز، جن حالات کے ہم شکار ہیں، انہیں مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کے اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتے:

• ٹھیک ہے، اس شخص کی فطرت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے:

• برا نہیں ہے، لیکن ہیروں کی چمک انسان کو اندھا کر دیتی ہے:

• میرا بھی یہی خیال تھا نواب صاحب مجھے شبہ ہوگیا تھا کہ وہ یقینی طور پر

اب نارلے سے ملنے کی کوشش کرے گا، ممکن ہے وہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس طرح یہاں سے سرخرو ہو جائے۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے وہ چالاکی سے ہمارے اوپر قابو پا سکتے ہیں، پھر یہاں سے واپس جانے والوں میں صرف کرنل ڈکسن اور اس کے ساتھی ہوں گے۔"

• کہہ چکا ہوں، تم زیرک انسان ہو" نواب صاحب مسکرا کر بولے۔

• آپ کا کیا خیال تھا؟

• سو فیصدی یہی"

• خوب، بہرحال اب وہ کہیں نہیں جا سکے گا"

• مجھے یقین ہے"

• میں نے اس کے لئے بندوبست کر دیا ہے"

• اس کی چالاک فطرت کو مدِنگاہ رکھا ہے" نواب صاحب نے پوچھا۔

• ٹوبو، اپنے کام میں سب سے زیادہ چالاک ہے"

• یقیناً۔ میں اس سیاہ فام کو بھی سراہتا ہوں، اس نے بہرحال صحیح انتخاب کیا" نواب صاحب ٹھنڈی سانس لیکر بولے۔

پھر کافی دیر تک میں ان سے گفتگو کرتا رہا اور پھر ان سے اجازت طلب کر کے اٹھ گیا، باہر آ کر میں نے چند کام کئے، ٹوبو نے سماترا کو اس کی ڈیوٹی بتا دی تھی۔ چنانچہ مجھے اطلاع ملی کہ کرنل ڈکسن کے جھونپڑے کی نگرانی ہو رہی ہے اور رات دن جاری رہے گی، خود ٹوبو اس نگرانی کا انچارج تھا۔

• ملکہ نی تیکا کہاں ہے؟" میں نے سماترا سے پوچھا

• وہ پہاڑوں میں واپس چلی گئی ہے"

• اچھا سماترا، اب تم ان پہاڑوں کی بھی نگرانی شروع کرا دو"

• سردار کا حکم سر آنکھوں پر"

• پہاڑوں پر نگاہ رکھی جائے، اور ہاں، ہونے والی ہر کوشش، ہر تحریک کی اطلاع مجھے ملنا چاہیئے"

• جو سردار کا حکم" سماترا نے گردن ہلا دی، وہ پہاڑوں میں واپس چلا گیا اور میں اپنے جھونپڑے میں واپس آ گیا۔

رات ہو گئی تھی، رات کے کھانے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ بےشمار خیالات ذہن میں گردش کرنے لگے تھے۔ درحقیقت مجھے نی تیکا کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اپنے کام سے آیا تھا اور اسے پورا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن انسانی معاملات بھی بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں، میں وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن.... لیکن میں ان لوگوں کو آنکھوں دیکھی مصیبت میں جھونک کر نہیں جا سکتا تھا، ورنہ کرنل کی طرح میں بھی سوچ سکتا تھا۔ کرنل ڈکسن کی سوچ غیر انسانی نہیں تھی، بس تھوڑی سی تبدیلی تھی۔

خیالات کا ہجوم تھا کہ ایک جنگلی اندر داخل ہو گیا، یہ میرے جھونپڑے کے محافظوں میں سے ایک تھا، اس نے نیہوڑا کر مجھے سلام کیا۔

• کیا بات ہے؟" میں نے اس کی زبان میں پوچھا۔

• ایک لڑکی آئی ہے سردار"

• کون ہے؟

• تمہارے ساتھیوں میں سے ایک"

• اوہ۔ بلاؤ۔ اندر بھیج دو" میں نے کہا اور جنگلی باہر چلا گیا، دروازے سے کوثر اندر داخل ہوئی اور میں چونک پڑا۔

• ارے ۔ کوثر ۔ ؟

کوثر خاموش میرے پاس آ کھڑی ہوئی۔

" آؤ کوثر، بیٹھو" میں نے اسے نرمی سے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ "کیسی ہو؟" میں نے پوچھا، اور وہ رو پڑی۔ اس کی سسکیاں گونجنے لگیں، میں اس کے قریب پہنچ کر محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ "خاموش ہو جاؤ کوثر، خاموش ہو جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارے رونے سے مجھے دلی دکھ ہو رہا ہے، تمہیں میری قسم کوثر۔ خاموش ہو جاؤ"

اور وہ سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی، پھر وہ خاموش ہو گئی، میں بدستور اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

• سرفراز صاحب" اس نے چند منٹ کے بعد اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

• ہاں، کیا بات ہے کوثر"

• میں آپ سے معافی مانگنے کا حق تو نہیں رکھتی، لیکن آپ کی دریا دلی سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہتی ہوں۔ ہم ہیچ لوگ ہیں سرفراز صاحب۔ بےشک ہم آپ کے ظرف کے سامنے گندی نالی کے کیڑے ہیں۔ آپ براہ کرم اپنی فطری عظمت سے کام لیکر مجھے معاف کر دیں"

• اوہ۔ کوثر ۔ کوثر، میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی گلہ باقی نہیں ہے، تم کم ظرف یوں نہیں ہو کہ اگر تم نے میرے لئے کچھ برا کیا ہے تو تمہیں اس کا احساس ہے، میرے لئے یہی کافی تھا۔ اس کے باوجود اگر تم اسی طرح پرسکون ہو سکتی ہو تو خدا کی قسم میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اب تمہارے لئے میرے دل میں کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن کوثر یہ مت سمجھ لینا کہ میں بالکل ہی بےنیاز انسان ہوں، میں اس فراخ دلی کا بدل تم سے ضرور طلب کروں گا"

• میں اپنی زندگی دینے کو تیار ہوں" کوثر نے کہا۔

• شکریہ!

• مانگیئے، کیا مانگتے ہیں؟

• وقت پر طلب کروں گا، بس یہ حق میرے پاس رہنے دو"

• مناسب"

• ویسے تمہیں ساری تفصیلات معلوم ہو چکی ہوں گی"

• کس بارے میں؟

• میرے بارے میں"

• پلیز! ان کا ذکر نہ کریں"

• چلو، وعدہ۔ آئندہ نہ ہو گا" میں نے کہا اور کوثر نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

" سرفراز صاحب، آپ سے ایک بات کہہ دوں، بس تھوڑی سی اجازت مجھے دے دیں"

• بالکل نہیں، صرف ایک بات کی اجازت نہیں، جو کچھ دل میں ہے کھل کر کہو، ورنہ میں کچھ نہیں سنوں گا"

• اعتراف کرنا چاہتی ہوں"

• کس بات کا؟

• یہی کہ اگر مضبوط کردار کے مرد کا تصور ذہن میں ابھرے تو آپ کو دیکھ لیا جائے۔ اگر عورت اپنے ذہن میں کوئی آئیڈیل سوچے تو جو کوئی بھی خوبی وہ اپنے آئیڈیل میں چاہے، آپ کے اندر دیکھ لے"

• ارے ارے ۔ دیکھو، میں خوشی سے پھول کر پھٹ جاؤں گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

• دل سے کہہ رہی ہوں، کیسے وہاں آپ ڈرائیور کی حیثیت سے میرے سامنے آئے تھے، بتا چکی ہوں کہ اسلئے میں آپ سے جلنے لگی تھی کہ مجھے آپ کی مسکینیت پسند نہیں تھی، میں چاہتی تھی کہ آپ وہی ہوں جو آپ کی شخصیت ہے۔ میں جھنجھلاتی تھی اس بات پر کہ آخر آپ خود کو کیوں نہیں پہچانتے، وہ کیوں نہیں بنتے جو آپ کو ہونا چاہیئے۔ پھر ہم سفر پر چل پڑے، اور وہاں آپ کی شخصیت کے دوسرے انداز سامنے آئے، اور سرفراز صاحب! ایک بڑے انسان کی حیثیت اس چھوٹی سی شخصیت کی گستاخی معاف کر دیں، میں آپ کو چاہنے لگی، میں نے آپ کو اپنا بنانے کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے۔ میں مغرور سرکش لڑکی تھی، میں کسی چیز کے حصول کو ناممکن نہیں سمجھتی تھی، اور مجھے اس کی بھرپور سزا ملی لیکن ۔ لیکن میں سنبھل گئی ہوں سرفراز صاحب، اب میں سنبھل گئی ہوں"

اس کی آواز رندھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

• کوثر، پلیز"

• ان آنسوؤں پر شرمندہ ہوں، لیکن آخری بار، براہ کرم انہیں نکل جانے دیں"

• میں ان کی وجہ جاننا چاہتا ہوں"

• یہ آپ کی چاہت کی ندامت ہے"

• چاہت پر نادم نہیں ہونا چاہیئے کوثر، یہ بری چیز تو نہیں ہے"

• لیکن کسی کے حصول کی ناکامی پر اپنی حماقت کا احساس تو ہونا ہی چاہیئے"

• مشورے قبول کرتی ہو؟

• جی ۔ ؟

• مشورے قبول کرتی ہو؟" میں نے پھر اسی انداز میں کہا۔

• پہلے نہیں کرتی تھی، اب کروں گی" کوثر نے گردن جھکائے جھکائے کہا۔

• چاہت پر شرمندہ ہونا ہی نہیں چاہیئے"

• جی"!

• بس اس کے رنگ بدل دو"

• جی"؟ اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

• ہاں کوثر، سنو۔ تم بے حد خوبصورت ہو، میرے لئے اس قدر محترم کہ میں وہ راز تمہیں سونپ رہا ہوں جو میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے"

• میں نہیں سمجھی"

• اگر محبت کرنے کی بات ہوتی تو تمہاری خوبصورتی ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی بھی نوجوان اپنے ذہن میں تمہارے سائے محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تمہاری شخصیت بے حد دلکش ہے، لیکن کوثر کسی حد تک تم میرے مشن سے واقف ہو چکی ہو، میری زندگی کا محور دوسرا ہے، میری ایک بات مان لو، صرف ایک بات"

• جی فرمایئے"

• مجھے بھائی سمجھ لو، مجھے ایک مجبور انسان سمجھ لو"

کوثر کی گردن بدستور جھکی رہی، پھر اس نے اسی انداز میں لرزتی آواز میں کہا،

• اگر۔ اگر میں دل سے آپ کو یہی سمجھنے لگوں تو ۔ تو آپ مجھے ذلیل تو نہ سمجھیں گے"

• خدا کی قسم کوثر نہیں"

• میری نیت پر شک تو نہ کرتے رہیں گے"

• خدا کی قسم نہیں۔

• تو پھر۔ تو پھر میں نے آپ کے بارے میں اپنا نظریہ بدل دیا ہے میں آپ کو سرفراز بھائی نہیں کہوں گی، صرف سرفراز کہوں گی اور آپ مجھے صرف کوثر، لیکن نگاہ کا زاویہ بدل جائے گا"

• بدل گیا کہو"

• ہاں ۔ بدل گیا۔

• تب پھر اتنی دور کیوں ہو" میں نے کوثر کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور کوثر بھی شاید زندگی میں پہلی بار میرے لئے اس قدر مخلص ہو گئی تھی۔ اس نے میری پیشانی، میری آنکھوں پر بوسوں کی بارش کر دی۔

• تم عظیم ہو سرفراز، خدا کی قسم تم انوکھا دل لیکر آئے ہو، تم انوکھے انسان ہو، میں نے اتنا اعلیٰ ظرف انسان اس سے قبل نہیں دیکھا"

• بس اب جو کچھ بھی ہوں، تمہارا ہوں" میں نے کہا اور کوثر کھل اٹھی۔

• تم نے مجھے بہت بڑا رتبہ دیا ہے"

• ارے بس ۔ بس اب میں اس قابل بھی نہیں ہوں۔ ویسے کوثر میری خوشیوں کی کوئی تھاہ نہیں ہے، قسم لے لو، اس سے قبل میں اتنا خوش نہیں ہوا ہوں"

• آپ کا دل میری طرف سے بالکل صاف ہو گیا"

• شفاف آئینے کی مانند"

• تب پھر آپ سے میں کچھ باتیں ضرور پوچھوں گی"

• ہاں۔ ضرور"

• آپ کو اپنے مشن سے زیادہ اور کوئی چیز بھی عزیز ہے"

• عمدہ سوال ہے کوثر، اور میں اپنی بہن کو جواب ضرور دوں گا"

• تو جواب دیں"

• کوثر — انا انسان کی زندگی میں سب سے بڑی حیثیت رکھتی ہے اگر میں — تم مجھ سے پوچھو کوثر تو میرے خیال میں روح انا کا دوسرا نام ہے انا مر جائے تو روح کا کوئی وجود نہیں، اور جب روح کا وجود نہ ہو تو کون خود کو زندہ کہہ سکتا ہے۔ میں صرف انا ہوں۔ میرے والدین نے مجھے ناکارہ سمجھ کر مجھے کچلنے کی کوشش کی تھی، وہ میرے اوپر رحم کھانا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ سارے بھائیوں میں میں سب سے پیچھے کا انسان ہوں۔ میں ساری زندگی نکما رہوں گا اور کوئی مقام نہیں پاسکوں گا، اور پھر میرے اوپر رحم کھایا گیا۔ مجھے میری ناکارگی کا احساس دلا کر مطعون کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ میری شادی خاندان کی ایک ایسی لڑکی سے کر دی جائے جس کے پاس بہت کچھ ہے، اس طرح میری زندگی سنور جائے گی۔ وہ لڑکی مجھے چاہتی تھی۔ مگر نارمل حالات ہوتے کوثر تو شاید میں اس کی چاہت قبول کر لیتا، لیکن ان حالات میں میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ میں نے گھر چھوڑ دیا۔ میں اپنی انا کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ اور اسی انا کی زندگی کے لئے میں آج تک بھٹک رہا ہوں"

کوثر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میں چند سیکنڈ متاثر رہا، پھر مجھے اس کے آنسوؤں کا احساس ہوا اور میں نے اس کے آنسو پونچھ دیئے۔

• رو کیوں رہی ہو کوثر "؟

• میں دنیا کی سب سے بدنصیب لڑکی ہوں" اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

• کیوں، آخر کیوں"؟

• کاش میں اس قدر اندھی نہ ہوتی، کاش میں اس قدر سطحی نہ ہوتی"

• کوثر پلیز، تم نے کیا کیا"؟

• ہائے افسوس، میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گی سرفراز"

• کوثر"

• میں نے تمہیں کتنا ترسایا ہے سرفراز۔ سرفراز! اپنے فطری ظرف سے کام لے کر مجھے خلوص دل سے معاف کر دو، خدا کے لئے مجھے معاف کر دو" وہ پھر میرے سینے سے لپٹ گئی۔

• کوثر! اگر مجھے اچھا سمجھتی ہو تو یقین کر لو، تمہارے لئے میرے دل میں کوئی کدورت نہیں، کبھی نہیں رہی کوثر، ہاں وقتی طور پر تمہاری چند باتیں بری ضرور لگی تھیں، لیکن میں انہیں بھولتا رہا۔ مجھے بس تمہارے اس جذبے سے الجھن تھی، اب تو کوئی الجھن نہیں رہی کوثر"

کوثر کافی دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی، اور پھر میری کوششوں سے پرسکون ہو گئی "نہ جانے کیوں، نہ جانے کیوں آج بڑا سکون محسوس ہو رہا ہے"

• ہاں کوثر، میں بھی بہت پرسکون ہوں"

• اچھا ایک بات اور بتا دیں سرفراز" اس نے کہا۔

• جتنی باتیں چاہو پوچھو"

• تمہاری زندگی میں جتنی لڑکیاں آئیں، ان میں سے کسی نے بھی بحیثیت لڑکی، بحیثیت عورت تمہیں متاثر کیا ہے"؟

اس کے اس سوال پر میں خاموش ہو گیا، اور کھلی آنکھوں میں نے ایک چہرہ دیکھا — ایک چہرہ — دعا میں ڈوبا ہوا، اور پھر اس کے دونوں ہاتھ بلند ہو گئے، میری زندگی، میری کامیابی کے لئے دعا کو۔ اور میری زبان انکار کی متحمل نہ ہو سکی۔

• کیا ہے کوثر" میں نے بے اختیار کہا۔

• میں اس کے بارے میں جان سکتی ہوں"؟

• میری بات پر یقین کرو گی"؟

• ہاں" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

• میں جب تک اس کے سامنے رہا، میں نے اس جذبے کو محسوس نہیں کیا، لیکن اچانک مجھے احساس ہوا اور وہ احساس آج تک میرے ذہن میں ہے"

• کون ہے وہ"؟ کوثر نے اشتیاق سے پوچھا۔

• یہ اس کی رسوائی تو نہ ہو گی"؟

• میں ساری دنیا سے زیادہ تمہیں چاہتی ہوں سرفراز، ساری دنیا سے زیادہ، میں تمہارے لئے ساری دنیا سے زیادہ مخلص ہوں، ہاں اس بات پر یقین کر لو" کوثر جذباتی انداز میں کہا" میں ایسا کبھی نہ کروں گی، جس سے تمہیں کوئی تکلیف ہو، ہاں اپنی ساری زیادتیوں کا ازالہ کروں گی"

• مجھے یقین ہے"

• تو بتاؤ"

• وہ کہکشاں ہے کوثر"

• کہکشاں"؟

• ہاں کہکشاں"

• رشیدالدین احمد کی لڑکی"؟

• ہاں"

• لیکن میں نے کچھ اور سنا تھا"

• کیا"؟

• رشیدالدین صاحب ہی بتا رہے تھے، تمہاری تعریف کرتے کرتے وہ جذباتی ہو گئے تھے، انہوں نے بتایا تھا کہ ان کی تھوڑی سی غلطی سے کہکشاں جذباتی ہو گئی تھی، لیکن سرفراز نے اسے سنبھال لیا"

• ہاں کوثر، اس وقت میرا دل صاف تھا"

• یعنی۔ اس وقت ... ؟

• ہاں۔ رشیدالدین صاحب کی بزرگی، عزت اس وقت میری نگاہوں میں سب سے قیمتی چیز تھی۔ آج بھی ہے۔ میں نے پورے خلوص سے اسے سمجھایا تھا لیکن جب میں وہاں سے چل دیا تھا کوثر تو یوں محسوس ہوا آسمان سے کوئی چیز اتاری گئی، قدرت کی طرف سے ایک امانت مجھے سونپی گئی۔ کہا گیا مجھ سے کہ یہ لے اپنے سینے میں چھپا لوں، اور رات کی گہری تاریکیوں میں لگا ہے جیسے اس امانت کی چمک میری روح کو منور کرتی رہی۔ مجھے احساس دلایا جاتا رہا کہ میں اس آسمانی امانت کی حفاظت کروں اور کوثر، وہ امانت آج بھی میرے سینے میں محفوظ ہے"

کوثر خاموش ہو گئی، کافی دیر تک خاموش رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی:

• تم درحقیقت ایک سربستہ راز ہو سرفراز"

• اب بھی کوثر"؟

• ہاں۔ اب بھی عجیب ہو تم"

• یوں نہ سوچو کوثر"

• احمق لڑکیاں نہیں بہکاتے میں کوشاں رہیں لیکن۔ لیکن سرفراز میں نے تمہیں کبھی بہکانے کی کوشش نہیں کی"

• شیشے پر گرد نہ ڈالو کوثر، اپنی بات درمیان میں نہ لاؤ"

• بہرحال اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ تم دیکھو گے — تم دیکھو گے میرے پیارے بھیا، کوثر ہر روپ میں اچھی ہے، وہ اعتماد توڑنے والوں میں سے نہیں ہے"

• مجھے یقین ہے، ورنہ اس قدرتی راز کو آشکارا کر کے میں امانت میں خیانت نہ کرتا"

• اب میں جاؤں"؟

• خدا حافظ" میں نے سکون سے کہا اور کوثر اٹھ گئی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی، پھر رک کر بولی:

• اور سنو سرفراز، اب میرے بارے میں کچھ نہ سوچنا، مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں بہت کچھ لے کر جا رہی ہوں اور اتنا سکون میں نے پہلے کبھی نہیں محسوس کیا"

• مجھے یقین ہے" میں نے کہا اور کوثر جھونپڑے سے باہر نکل گئی۔ میں دیر تک اس کے وجود کو محسوس کرتا رہا۔ درحقیقت خود مجھے بھی بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا اور افریقہ کے اس بے اطمینان صحرا میں بھی اس رات مجھے بڑی سکون کی نیند آئی۔ دوسری صبح بھی پرسکون تھی۔ دوپہر تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ نی تیکا کے کچھ بوڑھے میرے پاس درخواست لے کر آئے کہ میں باقاعدہ سردار بن جاؤں۔

میں نے بڑی اپنائیت سے ان کا استقبال کیا تھا۔

• کیا چاہتے ہیں آپ لوگ"؟

• ہم چاہتے ہیں سردار، آپ ہمارے سردار بن جائیں"

• کیا تمہارے ہاں باہر کے لوگوں کو سردار بنایا جاتا ہے"؟

• نی تیکا طویل عرصہ سے نحوستوں کا شکار ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس علاقے نے ایسے جوان پیدا کرنا بند کر دیئے ہیں جو سفید ہاتھی کو شکار کرتے ہیں"

• لیکن باہر کے لوگ تمہارے مسائل سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں"

• مجبوری ہے سردار"

• تمہاری ملکہ تو نی تیکا ہے"

• تمہارے سامنے اب اس کی کوئی حیثیت نہیں رہی"

• اس نے بھی تو سفید ہاتھی کو قابو میں کر لیا تھا"

• بہادری سے نہیں۔ جادو سے، یہ رسم کے خلاف ہے، تم نے میدان میں نہایت بہادری سے سفید ہاتھی شکار کیا ہے"

• اگر میں تم میں سے ہی کسی کو یہاں کا سردار بنا دوں"؟

• ایں" بوڑھے چونک پڑے۔

• ہاں اس کا مجھے اختیار ہے سردار"

• اس کے علاوہ ایک بات اور بتاؤ بزرگو"

• پوچھو سردار" بوڑھے میرے تخاطب سے بہت متاثر ہوئے۔

• جادوگر عورت نے اگر تمہارے خلاف کوئی کوشش کی تو"؟

• تیری مدد سے ہم اس پر قابو پالیں گے، ہمارے قبیلے کی روایت ہے کہ جو سفید ہاتھی کو گرا دیتا ہے، سارے زمانے کے جادو اس کے لئے بیکار ہوتے ہیں، ہم تیرے حکم پر اس سے جنگ کرنے پر تیار ہیں"

• ٹھیک ہے بزرگو، مجھے مہلت دو، میں تمہارا سردار ہوں، میں تمہارے لئے جو کچھ کروں گا، بہتر کروں گا"

• ہمیں تیرے اوپر بھروسہ ہے سردار" انہوں نے کہا اور پھر وہ چلے گئے، وہ گئے تو ایک اور مسئلہ میرے سامنے آ گیا۔

کرنل ڈکسن لال پیلا میرے پاس پہنچ گیا، ٹوربو اور تمین وحشی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ کرنل ڈکسن کے چہرے سے سخت غصہ عیاں تھا۔

• میں — میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں سرفراز" اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

• کس کی وجہ کرنل"؟ میں نے متعجب انداز میں پوچھا۔

• کیا مجھے اس بستی میں نظر بند کر دیا گیا ہے"؟

ایسی کوئی بات نہیں ہے: میں نے سکون سے کہا۔

پھر — ان سے پوچھو:

کیا بات ہے، آپ ہی بتا دیں:

میں — میں پہاڑوں کی طرف سیر گشت کے لئے جا رہا تھا انہوں نے مجھے روک دیا:

کونسے پہاڑوں کی طرف کرنل:

اس طرف، مغربی سمت:

اوہ، اتفاق سے کرنل، میں نے ان سے کہا تھا کہ اس طرف کسی کو نہ جانے دیں: میں نے اسی سکون سے کہا

کسی میں اور مجھ میں فرق تو ہے:

بالکل ٹھیک ہے کرنل، لیکن یہ صرف ہدایت مانتے ہیں:

انہیں بتا دو کہ میں ہر ہدایت سے مبرا ہوں:

یہ ضروری ہے کرنل، آپ خود سمجھتے ہیں:

یعنی میرے اوپر بھی پابندی ہے:

آپ اسے پابندی نہ کہیں، بلکہ مصلحت کہیں تو بہتر ہے:

کیسی مصلحت:

نائرا اور اس کا گروہ اسی طرف ہے:

تو پھر:

اور ابھی ہم اسے اپنا دوست نہیں کہہ سکتے:

اس سے کیا فرق پڑتا ہے:

وہ ہم میں سے کسی کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے:

میں بچہ ہوں: کرنل آنکھیں نکال کر بولا۔

نہیں کرنل، آپ اس انداز میں کیوں سوچ رہے ہیں: میں نے نرمی سے کہا

صرف اس لئے کہ میں بچہ نہیں ہوں: کرنل ڈکسن زہریلے لہجے میں بولا۔

کیا مطلب:

تمہارے خیال سے میں احمق ہوں:

ہرگز نہیں:

تو کیا تمہارے بدلے ہوئے رویے کو محسوس نہیں کر سکتا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ نواب فیروز الدین سے سامنا ہوتے ہی تمہارے اندر بہت سی تبدیلیاں آگئی ہیں:

ایسی کوئی بات نہیں ہے کرنل: میں نے مسکرا کر کہا

اور تم میرے اوپر شک کرنے لگے ہو:

کیسا شک:

تم نے ان لوگوں کو صرف اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں میں نائرا دکیم سے کوئی ساز باز نہ کر لوں:

کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کرنل:

یہ تم جانتے ہو:

پھر آپ اسی سمت جانے پر بضد کیوں ہیں:

میں خود کو آزاد محسوس کرنا چاہتا ہوں:

ایک دوسرے سے تعاون ہم سب کے مفاد میں ہے کرنل:

تم خود کو سب سے بڑا مدبر نہ سمجھو، مفاد کی بات میں بھی خوب جانتا ہوں:

آپ کیا جانتے ہیں کرنل:

یہی کہ مجھے محکومی کا احساس نہ دلایا جائے:

یہ آپ کی غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے:

ان لوگوں سے کہو، مجھے روکنے کی کوشش نہ کریں:

لیکن آپ پہاڑوں کی طرف نہیں جائیں گے کرنل: میں نے سرد لہجے میں کہا اور کرنل ڈکسن چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں تمہارے درمیان بے اطمینانی محسوس کر رہا ہوں، میں علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں: کرنل ڈکسن طیش کے عالم میں بولا۔

ٹوبو: میں نے آہستہ سے ٹوبو کو پکارا۔

یس باس:

کرنل ڈکسن کو لے جاؤ، اور کسی مناسب جگہ قید کر دو، انہیں کھانے پینے کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے، لیکن ان کی مکمل نگرانی کی جائے، اور اگر یہ فرار ہونے کی کوشش کریں تو ان کی دونوں ٹانگیں بے کار کر دی جائیں۔ تم ان کے نگرانوں کو ہدایت کر دینا:

یس باس: ٹوبو نے کہا، کرنل ڈکسن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں:

سرفراز، سرفراز — تم اپنے اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو:

بعد میں آپ سے معافی مانگ لوں گا کرنل:

لیکن — لیکن اب تم مجھے اپنا دوست نہیں پاؤ گے، سنا تم نے، میں تمہارے خلاف کام کروں گا، سمجھے تم۔ اور تم دیکھو گے — تم دیکھو گے کہ میں… میں…

یہ فیصلہ آپ اس وقت نہیں کر رہے کرنل، بلکہ اس سے پہلے کر چکے ہیں: میں نے کہا، اور پھر ٹوبو کو اشارہ کیا۔ ٹوبو اور اس کے ساتھی کرنل کو بازوؤں سے پکڑ کر باہر لے گئے۔

اور چند منٹ کے بعد میں خود بھی باہر نکل آیا سب سے پہلے میں نے کرنل ڈکسن کے قید جانے کا معائنہ کیا، اور اسے اطمینان بخش پا کر وہاں سے نواب فیروز الدین کی طرف چل پڑا۔ کوثر اور نواب صاحب اپنے جھونپڑے میں موجود تھے۔ وہ کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے، دونوں نے میرا استقبال کیا، کوثر مسکرا رہی تھی۔

خیریت: میں نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ہاں بھئی، تم دونوں کے معاملات بھی عجیب ہیں، آج یہ پھر تمہاری تعریفوں

کے پل باندھ رہی ہے، اور میں اسے ڈانٹ رہا ہوں:

میری بہن چھوٹی نہیں ہے نواب صاحب:

ہاں، خدا تمہارا رشتہ برقرار رکھے، مگر مجھے کیوں ذلیل کرایا جاتا ہے:

بس یونہی، کوثر آئندہ ایسا نہیں کریں گے: میں نے کہا۔

ٹھیک ہے سرفراز بھائی:

اس کے علاوہ بھی ایک مسئلہ اٹکا ہوا ہے:

وہ کیا:

اس ہاتھی سے تمہاری کیا رشتہ داری تھی:

کیوں:

بس تم نے کہا، اور وہ مر گیا:

اوہ — ہاں — عجیب ہاتھی تھا، لیکن یقین کریں پہلے سے کوئی جان پہچان نہیں تھی: میں نے اسی انداز میں کہا، اور کوثر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی

سچ بتاؤ سرفراز، تم ایک اچھے شاطر ہو، بے حد ذہین انسان ہو، اچھے نشانہ باز ہو، لیکن تمہارے ہاتھ کی وہ قوت — آخر تمہارے اندر کونسی روح شامل ہے:

اس کا صرف ایک ہی جواب ہے نواب صاحب [illegible] ہوتے ہوئے کہا۔

کیا:

باطل قوت کے سامنے بھرپور جذبے لے کر جاؤ، اور اس میں کھوٹ نہ ہو یہی میرا اصول ہے اور یہی ایمان، اور اس کے بعد یہ نہ سوچو کہ یہ تم نے کیا ہے، کرنے والے کو ذہن میں رکھو:

خدا کی قسم، تم ہر حال میں ایک مثالی نوجوان ہو: نواب صاحب متاثر لہجے میں بولے۔

اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایک اطلاع لیکر حاضر ہوا ہوں:

اوہو، خیریت:

میں کرنل ڈکسن کو قید کر دیا ہے:

کیا کر دیا ہے: نواب صاحب کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

قید کر دیا ہے:

واقعی:

ہاں نواب صاحب، اس کے بارے میں ہمارا خیال درست تھا۔ اس نے پہاڑوں کی طرف جانے کی کوشش کی تھی، اور ٹوبو وغیرہ نے اسے روک دیا تو وہ چراغ پا ہو گیا، میرے پاس آ کر اس نے خاصی بدتمیزی کی اور اپنے طور پر کہا کہ شاید ہم اس پر شبہ کرتے ہیں کہ وہ نائرا سے ملنے کی کوشش کرے گا:

اوہ: نواب صاحب حیرت سے بولے: گویا ہمارا اندازہ درست تھا سنو؟ ہاں، کرنل کا انداز بدل گیا ہے:

تم نے اسے کیا جواب دیا:

پہلے میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ نائرا ہماری دوست نہیں ہو سکتی، اس لئے پہاڑوں کی طرف جانا مناسب نہیں ہوگا، لیکن اس کے ذہن کا چور نمایاں تھا، اور اس نے اس قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ تب میں نے ٹوبو سے کہا کہ اسے لیجا کر قید کر دے اور اگر وہ قید خانے سے نکلنے کی کوشش کرے تو اس کی دونوں ٹانگیں ناکارہ کر دی جائیں:

اوہ، تم نے فوراً ہی اتنا ہولڈ اسٹیپ لے لیا:

ہاں نواب صاحب اس وقت میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا:

ٹھیک ہے، دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے:

دوسرے لوگوں سے آپ کی کیا مراد ہے:

میرا مطلب ہے وہ لوگ جو کرنل کے ساتھی ہیں:

کرنل کی بات کو عام نہیں کریں گے، لیکن جس نے بھی اس کے بارے میں کچھ گڑبڑ کرنے کی کوشش کی، اس کے ساتھ مکمل سختی کی جائے گی:

ہوں: نواب صاحب نے ایک گہری سانس لی، بس میں کیا بتاؤں نہ جانے یہ لوگ کیسی ذہنیت رکھتے ہیں:

مجھے اجازت دیں: میں نے کہا۔

ارے کیوں، بیٹھو بیٹھو: نواب صاحب بولے۔

حالات پر گہری نگاہ رکھنی ہے نواب صاحب، میں نائرہ کی طرف سے جواب کا منتظر ہوں: میں نے کہا۔

اور نائرا کی طرف سے جواب اسی رات مل گیا، ٹوبو نے مجھے اطلاع دی کہ نائرا دکیم اسی طرف آ رہی ہے۔ میں نے اپنے جھونپڑے میں اس کا استقبال کیا تھا۔ خوبصورت عورت مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔

ہیلو، کیا نام بتایا تھا تم نے، مجھے معاف کرنا، میرے لئے ذرا مشکل ہو گیا تھا: اس نے کہا۔

کوئی بات نہیں ہے: میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر بھی نام تو بتاؤ:

سرفراز:

اوہ، ہاں ہاں، تو ڈیئر سرفراز، میں نے تمہارے لئے بات کر لی ہے

کیا تمہارے ساتھی تیار ہیں:

ہاں، اور اب تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے، تم اپنے ساتھ جتنے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہو لے جا سکتے ہو، میں تمہیں پورے تحفظ کی ضمانت دیتی ہوں:

ٹھیک ہے مس دکیم، میں تیار ہوں:

تمہارے ذہن میں کوئی خدشہ تو نہیں ہے سرفراز:

کس قسم کا مس دکیم:

اوہ، پلیز مجھے نائرا کہو:

ٹھیک ہے مس نائرا:

میرا مطلب ہے کسی دھوکے کا: اس نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

کیوں، اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے:

مس نائرا مطمئن رہو، کوئی دھوکہ میرے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتا:

"اوہ۔ ونڈر فل، تم انوکھے انسان ہو، بے حد انوکھے" نائرا کی آنکھوں سے عجیب سے تاثرات ٹپکنے لگے، وہ چند قدم میری طرف بڑھی اور پھر رک گئی۔ اور پھر وہ ایک دم دوسری طرف مڑ گئی، میں غور سے اس کی یہ حرکات دیکھ رہا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ نائرا کے یہ جذبات مصنوعی نہیں تھے میں نے دل ہی دل میں اس حماقت کے بارے میں سوچا، کوئی عورت ہو، سوچنے کا انداز یکساں ہوتا ہے، لیکن بہرحال یہ میرے لیے فائدے کی بات تھی۔

"تو پھر چلیں نائرا"
"ہاں"
"تم گھوڑے پر آئی ہو؟"
"ہاں، تم نے میرے سونی کو تو مار ہی دیا"
"سونی کون؟"
"میرا خوبصورت ہاتھی"
"اوہ۔ وہ۔ مگر تم نے بھی اسے خوب ٹرینڈ کیا تھا۔"
"ہاں۔ بڑی مشکل سے، نہ جانے کیوں وہ بھی مجھے بہت چاہتا تھا۔ میرے ایک اشارے پر سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا تھا مجھے اس کی موت کا بہت افسوس ہے"
"اوہ۔ اب تو مجھے بھی افسوس ہے" میں نے کہا۔
"کیوں؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔
"ظاہر ہے تم اس کے لئے افسردہ ہو"
"تو میری افسردگی سے تمہیں افسوس ہے"
"ہاں۔ کیوں نہیں"
"آخر کیوں؟"
"ہم دوستوں کے سے انداز میں گفتگو کرنے لگے ہیں"
"میں بھی دوست، تم اپنے آدمیوں کو تیار کر لو" وہ بولی۔
"میں تنہا چلوں گا"
"اوہ۔ اوہ، تمہاری دلیری مجھے پاگل کر دے گی، میں ضرور پاگل ہو جاؤں گی" اس نے نچلا ہونٹ دباتے ہوئے کہا، میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
"تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں، مجھے کیا اعتراض ہو گا"
"تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو گی؟"
"ہاں۔ ہاں ضرور" نائرا بولی، اور میں اسے اپنے جھونپڑے میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ میں نے سیدھا نواب صاحب کے جھونپڑے کا رخ کیا تھا۔ کافی تیز رفتاری سے میں ان کے پاس پہنچ گیا۔

کوثر اور نواب صاحب آرام کرنے لیٹ گئے تھے، میں نے باہر سے انہیں آواز دی، اور نواب صاحب ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر باہر نکل آئے۔

"آؤ۔ سرفراز۔ خیریت؟"
"نائرا آئی ہے" میں نے مختصراً کہا۔
"اوہ۔ کیا کہہ رہی ہے؟"
"مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے"
"کیوں؟"
"معاملے کی گفتگو کرنے"
"اوہو۔ خیر"
"بس میں آپ کو اطلاع دینے آیا تھا۔ مجھے اجازت دیں" میں نے کہا "کیا مطلب۔ تم تنہا جانا چاہتے ہو۔؟"
"میں تنہا ہی جاؤں گا!"
"تمہیں مشورہ دوں گا سرفراز، براہ کرم ضد مت کرو میں بھی چلوں گا اور کسی اور کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ نہیں تمہارا تنہا جانا مناسب نہیں ہے۔"

بمشکل تمام میں نواب صاحب کو راضی کر سکا کوثر بھی پریشان ہو گئی تھی۔ بہرحال میں باہر آ گیا گھوڑوں کا بندوبست ہو گیا تھا، میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور نائرا اپنے گھوڑے پر۔ دونوں گھوڑے پہاڑوں کی طرف چل پڑے۔ نائرا خاموش تھی لیکن تھوڑی دور چل کر وہ بولی۔

"مسٹر سرفراز۔"
"ہوں۔ میں نے جواب دیا۔
"خاموش کیوں ہیں۔؟"
"آپ کا کیا خیال ہے مس نائرا۔
"اوہ۔ یہ بات نہیں۔ یونہی پوچھ رہی ہوں۔ وہ جلدی سے بولی۔
"کیا آپ کے خیال میں، میں خوفزدہ ہوں"
"نہیں مسٹر سرفراز۔ آپ خوفزدہ نہیں ہو سکتے۔"
ایک بات بتائیں گی؟
"ضرور"
"آپ کے ساتھ میں نے کیا کیا۔؟"
"مسٹر سرفراز۔ وہ عجیب سے لہجے میں بولی" میں نے محسوس کیا ہے۔ آپ ایک اچھے انسان ہیں مسٹر سرفراز میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ پھر بھی میں نے آپ کے بارے میں بہت سوچا ہے۔ مسٹر سرفراز براہ کرم آپ میرے اوپر شبہ نہ کریں۔ میں آپ کو وہ بات بتانا چاہتی ہوں، جو شاید آپ کو کبھی نہ معلوم ہو سکتی۔ لیکن آپ اسے راز رکھیں گے کیا آپ میرے لئے یہ کر سکتے ہیں۔
"آپ میرے اوپر اعتماد کریں"
"مسٹر سرفراز میری حیثیت یہاں پہلے نمبر پر نہیں ہے۔ اس پورے کارنامے کا انچارج میرا بھائی ہے۔ فلیچر ولیکلم۔ آپ نے شاید پہلے اس کا نام سنا ہو۔
"فلیچر ولیکلم"
"ہاں۔"

"کیا آپ مجھے کچھ تفصیلات بتائیں گی"
"امریکن اٹامک سینٹر سے ایٹم بم چرانے والا فلیچر ولیکلم" اس نے کہا۔ اور میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔
"تو کیا وہ جرائم پیشہ ہے"
"وہ بین الاقوامی مجرم۔ پوری دنیا اس کی تلاش میں ہے"۔
"وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔؟"
"ایٹم بم بنا لیا ہے۔ نائرا نے بتایا۔ اور میرا دماغ گھوم گیا۔
"کیا کرے گا وہ ان کا۔؟"
بڑا خوفناک پروگرام ہے اس کا۔ وہ یہاں میزائل لگائے گا۔ اور پھر پوری دنیا کو بلیک میل کرے گا۔
"اوہ۔ مس نائرا! ایسی شکل میں کیا وہ ہماری یہاں موجودگی پسند کرے گا؟"
"نہیں لیکن میں نے اس سے بات کر لی ہے۔ وہ تمہیں ہیرے دے کر یہاں سے روانہ کر دے گا! نائرا نے کہا اور میں غور سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔!
بڑی خطرناک بات بتا دی تھی اس نے۔ لیکن کیوں۔؟ اور اس کیوں کا جواب میں نے اس کی آنکھوں میں پڑھ لیا۔
"مجھے جنگل پسند نہیں ہیں۔ کیا تم میرے لئے ایک کام کر سکتے ہو۔!"
"کیا؟"
"جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میں تمہیں بہت پسند کرنے لگی ہوں۔ میں تم سے شادی کر لوں گی۔ اس نے بیباکی سے کہا اور میں اسے دیکھتا رہ گیا بہرحال پھر میں نے خود کو فوراً سنبھالا۔ اس کے لئے اتنی حیرتناک بات نہیں تھی۔ وہ ایک بیباک قوم کی لڑکی تھی۔
"تم نے جواب نہیں دیا سرفراز؟ چند ساعت کے بعد وہ بولی۔
"تمہارا بھائی یہ بات پسند کرے گا۔؟"
"نہیں کرے گا"
"پھر؟"
"میں اس کی غلام نہیں ہوں۔ میں خاموشی سے نکل چلوں گی"
"ایسی شکل میں خطرات بھی پیش آ سکتے ہیں"
"میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں پھنسنے دوں گی سرفراز۔ وعدہ کرتی ہوں۔ اس نے کہا۔ اور میں خیالات میں ڈوب گیا۔
بہرحال یہ صورتحال خاصی مددگار تھی لیکن اس نے جو کچھ بتلایا تھا وہ سخت حیرت ناک تھا۔ یہ لوگ یہاں ایک خوفناک منصوبے پر کام کر رہے تھے۔
"ایک بات بتاؤ نائرا؟"
"ہاں"
"یہاں تمہارے کل کتنے آدمی ہیں"
"ابھی تو بہت کم ہیں۔ دراصل فلیچر کا منصوبہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ ابھی وہ یہاں صرف تنصیبات کر رہا ہے میرا خیال ہے یہاں سب ملا کر کل تیرہ آدمی ہیں۔ فلیچر کی سائنسی معلومات زبردست ہیں۔ اس نے یہاں یورنیم کا ذخیرہ دریافت کر لیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے کام کرے گا۔ یہاں وہ ایٹم بم جو اس نے چرایا ہے اور اس پر ریسرچ کر رہا ہے۔ اس کے بعد وہ بڑے منصوبے کا آغاز کرے گا۔
"ہوں۔ میں نے گہری سانس لی۔ اور پھر ہم پہاڑوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ درحقیقت مختصر لوگوں نے ان پہاڑوں کی قدرتی بناوٹ سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ انہوں نے عمدہ رہائش گاہ بنائی ہوئی تھی فلیچر نے ایک خوبصورت سجے ہوئے غار میں میرا استقبال کیا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔
"ہیلو۔ مسٹر سرفراز۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"
"ہیلو۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن ایک بات پر مجھے حیرت ہے۔
"اوہو۔ کس بات پر"
"مس نائرا میرا نام بھول گئی تھیں۔ لیکن آپ کو یاد ہے"
"آپ اس سے پوچھیں۔ اس نے آپکا نام بتایا تھا؟"
"اوہ۔ پھر؟"
"تھوڑے سے علوم میرے پاس بھی ہیں۔ فلیچر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اوہ"
"ہاں۔ بہرحال آپ کی قوت میرے لئے بھی حیرت انگیز تھی۔ وہ کیا چکر تھا۔
"کون سا۔؟"
"ہاتھی کس طرح گیا۔؟
"بس موت آ گئی تھی اس کی"
"میرا بھی یہی خیال تھا۔ فلیچر نے ہنستے ہوئے کہا"
"آیئے مسٹر سرفراز۔ تشریف رکھیئے۔ نائرا نے کہا۔
"ارے ہاں۔ آیئے۔ فلیچر نے مکاری سے کہا میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کافی چالاک شخص ہے"۔ اور اس کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ بہرحال میں ہوشیار ہو گیا۔
"فلیچر ایک ملحقہ غار میں لے گیا۔ یہاں عمدہ فرنیچر موجود تھا"
مسٹر سرفراز کی خاطر مدارات کرو نائرا۔ میرا خیال ہے ان کے لئے کافی بنواؤ۔ جب تک میں انہیں عمدہ میوزک سنواؤں۔ فلیچر نے کہا۔ اور نائرا نے ایک شخص کو آواز دے کر کافی کے لئے کہہ دیا۔ اور فلیچر نے ایک ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا۔ ہوا کی سنسناہٹ اور دوسری آوازیں سنائی دیں۔ پھر نائرا کی آواز سنائی دی۔ راستے میں اس نے مجھ سے جو باتیں کی تھیں۔ وہ یہاں ٹیپ ہو چکی تھیں۔
نائرا کے چہرے پر سخت حیرت پھیل گئی۔
ارے۔ یہ۔ یہ تم نے کہاں سے ٹیپ کیں۔ وہ تعجب سے بولی۔
"بس ان غاروں میں یہی ایک خرابی ہے۔ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں" فلیچر بھیانک مسکراہٹ سے بولا۔
"لیکن یہ" نائرا نے کہنا چاہا۔
"ابھی میں کسی پر اعتماد نہیں کرتا مسٹر سرفراز خواہ وہ نائرا ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا کے بڑے بڑے لوگ اس عمل سے کامیاب ہوئے ہیں۔ اب دیکھیں نا اس احمق لڑکی نے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ اول تو میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ آپ

کو یہاں سے نکل جانے دوں۔ بیشک ہیرے میری نگاہ میں اتنی بڑی حیثیت نہیں رکھتے لیکن میں ان پہاڑوں کے راز کو یہاں سے باہر نہیں جانے دے سکتا۔ لیکن نائرا۔ ابھی وہ اپنی عمر کے اندازے سے بھی سوچ سکتی ہے۔ اگر میں اس کا نگراں نہ ہوتا تو نہ جانے کتنی حماقتیں کرتی۔"

"فلیچر۔" نائرا نے احتجاج کیا۔

"خاموش رہو بے بی۔ تم احمق ہو۔"

"کیا مطلب۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم۔"

صرف یہ کہ تم احمق۔ میں نہیں۔" فلیچر نے کہا۔

"گویا اب تم بدعہدی کرو گے۔"

"بدعہدی۔ میں نے عہد کیا ہی نہیں تھا۔ تمہاری ضد پر خاموش ہو گیا تھا۔" لیکن میں نے مسٹر سرفراز سے کچھ اور کہا تھا۔

جو کہا تھا وہ ضروری تھا۔

"تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" نائرا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"تم نے بتایا تھا تمام لوگوں میں مسٹر سرفراز ہی ایک خطرناک شخصیت ہیں۔ ہم انہیں یہاں خاموشی سے قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد دوسروں کو دیکھ لیں گے۔"

"گویا میری زبان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"اوہ۔ بے بی۔ تم ابھی بچی ہو۔"

"ہوں۔" نائرا نے آہستہ سے کہا۔ "تم ہمیشہ کے بدعہد ہو فلیچر میں تمہیں کہاں تک برداشت کروں۔"

"اور تم ہمیشہ کی احمق۔"

"خیر آئندہ میں تمہاری کسی بات پر بھروسہ نہیں کروں گی۔" نائرا غصے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ فلیچر ہنسنے لگا تھا۔

"کیسی احمق لڑکی ہے مسٹر سرفراز۔ اب آپ ہی غور کریں۔" میں آپ کو زندہ کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔ یہ میرے لئے کس قدر خطرناک ہوگا۔

"احمق تو تم بھی ہو فلیچر۔" بولو کیا۔

"کیوں۔ کس طرح؟" اس نے سختی سے پوچھا۔

"تمہارے علم میں ہے کہ میں تنہا آیا ہوں۔"

"ہاں"

"کیوں؟"

"بہت زیادہ خود اعتمادی کے شکار معلوم ہوتے ہو۔"

"اوہ۔ ممکن ہے یہ خود اعتمادی کسی حقیقت پہ مبنی ہو۔"

"میں بھی خود کو تیس مار خاں سمجھتا ہوں۔" فلیچر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور اچانک فلیچر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ دوسرے لمحے اس نے پستول نکال لیا۔ "ہاتھ بلند کر دو اور اس دروازے کی طرف بڑھو۔" اس نے کہا۔ اور میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ میری گرفت اس کی کلائی پر جم گئی، اور دوسرے لمحے وہ چیخ پڑا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا۔ تب میں نے اس کی ٹھوڑی پر ایک خیالی گھونسہ جڑ دیا۔ فلیچر دیوار سے ٹکرایا تھا۔

لیکن اسی وقت میں نے عقب سے ایک آواز سنی۔ فلیچر کے مسلح ساتھی اندر گھس آئے تھے۔ ان کے پستول میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ میں ان سب سے ایک ساتھ نہیں نمٹ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے ہاتھ بلند کر دیئے۔ اور اسی وقت عقب سے نائرا کی آواز سنائی دی۔

"خبردار پستول پھینک دو۔ ورنہ۔ اور وہ اب چونک پڑے۔" نائرا کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے۔

"تو حد سے بڑھ رہی ہے نائرا۔" فلیچر نے کہا۔

"میں بھی تیری بدعہدی سے تنگ آ گئی ہوں فلیچر۔" نائرا نے کہا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!"

"میں خود تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" نائرا نے کہا۔ لیکن اس دوران میری توجہ فلیچر کی طرف سے ہٹ گئی تھی۔ اس نے پستول اٹھا کر فائر جھونک دیا لیکن اس کا ایک ساتھی بھی شکار ہوا تھا۔ اور پھر افراتفری پھیل گئی۔ نائرا نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔

سب نے اس دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی جس کی طرف فلیچر نے اشارہ کیا تھا۔ اور مجھے نائرا کی چیخ سنائی دی۔ لیکن اس کے باوجود گولیاں چلتی رہیں اور چیخیں ابھرتی رہیں۔ اس کھیل میں میری حیثیت تماشائی کی سی تھی۔ پھر "میرے عقب میں آوازیں ابھریں۔ کچھ فائر ہوئے اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ پھر نواب فیروز الدین کی آواز ابھری۔

"سرفراز۔ سرفراز۔ تم کہاں ہو۔

اور میں باہر نکل آیا۔ غار میں لاشیں پڑی تھیں۔ نواب صاحب اور ان کے آدمیوں نے تین آدمیوں کو زندہ پکڑ لیا تھا۔ نائرا اور فلیچر کی لاشیں سامنے تھیں۔ جن تینوں کو پکڑا گیا تھا ان کے جسموں میں بھی گولیاں پیوست تھیں۔ اور بالآخر انہوں نے بھی دم توڑ دیا۔

میں خاموش تھا۔ ہم غاروں سے نکل آئے۔ اور پھر بستی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں، میں نے نواب صاحب سے ان کی آمد کے بارے میں پوچھا۔

"میں تمہارے تنہا آنے پر خاموش کیسے رہ سکتا تھا۔ انہوں نے مختصراً جواب دیا اور اس جواب سے ساری حقیقت واضح ہو گئی۔

اس کے بعد ہنگامی دن گذرے۔ سب نے سماترا کو نی تیکا کا سردار بنا لیا۔۔۔ فرنندعامری نے اپنے بیٹے کے ساتھ یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور سماترا کی مدد سے ہم نے قیمتی ہیروں کی تلاش شروع کر دی۔ نی تیکا تو ہیروں کی زمین تھی۔ اتنا بڑا ذخیرہ ساری دنیا میں تہلکہ مچانے کے لئے کافی تھا۔ کرنل ڈکسن اب اپنی حرکت پر شرمندہ تھا۔ اور لب خاموش رہتا تھا۔

بہرحال ہیروں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ حاصل کر لیا تھا۔ نی تیکا میں ہی اس کی تقسیم ہوئی۔ اور منصفانہ طور پہ فیصلہ کر لیا گیا۔ کہ ہیروں کے سب سے بڑے ذخیرے کا مالک میں ہوں گا۔ کیوں کہ ان کی زندگیاں میری کاوشوں کی مرہون منت تھیں پھر بھی میں نے اور نواب صاحب نے ایک دوسرا پروگرام بنایا۔

مزدوروں میں سے آٹھ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ اور ان کا انچارج ٹوبو کو بنا دیا۔ اسلحہ صرف ان لوگوں کے پاس تھا باقی لوگ مکمل طور پر نہتے کر دیئے گئے تھے جن میں، میں بھی شامل تھا۔ یہ اقدام اس لئے کیا گیا تھا کہ راستے میں کسی کی نیت بدلے تو اسے سنبھالا جا سکے۔!

اور پھر واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ انتہائی پرتحقیق سفر یہاں تک کہ طویل اور پر مشقت سفر کے بعد مہذب آبادی میں پہنچ گئے اور یہاں سے اپنے اپنے شہروں کی طرف چل پڑے۔

کوثر وغیرہ اب بالکل ٹھیک تھیں۔ اور میرے دل کی کیفیت عجیب تھی۔ نواب فیروز الدین، میں کوثر اور ٹوبو اپنے وطن چل پڑے۔ نی تیکا کے لوگوں کو واپس کر لیا گیا تھا۔

اور جس وقت ہم نواب فیروز الدین کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو کہرام مچ گیا۔ اس طرح خاموشی سے نواب صاحب کبھی نہیں آئے تھے۔ گھر کا ایک ایک فرد خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ رشید الدین احمد خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔

نواب صاحب نے مجھ سے پوچھے بغیر میرے لئے کوٹھی کا ایک حصہ ٹھیک کرا دیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں وہاں آرام کروں!

نہیں نواب صاحب۔ یہاں میرا گھر بھی موجود ہے۔ ہوں کیا۔ اور نواب صاحب مجھے دیکھنے لگے!

"کیا مطلب تمہارا گھر؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں بھئی؟"

"بس آپ کی کوٹھی سے ملحق۔ ایک بیٹھک ہے جو میری ہے۔"

"اوہ۔ تمہارا مطلب ہے۔"

"جی ہاں۔ میں رشید الدین صاحب کے ساتھ ہی قیام کروں گا!" میں نے جواب دیا۔ اور رشید الدین احمد رو پڑے۔

"کیا کہوں۔ کیا کہوں میں تمہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ارے تو   اس میں رونے کی کیا بات ہے   جاؤ میل جاؤ۔ بڑے ہی بے مروت ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔

اور میں رشید الدین احمد کے ساتھ اپنی بیٹھک میں آ گیا۔ چچی جان، افشاں اور دوسری لڑکیاں میرے گرد جمع ہو گئیں۔ افشاں اتنی ہی پیاری تھی۔ میں نے اسے خوب پیار کیا۔ اور پھر کہکشاں کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔

چچی جان کہکشاں کہاں ہیں؟

"ابھی۔ ابھی تو یہیں تھی۔ کہکشاں۔ کہکشاں۔ کہکشاں۔" چچی جان نے آواز دی۔ اور کہکشاں سمٹی سمٹی آ گئی۔ اس کے چہرے پر ان گنت پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ بیشمار باتیں ہوئیں۔ میں نے نی تیکا کے قصے سنائے اور رشید الدین احمد کا سینہ فخر سے پھول گیا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے میاں؟"

"بس جناب۔ اب یہاں کاروبار شروع کروں گا۔ آپ میرے لئے ضروری بندوبست فرما دیں۔"

"بھئی۔ ہم خزانچی نواب فیروز الدین کے ہی رہیں گے۔" رشید الدین صاحب بولے۔ اور میں ہنسنے لگا۔ میرے ذہن میں آج کل ہر وقت خیالات کی پھلجڑیاں چھوٹتی رہتی تھیں۔ میں نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا جس کے لئے سوچ کر گھر چھوڑا تھا اور اب نہ جانے کیوں مجھے گھر کے لوگ یاد آنے لگے تھے۔ نواب فیروز الدین نہایت ایماندار انسان تھے۔ قیمتی ہیروں کی فروخت کا کام سب ان کے سپرد کر دیا تھا۔ اور دنیا کی کئی ہیروں کا کاروبار کرنے والی فرموں سے ان کی بات چیت چل رہی تھی۔

بالآخر انتہائی چند ہیرے میری منظوری سے فروخت ہوئے اور مجھے بے شمار روپے مل گئے۔ دوسرے ہیروں کی بات چل رہی تھی یہ دولت کافی تھی۔ خود نواب فیروز الدین میرے معاملات میں بے حد دلچسپی لے رہے تھے۔ انہوں نے میرے لئے ایک عالیشان کوٹھی خرید لی۔ جو ایک خوبصورت علاقے میں واقع تھی۔ نواب صاحب کو اندازہ تھا کہ میری حیثیت اب کیا ہو گئی ہے چنانچہ انہوں نے میرے شایان شان انتظامات کئے تھے۔ درجنوں ملازم موجود تھے پھر ایک خوبصورت فرم کھولی گئی۔ جو ہیروں کے کاروبار کے لئے تھی۔ ہمارے پاس جتنا بڑا ذخیرہ تھا وہ پوری دنیا میں تہلکہ مچا سکتا تھا بہرحال خاموشی سے ساری تیاریاں ہو رہی تھیں۔

کوثر اب بالکل بدل گئی تھی۔ وہ سر عام مجھے بھائی جان کہتی تھی اور اسے کوئی جھجک نہیں تھی۔ کہکشاں معروف تھی۔

لیکن ایک شام کوثر کی کوششوں سے ہمیں تنہائی مل گئی۔ اتفاقیہ موقع پیدا ہوا تھا۔ لیکن میں سمجھ گیا یہ کوثر کی بدمعاشی ہے۔

کہکشاں مجھے دیکھ کر جھجک گئی تھی۔ لیکن میرے دل میں اس وقت زمانے بھر کا پیار سمٹ آیا تھا۔ میں نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کہکشاں؟"

"جی!" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے۔"

"جی۔ کچھ نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔

"کہکشاں۔ مجھ سے چھپاؤ گی۔"

"ایمان سے۔ کوئی بات نہیں ہے۔"

"کیا سوچ رہی ہو۔"

"ہم۔ ہم یہاں تنہا ہیں۔"

"تو پھر۔"

"بس کچھ نہیں۔ یہی سوچ رہی تھی۔"

"مجھ سے خوفزدہ ہو؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر باتیں کرو۔"

"بتاؤں۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"جی۔"

"امی اور ابو آج کل کیا باتیں کرتے ہیں؟"
"جی۔ وہ۔ اس نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا۔"
"بتاؤ تو سہی۔"
"کیا بتاؤں؟"
"کیا اب وہ ہماری شادی کی بات نہیں کرتے میں نے کہا۔ اور کہکشاں کا رخ سرخ ہوگیا۔" بتاؤ کہکشاں!
اور کہکشاں کے چہرے کے تاثرات بدل گئے
"جی نہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔
"کیوں۔ ان کا ارادہ بدل گیا ہے کیا۔"
"ہاں۔"
"لیکن کیوں؟"
"اب ہم آپ کے قابل نہیں ہیں۔"
"ارے کیوں۔ اب کیا میری ناک ٹیڑھی ہوگئی ہے۔"
"جی نہیں۔"
"پھر؟"
"اب آپ بہت بڑے انسان ہیں۔"
"ارے جو۔ پہلے کیا میں چھوٹا سا تھا۔"
"ہاں۔ پہلے آپ ہماری طرح تھے۔"
"اور اب؟ میں نے پوچھا۔"
"آپ۔ آپ خود بھی تو یہ نہیں چاہتے تھے سرفراز صاحب۔ آپ نے آپ سے اس وقت بھی۔"
"ہاں کہکشاں۔ اس وقت میں تم سے کیا کہہ سکتا تھا۔ اس وقت میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں تمہیں بہلا دیتا لیکن آج میری زندگی کا شن پورا ہو چکا ہے۔ اس سارے وقت میں۔ اگر میں نے کچھ سوچا ہے تو تمہارے بارے میں کہکشاں اور اب سن لو میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ بس یوں سمجھو۔ تم بچ کر جا بھی نہیں۔ میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اور کہکشاں بھونچکی ہوکر میری شکل دیکھنے لگی۔
تو کوثر باجی نے ٹھیک کہا تھا۔
"کیا کہا تھا انہوں نے؟"
"انہوں نے میری پیشانی چوم کر کہا تھا۔ کہ خدا تمہیں سرفراز کرے۔ میں نے وضاحت طلب کی تو انہوں نے مجھے خوب ستایا۔ انہوں نے آپ کے بارے میں بتایا کتنی لڑکیوں نے آپ کو پریشان کیا۔ اور آپ نے انہیں ٹھکرا دیا۔ اور پھر انہوں نے میرے بارے میں کہا۔
کوثر نے ٹھیک کہا ہے کہکشاں۔ بس ایک بات بتا دو۔
"جی"
"تمہیں تو اعتراض نہیں ہے۔ اور کہکشاں کا چہرہ سرخ ہوگیا۔"
"جواب دو کہکشاں۔ میں نے اصرار کیا۔"
"نہیں اس نے آہستہ سے کہا۔"

اور پھر اس رات میں نے رشید الدین احمد صاحب سے گفتگو کی۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو میں اپنے مکان میں چلا جاؤں۔
"خدا تمہیں مبارک کرے بیٹا۔"
"اس کے علاوہ میں آپ کو کچھ تکلیفیں دینا چاہتا ہوں۔
میاں۔ بے تکلفی سے کہو۔
"آپ میرے والدین کو میرے بارے میں اطلاع دے دیں۔"
"اوہ۔ تو کیا تم مجھے ان کے بارے میں بتا دو گے؟"
"ہاں"
میرے لئے اس سے بڑی خوش بختی کیا ہوگی۔ رشید الدین صاحب بولے تب میں نے انہیں اپنی زندگی کی پوری کہانی سنا دی اور رشید الدین صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا۔
"بس کافی ہے بیٹے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔
اور دوسرے دن خود نواب فیروز الدین اور رشید صاحب چل دیئے میں کافی بے چین تھا۔ نواب صاحب اور رشید الدین صاحب چوتھے روز واپس آئے! اور ان کے ساتھ میرا پورا خاندان تھا۔ نہ جانے دادا صاحب کو کیا ہوگیا تھا مجھے خوب گلے لگا کر روئے۔ بی زلیخا کی شادی میرے ایک بھائی سے ہوگئی تھی۔ وہ بھی اپنے خوبصورت بچے کے ساتھ آئیں۔ نواب فیروز الدین نے انہیں اپنا مہمان رکھا تھا۔
رات بھر گھر والے مجھ سے گفتگو کرتے رہے اور میں نے اندازہ لگایا کہ ابھی انہیں میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے! ان دونوں بزرگ نے میرے اوپر یہ احسان کیا تھا۔
"اب تمہارا کیا پروگرام ہے بیٹے۔ والد صاحب نے پوچھا۔"
"آپ لوگ تشریف لے آئے۔ یہ میری عزت افزائی ہے۔"
"ہم تمہیں لینے آئے ہیں بھیا۔ میرے بڑے بھائی نے کہا۔"
"میں ناکارہ انسان ہوں بھائی صاحب۔ آپ کے لئے خواہ مخواہ درد سر بن جاؤں گا۔"
"نہیں سرفراز۔ بہرحال تم بھائی ہو جائیداد میں تمہارا اتنا حصہ ہے کہ تم آسانی سے زندگی بسر کر سکتے ہو۔"
لیکن آپ لوگوں کے خیالات کیسے بدل گئے۔؟
"بس تمہاری جدائی سے۔"
"افسوس۔ میری زندگی اب بدل گئی ہے۔"
"کیا مطلب۔ والد صاحب بولے۔"
"میں یہاں کاروبار کر رہا ہوں۔"
"کیا مطلب۔ والد صاحب پھر اسی انداز میں بولے۔"
لیکن میں نے اس بات کا مطلب دوسرے دن ہی بتایا۔ نواب فیروز الدین اور رشید الدین احمد صاحب میرے شریک تھے۔
پہلے ہم نے انہیں اپنی ہیروں کی فرم دکھائی۔ والد صاحب نے بڑی دلچسپی سے ہیرے دیکھے تھے۔ لیکن وہ حیران بھی تھے۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"
اس لئے کہ یہ فرم آپ کی ہے۔ میں نے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"آپ کے اس ناکارہ بیٹے نے یہ کاروبار کر لیا ہے۔"
"جی۔ یہ آپ کا کاروبار ہے۔"
"اور یہ فرم۔ یہ عمارت۔"
"آپ کی ہی ہے۔ میں نے کہا اور والد صاحب حیرت سے نواب صاحب کی شکل دیکھنے لگے۔ ان کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔
"آپ کو تسلیم کرنا ہوگا جناب کہ آپ کا بیٹا ناکارہ نہیں ہے۔"
"لیکن یہ سب کچھ؟"
"اس نے اپنی قوت بازو سے پیدا کیا ہے۔"
"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔"
"آپ کو اپنے خون پر اعتماد نہیں۔"
"خدا کی پناہ۔ یہ تو بہت بڑی فرم ہے"
"جو کچھ بھی ہے آپ کا ہے۔"
پھر ہم وہاں سے کوٹھی پر گئے اور میرے بھائی بھابیاں والد والدہ پاگل ہوگئے۔ وہ متحیرانہ انداز میں ایک ایک چیز دیکھ رہے تھے۔
آخر میں والد صاحب نے کہا۔ خدا تمہیں خوش رکھے سرفراز۔
آپ نے اس کا نام ہی سرفراز رکھا ہے۔ نواب صاحب مسکرا کر بولے۔
"اور آپ اب اس کوٹھی میں قیام کریں گے میں نے کہا۔"
"بھئی یہ ناانصافی ہے" ۔ نواب صاحب نے اعتراض کیا
"کیوں نواب صاحب۔"
"تم میرے مہمانوں پر قبضہ جما رہے ہو۔"
"مجھے اپنے بیٹے کی کوٹھی میں رہنے کی اجازت دیں۔" نواب صاحب والد صاحب نے کہا۔ اور نواب صاحب ہنسنے لگے۔!
میرے گھر والوں کی جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر سب کے سب جیسے طلسم خواب میں تھے۔ رفتہ رفتہ ہی وہ اعتدال پر آسکے۔ پندرہ دن گذر گئے۔ تب ایک رات والد صاحب نے مجھ سے پوچھا۔
"اور۔۔ سرفراز بیٹے۔ اب آئندہ تمہارا کیا پروگرام ہے۔"
"میں یہیں رہوں گا۔ ابا جان۔!"
"مجھے اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ہمارے جانے کے بعد۔ میرا مطلب ہے۔ کیا تم اس کوٹھی میں تنہا رہ گے؟"
"یہ آپ سوچیں۔"
"شادی نہیں کرو گے؟"
"آپ حکم دیں گے تو ضرور کروں گا۔"
"واقعی۔" والد صاحب خوش ہوگئے۔
"جی۔"؟

"اوہ۔ نواب عزیز اللہ خاں کی دو لڑکیاں۔ بے مثال۔ اور وہ تیار دست بھی ہیں اور تمہارے شایان شان بھی۔"
"ایک عرضداشت میری بھی ہے۔"
"ہوں۔ کہو۔"
"میں ان دونوں میں سے کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا۔!
"ارے کیوں!"
"گستاخی کے لئے شرمندہ ہوں۔ میں نے شریک حیات کا انتخاب کر لیا ہے۔"
میں سمجھ گیا۔
"کیا سمجھ گئے ابا جان۔"
"پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ والد صاحب مسکرا کر بولے۔ بہرحال اب تو مجھے تمہاری خوشی عزیز ہے۔ اب میں تمہارے معاملے میں نہیں بولوں گا۔ اور پھر نواب فیروز الدین بھی ہمارے ہم پلہ ہیں۔ وہ لوگ بھی کم میں بھی پوری دلچسپی لیتے ہیں۔"

"نواب فیروزالدین۔ میں نے سکون سے کہا۔"
"نہیں۔ کیا تم کوثر کو پسند نہیں کرتے۔"
"کوثر"
"نہیں بس۔ کیسی الجھی الجھی باتیں کر رہے ہیں۔"
"میں کوثر کو نہیں پسند کرتا۔" ابا جان
"واوہ۔ پھر؟"
"میں کہکشاں سے شادی کروں گا ابا جان۔"
"کہکشاں کون ہے؟"
"رشید الدین صاحب کی لڑکی۔"
"ارے۔ لیکن وہ تو۔ وہ تو۔ وہ تو۔ میرا مطلب ہے رشید الدین تو۔ نواب فیروزالدین کے ملازم ہیں۔ ان کے پاس کیا رکھا ہے۔؟"
"دولت کی بات کر رہے ہیں ابا جان۔"
"ہاں یہی سمجھ لو۔"
"آپ کو میرے پاس کسی چیز کی کمی محسوس ہو رہی ہے جو آپ میرے سسرال سے پوری کرنا چاہتے ہیں۔؟"
"مگر حیثیت۔ حیثیت بھی بڑی چیز ہے۔"
"تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میری یہ حیثیت رشید الدین احمد کی وجہ سے ہے۔"
"کیا مطلب۔"
"تفصیل نہیں بتاؤں گا۔"
"نظر ثانی کرو اپنے فیصلے پر۔ مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔"
"آپ فرما چکے ہیں آپ کو میری خوشی عزیز ہے۔"
"ہاں۔ لیکن حماقت نہیں۔ والد صاحب نے کہا تم نظر ثانی کر کے فیصلہ کر لو۔ اور مجھے جواب دو۔ تاکہ میں تمہارے لئے کوشش کروں۔"
"اگر آپ زحمت کرنا چاہتے ہیں محترم۔ تو رشید الدین احمد سے بات کر لیں۔ ورنہ اس سلسلہ میں کوئی کرم فرمائی نہ کریں۔ میں نے سخت لہجے میں کہا اور والد صاحب چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔"
"تو اب تم ہمیں ذلیل کر کے بدلہ لینا چاہتے ہو۔ والد صاحب بولے۔"
"میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔ لیکن۔ میری زندگی پر کسی کا کوئی تسلط نہیں ہے۔ اس نے کہا اور والد صاحب کے پاس سے اٹھ گیا۔
نہ جانے کیا کیا اسکیمیں بنیں۔ نہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں۔ لیکن دوسرا دن خوشگوار تھا۔ حیرت انگیز طور پر خوشگوار۔ والد صاحب، بھابی بھائی سب مسکرا رہے تھے۔ پھر تیاریاں ہونے لگیں۔ بھائی بازار چلے گئے۔ اور واپس آئے تو مٹھائی کے درجنوں ٹوکرے ساتھ لائے۔

زلیخا میرے ہاتھ لگ گئی۔ کیا ہو رہا ہے بھابی۔ میں نے اس سے پوچھا۔
ابھی بتانے کی بات نہیں ہے۔ زلیخا ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔ لیکن بات تو معلوم ہو ہی گئی۔ اب کا قصہ رشید الدین احمد کے یہاں کا تھا۔ بعد میں تفصیلات معلوم ہوئیں۔ رشید الدین احمد بھونچکے رہ گئے تھے۔ ان کے ذہن سے یہ بات کس طرح اتر ہی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے ضمنی طور پر اقرار کر لیا اور اسی رات میرے اوپر حملہ آور ہو گئے۔
"سرفراز بیٹے۔ میرے تو تم بچے ہو۔ صرف ایک بات بتا دو۔ کیا یہ سب تمہارے علم میں ہے۔ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے۔"
"ہاں میں نے جواب دیا۔ وہ مجھے دیکھتے رہے۔ اور پھر انہوں نے مجھے بازوؤں میں بھینچ لیا۔
پھر کہکشاں میرے آنگن میں اتر آئی۔ میرا دل منور ہو گیا۔ اسے رخصت کر کے لانے والوں میں زلیخا، کوثر اور نور جہاں تصیر اور۔ میں نے تینوں کی آنکھوں میں موتی چمکتے دیکھے تھے اور یہ موتی زمین میں گم ہو گئے۔
اور۔ موج کہکشاں میری بیوی ہے۔ ہمارے دو بچے ہیں۔ ایک لڑکی ایک لڑکا، لڑکے کا نام ظفر ہے اور لڑکی کا نام عروج ہے۔ تو وہ میرا وفادار دوست آج تک میرے ساتھ ہے اور میرے چھوٹے سے بیٹے کے لئے نیزے اور تلواریں بناتا رہتا ہے۔ اکثر دونوں مذاق بھی کرتے ہیں۔ آپ بھی ہماری بہتر زندگی کیلئے دعائیں کرتے رہا کریں۔

آپ کا

سرفراز